بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِی إِلَيْهِ أَنَّهُ لَاإِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِی

اور (اے محمدؐ) جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے انکی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو (صرف) میری ہی عبادت کرو (سورۂ انبیاء/ ۲۵)

اَنوَارِ مَعصُومِین

حالات و معجزات معصومین

(تاریخ اسلام)

مؤلفہ

محترمہ ڈاکٹر نور النساء صاحبہ

ناشر

نور ہدایت فاؤنڈیشن، امام باڑہ غفران مآب، مولانا کلب حسین روڈ، چوک، لکھنؤ-۳

سلسلہ اشاعت نور ہدایت فاؤنڈیشن نمبر — ۲۰

نام کتاب...''انوار معصومین''

مؤلفہ...............................محترمہ ڈاکٹر نور النساء صاحبہ

تعداد...ایک ہزار (۱۰۰۰)

سن طباعت.....................................نومبر ۲۰۰۹ء

کمپیوٹر کمپوزنگ......................نور ہدایت فاؤنڈیشن، لکھنؤ

ہدیہ......................................(۳۲۵) تین سو پچیس روپئے

ناشر.....نور ہدایت فاؤنڈیشن، امامباڑہ غفران مآبؒ، چوک، لکھنؤ۔۳

انتساب

میں اپنی اس حقیر تالیف کو حجت یگانہ، امام زمانہؑ، نا خدائے کشتیٔ اِسلام، صاحب العصر والزمان، حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام کے وجود مقدس اور نام نامی واسم گرامی سے معنون ومنسوب کرتی ہوں۔ جن کا وجود مقدس حق ہے، جن کی غیبت حق ہے جن کے ظہور کا ہم سب کو بڑی بے صبری سے انتظار ہے۔

احقر الزمن

ڈاکٹر نور النساء

فہرست مضامین

عنوان **صفحہ**

عنوان **صفحہ**

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

✿✿✿

ناشر کی میز سے

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لو لا ان ھدٰنا اللہ.

انسان آفریں خالق نور و کتاب مبیں رب عزت وتحسیں کا شکر بے پایاں جس نے انسان کو بلند ترین شرف سے نوازا، ہمیں اس شرف سے محروم نہ کیا اور پھر اس شرف کے حصول کے لئے مناسب نور ہدایت کے منارہ تک ہماری رہنمائی فرمائی۔

ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ ہمیں معصوم (بے داغ) ہادیوں کا وہ نورانی سلسلہ ملا جو افضل تکوین ہی نہیں، باعثِ تخلیق وبقائے کائنات بھی ہے۔ اس سلسلہ کی معرفت کی راہ میں ابتدا سے ہی ہمارے بزرگ علماء کی انتہائی قابل قدر قلمی خدمات تاریخ دین وعلم وادب کے حوالہ ہوتی رہیں۔ ہماری اردو کا مذہبی ادب بھی ان مقدس افاضل کے پاک مصنفات ومولفات سے مالا مال رہا ہے۔

اسی پاک سلسلہ کو معنون ایک تازہ نگارش 'انوار معصومین' نور ہدایت فاؤنڈیشن لکھنؤ کی ۲۰ ویں پیشکش کی صورت میں مومنین کرام کے ذوق علم وادب کو نذر ہے۔ یہ نگارش عزائی ادب کے خصوصی حوالہ سے معروف مولفہ محترمہ ڈاکٹر نورالنساء صاحبہ زادتوفقہا کا نتیجۂ کاوش ہے جس میں معصومینؑ کے واقعات کو اپنے طور سے جمع کیا گیا ہے۔

اہل نظر قارئین سے امید قوی ہے کہ کھلے دل سے اس نورانی تحفہ کا خیر مقدم اور کھلی تحقیقی نظر سے اس کا مطالعہ فرمائیں گے۔ اس طرح مولفہ محترمہ کی خاطر خواہ پذیرائی کے ساتھ ساتھ نور ہدایت فاؤنڈیشن کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

آگے اسی بارگاہ ذوالجلال والاکرام میں دست بدعا ہوں کہ ہمیں نیک توفیقات سے نوازتا رہے۔

آمین

وآخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

نومبر ۲۰۰۹ء

سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی

رئیس موسسہ نور ہدایت، حسینیہ غفران مآبؒ، چوک، لکھنؤ-۳

نور کے نام

وہ بے انتہائی Infinity کے 'نہیں' کو توڑتا ہوا 'پہلا' ہے........

وہ واجب ذی جود کا دیا ہوا پہلا 'ممکن' وجود.............

وہ حسن خود بیں کی پہلی چاہ............وہ جمال خود آرا کی جلوہ فزائی کا پہلا گواہ.......

وہ پہلی نظر کے پیار کا پہلا نمونۂ ناز..........وہ معشوق بے نیاز کا ساز نیاز...........

وہ تکوین کا نکتۂ ابتداء..........

وہ نور...........وہ نور..........وہ نور.............وہ پہلا ظہور.........

وہ اپنے خلعت وجود کے پہلے ہی لمحہ راہ سجود پر______یعنی وہ آپ ہی آپ اپنے مقصد خلقت کو جان گیا_____اپنے خالق کو پہچان گیا۔

_____فنکار وجد میں کہ منشا پورا ہوا!!

اس خلوت ناز میں کون اور ہے؟............ایک طرف وہ ایک جس کا دوجا ہو نہیں سکتا۔ دوسری طرف وہ ایک جس کا دوجا ہو تو سکتا ہے (بلکہ اس نور کا مقدور ہی دوج ہے) مگر ابھی ظہور سے دور.......ایک رخ وحدانیت کا جلوۂ، دوسرے رخ انفرادیت کا جلسہ۔ تحسین و آفریں کہنے کو کوئی نہیں!! سبحان اللہ!! فنکار ہی کہے، تو کہے:

فتبارک اللہ احسن الخالقین

آگے............اسی پہلی تخلیق کی خاطر_____کائنات سجی، زمان و مکاں (Time & Space) کی دنیا رچی۔ مادہ (Matter) اُگا، رنگ و بو کا چہچہاتا ہوا چمن جگا۔ احساس وشعور کا چمتکاری جگ مگ جگ جگ اٹھا۔ عقل وتمیز اور جذبات کے بوس وکنار کا جھملاتا سنسار جما......حسن وجمال کے رنگارنگ

جلوے جگمگانے لگے، نقشے جمنے لگے۔ رعنائیاں لہلہانے لگیں، رونقیں بہنے لگیں۔

آخر آخر اس سجی دھجی برات کا دولہا دکھا، جس میں چھا جانے کی فطری چاہ پنپی، کچھ الگ کر دکھانے کی امنگ تڑپی۔ پھر کیا تھا! اس تڑپ کی الٹی سیدھی دھما چوکڑی سے انحرافات بھی جگے، اُدھم اگنے لگے، دھما کے دھرتی کو دہلانے لگے۔ نظم ونسق تلملانے لگا، زمین کے امن وامان پر آنچ آنے لگی۔ فطری روش میں اپنی سمت بڑھنے والے انسانی سماج کا 'سماج' ٹھٹکنے لگا، اور 'انسان' چٹکنے لگا......خود غرضیاں اپنا کھیل دکھانے لگیں، بدمستیاں رنگ جمانے لگیں، تنگ نظر مفاد پرستیاں راج جمانے لگیں۔ نتیجہ؟......خدائی پر جہاں صرف اور صرف ایک اسی ایک اکیلے رحیم وکریم، عادل حقیقی، رب العزت، حکیم وعظیم کو حکومت کا حق ہے، وہاں انانیت کی ترقی یافتہ شکل ہوس اقتدار نے سر اٹھایا اور اصلاح کے بہانے، سماجی بہبود کے جھانسے سے انصاف کے کھینچے تانے جامہ میں 'راج' کو جما ہی تو لیا۔ انسان دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ کسی نہ کسی طرح اس کا سر جھکا دیا گیا۔

یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے!

راج کا بنوٹی بناوٹی مول جمانے کے لئے انسان، انسانیت کا خون مندا کیا گیا۔ راج کی بن آئی، کہیں سے اُٹھ اُچکّو سکندر نے مقدر جھپٹ ہی لیا۔ 'سکندر' کے مقدر کو بنائے رکھنے کے لئے ابھرتی ہوئی تاریخ پر اندھ کی چکا چوندھ کی مار دے کر اسے بندھوا بنا لیا گیا، یہاں تک کہ وہ محل کی رنگینیوں، ضمیر فروش خوشامدوں اور قلعہ بند جھنکاروں کے باہر تبھی کچھ جھانک سکے جب کوئی زبردست بغاوت قلعہ کی دیواروں کو ہلا دے، سامراج کی رنگین نیند کو جھنجھوڑ دے اور دربار کے خوشامدی چین کو رفو چکر کر دے۔ اس طرح اس تاریخ کو علم وکمال کے بے نیاز منارے، دانشوری کے خوددار جگمگاتے سہارے اور شرافت کے گوشہ نشین چاند تارے کہاں نظر آسکتے ہیں۔ اگر کسی کونے میں سیاست سے بے نیاز کوئی امن پسند ہستی جیتی ہے، وہ چاہے کردار کے کتنے ہی اونچے معیار پر ہو، انسانیت کی چاہے جتنی بڑی منزلت پر ہو، علم وفن کے کمال کی چاہے جتنی بلند وبرتر حیثیت پر ہو، اسے دیکھنے کی اس عقل ماری بے چاری تاریخ کو فرصت کہاں!! (بے چاری اس لئے کہ اس کی اس بندھوا مزدوری کی بیگاری سے چھٹکارے کا ایک ہی سہارا دانشوری بن سکتی ہے، لیکن تاریخ انسانی میں بظاہر سب سے توانا آج کی دانشوری بھی، کھوکھلے نعروں والے اپنے منہ بولے 'آزاد' قلم کے ساتھ اتنی سکت کہاں جٹا پائی ہے

کہ خود ہی کو سامراج کے بندھنوں سے نجات دلا سکے، وہ کیا تاریخ کی خیر خبر لے سکتی ہے۔)

لیکن..... یہاں پر ایک بہت بڑی 'لیکن' ملتی ہے۔ اس حال کی ایسی تاریخ میں بھی ایک زمانہ نہیں پوری تین صدیوں کے عرصہ پر محیط ایک کردار نہیں، پورا ایک سلسلہ ملتا ہے، جو وقت کے تخت نشین ہر سامراج کی خود ساختہ دشمن آنکھوں میں پوری طرح کھٹکتا بھی رہا، جبکہ وہ سلسلہ اپنی پوری طاقت سے سیاست سے دور بھی رہا، بلکہ ہاتھ آتے ہوئے تخت کو ٹھکراتا بھی رہا۔ سیاست اپنی سمجھ سے اسے اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے سارے جتن، سارے ہتھکنڈے اور سارے ہتھیار آزما لینے کے بعد زہر کے چھپے ہوئے (بایولاجکل) ہتھیار پر ہاتھ صاف کرنے لگتی ہے۔ اس سے ان کی زندگیوں کی شمع کو خاموش کر سامراج کے مخاصمانہ جذبوں کے مجرمانہ حوصلوں کو ٹھنڈک دیتے تو بنی مگر پتہ نہیں کیا تھا، ساری طاقت واقتدار ہڑپ کئے ہوئے اور سارے مجرمانہ سازشی ذہنوں کو زیر نگیں کئے ہوئے سامراج ان کی دشمنی اور نفرت تو پالے رہا، پر اس سلسلہ کے پاک صاف، نرمل کردار پر چھوٹا موٹا ہلکا سا دھبا تک نہ لگا سکا۔ ایسی بھی بات نہیں کہ اس کی عقل چرنے چلی گئی ہو اور یہ سوچ نہ سکا ہو، اس نے اس بارے میں اپنے بھر بھر سک جتن کر ڈالے لیکن کچھ کام نہ بنا، اپنی سی کچھ چل نہ سکی۔ یہ اس سلسلہ کا سچ تھا جو تاریخ کے سر چڑھ بولتا رہا یا اس کردار کی بلاخیز تابانی تھی جو تاریخ کو خیرہ کرتی رہی یا اس سلسلہ کے غیر معمولی کمال کا غیر معمولی اثر تھا جو تاریخ اور سامراج کی اندیکھی کر اپنی تاریخ رچتا رہا یا کوئی روحانی اعجازی عصا تھا جو تاریخ اور سامراج کے سامری سانپوں کو نگلتا رہا۔ جو بھی ہو، یہ نورانی سلسلہ اپنے کمال کی تمامتر رعنائیوں کے ساتھ تاریخ میں اپنا پر اثر وجود درج کر رہا۔

یہ نورانی سلسلہ بڑی ہی غیر معمولی خصوصیتوں کا حامل رہا جن سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں ایسی چند خصوصیتوں کی طرف کچھ اشارہ کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہی نظر آتی ہے کہ ۱۲۔۱۱ نسلوں (Generations) کی چودہ ہستیوں پر مشتمل یہ سلسلہ قریب قریب تین سو سال تک جلوہ فزا رہا، پھر بھی اس میں کردار کی پوری یکسانیت، یگانگت، یکرنگی ہی نہیں وحدتِ کردار نمایاں رہی۔ وہ وحدت جو انسانیت کے کمال کی بھرپور عکاسی کرتی رہی، ایک اصول وضابطہ کی جولاں گاہ رہی، ایک فکر ونظر (ایک نظریہ) کا کامل عملی مظاہرہ بنی رہی، بلکہ فکر ونظر اور

اقدام وعمل کی پوری پوری ہم آہنگی کا بھرپور آئینہ رہی۔اسی وحدت کردار کی طرف اس سلسلہ کے بنیادی کردار نے اپنے لفظوں میں اس طرح اشارہ کیا ہے:**اولنا محمد و اوسطنا محمد و آخرنا محمد و کلنا محمد** (ہمارا پہلا بھی محمد ہے، ہمارا بیچ کا بھی محمد ہے، ہمارا آخری بھی محمد ہے اور ہم سب کے سب محمد ہیں۔) اس یک آہنگی یا وحدت کردار کو کمال انسانیت کہہ لیجئے، اخلاقی اقدار کی معراج سمجھ لیجئے یا افکار و گفتار و کردار کا کامل ترین اور حسین ترین نکتۂ اتحاد خیال کر لیجئے یا نور کردار کی بے داغ جلوہ گری، جو اپنے من موہنی انداز سے، اپنے جاذب قلب ونظر اطوار سے سارے عالم انسانیت کے لئے بڑا ہی قابل قدر نمونہ یا معیار کردار بھی ہے۔اسی کو مذہبی اصطلاح میں 'عصمت' اور قابل تاسی 'اسوہ' کہتے ہیں۔ہم نہیں کہہ سکتے، نور اس کا جوہر ہے یا (ہمارے ذہن کو اصلیت کے قریب کرنے کے لئے) محض ایک استعارہ۔

اس سلسلہ کی ایک اور اہم خصوصیت اس کی غیر معمولی پیغام رسانی یعنی ابلاغی قوت (Communication power) ہے۔اس سلسلہ کے بنیادی کردار نے جس وقت اپنا نیا سا پیغام دیا، اس وقت کے ذرائع ابلاغ (Media) اور وسائل نقل وحمل کی تنگ سامانی نمایاں تھی۔ایسے میں اس کردار نے اپنی ابلاغی قوت کو کچھ ایسی ہنرمندی اور ہوشیاری سے استعمال کیا کہ صرف چند برسوں میں در و دیوار اس کے پیغام سے گونجنے لگے، ایک بڑے خطۂ ارض پر اس کے پیغام کا راج ہوگیا۔یہ سب ایسے میں جب ابتداء ہی سے اس پیغام کو دشمنی کی حدوں کو پار کرتی ہوئی زبردست مخالفت اور اس کی ڈالی ہوئی طرح طرح کی رکاوٹوں (استبدادی تشدد Oppressive Violent Agression/दमनकारी हिंसा تک بھی) کا بلاخیز سامنا رہا۔پھر بھی پیغام رسانی کسی بھی طرح مدھم نہ پڑنے پائی بلکہ ہر اڑچن کے بعد اس میں اور بھی تیزی، چمک، ابھار اور باڑھ آتی گئی۔اس ابلاغی قوت کا غیر معمولی اثر تھا کہ یہ قائد کردار جاتے جاتے اپنے پورے پیغام کو باقاعدہ دوامِ تاریخ کے حوالہ کر چکا تھا اور اس زور و تیزی و اثر کے ساتھ کہ وقت اس پیغام کی توانائی اور جاذبیت اور پیغام رسانی کی پیش رفت میں کوئی جھول نہ لا سکے۔اس کے بعد اس کردار کے توسیعی سلسلہ نے اسے ابلاغ کی نت نئی اونچائیوں سے روشناس کرایا۔اس ذیل میں سب سے پہلے 'قہر وغلبہ' کے سامراج کے کٹیلے خونی ہتھیاروں اور سرکاری ابلاغی مشینری کی بدعزمی کے ہتھکنڈوں کو دھتا دکھانے کے لئے تلوار کی دھار

کے مقابلہ میں خون کے دھارے اور ظالمانہ پروپگنڈہ (Disinformative Compaign) کا سامنا کرنے کو اچوک نشانہ کی مظلومیت کی (ریموٹ کنٹرول) میزائل لائی گئی۔ اس نے وہ تاریخ ڈھالتی انقلابی جیت درج کی، اور اس ابلاغی ہوشیاری کے ساتھ کہ آگے کی تاریخ کی کوئی دھاندلی اس انقلابی فتح پر کوئی مخالفانہ رنگ نہ چڑھانے پائے اور دنیا تاریخ کے بکھیرے ہوئے اندھیرے کی گھٹا ٹوپ میں بھی اس پیغام اور اس کی پوشیدہ روح کو پڑھ سکے بلکہ بے پڑھے رہ نہ پائے۔ پھر بھی اس پیغام کا رخ سامراج کے خلاف ہی جاتا ہے، اس لئے کہیں اس معرکہ آرائی میں سیاسی مفادات کے عام ٹکراؤ کا شائبہ نہ آنے پائے اور پیغام کی روح پر حصول اقتدار کا شبہ نہ پڑنے پائے، اس کردار کی توسیعی سلسلہ نے اپنے پیغام کو 'دعا' اور 'گریہ' (عزاداری) کے نئے اسلوب سے پیغام رسانی کی روانی میں نئی طاقت اور نئے (سیاسی واٹر پروف) جہات بھر دیئے۔ اس طرح پیغام کی روحانیت تو استحکام پا گئی لیکن دانشوری کے حکیمانہ جادے میں پیغام کی بنیادوں کو مضبوطی دینے کے لئے جاہلیت کے پلے 'جہل کے باپ' عربوں میں دانشوری کا بیج بو کر پوری کی پوری یونیورسٹی قائم کر پیغام کے دانشورانہ پہلوؤں کو علمی سند کے ساتھ دنیا کے حوالہ کر دیا۔ اس طرح پیغام کو حکیمانہ جہات دے کر اس کے استحکام کو دانشورانہ دوام بخشا اور اسے مکتوبی شکل میں درج کر جاودانی انداز کا وہ زور، تیزی اور پختگی دے دی کہ آگے کی کسی طرح کی سیاسی مداخلت اس پیغام کی روح کو پھیکا نہ کر سکے۔ سلسلہ اگر ظاہری نظروں سے اوجھل بھی ہو جائے یعنی تاریخ کی دسترس سے دور ہو جائے تو بھی پیغام خود اپنے جہات کے ساتھ اپنی توانائی و تابانی سے زندہ رہے۔

اس سلسلہ کی ایک اور خصوصیت بھی کم اہم نہیں ہے۔ وہ ہے اس کی تاریخیت۔ دنیا کے بیش تر بڑے مذاہب کے پیشوا آج کی تاریخ کی نگاہوں سے بہت دور ہیں۔ مہاتما بدھ، شری کرشن، حضرت عیسیٰؑ، جناب موسیٰؑ وغیرہ کی شخصیتیں تو تاریخی ہیں، مگر ان کے کردار تاریخ سے پرے ہی رہے۔ لیکن ہمارے اس سلسلہ کی جتنی ہستیاں ہیں وہ اور ان کے کردار، سارے ناسازگار اور ناخواستہ ماحول کے باوجود، تاریخ کا جزو بن کے رہے۔ بلکہ کئی جگہ مختلف عنوان سے تاریخ ساز موڑ کے بانی ثابت ہوئے۔ یہ ہستیاں عقائد کی 'ماورائے عقل' اساطیری (Mythological) دنیا کے مفروضی پیکر یا 'ہوا' ہونے نہ پائیں بلکہ تاریخ انسان کے زندہ

وتابندہ کردار بنیں۔ ہاں، یہ تاریخ کی ستم ظریفی یا عالم انسانیت کی تاریخی بدبختی ہے کہ ان کے کرداروں کی جزوی عکاسی کے ماسوا تمام وکمال عکس بندی تاریخ کو نصیب نہ ہوسکی۔ان کے خلاف تاریخ کے کرتا دھرتا 'آقاؤں' کے مسلسل انتہا پسند مخاصمانہ رویہ کو دیکھتے ہوئے یہی جزوی تصویرکشی ہی غنیمت سمجھی جاسکتی ہے بلکہ معجزانہ۔ اس سلسلہ کی وحدت کردار کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس جزوی پیکر تراشی کی معقول توسیع (Extrapolation) سے کافی حد تک مکمل تصویر ابھارنا کوئی دشوار کام نہیں ہے، بس ذرا نگاہ غور سے اسے پڑھنے کی ضرورت ہے، بالکل تجریدی فن (Abstract Art) کے فن پارہ کی طرح جو بظاہر بے ترتیب، بے قاعدہ اور نامکمل نظر آتا ہے لیکن فن کی پارکھی نظر کے لئے اس میں بہت کچھ ہوتا ہے۔

ظاہر ہے، یہ سلسلہ کئی شخصیتوں پر مشتمل ہے، جہاں زمانہ کے حالات بدلتے رہے، ایسے میں جہاں ان ہستیوں میں ایک دوسرے کے کرداری سچے عکس (True Copy) ملتے ہیں، وہیں بظاہر متفرق رویے بھی۔ رویوں کا یہ اختلاف بظاہر زمانہ کے متفرق ومختلف طور سے Interaction (معاملت) کے باعث ہے، پھر بھی کسی معقول غائرانہ مجموعی جائزہ سے ان کے پیچھے کردار کی یک آہنگی یا وحدت کردار کو دیکھا جاسکتا ہے۔

اس پاک نورانی سلسلہ کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کی بھی اپنی تاریخ ہے، جہاں زیادہ تر عقیدہ وعقیدت نمایاں رہی ہے لیکن وہیں 'نقل' سے عقل کی طرف پیش رفت نے اپنے نقوش چھوڑے ہیں۔ اس تعلق سے ہماری اردو بھی محروم ونادار اور بے مایہ نہیں رہی۔ 'دہ مجلس' سے بنا پڑنے والی ذاکری (جس نے اپنے طور ارتقائی چوٹیاں سر کیں) کی کتابوں اور مرثیہ (جو اردو ادب کی ایک بے مثال قابل فخر صنف کے طور پر ابھر کر افقی وعمودی/Horizontal & Vertical جہات پا تا رہا) کے حوالہ سے اس سلسلہ کا بالواسطہ تذکرہ اپنی جگہ، ایک مستقل موضوع کے طور پر براہ راست تذکرہ کا اچھا خاصہ اور قابل قدر نثری وشعری سرمایہ بھی اردو ادب کی پونجی ہے۔اس ذیل میں (خاص طور سے نثری نگارش کے حوالہ سے) سید علی حیدر (کھجوہ)، سید اولاد حیدر فوقؔ بلگرامی، سید اکبر مہدی سلیمؔ جرولی، سید علی نقی نقوی، سید ظفر حسن ادیبؔ امروہوی، سید نجم الحسن کراروی، سید ذیشان حیدر جوادی وغیرہ جیسے فاضل اہل قلم اور (شعری حوالہ سے) مرزا دبیرؔ، اور فراستؔ زید پوری جیسے باکمال سخنوروں کے نام لئے جاسکتے ہیں۔فوقؔ کی گراں قدر سعی ضخامت، دقت نظر اور تاریخی

چھان بین سے اور علی نقی نقوی کی گراں مایہ کاوش اجمالی جامعیت اور روشن فکری سے قابل تقلید نمونہ کی حیثیت کی حامل ہیں۔ حالیہ برسوں میں اس مقدس تخلیقی روانی میں کچھ سکوت و توقف کے آثار جھلکنے لگے بلکہ (حالیہ علمی و قلمی قحط سالی کے چلتے) ایک طرح سے پیچھے کی طرف مڑنے یا Back Gear کی علامتیں صاف نظر آنے لگیں، جب ہمارے مذہبی ادب (اردو) پر ترجمہ کا غلبہ (سامراجی انداز کا) ہونے لگا۔ اس غلبہ کے خواستہ ناخواستہ اسباب سے قطع نظر، ترجمہ کی اپنی علمی افادیت کے ماورا (ترجمہ ترقی کی راہ پر بڑھنے والے قافلۂ علم و دانش کا بگل ضرور ہوتا ہے لیکن) ترقی کی راہوں پر گامزن کسی کارواں کے لئے ترجمہ سے استفادہ تو خیر، اس پر اکتفا کر لینا ارتقا پر طعنہ تو ہو سکتا ہے، پیشرفتی کے لئے کوئی نیک فال نہیں۔ یہ ترقی کو ٹھس تو کر سکتا ہے، ٹھوس نہیں۔

گھٹن کے ایسے ماحول میں ڈاکٹر نور النساء نورؔ کی زیر نظر نگارش نے نورانی امید کی بڑی خوش آئند کرن روشن کی ہے۔ یہ اپنے میں ایک قابل تحسین اقدام ہے۔ موصوفہ نے اپنے بھر اور اپنے طور سیدھی سادی خشک و تر روایتوں کو براہ راست یا بالواسطہ حوالوں (Referenes & Cross Referenes) کے ساتھ جمع کر ذی ہوش اہل نظر قاری کو بنیادی مواد Feed Back دے کر دعوت فکر و نظر دی ہے۔ امید ہے، ارباب خرد ناظرین کھلے ذہن سے پڑھیں گے، انسانی نگاہ سے دیکھیں گے اور ایمانی دل سے مانیں گے۔ مولفہ موصوفہ کے بارے میں میری ذاتی معلومات بہت ہی محدود ہیں۔ وہ اردو میں پی۔ ایچ۔ ڈی (Ph.D.) ہیں۔ ان کی ایک قابل قدر تالیفی کاوش 'نور العزاء' پہلے ہی منظر عام پر آ چکی ہے اور مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ اس تالیف میں انہوں نے نئے اور پرانے نوحہ، ماتم اور سلاموں کا انتخاب کر کے تاریخوار نوحہ خوانی کے لئے قابل تبریک مواد فراہم کیا ہے۔ اس ضمن میں خود ان کی نوحہ نگاری کا تعارف بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن زیر نظر تالیف 'انوار معصومین' میں انہوں نے شاعرانہ رنگ آنے نہیں دیا بلکہ خالص تالیفی انداز ہی نمایاں رکھا۔

انوار معصومین کا مسودہ پہلے ہی تیار ہو کر افتتاحی کمپوزنگ سے اشاعتی مرحلہ میں پہنچ چکا تھا لیکن کنہی وجوہ کی بنا پر منظر عام پر آنے میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی۔ خیر اب یہ موسسہ نور ہدایت کے زیر اہتمام نورِ اشاعت کی

صبح عالم افروز میں طلوع مطبوع کر کے آپ سے بیدار مغزی کی خواہاں ہے اور آپ کے اعلیٰ دینی ذوق سے خاطر خواہ پذیرائی کا امیدوار ہے۔ اشاعت ہذا کی پذیرائی کا ایک عنوان یہ بھی ہے کہ اس تالیف سے تحریک پا کر تفسیر نمونہ کے انداز کی مثالی تدوین سامنے آئے (آئیں) جس کی کمی بڑی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔

مجھ جیسے بے بہرۂ علم و عقل کو ایک اور احساس ستائے جا رہا ہے۔ اس نورانی سلسلہ کو عقائدی نور سے اجاگر کرنا انتہائی قابل تحسین دینی فریضہ اور لائق صد آفرین نیک اقدام ہے۔ لیکن ایک بات کا خیال ضروری ہے۔ یہ نورانی مقدس سلسلہ کسی ایک مذہب، ایک آدھ فرقہ، ایک دو مسلک اور چند مکاتب خیال کی جگمانی یا ٹھیکہ نہیں ہے، بلکہ پوری عالم انسانیت (بلاتفریق مذاہب ومسالک) کی قابل فخر میراث ہے۔ یوں بھی اس وحدت کردار کا خطاب سیدھے انسان اور انسانیت سے ہے۔ اس سلسلہ کے علاوہ دنیا کے مذہبی پیشواؤں کا 'قابل تقلید' انسانی کردار نہیں کے برابر ملتا ہے۔ یہ اسی سلسلہ کا امتیاز ہے۔ اس وحدت کردار کا انسانی جوہر نمایاں بحق انسانیت محفوظ ہے، جو دنیائے انسانیت کے لئے اپیلنگ (انسانیت کے دل کو چھوتے معنوں میں)، سچا سیکولر کیرکٹر، روشن اور جاذب فکر وعمل ہے اور اس لئے قابل تقلید بھی۔ خالص عقائدی روشنی میں بھی یہ قائدانہ وحدت کردار رحمة للعالمین (دنیاؤں کے لئے رحمت) ہے جو امیر المومنینؑ اور امام المتقین ہونے کے ساتھ ساتھ للناس اماما (انسانوں کے لئے سربراہ) بھی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے بھی 'ایمان' انسانی فکر اور تقویٰ انسانی کردار کی مطلوبہ منزل عروج وکمال کا نام ہے اور کچھ نہیں۔

آخر آخر انسان کو اشرف المخلوقات بنانے والے پالنے والے کی بارگاہ قدس میں اس نورانی مقدس سلسلہ کے واسطے سے دعا ہے کہ مولفہ موصوفہ کی نیک توفیقات میں اضافہ ہو، ان کی تخلیقی صلاحیتوں میں ارتقائی جلا ہو اور اس اشاعت سے وابستہ تدوینی، کتابتی، طباعتی اور نشر واشاعتی معاونین کو برکت نظر وسیر میسر ہو۔

م۔ر۔عابد

تاریخ اشاعت 'انوار معصومین' مولفہ محترمہ ڈاکٹر نور النساء صاحبہ

م.ر.عابد

انوار معصومین سے روشن ہے سب حق کی صراط — انوار معصومین سے تاباں ہے راہ احتیاط
انوار معصومین ہیں، تاریخ میں جو کچھ ہے ناز — یہ گر نہ ہوتے، تب تو تھا تاریخ میں سب انحطاط
الفاظ کی صورت میں بھی ان کو ملا نقش دوام — کچھ بھی اسے مدھم کرے، تاریخ کی کیا ہے بساط
چھپ کر کتابی شکل میں بھی نور کا نقشہ جما — ہے بات بھی وہ، ہو نہ کیوں نور النساء کو اب نشاط

جلوہ کیا یوں وقت نے، اپنی طرح نقش یوں کیا
انوار معصومین سے تاریخ کو ہے انبساط

۲۰۰۹ء

﴿دیگر﴾

چھپ گئی 'انوار معصومین' بھی — اس میں بس نور عقیدت ہے جلی
دیکھئے نور النساء کی محنتیں — رنگ لائی کیسی ان کی روشنی
دیکھئے تاریخ عصمت میں ضرور — تابش اسلام کی جلوہ گری
دیکھئے انسان کو معراج میں — دیکھئے انسانیت کی برتری

اتنا کہتی وقت کی خیرہ نظر
یہ ہے ضو 'انوار معصومین' کی

۱۴۳۰ھ

پیش لفظ

قرآن کریم کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو اپنی صفات کاملہ کا اظہار مقصود ہوا تو اس نے اپنی مخلوق اوّل میں (نورِ محمدیؐ) کو اپنی پہلی مخلوق کی صورت میں ظاہر فرمایا۔ جو بے مثل و بے نظیر ہے وہ کمال و جمال مظہر ذات باری ہے اسے دوئی اور مماثلت سے بچانے کے لئے اس کے جسم کے قریب سایہ تک کو نہ آنے دیا۔ اسی کے متعلّق خود رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰؐ ارشاد فرماتے ہیں (اَوّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِیُ) خدا نے سب سے پہلے میرے نور اور میری روح کو پیدا کیا۔

قرآن مجید میں ہے (قَدْ جَآئکُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَ کِتَابُ مُبِیْن)

پھر اس نور کو چودہ جلووں سے معمور فرمایا (اَوَّلُنَا مُحَمَّد وَاَوسَطُنَا مُحَمَّد وَاٰخِرُنَا مُحَمَّد وَکُلُّنَا مُحَمَّد) ہمارے سب محمدؐ ہی محمدؐ ہیں اور چونکہ یہ نور کمال ذاتی کا مظہر تھا اس لئے پروردگار نے جس طرح آفتاب سے شعاع نکلتی ہے اسی طرح اپنے نور ذاتی کی شعاع سے اسے خلق فرمایا، پھر حکم دیا کہ سجدہ میں چلا جا۔ چنانچہ یہ نور سو سال تک سجدے میں پڑا رہا اور جب یہ عالم نور میں تھے تو انھوں نے ملائکہ کو تسبیح و تمجید کا سبق دیا۔ جبرئیل کو علم معرفت سے بہرہ ور کیا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ''فَانَا اَوّلُ العَابِدِین''، ہم سب سے پہلے عبادت کرنے والے ہیں۔

پھر دنیا میں زمین و آسمان کو خلق کیا پانی و ہوا زندگی کے لئے تخلیق فرمائے۔ انسانی تخلیق میں سب سے پہلے آدمؑ اور حوّاؑ کو بھیجا جس سے نسل انسانی وجود میں آ گئی۔ آدمؑ کے دو بیٹے ہابیلؑ و قابیل کا اختلاف ہوا اور ہابیلؑ کو قابیل نے مار ڈالا یہ اختلاف دنیاوی اقتدار کی حوس بن گیا اسی اقتدار کو حاصل کرنے کے لئے انسانوں میں اختلاف پیدا ہوتے گئے اور جنگ و جدل کے امکان بڑھتے گئے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے پروردگار عالم نے وقت وقت پر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے جو لوگوں کو ظلم و بربریت

کے خلاف سمجھاتے اور خدا کی وحدانیت کی خبر دیتے تھے۔ پروردگار عالم نے انبیاء علیہم السلام کے تذکرے کے سلسلے میں توریت، زبور، انجیل وقرآن نازل فرمائے۔مگر ہر دور میں نبیوں کا مذاق اڑایا گیا ان کو جادوگر گردانا گیا۔نبیوں کی ہر کوشش کو ناکام بنانے کی کوشش کی گئی جس کی وجہ سے خدا کے قہر میں مبتلا ہوئے۔تمام انبیاء کرام میں صرف پیغمبر اسلام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مکمل تاریخی شخصیت کے مالک ہیں۔آپ کی حیاتِ مقدسہ کا ایک ایک عمل اور ارشادات عالیہ کا ایک ایک لفظ تاریخ کی پوری روشنی میں ہے اور اسی طرح محفوظ ہے جیسے آپ سے صادر ہوا تھا۔اس لئے اجمال واختصار کی ہر ممکن کوشش کے باوجود آپ کا تذکرہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے تذکروں کے مقابلے میں کافی طویل ہے۔

قرآن مجید رسالت کی **'اجرت وجزا'** خاندان رسالت سے محبت ودوستی کو قرار دیتا ہے اور اسلام کے پیغمبر عالی قدر کی زبان سے نقل کرتا ہے کہ ''میں اپنے خاندان سے محبت ودوستی کے سوا تم سے کوئی اجرت وجزا نہیں مانگتا ہوں''

رسولؐ خدا کا اپنی امت مسلمہ کو اہل بیت اطہارؑ سے محبت ودوستی کی وصیت کرنا اپنے خاندان سے محبت والفت کے جذبہ کی بنا پر نہیں تھا کیونکہ آنحضرتؐ نے اپنے مختصر دور حیات طیبہ میں اپنے خاندان کے متعدد نامناسب افراد کو اپنے سے دور اور علٰحدہ فرما دیا تھا۔رسولؐ خدا کا اصل مقصد پیغام رسالت کو زندہ محفوظ رکھنا اور رسالت کے مقاصد کو پائیداری بخشنا تھا۔کیونکہ آنحضرتؐ کے دستور العمل کو صحیح طور سے جاری رکھنا اس کی اشاعت پیغمبر اسلام کی مسلسل کوشش ''انوار معصومین'' کی پیروی کے بغیر ہرگز ممکن الوقوع نہیں ہوسکتی تھی۔ان بزرگوں کی نشو ونما الٰہی تربیت کے پاک ماحول میں اور نبوی پاکیزہ طینت وسرشت کی بنیاد پر صورت پذیر ہوئی ہے یہ تمام حضرات اپنے طور وطریق زندگی میں حصول رضائے الٰہی اور مقدّس آسمانی میثاق کی تبلیغ کے سوا دوسرا کوئی مقصد نہیں رکھتے تھے۔

خانوادۂ طاہرۂ رسالت مآب نے امامت کے سنگین فرائض کی ادائیگی اور الٰہی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں بڑی زحمتیں، مشقتیں برداشت کی ہیں اور بے دریغ کوششیں صرف کی ہیں اور کمال ایثار وجانفشانی کے ساتھ مصائب وحوادث کا مقابلہ کیا ہے تاکہ مقدس الٰہی امانت کو صحیح وسالم مسلمانوں تک پہنچا دیں۔

ان بزرگواروں کی فداکاری وجد وجہد کے ثبوت کے لئے میں یہی کہتی ہوں کہ ان معصومین میں سے ہر ایک کے مختصر دور حیات پر اگر ہم نگاہ ڈالیں تو ہم دیکھیں گے کہ ان معصومین کی حیات طیبہ کا مہم ترین حصہ مبارزہ و جہاد راہ خدا میں درجہ شہادت پر فائز ہونے، شہر بدری، نظر بندی، خانہ قید اور زندانوں میں قید و بند کی حالت میں گذرا ہے اس کی وجہ صرف اتنی تھی کہ ستمگاران عصر نے لوگوں کو جس دباؤ اور گھٹن کی زندگی جینے پر مجبور کر دیا تھا یہ حضرات برابر اس زندگی سے لوگوں کو نجات دلانے کی کوشش کرتے رہے۔

ان کے مقصد کا مقدس ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان تمام ناگوار امور کے باوجود کبھی بھی کسی معمولی ناخوشی یا ستمگروں اور لوگوں کے فردی و اجتماعی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والے حکام وقت کے سامنے کبھی بھی عاجزی اور خضوع وخشوع اور خود سپردگی کا اظہار نہیں کیا اور یہ امر پروردگار عالم کے علم و آگہی پر بہترین گواہ اور صادق ترین دلیل و حجت ہے کہ وہ اپنی امانت کس خانوادہ میں ودیعت فرمائے؟ اور کن باخدا انسانوں کو توحید کی علامت اور وحدانیت کے علمدار کی حیثیت سے معرفی فرمائے۔ یہ اس سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے انوار معصومینؑ میں سے ہر ایک کی تاریخ زندگی کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ یہ تمام بزرگوار رسالت کے دستور العمل کے سچے تابع اور رسول خداؐ کے اصولی مبارزات اور سچی ہدایت کے واقعی پیروکار تھے جن کا مقصد رضا وخوشنودی پروردگار کے حصول اور مخلوق خدا کی راحت و عافیت کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس لئے میں کہہ سکتی ہوں کہ اسلام دین الٰہی ہے اور ''نور محمدی'' مظہر ذات باری ہے جو ''روح تاریخ'' ہے۔ اگر انہیں پیدا کرنا مقصود باری نہ ہوتا تو یہ عالم ہست و بود وجود میں نہ آتا۔

اس طرح تاریخ اسلام کی بنیاد ہی ''انوار معصومین'' کے نور وجود سے ہے جو تا قیامت باقی رہے گی آج ہمارے آخری رہبر امام محمد مہدیؑ صاحب الزمان پردۂ غیب میں رہ کر ہماری راہ نمائی کر رہے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔ میں یہ کتاب ''انوار معصومین کے حالات اور ان کے معجزات'' اپنے آخری ہادی وزیر امام محمد مہدیؑ صاحب الزمان کی نذر کرتی ہوں اور مومنین تک پہونچانے کی ذمہ داری مولانا کلب جواد نقوی صاحب کو سونپتی ہوں کہ وہ اس کے ہدیہ سے جو رقم ملے وہ غریبوں اور یتیموں کی مدد میں صرف کریں۔ یہ کتاب میں نے ایک مضمون کی شکل میں لکھی ہے تاکہ نئی نسل کے مومنین ہمارے انوار

معصومین کے حالات کا آسانی سے بغور مطالعہ کریں اور ان کے معجزات کو پڑھ کر ان کی فضیلت کو سمجھ سکیں کہ خدا کی نظر میں وہ کیا ہیں اور ہماری شیعہ قوم اور قوموں سے افضل کیوں ہے۔

عاشورہ محرم کے موقع پر سب سے پہلے میرے ذہن میں خواتین کی وہ پریشانی سامنے آئی کہ انہیں تاریخوار پرانے نوحوں کی اشد ضرورت تھی جو انہیں دستیاب نہیں ہو پا رہے تھے ایک دوسرے سے مانگنے پر بھی دوسری خاتون نہ دے کر بہانہ بنا دیتی تھیں مجھے بھی مجلس میں نوحہ اور مرثیہ کی بڑی پریشانی اٹھانا پڑی غرض میں نے اپنی کوشش اور محنت سے ''نورالعزا'' بیاض مرتب کی جس میں تاریخوار پرانے نوحے، سلام، پرسہ، الوداع، سواری اور مرثیہ سب شامل ہیں ۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ بہت مقبول ہوئی اور ہر مومنین ومومنات اسی کو خریدنا پسند کر رہے ہیں۔ نظامی پریس، نخاس کے ذریعہ چھپی ہے۔ جن حضرات کو اردو نہیں آتی تھی انھوں نے ہندی میں چھپوانے کی فرمائش کی جس کو عباس بک ایجنسی، درگاہ حضرت عباس میں طباطبائی صاحب نے پورا کیا اب بازار میں ہندی میں بھی دستیاب ہے۔

اس بیاض کے بعد میرا ذہن تاریخ اسلام کی تعلیم کی طرف گیا کہ اس دور کے طالب علم اسلام سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتے ہیں اگر کہیں کوئی معلومات انوار معصومین کے بارے میں ان سے کی جائے تو وہ صحیح جواب نہ دے سکیں گے اس کی وجہ ان کی تعلیمی مصروفیت ہے یہ مصروفیت میرے بیٹے علی سلمان جعفری کو بھی رہی تھی جس کی وجہ سے وہ بھی بہت سی معلومات سے بے خبر رہا ہے اس لئے میں نے نوجوان طبقہ کے لئے آسان و عام فہم زبان میں ایک مضمون کی شکل میں تاریخ اسلام لکھنے کا فیصلہ کیا۔ جس کو میں نے ''قرآن مجید'' کی آیتوں کے ذریعہ سمجھایا ہے اور انوار معصومین کا شجرہ بنی ہاشم کے خاندانی تعلق کی روشنی میں بھی پیش کیا ہے جس سے ان کی پیدائش وشہادت تک کے حالات معلوم ہو سکیں۔ پھر ان کی فضیلت کو ثابت کرنے کے لئے ان کے مختصر معجزات بھی لکھے ہیں۔

مجھے اعتراف ہے کہ اس کتاب میں جو مطالب میں نے جمع کئے ہیں ہرگز ان معصومینؑ کی زندگی کے تمام گوشوں پر روشنی نہ ڈال سکیں گے، میں نے مختصر حالات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں خداوند عالم سے ان انوار معصومین کی حیات طیبہ کے متعلق زیادہ سے زیادہ غور وتحقیق وتکمیل کی خواستگار

ہوں کہ ان کے علم وفضل اور منصب روحانی ورہبری کی وسیع تر معلومات حاصل کرسکوں جو ہماری ماڈی اور روحانی زندگی کے لئے مشعل راہ ہیں۔اور اپنی آخرت کوسنوار سکوں۔اپنے بیٹے علی سلمان جعفری اور تمام مومنین ومومنات سے گذارش ہے کہ وہ خود اس تاریخ کا مطالعہ کریں اور اپنے بچوں کو بھی مطالعہ کی ترغیب دیں انشاءاللہ وہ ''انوار معصومین'' کی فضیلت الٰہی سے ضرور فیضیاب ہوں گے۔

کنیز فاطمہؑ

ڈاکٹر نورالنساء

C/o S.I.A JAFRI
Abbas Villa H.No.467/12A
Suraiya Manzil,Husainabad,
Lucknow-226003
Ph: 0522-2253433

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

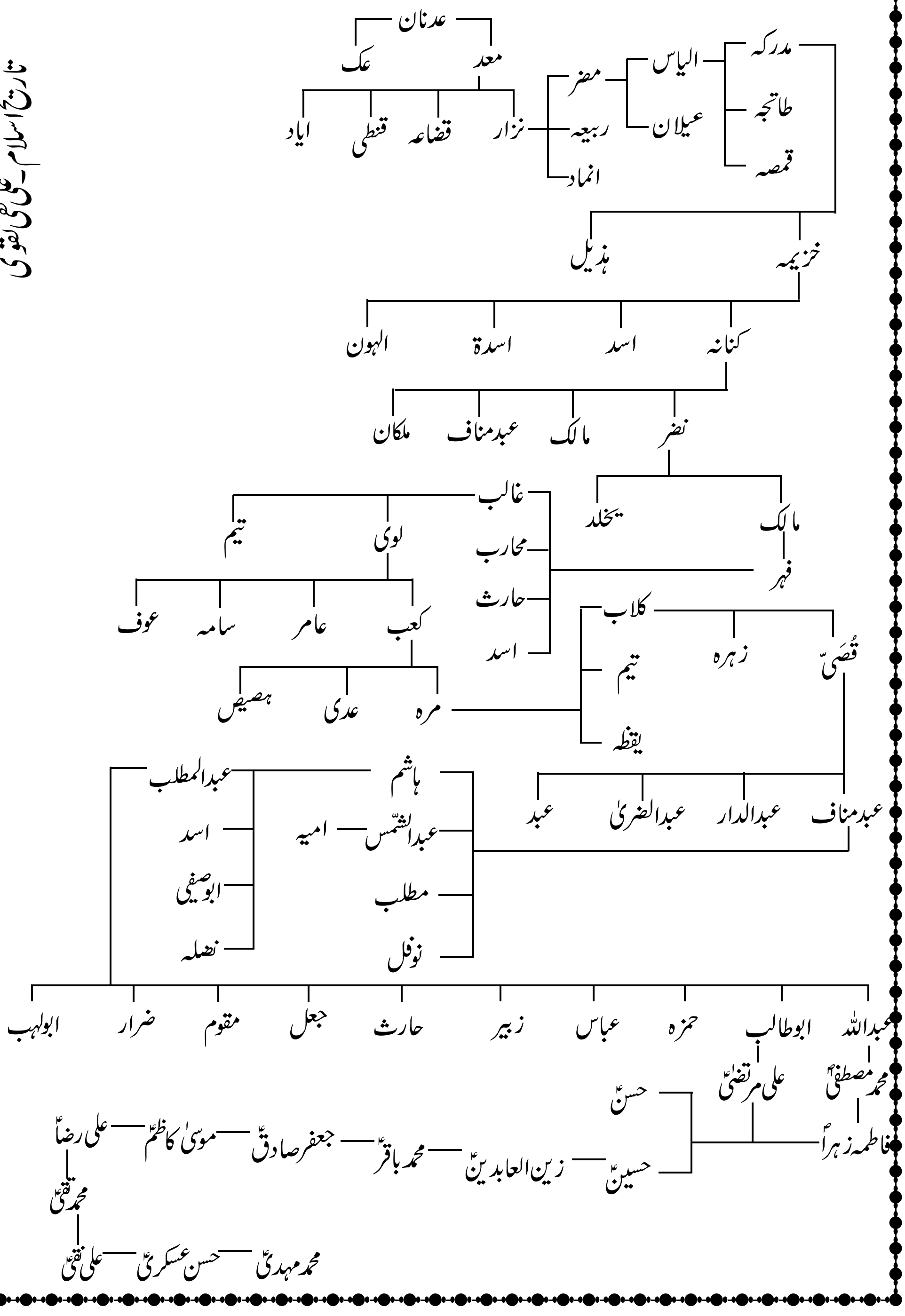
(باب اول)

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(رسول خدا)

❁ ولادت	:	۱۷/ربیع الاول ۱؁ عام الفیل، ۵۷۰؁ء
❁ شہادت	:	۲۸/صفر المظفر ۱۱؁ھ دوشنبہ سرزمین مدینہ
❁ جائے ولادت	:	سرزمین مکہ
❁ رسالت	:	۲۷/رجب المرجب ۴۰؁ عام الفیل مبعوث بر رسالت ہوئے اسی تاریخ میں نزول قرآن کی ابتدا ہوئی
❁ والد	:	جناب عبداللہ علیہ السلام
❁ والدہ	:	جناب آمنہ علیہا السلام
❁ ازواج	:	حضرت خدیجہ الکبری علیہا السلام وغیرہا
❁ اولاد	:	حضرت فاطمہ زہراؑ

شجرہ نسب آلِ عدنان کی روشنی میں انوار معصومینؑ



انوار معصومینؑ کی منزلت قرآن مجید کی نظر میں

''امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ الف حروف ہجا میں سے ایک حرف ہے جو تمہارے اللہ کہنے پر دلالت کرتا ہے اور اس لفظ سے ملک العظیم سمجھ میں آتا ہے یعنی وہ ایسا بڑا بادشاہ ہے کہ اپنی ساری مخلوق پر غالب ہے اور میم سے مجید و محمود کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے تمام افعال میں تعریف کے قابل ہے اور اس نے اپنے اس قول ''الٓـمّٓ'' سے یہودیوں پر حجت تمام فرمائی ہے اور اس طرح کہ جب خدائے تعالیٰ نے موسیٰ ابن عمران علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور پھر ان کے بعد بنی اسرائیل میں سے اور انبیاؑء بھیجے تو ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے اپنی اپنی امت اور اپنی اپنی قوم سے اس بات پر عہد و پیمان نہ لیا ہو کہ وہ محمدؐ عربی و اُمّی پر ضرور بالضرور ایمان لائیں جو مکہ میں مبعوث ہوں گے پھر ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں گے اور ایسی کتاب لے کر آئیں گے جس کی بعض سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوگا ان کی امت اس کتاب کو حفظ کر لے گی اور اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اس کتاب کو پڑھا کرے گی اور خدائے تعالیٰ اس کا حفظ کرنا ان کے لئے آسان کر دے گا اور وہ جناب حضرت محمد مصطفیٰؐ کے ساتھ ساتھ ان کے بھائی اور ان کے وصی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو بھی مانتے ہوں گے کہ تمام علوم کو انہیں سے حاصل کریں گے اور ہر امر میں انہیں کی پیروی کریں گے اور جو شخص محمدؐ کا مخالف بنے گا اپنی سیف قاطع سے اس کو ذلیل کریں گے اور جو شخص آنحضرتؐ سے بجادلہ و مخاصمہ پیش آئے گا اس کو اپنی زبردست دلیلوں سے خاموش کر دیں گے تنزیل کتاب خدا پر بندگان خدا سے یہاں تک لڑیں گے کہ چار و ناچار لوگ اس کو مان لیں۔''(۱)

''جب پروردگار عالم نے اپنی کتاب محمد مصطفیٰ رسول خداؐ پر نازل فرمائی اور اس کی سب سے بڑی سورت کے شروع میں ''الٓمّٓ ذَالِکَ الْکِتَابُ'' قرار

(۱) قرآن مجید ضمیمہ متعلق پارہ اول (مولانا سید مقبول احمد)، ص/۲۶۷

دی (یعنی یہ وہی کتاب ہے) جس کا مطلب یہ ہے کہ ''الٓمّٓ'' یہ وہی کتاب ہے
جس کی بابت میں نے اپنے انبیاء سابقین کو خبر دیدی ہے جس کی ہر حالت میں
تلاوت ہوگی باطل اس کو مٹا نہ سکیں گے مگر یہودی اس میں وہ علم داخل کرنا چاہیں
گے جو خدائے تعالیٰ نے ان سے سلب کرلیا ہوگا۔''(۱)

چنانچہ ایک دن یہودیوں کا ایک گروہ رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے جناب علی مرتضیٰؑ کو ان کا جواب دینے پر مامور فرمایا۔

کہنے والے نے یہ کہا کہ اگر محمدؐ اپنے بیان میں سچے ہیں تو ان کی امت کا تسلط ہم خوب سمجھ گئے کہ کل اکہتر (۷۱) برس رہے گا کیونکہ الفٓ۔ا، لٓ۔۳۰،مٓ۔۴۰،علی مرتضیٰؑ نے فرمایا کہ پھر تم الفٓ۔لٓ۔مٓ۔صٓ۔کو کیا کروگے وہ بھی تو انہیں حضرت پر نازل ہوا اس کو جوڑنے پر یہودی نے کہا ایک سو اکسٹھ (۱۶۱) برس سہی۔علیؑ نے فرمایا الفٓ۔لٓ۔رٓ۔کو کیا کروگے یہ بھی تو آنحضرت پر نازل ہوئی۔یہودی نے کہا یہ تو سب میں زیادہ ہے یہ تو دوسو اکتیس (۲۳۱) ہوگئے۔علیؑ مرتضیٰ نے فرمایا پھر الفٓ۔لٓ۔مٓ۔رٓ۔یہ بھی آنحضرت پر نازل ہوا ہے۔ یہودی بولا یہ تو دوسو اکہتر (۲۷۱) برس ہوگئے۔اس پر حضرت علیؑ نے فرمایا آیا ان میں سے کوئی ایک اس امت کے بارے میں ہے یا سب کے سب؟

اب یہاں ان میں خود اختلاف پڑ گیا کوئی کہتا تھا کہ ایک ہے کوئی کہتا تھا کہ سب اور سب کا مجموعہ سات سو چونتیس (۷۳۴) ہوتا ہے انھوں نے کہا پھر سلطنت اور تسلط دین یہود کا ہوگا۔جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا آیا خدائے تعالیٰ کی کوئی کتاب اس بات کو بتاتی ہے یا تمہاری اپنی رائیں اور عقلیں ایسا بتلاتی ہیں۔بعض تو ان میں سے کہنے لگے کہ کتاب خدا ایسا ہی کہتی ہے اور دوسروں نے کہا کہ نہیں ہماری رائیں ایسا بتلاتی ہیں۔پہلوں سے تو جناب امیر نے فرمایا کہ ہمیں وہ خدا کی کتاب دکھلاؤ جس کے الفاظ تمہارے قول کے بموجب ہوں وہ تو اس کو پیش کرنے سے عاجز رہے۔دوسروں سے یہ فرمایا کہ یہ رائے صحیح کیونکر ہے اس کی دلیل پیش کرو۔ انھوں نے عرض کی ہماری رائے کی صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ حساب جمل کے مطابق ہے۔حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جو کچھ تم کہتے ہو حساب جمل اس پر دلالت کیونکر کرتا ہے حالانکہ ان حروف میں کوئی ایسی خبر نہیں ہے جو تم خود بخود بیان کرتے ہو جب تک کہ تم واضح طور پر سمجھا نہ سکو بھلا خیال تو کرو اگر تم سے یہ کہا جائے کہ یہ حروف

---

(۱) قرآن مجید ضمیمہ متعلق پارہ اول (مولانا سید مقبول احمد) ص/۲۶ ۷

امت محمدؐ کا تسلط بیان نہیں کرتے بلکہ ان میں کا ہر حرف اس بات کو بتلاتا ہے کہ ہر ایک عدد کے موافق ہم میں اورتم میں سے ہر ایک کو اتنے اتنے درہم یا دینار ملیں گے یا اس بات کو بتاتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک کے ذمہ میں اس عدد کے حساب کے موافق علیؑ ابن ابی طالب کے اتنے دینار قرض ہیں یا تم میں سے ہر ایک پر اتنی ہی مرتبہ لعنت کی گئی ہے جتنے حروف کے عدد ہیں۔ وہ بولے کہ ابوالحسنؑ جو کچھ آپ فرماتے ہیں اس پر ''الٓمٓ والمٓصٓ والرٰ والمٓرٰ''میں سے تو کوئی نص نہیں دلالت کرتی پس اگر ہمارا قول باطل ہے تو آپ کا قول بھی باطل ہوا۔ اے علیؑ اگر ہم اپنے دعوے پر حجت نہ لا سکے تو تم اس پر خوش نہ ہو اس لئے کہ آپ بھی تو اپنے دعوے پر کوئی حجت نہیں پیش کر سکے سوائے اس کے کہ آپ نے ہمارے عجز کو اپنے لئے حجت قرار دیا بس اب نہ ہمارے لئے ہمارے قول کی دلیل ہے نہ تمہارے لئے تمہارے قول کی۔ یہ سن کر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ہم تم برابر نہیں ہمارے پاس تو کھلا معجزہ موجود ہے۔

پھر حضرت علیؑ نے یہودیوں کے اونٹوں کو آواز دی کہ اے یہود کے اونٹو تم محمد مصطفیٰؐ اور ان کے وصی کے بارے میں گواہی دو۔ پس وہ اونٹ بے تامل بول اٹھے کہ اے وصی محمد مصطفیٰؐ آپ سچے ہیں اور یہ یہودی سراسر جھوٹے اس پر جناب امیر نے فرمایا کہ ان یہودیوں سے تو یہ جانور اچھے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اے یہودیوں کے کپڑو تم بھی محمد مصطفیٰؐ اور ان کے وصی کے بارے میں شہادت دو۔ پس کل کپڑے گویا ہوئے کہ یا علیؑ آپ سچے ہیں آپ سچے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد مصطفیٰؐ خدا کے برحق رسول ہیں اور اے علیؑ آپ ان کے برحق وصی ہیں جو بزرگی ہمیشہ سے جناب محمد مصطفیٰؐ کے لئے ثابت ہے آپ بھی ویسی ہی بزرگی حاصل کرنے کے لئے ہیں انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہیں پس نور خدا کی چمک سے آپ دونوں بھائی پیدا ہوئے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنی مصلحت سے (ظاہر میں) آپ دونوں کو علیحدہ علیحدہ قرار دیا حالانکہ فضائل میں آپ دونوں شریک ہیں فرق اتنا ہے کہ محمد مصطفیٰؐ کے بعد نبی کوئی نہ ہوگا۔ یہ شہادت سن کر یہودیوں کی زبان بند ہوگئی اور اس واقعہ کے سننے اور دیکھنے والوں میں بعض آنحضرتؐ پر ایمان لائے اور باقی یہودیوں اور دیکھنے والوں پر شقاوت و بدبختی غالب آ گئی۔''(۱)

(۱) قرآن مجید ضمیمہ متعلق پارہ اول (مولانا سید مقبول احمد)، ص/۲۶۷

انوارِ معصومینؑ کی خاندانی مخالفت تواریخ کی روشنی میں

تاریخ کو عالم انسانیت میں خاص اہمیت حاصل ہے۔انسان ہر دور میں واقعاتِ گذشتہ سے آشنا ہو کر اپنے مستقبل کو روشن بنا سکتا ہے۔موجودہ زندگی گذشتگان کی زندگی سے درس حاصل کرتی ہے اور اپنی زندگی کے ہر مسئلہ میں اختیار واجتناب کی صورت میں عمل کرتی ہے اور نیک و بدعمل کی تمیز سے آشنا ہو کر نیک عمل کی خوبیوں کو اپناتی ہے۔

کیا کہنے انوارِ معصومینؑ کی زندگی کے جو منصوص من اللہ نمونہ عمل اور پیکر انسان میں افتخار ملائکہ ہوں اوران کی زندگی سے درس حاصل کرنا خوشنودی الٰہی کا سبب بھی ہو تو یقیناً ہر انسان کے حال و مستقبل دونوں بہتر ہوں گے جس کے لئے ضروری ہے کہ ان کے حالات زندگی کا مطالعہ کر کے موجودہ زندگی گذاری جائے۔ مفکرین تواریخ کا فرمانا ہے کہ:

> ’عبد مناف ابن قصیٰ‘ کے دو بیٹے ہاشم (عمرو) اور عبد شمس ماں کے پیٹ سے ہی جڑواں پیدا ہوئے اس طرح کہ ایک کی انگلی دوسرے کی پیشانی سے چسپاں تھی جسے مجبوراً کاٹ کر الگ الگ کیا گیا جس کی وجہ سے دونوں کی جسموں سے خون بہنے لگا۔اس وقت لوگوں نے اسے بدشگونی مان کر کہا کہ ان میں آپس میں خونریزیاں ہوتی رہیں گی‘‘(۱)

یہ حکایت ہو یا نہ ہو لیکن اس سے یہ اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کی پیدائش کے بعد ہی حالات بدلتے گئے اور ان دونوں کے بیچ مخالفت میں اضافہ ہوتا گیا۔جب تاریخی واقعات کی چھان بین کی گئی تو پتہ چلا کہ خود عبدالشمس اور ہاشم میں جنگ یا منازعت کی کوئی مثال نہیں ملتی لیکن عبدالشمس کے بعد ان کی اولاد امیّہ کی طرف سے مخالفت کی ابتدا نظر آتی ہے۔امیّہ حضرت ہاشم سے ہر موقع پر مقابلہ کرنے میں ناکام ہوا جس کی وجہ سے اس نے ایک شکست خوردہ فریق کی طرح انتقامی تصادم کا سلسلہ جاری رکھا۔تاریخ کا

(۱) صحیح بخاری، ج/۳، ص/۱۹

مشہور واقعہ ہے کہ:

> مکہ میں زبردست قحط پڑا جس میں تمام قریش مصیبت میں پڑ گئے کسی کے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح اس مصیبت سے نجات حاصل کی جائے لہٰذا حضرت ہاشم شام کی جانب گئے اور وہاں انھوں نے بہت زیادہ مقدار میں آٹا فراہم کر کے اس کی روٹیاں پکوائیں اور انھیں اونٹوں پر لاد کر مکہ لائے اور اونٹوں کو نحر کرا کر شوربہ تیار کروایا اور بڑی بڑی دیگوں میں انڈلوا کر ان تمام روٹیوں کا چورا کروا کر ان دیگوں میں ڈلوایا، اس کھانے کو عرب میں 'ثرید' کہتے ہیں.....تمام قریش کو کھانا کھلایا۔ اس طرح انھوں نے تمام مکہ کے لوگوں کو کھانے سے سیر کیا اتفاق سے اس کے بعد ابر آیا پانی برسا اور قحط سالی دور ہوگئی۔ ہر شخص کہنے لگا کہ اب کی پہلا بارانِ رحمت کا چھینٹا وہ تھا جو 'ہاشمؑ کے ذریعہ برسا۔ 'ہاشمؑ کے معنی ہیں روٹیوں کا چورا کرنے والا۔
>
> 'عمروؑ (یہ ہاشم کا اصلی نام ہے) جنھوں نے اپنی قوم کے لئے روٹی کے ٹکڑے کر کے انھیں کھانا کھلایا وہ قوم جو مکہ میں قحط سے بھوکی اور تباہ حال ہو رہی تھی'' (۱)

امیہ اقتدار کا بھوکا اور دولت مند شخص تھا۔ جب اس نے دیکھا عمرو (ہاشم) نے مکہ والوں کو اس طرح کھانا کھلایا ہے جس سے سب قریش ان کی تعریف کر رہے ہیں تو اس نے بھی اسی طرح کھانا کھلانے کا بندوبست کیا لیکن اسے کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ کھانا کم پڑ گیا جس کی وجہ سے بدنامی ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ لوگوں کے طعن و تشنیع سے کھسیا کر امیہ ہاشم کے خلاف ہو گیا اور انہیں برا بھلا کہنے لگا جبکہ اس میں ہاشم کا کوئی قصور نہ تھا۔

> ''امیہ نے ہاشم کو ''منافرت'' کی دعوت دی۔ یہ ایک طرح کا مقابلہ ہوتا ہے جو عربوں میں رائج تھا کہ دو شخص اپنے اپنے کارناموں کو پیش کر کے کسی ثالث کو حکم بناتے تھے کہ وہ فیصلہ کر دے کہ کون ان میں زیادہ صاحب فخر ولائق عظمت

(۱) سیرت ابن ہشام، ج/۱، ص/۸۵، شہید انسانیت، ص/۳۳

ہے۔اس ثالثی کے لئے زیادہ تر کاہن منتخب کئے جاتے تھے جو علم قیافہ اور نجوم میں بڑے ماہر ہوتے تھے۔حضرت ہاشم نے اپنی عمر کی بزرگی اور اپنے رتبے کی بلندی کے لحاظ سے امیہّ کے ساتھ مقابلہ سے انکار کیا مگر قریش کے عام افراد نے حضرت ہاشم کو مجبور کیا۔آخر آپ آمادہ ہو گئے اور کہا کہ میں اس شرط پر مقابلہ کرونگا کہ شکست خوردہ فریق اپنے مقابل کو ۱۵۰ اونٹ سیاہ آنکھوں والے سپرد کرے جو سرزمین مکہ میں نحر کئے جائیں گے اور دس برس کے لئے وہ مکہ سے جلا وطن ہو جائے۔امیہّ اس شرط پر رضامند ہو گیا۔چنانچہ قبیلہ خزاعہ کے کاہن کو حکم مقرر کیا گیا۔اس نے فیصلہ ہاشم کے حق میں اور امیہّ کے خلاف دیا۔حضرت ہاشم نے قرارداد کے مطابق ۱۵۰ اونٹ حاصل کئے اور انھیں نحر کرا کے پھر تمام اہل مکہ کی دعوت کر دی اور امیہ کو دس برس کے لئے مکہ سے جلاوطن ہونا پڑا اور وہ اس مدت تک شام میں قیام پذیر رہا۔یہ پہلی عداوت تھی''(۱)

یہ عداوت امیہّ کی اولاد کو بنی ہاشم کے مقابلے میں نسل در نسل برقرار رہی اسی کے ساتھ پے در پے شکست کھانے کے لازمی نتیجہ کے طور پر بنی امیہّ عربی خون کی بہت سی لطافتیں کھوتے گئے اور ان میں کمینہ پن،فریب،احساس کمتری اور دوسرے اسی طرح کے اوصاف پیدا ہوتے گئے جو مسلسل شکست کھانے والوں کی خاصیت ہوا کرتے ہیں۔

بنی امیہّ کی مخالفت کا جذبہ دن بدن بڑھتا گیا یہاں تک کہ قریش سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم یہ دونوں ایک ہی نسل کی دو شاخیں ہیں بھی یا نہیں۔ان خیالات کو لوگوں کی زبانی بنی امیہ سنتے تو اور کھسیاتے کہ عرب قوم کی نظر میں ان کے خلاف اس طرح کے تاثرات پیدا ہو رہے ہیں تو وہ بنی ہاشم کے خلاف اور ضربیں لگانے لگتے مگر ہمیشہ کی طرح ناکامی کا ہی منھ دیکھنا پڑتا۔

قدرت کی مصلحت میں کس کا دخل ہو سکتا ہے وہ ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق درجہ دیتا ہے جیسا اس کا عمل ہوتا ہے ویسی ہی منزلت کا حقدار بنتا ہے۔لہٰذا حضرت محمد مصطفیٰؐ بھی اٹھے تو بنی ہاشم ہی کی نسل سے

(۱) طبقات بن سعد مطبوعہ،لندن (انگلینڈ)،ج/۱،قسم/۱،ص/۴۳،۴۴،طبری،ج/۲،ص/۱۸۰

جن کو پروردگار عالم نے رسالت کا درجہ عطا کیا۔شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

''آنحضرتؐ کی نبوت کو خاندان بنی امیّہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا۔اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت کی مخالفت کی۔''(۱)

تبلیغ اسلام کے الٰہی حکم کی تعمیل میں رسول خدا کی منزلت ومقبولیت اور بڑھ گئی جو بنی امیہ کی آخری بڑی تقدیر کی شکست تھی جسے بنی امیہ آسانی سے سہہ نہ سکے۔مکہ کا وہ دور وحشت اور بربریت کے دور سے گزر چکا تھا۔ ڈاکٹر وحید مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

''واقعہ یہ ہے کہ جنوبی عرب اسلام سے صدیوں قبل ایک بڑی تہذیب کا گہوارہ اور کاروبار تجارت کا ایک خوشحال مرکز تھا۔حمیری بادشاہوں کے آثار قدیمہ،سد مارب، باغ شداد اور تخت بلقیس ملکۂ سبا وغیرہ کے تذکروں میں اس کا مکمل ثبوت موجود ہے اس کے علاوہ ایام جاہلیت کی شاعری جو کہ ادب کا بہترین نمونہ ہے اسی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایام جاہلیت کے عرب بہت سی خوبیوں کے حامل تھے ،مثلاً بہادری،سخاوت ،مہمان نوازی ، وفاداری،شوہری محبت،اور برادری انس وغیرہ خلاصہ یہ کہ شاعری ان کے اخلاقیات کا دفتر ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شرافت کا کافی عنصر رکھتے تھے ان کی شاعری، بالخصوص ان میں سے چند کی ، اس بات کو بھی ظاہر کردے گی کہ اگرچہ وہ اس زمانہ کے الہامی مذہب کو نہ ماننے کے باعث مشرک تھے اور بت پرستی بھی کیا کرتے تھے تاہم وہ مذہب کے خاص خاص عقائد سے بالکل ناواقف وبیگانہ نہ تھے۔وہ اپنی بت پرستیکی یہ تاویل کرتے تھے کہ ان بتوں کے ذریعہ سے ہم خدائے واحد (اللہ) کی بارگاہ میں قرب حاصل کرتے ہیں پھر یہ کہ عربوں کی ایک بڑی تعداد جناب اسمٰعیلؑ کی نسل سے تعلق رکھتی تھی اور یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے آباءواجداد کے تعلیمات سے قطعاً بیگانہ ہوگئے ہوں بلکہ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ تمدنی حیثیت سے اسلام سے قبل کے زمانے میں عرب کی جماعت ترقی کے بعد تنزل کی طرف

(۱)سیرۃ النبی، ج/۱،ص/۱۵۸

جارہی تھی۔اب اس میں کچھ عمدہ قدیم خوبیوں کا شائبہ تو موجود تھا لیکن زیادہ تر
اس میں بری عادتیں داخل ہوگئی تھیں۔''

خالق کائنات نے حضرت ابراہیمؑ کی دوسری زوجہ جناب حاجرہؑ کی اولاد حضرت اسمٰعیلؑ کو قربانی کے لئے منتخب کیا اوران کے بعد انہیں کی نسل کے ذریعہ تبلیغ اسلام کی بقاء کو قائم رکھا، جب کہ پہلی زوجہ کی اولاد حضرت اسحاقؑ بھی تھے۔لیکن یہ تو وہی خالق کائنات سمجھ سکتا ہے کہ کون اس کے حکم کی تعمیل ایسے کرسکتا ہے جیسی وہ چاہتا ہے۔اس لئے دنیا قائم کرنے سے پہلے اس نے ''انوارمعصومینؑ'' کی تخلیق کردی تھی، جب ہی تو اپنی حجت تمام کرتے ہوئے اپنے آخری نبی محمد مصطفیؐ کے ذریعہ اپنا پیغام قرآن مجید کی شکل میں پیش کیا جو کسی ایک شخص کی میراث نہیں ہے بلکہ پوری بنی نوع انسانی کی میراث ہے۔

قرآن کاارشاد ہے:وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ''تم میں سے ایسے لوگوں کا بھی ایک گروہ ہونا چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف دعوت دے اور برائی سے روکے۔''(۱)

اور یہ گروہ انوارمعصومین کا ہی ہے آج بھی ہمارے آخری امام محمد مہدیؑ صاحب الزمانؑ ہماری مدد کرتے ہیں اورہمیں نیک راہ دکھاتے ہیں۔

پیغمبراسلام حضرت محمد مصطفیٰؐ کے حالات

ایشیا کی مغربی سرحد پرواقع ایک بڑا ریگستانی ملک ''عرب'' ہے جس کے ساحل پر بحراحمرلہریں ماررہا ہے۔ یہ علاقہ روز اول سے ادیان و مذاہب کا گہوارہ کہا گیا ہے اور دنیا کے بے شمار مذاہب اسی علاقے میں پروان چڑھے اوراکثر کا مدفن بھی اسی خطہ میں بنا۔

اسی 'عرب' کی سرزمین پرتاریخ اسلام کا نمایاں دور جناب ابراہیمؑ کے زمانے سے شروع ہوتا ہے۔ جن کو پروردگار عالم نے اپنی قدرت کاملہ سے مختلف کمالات وفضائل سے آراستہ کرکے توحید کاعلم بردار بنا کر

(۱) سورۂ آل عمران آیت۱۰۴

خلق فرمایا اور نمرود جیسے باغی اور طاغی کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔

جناب ابراہیمؑ نے قولاً وعملاً توحید کی تبلیغ شروع کر دی اور بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی اور خود ہی کافی بتوں کا صفایا بھی کیا۔ جس کے نتیجہ میں حاکم وقت نے انھیں آگ میں ڈالنے کا حکم دے دیا۔ لیکن خدا کی رحمت سے وہ آگ گلزار بن گئی اور وہ زندہ سلامت باہر نکل آئے۔ اس واقعہ سے متاثر ہوکر جناب سارہؑ بنت حاران نے آپ سے عقد کرلیا۔ جناب سارہؑ کے ساتھ ایک مدت تک ازدواجی زندگی گزارنے کے بعد بھی اولاد کا سکھ نصیب نہ ہوا تو حکم خدا سے جناب ہاجرؑہ سے عقد کیا جسکے بعد جناب اسمٰعیلؑ کی ولادت ہوئی۔ ادھر ۹۰ سال کی عمر میں جناب سارہؑ کے یہاں بھی خداوند عالم نے ایک اولاد جن کا نام اسحاق ہوا عطا فرمائی۔

جناب ابراہیمؑ نے حکم خدا سے جناب اسمٰعیلؑ اور جناب ہاجرہؑ کو مکہ میں بنیاد خانۂ کعبہ کے قریب رکھا جہاں کھانے اور پانی کے نہ ہونے کی وجہ سے سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ بچّے کے لئے پانی کی تلاش میں جناب ہاجرہؑ کو سعی کرنا پڑی جس کے نتیجے میں قدرت نے چشمہءزم زم جاری کر دیا۔

قبیلہ جرہم کے افراد کا اس علاقہ سے گزر ہوا اور انھوں نے چشمہ زم زم کی روانی کو دیکھا تو پڑاؤ ڈال دیا اور اس طرح ارض حرم کی آبادی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جناب ابراہیمؑ اپنے گھر والوں سے ملنے کیلئے آئے تو جناب اسمٰعیلؑ گھر میں موجود نہ تھے۔ ان کی زوجہ نے اخلاق و مدارات کا مظاہرہ نہ کیا تو جناب ابراہیمؑ نے طلاق کا اشارہ دے دیا اور اس طرح جناب اسمٰعیلؑ کی دوسری شادی قبیلہ جرحم کی خاتون سے ہوئی اور جناب ابراہیمؑ نے پورے حوصلے کے ساتھ بیٹے کو راہ خدا میں قربانی کیلئے پیش کرنے کی تیاری کی اور جناب اسمٰعیلؑ نے خدا کے حکم کو اپنا فرض سمجھا اور قربانی کیلئے تیار ہو گئے۔ خدا نے ان کی اس قربانی کو ان کی نسل میں آگے بڑھا دیا اور ان کی جگہ ایک دنبہ پیش کر دیا۔ اس طرح ابراہیمؑ خلیل اللہ اور اسمٰعیلؑ ذبیح اللہ کہلائے۔

ایثار اور فداکاری کا یہ سلسلہ نسل ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ سے چلا۔ آگے اسی نسل میں عبد المناف پیدا ہوئے۔ ان کے فرزند جناب ہاشم تھے۔ جناب ہاشم کے دو فرزند تھے ایک عبدالمطلب دوسرے اسد تھے۔ اسد کے گھر جناب فاطمہ بنتِ اسد کی ولادت ہوئی۔ اور عبد المطلب کے یہاں متعدد اولادیں پیدا ہوئیں (جن میں جناب عبداللہ کی نسل سے محمد مصطفیٰؐ اور ابوطالب کی نسل سے حضرت علیؑ پیدا ہوئے)

عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اے خالق کائنات اگر تو مجھے دس فرزند دے گا تو ایک فرزند کو میں راہ خدا میں قربان کردونگا۔ چنانچہ خدا نے دس فرزند عطا کئے۔قربانی کا وقت آیا تو قرعہ جناب عبداللہ کے نام نکلا۔عبدالمطلب ،عبداللہ کے حسن و جمال وکمال سے بہت متاثر تھے۔اس بنا پر قرعہ دوبارہ ڈالا گیا پھر انھیں کے نام پر نکلا۔تب لوگوں کی رائے ہوئی (جس میں جناب ابوطالب پیش پیش تھے) کہ سواونٹوں کا فدیہ دے دیا جائے اور اس طرح فدیہ دے کر عبداللہ کو قربانی سے بچالیا گیا۔اور عبداللہ بھی ذبیح قرار پائے۔اور رسولؐ اکرم ابن الذبیحین کے مصداق قرار پائے۔

سخاوت کی بنیاد پر عبدالمطلب ''مطعم الطیر'' کے لقب سے مشہور تھے۔ اور ان کا سب سے بڑا کارنامہ اس حوصلہ اور ہمت کا اظہار تھا جو ابرہتہ الاشرم کے مقابلہ میں پیش کیا گیا جب وہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر خانہ خدا کو منہدم کرنے کے لئے آیا اور سارے مکہ والے آبادی چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تب جناب عبدالمطلبؑ ابرہہ کے پاس گئے اور اس نے احترام کرنے کے بعد سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تیرے لشکر والوں نے میرے اونٹ پکڑ لئے ہیں۔ میں انھیں واپس لینے آیا ہوں۔اس نے کہا بڑے افسوس کی بات ہے کہ تمھیں اونٹوں کی فکر ہے اور اس گھر کی فکر نہیں ہے جسے ڈھانے کے لئے میرا لشکر آیا ہے؟

جناب عبدالمطلبؑ نے فرمایا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں۔اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے (جو عنقریب اسے بچالے گا) ابرہہ اس اشارہ کو نہ سمجھ سکا اور حملہ کرنے کے لئے بڑھا۔ رب العالمین نے عبدالمطلبؑ کے بیان کی لاج رکھی اور ابابیل کا لشکر بھیج کر ابرہہ کے لشکر کا خاتمہ کر دیا۔ابرہہ کی فوج میں ساٹھ ہزار افراد تھے جن میں نو یا تیرہ بڑے بڑے ہاتھی تھے۔سب سے بڑے ہاتھی کا نام ''محمود'' تھا جس سے خانہ کعبہ کے انہدام کا کام لینا تھا جس کو قدرت نے فنا کر دیا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالمطلب ایک باایمان شخصیت کے مالک تھے جنھیں خالق کائنات کی غیبی طاقت کا یقین کامل تھا۔ان کے اطمینان قلب کا راز ایمان بالغیب تھا۔

مورخین کا بیان ہے کہ جس سال ابرہہ کی تباہی اور خانہ کعبہ کی حفاظت کا واقعہ پیش آیا تھا۔اس سال کو عام الفیل کہا جاتا ہے۔اور اسی سال محمد مصطفیٰؐ رسول اللہ کی ولادت ہوئی تھی۔پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصیات، زمانۂ رسالت، اور انداز تبلیغ کی خبر انبیاء ومرسلین علیہ السلام اپنے زمانے

کے لوگوں کو دیتے رہے تھے جس کا ذکر اس دور کی کتابوں میں ملتا ہے۔

قرآن کہتا ھے:

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمْ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَائَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (۱)

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی (یہود ونصاریٰ) وہ اس کو میرے محمدؐ اور اس کی حقانیت کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو لیکن ان میں کچھ لوگ عناد ودشمنی کی وجہ سے حق کو چھپاتے ہیں، جب کہ وہ اس سے بخوبی واقف ہیں۔''

۱۷ ربیع الاول ۱ھ عام الفیل ۵۷۰ء کو سرزمین مکہ پر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں تشریف لا کر سارے عالم کو اپنی نورانیت سے منور کر دیا۔

مورخین کا فرمانا ہے کی جب آپ کی ولادت ہوئی تو آتے ہی دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر سجدۂ خالق ادا کیا اور آسمان کی طرف سر بلند کر کے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ'' ولادت سے پہلے آپ کی والدہ حضرت آمنہ کو بار حمل محسوس نہیں ہوا اور وہ تمام کثافتوں سے پاک تھیں۔ آپ مختون اور ناف بریدہ تھے۔

محمد مصطفیٰؐ نے ساری کائنات کو علمی ومعنوی تدبر وتفکر کی راہ پر لگایا۔ یعنی ان کے وجود کی نورانیت بشریت کے افق پر ضوبار ہوگئی۔ شعور وفکر کو ان کے وجود سے نئی تابانی ملی۔ ان کی ذات انسانوں کے لئے سعی پیہم، تلاش مسلسل اور ابدی سرگرمی کا سبب قرار پائی۔ ان کے صفات وامتیازات میں نہ کوئی ان کا شریک کار تھا اور نہ ان کی عظمت ورفعت تک کسی کی رسائی تھی۔ ان کی ولادت نے انتظار کی طولانی شب کو امید کی سحر میں بدل دیا۔ وہ ایسے وقت میں پیدا ہوئے جب سماج ومعاشرہ کو ان کی سخت ضرورت تھی۔

خلاق عالم نے دنیا میں اپنے بندوں کی رہبری اور راہ نمائی کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔ یہ معصوم اور عالم علم لدنی کا شرف رکھنے والے تھے۔ ان میں آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰؐ تھے۔ ان کی اولاد کو امامت کا شرف حاصل ہوا۔ یہ ائمہ بھی اپنے پدر بزرگواروں کی طرح معصوم، اپنے سایہ سے بے نیاز،

(۱) سورۂ بقرہ آیت ۱۴۶

خدائے کائنات سے قرب رکھنے والے اور غیب کا علم رکھتے تھے۔ ہمارے آخری امام امام زمانہؑ ہیں وہ خدا کی قدرت سے ہماری نظروں سے اوجھل پردۂ غیب میں ہیں جن پر اب اسلام کی حفاظت، دین کی صیانت، کائنات کی امامت اور رسولؐ خدا کی خلافت کی ذمہ داری ہے جو سلسلہ اب قیامت تک چلتا رہے گا۔

خالق کائنات نے رسولؐ خدا محمد مصطفیٰؐ کی خلقت آدم کی تخلیق سے نو لاکھ برس پہلے نور کی شکل میں کی تھی۔ وہ نور اقدس اصلاب طاہرہ اور ارحام مطہر سے ہوتا ہوا جب صلب جناب عبداللہ بن عبدالمطلب تک پہنچا تو آپ کا ظہور بشکل انسانی بطن جناب ''آمنہ بنت وہب'' سے مکہ معظمہ میں ہوا۔

رسول خدا کے والد ماجد جناب عبداللہ۔ نسل اسمٰعیل کے ان باحوصلہ وجری افراد میں تھے جن کا قلب انسانی مہر و وفا، رحمت و شفقت سے مملو تھا۔ جناب آمنہ سے شادی کے بعد تجارتی قافلہ کے ہمراہ مکہ سے شام کے لئے بغرض ضروری روانہ ہونا پڑا۔ جناب آمنہ واپسی کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں۔ رسولؐ خدا کی ولادت ہو چکی تھی مگر افسوس راستہ میں جناب عبداللہ پر شدید بیماری کا حملہ ہوا جناب عبداللہ اپنے فرزند کی ولادت کی آرزو اور آمنہ کی ملاقات کا جذبہ لئے ہوئے دنیا سے کوچ کر گئے۔ جناب آمنہ پر شوہر کی وفات کا اتنا صدمہ ہوا کہ دودھ خشک ہو گیا۔ اس وقت آپ کی عمر دو ماہ تھی۔

> اس دردناک حادثہ کے بعد آنحضرتؐ کے جد بزرگوار جناب عبدالمطلب نے اپنی بہو کی سرپرستی فرمائی، اپنے پوتے کی پرورش کے لئے قبیلہ بنی سعد کی عورتوں کا انتخاب کرنا چاہتے تھے تا کہ بچہ دیہات کی کھلی فضا میں اچھی طرح نشو و نما پا سکے۔ اسی تصور میں تھے کہ قبیلہ بنی سعد کی عورتیں مکہ پہونچیں۔ حلیمہ سعدیہ نامی پاک طینت خاتون نے جناب مرسل اعظمؐ کی پرورش اپنے ذمہ لے لی۔(۱)

جناب حلیمہ سعدیہ محمد مصطفیٰؐ کو لے کر دیہات کی فضا میں رہنے کے لئے چلی گئیں اور سن رضاعت تک دودھ پلاتی رہیں۔ اس کے بعد عبدالمطلب نے دیہات کے کھلے ماحول میں پانچ سال کی عمر تک رکھا۔ اس مدت میں جناب حلیمہ سعدیہ دوبار آنحضرتؐ کو مکہ لائیں تھیں۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج/۱، ص/۱۶۲

پانچ سال کی عمر کے بعد آپ اپنی والدہ جناب آمنہ کے پاس ایک سال تک رہے۔ جناب آمنہ کی خواہش ہوئی کہ کسی دایہ کا انتخاب کیا جائے جو آنخضرت کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ اسی خیال کے تحت وہ اپنے فرزند محمد مصطفٰیؐ کو لے کر مکہ معظمہ سے روانہ ہوئیں لیکن راہ میں شدید بیماری کا حملہ ہوا اور عارضی سفر دائمی سفر میں بدل گیا۔ چھ سال کی عمر میں ماں کی شفقت سے محروم ہو گئے۔

''لق ودق صحراء میں شفقت ومحبت کے پیکر کو دفن کر کے مرسل اعظمؐ وطن واپس ہوئے''(۱)

جناب محمد مصطفٰیؐ اپنے جد کی دائمی مفارقت کے بعد اپنے حقیقی چچا جناب ابوطالبؑ جو اپنے وقت کے عظیم المرتبت انسان اور قابل احترام شخصیت کے مالک تھے کی نگرانی وکفالت میں آئے۔ ابوطاب تجارتی سفر میں جایا کرتے تھے۔

ایک دن حضرتؑ روانہ ہونے والے تھے کہ مرسل اعظمؐ چچا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

''میری خواہش ہے کہ میں آپ کے ہمراہ چلوں'' (۲)

بروایت طبری وابن اثیر ۹ سال اور بروایت ابوالفداء وابن خلدون اس وقت آپ کی عمر ۱۳ سال تھی۔ اس لئے جناب ابوطالبؑ نے اپنے ہمراہ لے جانے سے روک دیا لیکن جس وقت ابوطالبؑ قافلہ کے ہمراہ روانہ ہونا چاہتے تھے کہ مرسل اعظمؐ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے مغموم چہرے کے ساتھ سامنے آئے اور پھر ساتھ جانے کے لئے اصرار کرنے لگے۔ جناب ابوطالبؑ کو اپنے یتیم بھتیجے کا دل دکھانا منظور نہ تھا اس لئے اپنے ہمراہ لے لیا۔

ابھی قافلہ اپنی منزل پر نہ پہنچا تھا کہ قافلہ والوں کی مقام ''بصریٰ'' پر عیسائیوں کے عالم بحیرا سے ملاقات ہوئی۔ بحیرا اپنی عبادت گاہ میں مشغول عبادت تھا۔ اس نے آپ کے چہرہ مبارک سے آثار عظمت و جلالت اور اعلیٰ درجے کے کمالات عقلی اور محامد اخلاق کو نمایاں دیکھ کر اور ان صفات سے متصف پا کر جو اس نے توریت اور انجیل اور دیگر کتب سماویہ میں پڑھی تھیں پہچان لیا کہ یہی پیغمبر آخرالزمان ہیں۔ پھر شانہ کھلوا کر مہر نبوت پر نگاہ کی اور مہر نبوت کا بوسہ لیا اور نبوت کی تصدیق کی اور کہا ابوطالبؑ! یہ وہی بچہ ہے جس کی نبوت ورسالت کی خبر آسمانی کتابوں میں آچکی ہے۔ میں نے کتابوں میں جو علامتیں پڑھیں ہیں، اس بچہ میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ وہی پیغمبر برحق ہے کہ جس کا نام، خاندان، کنیت اور لقب کتابوں میں محفوظ ہے۔ مجھے

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج/۱، ص/۹۷ (۲) سیرت ابن ہشام، ج/۱، ص/۱۸۰

معلوم ہے کہ یہ عظیم انسان کہاں ظہور کرے گا، اس کا نظام وقانون کس طرح عالمگیر ہوگا۔

ابوطالب! تمہارا فریضہ ہے کہ اسے یہودیوں کی نظر سے چھپائے رکھو۔ اگر انہیں اس کی اطلاع ہوجائیگی توقتل کردیں گے۔''(۱)

پھر بحیرا نے کہا: ''میری رائے یہ ہے کہ تم شام نہ جاؤ اور اپنا مال یہیں فروخت کرکے مکہ واپس چلے جاؤ۔'' چنانچہ ابوطالب نے اپنا مال نکالا۔ وہ حضرت کی برکت سے آناً فاناً میں بہت زیادہ نفع پر فروخت ہوگیا، پھر ابو طالبؑ مکہ واپس چلے گئے۔

تاریخ لکھنے والوں نے رسولؐ خدا کے وجود میں گونا گوں استعداد، قوت عمل، عزم وارادہ، حوصلہ و استقامت اور ہر وہ چیز مشاہدہ کی جو ایک قائد و رہبر کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ کوئی محقق یہ نہیں کہہ سکتا کہ رسولؐ خدا اپنی حیات کے کسی دور میں معمولی سے معمولی اخلاقی یا روحانی انحراف کے مرتکب ہوئے ہوں بلکہ ان کے کردار نے ہر ان شخصیتوں کے کردار کو ماند کر دیا جنھوں نے اوراق تاریخ پر اپنا نقش چھوڑا تھا۔ بہر حال کوئی تاریخ داں رسولؐ خدا کے بارے میں بال برابر بھی بے راہ روی، بدخوئی اور ناروا و ناز یبا عمل کی سند نہیں پیش کرسکتا۔ جس وقت رسولؐ خدا نے آنکھ کھولی، اس وقت معاشرے میں شرک و بت پرستی کا بھرپور رواج تھا۔ عرب دعوت توحید کے شدید مخالف تھے۔

رسولؐ خدا کی زندگی زیادہ تر جاہل و بدکردار، بے دین اور ستم پیشہ لوگوں کے بیچ گذری، انھیں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ تھوڑے سے وقفے کے لئے دو بار ان لوگوں سے الگ ہوئے اور دونوں ہی مرتبہ شام تشریف لے گئے۔ پہلی مرتبہ جناب ابوطالبؑ ہمرکاب تھے۔ دوسری مرتبہ حضرت خدیجہؑ کا کاروان تجارت آپ کی سرپرستی میں چل رہا تھا۔ اس معاشرے کے رہن سہن میں ان کی کسی طرح کی مناسبت نہیں تھی۔ چونکہ نبی معاشرہ ساز ہوتا ہے۔ معاشرہ نبوت ساز نہیں ہوتا۔ ایسے مسموم ماحول میں پیغمبرؐ اسلام کو سب سے زیادہ امانت، دیانت اور راست گوئی عزیز تھی۔

رسولؐ خدا نے اپنے اخلاق، اطوار اور حسن کردار کے ذریعہ سماج و معاشرہ کے مجبوروں اور کمزوروں کا دل جیت لیا تھا۔ دوست و دشمن سبھی متفق تھے۔

---

(۱) طبری، ج/۱، ص/۳۳، ۳۴

دلوں کی گہرائیوں میں اتر جانے والی گفتگو، عادلانہ فیصلے، عقل و دانش کی برتری، مافوق الفطرت افکار و خیالات شب و روز آنحضرتؐ کی ذات اقدس سے مشاہدہ ہو رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مرسلؐ اعظم اپنی بعثت سے برسہا برس قبل عربوں میں ''صادق'' کے لقب سے پکارے جا رہے تھے۔(۱)

زید بن حارثہ جو بچپنے سے اپنے گھر سے الگ ہو کر رسولؐ کی خدمت کرتے تھے جنھیں جناب خدیجہؑ نے رسولؐ خدا کو بخش دیا تھا۔ ایک مدت کے بعد زید کا باپ اپنے بیٹے کی تلاش میں نکلا اور جب ملا تو رسولؐ خدا نے اسے آزاد کر دیا مگر وہ رسولؐ کی خدمت کو باپ کے ہمراہ جانے پر ترجیح دیتا تھا۔

رسول اکرمؐ کی جناب خدیجہؑ سے شادی

جب آپ کی عمر ۲۵ برس کی ہوئی اس وقت تک آپ کی شہرت صادق وامین کے خطاب سے پھیل گئی تو جناب خدیجہؑ بنت خویلد (جو انتہائی پاکیزہ نفس، خوش اخلاق اور خاندان قریش میں سب سے زیادہ دولت مند تھیں) نے اپنی شادی کا پیغام بھیجا اس وقت ان کی عمر ۴۰ برس کی تھی۔ پیغام عقد منظور ہوا اور ابو طالبؑ نے نکاح پڑھا۔ حضرت خدیجہؑ کی طرف سے عقد پڑھنے والے ان کے چچا عمرو بن اسد تھے۔ حضرت خدیجہؑ کی اس سے پہلے شادی نہیں ہوئی تھی۔ یہ ان کی پہلی شادی تھی۔

اسلام کی تبلیغ میں رسولؐ خدا اپنے باطنی افکار و خیالات اور اپنے دور کے ناسازگار ماحول کی وجہ سے زیادہ تر گوشہ نشین رہا کرتے تھے۔ وہ گوشہ نشینی کے عادی نہ تھے بلکہ معاشرے کی بدحالی اور انسانی قدر و قیمت کے زوال کو دیکھ کر مغموم ہو کر اسے دور کرنے کی کوشش کرتے۔ انھوں نے حالات کو سدھارنے میں عجلت سے کام نہیں لیا اور نہ خواہشات بشری پر اعتماد کیا بلکہ وجود ہستی کی خوبیوں کو محسوس کرتے ہوئے اس کی اصلاح و بقا کے لئے عاقلانہ و مدبرانہ قدم اٹھایا۔

کوہِ حرا میں عبادت گذاری

رمضان کے مبارک ماہ میں آپ مکہ سے کچھ دور غار حرا میں تشریف لے جاتے اور سکون اور سنّاٹے

(۱) طبری، ج ۲/ ص/ ۱۳۸

میں اپنے خالق سے راز و نیاز فرماتے تا کہ جس قدر ہو سکے زیادہ سے زیادہ ماحول کی کثافت وضلالت سے دور رہ کر قرب الٰہی سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔ رسولؐ خدا نے اپنے سارے وجود کو صاحب جلال و جبروت پروردگار میں ضم کر دیا تھا۔ روح کی گہرائی سے جوافکار ابل رہے تھے یا نہاں خانۂ ہستی سے حکمت کی جو کرنیں پھوٹ رہی تھیں انھیں کو خود سازی کا ذریعہ قرار دے لیا تھا۔

آنحضرتؐ کے رخ انور سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ مالک حقیقی سے شدید عشق وعلاقہ رکھتے ہیں۔ انہیں معاشرے میں پھیلی ہوئی بت پرستی سے شدید رنج ہوتا تھا۔ آپ کی رفتار و گفتار سے رسالت کی بو آتی تھی۔ گوشۂ تنہائی میں جو سن رہے تھے یا جو کیفیات طاری ہو رہے تھے اس کا تذکرہ اپنی رفیق حیات ومقصد جناب خدیجۃؑ کبریٰ سلام اللہ علیہا سے کرتے رہتے تھے۔

آغاز بعثت

مرسل اعظمؐ غار حرا کی آغوش میں مصروف طاعت و بندگی تھے کہ ناگاہ یا محمدؐ کی بلند آواز نے پورے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

''اِقرَاُبِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ '' کے الٰہی حکم سے وحی کا آغاز ہوا۔ یعنی الوہیت کے بحر بیکراں سے ایک موج اٹھی اور اس نے جناب محمد مصطفٰےؐ کے دھڑکتے دل کو علم وآگہی سے لبریز کر دیا۔

نور کی تابانی سے آنحضرتؐ کا پورا وجود جگمگا اٹھا چہرہ اقدس سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں اور ماحول کی تاریکیاں دور دور تک مٹ چکی تھیں۔ ایک نورانی مخلوق کی شکل میں جبرئیلؑ محمد مصطفٰےؐ کے سامنے آئے جن کے اقراء کہنے کا مقصد تھا نزول قرآن کی ابتدا ہو جائے۔

اس وقت آپ کی عمر چالیس سال ایک یوم کی تھی۔ پھر جبرئیلؑ نے وضو اور نماز کی طرف اشارہ کیا رسولؐ نے وضو کیا اور پہلی نماز ظہر پڑھی۔ پھر رسولؐ اپنے گھر تشریف لائے اور حضرت علیؑ اور خدیجۃؑ الکبریٰ سے سارا واقعہ بیان کیا۔

> ''ان دونوں نے اظہار ایمان کیا اور نماز عصر ان دونوں نے باجماعت ادا کی۔ یہ اسلام کی پہلی نماز جماعت تھی جس میں رسول کریمؐ امام اور خدیجہؑ اور

علیؑ ماموم تھے‘‘۔(۱)

’’حضرت خدیجہؑ کے بعد حضرت علیؑ ابن ابی طالب ایمان لائے۔‘‘(۲)

سفر وحی کی پیہم آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جبرئیلؑ حیرت انگیز و پرمعنی آیات لیکر نازل ہوتے رہے جو کلمات کی ترکیب، مفاہیم کی شگفتگی کے اعتبار سے نہ تو خود پیغمبر کے ارشادات سے ملتی تھی اور نہ اس وقت کے شعراء وادباء کے کلام سے مماثلت رکھتی تھیں۔

عرب کے لوگ اگر چہ پڑھے لکھے نہ تھے، ان میں مورخ، فلسفی اور اہل دانش وبینش کوئی نام کو بھی نہ تھا لیکن وہ شعری ذوق، فصاحت زبان و بیان میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ پیغمبر اسلام نے ایسے ادبی ماحول کے باوجود کبھی مجلس شعر و سخن میں شرکت نہیں فرمائی۔

آیات قرآنی کا انداز شاہد ہے کہ رسول خداؐ نے اپنی رسالت پہچاننے میں کسی قسم کا دریغ نہیں کیا بلکہ عوامی رجحانات وخیالات اور میلان کا لحاظ و پاس کئے بغیر ان پیغامات کو سناتے رہے جسکا انہیں حکم ملا تھا۔

رسولؐ خدا نے آغاز تبلیغ میں اپنے قرابتداروں کو خالق حقیقی کی اطاعت و بندگی کی دعوت دی اور اپنے کو آخری نبی کی حیثیت سے پیش کیا۔ ہر قسم کی لغزش، خواہ فکری ہو یا مذہبی انفرادی ہو یا اجتماعی، ثقافتی ہو یا معاشرتی، سب کی اصلاح اور سدھار کے لئے نظم واصول پیش فرمائے۔ اس طرح دائرۂ اسلام میں وسعت ہوتی رہی اور ایک وقت وہ بھی آیا جب لوگ دین خدا کی طرف جوق در جوق آنے لگے۔

۲۷ رجب کو مبعوث بر رسالت ہوئے۔ اسی تاریخ کو نزول قرآن کی ابتداء ہوئی۔ تین سال تک نہایت رازداری اور پوشیدگی کے ساتھ فرائض کی ادائیگی فرمائی۔ اس کے بعد کھلے طور سے بندوں کی تبلیغ کا حکم آ گیا۔ ’’فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ‘‘ جو حکم دیا گیا ہے اس کی تکمیل کرو۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

ایک دن پیغمبر اسلام نے اپنے قرابتداروں کو جمع کیا اور ان کے درمیان ان الفاظ میں تقریر فرمائی۔

’’فرزندان عبدالمطلب! میں جو کچھ تمہارے لئے لایا ہوں۔ مجھ سے پہلے کسی نے ایسا تحفہ تمہیں پیش نہیں کیا۔ میں تمہارے لئے دنیا وآخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔ یہ خدا کا حکم ہے جس کی طرف تمہیں دعوت دے رہا ہوں۔ تم میں سے جس

(۱) التہذیب، طبع دہلی، ص/۸۴ (۲) تاریخ ابن خلدون، ص/۲۹۵، طبع لاہور

نے میری مدد ونصرت کی وہ تمہارے درمیان ہمارا بھائی، خلیفہ اور وصی ہوگا؟

سب خاموش رہے اگر چہ میں سب سے چھوٹا تھا مگر عرض کی ''یا رسولؐ اللہ! میں آپ کی مدد کرونگا''

جس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: ''یہ تمہارے درمیان ہمارا بھائی خلیفہ اور وصی ہے۔اس کی باتوں کو سنو اور مانو۔''(۱)

رسولؐ خدا نے ایسے ماحول میں اپنی آواز ہدایت بلند کی جب عوام اپنی کوتاہ نظری کے سبب قبیلہ بندی پر فخر کرتے تھے۔ ہر قسم کے شرف کا دارومدار اجتماعی حالات اور ناروا و نازیبا لاف وگزاف پر تھا۔رسولؐ خدا نے ہر قسم کے توہمات و رسم و رواج جو انسانی زندگی میں خاص اہمیت کے حامل تھے ان کو لغو قرار دیا۔اور انسان کی زندگی کو ایک منظّم و مقرر اصول و آئین کے سانچہ میں ڈھال کر پیش کیا۔عوام کو غلامی سے رہائی اور ظالموں کے ظلم و استبداد سے آزادی، اور قیصر و کسریٰ کی آمریت سے چھٹکارا دلانے کے لئے اپنی ساری صلاحیتوں اور کوششوں کو صرف کر دیا۔

یہ وہ اعلیٰ وارفع نظام ونظریات تھے جن کی اہمیت وافادیت کا تاریخ انسانیت کو اعتراف ہے۔اپنے تو اپنے وہ بھی اس کی بالاتری کے معتقد ہوئے جنھیں اسلام سے دور کا بھی سروکار نہیں ۔ان لوگوں نے مکہ میں رسولؐ خدا کے قیام کے دوران سرداران کفار و مشرکین کے دعوت اسلام کو اپنے مذہبی عقائد اور جاہلی رسم و رواج کے لئے عظیم خطرہ محسوس کیا تو اپنی پوری طاقت سے اس آواز کو دبانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔حلقہ اسلام میں آنے والے نئے مسلمانوں کو اپنی شقاوت و بےرحمی سے نشانہ بنانے لگے۔ان کا قصور صرف یہ تھا کہ انھوں نے اسلام کیوں قبول کیا، چلچلاتی دوپہر میں بھوکا پیاسا رسن بستہ زمین پر لٹاتے اور ان کے سینوں پر دہکتے ہوئے وزنی پتھروں کی سلیاں رکھتے تاکہ دین وآئین محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیالات سے باز آجائیں۔

جناب یاسر وسمیہ اسلام کی دو عظیم ،شجاع اور ساونت فرد تھے جنھیں کفار نے جن میں ابوسفیان، ابوجہل اور ابولہب نمایاں تھے،ان لوگوں نے مسلسل جناب یاسر کے سینے پر تپتی ہوئی سلوں کو رکھا آخر ایک دن مصائب کی تاب نہ لاکر جناب یاسر شہید ہوگئے۔

---

(۱) طبری، ج۲/ ص/۱۱۷۳

''شہید نے موت کو گلے لگا کر باطل سے اپنی ہمت اور مسلمانوں کے حوصلے کا لوہا منوالیا''(۱)

جناب یاسر مردوں میں اور ان کی زوجہ عورتوں میں شہداء اسلام کی پہلی فرد یں ہیں ابوجہل نے جناب سمیہ کو جس بے دردی سے شہید کیا ہے اس کا مطالعہ خون کے آنسو بہانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ کفار قریش کا خیال تھا کہ ان کے مظالم کے آگے نومسلم سپر انداختہ ہو جائیں گے اور اسلام کا گلا گھٹ کر رہ جائے گا۔ اگر اسلام یوں ہی بڑھتا رہا تو انکی معاشرہ سے حاکمیت اور بالادستی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی، اس جذبہ کے ساتھ ساتھ ان میں حسد بھی بہت حد تک اثر انداز تھا۔

ایسے حالات میں شہر مکہ مسلمانوں کے لئے ظلم گاہ بنتا جا رہا تھا۔ کفار قریش کی ایذا رسانی کا سلسلہ بڑھتا رہا۔ نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ کفار نے آیات قرآنیہ کے سننے پر بھی قدغن کر دی۔ آپ پر گندگی ڈالنا اور آپ کو ساحر (جادوگر) ومجنوں کہہ کر ستانا اپنا وطیرہ بنالیا۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ دشمنوں نے ایک بار آپ پر کمبل ڈال کر مار ڈالنے کا ارادہ بھی کیا۔

بہت سے نئے مسلمان تو کفار کی سختیوں، ایذا رسانیوں سے بچنے کے لئے اور آزادانہ خدائے وحدہ لاشریک کی طاعت وبندگی بجالانے کی خاطر مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ لیکن اس کے باوجود مخالفت کا سلسلہ بند نہ ہوا۔ کفار نے اپنے دو آدمیوں کو حبشہ کے بادشاہ کے پاس روانہ کیا۔ ان کے ساتھ تحائف اور ہدایا کئے تاکہ ان نئے مسلمانوں کو واپس کیا جائے مگر نجاشی بادشاہ نے واپس کرنے کے بجائے مکہ سے آنے والے مسلمانوں کے احترام واعزاز میں اور اضافہ کر دیا۔

ان ہجرت کرنے والوں میں جعفر طیار بھی تھے جو ان میں سربراہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی زبانی حضرت عیسیٰؑ کے متعلق خیالات معلوم ہوئے تو وہ اسے سنکر بے حد متاثر ہوا اور مخاطب ہو کر کہا:

> ''خدا کی قسم جیسا جعفر نے کہا عیسیٰؑ اس سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتے تھے۔ اگر چہ اس کے وزراء نے اسکی بات کو پسند نہیں کیا لیکن اس نے وزراء کی پرواہ کئے بغیر مسلمانوں کے عقیدہ کی تعریف کی اور مکمل مذہبی آزادی دیتے ہوئے وہ تحائف جو کفار قریش نے روانہ کئے تھے ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا: ''جب

---

(۱) سیرت حلبی، ص/۳۳۴

خدانے تخت وتاج عطا کرتے وقت مجھ سے رشوت نہیں لی تو مجھے یہ گوارہ نہیں کہ اسکی راہ میں رشوت لوں'' (۱)

اس طرح پھرایک بارنورکوتاریکی پرفتح حاصل ہوئی اورشرک وجہل مایوس ہوکرحبشہ سے واپس چلے گئے۔

اسلام دشمن عناصر نے جب اپنے اقتدار اور معاشرہ سے ہرقسم کی بت پرستی، کوخواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، ذہنی ہو یا معنوی، مٹتے ہوئے دیکھا تو اسلامی مشن کوتن، من، دھن، سے ناکام کرنے کی کوشش میں لگ گئے یہاں تک پیغمبراسلام کو ہدف سے منحرف کرنے کے لئے دولت وحکومت کی پیشکش کی جس کورسولؐ خدانے یہ کہہ کرٹھکرادیا:

''خدا کی قسم !اگر یہ لوگ ہمارے داہنے ہاتھ پرسورج اور بائیں ہاتھ پرچاند بھی لاکر رکھ دیں تو میں اپنی تبلیغ سے باز نہیں آؤں گا۔دوہی صورت ہیں یا خدا کا دین روئے زمین پرپھیل جائے یا میں اپنی جان سے ہاتھ دھوبیٹھوں'' (۲)

مورخین کا بیان ہے کہ جب کفارقریش نے دیکھا کہ اسلام روزافزوں ترقی کرتا چلا جارہاہے،تو سخت مضطرب ہوئے۔ پہلے تو چندقریش دشمن تھے،اب ان کے معتبراشخاص جیسے ابن ہشام،ابن اثیروطبری، ابوجہل بن ہشام،شیبہ،عتبہ بن ربیعہ،نصربن حارث،عاص بن وائل،اورعقبہ بن ابی معیط ایک گروہ کے ساتھ رسولؐ خداکےقتل پر کمر باندھ کرحضرت ابوطالبؑ کے پاس آئے اورصاف لفظوں میں کہا کہ محمدؐ نے ایک نئے مذہب کا اختراع کیاہےاور ہمارے خداؤں کو ہمیشہ برا بھلا کہا کرتے ہیں لہٰذاانھیں ہمارے حوالے کردو ہم انھیں قتل کردیں یا پھرجنگ بہ جنگ ہوجاؤ۔

یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

''قریش نے ابوطالبؑ سے کہا''تمہارا بھتیجا ہمارے خداؤں کا بہت اہانت سے نام لیتا ہے مجھے دیوانہ اور ہمارے بزرگوں کوگمراہ کہتا ہے۔اس سے کہو ــــــــــ دولت سے منہ بھردوں گامگر ہمارے خداؤں کو برانہ کہئے''(۳)

حضرت ابوطالبؑ نے رسولؐ خداسے واقعہ بیان کیا۔انھوں نے فرمایا کہ اے چچا میں جو کہتا ہوں کہتا

(۱۔۲)سیرت ابن ہشام،ج/۱،ص/۳۳۸ (۳) تاریخ یعقوب ج/۲،ص/۱۷

رہوں گا۔ میں کسی کی دھمکی سے مرعوب نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ آپ ؐ نے فرمایا:

''خدا نے مجھے اس لئے نہیں مبعوث فرمایا ہے کہ مال وثروت جمع کروں اور لوگوں کو دنیا کی دعوت دوں۔ اس نے مجھے اس لئے مبعوث کیا ہے کہ لوگوں کو اس کا پیغام پہنچاؤں اور اس کے دین کی طرف دعوت دوں۔'' (۱)

کفار قریش نے اس جواب اور غیر متزلزل عزم وحوصلہ سے آگاہی کے بعد آپس میں عہد کرلیا کہ جس قیمت پر ہو مسلمانوں کی پھیلتی ہوئی تحریک کا قلع قمع کرنا ہوگا۔ وہ اپنی باہمی مخالفت ومخاصمت کو بھول کر اسلام کی پھیلتی ہوئی مقبولیت کو داغدار کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ ان کا کہنا تھا محمدؐ ساحر، شعبدہ باز، دیوانہ اور شاعر ہے۔

کفار قریش کا یہ شیوہ وانداز نیا نہ تھا بلکہ قرآن نے ان سے پہلے والوں کا تذکرہ بھی اس طرح کیا ہے:

''ان لوگوں کے پاس جب کوئی نبی آتا تو وہ اس کو جادوگر کہتے یا دیوانہ بتاتے یہ لوگ ایک دوسرے کو اسی کی ترغیب دیتے ہیں حقیقتاً یہ لوگ بڑے نافرمان وسرکش ہیں'' (۲)

رسولؐ خدا نے ان کی دشمنی اور ظلم کے ساتھ طرح طرح کی رکاوٹوں کا سامنا کیا۔ پھر بھی یہی کوشش فرماتے رہے کہ انہیں اسلام کی تعلیمات کی معنویت کو سمجھنا چاہئے تاکہ وہ حق وصداقت پر ایمان لاسکیں۔ ان کے عزم وحوصلہ کو کفار قریش کی کوئی کوشش نہ روک سکی۔

جس وقت عرب کے مشہور حکیم ولیؔد نے پیغمبر اسلام سے سورہ فصلت کی بعض آیات سنی تو اسقدر متاثر ہوا کہ بنی مخزوم کے درمیان قرآن کی ان الفاظ میں توصیف وتعریف کی:

''قرآن مخصوص حلاوت اور عجیب وغریب کیف رکھتا ہے۔ اس کی اساس و بنیاد خیر وبرکت پر ہے۔ اس کی شاخیں پرثمر ہیں۔ وہ ایسا کلام ہے جس کی برجستگی کا مقابلہ کسی کلام سے نہیں کیا جاسکتا۔'' (۳)

قریش نے حکیم ولیؔد سے یہ سن کر گمان کیا کہ ولید بھی اسلام پر فریفتہ ہو چکا ہے۔

''اگرچہ مرسل اعظمؐ صبر کا ہمالیہ تھے لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ جب کفار کے ابلہانہ واحمقانہ برتاؤ سے ملول ہوتے اور گوشہ نشیں ہوجاتے۔ مذہب کی عظیم

(۱) تاریخ یعقوب ج۲/ص/۱۹ ۲) سورۂ ذاریات آیت ۵۱۔۵۲ (۳) طبری

ذمہ داری اور تبلیغ اسلام کا اہم فریضہ ایک لحظے کے لئے آرام واستراحت کی
اجازت نہیں دیتا۔''(۱)

پروردگار عالم نے انبیاء کرام کی کامیابی کا ایک سبب یہ بتایا کہ انھوں نے اسلام کے مخالفین کی ناروا اور نازیبا حرکتوں پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا۔قرآن نے صراحت سے حضرات ابنیاء علیہم السلام کے انداز تبلیغ اور زحمات دنیاوی کا ذکر اس طرح کیا:

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِنْ الصَّابِرِينَ

''اے رسولؐ! اسمٰعیلؑ وادریسؑ اور ذوالکفلؑ کے واقعات یاد کرو یہ لوگ
کس قدر صابر اور حالات کا مقابلہ کرنے والے تھے''(۲)

پیغمبر خدا اگر اپنی تکذیب، توہین اور ایذا رسانی کا صبر وتحمل سے مقابلہ نہ کرتے تو دین الٰہی کی جڑیں آسانی سے پھیل نہ پاتیں۔مکہ کے بگڑتے حالات کے ساتھ مسلمانوں کی زندگی ایذا رسانی اور موت کا مرکز بھی بن چکی تھی۔کفار کو جس پر شک ہوتا اس کا تعاقب کرتے۔پھر گرفتار کر کے طرح طرح کی ایذائیں دیتے۔مسلمانوں کے ظاہری حالات ایسے نہ تھے کہ وہ کفار مکہ کا ڈٹ کر مقابلہ کر پاتے اس لئے رسولؐ خدا نے مختلف ٹولیوں میں (مدینہ) یثرب کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔

ہجرت (مدینہ)

قریش مسلمانوں کے وجود سے جس خطرہ کا احساس کر رہے تھے اس کے پیش نظر ان کے مکہ سے جانے پر پابندی لگا دی۔اور جو لوگ چلے گئے ان کی عورتوں کو یرغمال کر لیا۔لیکن پھر بھی مسلمانوں نے اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانا ضروری سمجھا۔اہل مدینہ نے ان کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔

جب کافی تعداد میں مسلمان مدینہ پہونچ گئے۔یہ خبر کفار قریش کو ملی تو انھوں نے مل کر منصوبہ بنایا۔

''سب نے متفقہ طور سے شمع اسلام کو خاموش کرنے کی تدبیریں سوچنا شروع
کیں۔آخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ مرسل اعظمؐ کو قتل کر دیں۔سب نے اس تجویز کو تسلیم

---

(۱) مجمع البیان، ج/۱،ص/۳۸۷
(۲) سورۂ انبیاء آیت ۸۵

کیااورآپس میں طے پایا کہ رات کے اندھیرے میں بلوائی گھر میں
گھس کر پیغمبر کوشہید کر دیں۔''(۱)

اس رائے کے بعدسب نے مل کر آنحضرت کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔اورصبح کا انتظار کرنے لگے کہ آج کی صبح محمدؐ کی زندگی کی شام قرار پائے گی۔ پروردگار عالم کی ہدایت کے مطابق جوحضرت جبرئیل کے ذریعہ پہنچی،آپ نے حضرت علیؑ کواپنے بستر پرلٹایااورایک مٹھی دھول لے کرگھر سے باہر نکلے اوران کی آنکھوں میں جھونکتے ہوئے اس طرح نکل گئے جیسے کفر سے ایمان نکل جائے ۔حضرت علیؑ خدا کی خوشنودی اور رسولؐ خدا کی سلامتی کی خاطراپنی جان کی پرواہ کئے بغیر بستر رسولؐ پرسو گئے۔

رسولؐ خدا ابوبکر کے ساتھ پوشیدہ طور پر مدینہ کے لئے روانہ ہوئے ۔ کچھ مورخین کا لکھنا ہے کہ (ابوبکر نے جب رسولؐ خدا کو دیکھا تو پیچھے لگ گئے)اس طرح ساتھ ہوئے ۔ایک شخص نے کفارقریش کے حلقہ سے گزرتے ہوئے پوچھاتم لوگ کس کے منتظر ہو؟

''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ) کے'' کسی مرد نے جواب دیا۔

اس شخص نے کہاوہ تمہارے حلقہ سے جا چکے ہیں۔

سپیدی سحر افق پر نمودار ہوئی تھی کہ سب دروازہ توڑ کر داخل خانہ ہوئے تو بستر رسالت سے آفتاب امامت طلوع ہوا۔

حضرت علیؑ کا فرمانا ہے کہ مجھے شب ہجرت جیسی نیند آئی ساری عمر نہ آئی تھی۔

''ایک روایت میں ہے کہ ابوبکر نے ان کا پیچھا کیا۔آپ نے رات کے اندھیرے میں سمجھا کہ کوئی دشمن آرہا ہے،اپنے قدم تیز کر دیئے پاؤں میں ٹھوکر لگی،خون جاری ہوگیا۔پھرآپ نے محسوس کیا کہ ابن ابی قحافہ آرہے ہیں۔آپ کھڑے ہوگئے۔(۲)

رسولؐ خدانے ایک اونٹنی خریدی اور غارثور کے لئے روانہ ہوگئے۔غارثور مکہ سے مدینہ کی طرف ایک گھنٹے کے راستے پرتھا جوتقریباً ڈھائی یا تین میل جنوب کی طرف پہاڑ کی چوٹی پرواقع تھا۔سمندروہاں سے دکھائی

---

(۱)سیرت ابن ہشام (۲) صحیح بخاری،ج/۱،ص/ ۳۳۸ حصہ سوم (چودہ ستارے سے ماخوذ)

دیتا تھا۔ جب یہ لوگ غار میں داخل ہو گئے تو خدا کے حکم سے غار کے منھ پر ببول کا درخت اگ آیا اور مکڑی نے جالا بن دیا، کبوتر نے انڈا دیا۔ اس طرح غار میں داخلہ کا شبہ نہ رہا۔ تو دشمن رسولؐ کو ڈھونڈتے ہوئے نکل گئے۔

یکم ربیع الاول ۱۴ بعثت یوم پنجشنبہ بوقت شب قریش نے رسولؐ کے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔ صبح ۲/ربیع الاول یوم جمعہ کو غار ثور میں پہونچے۔ یوم یکشنبہ ۴/ربیع الاول تک غار میں رہے۔ حضرت علیؑ آپ لوگوں کے لئے کھانا پہنچاتے رہے۔

اس طرح پیغمبر اسلامؐ نصف شب کے قریب مکہ سے چل کر ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے اور غیر مانوس راہوں سے مدینہ پہنچے۔ یہ ہجرت مسلمانوں اور اسلام کی کامیابی کا ذریعہ بنی اور کفار کی رسوائی کا سبب قرار پائی۔ وہ شمع اسلام جسے خاموش کرنے کی تیرہ برس سے کوششیں ہو رہی تھیں، اسے رسولؐ خدا نے بچا کر فانوس مدینہ میں محفوظ کر دیا۔ رسول خداؐ کی مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے سے سن ہجری کی ابتداء ہوئی۔ مدینہ مرسل اعظمؐ کے مشن کا مرکز قرار پایا۔ اسلام کی مقبولیت آگے بڑھتی ہوئی اپنی جڑوں کو مضبوط کرتی جارہی تھی اور ایک تہذیب و معاشرہ کی شکل اختیار کر رہی تھی۔ اسلامی تعلیمات کی گرویدگی و جاذبیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگجو شریر افراد شیر و شکر بن کر پرچم توحید کے نیچے جمع ہو گئے۔

تبلیغ اسلام کی کامیابی کے سلسلے میں دوسری قوموں کے سربراہ کیا خیالات رکھتے ہیں، اس کی مثال میں ہم اپنے ملک ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو کے خیالات پیش کر رہے ہیں۔

> ''حیرت کا مقام ہے کہ قوم عرب جو صدیوں سے غفلت و جہالت میں کھوئی
> ہوئی تھی جسے اپنے قرب و جوار کے حالات کی اطلاع نہ تھی اچانک بیدار ہوئی اور
> دنیا کو زیروزبر کر دیا۔ عربوں کا اس سرعت سے یورپ، افریقہ اور ایشیاء پر چھا جانا،
> اور پھر انسانوں کو ایک عمدہ ثقافت و تمدن سے آشنا کرنا نہایت حیرت انگیز ہے۔
> وہ فکر جدید جس نے عربوں کو بیدار اور ان میں خود اعتمادی کا جذبہ موجزن کیا۔
> اسلام تھا، یہ نیا مذہب ایک نئے پیغمبر جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا شروع ہوا۔
> محمدؐ نے فتح مکہ سے پہلے مدینہ ہی سے دنیا کے فرمانرواؤں کو اپنی رسالت اور
> خدا کی توحید کی طرف دعوت دی۔ ان پیغامات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محمد

صلی اللہ علیہ کو کس قدر اپنی رسالت ونبوت پر اعتماد تھا اور اس خود اعتمادی کو عوام میں
پیدا کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہو کہ خانہ بدوش اس وقت کی آدھی دنیا پر مسلط ہو گئے۔'' (۱)

اسلام کے نعرہ نے نہ صرف مسلمانوں کو اپنی طرف راغب کیا بلکہ ہر اس ملک کو اپنی طرف متوجہ کر لیا جن میں مسلمانوں کی آمد و رفت تھی۔

پیغمبر اسلام کے تبلیغی کارنامے

۱) ۱۲ر ربیع الاول یوم دوشنبہ بوقت دو پہر آپ قبا میں پہونچے جو مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی ہے۔ وہاں کے باشندوں نے جوش مسرت میں نعرۂ تکبیر بلند کیا آپ نے یہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔

۲) اسی مقام پر حضرت علیؑ بھی مکہ سے امانتوں کی ادائیگی سے سبکدوش ہو کر آپہنچے۔ آپ کے ہمراہ عورتیں اور بچے بھی تھے جو ناقہ پر سوار تھے۔ آپ پا پیادہ تھے جس کی وجہ سے پیروں پر ورم آ گیا اور خون بہنے لگا رسولؐ خدا نے دیکھا تو بہت صدمہ کیا اور اپنا لعاب دہن لگا کر اچھا کیا۔

۳) مقام قبا میں ۴ر یوم قیام کے بعد آپؐ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور ۱۶ر ربیع الاول یوم جمعہ داخل مدینہ ہوئے۔ محلّہ بنی سالم میں نماز کا وقت آ گیا تو آپ نے نماز جمعہ یہیں ادا فرمائی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی نماز جمعہ تھی۔ یہاں اب بھی مسجد نبوی واقع ہے۔

۴) مدینہ میں مسجد نبوی کی تعمیر میں دیگر اصحاب کے ساتھ خود رسولؐ خدا نے بھی کام کیا۔ مسجد کے ساتھ حجرے بھی تعمیر کئے گئے۔

۵) مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد نماز کی رکعتوں کی بھی مکمل تعیین کر دی گئی۔ یعنی پہلے مغرب کے علاوہ سب نمازیں دو رکعتی تھیں۔ اب پانچ وقت کی نماز میں ۱۷ر رکعت معین کر دی گئیں اور ان کے اوقات بتا دئے گئے۔ اور زکوٰۃ بھی فرض کر دی گئی۔

۶) حضرت علیؑ نے حکم رسولؐ خدا سے بلال کو اذان تعلیم کر دی اور وہ مستقل مؤذن قرار پائے۔ نیز اقامت کا تقرر بھی ہوا۔

---

(۱) نگاہی بہ تاریخ جہان مولفہ نہرو، ج/۱، ص/۲۲۔۳۱۷

۷) ۱۵؍رجب ۲ھ کو رسولؐ خدا نے جناب سیدہؑ کا عقد حضرت علی علیہ اسلام سے کردیا۔

۸) ماہ شعبان ۲ھ میں بیت المقدس کی طرف سے قبلہ کا رخ کعبہ کی طرف موڑ دیا گیا۔

جنگ بدر

۹) مدینہ منورہ سے تقریباً اسیؔ میل پر ''بدر'' نام کا ایک گاؤں تھا۔ جہاں خبر پہونچی کہ قریش ایک بڑی فوج لے کر حملہ کرنے والے ہیں۔ ابوسفیان تیس سواروں کے ساتھ ایک ہزار آدمیوں کے ہمراہ قافلہ تجارت کے مقصد سے لے کر مدینہ سے گزرے گا۔ تو حضرت رسولؐ خدا (۳۱۳) ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہوئے، اور مقام بدر پر جا کر اترے۔ قریش (۹۵۰) آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ ابوسفیان سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے۔ اس طرح آپس میں جنگ ہوئی۔ خدا نے مسلمانوں کی مدد کی جس سے وہ فتحیاب ہوئے۔ اس پہلی جنگ کے علمبردار حضرت علیؑ تھے۔

یہ جنگ ماہ رمضان ۲ھ میں واقع ہوئی۔ اسی ماہ میں روزے فرض کئے گئے اور عیدالفطر کے احکام نازل ہوئے اور غزوہ بنوقینقاع سے واپسی پر عیدالاضحیٰ کے احکام آئے اور خمس واجب کیا گیا۔

جنگ احد

۱۰) جنگ احد یوم سہ شنبہ ۱۵؍شوال ۳ھ میں واقع ہوئی تھی۔

جنگ بدر میں ناکامیاب ہونے پر ابوسفیان نے تین ہزار کی فوج لے کر ''احد'' پر حملہ کردیا۔ احد جو مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ رسولؐ خدا کے ساتھ ایک ہزار سے بھی کم آدمی تھے۔ چونکہ قریش کی عادت پیچھے سے وار کرنے کی ہوتی ہے اس لئے رسولؐ خدا نے تاکید کردی تھی کہ کامیابی کے بعد بھی پشت کے تیراندازوں کا دستہ اپنی اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ مگر ہوا یہ کہ مسلمان ''احد'' کے فتح ہونے کی خوشی میں خلاف حکم خدا ورسولؐ مال غنیمت کے لالچ میں اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ جس کے نتیجے میں فتح وکامرانی شکست ونامرادی سے بدل گئی۔ حضرت حمزہ، اسداللہ، شہید ہوگئے میدان میں بھگدڑ مچ گئی۔

تواریخ میں ہے کہ تمام صحابہ رسولؐ خدا کو میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔(۱)

---

(۱) بروایت الیعقوبی، ص/۳۹

''بروایت بخاری۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان بھی بھاگ نکلے(۱)
حضرت ابوبکر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے تھے وہ کہتے ہیں کہ میں چوٹی پر اس
طرح اچک رہا تھا جیسے پہاڑی بکری اچکتی ہے'' (۲)

قرآن مجید میں ہے کہ:

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلاتَلْوُونَ عَلَى أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ

''سب بھاگ رہے تھے اور رسولؐ چلا رہے تھے کہ مجھے تنہا چھوڑ کر کہاں
جا رہے ہو مگر کوئی منھ پھیر کر نہ دیکھتا تھا۔ (۳)

مورخین کا اتفاق ہے کہ

''حضرت علیؑ محو جنگ رہے آپ کے جسم پر سولہ ضربیں لگیں اور آپ کا ایک
ہاتھ ٹوٹ گیا تھا۔ آپ کافی زخمی ہونے کے باوجود تلوار چلاتے اور دشمنوں کی
صفوں کو الٹتے جاتے تھے۔''(۴)

رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ سے کہا: ''اے علیؑ تم کیوں نہیں بھاگے؟''

عرض کی مولاؐ: ''کیا ایمان کے بعد کفر اختیار کرلوں۔ مجھے تو آپ پر قربان ہونا ہے۔'' اسی موقع پر حضرت علیؑ کی تلوار ٹوٹی تھی اور ذوالفقار دستیاب ہوئی تھی''(۵)

''نادعلی'' کا نزول بھی اسی جنگ میں ہوا تھا۔

رسولؐ خدا نے زخمی ہونے پر کسی نے خبر اڑا دی کہ آنحضرت صلعم شہید ہوگئے۔ اس خبر کے سنتے ہی آپ کے چاہنے والے میدان ''احد'' پر آ پہنچے جن میں آپ کی لخت جگر بیٹی حضرت فاطمہؑ بھی تھیں۔

کفار قریش کے مرد اور عورتیں مال غنیمت کے لئے میدان میں آنے لگے۔ حضرت معاویہ کی ماں نے مسلمان لاشوں کے ناک اور کان کاٹ کر ان کا ہار بنا کر اپنے گلے میں پہنا اور امیر حمزہ کا جگر

---

(۱) درمنثور، ج/۲، ص/ ۸۸ (۲) کنز العمال، ج/۱، ص/ ۲۳۸ (۳) سورہ آل عمران، آیت/۱۵۳

(۴) سیرت النبی، ج/۱، ص/ ۲۷۷ (۵) مدارج النبوۃ، تاریخ طبری، ج/۴، ص/ ۴۰۶، تاریخ کامل، ج/۲، ص/ ۵۸

نکال کر چبایا۔ اسی لئے انھیں جگر خوارہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

رسولؐ خدا کے چہرۂ مبارک پر کسی شخص نے پتھر مارا جس کی وجہ سے آپ کے دو دانت شہید ہو گئے اور پیشانی زخمی ہوگئی۔ کئی زخم تلواروں کے بھی تھے۔ آپ گڑھے میں گر پڑے تھے۔ غرض تمام مدینہ ماتم کدہ بن گیا تھا۔

۱۱) صفر ۴ ھ میں رسولؐ خدا نے ابو ہریرہ عامر بن مالک کلابی کے ہمراہ تبلیغ کے لئے ستر انصار کو بھیجا اور ایک شخص کو عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ عامر بن طفیل نے قاصد کو قتل کر دیا اور ایک بڑا لشکر بھیج کر ان تمام صحابہ کو ختم کر دیا۔

جنگ خندق

۱۲) ذیقعدہ ۵ ھ میں واقع ہوئی۔ بنی مغیر ''زہرہ'' نام کے قلعہ میں رہتا تھا۔ یہ قلعہ مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ رسولؐ خدا نے اس کی ناشائستہ حرکتوں کی وجہ سے جلا وطنی کا حکم دے دیا تھا۔ بنی نضیر کو اپنی بے عزتی کا بہت احساس ہوا۔ اس کے ساتھی یہودی جو خیبر میں سکونت پذیر تھے مسلمانوں کے خلاف تھے۔ ان میں کچھ لوگ مکہ جا کر ابوسفیان اور بنی غطفان اور قیس سے ملے اور ایک معاہدہ میں یہ طے کیا کہ ہر قبیلے کے سورما اکٹھے ہو کر مدینہ پر حملہ کر دیں۔ اس طرح ابوسفیان چار ہزار کا لشکر لے کر مکہ سے چلا اور یہود کے دیگر قبائل نے چھ ہزار کا لشکر لیا۔ سب آگے بڑھنے لگے۔

رسولؐ خدا کو اس حملے کی خبر ہو چکی تھی۔ اس لئے آپ نے مدینہ سے نکل کر کوہ سلع کو پشت پر لے لیا اور جناب سلمان فارسی کی رائے سے پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھدوائی۔ جیسے ہی خندق کا کام پورا ہوا کفار کا لشکر عظیم آ پہنچا۔ لشکر کی کثرت دیکھ کر مسلمان گھبرا گئے۔ کفار ایک دم سے حملہ نہ کر سکے۔ تھوڑے تھوڑے لوگ خندق پار کر کے حملہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے کہ یہ سلسلہ بیس روز تک چلتا رہا۔ ایک دن عمر بن عبدود جو لوی بن غالب کی نسل سے تھا اور ایک ہزار بہادروں کے برابر مانا جاتا تھا خندق پھاند کر لشکر اسلام تک آ گیا۔ مسلمان گھبرا گئے کہ یہ بہت بڑا بہادر ہے۔ رسولؐ خدا نے لشکر اسلام کو مخاطب کر کے مقابلہ کی ہمت دلائی اور اپنے اصحاب کو مقابلہ کی دعوت دی تین بار آواز لگائی مگر حضرت علیؑ کے سوا کوئی نہ بولا۔ پھر علیؑ سے کہا یہ عمرو بن عبدود ہے۔

علیؑ نے کہا میں بھی علی ابن ابی طالب ہوں۔

الغرض رسولؐ خدا نے اپنی ذرہ پہنائی اور اپنی تلوار کمر میں حمائل کی، اپنا عمامہ اپنے ہاتھوں سے علیؑ کے سر پر باندھا اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر عرض کی:۔

خدایا! جنگ بدر میں عبیدہ کو، جنگ احد میں حمزہ کو دے چکا ہوں۔ پالنے والے اب میرے پاس علیؑ رہ گئے ہیں۔ مالک ایسا نہ ہو کہ آج ان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں۔ دعا کے بعد علیؑ کو پیادہ روانہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ کہا'' **برز الایمان کله الی الکفر کله**'' آج کل ایمان کل کفر کے مقابلہ میں جا رہا ہے'(۱)

حضرت علیؑ میدان ''خندق'' میں پہنچے۔ (علامہ شبلی کا کہنا ہے)

''حضرت علیؑ عمرو سے پوچھا:' کیا واقعی تیرا یہ قول ہے کہ میدان جنگ میں اپنے مقابل کی تین باتوں میں سے ایک ضرور قبول کرتا ہے۔' اس نے کہا:' آپ نے ٹھیک سنا۔' آپ نے کہا کہ اچھا اسلام قبول کر۔ اس نے کہا'' ناممکن ہے'' آپ نے کہا اچھا جنگ گاہ سے واپس جا۔ اس نے کہا یہ بھی نہیں ہوسکتا۔

آپ نے فرمایا اچھا اتر آ۔ اور مجھ سے نبرد آزما ہو' وہ اتر پڑا اور کہنے لگا مجھے امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے کوئی شخص بھی مجھ سے یہ کہہ سکتا ہے جو تم کہہ رہے ہو۔ مگر دیکھو میں تمھاری جان لینا نہیں چاہتا۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور ستر واروں کی نوبت آئی۔ بالآخر اس کی تلوار علیؑ کی سپر کاٹتی ہوئی سر تک پہنچی۔ علیؑ نے جو سنبھل کر ہاتھ مارا تو عمرو بن عبدود زمین پر لوٹنے لگا۔

مسلمان خاموش تماشائی بنے ہوئے اپنے دلوں میں حضرت علیؑ کی فتح کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ رسولؐ خدا تو اس وقت سے دعا مانگ رہے تھے جب علیؑ کو جنگ کے لئے بھیجا تھا۔ بہرحال عمرو بن عبدود مارا گیا اور اس کے ساتھی خندق کود کر بھاگ نکلے۔ اسلام کے تحفظ اور علیؑ کی سلامتی کی خوشی میں رسولؐ خدا نے فرمایا:

''ضربت علی یوم الخندق افضل من عبادة الثقلین ''

---

(۱) حیوٰۃ الحیوان، ج/۱، ص/۲۳۸ و سیرت محمدیہ، ج/۲، ص/۱۰۲

آج کی ایک ضربت علیؑ میری ساری امت کی تمام عبادتوں سے بہتر ہے۔

جنگ خیبر

۱۳) خیبر مدینہ منورہ سے تقریباً پچاسی میل کے فاصلہ پر یہودیوں کی بستی تھی۔ وہاں کے لوگ اسلام کے خلاف تھے۔ مدینہ میں جلاوطن یہودیوں نے ان سے مل کر ان کے حوصلے بلند کر دئے۔ ان لوگوں نے بنی اسد اور بنی غطفان کے ساتھ مل کر مدینہ کو تباہ و برباد کرنے کا منصوبہ بنایا اور فوجی تیاریاں کر لیں۔ جب رسولؐ خدا کو ان کے عزم و ارادہ کی خبر ہوئی تو آپؐ ۱۴ رصفر ۷ھ کو چودہ سو (۱۴۰۰) پیدل اور دوسو (۲۰۰) سوار لے کر مدینہ سے برآمد ہوئے اور خیبر میں پہنچ کر قلعہ بندی کر لی اور مسلمان انھیں محاصرہ میں لے کر ان سے مسلسل لڑتے رہے لیکن قلعہ قموص فتح نہ ہو سکا۔

''رسولؐ خدا نے فتح قموص کیلئے حضرت عمر کو بھیجا۔ پھر حضرت ابوبکر کو روانہ کیا۔
اس کے بعد پھر حضرت عمر کو حکم جہاد دیا۔ لیکن یہ حضرات ناکام واپس آئے۔'' (۱)

تیسری بار بغیر فتح کئے ہوئے علم واپس رسولؐ خدا کے پاس آ گیا۔ تو انھوں نے فرمایا: ''کل میں علم اسلام ایسے بہادر کو دوں گا جو مرد ہوگا۔ اور بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہوگا۔ اور کسی حال میں بھی میدان جنگ سے نہ بھاگے گا۔ وہ خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا۔ اور خدا اور رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہوں گے اور وہ اس وقت میدان سے نہ پلٹے گا۔ جب تک خداوند عالم اس کے دونوں ہاتھوں پر فتح نہ دے دے گا۔'' (۲)

''پیغمبر اسلام کے اس فرمانے سے اہل اسلام والوں میں ایک خاص قسم کا
جوش دیکھنے کو مل رہا تھا ہر ایک کی خواہش تھی کہ علم مجھ کو مل جائے'' (۳)

اصحاب کو توقع نہ تھی کی رسولؐ خدا علیؑ کو بلائیں گے کیونکہ علیؑ تو بیمار تھے۔ رسولؐ خدا نے کہا: علیؑ کو آواز دی جائے۔'' ''این علی ابن ابی طالب'' کی آواز بلند ہوئی۔ لوگوں نے کہا: ''حضور وہ تو آشوب چشم میں مبتلا ہیں، آنہیں سکتے۔''

حکم ہوا کہ جاؤ کہو رسولؐ خدا بلاتے ہیں۔ پیغمبرؐ نے آواز رسالت گوش امیر المومنینؑ میں پہنچائی اور آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اصحاب کے کندھوں کا سہارا لے کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے

(۱) تاریخ طبری، ج/۳، ص/۹۳ (۲) تاریخ طبری، ج/۳، ص/۹۳ (۳) تاریخ طبری، ج/۳، ص/۹۳

علیؑ کا سر اپنے زانوں پر رکھا اور بخار اتر گیا۔لعاب دہن لگایا، آشوب چشم جا تا رہا۔حکم ہوا،علیؑ میدان جنگ میں جاؤ اور قلعہ قموص کو فتح کرو۔

علیؑ نے روانہ ہوتے ہی پوچھا:''حضور کب تک لڑوں اور کب واپس آؤں۔''فرمایا:''جب تک فتح نہ ہو۔''

حکم رسولؐ پا کر علیؑ میدان میں پہنچے۔پتھر پر علم نصب کیا۔ایک یہودی نے پوچھا:''آپ کا نام کیا ہے؟''فرمایا''علی ابن ابی طالب''اس نے اپنوں میں جا کر کہا کہ توریت کی قسم یہ شخص ضرور فتح کرے گا کیوں کہ اس قلعہ کے فاتح کے جو صفات توریت میں بیان کئے گئے ہیں وہ بالکل درست ہیں اس شخص میں وہ سب صفات پائے جاتے ہیں۔الغرض علیؑ کے مقابلہ کیلئے لوگ نکلنے لگے،اور فنا کے گھاٹ اترنے لگے۔سب سے پہلے حارث نے جنگ آزمائی کی،اور وہ واصل جہنم ہوگیا۔پھر اس کا بھائی مرحب جو بہت بڑا پہلوان کہلاتا تھا آپ پر حملہ کیا۔اس کا تین بھالے والے نیزے کے وار کو رد کرتے ہوئے حضرت علیؑ نے ذوالفقار کا ایسا وار کیا کہ سر سے پیر تک دو ٹکڑے ہو گئے۔مرحب کے مرنے سے اسلام کے دشمنوں کی ہمتیں پست ہوگئیں۔لیکن جنگ جاری رہی۔بڑے بڑے پہلوان عنتر،ربیع،یاسر،جیسے آئے اور موت کے گھاٹ اترتے گئے۔میدان میں بھگدڑ مچ گئی۔

مورخین کا کہنا ہے کہ:

> ''دوران جنگ ایک شخص نے آپ کے دست مبارک پر ایک ایسا حملہ کیا کہ سپر چھوٹ کر زمین پر گر گئی۔اور ایک دوسرا یہودی اسے لے بھاگا۔حضرت کو جلال آ گیا۔آپ آگے بڑھے۔اور قلعہ خیبر کے آہنی در پر بایاں ہاتھ رکھ کر زور سے دبایا۔آپ کی انگلیاں اس کی چوکھٹ میں اس طرح درآئیں جیسے موم میں لوہا درآتا ہے۔اس کے بعد آپ نے جھٹکا دیا اور خیبر کا دروازہ جسے چالیس آدمی حرکت نہ دے سکے تھے، جس کا وزن بروایت (معارج النبوۃ) آٹھ سو (۸۰۰) من اور بروایت (روضۃ الصفا) تین ہزار (۳۰۰۰) من تھا اکھڑ کر آپ کے ہاتھ میں آ گیا۔اور آپ کے اس جھٹکے سے قلعہ میں زلزلہ آ گیا۔اس کے بعد آپ نے اسے سپر بنا کر جنگ کی اور اسی در کو پل بنا کر لشکر اسلام کو اس پار اتار لیا۔''(۱)

---

(۱)مدارج النبوت ج/۲،ص/۲۰۲

حضرت علیؑ نے جب مکمل فتح حاصل کر لی، تب آپ واپس تشریف لے گئے۔ پیغمبر اسلامؐ آپ کے استقبال کے لئے نکلے اور علیؑ کو سینہ سے لگا لیا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ اے علیؑ خدا اور رسولؐ، جبرئیل اور میکائیل بلکہ تمام فرشتے تم سے راضی اور خوش ہیں۔

۱۴) مورخین کا بیان ہے کہ جنگ خیبر کی فتح کے بعد آپ واپس مقام وادی القریٰ کی طرف جاتے ہوئے مقام صہبا پہنچے اور وہاں قیام پذیر ہوئے تو ایک دن حضرت علیؑ کی آغوش میں سر رکھے آرام فرما رہے تھے۔ آسمان پر سورج کی روشنی تھی۔ ایسے وقت میں آپ پر وحی کے نزول کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جب سلسلہ منقطع ہوا تو آنحضرت نے حضرت علیؑ سے پوچھا: ''اے علیؑ تم نے نماز عصر پڑھی یا نہیں۔'' عرض کی: مولا! نماز کیسے پڑھتا، آپ کا سر مبارک زانو پر تھا اور وحی کا سلسلہ جاری تھا۔'' یہ سن کر حضرت رسول کریمؐ نے دست دعا بلند کیا اور کہا:

''بار الٰہا علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں تھا۔ اس لئے سورج کو پلٹا دے تا کہ یہ نماز عصر ادا کر لیں۔ چنانچہ سورج پلٹ آیا اور علیؑ نے نماز عصر ادا کی۔ (۱)

بعض روایات میں یہ ہے کہ رسولؐ خدا نے علیؑ سے فرمایا کہ سورج کو حکم دو، وہ پلٹے گا۔ چنانچہ علیؑ نے حکم دیا۔ اور سورج پلٹ آیا۔ علامہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں یہ حدیث رجعت شمس صحیح ہے۔ ثقہ راویوں سے مروی ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

آن کہ در آفاق گردد بوتراب ❊ بازگرداند زمغرب آفتاب

۱۵) خیبر کے علاقہ میں ایک قریہ فدک ہے وہاں رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو بھیجا کہ ان لوگوں کو دعوت اسلام دے کر مسلمان کرو، ان لوگوں نے کہا جو زمین ہے اس میں سے آدھی آپ لے لیں اور آدھی ہمارے پاس رہنے دیں تو صلح ہو سکتی ہے جسے رسولؐ خدا نے منظوری دے دی۔

''فدک کے قبضے میں آتے ہی حکم خدا نازل ہوا۔ ''وات ذالقربیٰ حقه''
(اپنے قرابت داروں کو حق دے دو۔)''(۲)

رسولؐ خدا نے ''عطاها فدک محلة'' فاطمہ زہرا کو بطور عطیہ فدک

---

(۱) حبیب اسیر، روضۃ الصفا، روضۃ الاحباب، شرح شفا قاضی عیاض، تاریخ خمیس (۲) درمنشور، ج/۷، ص/۱۷۷

دے دیا۔(۱)

یہ زمین کافی زرخیز تھی، بہت سے چشموں سے سیراب ہوتی تھی۔ابوداؤد کی کتاب ''خراج''میں اس کی آمدنی چار ہزار دینار (اشرفی) سالانہ لکھی ہے۔

تبلیغی خطوط

۱۶) رسولؐ خدا نے ۷ھ میں ایک مہر بنوائی جس پر ''محمدؐ رسول اللہ'' کندہ کرایا پھر مختلف ملکوں کے حاکم وقت کو خطوط لکھے۔آپ کے خطوط کا مختلف بادشاہوں پر مختلف اثر ہوا۔نجاشی نے اسلام قبول کرلیا۔شاہ ایران نے آپ کا خط پڑھکر غیظ وغضب کے تحت ٹکڑے اڑا کر قاصد کو نکال دیا،اور گورنر یمن کو لکھا کہ مدینہ کے دیوانہ (آنحضرت) کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔جب دو سپاہی حضور کے پاس گئے تو حضور نے فرمایا:''جاؤ مجھے کیا گرفتار کروگے تمہارے بادشاہ کا انتقال ہوگیا،جب سپاہی یمن پہونچے تو سنا بادشاہ ایران کا انتقال ہوگیا۔آپ کی اس خبر سے بہت سے کافر مسلمان ہوگئے۔شاہ روم نے آپ کے خط کی تعظیم کی اور مصر کے گورنر نے آپ کے قاصد کی بہت خاطر مدارات کی اور تحفوں سمیت اسے واپس کیا۔

جنگ موتہ

۱۷) جنگ موتہ میں اسلام کے تین سپہ سالار پے در پے شہید ہوئے۔موتہ شام کے علاقہ کا ایک قریہ ہے اس جنگ میں رسولؐ خدا نے اسلامی دعوت نامہ دے کر سلاطین اور رؤسا کی طرح شام کے حاکم عیسائی شرجیل بن عمر وغسانی کے پاس بھیجا۔اس نے رسولؐ خدا کے قاصد حارث ابن عمیر کو بمقام موتہ قتل کردیا۔اس کی اس حرکت پر رسولؐ خدا نے تین ہزار کی فوج دے کر اپنے غلام زید کو روانہ کیا اور کہا جب یہ قتل ہو جائے تو جعفر طیار اور پھر اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ علمبرداری کریں۔یہ تینوں شہید ہوگئے۔اس کے بعد کامیابی ملی اور مدینہ واپسی ہوئی۔

رسولؐ خدا کو ان تینوں کے قتل ہونے کا بڑا ملال ہوا۔جعفر طیار کے لئے آپ نے فرمایا:

''خدا نے انھیں جنت میں پرواز کے لئے دو زمرد کے پر عطا کئے ہیں۔''

______اسی لئے آپ کو جعفر طیار کہا جاتا ہے۔

(۱) روضۃ الصفا، ج/۲،ص/۳۷۷

۱۸) اسی سال عائشہ انصاریہ نے اپنے غلام رومی کے ذریعہ تین درجے کا منبر بنوایا۔ اس سے پہلے مسجد میں کوئی منبر نہ تھا۔ رسولؐ خدا ستون سے ٹیک لگا کر اپنا خطبہ دیا کرتے تھے۔ یہ پہلا منبر بنا تھا۔

فتح مکہ

۱۹) صلح حدیبیہ کی رو سے دس سال تک آپس میں جنگ کرنا ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ مگر قریش کے حلیف قبیلہ بنو بکر نے رسولؐ خدا کے حلیف بنو خزاعہ پر حملہ کر کے انہیں تباہ و برباد کر ڈالا۔ بالآخر حالات سے مجبور ہو کر بنی خزاعہ نے رسولؐ خدا سے مدد مانگی۔ رسولؐ خدا نے دس ہزار پر مشتمل لشکر تیار کر کے مکہ کا ارادہ کیا۔ جب یہ خبر ابوسفیان نے سنی تو مدینہ آیا اور درخواست کی کہ صلح نامہ حدیبیہ کی تجدید کر دی جائے۔ لیکن کسی نے اس کی بات نہیں سنی پھر اپنی بیٹی ام حبیبہ جو زوجۂ رسولؐ تھیں کے گھر گیا۔ انھوں نے یہ کہہ کر بستر رسولؐ سے ہٹایا کہ تو کافر و مشرک ہے۔ (ابوالفداء) پھر رسولؐ خدا کے پاس گیا انھوں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ پھر حضرت علیؑ کے پاس گیا، انھوں نے بھی منھ نہ لگایا۔ پھر حضرت فاطمہؑ کے پاس پہنچا اور امام حسن علیہ السلام کے واسطے سے امان مانگی۔ انہوں نے بھی سہارا نہ دیا۔ اس کے بعد مسجد میں تجدید صلح کا اعلان کر کے واپس چلا گیا۔

رسولؐ خدا نے خفیہ طور پر تیاری مکمل کر لی تھی۔ اور اسکیم کے تحت مکہ کی آمد و رفت مطلقاً بند کر دی تھی کہ اگر مکہ والوں کو قبل از وقت اطلاع مل جائے گی تو کامیابی مشکل ہو جائے گی۔ مگر پھر بھی ایک شخص نے جو ظاہری طور پر آپ کے ساتھ ملا ہوا تھا صحابی حاطب ابن بلتعہ نے ایک عورت کے ذریعہ سے حملے کا مکمل حال لکھ بھیجا جو پہنچنے سے پہلے ہی رسولؐ خدا کو خبر ہو گئی اور انھوں نے حضرت علیؑ کے ذریعہ خط واپس منگا لیا۔

الغرض ۱۰؍رمضان ۸ھ کو غیر معروف راستوں سے ہوتے ہوئے مکہ سے چار فرسخ کے فاصلہ پر "سر الظہر ان" میں قافلہ نے پڑاؤ ڈالا لشکر کی کثرت دیکھ کر ابوسفیان حضرت عباسؑ کے مشورے سے مسلمان ہو گیا (حضرت عباسؑ رسولؐ کے چچا تھے۔)

اس کے بعد جنگ شروع ہوئی اور تھوڑی سی مزاحمت کے بعد مکہ پر قبضہ ہو گیا۔ لشکر کے سپہ سالار حضرت علیؑ تھے۔ آپؐ نے قریش سے فرمایا: "بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟" سب نے متفق الفاظ میں کہا: "آپ کریم ابن کریم ہیں۔ ہمیں معاف فرمائیں۔" آپ نے معافی دے دی۔ اور سات مرتبہ کعبہ کا طواف کیا پھر داخل کعبہ

ہوئے ان تمام بتوں کو اپنے ہاتھوں سے توڑا جو نیچے تھے۔ پھر اونچے بتوں کو توڑنے کے لئے رسولؐ خدا نے علیؑ کو اپنے کندھوں پر اٹھایا علیؑ نے اوپر رکھے بتوں کو بھی زمین پر پھینک کر توڑ ڈالا۔ گویا پتھر کے خداؤں کو مٹی میں ملا دیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ:

''جس جگہ مہر نبوت تھی، اور جہاں معراج کی شب دوش رسولؐ پر ہاتھ رکھا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اسی جگہ علیؑ نے پاؤں رکھ کر بت شکنی کی۔ ان کا یہ بھی بیان ہے کہ حضرت علیؑ کو رسولؐ نے اپنی پشت پر سوار کیا اور جبرئیل نے بت شکنی کے بعد اپنے ہاتھوں سے اتارا۔''(۱)

''کعبہ میں ۳۶۰ بت تھے۔'' (۲)

جنگ حنین

۲۰) حنین مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک وادی کا نام ہے۔ فتح مکہ کی خبر سے ہوازن، بنی ثقیف، بنی جشم اور بنی سعد نے باہمی اجتماع میں فیصلہ کیا کہ مسلمانوں پر حملہ کریں۔ پانچ ہزار آدمیوں پر مشتمل لشکر سمیت حنین اور طائف کے درمیان مقام ''اوطاس'' پر جمع ہوگئے۔ جب رسولؐ خدا کو اطلاع ملی تو آپ ۱۲/ سے ۱۶/ ہزار تک کا لشکر لے کر چلے۔ اس میں مکہ کے دو ہزار نو مسلم بھی شامل تھے۔ حضرت علیؑ حسب معمول علمبردار لشکر تھے۔ یہ جنگ ۶/ شوال ۸ھ میں شروع ہوئی۔ مسلمانوں کا لشکر کافی بڑی تعداد میں تھا۔ سب بہت خوش تھے کہ ہماری فتح تو ہوگی ہی۔ لیکن وہ دشمن جو پہاڑوں میں چھپے ہوئے تھے۔ نکل آئے اور تیروں نیزوں اور پتھروں سے ایسے حملے کئے کہ بزدلوں کے جان کے لالے پڑ گئے۔ سب سروں پر پیر رکھ کر بھاگے صرف حضرت علیؑ، حضرت عباسؑ، ابن حارث اور ابن مسعود رہ گئے۔(۳)

دشمنوں نے رسولؐ خدا پر حملہ کر دیا جسے جاں نثاروں نے رد کر دیا۔ رسولؐ خدا لڑنے کے لئے بڑھے مگر حضرت عباسؑ نے ان کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ اور مسلمانوں کو پکارا۔ آپ کی آواز پر بھاگے ہوئے مسلمان واپس آنے لگے۔ پھر گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔

''ابوجرول دشمنوں کے علمبردار لشکر نے مقابل طلب کیا حضرت علیؑ علمبردار

(۱) تاریخ خمیس، ج/۲، ص/۹۲ (۲) زندگانی محمدؐ، ص/۷۷، عجائب، ص/۲۷۸، القصص، ص/۲۷۸ (۳) سیرت حلبیہ، ج/۳، ص/۱۰۹

لشکر اسلام مقابلہ میں تشریف لائے اور ایک ہی وار میں اسے فنا کر دیا۔ اس طرح مسلمانوں کے حوصلے بڑھے اور جنگ میں فتح حاصل کی۔''(۱)

۲۱) جنگ حنین کی بچی ہوئی فوج طائف میں پناہ گزیں ہوگئی۔ آپ نے اس کے محاصرہ کا حکم دے دیا۔ ۲۰؍ یوم تک محاصرہ رہا پھر اٹھالیا اور مقام جوانہ پر چلے گئے۔

۵؍ ذیقعدہ کو بنی ہوازن کی طرف سے درخواست آئی کہ ہم آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔ آپ ہماری عورتیں اور مال واپس کر دیجئے۔ اس سفارش میں جناب حلیمہ سعدیہ (جنھوں نے رسولؐ خدا کو دودھ پلایا تھا) بھی تھیں جسے رسولؐ خدا نے منظور کرلیا۔

۲۲) ''تبوک'' مدینہ اور دمشق کے درمیان ۱۲؍۱۴ ارمیل پر تھا۔ رسولؐ خدا کو اطلاع ملی کہ نصاریٰ شام ہرقل، بادشاہ روم سے چالیس ہزار فوج منگا کر مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ رسولؐ نے مدینہ کا نظام حضرت علیؑ کے سپرد فرمایا اور خود تیس ہزار فوج لے کر شام کی طرف روانہ ہوگئے۔ روانگی کے وقت حضرت علیؑ نے عرض کی: ''مولا! مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ کر جارہے ہیں!'' فرمایا: ''کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں تمھیں اسی طرح اپنا جانشین بنا کر جاؤں جس طرح جناب موسیٰؑ اپنے بھائی ہارونؑ کو بنا کر جایا کرتے تھے۔(۲)

''اے علیؑ خدا کا حکم ہے کہ مدینہ میں میں رہوں یا تم رہو'' (۳)

غرض کہ آپ روانہ ہو کر منزل تبوک تک پہونچے۔ وہاں دشمنوں کا بیس یوم تک انتظار کیا۔ مقابلہ کے لئے کوئی نہ آیا۔ دوران قیام میں اطراف وجوانب میں دعوت اسلام کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر واپس آئے۔

۲۳) تبوک سے واپسی میں ایک گھاٹی پڑتی تھی جس کا نام ''عقبہ ذی فتق'' تھا، یہ گھاٹی سواری کے لئے انتہائی خطرناک تھی اندیشہ تھا کہ کہیں ناقہ کا پاؤں نہ پھسل جائے۔ رسولؐ کے ناقہ کی مہار حذیفہ نے پکڑی۔

ناگاہ بجلی چمکی اور ان کی نظر چند ایسے سواروں پر پڑی جو چہروں کو کپڑوں سے چھپائے ہوئے تھے۔ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا: ''اے حذیفہ تم نے پہچانا۔ یہ منافق میری جان لینا چاہتے تھے۔'' پھر آپؐ نے سب کے نام بتائے جو اور کوئی نہیں ان کے صحابہ میں سے تھے۔

۲۴) ۹ھ رسولؐ خدا نے تین سو آدمیوں کے ہمراہ حضرت ابوبکر کو حج اور تبلیغ سورۂ برأت کیلئے بھیجا۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام (۲) صحیح بخاری کتاب المغازی (۳) فتح الباری، ج/۳، ص/۳۸۷

ابھی آپ زیادہ دور نہ جانے پائے تھے کہ واپس بلا لئے گئے اور یہ سعادت حضرت علیؑ کے سپرد کر دی گئی۔

''رسولؐ خدا نے فرمایا مجھے خدا کا حکم یہی ملا ہے کہ میں جاؤں یا میری آل میں سے کوئی جائے۔''(۱)

شاہ ولی اللہ کہتے ہیں:

شیخین دونوں کے دونوں مامور تھے مگر معزول کئے گئے۔(۲)

۲۵) ''وادی الرمل'' مدینہ سے ۵ رمنزل کے فاصلہ پر واقع ہے وہاں عربوں کی ایک بڑی جمعیت نے مدینہ پر حملہ کا منصوبہ بنایا۔''رسولؐ خدا کو جب اطلاع ملی آپ نے ایک بڑا لشکر ابوبکر کی علمبرداری میں بھیجا۔ انہیں ہزیمت ہوئی۔ پھر حضرت عمر کو علمدار بنایا۔ وہ بھی خیر سے گھر کو آ گئے۔ پھر عمر بن عاص کو روانہ کیا۔ وہ بھی شکست کھا گئے۔ جب کامیابی کسی طرح نہ ہوئی تو آنخضرتؐ نے حضرت علیؑ کو علم دے کر روانہ کیا۔ خدا نے حضرت علیؑ کو شاندار کامیابی عطا کی۔ جب علیؑ واپس ہوئے تو آنخضرت نے خود حضرت علیؑ کا استقبال کیا۔'' (۳)

۲۶) ۹ھ میں وفود آنا شروع ہوئے اور رسولؐ خدا کی وفات سے پہلے عرب کا بڑا حصہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اسی سن میں حکم نجاست مشرکین بھی نازل ہوا۔ اور ''اسی ۹ھ میں بنی طے سے عدی بن حاتم طائی، بنیحظلہ سے مالک بن نویرہ بنی بخران سے حضرت علیؑ جزیہ وصدقات وصول کرنے لگے اور مال بھجوایا''(۴)

۲۷) ۱۰ھ میں رسولؐ خدا نے خالد بن ولید کو تبلیغ دین کے خیال سے یمن بھیجا۔ وہاں جا کر چھ ماہ تک ادھر ادھر پھرتے رہے۔ ان کی تبلیغ سے کوئی بھی مسلمان نہ ہو سکا پھر حضرت علیؑ کو بھیجا گیا۔ آپ نے اپنے علم اور سلیقۂ تبلیغی کی وجہ سے سارے قبیلۂ ہمدان کو مسلمان کر لیا۔ اس کے بعد اہل یمن مسلسل داخل اسلام ہونے لگے۔

جب رسولؐ خدا کو یہ شاندار کامیابی کا علم ہوا تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور قبیلہ ہمدان کے لئے دعا کی۔ اور فرمایا خدا قبیلہ ہمدان پر سلامتی نازل کرے۔(۵)

حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان

۲۸) رسولؐ خدا ۲۵ رذی قعدہ ۱۰ھ کو حج آخر کے ارادے سے روانہ ہو کر ۴ رذی الحجہ کو مکہ معظّمہ پہنچے۔ آپ کے

(۱) حبیب السیر معارج النبوت (۲) قرۃ العین، ص/۲۳۴، صحیح بخاری پ/۴، ص/۲۳۸، کنز العمال، ج/۱، ص/۱۲۶، درمنثور، ج/۳، ص/۳۱۰، تاریخ خمیس، ج/۲، ص/۱۵۷ تا ۱۶، طبری، ج/۳، ص/۱۵۴ (۳) صحیح بخاری پ/۲، ص/۲۳۸، طبری، ج/۳، ص/۱۵۴
(۴) ''ابن خلدون'' (۵) تاریخ طبری، ج/۳، ص/۳۸۷

ہمراہ آپ کی تمام بیبیاں اور حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا تھیں۔ روانگی کے وقت ہزاروں صحابہ ساتھ روانہ ہوئے اور بہت سے مکہ ہی میں جا ملے۔ اس طرح آپ کے اصحاب کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوگئی۔ حضرت علیؑ یمن سے مکہ پہونچے۔ حضور صلعم نے فرمایا کہ تم قربانی اور مناسک حج میں میرے شریک ہو۔ اس حج کے موقع پر لوگوں نے اپنی آنکھوں سے آنحضرت کو مناسک حج ادا کرتے ہوئے دیکھا اور معرکۃ الآرا خطبے سنے جن میں بعض باتیں یہ تھیں۔

(۱) جاہلیت کے زمانہ کے دستور کو کچل ڈالنا مناسب ہے۔

(۲) عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔

(۳) مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

(۴) غلاموں کا خیال ضروری ہے۔

(۵) جاہلیت کے تمام خون معاف کر دئے گئے۔

(۶) جاہلیت کے تمام واجب الاداسود باطل کر دئے گئے۔

غرض حج سے فراغت کے بعد آپ مدینہ کے ارادہ سے ۱۴؍ ذی الحجہ کو روانہ ہوئے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب آپ کے ہمراہ تھے۔ جحفہ کے قریب مقام غدیر پر پہنچتے ہی آیۂ بلّغ کا نزول ہوا۔

آپ نے **پالان شتر** کا منبر بنایا اور بلال کو حکم دیا ''**حی علیٰ خیر العمل** '' کہہ کر آواز دیں۔ مجمع سمٹ کر نقطۂ اعتدال پر آ گیا۔ آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ فرمایا۔ جس میں حمد و ثنا کے بعد اپنی فضیلت کا اقرار لیا اور فرمایا کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا تا ہوں ایک قرآن دوسرے اہل بیتؑ۔ اس کے بعد علیؑ کو اپنے نزدیک بلا کر دونوں ہاتھوں سے اٹھایا۔ اور اتنا بلند کیا کہ سفیدیٔ زیر بغل ظاہر ہوگئی۔ پھر فرمایا۔ ''مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ '' (جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ بھی مولا ہے۔) خدایا علیؑ جدھر مڑیں حق کو اسی طرف موڑ دینا۔ پھر علیؑ کے سر پر سیاہ عمامہ باندھا۔ لوگوں نے مبارکبادیاں دینی شروع کیں۔ سب لوگ آپ کی جانشینی سے مسرور ہوئے۔ حضرت عمر نے بھی نمایاں الفاظ میں مبارکباد دی۔ جبرئیل نے بھی بزبان قرآن اکمال دین اور اتمام نعمت کا مژدہ سنایا'' (۱)

واضح ہو کہ اس واقعہ غدیر خم کو امام المحد ثین حافظ ابن عبدہ نے ایک سو صحابہ سے اس حدیث غدیر کی

(۱) نہج الوصول صدیق حسن

روایت کی ہے۔امام جدری وشافعی نے اسی (۸۰) صحابیوں سے، امام احمد بن حنبل نے تیس صحابیوں سے اور طبری نے پچھتر صحابیوں سے روایت کی ہے۔

واقعہ مباہلہ

۲۹) یمن میں ایک مقام بخران ہے جہاں عیسائیوں کی آبادی تھی رسولؐ خدا نے انہیں دعوت اسلام بھیجی جس پر انھوں نے اپنا ایک وفد مدینہ بھیجا۔وہ وفد مسجد نبوی کے صحن میں آکر ٹھہرا۔جب رسولؐ خدا سے ان کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے اسلام سے متعلق سوالات کئے جن کے جوابات پر وہ قائل نہ ہوئے۔''حکم خدا نازل ہوا'' فَقُلْ تَعَالَوْ انَدْ عُ اَبْنَاءَ نَا.....الخ''اے پیغمبران سے کہہ دو کہ دونوں اپنے بیٹوں اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو لاکر مباہلہ کریں۔

چنانچہ فیصلہ ہوگیا اور ۲۴/ذی الحجہ ۱۰ھ کو جب اہلبیت رسولؐ ان سے ملے تو ان کی نورانی شکلیں دیکھتے ہی اہل یمن کے عیسائی کانپنے لگے اور ان کی ہر شرط۔خراج دینا اور انکی رعایہ بن کے رہنا قبول کرلیا۔(۱)

رسول خدا محمد مصطفےؐ کی زندگی کے آخری لمحات

حج آخر سے واپسی پر مقام غدیر پر حکم خدا سے حضرت علیؑ کو اپنا وصی وجانشین بنانے کے بعد علیل رہنے لگے۔مورخین کا کہنا ہے کہ''خیبر''میں جب آپ علیل ہوئے تھے تو جو دوا آپ کو دی گئی تھی اس میں زہر کا اثر تھا جس کی وجہ سے آپ برابر علیل رہنے لگے تھے۔آپ کی علالت کی خبر عام ہوتے ہی نبوت کے جھوٹے دعویدار پیدا ہونے لگے۔جن میں نمایاں شخصیات مسیلمۂ کذاب، اسود یمنی، طلیحہ، سجاح تھے۔جو کہ بہت جلد ظاہر ہوگئے اور انھیں بے عزتی کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

انہیں دنوں آپ کو اطلاع ملی کہ حکومت روم مسلمانوں کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔آپ نے اس خطرہ کے پیش نظر اسامہ ابن زید کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجنے کا فیصلہ کیا۔اور حکم دیا کہ علیؑ کے علاوہ اعیانِ مہاجر وانصار میں سے کوئی بھی مدینہ میں نہ رہے۔اور اس روانگی پر اتنا زور دیا کہ یہ تک فرمادیا''لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ

(۱) معارج العرفان،ص/۱۳۵،تفسیر بیضاوی،ص/۷۴

تَخَلَّفَ عَنْهَا ''جواس جنگ میں نہ جائے گا اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔اس کے بعد آنحضرتؐ نے اسامہ کو اپنے ہاتھوں سے تیار کرکے روانہ کیا۔انھوں نے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں کیمپ لگایا اور اعیان صحابہ کا انتظار کرنے لگے۔لیکن وہ لوگ نہ آئے۔(۱)

''نہ جانے والوں میں حضرت ابوبکر وحضرت عمر بھی تھے۔(۲)

رسولؐ خدا کی تیمارداری آپ کے اہل بیت کرتے تھے۔کچھ مورخین کا کہنا ہے کہ تیمارداری میں اہل بیت کو پیچھے رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

رسولؐ خدا نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں یہ ضروری سمجھا کہ غدیر خم میں حضرت علیؑ کی جانشینی کو دستاویزی شکل دے دوں۔اصحاب سے کہا:''مجھے قلم دوات اور کاغذ دے دو تا کہ میں تمھارے لئے ایک ایسا نوشتہ لکھ دوں جو تمھیں گمراہی سے ہمیشہ ہمیشہ بچانے کے لئے کافی ہو''یہ سن کر اصحاب میں باہمی چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔لوگوں کے رجحانات قلم ودوات دینے کی طرف دیکھ کر حضرت عمر نے کہا۔''**ان الرجل لیھجر حسبنا کتاب الله**''یہ مرد ہذیان بک رہا ہے۔ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے۔(۳)

اس واقعہ سے رسولؐ خدا کو بڑا صدمہ ہوا انھوں نے فرمایا۔''قومواعنی''میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ۔

علامہ طریحی لکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں پانچ افراد نے حضرت ابوبکر،حضرت عمر،ابوعبیدہ،عبدالرحمان ،سالم غلام حذیفہ نے متفقہ عہد و پیمان کیا تھا کہ''**لانر دھذاالا مر فی بنی ھاشم**''پیغمبر کے انتقال کے بعد خلافت بنی ہاشم میں نہ جانے دیں گے۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے میں یہی کہوں گی کہ رسولؐ خدا کے انتقال کے بعد جو خلیفہ بنے،وہ خلیفہ بننے کے قابل نہ تھے کیونکہ انھوں نے پیغمبر اسلام کے کلام کی خلاف ورزی کی قلم دوات کے واقعہ کو مکرایہ جاسکتا ہے لیکن غدیر خم کے واقعہ کو جھٹلایا نہیں جاسکتا جس میں رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو ہاتھوں پر بلند کرکے اتنے بڑے مجمع میں کہا تھا کہ''جس کا میں مولا اس کا اس کا علیؑ مولا''اس طرح صرف اور صرف حضرت علیؑ ہی خلافت وامامت کے حق دار تھے۔

آخری وقت میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ نے فرمایا۔''میرے حبیب کو بلاؤ''میں نے اپنے

(۱)مدارج النبوۃ،ج/۲،ص/۴۸۸،تاریخ کامل،ج/۲،ص/۱۲۰، وطبری،ج/۳،ص/ ۱۸۸ (۲)مدارج النبوۃ،ج/۲،ص/۴۸۸

(۳)صحیح بخاری پ/۳۰،ص/۸۴۲(۲)ریاض النضرہ،ص/۱۸۰

باپ ابوبکر پھر عمر کو بلایا۔ انھوں نے پھر یہی فرمایا تو میں نے علیؑ کو بلا بھیجا۔

''آپ نے علیؑ کو چادر میں لے لیا اور آخر تک سینے سے لپٹائے رہے''(۱)

مورخین لکھتے ہیں کہ:

بی بی سیدہؑ اور حسنینؑ کو طلب فرمایا اور حضرت علیؑ سے وصیت کی اور کہا: جیش اسامہ کے لئے میں نے فلاں یہودی سے قرض لیا تھا، اسے ادا کر دینا اور اے علیؑ تمہیں میرے بعد سخت صدمات پہونچیں گے تم صبر کرنا اور دیکھو جب اہل دنیا دنیا پرستی کریں تو تم، دین اختیار کئے رہنا۔

حضرت علیؑ سے وصیت کرنے کے بعد آپ کی حالت متغیر ہوگئی۔ حضرت فاطمہؑ جنکے زانو پر رسولؐ خدا کا سر مبارک تھا۔ فرماتی ہیں کہ:

''ہم لوگ انتہائی پریشانی میں تھے کہ ناگاہ ایک شخص نے اذن حضوری چاہا۔ میں نے داخلہ سے منع کر دیا اور کہا ''وائے شخص! یہ وقت ملاقات نہیں ہے۔ اس وقت واپس چلا جا' اس نے کہا: 'میری واپسی ناممکن ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں حاضر ہو جاؤں۔ آنحضرت کو جو قدرے افاقہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا: 'اے فاطمہؑ! اجازت دے دو۔ یہ ملک الموت ہے، فاطمہؑ نے اجازت دے دی اور وہ داخل خانہ ہوئے۔ پیغمبر کی خدمت میں پہونچ کر عرض کی: 'مولا! یہ پہلا دروازہ ہے جس پر میں نے اجازت مانگی ہے۔ اور اب آپؐ کے بعد کسی دروازہ پر اجازت طلب نہ کروں گا۔'(۲)

الغرض رسول خدا محمد مصطفٰیؐ نے بتاریخ ۲۸ صفر ۱۱ھ یوم دوشنبہ بوقت دوپہر دنیائے فانی سے انتقال فرمایا۔(۳)

اہل بیتؑ میں ایک کہرام سا مچ گیا سب رونے پیٹنے میں لگے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر اس وقت اپنے گھر محلّہ سنخ گئے ہوئے تھے جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ حضرت عمر نے واقعہ وفات کو نشر ہونے سے روکا اور جب حضرت ابوبکر آ گئے تو دونوں سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا اور

(۱) روضۃ الاحباب، ج/۱ص/۵۵۹، مدارج النبوۃ ج/۲ص/۵۱۱، تاریخ بغداد ج/۱ص/۲۱۹

(۲) عجائب القصص علامہ عبدالواحد ص/۲۸۲ و روضۃ الصفا، ج/۲ص/۲۱۶ وانوار القلوب، ص/۱۸۸

(۳) مودۃ القربیٰ ص/۴۹ م۱۴ طبع بمبئی ص/۳۱۰

باطل پر مشوروں کیلئے بنایا گیا تھا۔(غیاث الغات)اورانہیں کے ساتھ ابوعبیدہ بھی چلے گئے۔جوغسال تھے۔ غرضکہ اکثرصحابہ رسولؐ خدا کی لاش چھوڑ کر ہنگامۂ خلافت میں جا شریک ہوئے۔اور حضرت علیؑ نے غسل وکفن کا بندوبست کیا۔حضرت علیؑ غسل دینے میں، فضل ابن عباس حضرت کا پیراہن اونچا کرنے میں، عباس اور قثم کروٹ بدلوانے میں اور اسامہ وشقران پانی ڈالنے میں مصروف ہوگئے۔ابوطلحہ نے قبر کھودی اورانہی چھ آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی اوراسی حجرہ میں آپ کے جسم اطہر کو دفن کردیا جہاں آپ نے وفات پائی تھی ـــــــــ حضرت ابوبکر وحضرت عمر آپ کے غسل وکفن اورنماز میں شریک نہ ہوسکے کیونکہ جب یہ حضرات سقیفہ سے واپس آئے تو آنحضرؐت کی لاش مطہر سپرد خاک کی جا چکی تھی۔(۱)

غرض مخالف اسلام کے معتبر بندے جواسلام قبولیت کی آڑ میں اپنا مطلب حاصل کرنا چاہتے تھے وہ سب رسول خدا محمدؐ مصطفٰی کے انتقال کے بعد ظاہر ہوگئے۔جس بات کا ڈر رسولؐ خدا کو تھا وہ عیاں ہونے لگا اور اہلبیتؑ رسولؐ اکیلے پڑ گئے۔

حضرت محمد مصطفٰیؐ پر آیات قرآنی(وحی) کے نزولی معجزات

تاریخ بشریت شاہد ہے کہ گذشتہ انبیاءؑ کے معجزات کا ایک خاص وقت وزمانہ ہوتا تھا۔جوان کی شریعت کے وقتی ہونے کی دلیل ہے۔اس کے برخلاف آخری پیغمبر رسول محمدؐ مصطفٰی چونکہ آفاقی وابدی رسالت لے کر آئے تھے لہٰذا یہ ناممکن تھا کہ اس کے اثبات کسی ایسے معجزہ پر ہوں جو وقتی وعارضی ہو۔بلکہ ان کی ابدی و دائمی رسالت کے لئے خدا نے معجزہ بھی ایسا انتخاب فرمایا جو رہتی دنیا کے لئے چیلنج بن سکے۔اور آج چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد اس کی تازگی ولطافت کو کوئی اور کتاب متاثر نہ کرسکی۔

قرآن کریم نے جس معرفت کی طرف ہمیں متوجہ کیا ہے وہ ایسی قوت ہے جو ہر قسم کی تشبیہ وتمثیل سے مُبَرَّیٰ ہے۔دنیا کی ساری مخلوقات میں اس کا حکم چلتا ہے وہ دنیائے مفاہیم میں ایک ایسا مفہوم ہے جس کی انتہانہیں۔نہ فکریں اس کا احاطہ کرسکتی ہیں اور نہ شعور اس کی حقیقت کو پہنچ سکتا ہے۔جب کبھی بگڑے ہوئے کام

(۱) کنزالعمال، ج/۳،ص/۱۴۹،ارجح المطالب،ص/۶۷۰،المرتضٰی،ص/۳۹،فتح الباری، ج/۶،ص/۴

بن جائیں اورامید وآرزو کی فضا پر ناامیدی کے بادل چھا جائیں تو نہاں خانۂ دل سے خود بخود ایک آواز ابھرتی ہے کہ کوئی تو ضرور ہے جو ہماری ناامیدیوں کو امید میں بدل دیگا۔ ہمارے افعال پر کسی کی دسترس ہے جو بنے ہوئے کام اچانک بگڑ جاتے ہیں اور بگڑے ہوئے کام بن جاتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں اسی عقیدہ کا پیدا کر لینا خداشناسی کے لئے کافی ہے۔قرآن اس معبود حقیقی کی ان الفاظ میں تعریف وتوصیف کرتا ہے:

''اس خدائے وحدہ لاشریک کا کوئی مثل ومانند نہیں وہ سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے'' (۱)

پیغمبر اسلام نے ۲۳ سال کے مختصر وقفہ میں اس شاندار طریقہ سے دین الٰہی کی تبلیغ کی ہے کہ جس کا کوئی جواب نہیں ۔اس تحریک میں رسولؐ خدا کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جس کا مفصل ذکر نہیں کیا جاسکتا۔ مختصر یہ کہ انہیں ذہنی اور جسمانی اذیتوں کا مسلسل سامنا کرنا پڑا۔مگر وہ اپنے مقصد تبلیغ سے پیچھے نہیں ہٹے اور بڑی کامیابی سے دین اسلام کی تبلیغ کا کام کیا کہ پروردگار عالم نے اپنی رضامندی کا اعلان کردیا۔

یہ حیرت انگیز تغیر وتبدیلی تنہا اس شخص کے ذریعہ نمودار ہوئی جس کے پاس نہ مادی امکانات تھے اور نہ دنیاوی وسائل ،جس نے نہ دنیاوی مدارس ومکاتب میں درس لیا تھا اور نہ دوسرے کے افکار ونظریات سے استفادہ کیا تھا۔ یہ کوئی غیر معمولی امر نہ تھا بلکہ رسولؐ خدا کی قوت وطاقت کا جیتا جاگتا ثبوت تھا۔

پیغمبر اسلامؐ جس ماحول ومعاشرہ میں منصب الٰہی پر فائز ہوئے اس وقت لوگوں میں علم وادب ،فصاحت وبلاغت کا چرچا تھا۔شعر وسخن کی محفلیں جمی رہتی تھیں۔ایسے ماحول میں خداوند کریم نے پیغمبرؐ اسلام کو قرآن شریف کے اسلحے سے لیس کر کے روانہ کیا۔ جو اس وقت کے شاعروں اور ادیبوں پر برتری رکھتا تھا۔

قرآن کریم کی آیات کی حلاوت ،تراوٹ ، جذب وکشش نے قوم عرب کے احساس وادراک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ جو لوگ علم بلاغت سے واقفیت رکھتے تھے ان کی دانش مندانہ نظر اس یقین کے ساتھ کہتی تھی کہ 'انسان آیات قرآنیہ کو سنے ،اس کے معنی کو سمجھے اور پھر اس کی بلاغت سے متاثر نہ ہو یہ ہو ہی نہیں سکتا۔' یہی وجہ ہے کہ نزول وحی کے پہلے ہی لمحہ سے لوگ دین الٰہی کی طرف جھکنے لگے تھے۔

''کفار قریش کے دلوں میں آیات قرآنیہ کے سننے کا اشتیاق اس قدر موجزن

---

(۱) سورۂ شوریٰ آیت ۱۰

تھا کہ رات کے سناٹے میں خانہ مرسل اعظم کے گرد چھپ جاتے تا کہ قریب صبح
جب پیغمبر اسلامؐ مصروف تلاوت قرآن ہوں تو وہ تلاوت کے سوز و آہنگ سے
لذت اٹھائیں۔''(۱)

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ پیغمبر رسولؐ کے ارشادات اور قرآن کی آیات کے درمیان کسی قسم کی مشابہت نہیں ملتی تھی۔ جب کہ قرآن کی آیات بھی رسولؐ خدا اپنی زبان سے پڑھتے تھے لیکن دنیاوی بات چیت میں گفتگو کا انداز بالکل بدل جاتا تھا جس کو سن کر یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اب رسولؐ خدا لوگوں سے عام بات چیت کر رہے ہیں۔ پھر بھی مخالفین اسلام کی کمی نہ تھی۔

خدائے برحق نے آیات قرآنیہ کے ذریعہ ہر عصر و زمانے کے انسانوں کو اپنے چیلنج سے آگاہ کر دیا۔

قُلْ لَئِنْ اجْتَمَعَتْ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لاَيَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا

''اگر ساری دنیا کے انسان سر جوڑ کر بیٹھ جائیں اور قرآن کا مثل
لانا چاہیں تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے خواہ ایک دوسرے کا تعاون ہی
کیوں نہ کریں۔''(۲)

کچھ دنوں کے بعد پھر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ یہ قرآن ہمارے لئے نازل نہیں کیا گیا بلکہ آپ نے اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنْ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللهِ إِنْ كُنتُمْ صَادِقِينَ

''اگر تم لوگ اپنے دعوے میں سچے ہو تو زیادہ نہیں صرف دس سورے
قرآن جیسے پیش کرو اور خدا کے سوا جس جس کی مدد لے سکتے ہو اسے مدد کے
لئے بلا لو'' (۳)

اسطرح کچھ دنوں کے بعد پھر رسولؐ خدا کے خلاف باتیں ہونے لگیں۔ پھر خدا نے آیات قرآنیہ کے ذریعہ

---

(۱) سیرت ابن ہشام ج/۱، ص/۳۸۶ (۲) سورۂ اسراء آیت/ ۸۸ (۳) سورۂ ہود/۱۳

ارشاد فرمایا:

وَإِنْ كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِه

''اگر تم لوگ اس کلام سے جو ہم نے اپنے بندے محمدؐ پر نازل کیا شک کرتے ہو تو تم بھی ایک ایسا ہی سورہ بنالاؤ''(۱)

قرآن شریف کے کچھ سورے چند جملوں سے زائد نہیں ہیں۔ پھر بھی کفار قریش اس کے جواب میں کچھ بھی نہ لا سکے۔ مختصر یہ کہ سوروں کے جواب کی طاقت نہ رکھنا قرآن کے مقابلے میں ان کی بے چارگی کو ثابت کرتا ہے۔

اگر مخالف اسلام کے لوگ ایک سورہ بھی جواب میں پیش کر دیتے تو نہ انہیں مالی خسارہ اٹھانا پڑتا اور نہ خون آشام جنگوں کا منھ دیکھنا پڑتا۔ اور نہ در بدری کی ٹھوکریں کھانی پڑتیں۔ ایک جواب کے ذریعہ ابدی و دوائمی فتح و کامیابی سے ہمکنار ہو کر رسولؐ خدا کی تحریک اسلام ہمیشہ کے لئے سرد پڑ جاتی۔

اسلام مخالف نئے مسلمانوں کو گھیر کر ان کا مذاق اڑاتے اور جو ان کی باتوں میں نہ آتے ان پر سختیاں کرتے کہ آیات قرآنیہ کو نہ سنیں۔ ان لوگوں نے اپنے کچھ آدمیوں کو اس کام پر مامور کر دیا تھا کہ جب پیغمبر اسلام آیات قرآنیہ کی تلاوت کریں تو خوب شور مچائیں تا کہ دوسرے لوگ ان آیات کو نہ سن سکیں۔ قرآن ان لوگوں کی مخالفانہ کاروائی کا تذکرہ یوں کرتا ہے:۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ أَفَلَا يَسْمَعُونَ

''کفار کہتے تھے کہ: اس قرآن کو نہ سنو اور (جب محمدؐ اس کی تلاوت کریں تو) اسقدر شور مچاؤ کہ ان کی آواز دب جائے۔(۲)

رسولؐ خدا نے قرآن کے علاوہ اگر کسی دوسری شئی کو معجزہ قرار دیا ہوتا تو وہ اس قدر مفید اور موثر نہ ہوتا، بلکہ لوگوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات کی بہت سی راہیں پیدا ہو جاتیں۔ یہ آیات قرآنیہ کا ہی معجزہ ہے کہ اس کے مخالف عربوں میں جرأت نہ ہوسکی کہ وہ قرآن کی بلاغت کو انسانی بلاغت سے کم دکھانے کی جرأت کر سکیں۔ کیونکہ وہ ان جزئیات سے آگاہ تھے جو فن خطابت کی جان ہوا کرتی ہیں۔ ان کا وجود لغت وادب کے ناخدا کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا تھا۔

---

(۱) سورۂ بقرہ آیت/۲۳ (۲) سورۂ حم سجدہ آیت/۲۶

تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ پیغمبر رسولؐ نے بعثت سے پہلے کبھی ایک لفظ لکھا یا پڑھا ہو۔ یہ قدرت الٰہی کا کرشمہ ہی ہے کہ ایسا شخص رہتی دنیا کیلئے علم و دانش اور فکر و نظر کا علمبردار بن گیا۔ ارشاد الٰہی ہوتا ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَلاَتَخُطُّهٗ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ

اے پیغمبر! قرآن سے پہلے نہ تو آپ نے کوئی کتاب پڑھی تھی اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا ہی تھا۔''(۱)

خدا نے پیغمبر اسلام کے اسی انداز کو ان کی رسالت کی سند قرار دیا۔ کیونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ ایک شخص جس نے نہ کہیں درس لیا ہو اور نہ کسی استاد سے علم حاصل کیا ہو لیکن اس کے بعد ایسی کتاب پیش کرے جو فصاحت و بلاغت میں بے نظیر و بے مثال ہو۔

قرآن رسولؐ کا ایک ابدی و دائمی معجزہ ہے۔ چونکہ ہمیں علم و دانش کا درس دینے کیلئے نازل کیا گیا ہے، لہٰذا اس کا وجود ایک علمی معجزہ ہے۔ قرآن نے ہر اس چھوٹی سے چھوٹی چیز کو جو انسانوں کو خیر و فلاح کی طرف لاسکتی ہے بہت واضح اور روشن الفاظ میں پیش کیا ہے۔ جو افراد عربی ادبیات کی خصوصیات سے باخبر نہیں ہیں۔ ان کیلئے اعجاز قرآن کو سمجھنا بہت مشکل ہے لیکن اس کے باوجود قرآن کے معنی ان کیلئے معجزہ ہیں۔

آخری رسالت کا تقاضا تھا جو تا قیامت زندہ و جاوید معجزہ آنے والی نسلوں کے سامنے پیش کرے جو زمانے کے قدم بہ قدم ساتھ چلتا رہے۔ جس طرح وہ اپنے زمانے والوں کے لئے حجت ہے اسی طرح دنیا کے کونے کونے میں نئی نسلوں کے لئے حجت بن سکے۔ حکم خدا سے قرآن ایک ابدی و دائمی معجزہ اور آخری جلوہ وحی کے عنوان سے ہمارے لئے پیش ہے۔

''سچائی و انصاف میں تمہارے رب کی بات تمام ہوگئی کوئی اس کی باتوں کا بدلنے والا نہیں وہ سننے والا ہے۔''(۲)

آج انسان نے کائنات کی گتھیوں کو کل کی بنسبت کافی حد تک سلجھا لیا ہے۔ اس نے زندگی گزارنے کے لئے کس قدر عیش و عشرت کے امکانات مہیا کر رکھے ہیں۔ آج سائنس کی نئی ٹکنالوجی نے انسانی زندگی میں بیحد تبدیلیاں پیدا کر دیں ہیں۔ لیکن یہ ساری تبدیلیاں انسانی زندگی میں ہی رونما ہوئی ہیں۔ ان تبدیلیوں کا تعلق فطرت سے قطعی نہیں ہے۔ کیونکہ فطرت کا جو نظام دنیا قائم ہونے پر تھا وہ آج بھی ہے۔

---

(۱) سورۂ عنکبوت آیت/ ۴۸ (۲) سورۂ انعام آیت ۱۶۶

اسلام نے اپنے اصول کچھ اس طرح بنائے ہیں جن میں تبدیلی کسی قیمت پر تصور نہیں کی جاسکتی اور اسلام کے قوانین میں ملک کے امن و امان، تجارت کے انداز، عالمی سیاست کا سلیقہ، دفاعی احکام، اور دفاتر و اسپتال کے اصول کا تذکرہ ہے۔ ان کا مقصد سماجی زندگی میں توازن کا پیدا کرنا ہے اور موجودات کے ذریعہ انسانی علم و دانش کو فروغ دینا مقصود ہوتا ہے۔ ان میں کسی قسم کی ردوبدل نہیں ہوگی خواہ زمانہ میں ہزاروں انقلاب ہی کیوں نہ آجائیں۔

اسلام نے شوہر پر بیوی کا حق، انسان پر معاشرہ کا حق، معین کیا ہے اسلام نے ایمانداری کی تاکید کی، کذب و دروغ سے روکا، امانتداری کو مستحسن قرار دیا، ظلم سے باز رکھا، اس میں کسی وقت تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔

اسلام ہمیں اجازت نہیں دیتا کہ ہم اصول وقوانین میں ترمیم پیدا کریں کیونکہ ہماری نگاہ ان باریکیوں کو نہیں دیکھ پاتی جو ہمارے وجود میں پوشیدہ ہیں۔

اسلام ہمیں صرف ان اصولوں کی طرف مخاطب نہیں کرتا جن کے ذریعہ ہم سعادت و نیک نامی کی طرف جائیں، بلکہ جو صحیح معنی میں سعادت منداور نیک نام ہیں۔ وہ اپنے عمل کو دوسروں کو بھی ہمدردی کے ساتھ بتائیں اور ان کے بیجا عمل اور کمیوں کو دور کرنے کی نصیحت کریں۔

اسلام نے انسان کو ظاہری زندگی میں مختار قرار دیا ہے تاکہ وہ اپنی ضروریات کے پیش نظر جد و جہد کرتا رہے اور مشکلات کا حل پیدا کرے اس طرح ترقی کی گونا گوں راہیں سامنے آتی رہیں گی۔

چونکہ اسلام انسانیت کے کمالات سے واقف ہے اس لئے اس کے سارے اصول، عقل و منطق کی بنیاد پر رکھے گئے ہیں۔ لہٰذا عقل وشرع کے درمیان فاصلہ ممکن نہیں ہے۔ اسلام عقل انسانی کی عظمت و رفعت کا قائل ہے بہت سے مسائل کا فیصلہ عقل انسانی پر چھوڑ دیا ہے۔ اسلام کے ابدی و دائمی ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس نے انسانوں کو ہر زمانہ میں تحقیق وجستجو کی دعوت دی ہے بہت سے اختیارات حکومت اسلامی کے حوالہ کئے ہیں تاکہ کسی وقت بھی کوئی انسان درپیش مسئلہ کے سبب گرفتار بلا نہ ہوسکے۔

خصوصاً آج (ٹکنالوجی) کے زمانہ میں انداز زندگی کافی بدل چکا ہے۔ اس ترقی یافتہ زندگی کے لئے مذہب کے لب ولہجہ جدید احکام پیش کرنا ہے جو عصری زندگی کے مطابق ہو۔ اسی لئے اسلام نے فقہاء اسلام کو

اجازت دی ہے کہ جب کبھی دو مصلحت دو مختلف پہلوؤں سے ٹکرا رہی ہوں، اس وقت ان میں سے جو زیادہ اہم ہو اسے اختیار کیا جائے اور کم اہم کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ یا اگر کسی وقت احکام دین انسان کے لئے زحمت ومشقت کا سبب بن رہا ہو تو اس وقت اسلام اپنی تکلیف اس سے اٹھالیتا ہے۔

''مثلاً مریض سے روزہ نہیں رکھا جا رہا ہے'' تو اسلام اسے چھوٹ دے سکتا ہے۔ اس طرح ایسے بہت سے موقع ہیں جہاں اسلام نے اپنے ماننے والوں کو رعایت دی ہے۔

اسلام کسی خاص گروہ، جماعت، ملک اور رنگ ونسل کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس نے اپنا مخاطب زمین کے ہر فرد کو کیا ہے۔

قرآن اعلان کر رہا ہے:

يَـاأَيُّهَـا الـنَّـاسُ إِنَّـا خَـلَـقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُم

''اے انسانوں میں تم سب کو مرد وعورت کے اجتماع سے پیدا کیا اور تم کو پھر مختلف گروہوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔''(۱)

قرآن نازل ہونے کے بعد ہی اسلام کی اعلیٰ دماغ شخصیتیں قرآن کریم کے معانی ومطالب کے سمجھنے میں مصروف ہوگئیں۔ اور مختلف موضوعات پر تحقیقی کام شروع ہوگیا۔ غیر مسلم دانشمند افراد نے بھی تحقیقات کیں اور سائنس ونئی ٹکنالوجی کے ایجادات کے لئے جو تحقیقات ہوئیں ہیں اس کو دیکھتے ہوئے حیرت میں ہیں کہ یہ علم قرآن تو چودہ سو سال پہلے بتا چکا تھا۔ گویا قرآن چودہ صدیوں سے صاحبان علم وخرد کے لئے بیش بہا تحفہ اور نادر وا چھوتا ترکہ ہے۔

جیسا امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے:

---

(۱) سورۂ حجر آیت/۱۳

''قرآن وہ روشن چراغ ہے جس کی لو کبھی خاموش نہیں ہوسکتی۔ وہ فکر ونظر کا ایساموجزن دریا ہے جسکی گہرائی کا اندازہ لگانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔(۱)

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر اسلام محمد مصطفےٰ نے اپنے مشن کو درس توحید سے شروع کیا اور انسانوں کو حقیقت وواقفیت کی طرف بلایا، ایمان وایقان کی دعوت دی، اپنا مخاطب ان لوگوں کو قرار دیا جو اپنے ہوش وحواس میں رہ کر چشم عبرت کے ساتھ ساتھ فکر ونظر بھی رکھتے تھے۔ انہیں عقائد شرک کی آلودگی سے نکال کر توحید کی راہ پر گامزن کرنے کی سعی کی۔ اگر چہ اس راہ پر تلخیوں اور سختیوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن رسول خداؐ کے پایۂ ثبات میں لغزش نہ پیدا ہوتی اپنے عزم کے سہارے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنا دیا۔

اور آخر میں ہم قرآن کریم کی اس آیت کا ترجمہ پیش کررہے ہیں جس کے ذریعہ خدائے کریم نے مسلمانوں کو خوشخبری دی۔ قرآن کہتا ہے:

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّکَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ

''اے رسولؐ ــــــ آپ ان سے کہہ دیں کہ اس قرآن کو جبرئیلؑ نے ہمارے پروردگار کی طرف سے بالکل صحیح نازل کیا ہے۔ تاکہ ایمان دار اس کے ذریعہ راہ حق وثواب پر گامزن رہ سکیں۔ یہ قرآن تو مسلمانوں کے لئے سرتاپا خوشخبری ہے۔(۲)

---

(۱) اصول کافی، ص/۵۹۱ (۲) سورۂ نحل آیت/۱۰۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(باب دوم)

حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا

''خاتون جنّت''

❁ ولادت ۲۰/جمادی الثانی ۵ بعثت بروز جمعہ ۴۶ عام الفیل، سرزمین مکہ معظّمہ

❁ شہادت ۳/جمادی الثانی ۱۱ھ بروز یکشنبہ سرزمین مدینہ منورہ

❁ والد پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللّٰہ علیہ و آلہٖ وسلّم

❁ والدہ جناب خدیجۃ الکبریٰؑ

❁ شوہر حضرت علی علیہ السلام

❁ بیٹے حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السلام جناب محسن جو شکم مادر میں شہید ہوئے

❁ بیٹیاں حضرت زینبؑ، حضرت ام کلثومؑ

حضرت فاطمہ زہراؑ کے حالات

حضرت فاطمہ زہراؑ کی ولادت باسعادت ۵؁ بعثت بتاریخ ۲۰ رجمادی الثانی یوم جمعہ مکہ معظّمہ میں ہوئی ۔آپ کا نورِ وجود والد محترم نورِ رسالت پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰؐ کے ساتھ خلقت کائنات سے پہلے وجود میں آچکا تھا۔اور ولادت سے پہلے خالق کائنات نے رسولؐ خدا کو جنت کا ایک سیب عطا کیا تھا جس کو نوش فرمانے کے بعد پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰؐ کو بیٹی کی بشارت ہوئی۔

آپ کی والدۂ گرامی ''مليكة العرب'' جناب خدیجۃ الکبریٰؑ تھیں۔جو اُس وقت کی امیر ترین خاتون تھیں۔انہوں نے بڑے بڑے روساء کے تمام پیغامات کو رد کر کے اپنی خوشی سے رسولؐ خدا سے عقد کیا۔لہٰذا حضرت فاطمہ زہراؑ کی ولادت کے وقت تمام خواتین مکہ نے آپ کا بائیکاٹ کر دیا تھا اور کوئی آپ کی مدد کے لئے نہیں آیا تو قدرت نے جنت سے جناب آسیہؑ، جناب مریمؑ اور جناب کلثومؑ خواہر حضرت موسیٰؑ جیسی مقدس خواتین کو خدمت کے لئے بھیجا۔جنھوں نے قابلہ اور دایہ کا کام انجام دیا۔بچی کے آنے سے پہلے پیغمبر اسلامؐ کا گھر نور سے روشن ومنور ہو گیا۔

حضرت فاطمہؑ رسولؐ خدا اور خدیجۃ الکبریٰؑ کی اکلوتی بیٹی تھیں۔بچپن سے ہی وہ عام لڑکیوں سے مختلف تھیں۔ام سلمہؓ سے کہا گیا کہ فاطمہؑ کو اصول تہذیب سکھائیں۔انھوں نے جواب دیا کہ ''میں مجسمۂ عصمت وطہارت'' کو اخلاق وعادات کی کیا تعلیم دے سکتی ہوں۔میں تو خود اس معصوم کم سن بچی سے تعلیم حاصل کرتی ہوں۔غرض حضرت فاطمہؑ تو حوروں کی طرح نیک معصوم اور معلّمہ صفت خاتون تھیں۔

خالق کائنات نے آپ کی تعریف سورۂ کوثر، سورۂ دہر اور آیۂ تطہیر، آیۂ مباہلہ جیسے قرآنی سوروں اور آیتوں میں کی ہے۔

آپ کا سارا بچپن عبادت اور والدین کی خدمت کرنے میں گذرا۔آپ کو اپنے والدین کی تکلیف برداشت نہیں تھی جیسے:

ایک مرتبہ رسولؐ خدا صحن کعبہ میں نماز ادا فرما رہے تھے تو حالت سجدہ میں

ابوجہل (جو حضرت عمر کا ماموں تھا) نے پشت پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی۔
حضرت فاطمہؑ کو جب پتہ چلا، آپ دوڑی ہوئی آئیں اور پشت رسالتؐ سے
اوجھڑی ہٹائی اور پشت کو پانی سے دھویا۔ رسولؐ خدا نے فرمایا: ''بیٹی ایک دن یہ
دشمن بھی مغلوب ہوں گے اور خدا میرے دین کو انتہائی بلندی عطا کرے گا۔''

حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ اکثر علیل رہتی تھیں۔ ان کی علالت سے آپ غمگین ہو جاتی تھیں اور ان کی تیمارداری میں شب و روز لگی رہتی تھیں۔ ایک دن خدیجۃ الکبریٰؑ نے بیٹی کو اپنے سینے سے لگایا اور خوب روئیں۔ حضرت فاطمہؑ بے چین ہو گئیں۔ ''اے مادر گرامی آپ اس قدر مایوس کیوں ہو رہی ہیں۔ اللہ نے چاہا آپ جلد ہی صحت یاب ہو جائیں گی۔'' فرمایا: ''بیٹی میں تجھ سے رخصت ہو رہی ہوں۔ افسوس تو ابھی بہت چھوٹی ہے'' یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ماتھے پر موت کا پسینہ آنے لگا۔ غرض حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ اس دنیائے فانی سے ۱۰ر رمضان ۱۰ھ بعثت کو انتقال فرما گئیں۔ اس وقت ان کی عمر ۶۵ر برس کی تھی۔ ان کو مقبرہ حجون میں دفن کیا گیا۔ رسولؐ خدا کو ان کے انتقال کا بہت صدمہ ہوا۔ اسی وجہ سے آپ نے اس سال کو ''عام الحزن'' کہا۔

آنحضرتؐ جناب خدیجہؑ کی یاد میں گوسفند ذبح کر کے ان کی سہیلیوں کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ''اس بڑھی عورت کو جس کے منہ میں دانت بھی نہ تھے کب تک یاد کرتے رہوگے۔'' یہ سن کر آنحضرت غضب ناک ہو گئے اور فرمایا کہ اس سے بہتر مجھے کوئی عورت نصیب نہ ہوئی۔ وہ اس وقت ایمان لائیں جب کہ سب کافر تھے۔ اس وقت میری تصدیق کی، جب سب جھٹلاتے تھے اور اس وقت میرے لئے مال صرف کیا، جب لوگ مجھے محروم رکھنا چاہتے تھے۔'' (۱)

''حیات القلوب'' میں ہے'' حضرت ابوطالبؑ کے انتقال کے تین دن کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کا انتقال ہوا تھا۔ اس وقت حضرت فاطمہؑ کی عمر پانچ برس تھی۔

ہجرت مدینہ

۱۴ھ بعثت شب جمعہ یکم ربیع الاول کو مکہ سے چل کر پیغمبر اسلامؐ ۱۶ر ربیع الاول یوم جمعہ کو داخل مدینہ

(۱) صحیح بخاری، ج/۳، ص/۴۱۹

ہوئے۔ وہاں پہونچنے کے بعد آپ نے زید بن حارثہؓ اور ابورافعؓ کو پانچ درہم اور اونٹ دے کر مکہ کی طرف روانہ کیا کہ حضرت فاطمہؑ، فاطمہ بنت اسدؑ، ام المومنین سودہؓ اور ام ایمنؑ وغیرہ کو لے آئیں۔ چنانچہ چند دنوں میں یہ بیبیاں مدینہ پہونچ گئیں۔ آپ کے عقد میں اس وقت دو بیبیاں تھیں، ایک سودہؓ اور دوسری حضرت عائشہؓ۔

۲ھ ہجری میں آپ نے ام سلمیٰؓ سے عقد کیا۔ ام سلمیٰؓ نے حضرت فاطمہؑ کی نگہداشت کا ذمہ اپنے سر لیا۔ اور اس انداز سے خدمت گذاری کی کہ فاطمہ زہراؑ اپنی ماں کے غم کو بھول گئیں۔ حضرت خدیجہؑ کی زندگی میں رسولؐ خدا نے دوسرا عقد نہیں کیا تھا۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کی شادی

حضرت فاطمہؑ کے سن بلوغ تک پہنچتے ہی لوگوں کے پیغامات آنے لگے۔ آپ کے فضائل و کمالات کا شہرہ سن کر تمام بڑے بڑے حاکم اور رؤساء افراد نے پیغام بھیجا جن میں ابوبکر نے، پھر حضرت عمر نے بھی خواستگاری کی، ان کے بعد عبدالرحمٰن نے پیغام بھیجا ''حضرات شیخین کے جواب میں رسولؐ اکرم غضبناک ہوئے اور ان کی طرف سے منھ پھیر لیا۔''(۱)

''عبدالرحمٰن سے فرمایا کہ فاطمہؑ کی شادی حکم خدا سے ہوگی، تم نے جو مہر کی زیادتی کا حوالہ دیا ہے وہ افسوس ناک ہے۔ تمھاری درخواست قبول نہیں کی جاسکتی۔''(۲)

حضرت علیؑ سے لوگوں نے کہا کہ آپ کو پیغمبر اسلامؐ بہت مانتے ہیں۔ آپ حضرت فاطمہؑ کے لئے درخواست کیجئے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس کچھ نہیں ہے میں کیسے درخواست کرسکتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ انھیں میرے گھر میں تکلیف پہونچے۔ مگر لوگوں کے بہت اصرار کرنے پر آپ پیغمبر اسلامؐ کے گھر تشریف لے گئے۔

ادھر رسولؐ خدا کو علم ہو گیا تھا کہ علیؑ فاطمہؑ سے رشتہ کیلئے آرہے ہیں۔ علیؑ نے گھر کے دروازہ پر دستک دی۔

رسول خداؐ نے فرمایا: ''علیؑ اندر آجاؤ۔''

علیؑ اندر آنے کے بعد بھی ہمت نہیں کر پا رہے تھے کہ کس طرح کہیں۔

رسول خداؐ مسکرائے اور فرمایا: ''علیؑ گھبراؤ نہیں تم جس مقصد سے آئے ہو بیان کرو۔ علیؑ نے رسولؐ

---

(۱) کنز العمال، ج/۷، ص/۱۱۳ (۲) بحار الانوار، ج/۱۱، ص/۱۴

کی طرف دیکھا اور سمجھ گئے کہ ہمارے دل کا حال رسولؐ خدا جان گئے ہیں۔ پھر تھوڑا رک کر آہستہ سے بولے: ''یارسولؐ اللہ! میں فاطمہؑ کے لئے درخواست کرنے آیا ہوں۔''

رسولؐ مسکرائے اور فرمایا: ''مہر کے لئے تمہارے پاس کیا ہے؟''

علیؑ گھبرا کر بولے یارسولؐ اللہ ایک تلوار، ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: ''تلوار اور گھوڑا تو جنگ کے لئے ضروری ہے ہاں زرہ کی تم کو ضرورت نہیں تم ایک بہادر سپاہی ہو۔''(۱)

رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کی درخواست پر حضرت فاطمہؑ کی مرضی دریافت کی۔ فاطمہؑ نے نظریں جھکا کر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ اس طرح جنگ بدر کے خاتمہ کے بعد رسولؐ خدا نے حضرت فاطمہؑ کا عقد حضرت علیؑ کے ساتھ ۵۰۰/درہم (زرہ ۵۰۰ درہم میں حضرت عثمان غنی نے خریدی تھی) مہر پر بتاریخ یکم ذی الحجہ ۲ھ کو کر دیا۔ میرا خیال ہے کہ حسب حیثیت ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے بھی اور اسلام کے نظریہ سے بھی مہر کی ادئیگی اس قدر اہم مسئلہ ہے کہ اسے عقد سے پہلے ہی دے دینا چاہئے چاہے اس کی راہ میں بہترین سامان زندگی ہی کیوں نہ فروخت کرنا پڑے۔

مہر کی رقم لے کر رسولؐ خدا نے جہیز کا انتظام کیا۔ جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جہیز لعنت نہیں ہے، بلکہ سنت ہے البتہ اس کا انتظام مہر کی رقم سے ہونا چاہئے اور ضروریات زندگی کی حد تک محدود رہنا چاہئے جیسے رسولؐ خدا نے اس مہر کی رقم میں سے جہیز دیا۔ جس کی فہرست اس طرح ہے۔

(۱) قمیص قیمتی سات درہم	(۲) ایک مقنع
(۳) ایک سیاہ کمبل	(۴) ایک بستر کھجور کے پتوں کا بنایا ہوا
(۵) دو موٹے ٹاٹ	(۶) چمڑے کے چار تکیے
(۷) آٹا پیسنے کی چکی	(۸) کپڑا دھونے کی لگن
(۹) ایک مشک	(۱۰) لکڑی کا بادیہ
(۱۱) کھجور کے پتوں کا بنا ہوا ایک برتن	(۱۲) دو مٹی کے آبخورے

(۱) ایک قطرہ خون (عصمت چغتائی)

(۱۳)ایک مٹی کی صراحی (۱۴)چمڑے کا فرش

(۱۵)ایک سفید چادر (۱۶)ایک لوٹا

اس سامان کی مجموعی قیمت ۶۳؍درہم تھی جب کی مہر کی رقم ۵۰۰ یا ۴۸۰؍درہم تھی اس تفصیل سے جہیز کی نوعیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور مہر کے مقابلے اس کی مالیت کا بھی۔

حضرت فاطمہؑ کی رخصتی

عقد کے چند دنوں کے بعد رخصتی کا انتظام ایک جلوس کی شکل میں ہوا جس میں بنی ہاشم کی خواتین اور مخصوص اصحاب کرام تھے۔اشہب نامی ناقہ پر حضرت فاطمہؑ سوار ہوئیں اور سلمانؓ ساربان تھے۔ازواج رسولؐ ناقہ کے آگے آگے تھیں۔بنی ہاشم کے لوگ ننگی تلواریں لئے جلوس میں تھے۔مسجد کا طواف کرایا گیا پھر علیؑ کے گھر میں فاطمہؑ کو بڑے اہتمام کے ساتھ اتارا گیا۔

''رسولؐ خدا نے ایک برتن میں پانی منگایا۔کچھ دعائیں دم کیں اور اسے فاطمہؑ کے اور علیؑ کے سر، سینے اور بازو پر چھڑکا اور بارگاہ احدیت میں عرض کی بارالٰہا انھیں اور ان کی اولاد کو شیطان رجیم سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔''(۱)

''رسولؐ خدا نے فاطمہؑ سے کہا۔دیکھو علیؑ سے بے جا سوال نہ کرنا۔یہ دنیا میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہے لیکن دولتمند نہیں ہیں۔

پھر علیؑ کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا:

فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔کوئی ایسی بات نہ کرنا کہ اسے ملال ہو'(۲)

اس وقت حضرت علیؑ کے گھر میں صرف ایک چمڑہ تھا جسے وہ رات کو بچھا کر سوتے تھے اور صبح کو اسی پر اونٹ کو چارا دیا کرتے تھے۔آپ نے اپنی زندگی کے لئے کسی طرح کے عیش وآسائش کا سامان پسند نہیں کیا۔ساری عمر تبلیغ اسلام اور خدا کی عبادت میں گذاردی۔

ایک دن رسولؐ خدا بیٹی کے گھر تشریف لے گئے اور علیؑ سے فرمایا:

علیؑ تم نے اپنی زوجہ کو کیسا پایا؟

(۱)صواعقہ محرقہ،ص/۸۴ (۲)تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی،ص/۳۶۵

حضرت علیؑ نے عرض کی کہ عبادت خدا میں بہترین مددگار ہیں۔

ان کے اس جملہ سے زوجہ کی عظمت وجلالت، ایمان وکردار جو اسلام کی بنیاد ہے ظاہر ہوتا ہے۔ اس احترام وبلندیٔ عصمت کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز ہوا۔

بے مثل امور خانہ داری

عورتوں کی سلطنت ان کا گھر ہوتا ہے جس کو وہ اپنے علم وتہذیب سے نمونۂ جنت بنا سکتی ہیں۔ حضرت فاطمہؑ نے شوہر کے گھر جانے کے بعد جو نظام زندگی کا نمونہ پیش کیا وہ طبقۂ نسواں کے لئے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ جب کہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھیں، والدہ کے ساتھ عمر کے صرف پانچ سال گذارے تھے اور اس عرصہ میں ان کے اندر وہ تمام خوبیاں پیدا ہوگئیں تھیں جو حضرت خدیجہؑ میں تھیں۔ رسولؐ خدا کے ساتھ عقد ہونے کے بعد انھوں نے اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں سے اکیلے سنبھالا تھا اور رسولؐ خدا کی بڑی خدمت کی تھی، انھیں کوئی تکلیف نہ ہونے دی تھی۔ اسی لئے رسول خداؐ نے حضرت خدیجہ کی زندگی میں دوسرا عقد نہیں کیا اور اسی لئے حضرت فاطمہؑ نے بھی خدمت کی حضرت علیؑ نے بھی فاطمہؑ کی زندگی میں دوسرا عقد نہیں کیا تھا۔

حضرت فاطمہؑ شوہر کی خدمت اور امور خانہ داری میں اپنی مثال آپ تھیں۔ آپ گھر کا تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ مثلاً جھاڑو دینا، کھانا پکانا، چرخہ کاتنا، چکی پیسنا، اور بچوں کی پرورش وتربیت کرنا۔ سب اکیلے کرتیں تھیں۔ ۷ھ میں رسولؐ خدا کو بیٹی کی مصروفیات کا بہت احساس ہوا تو ایک خادمہ کا انتظام کیا جو فضہ کے نام سے مشہور تھی۔ لیکن رسولؐ خدا کی ہدایت کے مطابق۔

> ''سیدۂ عالم فضہؓ کے ساتھ ایک کنیز کا سا نہیں بلکہ ایک عزیز ورفیق کا سا برتاؤ
> کرتی تھیں۔ ایک دن گھر کا کام خود کرتی تھیں اور ایک دن فضہؓ سے لیتی تھیں اور
> اس طرح خادمہ ہونے کا تصور پیدا نہ ہونے دیتی تھیں۔''(۱)

ایک دن رسولؐ کریم بیٹی کے گھر گئے تو دیکھا فاطمہؑ بچے کو گود میں لئے چکی پیس رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ فاطمہؑ کام مل بانٹ کر کیا کرو۔

فاطمہؑ نے فرمایا: بابا آج کا دن ہمارے کام کرنے کا ہے۔

---

(۱) سیدہ کی عظمت، مولانا کوثر نیازی ،ص/۵

رسولؐ خدا یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور نواسوں کے ساتھ محو گفتگو ہو گئے۔

فاطمہؑ پردۂ نسواں کے متعلق خود عمل کر کے بتاتی ہیں کہ ان کے گھر کا دروازہ مسجد کے اندر کھلتا تھا۔ اس کے باوجود بھی کبھی نماز پڑھنے یا وعظ سننے کے لئے مردوں کے بیچ نہ گئیں۔ ایک مرتبہ پیغمبر اسلامؐ نے منبر پر یہ سوال فرمایا کہ عورت کے لئے سب سے بہتر چیز کیا ہے؟

جب یہ سوال حضرت فاطمہؑ تک پہنچا تو آپ نے فرمایا: کہ عورت کے لئے سب سے بہتر یہ بات ہے کہ اس کی نظر کسی غیر مرد پر نہ پڑے، اور نہ کسی غیر مرد کی نگاہ اس پر پڑے۔

رسولؐ خدا نے جب یہ جواب سنا تو آپ نے فرمایا۔

کیوں نہ ہو، فاطمہؑ میرا ہی ایک جز ہے۔

حضرت فاطمہؑ والدین کی نظر میں

حضرت فاطمہؑ اپنے والدین کی بہت خدمت کرتی تھیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ نے انتقال سے پہلے بیٹی کو گلے لگایا اور اپنے آخری وقت کی خبر دی۔ گفتگو کرتے کرتے انتقال فرمایا۔ والدہ کے انتقال کے بعد رسولؐ خدا کی فکر کرنا۔ ان کی زندگی کا اہم مقصد بن گیا تھا۔ فاطمہ زہرا کی فضیلت کے سلسلہ میں قرآن مجید کی آیتیں اور بے شمار حدیثیں موجود ہیں۔ پیغمبر اسلام محمد مصطفےٰؐ کی نظر میں جناب فاطمہ زہراؑ کی کیا اہمیت ہے اس سلسلے میں مختصر الفاظ میں تحریر کر رہی ہوں۔

> ''آپ کا ارشاد ہے کہ فاطمہؑ بہشت میں جانے والی عورتوں کی سردار ہیں۔ اور تمام جہان کی عورتوں کی سردار ہیں۔ آپ کی رضا سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ جس نے آپ کو ایذا دی اس نے رسولؐ کو ایذا دی۔ خدا نے آپ کی بدولت آپ کے ماننے والوں کو جہنم کی آگ سے بچایا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ مردوں میں بہت لوگ کامل گذرے ہیں۔ لیکن عورتوں میں صرف چار عورتیں کامل گذری ہیں:
> (۱) مریمؑ (۲) آسیہؑ (۳) خدیجہؑ (۴) فاطمہؑ اور ان سب میں سب سے بڑا درجہ کمال فاطمہؑ کو حاصل ہے۔ (۱)

---

(۱) ترمذی ج/۲، ص/۲۴۹، طبع مصر، مطالب السؤل، ص/۲۲، طبع لکھنؤ

علماء کا بیان ہے کہ حضرت پیغمبر اسلامؐ آپ سے انتہائی محبت کرتے تھے اور کمال عزت بھی کرتے تھے۔ محبت کے مظاہروں میں سے ایک یہ تھا کہ جب کسی غزوہ (جنگ) میں تشریف لے جاتے تھے تو سب سے آخر میں فاطمہ زہراؑ سے رخصت ہوتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو سب سے پہلے فاطمہ زہراؑ کو دیکھنے تشریف لے جاتے تھے اور عزت واحترام کا مظاہرہ یہ تھا کہ کَانَتْ فَاطِمَةُ اِذَا دَخَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ قَامَ اِلَيْهَا فَقَبَّلَهَا وَاَجْلَسَهَا فِیْ مَجْلِسِهِ (جب حضرت فاطمہؑ آتی تھیں تو آپ تعظیم کو کھڑے ہوجاتے تھے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے)''(۱)

چنانچہ حضرت فاطمہؑ کی فضیلت رسولؐ خدا کی نظر میں کیا ہے اگر لکھا جائے تو جلدیں لکھی جا سکتی ہیں۔ مختصر یہ کہ حضرت فاطمہؑ کے لئے رسولؐ خدا فرماتے ہیں:

''فاطمہؑ میرا جز ہے۔ جو اسے اذیت پہنچائے وہ مجھے اذیت پہنچائے گا۔''

فاطمہؑ خالق کائنات کی نظر میں

رسولؐ خدا تو فاطمہ زہراؑ کے پدر بزرگوار تھے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی بیٹی سے بے انتہا محبت کرتے تھے اور ان کی زندگی میں دشمن رسول بھی عزت واحترام کرتے تھے۔ لیکن رسولؐ جو بھی عمل کرتے تھے، وہ حکم خدا سے ہی کرتے تھے۔ حضرت فاطمہؑ کی ولادت بھی حکم خدا سے نورِ عمل سے ہوئی، اس لئے ان کے صفات بھی عام خواتین سے مختلف تھے۔ خالق کائنات کی نظر میں ان کی قدر ومنزلت، عزت وتوقیر کی کوئی حد نہ تھی حکم خدا سے ملائکہ آسمانوں سے اتر کر زمین پر آتے اور فاطمہؑ کی خدمت کرتے تھے۔ کبھی جنت کے طبق لاتے۔ کبھی حسنینؑ کا جھولا جھلا کر فاطمہؑ کی اعانت کرتے تھے، اگر عید کے موقع پر ان کے منھ سے نکل گیا کہ بچو! تمھارے کپڑے درزی لائے گا، تو خازن بہشت کو درزی بن کر آنا پڑا۔ حد تو یہ ہے کہ ملک الموت بھی آپ کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل نہ ہوتے تھے۔ جب فاطمہ زہراؑ نے اجازت دی تو والد محترم کی روح کو قبض کیا۔ غرض کہ ان کی رضا میں خالق کائنات بھی راضی تھا۔

فاطمہؑ اپنے شوہر حضرت علیؑ کی نظر میں

حضرت فاطمہؑ اپنے شوہر حضرت علیؑ کے مزاج سے اتنی واقف ہوگئیں تھیں کہ ان کے کہنے کا انتظار کئے

(۱) ترمذی ج/۲، ص/۲۵۰ طبع مصر، مطالب السؤل، ص/۲۲، طبع لکھنؤ

بغیران کے ہر کام کرتی تھیں، چاہے ان کی عبادت کا کام ہو یا تبلیغ اسلام کے لئے جنگ کی تیاری اور پھر فتح ہو نے کے بعد جب واپس آتے تو ضروریات زندگی کی ہر سہولت دیتیں اور جنگ میں استعمال کی گئی تلوار کی صفائی بھی اپنے ہاتھ سے کرتیں۔ جس کی وجہ سے علیؑ فاطمہ ؑ کے بغیر زندگی گذارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت علیؑ اتنے سخی تھے کہ اکثر بچوں کے کھانے کیلئے سامان لا رہے ہوتے اور راستے میں کوئی حاجت مند مل جاتا تو اسے دے کر خالی ہاتھ واپس آجاتے لیکن فاطمہ ؑ علیؑ سے سوال نہ کرتیں کہ آپ نے کیوں دے دیا گھر میں کھانے کیلئے کچھ نہیں ہے بچے کیا کھائیں گے۔ غرض اس طرح کے حالات تو برابر پیدا ہوتے رہتے تھے۔

حضرت فاطمہ ؑ اپنے شوہر کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتی تھیں اور سخاوت میں تو وہ بھی علیؑ سے کم نہ تھیں۔ علیؑ اکثر حضرت فاطمہ ؑ کی مرضی معلوم کرنے کی کوشش کرتے مگر فاطمہ زہراؑ کا یہی فرمانا کہ آپ میرے شوہر ہیں جو آپ کی مرضی وہی میری مرضی۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت فاطمہ ؑ اور حضرت علیؑ میں کبھی کسی بات پر شکر رنجی نہیں ہوئی اور دونوں نے باہم خوشگوار زندگی گذاری۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کے انتقال کے بعد حضرت علیؑ بہت رنجیدہ ہوئے اور مسجد میں جا کر اتنا گریہ کیا کہ لوگوں سے دیکھا نہیں گیا اور تمام عزیز و اقارب نے صبر کی تلقین کی۔ حضرت علیؑ کو حضرت فاطمہ زہراؑ سے اتنی محبت تھی کہ ان کی زندگی میں دوسرا عقد نہیں کیا۔

حضرت فاطمہ ؑ اولادوں کی نظر میں

حضرت فاطمہ زہراؑ کے دو بیٹے (۱) امام حسنؑ ۱۵؍ رمضان ۳ھ کو (۲) امام حسینؑ ۳؍ شعبان ۴ھ کو پیدا ہوئے اور اسقاط محسن ۱۱ھ کو ہوا۔ دو بیٹیاں (۱) حضرت زینب ۹ھ اور (۲) ام کلثوم ۱۱ھ کو پیدا ہوئیں۔

آپ اپنے بچوں کی پرورش اور تربیت بہت محنت اور خوش اسلوبی سے خود کرتی تھیں۔ بچے اپنی ماں کو بہت چاہتے تھے۔ امام حسینؑ کا لگاؤ ماں سے سب سے زیادہ تھا۔ جب حضرت فاطمہ ؑ کے پہلو پر دروازہ گرایا گیا تھا۔ اس کے بعد آپ علیل رہنے لگیں تھیں۔ حضرت محسنؑ آپ کے شکم میں شہید ہو گئے تھے اور آپ کی حالت بچنے کی نہ تھی۔ پھر بھی آپ ایک دن کا کام خود کرتی تھیں۔ جس دن انتقال ہونا تھا وہ دن آپ کے

کام کرنے کا نہ تھا پھر بھی اپنے ہاتھ سے بچوں کے لئے کھانا پکایا، کپڑے دھوئے اور حجرے میں عبادت کے لئے جانے سے پہلے فضہ سے کہا: اے فضہؓ! بچوں کو پہلے کھانا کھلا دینا۔ اس کے بعد ہی میرے مرنے کی خبر دینا۔ غرض آپ کا انتقال ہوا اور فضہؓ نے لاکھ چاہا کہ بچے کھانا کھالیں مگر انھوں نے کہا آپ کو معلوم نہیں ہم لوگ مادر گرامی کے بغیر کھانا نہیں کھاتے۔

حضرت فاطمہؑ کے وقت رخصت امام حسینؑ نے فرمایا: میں ملنے نہیں آؤں گا جب تک مادر گرامی خود نہیں بلائیں گی اور خالق کائنات کو امام حسینؑ کی یہ بات اتنی پسند آئی کہ اجازت مل گئی اور بند کفن توڑ کر فاطمہ زہراؑ نے ہاتھ بلند کئے اور امام حسینؑ ماں کی آغوش میں سما گئے۔

اس طرح جب کربلا کے میدان میں امام حسینؑ یک وتنہا رہ گئے تھے آپ کی گردن پر خنجر چل رہا تھا تو کے وقت رسولؐ خدا اور حضرت علیؑ بھی چلے گئے کہ یہ منظر نہیں دیکھ سکتا۔ اس وقت یہ دکھیاری ماں ہی تھی جو اپنے بچے کو اکیلا چھوڑنے پر تیار نہ ہوئی اور امام حسینؑ کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ ماں کی محبت نے بیٹے کے جہاد اسلام کی ہمت کو بڑھایا اور امام حسینؑ نے ماں کی گود میں شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔ یہ ایک مخصوص ماں کا کردار تھا جس کی محبت بے مثل تھی۔

حضرت فاطمہؑ پر مصائب اور پھر وفات

۱۰ھ میں فاطمہ زہراؑ نے رسولؐ خدا کے ساتھ آخری حج کا فریضہ انجام دیا اس کے بعد پدر بزرگوار پیغمبر خدا محمد مصطفیٰؐ کا انتقال ۲۸ رصفر ۱۱ھ کو ہوا اور آپ کا انتقال ۳ رجمادی الثانیہ ۱۱ھ کو ہوا والد ماجد کے انتقال کے بعد آپ کی زندگی کل پچھتر دن کی رہ گئی تھی اور اتنے کم عرصہ میں آپ نے اتنے مصائب برداشت کئے کہ اگر دن پر پڑتے تو مثل شب سیاہ ہو جاتے۔ یہ دنیا والے رسولؐ خدا کی میت چھوڑ کر اپنی حکومت کے لئے نئے خلیفہ کے انتخاب کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے۔ اور جب وہ واپس آئے تو سرور کائنات کی لاش مطہر سپرد خاک کی جا چکی تھی۔ لاش کو قبر سے نکالنے کی کوشش کی گئی جو بنی ہاشم کے لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے ناکام ہوگئی۔ دوسرے دن لوگ حضرت علیؑ کے پاس تعزیت کے لئے آنے لگے اور علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہی تو حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور کہا رسولؐ خدا نے اپنے بعد حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا ہے۔ حضرت علیؑ خاموشی سے چلے آئے اور پھر جتنے لوگ رسولؐ خدا کے بعد حضرت علیؑ کو خلیفہ مانتے تھے

ان لوگوں نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ان میں کچھ خاص لوگوں کے نام اس طرح ہیں جیسے ''حضرت علیؑ، اوراعیان و اکابر صحابہ جن میں کل بنی ہاشم، زبیر، عتبہ بن ابی لہب۔ خالد بن سعید۔ مقداد بن عمر۔ سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عمار یاسر، براء بن عاذب، ابی ابن کعب، ابوسفیان۔''(۱)

یہ لوگ خاموشی سے حضرت فاطمہؑ کے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے۔

ابوبکر نے مختلف لوگوں کے سوالات کے جوابات دینے سے بچنے کے لئے سوچا کیوں نہ علیؑ سے بیعت لے لیں تاکہ ہماری حکومت مستحکم ہو جائے۔ لہٰذا کچھ لوگوں کے ساتھ حضرت فاطمہؑ کے گھر گئے مگر علیؑ نے بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا اور دروازہ نہیں کھولا۔

''اس پر حضرت عمر آگ اور لکڑیاں لے کر آئے اور کہا گھر سے نکلو ورنہ ہم آگ لگا دیں گے۔ یہ سن کر فاطمہ زہراؑ دروازہ کے قریب آئیں اور فرمایا کہ اس گھر میں رسولؐ کے نواسے حسنینؑ بھی موجود ہیں کہا: ہونے دیجئے۔''(۲)

چونکہ ابوبکر خلیفہ ہو گئے تھے اور انھوں نے اپنا اقتدار حاصل کرتے ہی لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانا شروع کر دیا تھا۔ کچھ تو پہلے ہی ان کے ہم خیال تھے، کچھ مال وزر کے لالچ میں ہم خیال بن گئے اور کچھ ان کے خوف سے ان کے ساتھ مل گئے اس طرح کافی تعداد میں لوگ ان کے ساتھ تھے وہ اگر کسی پر ظلم کرتے تو کسی میں ہمت نہ تھی ان کی مخالفت کر سکے چنانچہ

''اس کے بعد برابر شور و غل ہوتا رہا اور علیؑ کو گھر سے باہر نکالنے کا مطالبہ ہوتا رہا۔ مگر علیؑ نہ نکلے۔ فاطمہؑ کے گھر کو آگ لگا دی گئی۔''(۳)

''فاطمہؑ بنت رسول صحن میں نکل آئیں اور کہنے لگیں: خدا کی قسم گھر سے نکل جاؤ۔ ورنہ میں اپنے سر کے بال کھول دوں گی۔ اور خدا کی بارگاہ میں فریاد کروں گی''(۴)

جب شعلے بلند ہونے لگے تو فاطمہؑ دوڑ کر دروازہ کے قریب آئیں اور فرمایا:

ابھی بابا کا کفن بھی میلا نہ ہونے پایا اور تم یہ کیا کر رہے ہو۔ یہ سن کر فاطمہ زہراؑ کے اوپر دروازہ گرا دیا گیا۔ جس کے باعث معصومہؑ عالم کے شکم پر ضرب لگی اور

---

(۱) تاریخ ابوالفداء ج/۱،ص/۳۷۵ (۲) تاریخ طبری والامامت والسیاست، ج/۱،ص/۱۲

(۳) روضۃ المناظر برحاشیہ کامل،ص/۱۱،۱۱۳ (۴) تاریخ الیعقوبی، ج/۲،ص/۱۱۶

فاطمہ زہراؑ کے بطن میں محسن نامی بچہ شہید ہو گیا۔''(۱)

علامہ ملا معین کاشفی لکھتے ہیں کہ۔

''بداں مرض فاطمہؑ از جھاں رحلت فرمود''(۲)

(فاطمہؑ اسی ضرب سے رحلت کر گئیں۔)

''لوگ حضرت فاطمہؑ کے گھر میں درّانہ داخل ہو گئے اور علیؑ کو گرفتار کر کے ان کے گلے میں رسی باندھی اور لے کر دربار خلافت میں پہنچے اور کہا کہ بیعت کرو، ورنہ خدا کی قسم تمہاری گردن ماردیں گے۔''(۳)

حضرت علیؑ نے کہا:

''تم کیا کر رہے ہو اور کس قاعدہ اور کس بنیاد پر مجھ سے بیعت لے رہے ہو۔
یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔''

رسولؐ خدا کے انتقال کا صدمہ ابھی کم نہ ہوا تھا کہ ان جھوٹے خلیفہ اور ان کے ساتھیوں نے حضرت فاطمہؑ کا جینا مشکل کر دیا۔ آپ کی جسمانی تکلیف اتنی زیادہ تھی کہ کوئی سمجھ نہیں سکتا پہلوئے مبارک پر دروازہ کے گرنے سے کئی پسلیاں ٹوٹ گئیں تھیں اور پھر محسن کی شہادت سے آپ اپنی تکلیف میں مبتلا تو تھیں ہی کہ ایک خبر اور ملی کہ آپ کی وہ جائداد جس کا نام فدک تھا۔ اس پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔

''جو بحکم خدا بدست رسولؐ خدا ہاتھ آئی تھی اور جس کی آمدنی فقراء و مساکین پر
ہمیشہ سے خرچ ہوتی آئی جس کا محل وقوع مدینہ منورہ سے شمال کی طرف دو سو میل
ہے اس پر خلیفۂ وقت نے قبضہ کر لیا ہے۔''(۴)

اور ایک فرضی حدیث غصب فدک کے جواز میں گڑھ لی گئی ہے۔ آپ ہمت کر کے دربار خلافت گئیں اور اپنا مطالبہ پیش کیا اور انکار ہبہ پر بطور ثبوت حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ، ام ایمن، اور رباح کو گواہی کے لئے پیش کیا۔

''لیکن سب کی گواہیاں مسترد کر دی گئیں اور کہا گیا علیؑ شوہر ہیں حسنینؑ فرزند
ہیں۔ ام ایمن وغیرہ کنیز و غلام ہیں۔ ان کی گواہی نہیں مانی جا سکتی''(۵)

ایک روایت میں ہے کہ:

---

(۱) کتاب الملل والنحل شہرستانی، طبع مصر، ص/۲۰ (۲) معارج النبوت رکن چار باب، /۳، ص/۴۲ (۳) ابن ابی حدید روضۃ الاحباب
(۴) الامامۃ والسیاسۃ، ج/۱، ص/۱۳ (۵) کتاب الاکشفاء انسان العیون صواعق ص/۳۲

''حضرت ابوبکر نے ہبہ کا تصدیق نامہ لکھ کر فاطمہؑ کو دے دیا۔وہ لے کر
جانے ہی والی تھیں کہ ناگاہ حضرت عمرآ گئے۔ پوچھا کیا ہے؟ کہا تصدیق ہبہ نامہ
آپ نے وہ خط ہاتھ سے لے کر چاک کر ڈالا اور بروایت زمین پر پھینک کر اس
پرتھوک دیا اور پاؤں سے رگڑ ڈالا اور مقدمہ خارج کرادیا''(۱)

وہاں سے واپس آکر حضرت فاطمہؑ نے گریہ کیا اور بابا جان سے شکایت کی۔حضرت عمر کے اقرارنامہ کے واپس لینے اور حضرت فاطمہؑ کے حق کے دستاویز کی بے حرمتی کرنے پر حضرت فاطمہؑ اور غمگین رہنے لگیں۔کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (جو اپنے کو امیرالمومنین کہلانے لگے تھے) حضرتؑ کے پاس پہونچے اور کہا: فاطمہؑ ناراض ہیں چلئے ہم ان سے معافی مانگ لیں۔حضرت علیؑ ان لوگوں کو فاطمہ زہراؑ کے پاس لے کر گئے اور کہا: اے فاطمہؑ یہ لوگ تم سے معافی مانگنے کے لئے آئے ہیں۔

فاطمہؑ نے ان دونوں کی طرف سے منہ پھیر کر دیوار کی طرف کرلیا اور فرمایا:

''خدا کی قسم تازندگی نماز کے بعد تم دونوں پر بددعا کرتی رہوں گی۔
غرض کہ فاطمہؑ نے معاف نہ کیا اور یہ لوگ مایوس واپس گئے''(۲)

اپنے حق فدک سے محرومی، شوہر کے حق خلافت سے محرومی، شکم اقدس میں محسن کی شہادت، پہلو کی شکستگی، یہ وہ اسباب تھے جن کی بنا پر دختر پیغمبر باپ کے بعد دنیا میں ۷۵ دن سے زیادہ نہ رہ سکیں اور ۳/جمادی الثانیہ ۱۱ھ کو اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔

حضرت فاطمہؑ کی وصیت وجنازہ کا اہتمام

وقت آخر حضرت فاطمہؑ نے اپنے شوہر حضرت علیؑ کو اپنے پاس بٹھا کر وصیتیں فرمائیں کہ:

مجھے خود غسل دیجئے گا۔اور کفن پہنایئے گا اور میرے جنازہ کو پردۂ شب میں
اٹھایئے گا۔میرے جنازے میں ان ظالموں کو شرکت نہ کرنے دیجئے گا جنھوں
نے مجھے اس حالت پر پہنچایا میری موت کے بعد امامہ سے عقد کیجئے گا۔ایک
دن میرے بچوں کے ساتھ گذاریئے گا تا کہ انھیں ماں کی جدائی کا زیادہ
احساس نہ ہونے پائے۔

(۱) سیرت حلبیہ ص/۱۸۵، انسان العیون ج۳ ص۴۰۰ طبع مصر (۲) الامت والسیاست، مولفہ ابن ابی قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ ج۱ ص۱۴

پھر بچوں کو اپنے ہاتھوں سے نہلایا۔ بالوں میں شانہ کیا، کپڑے دھو کر رکھ دیئے، کھانا تیار کر دیا تا کہ بچوں کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے اور امیر المومنینؑ کو بھی زحمت نہ ہو۔ حضرت علیؑ نے اس حالت میں اتنی مصروفیات دیکھ کر سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں نے بابا کو خواب میں دیکھا ہے اور میرا خواب سچا ہے لہٰذا آج میں بابا کی خدمت میں جا رہی ہوں۔

علامہ عبد البر لکھتے ہیں کہ:

''فاطمہ کی وصیت تھی کہ عائشہ بھی شریک جنازہ نہ ہونے پائیں'' (۱)

حضرت فاطمہؑ نے اسماء بنت عمیس سے فرمایا کہ اسماء مجھے مسلمانوں کی عورتوں کی میت لے جانے کا طریقہ پسند نہیں ہے میں چاہتی ہوں جنازہ ظاہر نہ ہو کہ عورت کس قد و قامت کی ہے۔ اسماء نے کہا۔ میں حبشہ میں تابوت کی شکل میں جنازہ جاتا ہوا دیکھ آئی ہوں۔ وہ تابوت بانس کی قمچیوں سے تیار کیا جاتا ہے حضرت فاطمہؑ بہت خوش ہوئیں کہا ویسا ہی ایک تابوت بنا دو۔ وقت آخر حضرت فاطمہ حجرۂ عبادت میں تشریف لے گئیں اور جناب اسماء سے فرمایا کہ جب تک میری تسبیح و تہلیل کی آواز آتی رہے سمجھنا کہ دختر پیغمبرؐ زندہ ہے اور جب یہ آوازیں موقوف ہو جائیں تو سمجھ لینا کہ دختر پیغمبرؐ نے انتقال کیا اور میرے بچوں کا خاص خیال رکھنا۔ کچھ دیر کے بعد آواز آنا بند ہوئی تو اسماء نے جا کر دیکھا فاطمہؑ انتقال فرما چکی تھیں۔

چنانچہ حضرت علیؑ نے رات کی تاریکی میں اسی تابوت میں جنازہ اٹھایا جنازہ کے ساتھ چند اہل خانہ اور مخلصین تھے۔

بحار الانوار کتاب الفتن میں ہے کہ:

''راستہ دیکھنے کے لئے ایک شمع ساتھ تھی اور حضرت زینبؑ جو کافی کمسن تھیں سیاہ لباس میں لپٹی ہوئی اس سایہ میں چل رہی تھیں جو شمع کی وجہ سے تابوت کے نیچے زمین پر پڑ رہا تھا۔ حضرت علیؑ جب جنت البقیع میں پہنچے تو ایک سمت سے آواز آئی اور کھدی کھدائی قبر نمایاں ہوئی۔ حضرت علیؑ نے اسی قبر میں فاطمہ زہراؑ کی لاش مطہر دفن کی اور اس طرح زمین برابر کر دی کہ نشان قبر معلوم نہ ہو سکے'' (۲)

(۱) استیعاب ج/۲، ص/۷۷۲ (۲) مودۃ القربیٰ ص/۱۲۹

مورخین لکھتے ہیں کہ:

''جب جناب سیدہؑ کی لاش قبر میں اتاری گئی تو رسولؐ خدا کے ہاتھوں کی مانند دو ہاتھ برآمد ونمودار ہوئے اور انھوں نے جناب سیدہؑ کے جسم مطہر کو سنبھال لیا''(۱)

''دلائل الامتہ'' میں ہے کہ چونکہ قبر فاطمہ زہراؑ کے ساتھ بے ادبی کا اندیشہ تھا اس لئے چالیس قبریں بنائی گئیں تاکہ صحیح قبر معلوم نہ ہو سکے اور فاطمہؑ کو کوئی بھی ستانے والا قبر پر نماز نہ پڑھ سکے ورنہ سیدہؑ کو اذیت ہوگی۔

> ''اس کے باوجود لوگوں نے قبر کھودنے کے کی کوشش کی۔جس کے ردعمل میں حضرت علیؑ ننگی تلوار لے کر زرد لباس پہنے ہوئے قبر پر جا بیٹھے اس وقت آپ کے منھ سے کف جاری تھا۔یہ دیکھ کر لوگوں کی ہمتیں پست ہوگئیں اور آگے نہ بڑھ سکے''(۲)

حضرت فاطمہؑ کی خصوصیات زندگی

۱۔ حضرت فاطمہؑ کے والد محترم مختار کائنات تھے اور آپ ان کی اکلوتی بیٹی تھیں پھر بھی آپ نے اس رشتہ سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا اور تمام زندگی ہر طرح کی مصیبت وزحمت برداشت کرتی رہیں۔

۲۔ والدہ شادی سے پہلے ہی ملیکۃ العرب تھیں، انھوں نے ساری دولت غریبوں اور مفلسوں میں تقسیم کردی تھی۔اس طرح سے ـــــــــ زندگی گذار رہی تھیں جس طرح رسولؐ خدا گذارتے تھے۔اور وہی تربیت انھوں نے فاطمہ زہراؑ کی بھی کی اور عیش وآرام کی زندگی کبھی پسند نہ کی۔

۳۔ آپ کے شوہر امیرالمومنینؑ تھے۔ پھر بھی آپ نے تمام زندگی فرمائش نہ کی اور ہمیشہ شوہر کی خدمت کی اور ان کی پریشانی میں شریک کار رہیں وقت آخر معذرت طلب کی کہ اگر کوئی کوتاہی ہوگئی ہو تو معاف فرمادیجئے گا۔

۴۔ آپ کے فرزند سرداران جوانان جنت تھے۔اس کے بعد بھی فاقوں میں زندگی گذاری، یہاں تک

(۱) کتاب منتہی الامال شیخ عباس قمی ص/۱۳۹ (۲) ناسخ التواریخ وغیرہ

کہ روزہ رکھنے کے بعد سامان افطار یتیم ومسکین واسیر کے حوالے کردیا۔جس پر''سورۂ دہر'' کی آیات نے مدح سرائی کی۔

۵۔ آپ کورب العالمین نے پانچ اولادیں عطا کیں آپ نے سب کوراہ خدامیں قربان کردیا فرزند سب شہید ہوئے اور بیٹیاں راہ خدا میں یوں اسیر ہوئیں کہ تماشائیوں کے مجمع میں بازاروں سے ہوتے ہوئے دربار شام میں حاضر ہونا پڑا۔

۶۔ آپ کائنات کی واحد خاتون ہیں جن کے رشتۂ ازدواج میں زوجہ اور شوہر دونوں معصوم تھے اور جن کا رشتہ عرش اعظم پر ہوا۔

۷۔ آپ کائنات کی واحد خاتون ہیں جن کی ولادت کے لئے سیب جنت کا مادہ فراہم کیا گیا۔

۸۔ آپ کائنات کی وہ بےمثل ماں ہیں جن کے دو بیٹے امام ہوئے اور جن کی نسل میں امامت قائم ہوکر باقی ہے۔

۹۔ آپ وہ ممدوحہ ہیں جن کی مدح سورۂ کوثر، آیت تطہیر، آیت مباہلہ، سورۂ دہر، جیسے قرآنی آیات و سوروں میں کی گئی۔

۱۰۔ آپ رسولؐ اکرم کی اکلوتی بیٹی ہیں جنھیں ام ابیہا کہلانے کا بھی شرف حاصل ہوا اور جنھیں بضعۃ الرسولؐ بھی قرار دیا گیا۔

۱۱۔ آپ وہ تنہا گواہ ہیں جس نے مباہلہ میں رسالت کی گواہی دی ہے

۱۲۔ آپ وہ اکیلی دختر ہیں جن سے رسولؐ خدا نے ہر سفر کے موقع پر سب سے آخر میں الوداع کہا ہے اور واپسی پر سب سے پہلے ملاقات کی ہے۔

۱۳۔ آپ وہ معصومہ ہیں جن کی ذاتی عصمت کے علاوہ ان کے رشتے بھی معصوم تھے جیسے باپ معصوم، شوہر معصوم، اور دو فرزند معصوم، اور سب کے تعارف کا ذریعہ بھی آپ ہی کی ذات کو بنایا گیا ہے۔

۱۴۔ آپ وہ عبادت گذار ہیں جس کی نماز کے وقت زمین سے آسمان تک ایک نور کا سلسلہ قائم ہوجاتا تھا۔

۱۵۔ آپ وہ باعفت خاتون ہیں جس کا پردہ تمام زندگی برقرار رہا کہ باپ کے ساتھ نابینا صحابی آیا تو اسے گھر میں داخل نہ ہونے دیا۔اور مرنے کے بعد بھی جنازہ اٹھوانے کے لئے تابوت کا انتظام کیا جس سے

قد وقامت کا اندازہ نہ ہو سکے۔

۱۶۔ حضرت فاطمہؑ اتنی انصاف پسند خاتون تھیں کہ اپنی کنیز فضہؓ کے بھی آرام کا خیال رکھتیں تھیں۔ایک دن خود گھر کا سب کام کرتیں اور ایک دن فضہؓ سے کرواتیں۔تا کہ فضہؓ کو خادمہ ہونے کا خیال نہ پیدا ہو سکے۔ دراصل یہ مساوات محمدی کی اعلیٰ مثال ہے۔

۱۷۔ آپ صدیقہ طاہرہؑ ہیں۔مالک کائنات نے آپ کو ہر نجاست سے پاک رکھا اور آیت تطہیر کے نزول کے لئے ان کے گھر اور ان کی چادر کا انتخاب کیا۔اس واقعہ کی مفصل تشریح حدیث کساء میں موجود ہے۔

۱۸۔ صدیقہ طاہرہؑ نے ملت اسلامیہ کو درس تسبیح بھی دیا جو معنوی اعتبار سے تکبیر، تحمید اور تسبیح سے مرکب ہے۔اور ظاہری اعتبار سے ابتداء میں یہ تسبیح دھاگوں کے گرہوں سے بنائی گئی تھی۔اس کے بعد جناب حمزہؑ کی شہادت واقع ہوئی تو معصومہؑ عالم نے ان کی خاک قبر سے تسبیح کے دانے تیار کئے اور اسی طرز عمل کے اتباع میں امام سید سجادؑ نے خاک قبر سید الشہداءؑ سے تسبیح کے دانے تیار کئے جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

صدیقہ طاہرہ وہ دختر پیغمبرؐ ہیں جو نسل پیغمبرؐ کی بقاء کا ذریعہ ہیں جب کہ دنیا میں ہر انسان کی نسل بیٹے کے ذریعہ سے قائم ہوتی ہے۔اللہ نے پیغمبرؐ اسلام کی نسل کو بیٹی کے ذریعہ قرار دیا اور پھر اس میں اس قدر برکت دے دی ہے کہ ایک محتاط اندازہ کے مطابق آج دنیا میں تقریباً ۴۰۰۳۵ ملین سادات پائے جاتے ہیں جو دنیا کے ہر ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مختصر یہ کہ حضرت فاطمہؑ کی عظمت کا بیان اس طرح بھی کیا جا سکتا ہے کہ قدرت نے عورت کو تین نقائص کا حامل بنایا ہے۔

(۱) نقص ایمان

(۲) نقص میراث

(۳) نقص عقل کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہوتی ہے۔

رب العالمین نے صدیقہؑ طاہرہ کو تینوں نقائص سے پاک رکھا ہے۔بتول بنا کر نقص ایمان وعبادت سے پاک بنایا۔دوسرے تنہا وارث بنا کر نقص میراث بچایا، تیسرے معصومہ بنا کر نقص شہادت (گواہی) سے

پاک و پاکیزہ بنادیا اور یہ جامعیت۔کمالات آپ کے علاوہ کسی اور خاتون کو حاصل نہیں ہوسکتی۔

خالق کائنات نے حضرت فاطمہ زہراؑ کو عذرا قرار دیا تھا اور ان کی یہ صفت جنت کی ان حوروں سے مشابہ تھی جنھیں ''اتراب ابکار'' قرار دیا گیا تھا اور اسی اعتبار سے رسولؐ خدا نے صدیقہ طاہرہؑ کو حوراءانسیہ کے لفظ سے یاد کیا ہے کہ فاطمہ زہراؑ ظاہری اعتبار سے انسان ہیں لیکن باطنی اعتبار سے حوران جنت کی صفت کی حامل ہیں، دنیاوی اعتبار سے آپ کی عمر ۱۸ سال تھی۔

حضرت فاطمہؑ زہرا کے معجزات

رب العالمین نے قرآن مجید میں صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے مرسلینؑ کے درمیان بھی فضیلت و کمالات کے درجات رکھے ہیں۔اور ان کے مرتبہ میں بھی کچھ فاصلے قائم کئے ہیں۔جیسے سرکار دوعالم نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو سرداران جوانان جنت قرار دیا ہے تو ان کے پدر بزرگوار حضرت علیؑ کو ان سے بھی افضل مقام عطا کیا۔جو اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ مرسلینؑ کی طرح آئمہ معصومینؑ کے درمیان بھی کسی نہ کسی اعتبار سے امتیاز پایا جاتا ہے۔

تاریخ بشریت کی خواتین میں صدیقہ طاہرہ حضرت فاطمہؑ کے خصوصیات و امتیازات کا پتہ لگایا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ ان خواتین کے مقابلہ میں کیا امتیاز رکھتی ہیں۔جنھیں اُمت اسلامیہ نے مبینہ طور پر صاحب کمال قرار دیا ہے جو قرآن و اسلام میں بھی صاحبان فضل و کمالات سے بھرپور ہیں جن کی فضیلت و شرافت کا اعلان آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ نے کیا ہے۔اور پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ ان خواتین ہی کی طرح حضرت فاطمہؑ کو ان خواتین کے مقابلہ میں کیا امتیاز حاصل ہے،جس کی بنا پر رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہؑ کا کوئی ہمسر نہ ہوتا چاہے وہ آدم ہوں یا غیر آدم۔

اس لئے میرا کہنا ہے کہ اتنا ہی کافی ہے کہ کائنات میں کوئی خاتون ایسی نہیں ہے کہ جس کے تمام رشتے اس قدر بلندتر ہوں جس قدر حضرت فاطمہؑ کے رشتے بلند ہیں جیسے

۱۔ وطن کے اعتبار سے ان کی جائے پیدائش مدینہ منورہ اور بیت رسالت ہے

۲۔ خاندان کے اعتبار سے دنیا کا منتخب ترین گھرانہ بنی ہاشم ہے۔

۳۔ زبان کے اعتبار سے لغت قرآن میں گفتگو کرنے والی ہیں۔

۴۔ مالک کائنات نے حضرت فاطمہؑ کو بتول قرار دیا اور ان تمام عوارض سے الگ رکھا جن میں عام طور سے ہر عورت ہر مہینہ میں مبتلا ہوا کرتی ہے۔

۵۔ رب العالمین نے یہ پسند نہیں کیا کہ حضرت فاطمہؑ کی عبادت میں کسی طرح کا نقص پیدا ہو، اور انھیں کسی زمانے میں بھی عبادت سے محروم رکھا جائے۔ اس لئے بلا خوف تردید میں کہہ سکتی ہوں کہ دنیا کی ہر خاتون نقص عبادات کی شکار ہوسکتی ہے لیکن صدیقہ طاہرہؑ اس اعتبار سے بھی اور خواتین سے جدا ہیں اور ان کے کردار میں کسی نقص کی کوئی گنجائش نہیں ہے

۶۔ آپ کے امتیازات میں سے ایک امتیاز آپ کا محدثہ ہونا ہے کہ آپ ملائکہ سے ہم کلام ہوا کرتی تھیں اور ملائکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کلام کیا کرتے تھے۔

۷۔ آیات قرآنی رسول خدا محمد مصطفیؐ پر تمام ہوگئی تھی لیکن دیگر معاملات کی وحی اور اس کے الہام کا سلسلہ برابر جاری تھا جس طرح کہ قرآن مجید نے مادر جناب موسیٰؑ اور جناب مریمؑ کو منزہ وحی قرار دیا ہے اور ان کے ملائکہ سے ہم کلام ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح حضرت فاطمہؑ کو بھی محدثہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ نے ان تمام الہامات کو اس طرح جمع کر لیا کہ مجموعۂ کلمات ایک کتابی شکل میں تیار ہو گیا جس میں ان تمام معاملات کا تذکرہ ہے جن کی ضرورت عالم انسانیت کو ہو سکتی ہے۔ اس میں ان تمام حادثات اور حکومتوں کا تذکرہ ہے جو قیامت تک قائم ہونے والی ہیں۔ اس کا تعلق آیات قرآنی یا اسلامی شریعت سے نہیں ہے۔ اس میں مختلف چیزوں کا ذکر بھی ہے جیسے شہد کی مکھی، پیڑ پودے، زمین، آسمان وغیرہ جو تذکرے انسان اپنی تحقیقی نگاہ سے کرتا ہے اگر کوئی ایسی شخصیت اس تذکرے کو کرے جو خیر البشر ہو تو اس تذکرے کا مرتبہ تمام عالم بشریت سے بالاتر ہو جاتا ہے۔

حضرت فاطمہؑ کی ۱۸؍سالہ مختصر زندگی میں بہت سے معجزات ہوں گے لیکن مجھے جو ملے وہ میں اپنے بچپن سے سنتی آئی ہوں اس کو جیسا میں نے سنا ہے پیش کر رہی ہوں مجھے نہیں پتہ یہ کتنے معتبر اور مستند ہیں۔ بہرحال مندرجہ ذیل ہیں:

معجزہ نمبر ۱

''مدینہ منورہ میں ایک یہودی رہتا تھا۔اس کی لڑکی کی شادی تھی، وہ جناب رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوااورعرض کیا کہ مولا میری لڑکی کی شادی ہے''اگر حضورؐ اجازت دیں تو جناب سیدہؑ میرے گھر تشریف لے جائیں''

حضرت نے فرمایا کہ''اس کا ذکر جناب امیر سے کرو۔اگر وہ اجازت دیں تو فاطمہؑ کو لے جاؤ۔''

وہ یہودی حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوااوراپنی درخواست پیش کی حضرت علیؑ نے فرمایا کہ:

''جناب سیدہؑ کی خدمت میں عرض کرو''

چنانچہ وہ حضرت فاطمہؑ کی خدمت میں حاضر ہوااور شادی میں شرکت کے لئے عرض کیا۔آپ نے فرمایا کہ علیؑ مرتضٰی سے اجازت لو تب چلوں گی۔اس یہودی نے عرض کیا کہ میں جناب رسولؐ خدا اور جناب امیر المومنینؑ سے اجازت حاصل کر چکا ہوں، اب تو آپ خود ہی اس امر کی مختار ہیں۔آپ نے سواری لانے کے لئے اس سے کہا۔

یہودی سواری لینے کے لئے چلا گیا۔اتنے میں آپ نے جا نماز بچھائی اور دو رکعت نماز پڑھی اور ہاتھ بلند کر کے خدا کی بارگاہ میں عرض کیا کہ

''اے میرے پالنے والے میں تیرے رسولؐ کی بیٹی ہوں اور تیری کنیز خاص ہوں ....نہ میرے پاس اچھے کپڑے ہیں اور نہ کوئی سامان ہے ایسی حالت میں میں شادی میں کیونکر جاؤں''

ابھی یہ دعا ختم نہ ہونے پائی تھی کہ حوریں زیورات کے حلہ ہائے بہشت لے کر حاضر ہو گئیں۔

(صلوٰۃ)

حوروں نے اپنے ہاتھ سے جناب سیدہؑ کو لباس وزیورات سے آراستہ کیا اور سوری میں بٹھایا۔

جناب سیدہؑ اس یہودی کے گھر پہونچیں تو آپ کے نور سے اس کا گھر روشن اور خوشبو سے معطر

ہو گیا۔ (صلوٰۃ) اور جتنی بھی یہودی عورتیں تھیں سب گر کر بیہوش ہو گئیں۔ آپ اس حجرے میں تشریف لے گئیں جہاں دلہن بیٹھی تھی۔ آپ کے جاتے ہی وہ دلہن بھی بے ہوش ہو گئی کچھ دیر بعد سب عورتوں کو ہوش آ گیا لیکن دلہن کو ہوش نہ آیا، جب عورتوں نے دلہن کو دیکھا تو مردہ پایا تو سب عورتیں رونے پیٹنے لگیں اور ایک حشر برپا ہو گیا اور آپس میں گفتگو کرنے لگیں کہ لو جناب سیدہؑ کے آتے ہی یہ کیا ہو گیا، جناب سیدہؑ نے جب یہ ماجرا دیکھا تو بڑی حیرت ہوئی۔ آپ نے وضو کے لئے پانی منگایا اور جائے نماز بچھا کر دو رکعت نماز پڑھی اور خدا کی بارگاہ میں عرض کیا کہ

''پروردگارا'' میں تیرے رسولؐ کی بیٹی ہوں اور تیری کنیز خاص ہوں تو میری عزت رکھ لے ورنہ یہ لوگ یہی کہیں گے کہ میرے آنے سے دلہن مر گئی''

آپ کی دعا ابھی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ دلہن زندہ ہو گئی اور کلمہ پڑھتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ (صلوٰۃ) اور جناب سیدہؑ سے عرض کی کہ آپ بنت رسولؐ ہیں مجھ کو اپنا دین بتائیں آپ نے اس کو اور پانچ سو یہودی عورتوں کو مسلمان کیا (صلوٰۃ) سب نے آپ کی بہت عزت کی اور بڑی شان کے ساتھ مع ایک کنیز کے آپ کو رخصت کیا۔

معجزہ نمبر ۲

ایک روز امیر المومنینؑ کچھ جو کا آٹا لائے جناب فاطمہ زہراؑ کو دیا کہ اس کی روٹیاں تیار کرو۔ آج تمہارے پدر بزرگوار کو میں نے مدعو کیا ہے۔

جناب سیدہ نے خوشی خوشی آٹا خمیر کیا اور روٹیاں تیار کیں۔ جناب رسول خداؐ بعد نماز مغرب تشریف لائے جناب سیدہ نے کھانا حاضر کیا اور آپ نے ان کے ساتھ کھانا نوش فرمایا۔ اور جب رسول خداؐ رخصت ہونے لگے تو جناب سیدہؑ نے عرض کیا: بابا جان اسی طرح کل میرے یہاں پھر کھانا نوش فرمائیے گا۔ حضرتؐ نے قبول فرمایا۔ صبح کو پھر حضرت امیر المومنینؑ نے کہیں سے جو کا آٹا قرض لا کر دیا اور جناب سیدہؑ نے کھانا پکایا بعد نماز مغرب پھر رسول خداؐ تشریف لائے اور پھر آپ نے ایک ساتھ کھانا نوش فرمایا۔ اب حضرت پھر

رخصت ہونے لگے تو امام حسنؑ نے کہا کہ: نانا جان اب حسنؑ کی دعوت قبول فرمائیے۔ ارشاد ہوا: اچھا بیٹا تمہاری دعوت قبول۔ صبح پھر امیر المومنینؑ جو کا آٹا لائے جناب سیدہؑ نے روٹیاں تیار کیں اور جناب رسول خداؐ نے کھانا تناول فرمایا اب امام حسینؑ نے اپنے نانا کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور کہا: نانا کیا ہم کو محروم رکھئے گا اتنا اشارہ تھا نانا سمجھ گئے فرمایا: بیٹا حسینؑ تمہاری بھی دعوت قبول ہے غرض اس روز بھی حسب دستور پھر کھانے کا سامان فراہم ہوا۔ رسول خداؐ تشریف لائے اور آپ نے کھانا نوش فرمایا۔ جب سرور انبیاء جناب رسول خداؐ رخصت ہونے لگے تو فضہ دروازے تک پہنچانے آئیں ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئیں یا رسول اللہؐ! یہ کنیز بھی آرزو مند ہے شاید آپ قبول فرمائیں کل شام کو میرے یہاں تشریف لا کر کھانا نوش فرمائیں حضرتؐ نے وعدہ فرمایا۔ صبح ہوئی اتفاق سے فضہ کو کہیں سے سامان غذا فراہم نہ ہو سکا فضہ پریشان ہیں شام ہوئی اور کسی سے تذکرہ بھی نہیں کیا کہ آج میں نے رسول خداؐ کو مدعو کیا ہے اور وہ زمانہ ماہ رمضان تھا جب رسول خداؐ بعد نماز مغرب دولت سرا کی طرف چلے تو جبرئیل امین نازل ہوئے اور فرمایا اے رسول خداؐ آپ نے فضہ سے وعدۂ افطار فرمایا ہے حضرت فوراً دولت خانۂ جناب سیدہ پر تشریف لائے آواز دی اے بیٹی سلام ہو تم پر جناب سیدہؑ پہچان گئیں دوازے تک آئیں لیکن حیرت میں تھیں کہ بابا نے آج کیوں تکلیف گوارا کی کچھ سامان افطار بھی نہیں جو حاضر کروں۔ جناب امیر المومنینؑ کو بھی تعجب ہوا آخر جناب رسول خداؐ سمجھ گئے کہ غربت و تکلیف کی وجہ سے فضہ نے کوئی سامان افطار فراہم نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا بیٹی میں آج فضہ کے یہاں مہمان ہوں جناب امیرؑ نے فضہ کو علیٰحدہ بلا کر فرمایا کہ اے فضہ تم نے رسول خداؐ کو مدعو کیا ہے اور کچھ ذکر بھی نہیں کیا ورنہ جہاں سے ممکن ہوتا انتظام کرتا فضہ نے عرض کیا کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کے پاس کوئی شے نہیں ہے بس مجھے غیرت معلوم ہوئی کہ آپ سے کیا تذکرہ کروں میں اپنا انتظام کرتی ہوں یہ کہہ کر فضہ نے وضو کیا ایک گوشہ میں جا کر دو رکعت نماز بجالا کر دونوں ہاتھوں کو دعا کے لئے بلند کیا: خداوند کریم! میں تیرے حبیب کی دختر کی کنیز ہوں اور تیرے حبیب کو اپنا مہمان کیا ہے تو خوب جانتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی بے غذا ہیں۔ مالک الملک میرے شہزادوں اور میرے آقا کی عزت رکھ لے اور مجھے اپنے پیغمبرؐ سے شرمندہ نہ کر یہ دعا فضہ کر ہی رہیں تھیں کہ تمام مکان میں کھانے کی خوشبو پھیل گئی۔ (صلوٰۃ)

فضہ نے دیکھا کہ پہلو میں خوان نعمت رکھا ہے فوراً وہ خوان لے کر حاضر خدمت رسولؐ ہوئیں۔ رسولؐ نے پوچھا: فضہ یہ کھانا کہاں سے آیا عرض کیا: جس کے بھروسے پر میں نے دعوت دی تھی اسی نے بھیجا ہے یہ طعام جنت سے آیا ہے۔سب نے کھانا نوش فرمایا۔

حضرت فاطم زہراؐ کی پوری زندگی خوشنودیٔ پروردگار میں گذری انہوں نے کبھی اپنے یا اپنے بچوں کے عیش وعشرت کی زندگی گذارنے کے لئے پروردگارعالم سے کچھ نہ مانگا۔شہادت سے پہلے بھی وہ ہر مسلمان کی ہمدرد تھیں اور شہادت کے بعد بھی وہ ہر مومن اور مومنہ کی مدد کرتی رہی ہیں بس ضرورت یہ ہے کہ صدق دل سے ان کو یاد کیا جائے تو مشکل آسان ہو جائے گی۔

حضرت فاطمہؑ تو رسول خداؐ کی بیٹی ہیں ان سے تعلق رکھنے والی کنیز فضہ کی زبان میں بھی وہ تاثیر ہے جو فاطمہؑ کی کنیز ہونے کی وجہ سے ان کو حاصل ہے جن کی دعا پروردگار عالم فوراً قبول کرتا ہے۔

حضرت فضہؓ واحد خاتون ہیں جو حضرت فاطمہؑ کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہیں اور ان کے بچوں کی پرورش میں مددگار رہیں یعنی پنجتن پاک کے حالات زندگی کے ہر دور سے جو ان کے سامنے گذرا بخوبی واقف تھیں اس لئے حضرت فاطمہؑ کے حالات پر تبصرہ کرنے کے ساتھ حضرت فضہ کے حالات کا مختصر جائزہ لینا ضروری ہے۔

جناب فضہ کے مختصر حالات

جناب فضہؓ کا اصل نام میمونہ تھا۔رسول خداؐ نے کا نام فضہ رکھا۔فضہ کے معنی ''چاندی'' کے ہیں۔ چونکہ وہ افریقہ سے تعلق رکھتی تھیں اور افریقہ کے لوگ کالے رنگ کے ہوتے ہیں اس لئے رسول خداؐ نے چاندی کی طرح سفید بے داغ ہونے کا نام دیا۔ان کا رنگ گندمی تھا۔جناب فضہ کی پیدائش کی تاریخ کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ہاں ان کے انتقال کے بارے میں روایت میں ملتا ہے کہ انہوں نے حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد انتقال فرمایا تھا اور انہیں کے قریب شام میں دفن ہوئی تھیں۔

جناب فضہ کے چار لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔لڑکوں کے نام داؤد، محمد، یحییٰ اور موسیٰ تھے۔لڑکی کا نام مسکہ تھا۔اور مسکہ کی ایک بیٹی شہرت تھی۔

تواریخ میں ہے کہ جناب فضہ حبش کی رہنے والی تھیں ''وہ حبشہ کے بادشاہوں میں ایک بادشاہ کی دختر تھیں۔''

جناب فضہؑ نے اپنی زندگی کے شاہی ٹھاٹھ باٹ کو چھوڑ کر حضرت فاطمہؑ کی کنیزی میں رہنا پسند کیا۔ حضرت فاطمہؑ کی زندگی میں ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔وہ نیک دل اور پاکیزہ خاتون تھیں حضرت فاطمہؑ کی خدمت کو اپنا فریضہ اور اپنی دنیا و آخرت کو سنوارنے کا ذریعہ سمجھتی تھیں۔

حضرت فاطمہؑ کی وفات کے بعد حضرت علیؑ کے اصرار پر شادی کے لئے رضامند ہوئیں۔

تواریخ میں ہے کہ جناب فضہ بظاہر کنیز تھیں۔لیکن وہ محمدؐ و آل محمدؐ کی نگاہ میں بڑی ممتاز تھیں اور ان کے نگاہ کرم کی وجہ سے نگاہ قدرت میں بھی باعزت تھیں۔

سورۂ ھل اتی جو اہل بیت کی مدح وثنا میں نازل ہوا ہے اس میں جناب فضہؑ بھی شامل ہیں۔

حضرت فضہؑ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ ،زینبؑ وکلثومؑ کی پرورش اپنے بچوں سے زیادہ محبت سے کی تھی جب کسی پر کوئی مصیبت پڑتی تو وہ جناب فضہ کو ہی پکارتا تھا، جیسے حضرت فاطمہؑ کے پہلو پر دروازہ گرا اور بنت رسولؐ زخمی ہو کر گر پڑیں تو منہ سے بے ساختہ یہ جملے نکلے تھے۔اے فضہ ذرا مجھ کو سنبھالو اور میری پشت کی طرف سے مجھے سہارا دو۔

حضرت فاطمہؑ کے انتقال کے بعد آخری بار دیکھنے کے لئے جس طرح حضرت زینبؑ وام کلثومؑ اور حسنؑ وحسینؑ کو آواز دے کر بلایا گیا تھا اسی طرح فضہ کو بھی بلایا گیا کہ آخری دیدار کرلو۔

> ''جب شہادت امام حسینؑ کے بعد ان کی لاش اقدس پر گھوڑے دوڑائے جانے کا بندوبست کیا گیا تو حکم جناب زینب کے مطابق جناب فضہ نے ابوالحارث نامی شیر کو آواز دی تھی اور اس نے برآمد ہو کر نعش مبارک کی حفاظت کی تھی''(۱)

---

(۱)انوار العلویہ،ص/۱۰۶،طبع نجف اشرف

اسی طرح گیارہ محرم الحرام کو اہل بیتؑ کی روانگی کا وقت آیا تو حضرت زینبؑ نے تمام مخدرات اور بچوں کو سوار کیا تھا لیکن جب حضرت زنیبؑ کو ناقہ پر سوار ہونے کا وقت آیا تو کوئی نہ تھا۔ راوی کہتا ہے اس وقت میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ کی سن رسیدہ کنیز آگے بڑھی اور اس نے حضرت زینب کو سوار کیا، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے انہوں ے کہا یہ فضہ ہیں جو حضرت فاطمہ زہراؑ کی کنیز ہیں۔(۱)

حضرت فاطمہؑ کی وفات کے بعد فضہ حضرت زینبؑ کی کنیزی میں آگئیں تھیں۔ کبھی کبھی امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے گھر بھی رہتی تھیں۔ کتب مقاتل میں ہے کہ جناب فضہ واقعۂ کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ تھیں۔ جب امام حسینؑ رخصت آخر کے لئے خیمہ میں آئے تھے اور انھوں نے سب کو سلام آخر کیا تھا تو جناب فضہ کو بھی سلام آخر کیا تھا اور کہا تھا اے فضہؓ میری بہن زینب کا خیال رکھنا اور امام حسینؑ کی یہ وصیت ان کو ہر موقع پر یاد تھی۔ وہ حضرت زینبؑ کے ہر عمل میں ساتھ ساتھ رہتی تھیں خصوصاً اس وقت جب یزید نے بھرے دربار میں حضرت زینبؑ سے کلام کرنا چاہا تھا، اس وقت فضہ بیچ میں آگئیں اور یزید ملعون کو اس بدتمیزی میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ لیکن ایک موقع ایسا بھی آیا جب جناب فضہؓ کو تازیانے کھانے پڑے۔

''حضرت زینبؑ کو دربار شام میں تیس کنیزیں اپنے حلقہ میں لئے ہوئے تھیں۔ یزید نے اپنے غلام ابو عبیدہ کو حکم دیا کہ ان کنیزوں کو زینب کے سامنے سے ہٹا دے۔ چنانچہ وہ تازیانہ لے کر آگے بڑھا۔ سب کنیزیں تو ہٹ گئیں۔ لیکن جناب فضہ نے زینب کے سامنے سے ہٹنے سے انکار کر دیا۔

ابوعبیدہ نے غصہ میں آکر ایک تازیانہ جناب فضہ کی پشت پر مارا کہ وہ زمین پر گر پڑیں، اور چیخ کر کہا:

''ہائے مصیبت کیا یہاں کوئی حبشی قوم کا آدمی نہیں ہے جسے غیرت آئے اور تجھ کو اس ظلم کی سزا دے۔ یہ سن کر ساٹھ حبشی غلاموں میں سے جو یزید کے دربار میں موجود تھے ایک آگے بڑھا اور اس نے ابوعبیدہ کو فی النار کر دیا''(۲)

جناب فضہ کے حالات اور واقعات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن مجید کی حافظہ تھیں۔

''**ما تكلمت عشرين سنة الا بالقرآن**'' یہ بیس سال تک قرآن مجید کے علاوہ کچھ بولیں ہی نہیں''(۳)

یعنی جو گفتگو کرتی تھیں وہ قرآن مجید کی آیات میں کرتی تھیں۔

---

(۱) انوار العلویہ، ص/۱۰۶، طبع نجف اشرف (۲) سفینۃ البحار، ج/۲، ص/۳۶۵

(۳) معالی السبطین، ج/۲، ص/۵۴ و رسالۃ فضہ، ص/۱۳ طبع لاہور

جناب فضہ کی ایک نواسی ''شہرت'' ہے جس کا واقعہ تواریخ میں اس طرح ہے۔

''شہرت ایک دن حج کو جارہی تھیں راستہ میں اس کی سواری تھک کر بیٹھ گئی۔ اس نے آسمان کی طرف منھ کر کے کہا ''خدایا'' تو نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ اب نہ گھر واپس جاسکتی ہوں، نہ مکہ پہنچ سکتی ہوں۔ راوی مالک بن دینار کہتا ہے کہ اس کہنے کے فوراً بعد جنگل کے درختوں سے ایک شخص ایک اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے برآمد ہوا اور اسے بٹھا کر مکہ لے گیا''(۱) غرض جناب فضہ نے اپنی شادی کے بعد بھی حضرت فاطمہؑ کا گھر نہیں چھوڑا جیسے بھی موقع ملتا وہ یہاں آجاتیں اور کیوں نہ آتیں یہاں حضرت علیؑ حضرت زینبؑ، حسنینؑ وام کلثوم سلام اللہ علیہا، ان کو اپنی ماں کی طرح مانتی اور عزت کرتیں تھیں۔

(۱) کتاب لسان الواعظین ،ص/ ۶۹۸، بحار الانوار، سفینۃ البحار، ج/۲/ص/ ۳۶۵ ومناقب، ج/۲/ص/۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(باب سوم)

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام

❁ولادت	۱۳؍رجب ۳۰ھ عام الفیل خانہ کعبہ
❁شہادت	۲۱؍رمضان المبارک ۴۰ھ
❁والد	حضرت ابوطالبؑ ابن عبدالمطلب
❁والدہ	فاطمہ بنت اسد بن ہاشم

❁ازواج حضرت فاطمہؑ بنت پیغمبرؐ، ام البنین امامہ، اسماء بنتِ عمیس، لیلیٰ التمیمہ۔

❁ کنیزیں	اٹھارہ
❁اولادیں	چھتیس اٹھارہ (۱۸) لڑکے اور اٹھارہ (۱۸) لڑکیاں

جن میں چار حضرت فاطمہؑ بنت پیغمبرؐ سے امام حسنؑ، امام حسینؑ، حضرت زینبؑ حضرت اُم کلثوم۔

حضرت علی علیہ السلام کے حالات

۱۳ ؍رجب ۳۰ھ عام الفیل مطابق ۶۰۰ء یوم جمعہ بمقام خانہ کعبہ میں ولادت حضرت علیؑ ہوئی۔
آپ کی نوری تخلیق پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰؐ کے ساتھ حضرت آدم کی پیدائش سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔

کتاب مستطاب ''روضۃ الواعظین'' میں جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت ہے کہ میں نے رسولؐ خدا سے ایک روز پیدائش امیر المومنینؑ کا حال پوچھا تو پیغمبرؐ خدا نے فرمایا۔

''جابر! تم نے عجیب سوال کیا، سنو علیؑ کی ولادت کا حال بالکل عیسیٰؑ کی پیدائش جیسا ہے۔ عیسیٰؑ نے بھی پیدا ہوتے ہی کلام کیا تھا اور علیؑ نے بھی یہ معجزہ دکھلایا اور پیدا ہوتے ہی کلام کیا۔ اے جابر! خدائے بزرگ و برتر نے مجھے اور علیؑ کو ایک نور سے پیدا فرمایا۔ پانچ سو ہزار سال (یعنی پانچ لاکھ برس قبل تخلیق عالم) پھر جب آدمؑ کو پیدا کیا تو ہمارے نور کو صلب آدمؑ میں رکھا گیا اور صلب آدمؑ سے صلبہائے طاہرہ میں منتقل ہوتا رہا۔ میرا نور صلب عبدؑ اللہ اور نور علیؑ صلب ابوطالب میں آیا۔ جب رسولؐ خدا تذکرہ فرماتے ہوئے یہاں تک پہنچے تو فرمایا اے جابر! ابھی علیؑ کی ولادت نہ ہوئی تھی کہ یمن میں ایک زاہد و عابد موحّد ذکر خدائے یگانہ میں مشغول تھا۔ جس کی عمر ایک سو نوے (۱۹۰) سال کی تھی اس کا نام مشہور تھا اس تارک الدنیا نے بارگاہ ایزدی میں پہلی مرتبہ دعا مانگی کہ پیدا کرنے والے تو اپنے کسی ولی و مقرب بارگاہ کی زیارت سے مجھے مشرّف فرما، اس کی دعا قبول ہوئی اور ابوطالبؑ کو ضرورتاً ''یمن'' جانا پڑا ''اس مقبول بارگاہ الٰہی مثرمؒ'' کی شہرت سن کر یہ بھی اس سے ملنے گئے، مثرم کی نظر جب آپ کے نورانی چہرے پر پڑی، پوچھا کہاں سے آئے ہو آپ نے فرمایا، تہامہ سے، کس شہر سے؟ شہر مکہ سے اس نے کہا کہ کس قبیلہ سے؟ آپ نے فرمایا: قبیلہ بنی ہاشم سے۔ یہ سن کر وہ کھڑا ہو گیا دست بوسی کے بعد کہا۔ شکر ہے خدا کا کہ اس نے میری دعا قبول فرمائی اور

اپنے ایک خادم حرم کی زیارت سے مشرف فرمایا پھر کہا کہ آپ کا نام کیا ہے آپ نے فرمایا: ابوطالب، مثرم نے کہا کہ میں آپ کو بشارت دیتا ہوں اس سال آپ کے صلب سے ایک فرزند پیدا ہوگا جو خاتم المرسلین کا وصی برحق ہوگا۔ جب وہ پیدا ہوتو میرا اسلام پہنچا دینا اور کہنا کہ میں رسالت محمد مصطفیؐ اور آپ کی امامت کا قائل ہوں اور آپ کا دوست ہوں، روز قیامت آپ گواہ رہنا، ابو طالبؑ نے پوچھا اس فرزند کا نام کیا ہوگا؟ مثرم نے کہا کہ علیؑ نام ہوگا اور مرتضیٰؑ لقب۔

ابوطالبؑ نے اس سے کہا کہ میں اس قول کی صداقت کی دلیل چاہتا ہوں اگر یہ قول صداقت پر مشتمل ہے تو میوہ ھائے بہشت سے کچھ آئے۔

اس پر مثرم نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے۔ اتنے میں میوے سے بھرا ایک طبق نازل ہوا۔ چنانچہ ابوطالبؑ نے اس میں سے کچھ کھایا۔ پھر مکہ واپس آ گئے۔"(۱)

حضرت علیؑ کی ولادت کے وقت رسول خداؐ کی عمر مقدس تیس (۳۰) سال کے قریب تھی اور اعلان رسالت کے لمحات قریب سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے اور تبلیغ اسلام کے لئے ایک عظیم مددگار اور رسولؐ خدا کو دعوت دین کے لئے ایک مددگار کی ضرورت تھی۔ ایسے وقت خالق کائنات نے ابوطالب کو ایک فرزند عنایت فرمایا۔ جس کی ولادت کا انداز ان کی دوسری اولادوں سے بالکل مختلف تھا۔

جب فاطمہؑ بنت اسد کو دردزہ عارض ہوا۔ اس وقت وہ خانہ کعبہ کے باہر طواف میں مشغول تھیں نہایت مضطرب ہوئیں۔

(بروایت یزید بن قعنب) اپنے شکم اقدس کو دیوار کعبہ سے مس کر کے دعا کی کہ "خدایا میں تجھ پر اور تیرے رسولوں پر اور تیری کتابوں پر ایمان رکھتی ہوں، میں اپنے جد ابراہیم خلیل اللہ کی تصدیق کرنے والی ہوں تجھے اس گھر اس کے بانی اور اس مولود کا واسطہ جو میرے شکم میں ہے میری اس مشکل کو آسان کر دے۔"(۲)

فوراً دیوار خانہ کعبہ شق ہوگئی اور وہ اندر داخل ہوئیں اور پھر وہ دیوار اسی طرح متصل ہوگئی جیسے پہلے تھی اور

---

(۱) کتاب مستطاب "روضۃ الواعظین"
(۲) بروایت یزید بن قعنب

علی بن ابی طالب سے اس عظیم فرزند کی ولادت ہوئی۔ یہ شرف ولادت ایسا تھا جو انبیاء میں بھی کسی کو نہ پہلے اور نہ بعد میں حاصل ہوگا۔

''ولادت کعبہ کے اندر ہوئی۔ علیؑ پیدا تو ہوئے لیکن انہوں نے آنکھیں نہ کھولیں۔ ماں سمجھی کہ شاید بچہ بے نور ہے مگر جب تیسرے دن سرور کائنات تشریف لائے اور اپنی آغوش مبارک میں لیا تو حضرت علیؑ نے آنکھیں کھول دیں اور جمال رسالتؐ پر نظر ڈالی۔ سلام کر کے تلاوت صحف آسمانی شروع کر دی۔ بھائی نے گلے لگایا اور یہ کہہ کر کہ: اے علیؑ جب تم ہمارے ہو تو میں بھی تمہارا ہوں۔ فوراً منہ میں زبان دے دی''

علامہ اردبیلی لکھتے ہیں

''واز زبان مبارک دوازدہ چشمہ کشودہ شد۔'' زبان رسالت سے دہن امامت میں بارہ چشمے جاری ہو گئے اور علیؑ اچھی طرح سیراب ہو گئے اسی لئے اس دن کو ''یوم الترویہ'' کہتے ہیں۔(۱)

ترویہ کے معنی سیرابی کے ہیں۔ الغرض رسول خداؐ انہیں گھر لے گئے۔

حضرت علیؑ خانہ کعبہ سے چوتھے روز باہر لائے گئے اور اس کے در پر علیؑ کے نام کا بورڈ نصب کر دیا گیا۔ جو ہشام ابن عبد الملک کے زمانے تک لگا رہا۔ آپ پاک و پاکیزہ، طیب و طاہر اور مختون پیدا ہوئے۔ آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ اور آپ کی پیشانی کبھی بت کے سامنے نہیں جھکی۔ اسی لئے آپ کے نام کے ساتھ ''کرم اللہ وجہہ'' کہا جاتا ہے۔(۲)

روایت میں ہے کہ جب ولادت علیؑ کا وقت آیا تو اسی زمانہ میں ایک زلزلہ مکہ میں آیا۔ لوگ بے حد پریشان ہو گئے۔ اور اپنے بتوں کو اٹھا اٹھا کر ''کوہ ابوقبیس'' پر دعا کرنے کے واسطے لے گئے جب دعا کی تو کوہ ابوقبیس کے پتھر زلزلہ سے متاثر ہو کر دور جا گرے اور سارے اصنام سر کے بل زمین پر آنے لگے ایسی حالت میں ابو طالبؑ خود کوہ ابوقبیس پر پہنچے اور اکابرین قریش سے کہا کہ آج ایک ایسا بچہ قدرت نے پیدا کیا ہے کہ اگر تم لوگوں نے اس کی اطاعت نہ کی تو یہ زلزلہ ہرگز دور نہ ہوگا۔ پھر سب نے ایک زبان ہو کر کہا ہم وعدۂ اطاعت کرتے ہیں اور آپ خدا سے دعا کیجئے کہ یہ زلزلہ رک جائے۔ ابوطالب نے درگاہ قاضی الحاجات میں دعا کی۔ ''اَلرَّحمٰنُ

(۱) کشف الغمہ، ص/۱۴۲ (۲) نور الابصار، ص/۷۶، صواعق محرقہ، ص/۷۲

اَسْئَلُکَ بِالْمُحَمَّدِیَّۃِ الْمَحْمُوْدَۃِ وَالْعَلَوِیَّۃِالْعَالِیَّۃِ وَالْفَاطِمَۃَ الْبَیْضَاءَ اِلَّاتَفَضُّلَۃ عَلٰی تِرْمَامِہٖ بِالرَّافَۃِ وَالرَّحْمَۃِ ''فوراًزمین ساکت ہوگئی زلزلہ ختم ہوگیا۔رسول خداؐفرماتے ہیں اس روز سے جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تھی ساکنان مکہ انہیں کلمات کودہراتے تھےاورمشکل آسان ہوجاتی تھی۔

اسمائے حضرت علی علیہ السلام

مورخین تحریر کرتے ہیں کہ جناب ابوطالبؑ نے اپنے جداعلیٰ جامع قبائل عرب ''قصی'' کے نام پر ''زید'' اور ماں فاطمہ بنت اسد نے اپنے باپ کے نام پر ''اسد'' اور سرور کائنات نے خدا کے نام پر ''علیؑ'' رکھا۔اس نام کے لئے غیب سے آواز آئی تھی۔تفصیل سے اسمائے جناب امیر علیہ السلام کے بارے میں مورخین کا کہنا ہے۔اہل آسمان میں ان جناب کا نام شمائیل ہے۔

اہل زمین کے نزدیک حمجائیل ہے

اورلوح پرقسوم،قلم پرمنصوم اورعرش پرمعین ہے رضوان کے نزدیک ان کا نام امین اورحورالعین کے نزدیک اصسب ہے،اورعبرانی زبان میں قیاطیسی،سریانی زبان میں شروحیل ہے،توارت میں آپ کا نام ایلیا ہے،زبور میں اوی،انجیل میں بری،عرب کے نزدیک علیؑ،ہند میں کبکر،روم میں بطریس،ارمن میں فریق، فارس میں جبیر،ترک میں تبیر،نبطہ میں کری،زنج میں حیصر،جبش میں تبریک ہے،فلسطین کے نزدیک یوشع، کاہنین کے نزدیک بوی،جنات میں جمین،شیاطین میں آپ کا نام مدمرہے،مشرکین کے نزدیک مدت احمر، مومنین کے نزدیک سحاب ہے دائی آپ کی میمون کہا کرتی تھیں،ان کے والد کے نزدیک ظہیراور ماں کے نزدیک حیدر ہے،پیغمبر کے نزدیک ناصر ہےاورخدا کے نزدیک آپ کا نام علیؑ ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

''وَجَعَلْنَا لَھُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیّاً''

پیدا ہوتے ہی ہرقوم ہرعزیز کی نظر میں آپ کے لئے اپنائیت کا جذبہ کیا کہنے ''صلوٰۃ''

کنیت والقاب حضرت علی علیہ السلام

حضرت کے القاب بے شمار ہیں،کنیت میں ابوالحسنؑ اور ابوترابؑ اور القاب میں امیرالمومنینؑ، المرتضیٰؑ،حیدرکرارؑ،نفس رسولؐ اورساقیٔ کوثرؑ زیادہ مشہور ہیں۔

''کافی میں جناب امیر علیہ السلام سے روایت ہے اور احادیث میں بھی وارد ہے کہ امیر المومنینؑ فرمایا کرتے تھے کہ میں وجہ اللہ، ید اللہ، لسان اللہ، اذن اللہ، جنب اللہ، عین اللہ ہوں۔

وجہ اللّٰہ: اس سے مراد ہے کہ میری وجہ سے اور میری جہت سے خدا کے پاس جانا چاہئے اور جس طرح چہرہ واضح ترین اعضاء ہے اس طرح یہ بھی حقیقت میں واضح ترین خلائق ہیں۔

ید اللّٰہ: اس سے مراد ہے کہ وہ خدا کی نعمت اور اس کی رحمت کا واسطہ ہیں بندوں کے لئے۔

لسان اللّٰہ: اس سے مراد ہے کہ انہی کی زبان میں خدا کی توحید، پیغمبر کی نبوت احکام شریعت کا بیان ہوتا رہا اور جو کچھ انہوں نے کہا وہ بحکم خدا کہا۔

اذن اللّٰہ: اذن اللہ سے مراد یہ ہے کہ احکام خدا کو رسول خداؐ سے سن کے جس نے بخوبی تمام یاد رکھا وہ علیؑ ہیں۔

جنب اللّٰہ: حیات القلوب جلد سوم، ص/۲۱۳ کفعمی نے حضرت محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جنب اللہ کے معنی ہیں کہ کوئی شخص خدا کے نزدیک اس کے پیغمبرؐ سے زیادہ قریب تر نہیں اور کوئی شخص اس کے پیغمبرؐ کے نزدیک ان کے وصی سے قریب تر نہیں۔

عین اللّٰہ: مخاطب شہر ابن آشوب میں حضرت امیر المومنین نے فرمایا ہے کہ عین اللہ سے مراد ہے کہ خدا نے مجھے کل مومنین و کفار پر معین کیا ہے کہ ان کا نگران حال ہوں۔

ابو طالبؑ کی دعا پر آسمان سے ایک تختی نازل ہوئی جس پر مرقوم تھا کہ ''اس کا نام نام خدا پر علیؑ رکھو تا کہ نام خدا کی برکت سے اس کی بلندی برقرار رہے اور اس کی بقا سے نام خدا کی بقا وابستہ رہے۔''

عالم اسلام کا پسندیدہ ترین لقب ''کرم اللہ وجہہ'' ہے جو اس امر کی علامت ہے کہ عالم اسلام میں آپ کی تنہا ذات گرامی ہے جس نے بتوں کے آگے سجدہ نہیں کیا اور خود حضرت علیؑ کو اپنا لقب ''ابوتراب'' پسند تھا جس سے آپ کی عظمت اور خاکساری دونوں کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت علیؑ کی پرورش و تربیت

حضرت علیؑ کی پرورش اور تربیت کا کام رسول خداؐ نے خانہ کعبہ سے ہی سنبھال لیا تھا۔

آپ کی پرورش رسول اکرمؐ نے کی پیدا ہوتے ہی گود میں لیا، منہ میں زبان دی، اور دودھ کے

بجائے لعاب دہن رسول سے سیراب ہوکر ''لَحْمُکَ لَحْمِی'' کے حق دار بنے۔(۱)

اور وہی خانہ کعبہ سے اپنے گھر لے گئے تھے۔مورخین کا لکھنا ہے کہ ابو طالبؑ کو بعد میں خبر ہوئی رسولؐ خدا آپ کو اپنے کمالات کا مخزن ومصدر قرار دیتے رہے یہاں تک کہ اپنے کو شہر علم اور علیؑ کو اس کا دروازہ قرار دے دیا۔

مکہ میں قحط پڑنے کی وجہ سے اور ابوطالب کی اولاد کے زیادہ ہونے سے سرور کائنات نے علیؑ کو اپنے پاس رکھنے کے لئے مانگ لیا اور ان کے دوسرے بھائی عباس نے جعفر طیار یعنی ابوطالبؑ کے دوسرے بیٹے کو لے لیا۔اس طرح چار بیٹوں میں ابوطالب کے پاس دو بیٹے تھے جو برابر رسول خداؐ کے پاس آتے رہتے تھے۔

میں کہتی ہوں قحط کا تو ایک بہانہ تھا اصل میں پروردگار کی مرضی تھی کہ علیؑ رسول خداؐ کے ذریعہ پرورش پائیں اور ان ہی کی نگرانی میں تربیت حاصل کریں اس طرح انہوں نے شب وروز اپنے ساتھ رکھا اور کبھی ''ذَقَّنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ زقاً'' کا مرقع پیش کیا اور کبھی ''کُنْتُ اِتَّبِعُہُ اِتِّبَاعَ الْفَصِیْلِ لِاُمِّہِ'' کا منظر نمایاں کیا۔

رسول خداؐ نے جملہ نعمات الٰہی سے بہرہ ور کیا اور ہر قسم کی تعلیمات سے بھرپور بنا دیا۔

رسولؐ خدا کے زیر سایہ جب دس سال گذر گئے تو وحی الٰہی نے بعثت کا اعلان کر دیا۔اس وقت رسول خداؐ کو ایک ایسے مددگار کی ضرورت پیش آئی جو ہر طرح سے ان کا حامی اور مددگار ثابت ہو چنانچہ قدرت الٰہیہ کے حکم سے علیؑ قوت بازو بن کر یوم بعثت ۲۷؍رجب کو کل ایمان کی صورت میں بستر رسول پر آرام فرما ہوئے اور رسول خداؐ کی تائید کر کے اسلام کا سکہ بٹھا دیا۔

رسول خداؐ کی تین سالہ خفیہ تبلیغ کے بعد جب اہل عشیرہ وقبیلہ کو دعوت دینے کا حکم آیا تو رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو ہی حکم دیا کہ دعوت کا انتظام کریں اور قریبی رشتہ داروں کو مدعو کریں۔چنانچہ حضرت علیؑ نے اس فرض کو بخوبی انجام دیا اور چالیس افراد کو مدعو کر لیا(دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ تفصیل کے ساتھ رسولؐ خدا والے باب میں درج ہے)جب سب لوگ کھانا کھا کر سیر ہو گئے اور رسولؐ خدا پیغام پیش کرنے والے تھے کہ ابولہب

(۱)سیرت حلبیہ،ج/۱،ص/۲۶۸

نے کہا: محمدؐ نے بڑا جادو کیا ہے غرض جب رسول خداؐ نے دوسری بار دعوت کی اور سب لوگوں کو اسی طرح جمع کیا دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا تیسری بار پھر دعوت کی اور لوگوں کو اسی طرح جمع کیا تب رسولؐ خدا نے اپنا اعلان پیش کر دیا جس کے لئے ناصر و مددگار کا مطالبہ بھی کیا اور وصایت و وزارت کا وعدہ بھی کیا لیکن کسی نے ساتھ نہ دیا۔ صرف حضرت علیؑ نے تائید و تصدیق کا اعلان کیا۔ اس طرح حضرت علیؑ پہلے شخص تھے جنہوں نے رسول خداؐ کے تبلیغ اسلام کی تائید کی۔

حضرت علیؑ جو رسول خداؐ کے نور وجود کا ایک حصہ تھے، وہ ان کی کفالت میں اسی طرح رہے جس طرح کوئی اولاد اپنے والدین کی کفالت میں رہتی ہے اور کل امور میں اپنے والدین کی پیروی کرتی ہے، حضرت علیؑ نے بھی رسول خداؐ کے کل امور میں پیروی کی اور سب سے پہلے ذمہ داریٔ اسلام کو سنبھالا تھا جو اسلام کی بقا کا آخری ذریعہ بن گئے۔

''حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اس اُمّت میں سب سے پہلے خدا کی عبادت کی اور سب سے پہلے آنحضرتؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔''(۱)

''حضرت پیغمبرؐ اسلام فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے چشم زدن کے لئے بھی کبھی کفر اختیار نہیں کیا۔''(۲)

حضرت علیؑ کے سامنے اکثر دعوتوں کے انعقاد کرنے کے مرحلے آتے تھے جو رسول خداؐ کی مرضی کے مطابق حضرت علیؑ حل کرتے تھے۔

یہاں تک شعب ابوطالبؑ کی سہ سالہ زندگی میں ابوطالبؑ کا مستقل طریقہ عمل رہا کہ رات کے وقت رسول خداؐ کو ہٹا کر ان کی جگہ بستر پر علیؑ کو لٹا دیتے تھے تاکہ اگر حملہ ہو جائے تو میرا بیٹا رسول پر قربان ہو جائے اور رسول کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور اس طرح فداکاری اور جاں نثاری علیؑ کی زندگی کا امتیاز بن گئی۔

شعب ابوطالبؑ کی تین سالہ زحمتوں کے نتیجہ میں ۱۰ھ بعثت میں ابوطالبؑ نے انتقال فرمایا۔ جس کا اثر حضرت علیؑ کے ساتھ رسولؐ خدا پر بھی بہت ہوا۔ بہت گریہ کیا، نوحہ پڑھا اور ان کے احسانات کا تذکرہ بھی کیا۔

---

(۱) استیعاب، ج/۲، ص/۴۷۲ (۲) سیرت حلبیہ، ج/۱، ص/۲۷۰

حضرت علیؑ نے باپ کی بیماری اور پھر وفات کی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھایا تھا۔ان کے انتقال کے بعد زوجہ رسول حضرت خدیجہ الکبریٰ کا انتقال ہوا۔وہ پہلی خاتون تھیں جنھوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت علیؑ کے ساتھ رسول خدا کے پیچھے جماعت بنا کر پہلی مرتبہ نماز پڑھی تھی۔

والد کے انتقال کے بعد حضرت علیؑ نے اپنا پورا وقت عبادت خدا اور تبلیغ اسلام کے کاموں میں صرف کیا۔حکم خدا سے ہجرت کا حکم ہوا۔رسول خدا تو پہلے ہی بہت مغموم تھے کہ دو سچے مددگاروں نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔غرض ۱۳ھ بعثت میں مکہ سے مدینہ کے لئے ہجرت کی اور حکم خدا سے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر لٹا دیا۔حضرت علیؑ تلواروں کی چھاؤں میں چین سے سوتے رہے۔تاریخ نے ایک نیا موڑ لیا۔رسولؐ خدا کے رخصت ہونے کے بعد حضرت علیؑ نے تمام کفار کی امانتوں کو واپس کیا اور فاطمہ بنت پیغمبرؐ، والدہ فاطمہ بنت اسد، اور فاطمہ بنت زبیر اور زوجہ رسولؐ کو لے کر مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔راستہ میں کفار قریش نے بہت مزاحمت کی جس کا مقابلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے، جہاں رسولؐ خدا آپ کی بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے آپ کے بغیر تبلیغ اسلام کا کام شروع نہیں کرنا چاہتے تھے۔چنانچہ علیؑ کے آنے کے بعد اسلام کی پہلی مسجد کی بنیاد پڑی۔تعمیر کا کام حضرت علیؑ کے ہاتھوں انجام پایا۔جہاں آج بھی مسلمان نماز پڑھنے کو بہترین کار خیر تصور کرتے ہیں۔

رسول خداؐ جب اپنے اصحاب واعزاء کے ساتھ مدینہ میں مستقل رہنے لگے تو کفار قریش کی بےچینی اور بڑھ گئی کہ جس اسلام کو بڑھنے سے پہلے ہی مٹا دینا چاہتے تھے، اب وہ مدینہ کی سرزمین پر پھل پھول رہا ہے۔اس لئے انھوں نے نت نئے انداز اختیار کرنا شروع کر دیئے، جس کا آپ نے بڑی ہمت اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا۔

حضرت علیؑ کے والدین

''حضرت علی مرتضیٰؑ کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں۔اسی لئے آپ کے خصوصیات میں سے ہے کہ''اول هاشمی ولده هاشم مرتين ''پہلے وہ شخص ہیں جو ددھیال اور ننھیال دونوں طرف سے ہاشمی النسل تھے۔''(۱)

(۱) اصول کافی، ط لکھنؤ، ص/ ۲۸۷، الارشاد المفید، ط ایران، ص/ ۳

جناب فاطمہ بنت اسد نے ۴ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا۔

والد ماجد حضرت ابوطالب ابن عبدالمطلب ۵۳۵ء میں بمقام مکہ میں پیدا ہوئے۔آپ کا انتقال ۱۵رشوال ۱۰ بعثت میں ۸۰رسال کی عمر میں ہوا۔

حضرت علیؑ کی ازواج واولاد

حضرت علیؑ کی شہادت کے وقت چار ازواج موجود تھیں، باقی اٹھارہ ام الولد (وہ کنیز جس کی اپنے آقا سے اولاد پیدا ہوئی ہو) تھیں۔ان چار خواتین کے اسماء گرامی اس طرح ہیں: امامہ، اسماء بنت عمیس، لیلیٰ التیمیہ، ام البنین۔

لیکن حضرت فاطمہؑ بنت پیغمبرؐ کا مرتبہ سب سے بلند تھا جس کی وجہ سے آپ نے ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا عقد نہیں کیا جس طرح رسول خداؐ نے جناب خدیجہؑ کی زندگی میں کوئی دوسرا عقد نہیں کیا تھا۔ان دونوں خواتین کا یہ ایک مخصوص امتیاز تھا۔

حضرت فاطمہؑ کے بطن سے امام حسنؑ، امام حسینؑ، جناب زینبؑ، جناب ام کلثومؑ تھیں، ان چار کے علاوہ محسن شکم مادر میں ہی شہید ہو گئے تھے جن کا نام پیغمبر اسلامؐ نے قبل از ولادت محسن قرار دیا تھا۔

''امامہ'' جناب فاطمہؑ کی رشتہ کی بہن جناب زینب کی بیٹی تھیں اور یہ عقد جناب امیر المومنین علیہ السلام نے صدیقہ طاہرہ جناب فاطمہ زہراؑ کی وصیت کی بنا پر کیا تھا۔

''اسماء بنت عمیس'' کی اولاد یحییٰ تھے۔

''لیلیٰ التیمیہ'' ان کی اولاد کے بارے میں تواریخ میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

''ام البنین'' ''ام البنین فاطمہ کلابیہ'' پورا نام تھا۔جن سے امیر المومنین نے جناب عقیل کے مشورے پر عقد کیا تھا کہ عرب میں اس سے بہادر خاندان نہیں تھا۔ان سے عباس، جعفر، عثمان، عبداللہ اکبر چار بیٹے تھے۔

ان کے خاندان کا تعلق بنی کلاب سے تھا۔جس کی بنا پر میدان کربلا میں شمر ملعون نے بھانجا کہہ کر پکارا تھا

ان کے علاوہ کچھ نام اور ملتے ہیں جیسے ''خولہ حنفیہ'' سے ''محمدؐ'' جن کی کنیت ابوالقاسم ہے۔آپ کی پیدائش کی بشارت رسول اکرمؐ نے دی تھی اور اپنا نام اور اپنی کنیت بھی عنایت فرمائی تھی وہ اپنے وقت کے

نہایت درجہ کے شجاع اور بہادر انسان تھے یہاں تک کہ امیر المومنین کے ایک زرہ کے طولانی ہوجانے کی بنا پر اسے ہاتھ سے کھینچ کر توڑ دیا تھا۔ آپ دور خلافت دوم میں پیدا ہوئے اور دور عبدالملک بن مروان میں پینسٹھ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

ان کی اولاد کی تعداد ۲۴ تھی اور چودہ ان میں سے فرزند تھے جن کی نسل کافی بڑھی اور مختلف اطراف واکناف میں پھیل گئی۔

''ام حبیب بنت ربیعہ'' کی اولاد عمرو، رقیہ اور کبریٰ تھیں۔

''لیلیٰ بنت مسعود دارمیہ'' کی دو اولادیں ''محمد اصغر'' اور ''عبداللہ'' یہ دونوں کربلا میں شہید ہوئے۔

سعید بنت عروہ بن مسعود ثقفی کی دو اولادیں ام محسن، رملہ تھیں۔ رملہ کو رملہ کبریٰ بھی کہتے ہیں۔

''ام سعید بنت عروہ'' ان کی اولادیں نفیسہ، زینب صغریٰ، رقیہ صغریٰ تھیں۔ نفیسہ کو ام کلثوم صغریٰ بھی کہا جاتا تھا۔ رقیہ صغریٰ کا عقد جناب مسلم بن عقیل سے ہوا تھا۔

حضرت علیؑ کی اولاد میں متعدد زینب اور متعدد ام کلثوم تھیں اسی طرح بیٹوں میں محمد، محسن اور عبداللہ، نام بھی کئی بار آیا ہے۔

حضرت علیؑ کی نسل کا ایک سلسلہ محمد الحنفیہ سے چلا ہے اور دوسرا عباس علمدار سے چلا حضرت عباس کے فرزند عبداللہ کے فرزند حسن بن عبیداللہ تھے اور ان کے پانچ فرزند تھے عبیداللہ بن الحسن جو امیر مکہ و مدینہ بھی تھے۔

عباس جو بہترین خطیب تھے، حمزۃ الاکبر، ابراہیم اور فضل۔

فضل کے تین فرزند تھے: جعفر، عباس اکبر، محمد۔

حمزۃ الاکبر کی نسل میں بہت سے صاحبان علم و فضل و کمالات و کرامات گذرے ہیں جن میں مشہور و معروف شخصیت جناب حمزہ بن قاسم بن علی بن حمزۃ الاکبر کی ہے، جن کا مزار حلہ کے قریب ہے۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ کے بیان کے مطابق حضرت علی کی ۲۷ اولادیں تھیں اور بعض مورخین ۳۶ اولاد بتاتے ہیں جن میں اٹھارہ لڑکے اور اٹھارہ لڑکیاں تھیں۔ فرماتے ہیں کہ واقعہ کربلا میں جو حیات تھے امام حسینؑ کے ساتھ جنگ میں شامل تھے اور شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔ اسی طرح بیٹیاں بھی حضرت

زینبؑ کے ساتھ اسیر ہوئیں۔

سایۂ مخلصین سے جدائی

حضرت علیؑ کے والد بزرگوار جناب ابوطالب نے ۱۰ بعثت میں انتقال فرمایا اور اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد جناب خدیجۃالکبریٰ زوجہ رسول کا بھی انتقال ہوگیا جس کی وجہ سے رسول خداؐ اور حضرت علیؑ بہت غمگین ہوئے نوحہ پڑھا اور گریہ کیا پھر مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے مستقل قیام مدینہ ہوئے۔۲۵/ذی قعدہ ۱۰ ہجری کو آخری حج کے لئے رسول خداؐ کے ہمراہ علیؑ روانہ ہوئے اور حج سے فراغت کے بعد مقام غدیر پہنچتے ہی حکم خدا سے ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب کے سامنے رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو اپنا وصی و جانشین مقرر کیا اور واپس مدینہ آ گئے۔آپؐ کی وہ علالت جو بروایت مشکوٰۃ خیبر میں دیئے ہوئے زہر کی وجہ سے ابھرا کرتی تھی پھر اُبھر آئی اور رسول خداؐ نے ۲۸/صفر ۱۱ ھ میں یوم دوشنبہ انتقال فرمایا جس کا اثر حضرت فاطمہ زہراؑ اور حضرت علیؑ دونوں پر بہت ہوا۔ابھی غم سے ابھرے بھی نہ تھے کہ دشمنان رسولؐ نے حکومت کی لالچ میں آل محمدؐ پر ظلم و ستم شروع کردئے غرض ۷۵ دن کے بعد ۳ جمادی الثانیہ ۱۱ ھ کو بنت پیغمبر حضرت فاطمہؑ کی وفات ہوئی اور ان کے ساتھ ہی شکم مادر میں محسن بھی شہید ہو گئے۔

حضرت علیؑ کا خطبہ و گوشہ نشینی

رسول خدا محمد مصطفیؐ کے انتقال کے جب مصائب و آلام کی چکی کے دنوں پاٹ کے بیچ حضرت علیؑ آ گئے تب انہوں نے لوگوں کے سامنے اپنے خطبات میں اپنے حالات زندگی پر روشنی ڈالی تفصیل سے ملاحظہ ہو۔

کتاب نہج البلاغہ میں درج ہے:

> ''بزرگان اصحاب محمدؐ نے جو حافظ (قرآن وسنت نبوی تھے) جان لیا تھا کہ میں کبھی ایک ساعت کے لئے بھی فرمان خدا و رسول سے دور نہیں ہوا اور پیغمبر اکرمؐ کی خاطر کبھی اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی۔جب دلیروں نے راہ فرار اختیار کی اور بڑے بڑے پہلوان، پیچھے ہٹ گئے، اس شجاعت اور جوانمردی کے باعث جو خدا نے مجھے عطا کی ہے میں نے جنگ کی۔اور رسول خدا کی قبض روح

اس حالت میں ہوئی کہ آپ کا سر مبارک میرے زانو پر تھا۔ان کی جان میرے ہی ہاتھوں پر بدن سے جدا ہوئی چنانچہ (بہ نیت تبرک ویمن) میں نے اپنے ہاتھ (روح نکلنے کے بعد) اپنے چہرے پر ملے۔ میں نے ہی آنحضرت کے جسد اطہر کو غسل دیا اور فرشتوں نے (اس کام میں) میری مدد کی۔ پس بیت نبوی اور اس کے اطراف سے گریہ وزاری کی صدا بلند ہوئی۔فرشتوں کا ایک گروہ جاتا تھا تو دوسرا آجاتا تھا۔ان کی نماز جنازہ کا ہمہمہ میرے کانوں سے جدا نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کو آخری آرام گاہ میں رکھ دیا گیا۔پس آنحضرتؐ کی حیات وممات میں ان سے میرے مقابلہ میں کون سزاوار تھا۔''(۱)

رسولؐ خدا کے انتقال کا صدمہ ابھی کم نہ ہوا تھا کہ بنت پیغمبرؐ اسلام دشمن ملعونوں کے ظلم کا اور شہادت کا درجہ حاصل کیا۔حضرت علیؑ نے پردۂ شب میں اپنی زوجہ کو ان کی وصیت کے مطابق سپرد خاک کیا اور زمین کو مخاطب کر کے فرمایا:

یَاارُضُ اَسُتَوُدِعُکِ وَدِیُعَتِیُ ھَذَا بِنُتَ رَسُوُلِ اللّٰہِ

اے زمین میں اپنی امانت تیرے سپرد کر رہاہوں،اے زمین یہ رسولؐ کی بیٹی ہیں ۔

زمین نے جواب دیا:

یَاعَلِیُّ اَنَا اَرُفَقُ بِھَا مِنُکَ

اے علی آپ گھبرائیں نہیں میں آپ سے زیادہ نرمی کروں گی۔(۲)

حضرت فاطمہؑ کو سپرد خاک کرنے کے بعد رسول خداؐ کو مخاطب کر کے کہا:

یارسول اللہؐ! آپ کو میری جانب سے اور آپ کے پڑوس میں اترنے والی اور آپ سے جلد ملحق ہونے والی آپ کی بیٹی کی طرف سے سلام ہو۔ یا رسول اللہؐ! آپ کی برگزیدہ بیٹی کی رحلت سے میرا صبر وشکیب جاتا رہا۔میری ہمت وتوانائی نے ساتھ چھوڑ دیا۔لیکن آپ کی مفارقت کے حادثۂ عظمیٰ اور آپ کی رحلت کے

(۱) ترجمہ نہج البلاغہ، رئیس احمد جعفری، ج/۱،ص/۱۲۰۰ طبع لاہور (۲) مودۃ القربیٰ،ص/۱۲۹

صدمہ جانکاہ پرصبر کر لینے کے بعد مجھے اس مصیبت پر بھی صبر وشکیبائی ہی سے کام لینا پڑے گا۔ جب کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے آپ کو قبر کی لحد میں اتارا اور اس عالم میں آپ کی روح نے پرواز کی کہ آپ کا سر میری گردن اور سینے کے درمیان رکھا ہوا تھا۔(اِنَّـا لِـلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ)اب یہ امانت پلٹائی گئی۔گروی رکھی ہوئی چیز چھڑائی گئی۔لیکن میرا غم بے پایاں اور میری راتیں بے خواب رہیں گی۔ یہاں تک کہ خداوند عالم میرے لیے بھی اسی گھر کو منتخب کرے۔جس میں آپ رونق افروز ہیں(یارسول اللہ)وہ وقت آ گیا کہ آپ کی بیٹی آپ کو بتائیں کہ کس طرح آپ کی امت نے ان پر ظلم ڈھانے کے لئے ایکا کرلیا۔آپ ان سے پورے طور پر پوچھیں اور تمام احوال وواردات دریافت کریں۔یہ ساری مصیبت ان پر بیت گئیں، حالانکہ آپ کو گذرے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور نہ آپ کے تذکروں سے زبانیں بند ہوئی تھیں۔آپ دونوں پر میرا اسلام رخصتی ہو یہ ایسا سلام جو کسی ملول ودل تنگ کی طرف سے ہوتا ہے۔ان اگر میں (اس جگہ سے)پلٹ جاؤں تو اس لیے نہیں کہ آپ سے میرا دل بھر گیا ہے اور اگر ٹھہرا رہوں تو اس لئے نہیں کہ میں اس وعدہ سے بدظن ہوں جو اللہ نے صبر کرنے والے والوں سے کیا ہے۔''(۱)

حضرت علیؑ کے ان خطبوں کو پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کو رسول خداؐ اور اپنی زوجہ حضرت فاطمہؑ کی جدائی کا کتنا غم تھا جس کو نہ لکھا جا سکتا ہے نہ بیان کیا جا سکتا ہے۔مختصر یہ کہ یہ غم ایک ایسا غم تھا جو رسولؐ، فاطمہ زہراؑ اور علیؑ کے دلوں میں ایک ہی رفتار سے پنہاں تھا جس کی ہر دھڑکن ایک ساتھ سب کے دلوں میں دھڑکتی تھی کیوں نہ ہو آخر یہ سب خدا کے ایک ہی نور کے تو بندے ہیں۔

اس کے بعد کے حالات کو دیکھتے ہوئے حضرت علیؑ نے فیصلہ کیا کہ دشمنان آل محمدؐ کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ انہیں خلافت یا حکومت کی کوئی خواہش نہ تھی بس اپنے حتی المقدور موجودہ صورت حال

(۱) نہج البلاغہ، مترجم مفتی جعفر حسین، ج/۲،ص/۲۴۳،طبع لاہور

میں بھی اسلام کی ملکی وغیر ملکی خدمت کرتے رہنا چاہئے۔ان سب حالات کے پیش آنے کے لئے رسول خداؐ نے پہلے ہی خبر کر دی تھی۔

رسول کریمؐ نے فرمایا تھا:

''اے علیؑ میرے بعد تم کو سخت صدمات پہنچیں گے تمہیں چاہئے کہ اس وقت تم دل تنگ نہ ہو اور صبر کا طریقہ اختیار کرو اور جب دیکھنا کہ میرے صحابہ نے دنیا اختیار کر لی ہے تو تم آخرت اختیار کئے رہنا۔''(۱)

رسول خداؐ کی پیشین گوئی کو یاد رکھتے ہوئے حضرت علیؑ نے تمام مصائب وآلام نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کئے مگر تلوار نہیں اٹھائی۔قریب چوبیس (۲۴) سال تک گوشہ نشینی کے عالم میں رہے اور مسلمان یکے بعد دیگرے حکام سازی کرتے رہے اور کسی موقع پر بھی صحیح معنوں میں حضرت علیؑ کا حق ادا نہیں کیا گیا۔ ۔لیکن اس کے باوجود آپ نے کوئی انتقامی کاروائی نہیں کی بلکہ برابر حکام وقت کی مدد کرتے رہے اور انہیں نیک مشورے دیتے رہے اور کسی ایسے اقدام میں کوتاہی نہیں کی جس میں اسلام اور امت اسلامیہ کی بھلائی ہو یا جس میں شریک نہ ہونے سے اسلام کی رسوائی کا خطرہ ہو۔اپنی گوشہ نشینی کے اوقات میں عبادت کے بعد اہل بیت رسول کو تربیت کرتے تھے اور اسی دور میں قرآن مجید کو مکمل طور پر جمع کیا جسے ابوبکر نے قبول نہیں کیا۔اس کے بعد بھی وہ اپنے مشوروں سے اسلام کی جڑوں کو مضبوط فرماتے رہے۔

اسلام کی مدد میں خلفاء کرام کو علیؑ کے مشورے

حضرت علیؑ نے کہنے کو تو گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی لیکن انہیں زمانہ کے حالات کی سب خبر ملتی رہتی تھی جب کوئی ایسا مسئلہ درپیش آتا جو خلفاء کی علمی قوت حل سے باہر ہو تو حضرت علیؑ کو یاد کیا جاتا،اس کی کچھ مثالیں پیش ہیں۔

(۱) قیصر روم نے خلیفہ دوم سے سوال کیا کہ آپ کے قرآن میں کونسا ایسا سورہ ہے جو صرف سات آیتوں پر مشتمل ہے اور اس میں سات حروف تہجی نہیں ہیں؟

---

(۱) روضۃ الاحباب،ج/۱،ص/۵۵۹،مدارج النبوۃ،ج/۲،ص/۵۱۱

اس سوال کا جواب کوئی نہ دے سکا۔تمام عالم اسلام میں ہلچل مچ گئی۔حفاظ نے بہت غور وفکر کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔حضرت عمر نے حضرت علیؑ کو بلوایا اور یہ سوال ان کے سامنے رکھا۔آپ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ وہ ''سورۂ حمد'' ہے۔اس سورہ میں سات آیتیں ہیں اور اس میں ث، ج، خ، ز، ش، ظ، ف نہیں ہیں۔

(۲) یہودیوں کے بڑے علماء نے خلیفہ دوم سے اصحاب کہف کے بارے میں چند سوالات کئے آپ جواب نہ دے سکے لہٰذا آپ نے حضرت علیؑ کی طرف رجوع کیا۔حضرت علیؑ نے ایسے جوابات دیئے کہ علماء یہود پورے طور پر مطمئن ہو گئے۔

(۳) عہد اول میں نیز عہد ثانی کی ابتداء میں شراب پینے پر چالیس (۴۰) کوڑے مارے جاتے تھے۔حضرت عمر نے یہ دیکھ کر کہ اس حد سے رعب نہیں جمتا اور لوگ کثرت سے شراب پی رہے ہیں۔کیا کیا جائے جو اسلام کی رو سے کنٹرول ہو سکے لہٰذا حضرت علیؑ سے مشورہ کیا آپ نے فرمایا کہ چالیس کی جگہ اسی کوڑے مارے جائیں۔اس کیلئے دلیل یہ پیش کی کہ جو شراب پیتا ہے نشہ میں ہوتا ہے۔اور جس میں نشہ ہوتا ہے وہ ہذیان بکتا ہے اور جو ہذیان بکتا ہے وہ افترٰی کرتا ہے ''علی المفتری ثمانون ''یعنی افترا کرنے والے کی سزا اسی کوڑے ہیں۔لہٰذا شرابی کو بھی اسی کوڑے مارے جانے چاہئے۔حضرت عمر نے اسے تسلیم کر لیا۔

(۴) ایک حاملہ عورت نے زنا کیا حضرت عمر نے حکم دیا اسے سنگسار کیا جائے۔جب حضرت علیؑ نے سنا تو فرمایا کہ زنا عورت نے کیا ہے۔لیکن بچہ جو اس کے شکم میں ہے، وہ بے قصور ہے لہٰذا عورت پر اسی وقت حد جاری کی جائے جب وضع حمل ہو چکے۔

حضرت عمر نے تسلیم کر لیا اور ساتھ ہی ساتھ کہا: ''لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَکَ عُمَرُ''(۱)

(۵) جنگ روم و ایران میں جانے کے متعلق حضرت عمر نے حضرت علیؑ سے مشورہ کیا تو حضرت علیؑ ہی نے مفید مشورہ دیا کہ جانا مناسب نہیں ہے۔جس کو حضرت عمر نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا اور جانا ترک کر دیا جس کے نتائج جان کر حضرت عمر خوش ہوئے۔

(۶) جنگ فارس میں بھی خود شریک جنگ ہونے کے متعلق حضرت علیؑ سے مشورہ لیا۔مورخین کا اتفاق ہے کہ

---

(۱) مطالب السئول، ص/۱۰۴

حضرت علیؑ نے حضرت عمر کو جنگ میں جانے سے روکا اور فرمایا کہ اگر آپ شہید ہو جائیں گے تو کسر شان اسلام ہوگی........الخ

(۷) مورخین کا لکھنا ہے کہ حضرت علیؑ کے مشورہ سے زمین کی پیمائش کی گئی اور مال گذاری کا طریقہ رائج کیا گیا۔

(۸) آپ ہی کے مشورے سے سنہ ہجری قائم ہوا۔

عبیداللہ امرتسری لکھتے ہیں کہ:

تمام مورخین متفق ہیں کہ اسلام میں حضرت عمر سے زیادہ کوئی خلیفہ مدبر پیدا نہیں ہوا۔ اس کے خاص وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر ہر باب میں حضرت علیؑ سے مشورہ لیتے تھے۔(۱)

مسٹر امیر علی لکھتے ہیں کہ:

حضرت عمر کے عہد حکومت میں جتنے کام رفاہ عام کے ہوئے ہیں وہ سب حضرت علیؑ کی صلاح ومشورہ سے عمل میں آئے۔(۲)

تاریخ گواہ ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت عثمان کو بھی اپنے مشورے دیئے ان مشوروں میں انہوں نے کچھ مانے، کچھ نہیں بھی مانے جس کی وجہ سے انہیں حوادث کا سامنا کرنا پڑا۔ جن پر وہ بھروسہ کرتے تھے وہی ان کی موت کی وجہ بنے۔ اگر وہ حضرت علیؑ کے مشوروں پر عمل کرتے تو اس طرح قتل نہ ہوتے اور حکومت میں ان کے خلاف اتنی بغاوت نہ ہوتی۔ ذیل میں حضرت عثمان کی خلافت ووفات کے مختصر حالات پیش ہیں۔

حضرت عثمان کی خلافت اور وفات

مورخین کے مطابق پہلے اور دوسرے خلیفہ کے قتل کے بعد مسئلہ خلافت پھر زیر بحث لایا گیا کچھ معتمد اشخاص (حضرت عمر کی بنائی ممبر شوریٰ کے ممبر) حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا کہ''

اگر آپ سیرت شیخین پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ کیجئے۔ تو آپ کو خلیفہ بنا دیا جائے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا:

میں خدا اور رسولؐ اور اپنی صائب رائے پر عمل کروں گا۔ لیکن شیخین پر عمل نہیں کرسکتا۔(۳)

---

(۱) ارجح المطالب، ص/۲۲۷ (۲) تاریخ اسلام، مسٹر امیر علی (۳) طبری، ج/۵، ص/۳۷، شرح فقہ اکبر، ص/۸۰

حضرت علیؑ کے اس جواب کو سن کر ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا اور حضرت عثمان کو اپنا خلیفہ بنا لیا۔

حضرت عثمان جو ایک عرصہ سے اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے بے چین تھے بڑی خوشی سے تیار ہو گئے اور خلیفہ بنتے ہی اپنے خواب کو پورا کرنے میں لگ گئے مثلاً......

(۱) اقربا نوازی کرنا (۲) خویش پروری کرنا (۳) بڑے بڑے اصحاب رسولؐ کو جلاوطن کرنا

(۴) بیت المال کے مال میں سے بے جا تصرّف کرنا (۵) اپنی لڑکی کے لئے محل تعمیر کروانا

(۶) مروان بن حکم کو اپنا داماد اور وزیر اعظم بنانا جب کہ رسولؐ اللہ اسے شہر بدر کر چکے تھے اور شیخین نے رسولؐ کے بعد بھی کبھی مدینہ میں داخل نہ ہونے دیا تھا۔

(۷) اسی داماد کے حوالے فدک کر دینا (۸) بعض معزز اصحاب کو پٹوانا

(۹) سب سے بڑھ کر اس نے ''گذرے عہد میں جو قرآن رائج تھے انہیں جمع کر کے جلوانے کا کام کیا۔(۱)

جن اصحاب نے اپنے قرآن نہ دیئے انہیں مسجد میں اتنا پٹوایا کہ پسلیاں ٹوٹ گئیں۔

تواریخ میں ہے کہ رسولؐ خدا کے بعد پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر کو قتل کرنے کی پوری سازش کی اور ان کی صاحب زادی حضرت عائشہ کا وظیفہ بند کروا دیا۔ جس کی وجہ سے حضرت عائشہ ان سے بہت ناراض رہتی تھیں اور انہوں نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ

''اقتلوا نعثلا'' اس لمبی ڈاڑھی والے کو قتل کر دو۔(۲)

غرض حضرت عثمان کے دشمنوں کی تعداد بھی کم نہ تھی۔ ان کا آخری دور بڑی بے اطمینانی اور کشمکش میں گذرا، مسلمانوں کو ان سے شکایتیں پیدا ہونے لگیں اور آخری اقدامات کی حد تک پہنچ گئیں۔ حضرت علیؑ نے ان اقدامات کو تقویت پہنچانے کے بجائے پوری کوشش کے ساتھ ان کو روکنے کی کوشش فرمائی اور کئی مرتبہ بیچ میں پڑ کر صلح کرائی مخالف جماعت کے شکایات دور کرائے اور اسے سمجھا بجھا کر منتشر کیا۔

مگر (مروان) جو اس وقت وزیر تھا۔ اس کی زیادتیوں نے بڑھ کر حضرت عثمان کے مکان کا محاصرہ کر

---

(۱) تاریخ القرآن، ص/۳۶، طبع جدہ

(۲) روضۃ الاحباب، ج/۳، ص/۲۰۔۲۱، مجمع البحار، ص/۲/۳۷۴، نہایۃ ابن کثیر، ص/۱۶۶

لیااوراس میں پانی تک جانے کی پابندی لگادی تو حضرت علیؑ نے حسنؑ وحسینؑ اپنے دونوں فرزندوں کو کچھ مشکوں کے ساتھ روانہ کیااوران دونوں صاحبزادوں نے اپنے کوخطرہ میں ڈال کر پانی قصرحکومت کے اندر پہنچایا۔

بہرحال نظم حکومت کا پیمانہ لبریز تھااور پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔

حملہ آور جماعت نے دارالحکومت کی سرزمین کوخلیفہ کے خون سے رنگین کردیا۔حیرت کا امر ہے کہ اتنا بڑامسلم اکثریت کامسلم الثبوت فرماں رواخوداپنے دارالسلطنت میں ایک مہینہ انیس دن قیدرہااورآخرتلوار کے گھاٹ اتاردیا گیااورتعجب کی یہ بات ہے کہ لاش بھی تین دن تک بے گوروکفن پڑی رہی۔

آپ کے جنازہ پرحضرت علیؑ مدینہ میں ہونے کے باوجودنماز جنازہ نہیں پڑھ سکے۔آپ کی لاش کوڑے پرڈال دی گئی اورکتوں نے ایک ٹانگ کھالی۔(۱)

الغرض آپ ۱۸/ذی الحجہ ۳۵ھ یوم جمعہ ۸۸/سال کی عمر میں قتل ہوکر یہودیوں کے قبرستان (حبس کوکب) میں دفن ہوئے۔

قتل عثمان کے موقع پرحضرت عائشہ مکہ میں تھیں۔انہوں نے باربارمسلمانوں کوان کے قتل پرآمادہ کیا تھا کہ وہ سنت رسولؐ کوتباہ وبربادکررہے ہیں۔ان کا خیال تھا کہ ان کے قتل کے بعد خلافت طلحہ یازبیرکومل جائے گی۔لیکن جب انہیں مکہ سے واپسی پرراستہ میں یہ معلوم ہوا کہ خلافت علیؑ کومل گئی ہے تو فوراً اپنا نعرہ تبدیل کردیااورفرمایاعثمان مظلوم مارے گئے ہیں اوران کے خون کا انتقام ضروری ہے۔اوراس قتل کا ذمہ دار علیؑ کوٹھہرایا۔ان سے جنگ کی تیاریاں شروع کردیں۔

۲۳ھ میں جب عثمان خلیفہ ہوئے تو چونکہ وہ خاندان بنی امیہ کی ایک فرد تھےابوسفیان وغیرہ سمجھے کہ ہماری بن آئی بہت خوش ہوئے۔

> ابوسفیان ان کے پاس آیا۔وہ اس وقت بہت بوڑھا تھااورآنکھوں سے بھی معذورت ہو چکا تھا۔اس نے کہا بڑی مدت کے انتظار کے بعداب یہ خلافت تم تک پہنچی ہے اب اس کوگیند کی طرح اپنی مرضی کے مطابق گردش دواور بنی امیہ

---

(۱) تاریخ اعثم کوفی

کے ذریعہ سے اس کی بنیادوں کو مضبوط کرو۔اس لئے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیاوی سلطنت ہے۔رہ گیا جنت ودوزخ اس کو میں سمجھتا نہیں۔(۱)

چنانچہ ابوسفیان کے خاندان والوں نے اس خلافت سے خوب فائدہ اٹھایا اور کوئی شک نہیں کہ ابوسفیان نے اپنے دنیوی خوابوں کی تعبیر اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ ۳۱ھ تک دمشق اور شرق اردن کے ساتھ ساتھ حمص، قنسرین، فلسطین بھی معاویہ کے زیر نگیں ہو گئے اور بلاشرکت غیرے پورے ملک پر قابض قرار دے دئے گئے۔(۲)

اسی ۳۱ھ میں ابوسفیان بن حرب ۸۸؍برس کی عمر میں رہ سپار عالم آخرت ہوئے۔(۳)

ابوسفیان نے عثمان کو خلافت حاصل کرنے کے بعد جو مشورہ دیا تھا اسی پر عمل کرنے سے ان کی جان گئی۔ حضرت علیؑ نے ان سے سب سے پہلی ملاقات میں ہی اس دور کے ان حالات کے لئے آگاہ کر دیا تھا کہ

آپ اپنے قرابتداروں کے ساتھ غیر معمولی مراعاتیں برتتے ہیں۔ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کرتے ہیں۔انتہا یہ ہے کہ معاویہ بغیر آپ کی مرضی کے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور لوگوں سے کہتا ہے کہ عثمان کا حکم ہے۔آپ کو اس کا علم ہوتا ہے اور پھر بھی آپ معاویہ کو اس پر کوئی تنبیہ نہیں کرتے۔(۴)

غالباً اسی کا نتیجہ تھا کہ جب ان کا محاصرہ ہوا اور انہوں نے معاویہ کو مدد کے لئے لکھا تو معاویہ نے اپنی جگہ سے کوئی جنبش نہیں کی بلکہ نتیجہ کے منتظر ہو گئے۔(۵)

جب قصر حکومت کا محاصرہ ہو گیا تو وہ فلسطین جا کر اپنی کوششوں کے انتظار میں بیٹھ گئے اور ہر آنے والے سے مدینہ کا حال بڑی بیتابی سے دریافت کرتے تھے یہاں تک کہ جب قتل عثمان کی خبر ملی تو کہا: ''کیا کہنا میرا! یہ تو میری ہی کوشش کا نتیجہ ہے۔''(۶)

یہ قتل عمرو عاص کے ذریعہ ہوا تھا۔اس کے بعد ہی عمرو عاص معاویہ کے دست راست بنے اور بڑے مناصب حاصل کئے۔انہوں نے خود ایک موقع پر معاویہ سے صاف کہہ دیا کہ اگر حقانیت سامنے ہوتی تو ہم

(۱) استیعاب (۲) طبری، ج/۵، ص/۶۵ (۳) طبری، ج/۵، ص/۷۰ (۴) طبری، ج/۵، ص/۹۷
(۵) طبری، ج/۵، ص/۱۱۰ (۶) طبری، ج/۵، ص/۱۰۸

تمہارا ساتھ ہی کیوں دیتے۔علیؑ کا ساتھ نہ دیتے جن کے اسلامی خدمات فضیلت اور رسولؐ سے قرابت سب ہی کو معلوم ہے۔مگر ہمارے پیش نظر تو دنیا ہے۔اسی لئے تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔

آل ابوسفیان (معاویہ) نے شام میں حکومت قائم کرنے کے بعد ابتداء ہی سے اپنی سیاسی روش شاہانہ رکھی۔کوئی سیاح اگر ممالک اسلامیہ کا سفر کر کے اسلامی سادگی اور مساوات کی مثالیں دیکھ چکا ہوتا اور اب پھر شام جا کر وہاں کے تزک واحتشام کا مشاہدہ کرتا تو وہ حیرت واستعجاب کی ایک دنیا میں جا کر چکر لگانے لگتا۔وہ سادگی جو اسلامی زندگی کا طرۂ امتیاز تھی وہاں نام ونشان کو بھی نہ تھی۔ بلکہ رسولؐ خدا نے جو اسلام کے اصول قدر قیمت اور معیار وعظمت کو قائم کیا تھا۔وہ فنا کے قریب تھا۔ایک مثال پیش ہے۔

عبدالرحمٰن بن سہل انصاری تیسری خلافت کے دور میں ایک جہاد کے سلسلہ میں شام کی طرف گئے تو انہوں نے دیکھا کہ اونٹوں پر شراب کی مشکیں بھری ہوئی جا رہی ہیں۔وہ آگے بڑھے اور انہوں نے اپنے نیزہ سے ان مشکوں کو چاک کر دیا۔غلاموں نے مزاحمت کی اور یہ خبر معاویہ کو پہنچائی۔انہوں نے کہا چھوڑ واس بڈھے کو اس کی عقل جاتی رہی ہے۔عبدالرحمٰن نے کہا میری عقل نہیں گئی ہے مگر رسولؐ خدا نے ہم کو ممانعت فرمائی ہے کہ شراب ہمارے شکموں میں اور ہمارے ظروف میں داخل نہ ہو۔(۱)

معاویہ کی ان ہی باتوں کی وجہ سے رسول خدا کے سن رسیدہ اصحاب اس کو پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ معاویہ اہل شام کی ایک جماعت کے ساتھ جب کہ وہ مکہ معظّمہ حج کو گئے ہوئے تھے صبح سویرے سعد بن ابی وقاص کی طرف سے گذرے۔انہیں سلام کیا مگر سعد نے جواب نہیں دیا۔معاویہ نے اپنی خفت مٹانے کو اپنے ساتھ والوں سے کہا کہ یہ سعد ہیں حضرت رسولؐ خدا کے صحابی۔ان کا اصول ہے کہ یہ سورج طلوع ہونے تک کسی سے بات نہیں کرتے۔سعد کو یہ خبر معلوم ہوئی کہا: اس کی کوئی اصلیت نہیں مگر بخدا میں نے اس سے بات کرنا پسند نہیں کی۔(۲)

معاویہ کا ذکر تیسرے خلیفہ کے دور واقعات میں ہونا ضروری تھا کیونکہ جس طرح عثمان اسلام کے خلاف عمل کر رہے تھے اسی طرح ان کے اقرباء بھی حاکم وقت بن کر رسول خداؐ کے بتائے ہوئے اصولوں کی

(۱) اصابہ، ج/۲،ص/۴۰۱، اسد الغابہ، ج/۳،ص/ ۲۹۹ (۲) الوزراء والکتاب،ص/ ۲۶

خلاف ورزیاں کر رہے تھے اور جو مسلمان اسلام کے اصولوں پر کار بند تھے وہ ہر وقت ان کے عتاب سے ڈرے سہمے رہتے تھے۔معاویہ نے عوام کو حضرت علیؑ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔

معاویہ نے شام والوں کو حضرت علیؑ بن ابی طالب کے خلاف اس غلط تہمت کو ان کے ذہن نشین کر کے پورے طور پر مشتعل کر دیا۔مسجد جامع دمشق میں ماتمی جلسے کئے گئے۔مقتول خلیفہ کا خون بھرا کرتا منبر پر ڈال دیا گیا اور عالم یہ تھا کہ پچاس ساٹھ ہزار کا مجمع اسے دیکھ دیکھ کر نالہ وزاری کرتا اور اس جوش رقت میں ان سے کہا جاتا تھا کہ اب تمہیں علیؑ سے اس خون کا بدلا لینا ہے۔(۱)

اس کا اثر پورے ملک شام میں ہونے لگا تھا۔حضرت علیؑ کے خلاف فوجی بغاوت کرنے والا صفین کا بڑا لشکر اس اثر کا ثبوت ہے۔

حضرت علیؑ کی خلافت

رسول خدا کے انتقال کے بعد حضرت علیؑ نے ۲۴؍سال اور قریب ۳ ماہ کی مدت گوشہ نشینی کے عالم میں گذاری۔اس کے بعد ۱۸؍ذی الحجہ ۳۵ھ کو لوگوں کے بہت احتجاج پر خلافت کی ذمہ داری قبول فرمائی اور ۲۵؍ذی الحجہ ۳۵ھ کو بیعت عامہ عمل میں آئی۔

رسولؐ خدا کے انتقال کے بعد سے حضرت علیؑ میدان جنگ سے بالکل علیحدہ رہتے تھے اور خاموشی سے زندگی گذار رہے تھے لیکن جب کسی علمی مسئلہ میں کسی مہم کے متعلق مشورہ میں کسی مقدمہ کے فیصلہ میں ان کی ضرورت پڑ جاتی تھی اور ان سے امداد کی خواہش کی جاتی۔تو وہ فوراً بلا عذر امداد کرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔

یہ جذبات عام انسانوں کے رویہ سے بالکل مختلف تھے کیونکہ عام انسان اگر اس کے منصب کے حصول سے جس کا وہ حقدار ہو محروم کر دیا جائے تو وہ ان متعلقہ افراد سے خفا ہو جائے گا اور اگر اس منصب سے متعلق معاملات میں اس سے مدد طلب کی جائے۔تو وہ اپنی دلی رنجش کی بنا پر تعاون سے انکار کر دے گا۔لیکن یہ اہل بیتؑ جن کی ہر فرد کے سامنے رسولؐ خدا کی مثالیں موجود ہیں ہر فرد رسول خداؐ کے نقش قدم پر چلتا ہوا نظر آئے گا۔

''حضرت علیؑ نے اسی طرح چشم پوشی کی جس طرح کفر کے پلٹ آنے کے خوف سے حضرت رسول

(۱) طبری، ج/۵، ص/۱۶۳

کریمؐ منافقوں اور مولفۃ القلوب کے ساتھ کرتے تھے۔''(۱)

آنحضرت منافقوں کے ساتھ اس لئے جنگ نہیں کرتے تھے کہ لوگ کہنے لگیں گے کہ محمدؐ نے اپنے اصحاب کو قتل کر ڈالا۔(۲)

رسول خداؐ کا فرمان تھا کہ ہم چاہے مسلمانوں کے معاملات سے کتنے ہی غیر متعلق کر دئے جائیں مگر ہمیں کبھی اپنے کو غیر متعلق نہیں سمجھنا چاہئے اور ہمیں ہر اس موقع کا منتظر رہنا چاہئے کہ جس وقت ہمارے ذریعہ سے اسلامی مفاد کو حقیقی فائدہ پہنچ سکتا ہو، ہر موقع پر فوراً ہمیں اپنے فرض کو انجام دینا چاہیئے اور اسلام کی خدمت کو اپنا نصب العین سمجھنا چاہئے۔اس لئے حضرت علیؑ بھی رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر چل رہے تھے۔

رسول خداؐ کے انتقال کے بعد خلاف کے حقدار حضرت علیؑ ہی تھے اگر وہ چاہتے تو جنگ کے زور پر بھی خلافت حاصل کر سکتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ میری جنگ سے اسلام منزل اول ہی میں ختم ہو جائے گا اس لئے انہوں نے فرمایا کہ:

خدا کی قسم میں نے اس وقت کا بہت زیادہ خیال رکھا جب رسول خداؐ نے مجھ سے عہد خاموشی وصبر لے لیا تھا۔(۳)

حضرت علیؑ کی ایک تقریر جس کا ترجمہ اعثم کوفی اردو طبع دہلی سے نقل کر کے کیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

خدائے جلیل کی قسم اگر محمد رسول اللہؐ ہم سے عہد نہ لے لیتے اور ہم کو اس امر سے مطلع نہ کر چکے ہوتے جو ہونے والا تھا تو میں اپنا حق کبھی نہ چھوڑتا۔اور کسی شخص کو اپنا حق نہ لینے دیتا۔اپنے حق کے حاصل کرنے کے لئے اس قدر کوشش بلیغ کرتا کہ حصول مطلب سے پہلے معرض ہلاکت میں پڑنے کا بھی خیال نہ کرتا۔(۴)

حضرت علیؑ نے رسول خداؐ کے انتقال کے بعد گوشہ نشینی کے عالم میں بھی اپنے فرائض سے غفلت نہ کی اور اپنے ذاتی جذبات کو کبھی بھی خدا اور رسولؐ کے احکام سے زیادہ نہ سمجھا یہاں تک کہ دیکھا گیا ہے کہ جنگ خندق میں عمرو بن عبدود نے جو آپ کے چہرے مبارک کے ساتھ لعاب دہن سے بے ادبی کی تھی اور آپ کو غصہ آ گیا

---

(۱) فتح الباری شرح بخاری، ج/۴،ص/۲۰۴ (۲) کنز العمال، ج/۶،ص/۳۳

(۳-۴) تاریخ اعثم کوفی، اردو، طبع دہلی، ص/۸۳

تھا تو آپ سب اس کے سینے سے اتر آئے تھے تا کہ کارخدا میں اپنا ذاتی غصہ شامل نہ ہو جائے۔یہی وجہ تھی کہ آپ کچھ سمجھتے ہوئے بھی، تحفظ و وقار اسلام کی خاطر خلفاء کو اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔تیسرے خلیفہ کے انتخاب کے موقع پر ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ تخت حکومت کو حاصل کر سکتے تھے کیونکہ خلیفہ دوم نے اپنے انتقال کے وقت چھ آدمیوں کی کمیٹی مقرر کر کے خلافت کو ان میں منحصر کر دیا تھا ان میں سے ایک حضرت علیؑ بھی تھے۔کمیٹی کے کل ممبران حضرت علیؑ کی خلافت کے حق میں تھے۔

تمام دوسرے ارکان حضرت علیؑ کو خلافت کے منصب پر نامزد کرنے کے لئے تیار تھے۔بشرطیکہ آپ کتاب اور سنت کے علاوہ شیخین (ابوبکر وعمر) کی سیرت پر عمل کا بھی عہد کریں۔(۱)

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں خدا اور رسولؐ اور اپنی صائب رائے پر عمل کروں گا۔لیکن سیرت شیخین پر عمل نہیں کر سکتا وہ اس قابل نہیں ہیں۔

اس طرح جب حضرت عثمان قتل کر دئے گئے تو پھر مسئلہ خلافت زیر بحث لایا گیا۔اور اصحاب اس نتیجہ پر پہنچے کہ تخت خلافت حضرت علیؑ کو بلا شرط اب حوالہ کر دینا چاہئے۔چنانچہ اصحاب کا ایک بڑا گروہ حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خلافت اسلامی کی ذمہ داری کو سنبھالنے کی درخواست کی۔یہ بات حیرت میں ڈالنے والی تھی کہ حضرت علیؑ باوجودیکہ اس کے پہلے ہمیشہ خلق خدا کی ہدایت اور ان کے نظم و نسق کی اصلاح کے لئے بے چین اور خلافت رسولؐ کے لئے اپنے استحقاق کا اعلان فرماتے رہے تھے۔آج مسلمانوں کی اس متفقہ ملتجیانہ پیشکش کو مسترد فرمارہے تھے۔(۲)

حضرت علیؑ خوب جانتے تھے کہ اسلامی حکومت بڑی حد تک دنیاوی اقتدار سلطنت کے قالب میں ڈھل گئی ہے اور کسرویت و قیصریت کے آثار اس میں نمودار ہو گئے ہیں یہ چیز اس سادگی اور مساوات کی طرح نہ تھی جسے پیغمبر اسلامؐ نے دنیا میں پھیلایا تھا اور جس پر وہ نہایت سختی کے ساتھ عامل تھے۔اگر اس وقت حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی تو یا مجھے زمانہ کے ساتھ ساز باز کر کے چلنا پڑے گا جوان کا ضمیر اجازت نہیں دیتا۔یا میں زمانہ کے ساتھ جنگ کروں گا۔بے شک اگر میں ذمہ داری اپنے سر لے لوں تو مجھے ایسا ہی کرنا چاہئے مگر اس کا

---

(۱) طبری، ج/۵، ص/۴۰ (۲) طبری، ج/۵، ص/۱۵۲

نتیجہ یہ ہوگا کہ مملکت میں خلفشار رہے گا اور بحیثیت ایک حاکم کے میرا دور نا کامیاب سمجھا جائے گا۔اس لئے آپ نے بالکل انکار کر دیا۔مگر مسلمانوں کا اصرار اتمام حجّت کی صورت اختیار کر گیا وہ اسلام کی حقانیت کی ذمہ داری عائد کرنے لگے کہ دنیا آپ سے ہدایت واصلاح کی طلب گار ہے اور آپ اس سے گریز کرتے ہیں، ایک داعی حق کو یہ بھی زیبا نہیں ہے کہ وہ خلق خدا پر بے اعتمادی کی آڑ پکڑ کر ان کی درخواست کو ٹھکراتا رہے اور ان کی ہدایت کی ذمہ داری کو پورا کر کے ان پر حجت کو تمام نہ کرے۔

عائشہ حج سے واپس آرہی تھیں کہ انہیں قتل عثمان کی خبر ملی۔انہوں نے نہایت اشتیاق سے پوچھا کہ اب کون خلیفہ ہوا، کہا گیا کہ ''علیؑ'' یہ سن کر بالکل خاموش ہوئیں، عبداللہ بن سلمہ نے کہا کیا آپ عثمان کی مذّمت اور علیؑ کی تعریف نہیں کرتی تھیں۔اب ناخوشی کا سبب کیا ہے؟ فرمایا: آخر وقت میں اس نے توبہ کرلی تھی اب اس کا قصاص چاہتی ہوں۔ابن خلدون کا بیان ہے کہ عائشہ نے اعلان کرایا کہ:

> جوشخص اسلام کی ہمدردی کرنا اور خون عثمان کا بدلہ لینا چاہتا ہو اور اس کے پاس سواری نہ ہو وہ آئے اسے سواری دی جائے گی۔(۱)

حضرت علیؑ کے دور خلافت کا معرکہ

حضرت علیؑ کی بیعت کرنے والے دو فرقے تھے: ایک تو انہیں اپنا خلیفہ مانتا تھا دوسرا ظاہراً میں تو بیعت کرتا ہے لیکن دل سے ان کے خلاف تھا اور کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے بیعت کی ہی نہیں تھی جیسے، اسامہ بن زید، حسان بن ثابت، عبداللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ۔حضرت علیؑ جانتے تھے کہ ان کی بیعت نہ کرنے سے کچھ فرق نہ پڑے گا کیونکہ تمام مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے آپ کی بیعت مکمل ہو چکی تھی۔ہاں اگر وہ عملی طور سے مخالفت کرتے تو اسلامی نظام میں خلل پڑتا، تب حضرت علیؑ کوئی عمل کرتے۔اس لئے انہوں نے ضرورت نہ سمجھی۔بعض لوگوں کا مشورہ تھا کہ معاویہ کو اور جتنے عثمان کے زمانے کے مولوی اور حاکم ہیں ان کو بدستور رہنے دیا جائے (ان میں زیادہ تر ایسے افراد تھے جن کے باپ دادا یا عزیز اقرباء علیؑ کی تلوار سے موت کے گھاٹ اترے تھے اور وہ پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے کہ علیؑ کی خلافت میں ان کی حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔اگر قائم رہنا ہو تو علیؑ کے اصول اسلام پر چلنا پڑے گا اب ان کی من مانی نہیں چلے گی) جسے آپ نے

(۱)مہذب مکالمہ،ص/۳۴

منظور نہ کیا اور فرمایا:

''مذہبی ذمہ داری کے لحاظ سے آپ اس کے سوا کہہ ہی کیا سکتے تھے کہ سیاست دنیا کے لحاظ سے تو بے شک یہی بہتر ہے جو تم کہتے ہو مگر جب میں جانتا ہوں کہ وہ ظالم اور نا اہل ہیں تو انہیں اپنی طرف سے حکومت کا پروانہ بھیج کر میں ان کے مظالم میں شریک ہوں، یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔''(۱)

حضرت علیؑ نے معاویہ کو سمجھانے کے لئے خط لکھا جس میں کوئی سختی ودرشتی یا لہجہ کی تلخی نہ تھی بلکہ ایک برسر اقتدار آنے والے حاکم اعلیٰ کو اپنے کسی عامل کو کس طرح لکھنا چاہئے اس کا مضمون مشہور مورخ واقدی کی کتاب 'الجمل' سے منقول ہے جو حسب ذیل ہے

تم کو معلوم ہوگا کہ میں نے مسلمانوں کے معاملات میں اپنے دامن کو کس طرح صاف رکھا اور کس طرح تخت خلافت سے بے اعتنائی اختیار کرتا رہا یہاں تک کہ وہ ہوا جو ٹل نہ سکتا تھا (قتل عثمان) اور اس کے بعد میرے لئے چارہ کار باقی نہ رہا۔ یہ واقعات بہت طولانی ہیں۔ بہر حال جو ہونا تھا وہ ہوا اور اب جو حالات پیش ہیں وہ آنکھوں کے سامنے ہیں اب تم وہاں کے لوگوں سے بیعت حاصل کرو اور اپنے یہاں کے آدمیوں کے ایک وفد کے ساتھ میرے پاس حاضر ہو۔(۲)

خط کا جواب دینے کے بجائے معاویہ نے پہلے ہی عثمان کے قتل کا الزام لگا کر مسلمانوں کو گمراہ کر رکھا تھا لہٰذا آپ کی مخالفت کا جھنڈا کافی اونچا ہو گیا تھا۔ شام والے اپنے خلیفہ عثمان کے غم میں مبتلا تھے اور آپ کے خلاف ہو گئے تھے۔

جو لوگ حضرت کو اتنے عرصہ میدان جنگ سے بالکل علیٰحدہ رہتے دیکھ چکے تھے، انہیں یقین تھا کہ حضرت علیؑ کسی نہ کسی طرح اس قضیہ کو رفع دفع کر دیں گے اور جنگ کی نوبت نہ آنے دیں گے مگر علیؑ اصول اور حق کی حفاظت کے لئے ممکنہ فوجی بغاوت سے نہ ڈرے اور بہت سی بدعنوانیوں کو دور کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ان گورنروں کو ہٹا دیا جائے جو اسلام کے خلاف کارزار تھے۔ لہٰذا ان گورنروں کو ہٹا کر ان کی جگہ ان کی تقرری فرمائی جن پر آپ کا کامل اعتماد تھا اور جو عہد خلافت میں اپنے حقوق سرداری سے محروم رکھے گئے تھے۔

---

(۱) طبری، ج/۵، ص/ ۱۵۹، ۱۶۰ (۲) نہج البلاغہ، ص/ ۱۴۰

آپ نے عبداللہ کو یمن کا، سعید کو بحرین کا، سماعہ کو تہامہ کا، عون کو عیامہ کا، قثم کو مکہ کا اور قیس کو مصر کا عثمان بن حنیف کو بصرہ کا عمار کو کوفہ کا اور سہل کو شام کا گورنر مقرر فرمایا۔

تاریخ میں ہے کہ عبداللہ ابن عامر اور یعلی بن امیہ نے جو معزول گورنر تھے اور بیت المال کا روپیہ لے کر بھاگ آئے تھے انہوں نے حضرت عائشہ کو مالی امداد پیش کی۔

بروایت صاحب روضۃ الاحباب وابن خلدون، ابن اثیر یعلی نے جناب عائشہ کو ساٹھ ہزار دینار جو چھ لاکھ درہم ہوتے ہیں اور چھ سو اونٹ اس غرض سے دئے کہ علیؑ سے لڑنے کی تیاری کریں۔ انہیں اونٹوں میں ایک نہایت عمدہ عظیم الجثہ اونٹ تھا جس کا نام ''عسکر'' تھا اور جس کی قیمت بروایت مسعودی ''دوسو اشرفی'' تھی۔ مورخین کا بیان ہے کہ اسی اونٹ پر سوار ہو کر جناب ام المومنین عائشہ داماد رسولؐ زوج بتول حضرت علیؑ سے لڑیں اور اسی اونٹ کی سواری کی وجہ سے اس لڑائی کو 'جنگ جمل' کہا گیا۔(۱)

جنگ جمل

حج سے واپسی کے بعد حضرت عائشہ مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہو گئیں تھیں لیکن حضرت علیؑ کی خلافت کی خبر سننے کے بعد واپس مکہ چلیں گئیں اور وہاں طلحہ، زبیر، عبداللہ، ابویعلی (جن کے لئے کہا جاتا ہے چار یار) ابویعلی کے مشورے سے ''انتقام خون عثمان'' کے نام سے ایک سازشی تحریک کی بنیاد ڈالی اور قتل عثمان کا الزام حضرت علیؑ پر لگا کر لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ جنگ کی تیاری بھی مکمل کر لی۔

بصرہ حضرت علیؑ کے چاہنے والوں کا مرکز تھا لہٰذا حضرت عائشہ نے پہلے اسی مرکز پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور تیس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہو گئیں۔ ۲۵/ جمادی الثانی ۳۶ھ کو بصرہ پہنچ کر حضرت علیؑ کے گورنر عثمان بن حنیف پر حملہ کر دیا اور انہیں بے حد اذیت دی یہاں تک کہ سر اور ڈاڑھی کے بال تک نوچ ڈالے تھے ادھر حضرت علیؑ بھی آخر ربیع الاول ۳۶ھ میں اپنے لشکر سمیت مدینہ روانہ ہو چکے تھے۔ لشکر کی علمداری محمد حنفیہ کے سپرد کی اور میمنہ پر امام حسنؑ اور میسرہ پر امام حسینؑ کو متعین فرمایا اور سواروں کی سرادری عمار یاسر اور پیادوں کی نمائندگی محمد ابن ابی بکر کے حوالے کی اور مقدمۃ الجیش کا سردار عبداللہ بن عباس کو قرار دیا۔ حضرت علیؑ ابھی مقام ذی قار ہی میں تھے کہ مظلوم عثمان بن حنیف آپ کی خدمت میں جا پہنچے اور فریاد کی آپ کی

(۱) تاریخ اسلام، ج/۳، ص/ ۱۶۹

حالت دیکھ کر بے حد افسوس کیا اور فوراً بیس ہزار کا لشکر لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

علامہ عباسی لکھتے ہیں: حضرت علیؑ طلحہ، زبیر اور عائشہ کے تمام حالات دیکھ رہے تھے۔لیکن یہی چاہتے تھے کہ لڑائی نہ ہو۔جب بصرہ کے قریب پہنچے تو قعقاع ابن عمرو کو ان لوگوں کے پاس بھیجا اور صلح کی پیش کش کی قعقاع نے جو رپورٹ واپس ہو کر پہنچائی اس سے وہ لوگ تو متاثر ہوئے جو زیر قیادت عاصم بن کلیب علیؑ کے پاس بطور سفیر آئے ہوئے تھے اور ان کی تعداد سو تھی لیکن عائشہ وغیرہ پر کوئی خاص اثر نہ ہوا۔عاصم وغیرہ نے علیؑ کی بیعت کر لی اور اپنی قوم سے جا کر کہا کہ علیؑ کی باتیں نبیوں جیسی ہیں۔(۱)

حضرت علیؑ لشکر کے ساتھ بصرہ میں قیام پذیر تھے کہ طلحہ وزبیر نے راتوں رات آپ کے قتل کا منصوبہ بنا کر حملہ کر دیا لیکن علیؑ بیدار تھے اور تہجد میں مشغول تھے۔جب حضرت علیؑ کو حملہ کی خبر ہوئی تو آپ نے بھی جنگ کا حکم دے دیا۔لیکن اس سے پہلے حضرت علیؑ نے متعدد ذرائع سے عائشہ کو سمجھایا اور طلحہ وزبیر کو بھی نصیحت کی کہ حرم رسولؐ کو سر میدان لے آنا اسلامی غیرت کے منافی ہے۔لیکن ان لوگوں پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔

حضرت عائشہ اور طلحہ وزبیر لوہے اور چمڑے سے منڈھے ہوئے ہودج میں بیٹھے ہوئے تھے۔عائشہ اسی اونٹ ''عسکر'' پر بیٹھی تھیں۔حضرت علیؑ نے جب عائشہ کو دیکھا تو رسول خداؐ کے گھوڑے (دلدل) پر سوار ہو کر آئے تا کہ عائشہ کو رسول خداؐ کی کچھ یاد آ کر غیرت آ جائے، مگر عائشہ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔علیؑ دونوں لشکروں کے درمیان آ کر کھڑے ہوئے اور زبیر کو بلا کر کہا: تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ اب بھی سوچ لو۔رسول خداؐ نے تم سے کیا کہا تھا؟ اے زبیر! کیا تمہیں مجھ سے جنگ کرنے کے لیے منع نہیں کیا تھا۔یہ سن کر زبیر شرمندہ ہو کر چلے گئے۔لیکن عبداللہ کے بھڑکانے سے نبرد آزمائی سے باز نہ آئے۔

الغرض حضرت علیؑ نے دیکھا کہ جمل والے خونریزی سے باز نہ آئیں گے تو اپنی فوج کو کچھ نصیحتیں فرمائیں کہ جہاں تک ہو سکے انہیں دور بھگانے کی کوشش کرنا، جنگ میں پہل نہ کرنا، مقتولوں کے کپڑے نہ اتارنا، صلح کی پیشکش کرنے والے کے ہتھیار نہ لینا اور بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرنا، زخمی و بیمار عورتوں اور

(۱) تاریخ اسلام، علامہ عباسی، ص/۲۶۵

بچوں پر ہتھیار نہ اٹھانا، فتح کے بعد کسی کے گھر میں نہ گھسنا۔اس کے بعد حضرت علیؑ نے پھر کوشش کی کہ جنگ نہ ہو۔اس لئے ایک قرآن ہاتھ میں لے کر اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ:

کون ہے جو اس قرآن کو لے جا کر انہیں اس پر عمل کرنے کی دعوت دے مگر یہ بتائے دیتا ہوں کہ وہ قتل کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر اہل کوفہ میں سے ایک جوان جس کا نام مسلم تھا کھڑا ہو گیا۔کہا: میں جاؤں گا۔حضرت علیؑ نے سکوت فرمایا اور پھر بلند آواز سے کہا: کون ہے جو اس قرآن کو لے جا کر انہیں اس پر عمل کی دعوت دے مگر وہ قتل ہو جائے گا۔پھر کھڑا ہوا تو وہی جوان۔حضرت نے پھر سکوت کیا اور پھر وہی الفاظ بلند آواز سے کہے۔جب پھر وہی جوان کھڑا ہوا تو آپ نے وہ قرآن اس کے سپرد کیا وہ اسے لے کر صفوف مخالف کے سامنے گیا ظالموں نے اس کا داہنا بازو قطع کر دیا مگر اس نے قرآن گرنے نہیں دیا۔فوراً بائیں ہاتھ میں لے لیا اور پھر دعوت دی۔ان لوگوں نے اس کا بایاں ہاتھ بھی قطع کر دیا تو اس نے قرآن کو دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے تھام کر سینے سے اس حالت میں لگایا کہ خون کی اس کے کپڑے پر بارش ہو رہی تھی۔اس کے بعد وہ قتل کر دیا گیا۔علیؑ ابن ابی طالب پکارے کہ اب ان سے جنگ حلال ہو گئی۔(۱)

اب دنیا والوں نے دیکھا کہ جو تلوار بدر، احد، خندق اور خیبر میں کسی وقت چمکتی تھی اب وہ ''جمل'' میں چمک رہی ہے۔وہی ہاتھ کی صفائی، وہی دل ہے اور وہی دل کی طاقت یہاں تک کہ جمل کا معرکہ فریق مخالف کی شکست پر ختم ہوا۔اس وقت حضرت علیؑ ابن ابی طالب نے فریق مخالف کی سرکردہ ام المومنین عائشہ کے ساتھ وہ شریفانہ اور باعزت برتاؤ کیا جیسا کسی فاتح نے اپنے مفتوح فریق کے ساتھ نہیں کیا ہوگا۔(۲)

''یہ معرکہ روز پنج شنبہ ۱۰ر جمادی الثانی ۳۶ھ کو پیش آیا۔''(۳)

حضرت علیؑ نے جنگ جمل میں اپنی تلوار کے ایسے جوہر دکھائے کہ دیکھنے والے یہ کہہ ہی نہیں سکتے تھے کہ یہ وہی علیؑ ہیں جنہوں نے گوشہ نشینی کے چوبیس سال گذارے ہیں۔اس وقت آپ کی عمر انسٹھ ۵۹ برس کی ہو گئی تھی۔ ان کی اس جنگ سے یہ نصیحت ملتی ہے کہ ''اصول اور فرض کے حدود میں جذبات کا تقاضا اور سن کا اختلاف کوئی چیز نہیں اگر فرض ہماری خاموشی کا ہوتا تو چاہے جوانی کی تمام امنگیں قدم اٹھانے پر آمادہ کر رہی ہوں پھر بھی ہم کو اپنی زندگی

---

(۱) طبری، ج/۵، ص/۲۰۵ (۲) طبری، ج/۵، ص/۲۰۳ (۳) طبری، ج/۵، ص/۲۱۹

خاموشی کے ساتھ گذار دنیا چاہئے اور جوانی سکون کے عالم میں بسر کرنا چاہئے اور اگر فرض ہمارا عملی اقدام کا ہو تو چاہے بڑھاپے کا اضمحلال جسمانی قوتوں کو متاثر بھی کئے ہو مگر ہمیں عزم وارادہ کے قدموں پر کھڑا ہو جانا چاہئے اور وہ کرنا چاہئے جو جوانمردانہ ہمت کا تقاضا ہے۔(۱)

غرض مروان کے زہر آلود تیروں سے طلحہ مارے گئے۔ زبیر میدان جنگ سے جان بچا کر بھاگ گئے راستہ میں وادی السباع کے قریب عمر بن جرموز نے انہیں قتل کر دیا۔ بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ عائشہ میدان میں سامنے آگئیں تھیں۔ علوی لشکر نے اس قدر تیر برسائے کہ ہودج پشت سیاہی کی مانند ہو گیا۔ گھبرا کر عائشہ نے کعب بن اسود کو قرآن دے کر حضرت علیؑ کے لشکر کی طرف بھیجا جو حضرت علیؑ تک نہ پہنچ سکا۔ مالک اشتر نے راستہ میں ہی اسے قتل کر دیا۔ حضرت عائشہ کے اونٹ کی ٹانگوں پر وار کیا گیا اور اونٹ ہودج سمیت گر پڑا یہ دیکھ کر عائشہ کی فوج کے لوگ بھاگ نکلے۔ پھر حضرت علیؑ نے کہا:

عائشہ تم نے حرمت رسولؐ برباد کر دی۔ پھر محمدؑ سے فرمایا کہ: انہیں عبداللہ بن حنیف خزاعی بصری کے مکان میں ٹھرائیں۔ حضرت نے کشتوں کو دفن کرنے کا حکم اور اعلان عام کر دیا کہ جس کا سامان جنگ میں رہ گیا ہو تو جامع بصرہ آکر لے جائے۔(۲)

بروایت روضۃ الاحباب وحبیب السیر واعثم کوفی کہ حضرت علیؑ نے

''امام حسنؑ کے ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ اگر تم اب جانے میں تاخیر کروگی تو میں تمہیں زوجیت رسولؐ سے طلاق دے دوں گا۔ یہ سن کر وہ مدینہ جانے کے لئے تیار ہو گئیں۔ حضرت علیؑ نے چالیس عورتوں کو مردوں کے سپاہیانہ لباس میں حضرت عائشہ کی حفاظت کے لئے ساتھ کر دیا اور خود بھی بصرہ سے باہر کئی میل تک پہنچانے گئے۔''(۳)

جمل کے فتح ہو جانے کے بعد آپ نے ۱۶؍رجب ۳۶ھ کو ابن عباس کو بصرہ کا گورنر مقرر کر کے واپسی کا قصد فرمایا اور عراق کے خطرہ کے پیش نظر کوفہ کو مستقل دارالحکومت قرار دے دیا۔

جنگ صفین

جنگ صفین کی وجہ حضرت علیؑ کے خلاف عائشہ کی طرح معاویہ تھا جس نے لوگوں کو قتل عثمان کے فرضی افسانہ کے حوالے سے بھڑکایا اور جنگ کے لئے آمادہ کیا تھا، پیش ہے۔

(۱) شہید انسانیت، مجتہد علی نقی النقوی، ص/۸۰ (۲) مروج الذہب، ج/۵، ص/۱۷۷ (۳) الخضر می، ج/۲، ص/۹۰

جناب عثمان کا خون بھرا کرتا اور ان کی زوجہ نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں منبر پر آویزاں اور اسکے سامنے گریہ وزاری۔ یہ سلسلہ ایک سال تک برابر جاری رہا بہت سے اہل شام نے قسم کھائی کہ وہ عورتوں کے قریب نہ جائیں گے۔ سوائے غسل واجب کے کسی دن نہائیں گے نہیں اور بچھونے پر سوئیں گے نہیں جب تک ان آدمیوں کو جو قتل عثمان میں شریک تھے قتل نہ کرلیں گے۔(۱)

اس طرح حضرت معاویہ نے پورے اہل شام کو حضرت علیؑ کے خلاف برانگیختہ کر دیا۔ مگر آپ نے اپنی طرف سے اصلاح کی کوشش جاری رکھی۔ اس کے لئے جریر بن عبداللہ بجلی کو دمشق بھیجا اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور معاویہ اپنے لشکر کی تیاری میں مصروف رہا۔ پھر بھی حضرت علیؑ نے فہمائش اور نصیحت کا سلسلہ موقوف نہ کیا۔

بشیر بن عمرو بن محصن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شیث بن ربعی تمیمی ان تین آدمیوں کو معاویہ کے پاس روانہ فرمایا کہ وہ جا کر اتحاد واتفاق اور اطاعت واجتماع کی طرف دعوت دیں۔ مگر اس امن پسندانہ پیش قدمی کا جواب یہ ملا کہ پلٹ جاؤ میرے پاس سے کیونکہ میرے تمہارے درمیان بس تلوار سے فیصلہ ہوگا۔(۲)

اس کے بعد حضرت علیؑ نے معاویہ کو ایک خط مدینہ سے، دوسرا کوفہ سے ارسال کر کے دعوت بیعت دی۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ وہ اپنے غرور میں رہا کہ شاید علیؑ جنگ سے گھبرا رہے ہیں۔ علیؑ کی ہر کوشش کہ جنگ نہ ہو ناکام ہوئی۔ پھر آپ نے نمائندگان شام کی طرف مخاطب ہو کر کہا جن کے نام، حبیب بن مسلم فہری، سرجیل بن سمط اور معن بن یزید بن اخنس تھے۔

میں تم لوگوں کو کتاب خدا اور سنت رسولؐ، باطل کو پامال کرنے اور حق کو زندہ کرنے کی جانب دعوت دیتا ہوں۔(۳)

حضرت علیؑ کی اس نصیحت کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ تو معاویہ کی سرکوبی لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ شوال ۳۶ھ میں ۹۰ ہزار کا لشکر لے کر آپ مقام رقہ پر پہنچے۔ معاویہ ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر پہنچا۔ معاویہ کے لشکر نے دریا پر قبضہ کرلیا اور حضرت علیؑ کے لشکر کے لئے پانی بند کر دیا۔ مجبوراً آپ نے پانی کے لئے جنگ کا حکم دیا اور لشکر نے ابوالاعور سلمی کی فوج سے گھاٹ چھین لیا۔ لیکن حضرت علیؑ نے کہا دشمن کا پانی بند نہ کرنا انہیں

(۱) طبری، ج/۵، ص/۲۳۵ (۲) طبری، ج/۵، ص/۲۴۳ (۳) طبری، ج/۶، ص/۴

خوب سیراب ہونے دو۔

جنگ صفین میں حضرت علیؑ بن ابی طالب کو مسلمانوں کی خونریزی سے بڑی تکلیف ہورہی تھی ۔ چنانچہ آپ نے پکار کر امیر شام سے کہا کہ اس سے کیا حاصل ہے کہ عام مسلمانوں کا خون فیاضی کے ساتھ بہہ رہا ہے بس تم نکل آؤ میدان میں اور میں آجاؤں اور اس جنگ کا فیصلہ ہوجائے ۔(۱)

مگر معاویہ اپنی زندگی کے ساتھ اتنا بڑا خطرہ لینے کو تیار نہ ہوا وہ جانتا تھا کہ علیؑ اس عمر میں بھی اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے اس لئے وہ دوسروں کے گلے کٹوا تا رہا جب کہ حضرت علیؑ میدان جنگ میں مجاہدین کی صفوں کے آگے ہی رہے کیونکہ ان کا ضمیر مطمئن تھا ان کا تو قول تھا

''میں موت کے ساتھ اس سے زیادہ مانوس ہوں جتنا بچہ آغوش مادر سے مانوس ہوتا ہے۔''

اور یہ حقیقت تھی کہ وہ بزدلی کی موت کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ اصحاب سے فرمایا کرتے تھے:

یاد رکھو! اگر تم قتل نہ ہوتو اپنی موت مروگے اور قسم اس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ ہزار ضربتیں تلوار کی جو سر پر پڑیں آسان ہیں فرش خواب پر ایڑیاں رگڑ کر مرنے سے ۔(۲)

حضرت علیؑ نے حق و وحدانیت کی تبلیغ میں بھی جان کی پرواہ نہ کی ۔ جنگ کے دوران ایک وقت ایسا بھی آیا جب حضرت علیؑ کے لشکر کا ایک بڑا حصہ شکست کھا چکا تھا اور اتنا وقت بھی نہ تھا کہ کسی فرض شناس اور بہادر شخص کو آواز دیتے چنانچہ خود ہی اپنے گھوڑے کا رخ میسرہ کی جانب پھیرا کہ جدھر قبیلۂ ربیعہ کے لوگ اب تک دشمنوں کا مقابلہ کررہے تھے۔ روی جس کا نام زید بن وہب جہنی ہے بیان کرتا ہے کہ :

میں دیکھ رہا تھا علیؑ کو کہ آپ ربیعہ کو فوج کی طرف جارہے تھے اور آپ کے فرزند حسنؑ حسینؑ اور محمد حنفیہ آپ کے ساتھ ساتھ اور تیر علیؑ کے کان اور شانوں کے پاس سے گذر رہے تھے مگر آپ کے فرزند بڑھ بڑھ کر سپر بن جاتے تھے اور اپنے باپ کی حفاظت کرتے تھے ۔(۳)

اسی جنگ کے دوران حضرت علیؑ کی نگاہ آفتاب پر پڑی تو ابن عباس سے فرمایا: کہ دیکھتا ہوں کہ نماز

---

(۱) طبری، ج/۶،ص/۲۲ (۲) ارشاد،ص/ ۱۲۸ (۳) الاخبار الطوال،ص/۱۸۴،طبری، ج/۶،ص/۱۰

ظہر کا وقت آیا کہ نہیں ۔ابن عباس نے عرض کیا کہ کیا یہ نماز کا موقع ہے؟ جنگ تو ہو رہی ہے! آپ نے فرمایا کہ اور یہ ہماری جنگ کس بات کے لئے ہے؟ اسی نماز کے لئے تو جنگ کرر ہے ہیں۔

میں کہتی ہوں کہ حضرت علیؑ کی شخصیت کو سمجھنا ہمارے جیسے عام افراد کے لئے ناممکن ہے یہ تو خدا اور سولؐ ہی سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کیا ہیں۔عبادت الٰہیہ کا اتنا بلند جذبہ حق وانصاف کے لئے جنگ میں اپنے ساتھ اپنی اولادوں کو بھی ایسی ہی نصیحت کرنا تمام مسلمانوں سے ہمدردی ومحبت کے کیا کہنے جب ہی تو پروردگار نے انوار معصومین کے لئے دنیا کو خلق کیا۔

غرض جنگ تیزی سے جاری رہی ایک دن اور ایک رات گذر گئی (بروایت اعثم کوفی) اسی جنگ میں ۳۶ ہزار سپاہی مخالف لشکر کے مارے گئے جن میں نو سو آدمی علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔لشکر معاویہ سے الغیاث،الغیاث کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔عمرو بن العاص نے اس دن کے لئے ایک چال سوچ رکھی تھی۔ اور وہ یہ کہ فوراً پانچ سو(۵۰۰) قرآن نیزوں پر بلند کر دئے گئے اور ندا دی گئی کہ بھائیو! یہ کتاب خدا ہی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔شام والے سب ہلاک ہو گئے،تو شام کے حدود کی کون حفاظت کرے گا اور عراق والے ہلاک ہو گئے تو عراق کے حدود کا کون نگہبان ہوگا۔(۱)

جب کہ جنگ کے آغاز سے پہلے حضرت علیؑ قرآن کے فیصلہ کی دعوت دے چکے تھے اور قرآن لے کر مسلم میدان جنگ میں گئے تھے جس کو نہ مانتے ہوئے اس جوان کو قتل کر دیا گیا تھا۔

''حضرت علیؑ نے اپنی فوج والوں کو اس مکاری اور چال بازی سے آگاہ کیا اور صاف فرمایا کہ یہ لوگ نہ اہل دین ہیں نہ اہل قرآن''(۲)

مگر حضرت علیؑ کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی اور کافی لوگ آپ سے منحرف ہو گئے کہ اگر آپ نے تلوار نہ روکی تو ہمارے اور آپ کے درمیان تلوار چلے گی۔

وہ وقت حضرت علیؑ کے لئے بڑی کشمکش کا تھا یہ سوچا بھی نہ تھا کہ دشمن سے مقابلہ کے ہنگام میں ایسی صورت پیدا ہو جائے گی۔مجبوراً آپ نے جنگ روکنے کا حکم دیا اس کے بعد طے پایا کہ ایک حکم اہل شام کی

---

(۱) طبری،ج/۶،ص/۴۶ (۲) طبری،ج/۶،ص/۲۷،۲۲،ارشاد،ص/۱۴۴

طرف سے اور ایک اہل کوفہ کی طرف سے نامزد ہوا اہل شام کی طرف سے عمرو بن عاص منتخب ہوئے اور اہل کوفہ کی طرف سے کسے منتخب کیا جائے اور جب حضرت علی ابن ابی طالب نے چاہا کہ مالک اشتر یا عبداللہ بن عباس یا کسی دوسرے ایسے ہی اپنے مخلص اور خیر خواہ کو اپنی جانب سے مقرر کریں تو وہی اپنی فوج والے پھر بگڑ گئے کہ یہ لوگ تو بالکل اس جنگ کے ذمہ دار ہیں ہم ان کو کیونکر مقرر کریں۔(۱)

آخر سب نے ابوموسیٰ اشعری جو پہلے بھی حضرت علیؑ کی موافقت سے گریز کر چکے تھے، کو منتخب کیا۔ اس کے بعد آپ نے صلح نامہ لکھوایا اس کا مضمون حسب ذیل ہے:

''علیؑ بن ابی طالب ذمہ لیتے ہیں اہل کوفہ اور تمام مسلمانوں کا جو ان کے ساتھ ہیں اور معاویہ نے ذمہ داری لی ہے اہل شام اور تمام اپنے طرفداروں کی کہ ہم اللہ اور اس کی کتاب کے فیصلہ پر دار و مدار رکھتے ہیں اور سوائے کتاب خدا کے کوئی شے ہم میں فیصلہ کن نہیں ہوگی اور کتاب خدا ہمارے سامنے رہے گی شروع سے لے کر آخر تک ہم زندہ کریں گے اسی بات کو جسے کتاب خدا زندہ کرے اور مردہ کریں گے اس کو جسے کتاب خدا مردہ کرے لہٰذا حکمین کو لازم ہوگا کہ وہ کتاب خدا پر نظر کریں اور جو کچھ اس میں ملے اس پر عمل کریں اور اگر کتاب خدا میں انہیں کوئی ہدایت نظر نہ آئے تو رسولؐ خدا کی سنت پر جو اختلافی نہ ہو عمل کیا جائے گا۔''

اس کے بعد حضرت علیؑ نے خود حکمین سے جو فیصلہ کے لئے مقرر ہوئے تھے فرمایا کہ:

''تم اس شرط سے حَکَم ہو کہ کتاب اللہ کی رو سے فیصلہ کرنا اور اگر تمہیں کتاب خدا کی رو سے فیصلہ نہ کرنا ہو تو تمہیں اپنے کو حَکَم نہیں سمجھنا چاہئے۔''(۲)

''دوسرے اشخاص سے بتا دیا گیا کہ حکمین پر یہ شرط لگا دی گئی ہے کہ وہ قرآن کی بنا پر فیصلہ کریں اور اپنی ذاتی رائے کو کام میں نہ لائیں۔''(۳)

یہ اقرار نامہ ۱۳ ؍صفر ۳۷ھ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

باوجود حضرت علیؑ بن ابی طالب کی اس دور اندیشی اور احتیاط کے پھر بھی ساتھ والے مفسد آدمی فتنہ و فساد برپا کرنے سے باز نہ آئے اور ابھی اقرار نامہ لکھا ہی گیا تھا کہ اسی وقت حضرت علیؑ کی فوج میں یہ آواز بلند ہوگئی کہ انسانوں کو حَکَم بنانا درست نہیں ''لَاحُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ''، یعنی حَکَم ہونا اللہ سے مخصوص ہے۔ اس آواز کا

(۱) طبری، ج/۶، ص/۲۸ (۲) اسد الغابہ، ج/۳، ص/۲۴۶ (۳) طبری، ج/۶، ص/۳۴، ارشاد، ص/۱۴۲

سب سے پہلا بلند کرنے والا قبیلۂ بنی تمیم کا ایک شخص عروہ بن ادیہ تھا۔''(۱)

یہ جماعت خوارج (علی کے مخالفین) کا سنگ بنیاد تھا۔ان لوگوں نے حضرت علیؑ سے اصرار کیا چلئے معاویہ سے جنگ کیجئے۔ہم آپ کے ساتھ ہیں۔آپ نے وہی جواب دیا جو رسول خداؐ نے صلح حدیبیہ کے بعد دیا تھا۔

''ہم نے نوشتہ دے دیا ہے۔شرائط کئے ہیں۔عہد و میثاق کر لیا ہے اس کی مخالفت ممکن نہیں ہے۔قرآن میں حکم ہوا ہے کہ وفا کرو عہد و پیمان کے ساتھ اور قسم کھانے کے بعد اس کی مخالفت نہ کرو جب کہ تم نے اللہ کو اس کا ضامن بنا دیا ہے اور یقیناً اللہ تمہارے افعال و اعمال پر مطلع ہے۔''(۲)

حَکَم کوفہ ابوموسیٰ اشعری سادہ لوح شخص تھے۔انہیں حضرت علیؑ سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔انہیں حَکَم شام عمرو عاص نے اپنی سیاست کا شکار بنا لیا۔جب وقت مقرر پر دومۃ الجندل میں جو کوفہ و شام کے لحاظ سے بالکل وسط میں واقع تھا اس لئے فیصلہ کے لئے وہیں اجتماع طے پایا تھا۔ان لوگوں میں روزانہ ملاقات اور تبادلۂ خیالات کا سلسلہ قائم ہو گیا۔عمرو عاص نے چالاکی یہ کی کہ گفتگو کے دوران ابوموسیٰ اشعری کو اپنے سے زیادہ عقلمند اور مقدم بزرگ قرار دیا اور کہا آپ رسولؐ خدا کی صحابیت کا مجھ سے زیادہ شرف رکھتے ہیں اس لئے پہلے آپ تقریر کیجئے گا پھر مجھے جو کچھ کہنا ہوگا کہوں گا اور اس کے ساتھ ہی اپنے منصوبہ کے تحت ان کو اس بات کے لئے تیار کر لیا کہ حضرت علیؑ اور معاویہ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور پھر مسلمانوں کو اختیار دیا جائے کہ وہ از سر نو جس کو چاہیں منتخب کر لیں۔ابوموسیٰ اشعری اسکے فریب میں آ گئے چنانچہ جب دنوں طرف کے لوگ جمع ہو گئے تو سب سے پہلے ابوموسیٰ اشعری تقریر کرنے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثناء کے بعد کہنے لگے کہ۔''ہم نے انتہائی غور وحوض کے بعد ایسی بہترین صورت طے کی ہے۔جس سے افتراق و اختلاف کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔وہ یہ ہے کہ ہم دنوں علیؑ اور معاویہ کو معزول کر دیں اور خلافت از سر نو مسلمانوں کے حوالہ کر دیں کہ وہ جسے چاہیں منتخب کر لیں۔''(۳)

وہ یہ کہہ کر جیسے ہی آ کر بیٹھے عمرو عاص کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے:

''حضرات! آپ لوگوں نے ابوموسیٰ کی تقریر سنی وہ علیؑ کے نمائندہ ہیں اور انہوں نے علیؑ کو معزول کر دیا ہے۔میں معاویہ کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے علیؑ کے معزول کرنے میں ان سے متفق ہوں مگر معاویہ کو میں برقرار کرتا ہوں۔''(۴)

(۱-۲) طبری، ج/۶،ص/۳۰-۳۱ (۳) طبری، ج/۶،ص/۳۰-۳۱/ص (۴) طبری، ج/۶،ص/۴۰

یہ سننا تھا کہ ابوموسیٰ چیخ اٹھے۔

''ارے یہ تو نے کیا کیا۔خدا تجھ سے سمجھے تو نے غداری کی ، بے ایمانی کی ،تو کتے کی طرح ہے کہ چاہے جس پر حملہ کردیا۔اسے اس کے حال پر چھوڑ دو وہ بھونکنے سے باز نہیں آئے گا۔''(۱)

عمروعاص نے جواب دیا:

''تمہاری مثال گدھے کی سی ہے جس کی پشت پر کتابیں لاددی گئیں ہوں۔''

''مجمع میں سے کوئی ابوموسیٰ کی طرف جھپٹ کر حملہ آور ہوا اور کوئی عمروعاص پر۔غرض اس ہڑ بونگ اوران کی تہذیب واخلاق کے کچھ مظاہروں کے ساتھ یہ اجتماع منتشر ہوگیا۔''(۲)

ان واقعات کوتحریر کرنے کا میرا مقصد یہ تھا کہ حضرت علیؑ جنہوں نے دور گوشہ نشینی میں بھی ہمیشہ مسلمانوں کی فکر کی ان کی ہرمشکل کے وقت کام آئے یہاں تک کہ تیسرے خلیفہ کے قتل کے بعد آپ سے بہتر قائداں کی نظر میں نہ تھا اور آپ کواسلام کی حفاظت کے لئے منتخب کیا جسے آپ نے بڑی مشکل سے قبول کیا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ان چوبیس سالوں میں لوگ کس قدر بےلگام ہوگئے ہیں ان میں مخالفین کی تعداد بھی کافی ہے اوران ہی مخالفین کی وجہ سے حضرت علیؑ کو کتنی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔چونکہ بات جھگڑے پرختم ہو گئی۔حضرت علیؑ نے اپنے طرفداروں سے کہا کہ دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ حکَم کے انتخاب میں ابوموسیٰ اشعری کا انتخاب ٹھیک نہیں ہے وہی ہوا کہ وہ دشمن کے فریب میں آگئے۔

جنگ نہروان

حضرت علیؑ کی فوج کے ایک حصہ نے صفین کی جنگ میں مخالفین کے قرآن کے بلند کرنے اور جنگ کوروکنے کے فیصلہ پر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔لیکن دوسرے حصہ نے جنگ جاری رکھنے کی ضد کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاری رکھنے والے لوگوں نے بغاوت کا اعلان کردیا اور مقام ''حروراء'' میں جمع ہوئے پھر وہاں سے بغداد سے چار فرسخ کے فاصلہ پر مقام نہروان بتاریخ ۱۰رشوال ۳۷ھ کو جا پہنچے اور وہاں مسلمانوں کو پریشان کرنے لگے۔یہ سن کر حضرت علیؑ نے ان کی زیادتیوں کے خلاف حملہ کردیا۔ان میں سے کچھ کوفہ اور مدائن

(۱)طبری،ج/۶،ص/۴۰ (۲)طبری،ج/۶،ص/۴۰

چلے گئے اور کچھ نے بیعت کر لی اور چار ہزار آمادہ پیکار ہو گئے۔ان باغیوں کی کل تعداد بارہ ہزار تھی جس میں صرف نو افراد بچے۔باقی سب قتل ہو گئے ان میں مشہور خارجی ذو لثد یہ بھی قتل ہوا اور جنگ ختم ہو گئی۔

نہروان کے بعد بھی یہ فتنے اور شورو شین بالکل ختم نہیں ہوئے۔وہ خوارج نہروان کے ہم خیال جو جنگ میں نہیں گئے تھے وہ حضرت علیؑ کے خلاف فضا میں انتشار پیدا کرتے رہتے تھے۔دوسری طرف امیر شام معاویہ جنہوں نے کوفہ کے لوگوں کے افتراق سے فائدہ اٹھا کر اپنی قوت کو زیادہ منظّم کر لیا تھا۔اور خفیہ طور پر حضرت علیؑ کے خلاف بدامنی کا سلسلہ قائم کئے ہوئے تھا۔مصر میں حضرت علیؑ کے گورنر محمد بن ابی بکر پر حملہ کا پروگرام بنالیا اور جب علیؑ کو اطلاع ملی تو آپ نے مالک اشتر کو کمک کے لئے روانہ کر دیا۔

معاویہ نے مقام عریش کے ایک زمیندار سے بیس سال کے خراج کی معافی کا وعدہ کر کے افطار کے بہانے مالک اشتر کو زہر دلوا دیا اور وہ شہید ہو گئے۔اس کے بعد حضرت علیؑ نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا۔ جہاں عمرو بن عاص نے خطوط لکھ کر خود مصر کے بعض عمائد سے ساز باز کی اور پھر اپنی فوج لے کر حملہ کر دیا۔''ادھر سے شام کی فوج اور ادھر سے خود مصر والوں کا ایک مسلح لشکر۔محمد بن ابی بکر مع اپنی جماعت کے چکی کے دو پاٹوں میں آ گئے۔آخر ان کی فوج نے شکست کھائی اور انتہائی بیدردی کے ساتھ قتل کئے گئے بلکہ لاش کو بھی آگ میں جلا دیا گیا۔''(۱)

''حضرت عائشہ کو جب اس عبرت ناک موت کی خبر ملی تو آپ بے حد رنجیدہ ہوئیں اور تا حیات معاویہ اور عمرو عاص کے لیے ہر نماز کے بعد بددعا کرنے کا وطیرہ بنا لیا۔''(۲)

یہ واقعہ صفر ۳۸ھ کا ہے۔تواریخ میں ہے محمد بن ابی بکر مکہ و مدینہ کے درمیان ۱۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ان کی پرورش حضرت علیؑ کی آغوش کرامت میں ہوئی تھی۔وفات ابو بکر کے بعد ان کی ماں اسماء بنت عمیس سے حضرت علیؑ نے عقد کر لیا تھا۔حضرت ان کو بے حد چاہتے تھے۔انہوں نے مدینہ میں سکونت اختیار کر رکھی تھی۔یہ جنگ جمل اور صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔۳۷ھ میں حضرت علیؑ نے انہیں مصر کا گورنر بنایا تھا۔جنگ صفین کے ختم ہونے کے بعد حضرت علیؑ عراق روانہ ہو گئے،تو معاویہ نے مصر پر حملہ کر دیا۔

---

(۱) طبری، ج/۶، ص/۶۰ (۲) تاریخ کامل، ج/۳، ص/۱۴۳

کافی جنگ ہوئی بالآخر محمد بن ابی بکر کوشکست ہوئی اور وہ روپوش ہو گئے۔لیکن معاویہ نے انہیں تلاش کر کے قتل کر دیا۔وہ بڑے عابد وزاہد تھے۔

تاریخ اعثم کوفی میں ہے کہ :انہیں گدھے کی کھال میں سی کر جلوا دیا تھا۔

حضرت محمد بن ابی بکر کی شہادت کے نتیجے میں حضرت عائشہ کو بھی کنویں میں گرا کر معاویہ نے ختم کرا دیا تھا۔(۱)

حضرت علیؑ کی شہادت

صفین کی جنگ کے بعد معاویہ کو محسوس ہو گیا تھا کہ حضرت علیؑ سے کھلے بندوں جنگ کر کے فتح حاصل کرنا ناممکن ہے اس لئے اس نے دھوکہ سے حملے کرنا شروع کر دئے۔

۳۹ھ نعمان بن بشیر کی سرکردگی میں دو ہزار کی فوج نے عین التمر پر حملہ کر دیا جو ناکامی کے ساتھ پسپا ہوا۔''(۲)

سفیان بن عوف غامدی نے چھ ہزار کی فوج کے ساتھ حملہ کیا اور اشرس بن حسان بکری کو جو جناب امیر کی طرف سے وہاں مقرر تھے،ان کے تیس ہمراہیوں کے سمیت قتل کر دیا اور تمام مال واسباب لوٹ کر واپس چلا گیا۔''(۳)

''عبداللہ بن مسعمدہ خزاری نے سترہ سو آدمیوں کے ساتھ تیماء پر حملہ کیا۔حضرت علیؑ نے مسیّب بن تجبہ فزاری کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا جنہوں نے جنگ کر کے اس کو شکست دی اور اس نے شام کی جانب فرار کیا۔''

''اسی صورت سے ضحاک بن قیس تین ہزار فوج کے ساتھ بھیجا گیا جو لوٹ مار کرتی ہوئی قادسیہ کے حدود تک پہنچ گئی اور حجر بن عدی فوج لے کر گئے تو اس نے فرار اختیار کیا۔''(۴)

اس کے بعد سانحہ بشر بابر بن ابی ارطاۃ نے تین ہزار کی فوج کے ساتھ حجاز پر حملہ کیا جس میں مدینہ اور مکہ والوں سے جبراً بیعت لی گئی اور کئی آدمیوں کو قتل کیا گیا پھر یمن فرار ہو گئے۔

''عبداللہ بن عباس کا مکان لوٹا اور ان کے دو کمسن بچوں کو ذبح کر دیا۔پھر جب حضرت علیؑ نے مقابلہ کے لئے لشکر بھیجا تو وہ مع اپنی فوج کے فرار کر گیا۔''(۵)

---

(۱)اعثم کوفی،ص/۳۳۸ (۲)طبری،ج/۶،ص/۷۷ (۳)طبری،ج/۶،ص/۷۶ (۴)طبری،ج/۶،ص/۷۸
(۵)طبری،ج/۶،ص/۸۰۔۸۱

یہ وہ واقعات تھے جنہوں نے حضرت علیؑ کو مجبور کر دیا کہ معاویہ کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کریں اور اس سلسلہ میں آپ نے لشکر فراہم کرنا شروع کر دیا۔ آپ کے لشکر میں ۴۰ ہزار تجربہ کار سپاہی اور سترہ ہزار نگروٹ تھے۔ امام حسینؑ، قیس بن سعد اور ابوایوب انصاری دس دس ہزار کے لشکر کے سردار تھے، لیکن لشکر کی روانگی سے ایک ہفتہ پہلے ابھی لشکر روانہ نہ ہوا تھا کہ حضرت علیؑ ماہ مبارک کی ۱۹ ویں شب تھی جب آپ اپنی دختر ام کلثوم کے یہاں افطار پر مدعو تھے۔ افطار کے بعد تمام شب مصروف عبادت رہے اور بار بار باہر آ کر آسمان کی طرف دیکھتے رہتے یہاں تک کہ فرمایا کہ واللہ یہ وہی شب ہے جس کی رسول اکرمؐ نے خبر دی ہے اور یہ کہہ کر نماز صبح کے لئے روانہ ہونے لگے۔ دروازہ پر مرغابیوں نے بھی روکا اور زنجیر در نے بھی۔ لیکن آپ قضائے الٰہی کا حوالہ دے کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ اذان سے سارے کوفہ کو بیدار کیا پھر مسجد میں عین حالت نماز میں ۱۹ ر رمضان کی صبح کو آپ کے سر مبارک پر ابن ملجم مرادی نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار لگائی۔'' (۱)

اس کی وجہ سے ۲۱ ر رمضان ۴۰ھ کو آپ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ اور یہ منصوبہ مکمل نہ ہو سکا جس کو عمل میں لا کر آپ ہمیشہ کے لئے کافران اسلام کا خاتمہ کرنے والے تھے جس طرح رسول خداؐ کا آخری معرکہ (سریہ اسامہ بن زید) اصحاب کی نافرمانی کی وجہ سے مکمل نہ ہو سکا تھا۔

حضرت علیؑ کی شخصیت دنیا کی نظر میں

حضرت علیؑ کائنات کے واحد شخص تھے جو خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے اور دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے رسول خداؐ کی زیارت کی اور انہوں نے ہی آپ کی پرورش کی اور بعد میں داماد رسول بنے۔ مخالفین جانتے تھے کہ حضرت علیؑ کی موجودگی میں رسول خداؐ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ خدا نے حضرت علیؑ کو رسولؐ خدا کا وصی بنا کر پیدا کیا تھا۔ دنیا کی نظر میں ظاہری رنگ گندمی تھا۔ آنکھیں بڑی اور سیاہ تھیں۔ سینہ پر بال۔ قد میانہ، ڈاڑھی بڑی رکھتے تھے، جسم مضبوط و بھرا ہوا تھا۔ کندھے چوڑے، جو ظاہری مردانہ وجاہت کی نشانی تھے۔ آپ کی گردن لمبی صراحی دار ہونے کی ظاہری مثال تھی۔ چہرے پر ہلکی مسکراہٹ، آنکھوں میں گہرائی جیسے کسی مقصد کی تکمیل کی فکر ہو۔ آپ خضاب نہیں لگاتے تھے۔ دشمن آپ پر نظر ڈالتے ہوئے گھبراتے تھے کیونکہ ان کی مکاری آپ کی نظر سے چھپ نہیں سکتی تھی۔ آپ کو کبھی دنیا کی طمع نہ رہی، دنیا کے عیش و عشرت آپ

(۱) طبری، ج/۶، ص/۸۴۔۸۵

کی نظر میں ہیچ تھی۔ بس ایک فکر کہ خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کو دنیاوالے پہچانیں اور جوظلم وبربریت کا عمل کرتے ہیں اس سے باز آجائیں۔تبلیغ اسلام کے لئے میدان جنگ میں آپ سا کوئی بہادر نہ تھااور روزمرہ کی زندگی میں کبھی آپ نے اپنے لئے کسی سے بدلہ نہ لیا، جب ہی تو رسول خداؐ کے انتقال کے بعد ابوبکر،عمر اوران کے ساتھیوں نے آپ پر بہت ظلم کئے ، گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹتے ہوئے دربار ابوبکر میں لے گئے اورحضرت فاطمہؑ کی شہادت اورمحسنؑ کی شہادت ہوئی غرض مصائب دنیانے انہیں چین نہ لینے دیا۔آخر شہادت حاصل ہوئی۔

ظاہراًاختلاف دنیا آپ کی ذات سے خصومت کی بنا پر نہ تھی بلکہ اس لئے کہ آپ بنی ہاشم کے چشم وچراغ اوراصول اسلام کے علمبردار تھے اس لئے سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ ملک میں آپ کے خلاف نفرت پھیلائی جائے اسی لئے دورخلافت میں قتل عثمان کاالزام بھی فقط اس سیاست کے پورا کرنے کا ایک بہانہ تھا۔چنانچہ علامہ بن حجر مکی لکھتے ہیں کہ:

> مروان بن الحکم کی زبانی منقول ہے اس نے کہا کہ کوئی شخص علیؑ سے زیادہ عثمان کی حمایت کرنے والا نہ تھا۔کسی نے کہا کہ پھر تم لوگ منبروں پرانہیں گالیاں کیوں دیتے ہو؟اس نے کہابغیر اس کے ہمارا اقتدار قائم نہیں ہوسکتا۔(۱)

حضرت علی علیہ السلام کی وصیت

۱۸؍رمضان کوابن ملجم کی زہرآلودہ ضربت لگنے کے بعد آپ کو یہ احساس ہوگیا تھا کہ اب اس دنیائے فانی میں رہنے کا وقت پورا ہوگیا ہےلہذا آپ نے ایک وصیت نامہ مرتب کیا۔

> انتقال فرمانے سے پہلے حضرت علی بن ابی طالب نے ایک تحریری وصیت نامہ امام حسنؑ کے نام لکھااوراس پر امام حسینؑ اورمحمد بن حنفیہ اوراپنی دیگر اولادواعزاء اورمخصوص اصحاب کی گواہیاں لکھوائیں اور وصیت نامہ حسن مجتبیٰ کوسپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیاسے رخصت ہوتے وقت تم اسے حسینؑ کے سپرد کردینا۔(۲)

اس وصیت کے علاوہ ایک وصیت آپ نے امام حسنؑ اورامام حسینؑ دنوں بھائیوں سے مشترک طور پرفرمائی۔جوحسب ذیل ہے:

---

(۱)صواعق محرقہ،ص/۳۲ (۲)کافی،ج/۱،ص/۱۸۴

میں تم کو فرض شناسی کی وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ تم کبھی دنیا کے طلبگار نہ ہونا چاہے وہ دنیا خود تمہاری طلبگار ہو اور کسی دنیاوی نقصان پر کبھی رنجیدہ نہ ہونا اور ہمیشہ حق کے لئے زبان کھولنا اور ثواب کے لئے کام کرنا اور ظالم کے مدمقابل اور مظلوم کے مددگار رہنا۔(۱)

میں تم کو، تمام اپنی اولاد اور اعزاء اور ان لوگوں کو جن تک میرا پیغام پہنچے وصیت کرتا ہوں کہ ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہنا اور اپنے شیرازہ کو منتشر نہ ہونے دینا اور اپنے درمیانی جھگڑوں کو صلح وآشتی کے ساتھ طے کرتے رہنا۔اور دیکھو یتیموں کا خیال رکھنا، ان کی برابر خبر گیری کرتے رہنا اور پڑوسیوں کا خیال رکھنا اس لئے کہ رسولؐ اللہ نے ان کے بارے میں وصیت کی تھی۔اور دیکھو قرآن کا خیال رکھنا، تم سے بڑھ کر کوئی قرآن پر عمل کرنے والا نہ ہو اور نماز کا خیال رکھنا، یہ تمہارے دین کا ستون ہے اور اللہ کے گھر (خانہ کعبہ) کا خیال رکھنا، زندگی بھر اس کو کبھی اکیلا نہ چھوڑنا اور دیکھو خدا کی راہ میں اپنی جان ومال اور زبان سے جہاد کرتے رہنا اور آپس میں صلۂ رحم رکھنا اور ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی کے ساتھ پیش آنا اور دیکھو کبھی خلق خدا کو نیک اعمال کی ترغیب دینے اور بداعمالیوں سے روکنے سے باز نہ آنا تا کہ ہم پر برے لوگوں کا اقتدار قائم نہ ہونے پائے اور دیکھو میرے بعد ایسا نہ ہونے پائے کہ بنی ہاشم مسلمانوں میں میرے خون کے بہانے سے خونریزی شروع کردیں۔زیادہ سے زیادہ میرے خون کے قصاص کے طور پر بس میرے قاتل کو قتل کیا جا سکتا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ اس کو ایک ضربت کی پاداش میں بس ایک ضربت لگائی جائے اور اس کو ہرگز مثلہ نہ کیا جائے یعنی اعضاء وجوارح قطع نہ کئے جائیں اس لئے کہ رسولؐ اللہ فرما گئے ہیں خبردار کسی کو مثلہ نہ کرو چاہے وہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو۔(۲)

---

(۱) طبری، ج/۶، ص/۸۵ (۲) نہج البلاغہ، ج/۲، ص/۷۸۔۷۹، طبری، ج/۶، ص/۸۶

ایسا وقت جب ایک بزرگ مرتبہ واجب الطاعۃ باپ بستر بیماری پر ہو اور عالم یہ ہو کہ کس وقت سب سے جدائی ہو جائے، وہ اپنے تمام اہل بیتؑ اور دنیا والوں کے لئے وصیت کر رہا ہے جب کہ عام طور پر آخری وقت میں لوگ اپنے گھر کے نجی معاملات اور اولاد کے لئے کرتے ہیں مگر حضرت علیؑ تو دین وشریعت، کتاب اور سنت کو اپنے ذاتیات میں داخل سمجھتے تھے۔ان کی یہ وصیتیں صرف اپنی اولاد کے لئے نہ تھیں بلکہ یہ مفاد عامہ، مفاد شریعت اور احکام الٰہی سے متعلق تھیں جو ساری دنیا کے لئے سبق آموز تھیں۔

حضرت علیؑ خدا کی نظر میں

خالقِ کائنات نے کائنات خلق کرنے کے پہلے نورِ علوی کو نورِ نبوی کے ساتھ پیدا کیا جو حضرت ابو طالب کے ذریعہ دنیائے وجود میں حضرت علیؑ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ پھر جبرئیل کا استاد بنایا اور اپنے مخصوص گھر خانہ کعبہ میں پیدا کیا، عصمت سے بہرہ ور فرمایا، رسول خدا کا جانشین بنایا، معراج میں اپنے حبیب سے انہیں کے لہجے میں کلام کیا، ہر اسلامی جنگ میں ان کی مدد کی، آسمان سے ذوالفقار نازل فرمائی، علیؑ کو اپنا نفس قرار دیا، علم لدنی سے ممتاز کیا، رسول خداؐ کی لخت جگر فاطمہؑ سے عقد کا حکم دیا، مبلغ سورۂ برائت بنایا، مدح علیؑ میں کثیر آیات، آیت ولایت، تطہیر، مباہلہ اور بلغ، جیسی کم سے کم تین سو تیرہ آیتوں میں صراحت کے ساتھ آپ کے کمالات کا اعلان کیا۔ ویسے سارے، قرآن کا محور ومرکز آپ ہی کی ذات گرامی ہے، چاہے آپ کا اپنا تذکرہ ہو یا دوستوں کا ذکر ہو یا دشمنوں کا ذکر ہو۔ یہاں تک کہ ہر ''یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا'' کا راس ورئیس آپ ہی کی ذات گرامی کو قرار دیا ہے۔ان کی نسل میں قیامت تک کے لئے امامت قرار دی۔ جنت میں ساقی کوثر کا درجہ دیا۔ حضرت علیؑ کی فضیلت کا بیان بہت مشکل ہے، پھر بھی میں نے اپنی کوتاہ نظری کے باوجود پوری کوشش کی ہے کہ میں کچھ لکھ سکوں لہٰذا میری نظر قرآن مجید کا ترجمہ پڑھتے ہوئے جب ''الٓمٓ'' کے ترجمہ پر پڑی تو مجھے بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ میرا موضوع ''انوار معصومین'' کی پیشین گوئی خالق کائنات نے قرآن مجید میں اس طرح پیش کیا ہے جس مثال کی تحقیق کی فکر کی تھی وہ مل گئی۔اب وہ مثال میں حضرت علیؑ کی فضیلت والے باب میں پیش کر رہی ہوں۔

❀❀❀

انوار معصومینؑ کی پیشین گوئی قرآن مجید کی روشنی میں

خالق کائنات نے اپنے کلام پاک قرآن مجید میں پیغمبر محمد مصطفیؐ اور بیٹی فاطمہ زہراؑ اور ان کے شوہر داماد رسولؐ کی فضیلت کو خاص قرار دیا ہے اور اس کے بعد حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کی نسل سے گیارہ اماموں کے آنے کی گواہی دی ہے۔قرآن مجید کا ترجمہ لکھنے والے مشہور مولانا جناب (سید مقبول احمد صاحب) ہیں۔ پیش ہے تفسیر قرآن جو حسب ذیل ہے:

اقوال مترجم

''الٓمّٓ'' ظاہر بظاہر حروف تہجی میں سے تین حروف ہیں اور حروف تہجی کی کل تعداد اٹھائیس ہے ان میں سے جتنے حروف قرآن مجید میں اس شان سے وارد ہوئے ہیں کہ گو لکھنے میں ملے ہوئے لکھے جائیں مگر پڑھنے میں ایک ایک حرف جدا جدا کر کے پڑھا جاتا ہے پہلے تو ہم ان کی ایک فہرست لکھتے ہیں جس سے ان کی تعداد معلوم ہو جائے۔بعد میں انشاءاللہ کچھ اور دلچسپ باتیں بھی تحریر کریں گے وہ فہرست یہ ہے:

الٓمّٓ ،الٓمّٓ ، الٓرٰ ،الٓرٰ ،الٓرٰ ،الٓمّٓرٰا، الٓرٰ ،الٓرٰ ،کٓھٰیٰعٓصٓ، طٰہٰ ،

طٰسٓمّٓ ،طٰسٓ ،طٰسٓمّٓ ،الٓمّٓ ،الٓمّٓ ،الٓمّٓ ،الٓمّٓ ،الٓمّٓ یٰسٓ ،صٓ ،حٰمٓ ،

حٰمٓعٓسٓقٓ ،حٰمٓ ،حٰمٓ ،حٰمٓ قٓ ،نٓ

بنا بر مشہور موجودہ ترتیب میں ایک سو چودہ سورتیں موجود ہیں حالانکہ بنا بر تقسیم اجزائے قرآن یہ بات صاف نہیں ہے کیونکہ پہلا پارہ جہاں سے شروع ہوتا ہے وہ ''الٓمّٓ'' یعنی آغاز سورۂ بقرہ ہے اور تیسواں یا آخری پارہ جس سورہ پر ختم ہوتا ہے وہ ''سورۂ الناس'' ہے۔

الحمد بہر حال صورت علیحدہ رہی اور وہ فی الحقیقت ہے بھی الگ رہنے کے لائق اس لئے اس کی عظمت تمام قرآن مجید سے بدر جہا زیادہ ہے اور چونکہ اس کا نام سورۂ فاتحہ ہے اس لئے اس کا ذکر الگ ہوگا۔اب رہیں باقی ایک سو تیرہ سورتیں ان میں اٹھائیس ایسی ہیں جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں ان

حروف مقطعات کی کل تعداد چوہتر (۷۴) حروف ہیں جب ان کے حروف کی تلخیص کی جائے۔ یعنی جتنے حروف مکرر تحریر ہیں وہ سب گرائے جائیں تو مندرجہ ذیل چودہ حروف باقی رہتے ہیں۔

ا۔ل۔م۔ر۔ک۔ہ۔ی۔ع۔ص۔ط۔س۔ح۔ق۔ن ان حروف کو اگر ترتیب دیا جائے تو ستاسی (۸۷) کروڑ بیاسی (۸۲) لاکھ اکیانوے (۹۱) ہزار دوسو طرح سے ہوسکتی ہے مگر ایسی بامعنی عبادت جس سے نکتہ لطیف پیدا ہوا اور حق کا ''نور'' ہویدا ہو یہی ہے۔ ''صِـرَاطُ عَلِيٍ حَقٌّ نُمَسِّكُهُ'' (علی کا راستہ بر حق ہے جس کی ہم پیروی کرتے ہیں) یہ بات تمام دنیا میں مسلمات سے ہے کہ کسی سلطنت کے بادشاہ اور اس کے اراکین دولت کے مابین ایک خط رموز میں ہوتا ہے جس کے اشارات اور کنایات غیر لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ یہ کلام چونکہ معجزہ ہے اس لئے خدائے تعالیٰ نے خود اپنے اور اپنے رسولؐ کے مابین معمولی حروف کو رمز (دائرہ) قرار دے دیا اور اس رمز کو سوائے ان کے کما حقہ کوئی نہیں سمجھا۔ ہاں جو ان سے تعلق رکھنے والے ہیں، وہ کم از کم اتنا تو سمجھے کہ یہ حروف کتنی مرتبہ ترتیب دئے جاسکتے ہیں اور بامعنی عبارتیں کیا کیا پیدا ہوتی ہیں جو ان کے ایمان اور اطمینان کے لئے کافی ہے۔ نیز ان حروف کے چودہ (۱۴) ہونے نے بھی یہ اشارہ کیا کہ ان رموز کے لئے چودہ ہی منتخب کئے گئے ہیں۔ ان حروف میں بھی تین نقطہ دار ہیں اور گیارہ بے نقطہ جس سے یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ چودہ میں بھی تین کی عزت خاص ہے۔ از آں جملہ نون سے صاف صاف نبیؐ مراد ہیں تو قاف سے علیؑ۔ کوتاہ بین کے نزدیک بے ادبی معلوم ہوتی ہے کہ نون کے عدد پچاس (۵۰) اور قاف کے سو (۱۰۰) یعنی ظاہر بظاہر دو چند کا فرق ہے مگر جب علی مرتضیٰؑ کو دوش رسولؐ پر کعبۃ اللہ میں دو بالا دیکھئے گا تو پچاس کا دو چند سو ہو جائے گا۔ نیز اعداد احاد میں نو کا عدد کامل اور اشرف سمجھا گیا ہے۔ ثبوت اس کا یہ ہے کہ جس طرح شریف آدمی خواہ کسی درجہ پر پہنچ جائے اپنی شرافت کو نہیں چھوڑتا یہی حالت نو کے عدد کی ہے مثلاً اس کا دو چند لیا جائے اٹھارہ ہوگا اب اس کے ظاہری عدد کا مجموعہ وہی آٹھ اور ایک نو۔ سہ چند لیا جائے تو ستائیس ہوا ظاہری عدد کا مجموعہ سات (۷) اور دو (۲) نو۔ چہار چند لیا جائے تو چھتیس (۳۶) ہوا جس کا مجموعہ چھ (۶) اور تین (۳) نو۔ پانچ گنا لیا جائے تو پینتالیس (۴۵) ہوا مجموعہ پانچ (۵) اور چار (۴) کا نو ہوا۔ چھ گنا لیا جائے تو چوّن (۵۴) مجموعہ چار (۴) اور پانچ (۵) نو ہوا۔ سات گنا لیا جائے تو ترسٹھ

(۶۳) ہوا مجموعہ تین (۳) اور چھ (۶) کا نو ہوا۔ آٹھ گنا لیا جائے تو بہتر (۷۲) ہوا اور مجموعہ دو (۲) اور سات (۷) کا نو ہوا۔ نو گنا لیا جائے تو اکیاسی (۸۱) مجموعہ ایک (۱) اور آٹھ (۸) کا نو (۹) ہوا۔ دس گنا لیا جائے تو نوے (۹۰) ہوا مجموعہ صفر (۰) اور نو (۹) کا ہوا نو۔ گیارہ گنا کیا جائے تو ننانوے (۹۹) جس کا مجموعہ نو اور نو اٹھارہ ہوا اور آٹھ اور ایک نو ہوا۔ بارہ گنا لیا جائے تو ۱۰۸ جس کا مجموعہ ایک آٹھ نو ہوا۔ تیرہ گنا کیا جائے تو ۱۱۷ ہو جس کا مجموعہ نو (۹) ہوا۔ چودہ گنا لیا جائے تو ۱۲۶ جس کا مجموعہ (۹) نو ہوا۔

اسی طرح کے بعد کا ہندسہ آٹھ (۸) کو لیا جائے۔ اس کا دو گنا ہوا سولہ (۱۶) جس کا مجموعہ سات رہ گیا۔ سہ چند لیجئے تو وہ ہوا ۲۴ جس کا مجموعہ چھ (۶) ہوا، چہار چند لیجئے تو ہوا ۳۲، اس کا مجموعہ پانچ رہ گیا، پانچ گنا لیجئے تو چالیس (۴۰) ہوا جس کا مجموعہ چار رہ گیا، چھ گنا لیجئے تو ہوا اڑتالیس (۴۸) جس کا مجموعہ ہوا بارہ (۱۲) مگر اس کا آئندہ مجموعہ ہوا تین (۳) اور سات گنا کیجئے تو چھپن (۵۶) جس کا مجموعہ گیارہ یعنی ایک اور ایک دو اور آٹھ گنا لیجئے تو چونسٹھ (۶۴) جس کا مجموعہ ہوا دس صفر خالی باقی۔ ایک ہی رہ گیا گویا اپنی مقدور تک بڑھ کر ایک ہی رہ گیا۔

عدد نو کے کمال اور شرافت کا اس سے پتہ لگ گیا۔ اب قاف کے عدد ہیں سو (۱۰۰) یعنی ایک عدد اور اضافی نقطے یا درجے اب اس میں سے گیارہ (۱۱) مرتبہ (۹) نو برآمد ہوسکتا ہے اور پھر عدد ایک کا ایک رہتا ہے اور چونکہ قاف سے اشارہ ہے علی مرتضٰی کی طرف سے جس سے معلوم ہوا کہ ان کی نسل سے گیارہ کامل اور اشرف انسان پیدا ہوں گے۔ قؔ اور یؔ دونوں دو دو نقطے والے ہیں مگر فرق اتنا ہی ہے کہ قؔ کے نقطے فوقانی اور یاء کے تحتانی جس سے یہ اشارہ پایا گیا کہ علیؑ اور فاطمہؑ ہم رتبہ ہیں صرف مرد اور عورت کا فرق ہے (جو رسول خدا محمد مصطفیؐ کے ساتھ مل کر سو کا عدد بنے) اور ان کے ایک نقطہ ہونے نے یہ بتلا دیا کہ بنی نہ فقط تمام مخلوقات میں بلکہ انبیاء میں بھی فرد و یکتا ہیں جن کا ثانی ہی نہیں اور ان چودہ حروف میں صرف پانچ نقطہ ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چودہ میں سے پانچ کا اجتماع ایک وقت میں ہو جائے گا اور ان تینوں نقطہ والے حرفوں کو بترتیب جمع کریں تو فقط ''نقی'' پیدا ہوتا ہے جس سے یہ پتہ لگا کہ چودہ میں سے یہ تین چیدہ ہیں اگر کسی کو اس نکتہ میں کلام ہو کہ نقطہ سے ذات معصوم مراد لی ہے تو وہ جناب امیر علیہ السلام کی اس حدیث کو دیکھے کہ وہ حضرت فرماتے ہیں:

اَنَا النَّقُطَةُ الَّتِیُ تَحُتَ الُبَاءِ (بائے بسم اللہ کے نیچے کا نقطہ میں خود ہوں)
جس کے متعلق شاعر نے خود حقیر کی فرمائش سے یہ شعر موزوں کیا ہے۔(۱)

علیؑ ہیں نقطۂ زیبائے بائے بسم اللہ
جسے کلام ہو اس میں وہ آئے بسم اللہ

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انوار معصومین کے آنے کی پیشین گوئی خلقت سے بہت پہلے ہوگئی تھی۔

حضرت علیؑ رسولؐ خدا کی نظر میں

رسول خداؐ خوب سمجھتے تھے کہ علیؑ کیا ہیں کیونکہ نہ سمجھیں گے جب کہ حضرت علیؑ کی ولادت بھی خالق کائنات کے نور وجود سے ہوئی اور ولادت کے بعد نور علیؑ نور رسولؐ کے منتظر تھے کہ کب رسولؐ تشریف لائیں اور کب زیارت کا شرف حاصل کریں، تیسرے دن حکم خدا سے رسول خداؐ نور علیؑ سے ملنے گئے تو انہوں نے آنکھیں کھولیں اور اپنی زبان دہن علیؑ میں دے کر کلِ غالب سے نوازا۔ پھر پرورش بھی خود ہی کی۔ اب ایسی کوئی بات ہی نہ تھی جو رسول خداؐ علیؑ کے بارے میں نہ جانتے ہوں۔ جب ہی تو دس یا بارہ سال کی عمر میں اپنا وصی و جانشین اور خلیفہ بنا لیا اور علیؑ کو اپنا نفس قرار دیا۔ شب ہجرت اپنے بستر پر سلایا۔ وفات کے قریب جانشینی کی دستاویز لکھنے کی سعی کی اور آپ کو اپنا وارث سمجھتے ہوئے فرمایا کہ: امانت وغیرہ تم ادا کرنا۔ جنگ خندق میں آپ کے کل ایمان ہونے کی تصدیق کی۔ امیر المومنینؑ کا خطاب دیا۔ آپ کی محبت ایمان اور آپ کا بغض کفر قرار دیا۔ آپ کو حکم دیا کہ میرے بعد فوری جنگ نہ کرنا، صبر سے کام لینا۔ اہل بیتؑ کی فضیلت کو واضح کرنے کے لئے خالق کائنات نے حدیث کساء میں یکجا کیا۔ اسی طرح ''مباہلہ'' کے نام سے مشہور واقعہ تواریخ میں ہے:۔

> ۱۰ھ میں نجران (یمن) کے عیسائیوں کے ساتھ ایک طرح کے روحانی مقابلہ کا موقع آیا جس کا نام ''مباہلہ'' ہے یعنی دونوں فریق اللہ سے دعا کریں کہ جھوٹے پر عذاب نازل ہو۔ اس موقع پر رسولؐ تشریف لے گئے تو اس طرح کہ ہاتھ میں علیؑ ابن ابی طالب کا ہاتھ تھا۔ حسنؑ حسینؑ آگے آگے تھے اور فاطمہ زہراؑ

---

(۱) قرآن مجید، ضمیمہ پارہ اول (مولانا سید مقبول احمد، ص/ ۳۷)

پیچھے، آ رہی تھیں، نجران والے یہ نورانی منظر دیکھ کر مرعوب ہوئے اور خراج دینے کے لئے آمادہ ہو گئے۔(۱)

ظاہر ہے کہ پیغمبر خداؐ اس مہم کو تنہا سر کر سکتے تھے، پھر قرآن کی تصریح (۲) کے مطابق رسول اللہ اپنے اہل بیتؑ کو ساتھ لے جانے پر کیوں مامور ہوئے؟ اس کا مقصد ایک طرف حق کے کامل نمائندوں کا خلق سے تعلق تھا۔ تو دوسری طرف تعلیم وتربیت کا انداز بھی تھا گویا ابھی خاندان رسولؐ کی ان ہستیوں پر ذمہ داری کا بار ڈالا جا رہا تھا اور کار رسالت کی تکمیل میں عملی طور پر شریک کرتے ہوئے یہ ثابت کیا جا رہا تھا کہ ضرورت کے وقت حفاظت اسلام کی ان ہی سے امید ہے۔(۳)

اس مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ خدا کی نظر میں علیؑ اور خاندان علیؑ کی کیا منزلت تھی۔

خصوصیات حضرت علی علیہ السلام

ہمارے لئے حضرت علیؑ کی شخصیت کی خصوصیات کا ذکر کرنا ایسا ہی ہے جیسے سمندر میں ایک قطرہ پانی کا گرنا۔ مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو انفرادیت کا حامل نہ ہو۔ حد یہ ہے کہ کھانے پینے سے لے کر عبادت تک ہر مقام پر آپ کی شخصیت ایک انفرادی خصوصیت کی حامل اور اس کا شریک دنیا میں کوئی دوسرا صاحب کردار نہیں ہے، ذیل میں صرف چند امتیازات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

کھانے میں صرف جو کا آٹا نوش فرماتے تھے اور کبھی گندم کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے تھے اور پھر یہ ہدایت تھی کہ آٹے کو چھانا نہ جائے مع خاردار بھوسی کے روٹی نوش فرماتے تھے۔ روٹی پکنے کے بعد اتنی سوکھ جاتی تھی کہ عام انسان نہیں کھا سکتا تھا اور رہائش کے اعتبار سے ساری زندگی مکان کا انتظام نہ کر سکے۔ کوفہ میں ایک عاریت کے مکان میں دور خلافت کا وقت گذار دیا۔ اور اس سے پہلے بھی کبھی محلات کی خواہش نہ کی اور معیشت کے اعتبار سے بیت المال کے مال کو ہاتھ نہیں لگایا، اور ہمیشہ اپنے زور بازو کی کمائی پر گذارا کرتے رہے۔ کسی کام کو کرنے سے گریز نہ کیا جو محنت حلال ہو۔ حضرت علیؑ لباس کے اعتبار سے خلافت اسلامیہ کے مل جانے کے بعد بھی پیوند دار لباس پہنتے رہے۔ یہاں تک کہ خود فرمایا کرتے تھے کہ اب تو رفو کرنے والے سے بھی شرم آتی ہے۔

---

(۱) ارشاد، ص/۸۷ (۲) سورۂ آل عمران آیت ۶۱ (۳) شہید انسانیت، ص/۶۳

حضرت علیؑ کے کارنامے

خالق کائنات نے رسول خدا کا ہمسر بنا کر حضرت علیؑ کو پیدا کیا جو تبلیغ اسلام کے کاموں میں ہمیشہ رسول خداؐ کے ساتھ رہے۔ پیش ہیں مختصر کارنامے

- روز اول دعوت ذوالعشیرہ کا اہتمام کرنے والے اور رسول اکرمؐ کی تصدیق کرنے والے آپ ہی ہیں۔
- ہجرت کی رات اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر رسول کریمؐ کی جان بچانے والے آپ ہی تھے اور آپ ہی نے امانتوں کو واپس کر کے وقار رسالت کا تحفظ کیا تھا۔
- غار ثور میں قیام کے دوران رسول اکرمؐ اور ابوبکر کے لئے آب وغذا کا انتظام کرنے والے آپ ہی تھے۔
- بدر کے معرکہ میں آپ ہی کی تلوار چمکتی رہی اور ستر (۷۰) مقتولین میں سے ۳۵ کو تن تنہا آپ ہی نے تہ تیغ کیا۔
- احد کے معرکہ میں سب کے فرار کر جانے کے بعد آپ ہی کا اعلان تھا کہ میں ایمان کے بعد کفر اختیار نہیں کر سکتا ہوں۔
- خندق کے معرکہ میں کل کفر کا سر آپ ہی نے قلم کیا تھا۔
- خیبر میں مرحب وعنتر کا خاتمہ کر کے قلعہ قموص کو آپ ہی نے فتح کیا تھا۔
- آیت نجویٰ کے موقع پر صدقہ دے کر رسول اکرمؐ سے راز و نیاز کا شرف آپ ہی نے حاصل کیا تھا۔

اخلاق وانصاف

حضرت علیؑ اخلاقی اعتبار سے اتنے بلند مرتبہ شخصیت تھے کہ ان کا کوئی مثل نہیں ہے۔ پیش ہیں کچھ مثالیں۔

- غلاموں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ انہوں نے غلامی کو آزادی پر ترجیح دی۔ قیمتی لباس قنبر کو عطا فرمایا اور خود کم قیمت کا لباس زیب تن فرمایا۔
- محاصرہ کے دوران عثمان کے لئے آب ودانہ کا انتظام آپ ہی نے کیا۔
- ابن ملجم کی گرفتاری کے بعد سے سیراب کرنے کا حکم آپ ہی نے دیا۔
- زہد کا یہ فلسفہ آپ ہی نے سمجھایا کہ زہد اس امر کا نام نہیں ہے کہ انسان کسی چیز کا مالک نہ ہو۔ زہد اس

امر کا نام ہے کہ کوئی چیز انسان کی مالک نہ بننے پائے اور اس کا اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رہے خواہشات کے ہاتھ میں نہ جانے پائے۔

انصاف کے اعتبار سے بھی رسول خداؐ کی پیروی کرتے تھے مثال کے طور پر:

ایران کے شہر اصفہان سے کچھ مال آتا ہے اس وقت اتفاق سے سات آدمی صاحب استحقاق موجود تھے۔ آپ نے تمام مال کے برابر سے سات حصے کر دئے اور ایک روٹی بھی اس میں نظر آ گئی تو اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کر کے ہر حصے میں ایک ٹکڑا رکھ دیا۔ ممکن ہے لوگ سوچیں کہ ایک روٹی کا کیا تھا کسی میں بھی رکھ دیتے جو بظاہر شریعت کے مطابق کوئی جرم نہ تھا۔ مگر حضرت علیؑ انسانی ذہنیت کو خوب سمجھتے تھے کہ یہ چھوٹی باتیں بھی نوٹ کی جاتی ہیں۔ اس لئے حضرت علیؑ تو عوام کی ذہنیت کو اسی مساوات کے سانچے میں ڈھالنے کا کام انجام دے رہے تھے جسے رسولؐ نے سکھایا تھا۔ ہر دور میں دنیا والے اس کی طرف جھکتے نظر آئے ہیں جس کے پاس زیادہ دولت ہو چاہے وہ دولت اسے ملے یا نہ ملے لیکن اس سے ملنے پر اسے اپنی برتری کا احساس ہوتا ہے۔ مگر حضرت علیؑ کچھ اور سوچتے ہیں پیش ہے۔

"حضرت علیؑ کی یہ کیفیت ہے کہ منبر پر اپنی تلوار کے فروخت کا اعلان کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ مجھے ایک لباس کی ضرورت ہے جو بغیر اس تلوار کے فروخت کئے ہوئے ممکن نہیں۔"(۱)

عبدالرزاق محدّث نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ اس حالت میں تھا جب سوائے شام کے تمام عالم اسلام کی سلطنت آپ کے قبضہ میں تھی۔

سیاسی اعتبار سے

آپ کی سیاست ہر دور کے لئے ایک مستقل نمونہ عمل رہی ہے۔ جس کے چند نمونے پیش ہیں:

- رسول خداؐ کے بعد سخت ترین حالات میں بھی آپ نے اپنے حق کے مطالبہ کے لئے تلوار نہیں اٹھائی جبکہ مذہب کے تحفظ کے لئے بدر سے لے کر حنین تک ہر میدان میں رہے اور بعد میں بغاوت کا مقابلہ کرنے

(۱) استیعاب، ج/۲،ص/ ۴۲۷

کے لئے جمل وصفین، اور نہروان میں کمال شجاعت کا مظاہرہ کرتے رہے اوراس طرح پاکیزگیٔ نفس کا ایک بہترین نمونہ پیش فرمایا۔

- اپنے جملہ حقوق کے غصب ہو جانے کے بعد بھی حکام وقت کو مشورہ دیتے رہے اوران کی مشکل کشائی فرماتے رہے کہ اسلام کے معاملات کو شخصیت سے بالاتر ہونا چاہئے۔
- عثمان کے محاصرہ کے دوران آب ودانہ فراہم کیا جبکہ انہوں نے براہ راست آپ کے مقابلہ میں حکومت پر قبضہ کیا تھا۔
- جمل کی فتح کے بعد بھی عائشہ کو بصد احترام وطن پہونچایا کہ حرمت رسولؐ کا احترام بہرحال ضروری ہے، چاہے خود شخصیت قابل احترام نہ رہ گئی ہو۔
- صفین کے موقع پر لشکر معاویہ نے پانی بند کر دیا۔لیکن جب آپ کو نہر پر قبضہ ملا تو فوراً پانی سے سب کو سیراب ہونے دیا۔
- اسی جنگ میں پانچ سو(۵۰۰) قرآن کے بلند ہونے پر امان مانگی گئی تو جیتی ہوئی جنگ کو روک دیا کہ اسلام میں فتوحات کا معیار ملک پر قبضہ نہیں ہے بلکہ قرآن کی حاکمیت کا قائم کرنا ہے۔
- جناب شہر بانو گرفتار ہو کر آئیں تو ان کے ساتھ کنیزوں جیسا برتاؤ کرنے کے بجائے انہیں اپنے عزیز ترین فرزند کی زوجیت کا شرف عنایت فرمایا جس نے پوری قوم کے دلوں کو فتح کر لیا۔
- عمروعاص نے میدان جنگ میں برہنگی کا حربہ اختیار کیا تو اسلامی قوانین کے احترام میں اسے نظر انداز کر دیا، ورنہ وہ قتل ہو جاتا۔
- فدک کے موقع پر خود دربار میں جانے کے بجائے صدیقہ طاہرہؑ کو دعویٰ پیش کرنے کے لئے بھیج دینا اتمام حجت کی بہترین سیاست ہے جس سے بہتر کوئی راستہ اختیار نہیں کیا جا سکتا ہے۔اس واقعہ سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ امت کے پاس نہ آیات قرآن کا احترام ہے اور نہ قرابت رسولؐ کا جو قوم اپنے نبیؐ کی بیٹی کے وسیلۂ حیات پر قبضہ کر کے اسے فاقوں پر مجبور کر سکتی ہے، اس سے کسی شرافت اور احسان مندی کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔
- آپ کے سامنے دنیا مختلف شکلوں میں آتی رہی لیکن ہر مرتبہ ٹھکرا دیا اور جب تک مذہب کی

ضرورت پیش نہیں آئی تخت حکومت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ بلکہ صفین کے موقع پر تو مقام ذی قار میں اپنی بوسیدہ نعلین کی مرمت فرماتے ہوئے ابن عباس سے فرمایا کہ:

''میری نگاہ میں یہ جوتیاں تمہارے تخت وتاج سے کہیں زیادہ قیمتی ہیں۔''

دنیا کو تین بار طلاق دینے کا مفہوم ہی یہ ہے کہ دنیا برابر قدموں میں آتی رہی لیکن آپ اس کی طرف سے برابر اعراض فرماتے رہے۔

❁ دنیا کی نعمتوں کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد گرامی ہمیشہ یادرکھنے کے قابل ہے کہ اس سے آپ کی سیاست کی بنیادوں کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے اور دنیا والوں کو زندہ رہنے کا بہترین سبق بھی حاصل ہوتا ہے۔ غرض آپ فرماتے ہیں:

☆ دنیا کی بہترین غذا شہد ہے جو ایک جانور کا فضلہ ہے۔

☆ دنیا کا بہترین مشروب پانی ہے جو زمین پر بہتا ہے۔

☆ دنیا کی بہترین لذت جنسی لذت ہے جس کا خلاصہ نجاست کا نجاست سے اتصال ہے۔

☆ دنیا کا بہترین لباس ریشم ہے جو ایک جانور کے جسم کا فاضل حصہ ہے۔

☆ دنیا کی بہترین سواری گھوڑا ہے جو جنگ وجدال کا مرکز ہے۔

☆ دنیا کی بہترین سونگھنے والی چیز مشک ہے جو ایک جانور کا جما ہوا خون ہے۔

☆ دنیا کی بہترین سننے کی آواز گانا ہے جو نگاہ قدرت میں انتہائی ناپسندیدہ اور حرام ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا کی ایسی معرفت جسے بھی حاصل ہو وہ اپنا مقصد حیات نہ دولت کو بنا سکتا ہے اور نہ ریاست کو، اس کی نگاہ میں نہ راحت دنیا کی کوئی حیثیت ہے اور نہ نعمات دنیا کی، یہ تو انسان کی بے معرفتی ہے کہ اپنی سیاست کا محور دنیا کو بنائے ہوئے ہے اور اپنے سے پست تر مقصد پر جان دے رہا ہے۔(۱)

معاویہ ابن وحیدی قیشری سے منقول ہے کہ

میں نے رسولؐ اللہ سے سنا ہے، اے علیؑ پرواہ نہ کر جو تجھ سے دشمنی رکھتا ہے وہ بعد مرگ یہودی ونصاریٰ کے ساتھ اٹھے گا اور قیامت کے روز اس کا حشر یہودی یا نصاریٰ جیسا ہوگا۔(۲)

(۱) نقوش عصمت، علامہ سید ذیشان حیدر جوادی، ص/۱۲۶ تا ۱۳۰ (۲) معاویہ بن وحید قیشری

حضرت علیؑ کی علمی و تصنیفی صلاحیت

تواریخ میں ہے کہ علمائے اسلام کی اتفاق رائے یہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے تصنیف وتالیف کا کام کرنے والے پہلے مصنف حضرت علیؑ ہیں:

اَوَّلُ مَنْ صَنَّفَ فِیْ الْاِسْلاَمِ اَمِیْرُ الْمُوْمِنِیْنَ

''اسلام میں سب سے پہلے حضرت علیؑ نے تصنیف کی ہے۔'' آپ کی کتاب کا نام ''کتاب علیؑ'' اور ''جامعہ'' تھا۔(۱)

- اسلام میں جتنی عظیم شخصیتیں فقہی، ادبی اور اخلاقی یا صوفی قسم کی پائی جاتی ہیں سب کا سلسلۂ شاگردی آپ ہی کی ذات اقدس تک پہنچتا ہے۔

اسی لئے رسول خداؐ نے آپ کو شہر علم وحکمت کا دروازہ قرار دیا تھا اور علم کا بہترین قاضی قرار دیا تھا۔

رسولؐ خدا کے انتقال کے بعد زمانہ کی بے رخی کو دیکھتے ہوئے گھر سے نکلنا اور لوگوں سے ملنا ترک کر دیا تھا۔

آپ ہر وقت ایک گوشہ میں بیٹھے قرآن مجید کے متفرق اجزاء کو اصلی ترتیب اور شان نزول کے مطابق کتابی شکل میں مرتب کرتے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ: میں نے عہد کیا ہے عبا دوش پر نہ ڈالوں گا جب تک کہ قرآن جمع نہ کرلوں۔(۲)

- حضرت علیؑ ہی نے منبر کی بلندی سے ''سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِی'' فرماتا۔
- رسول خداؐ کے بعد حکام وقت نے اپنے مشکلات میں آپ ہی کی طرف رجوع کیا تھا اور ان کی علمی گتھیوں کو آپ ہی سلجھایا کرتے تھے۔

---

(۱) علامہ رشید الدین، ''کتاب معالم العلماء'' وعلامہ سید محسن، کتاب الصفیہ وفنون اسلام (۲) صواعق محرقہ، ص/۷۶

- مختلف علوم میں کمال حاصل تھا۔ آپ کے پاس علم لدّنی تھا یہاں تک کہ علم نحو کے قواعد آپ ہی نے فرمائے اور حروف کے تعارف کے اصول آپ ہی نے تعلیم فرمائے۔
- آپ کی تصنیف کا وہ مجموعہ جسے سید شریف رضیؒ صاحب نے جمع فرمایا ہے اور جسے بجا طور پر ''نہج البلاغہ'' کے نام سے چھپوایا ہے یہ مجموعہ اگر چہ مکمل نہیں ہے اور اس کے بعد مستدرک نہج البلاغہ کے نام سے دوسرا مجموعہ بھی تیار کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود بہترین مجموعہ ہے جو ترتیب وتبویب اور سند وثبوت کے اعتبار سے بھی بہترین درجہ کا مالک ہے، اور بہت سے علماء نے اس کے ایک ایک خطبہ کے مدرک و مآخذ کا بھی سراغ لگایا ہے اور اس کی مکمل نشان دہی کی ہے جو مدارک نہج البلاغہ اور استناد نہج البلاغہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھنے والوں نے چار جلدوں میں مصر میں چھپوائیں اور اہل شیعہ حضرات نے ۲۵ جلدوں میں چھپوائی۔ جو مومنین میں بہت مقبول ہے۔

کتب اہل سنت میں منقول ہے کہ:

> ایک مرتبہ جناب رسول خداؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم لوگوں میں سے ایک شخص ایسا ہوگا جو تاویل قرآن پر اس طرح جہاد کرے گا جس طرح میں نے تنزیل قرآن پر جہاد کیا۔ یہ سن کر ابوبکر نے عرض کی: یا رسولؐ اللہ! وہ شخص میں ہوں؟ فرمایا نہیں۔ عمرؓ نے عرض کی آیا میں ہوں؟ فرمایا نہیں بلکہ وہ شخص وہ ہے جو اس وقت میری نعلین درست کر رہا ہے۔ اور اس وقت جناب امیر المومنینؑ نعلین جناب رسولؐ خدا کو درست کر رہے تھے۔(۱)

حضرت علیؑ کی علمی فضیلت کا بیان ناممکن ہے پھر بھی تاریخ کی کچھ مشہور تصانیف آپ کے سامنے پیش کرنے کی برابر کوشش کر رہی ہوں جس میں ان کی علمی فضیلت کا ذکر ہے۔ کتب اہل سنت میں ہے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا:

> ''خدا کی قسم کوئی آیت قرآن میں ایسی نہیں ہے جو میں نہ جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور کہاں نازل ہوئی اور کس پر نازل ہوئی۔ جو کچھ تم کو کتاب خدا میں سے پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو۔ میں جانتا ہوں کہ وہ آیت رات

(۱) ارجح المطالب

میں نازل ہوئی یادن میں، پہاڑ پر یا زمین ہموار پر، پھرفرمایا: خدا کی قسم اگر میرے واسطے فرش بچھایا جائے اور میں اس پر بیٹھوں تو اہل توریت کے لئے ان کی توریت سے اور اہل زبور کے لئے ان کی زبور سے۔اور اہل انجیل کے لئے ان کی انجیل سے اور اہل فرقان کے لئے فرقان سے اس طرح حکم کروں کہ ہر کتاب خدا با آواز بلند ندا کر کے کہے کہ بارالہا! بے شک علیؑ نے وہی حکم کیا ہے جیسا تیرا حکم مجھ میں مرقوم ہے۔''

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا:

اگر میں چاہوں تو فقط سورہ حمد کو اس قدر بیان کروں کہ اگر لوگ لکھیں تو ستر (۷۰) اونٹ کا بار تیار ہو۔(۱)

حضرت علیؑ نے اپنے علم سے دنیا والوں کو ان اوقات سے بھی آگاہ کیا ہے جب ظہور امام زمانہ ہونے والا ہوگا تو دنیا میں کیا کیا علامات ظاہر ہوں گی۔پیش ہے حسب ذیل:

کتاب خرائج میں مذکور ہے کہ ایک روز امیر المومنینؑ نے خطبہ میں فرمایا کہ:

اس وقت لوگ نماز کو معمولی چیز سمجھ کر اکثر ترک کر دیں گے، امانت میں خیانت عام ہوگی، روغ، افتراء، رشوت خوری حلال سمجھی جائے گی۔دین دنیا کے بدلے فروخت ہوگا۔عورتوں سے مشورے ہوں گے، بیوقوف مناصب عالیہ پر فائز ہوں گے، صلہ رحم منقطع ہو جائے گا۔لوگ خواہشات کے مطیع ہو جائیں گے، قتل اور خونریزی عام ہوگی، علم ضعیف پڑ جائے گا، ظلم کو قوت حاصل ہوگی، امراء فاجر ہو جائیں گے، وزراء ظالم ہوں گے، عالم خیانت پیشہ بن جائیں گے۔قاری فاسق و فاجر ہو جائیں گے مکروفریب زر عام ہوگا۔فسق و فجور ترقی کرے گا۔مینار مسجد بلند ہوں گے، بہتان شائع ہوگا، گناہ و بدی رونق پکڑے گی، نمازوں کی صفیں درہم شدہ متحد ہو جائیں گی۔مگر دل متفرق ہوں گے، وعدہ خلافی عام ہوگی، عورتیں تجارت میں مردوں کے شریک ہو جائیں گی۔فاسق و فاجر کی آواز

(۱) ارجح المطالب

سنی جائے گی۔قوم کے سردار اور کارساز ذلیل ترین انسان ہوں گے۔فاجروں سے لوگ خائف ہوں گے۔کاذب،صادق کہلائے گا اور خائن امین،عورتیں مردوں کی صورت اختیار کریں گی۔اور مرد عورتوں کی۔مرد مردوں کی جانب اور عورتیں عورتوں کی جانب مائل ہوں گی۔عورتیں مردوں کی طرح گھوڑے پر سوار ہوں گی اور سفر کریں گی،سچی گواہی نہ سنی جائے گی۔جھوٹی گواہی کارآمد ثابت ہوگی۔بے معرفت،ناواقف فقیہ بے علم مفتی اور جاہل عالم بن جائیں گے اور کار ہائے دنیا کو کارہائے آخرت پر ترجیح دیں گے۔بھیڑ کی کھال پہنیں گے۔مگر خود بھیڑئے ہوں گے،لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ایسے زمانہ میں گوشہ نشینی اختیار کرو۔اور سب سے بہتر مسکن بیت المقدس ہے۔

کسی نے دریافت کیا:یاامیر المومنینؑ دجال کون ہے؟

فرمایا:دجال وہ ہے کہ جو اس کی تصدیق کرے گا وہ شقی ہے اور جو تکذیب کرے گا وہ سعید ہے۔وہ اصفہان سے خروج کرے گا یعنی (ایران سے بغاوت کرے گا) داہنی آنکھ نہ ہوگی اور بائیں آنکھ اس کی پیشانی پر سرخ ستارے کی مثل چمکتی ہوگی۔پیشانی پر کافر لکھا ہوگا۔سرخ گدھے پر سوار جس چشمہ پر پہنچے گا وہ چشمہ زیر زمین پوشیدہ ہو جائے گا تمام تر اس کے مطیع اولاد زنا سے ہوں گے اور وہ جہاں بھی اپنے ہمراہیوں کے یہاں جائے گا یہ آواز بلند کرے گا (اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعَلیٰ) اور اس کو ''بقیۃ اللہ'' بروز جمعہ قتل کردے گا۔(۱)

اس طرح حضرت علیؑ کی علمی فضیلت خداداد ہے یہ عام انسانوں میں ناممکن ہے۔

(۱) کتاب خرائج

حضرت علی علیہ السلام کے معجزات

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

لَوْ كَانَ الرِّيَاضُ اَصْلاً وَمَاءُ الْبُحُوْرِ مِدَاداً وَالْجِنُّ حِسَاباً وَالْاِنْسَانُ كِتَاباًمَااَحْصُوْا فَضَائِلَ عَلِيِ بْنِ اَبِي طَالِبٍ

پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اگر تمام روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر روشنائی بن جائے اور تمام جن حساب کریں اور کل انسان مل کر لکھیں، جب بھی فضائل علی بن ابی طالب کا احصا (شمار) نہیں کر سکتے۔

بہر حال حضرت علیؑ کے فضائل اور معجزات پیش کر رہی ہوں جو حسب ذیل ہیں:

پہلا معجزہ

یہ حدیث اکثر کتابوں میں مرقوم ہے ہم نے اہل سنت کی کتاب ''معتبرۃ'' جو انس بن مالک اور ثعلبی سے جو کہ علماء اہل سنت سے ہیں لکھا ہے:

روایت ہے کہ ایک قبیلہ نے بطور ہدیہ ایک غالیچہ رسول خداؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ رسول خداؐ نے مجھ سے فرمایا کہ انس! اس کو زمین پر بچھا دو اور فلاں فلاں دس آدمیوں کو بلا لاؤ، میں بلا کر لے آیا۔ حکم ہوا اس پر سب بیٹھ جاؤ۔ ہم اس پر بیٹھ گئے پھر علی کو بلایا اور تا دیر راز و نیاز کی باتیں ہوئیں، وہیں پھر علیؑ بھی اس بساط پر گئے۔ اور ہوا کو حکم دیا کہ بساط کو اٹھا کر تیزی سے لے چل ہوا اپنے دوش پر لے کر چلی کچھ دیر بعد علیؑ نے حکم دیا کہ زمین پر اتار دے ہوا نے بساط کو زمین پر اتار دیا۔ پھر آپ نے ہم سے پوچھا: ''جانتے ہو یہ کون سی جگہ ہے۔ یہ مقام ''کہف و رقیم'' ہے جہاں ''اصحاب کہف'' خوابیدہ ہیں۔ پس اٹھو اور ان کو سلام

کرو''ہم سب نے نے سلام کیا مگر کسی کا جواب نہ آیا، پھر حضرت علیؑ نے سلام کیا۔''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا مَعَاشِرَ الصِّدِّيقِينَ ''ہم سب نے سنا۔جواب دیا ''عَلَيْكَ السَّلَامُ ''انس کہتے ہیں، میں نے علی مرتضیٰ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ ہمارے سلام کا جواب انہوں نے نہیں دیا اور آپ کے سلام کا جواب دیا۔پھر آپ اصحاب کہف کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا۔اور میرے سلام کا جواب دیا۔انہوں نے کہا کہ ہم صدیقین اور شہداء میں سے ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ کسی سے بعد مردن تکلم نہ کریں مگر نبی سے یا وصی نبی سے۔اس کے بعد آپ نے ہوا کو حکم دیا کہ بساط کو اٹھائے اور مدینہ پہنچائے ۔جب پہنچے تو ہم نے اور خود علی مرتضیٰ نے دیکھا کہ رسولؐ کی آخری رکعت تھی اور آنحضرتؐ یہ سورہ(أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا) کی تلاوت فرمارہے تھے۔

دوسرا معجزہ

کتاب''روضۃ''میں جو مستند اور معتبر ہے۔سند صحیح میثم تمار سے نقل ہے کہ:

ہم کثیر تعداد میں مسجد کوفہ میں خدمت امیر المومنینؑ میں جمع تھے کہ دروازہ مسجد سے ایک شخص بلند قامت باشمشیر مع خدم وحشم اندر داخل ہوا۔ہم سب حیران تھے کہ یہ شخص کون ہے اور کیوں آیا ہے اس نے آتے ہی بہ الفاظ صحیح اور بلند آواز سے کہا:تم میں وہ کون ہے جو حرم میں پیدا ہوا ہے، جو دوسخا میں مشہور ہے اور خلیفۂ رسولؐ وزوج بتولؑ ہے۔غالب کُلّ غالب علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے،حامل علم نبوت ہے اور معدن علم نبوت ہے۔

پس امیر المومنینؑ نے اس کی طرف دیکھا،اے ابا سعد بن فضل بن ربیع بن مدرکہ بن بخیہ بن صلت بن حرث بن اشعث بن سمیع ولیجی ! تجھے کیا ہوگیا ہے؟ جو مطلب تو رکھتا ہے بیان کیوں نہیں کرتا؟

اس شخص نے کہا:

میں نے سنا ہے کہ آپ جانشین رسولؐ ہیں اور حلال مشکلات ہیں۔ میں قبیلہ عقیمہ کا ہوں جہاں ساٹھ (۶۰) ہزار خانہ ہائے آباد ہیں۔ ان لوگوں نے مجھے ایک جوان میت دے کر بھیجا ہے۔ جس کو قبیلہ کے کسی شخص نے قتل کر دیا ہے قبیلہ میں سخت اختلاف ہو گیا ہے۔ قریب ہے ہزاروں بے گناہوں کا خون بہہ جائے آپ اگر اس کو زندہ کر دیں اور یہ اپنے قاتل کا نام بتلا دے تو یہ فساد ختم ہو سکتا ہے۔

میثم تمار کہتے ہیں کہ امیر المومنینؑ نے مجھے حکم دیا کہ میں کوفہ کے گلی کوچوں میں یہ منادی کروں کہ جس کسی کو علیؑ بن ابی طالب، برادر رسولؐ خدا کی طاقت الٰہیہ کا مظاہرہ دیکھنا ہو تو وہ آ جائے۔ چنانچہ بڑی مخلوق جمع ہو گئی۔ امیر المومنینؑ نے اس مرد اور اس کے ساتھیوں کو بلایا، جوان کی لاش سامنے رکھی گئی۔ آپ نے پوچھا اس قتل کو کتنا زمانہ گذرا؟

اس مرد نے کہا: اکتالیس روز قبل رات کو اپنے بستر پر بہ آرام سویا صبح کو مقتول پایا گیا۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا اس کا قاتل اس کا چچا ہے۔ کیونکہ اس کی لڑکی سے اس نے رشتہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس شخص نے کہا: یا امیر المومنینؑ! جب تک آپ اس کو زندہ کر کے اس کی زبان سے قاتل کا نام نہ کہلوا دیں گے، فتنہ وفساد ختم نہیں ہو سکتا۔ امیر المومنینؑ نے پہلے حمد وثنائے الٰہی فرمائی، رسول خداؐ پر درود وسلام بھیجا، پھر دعا کے لئے دست مبارک بلند کئے اور کہا کہ بنی اسرائیل کی گائے حق تعالیٰ کی نظر میں علیؑ سے زیادہ عزیز نہ تھی کہ سات روز کے بعد اس گائے کا ایک ٹکڑا مردہ جسم پر مارا اور مردہ زندہ ہو گیا۔ میں اپنے اعضاء کا ایک حصہ اس کے جسم پر مارتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ میرا عضو بدن خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس بقر (گائے) کے تمام اجزاء سے زیادہ عزیز تر ہے۔ (بقرۂ بنی اسرائیل کا واقعہ قرآن مجید میں تفصیل سے ہے۔ دیکھنے والے دیکھ سکتے ہیں۔) پھر آپ نے آگے بڑھ کر ایک ٹھوکر ماری اور فرمایا:

''یَامُدْرِک بِنِ حَنْظَلَه بِنْ یَحییٰ ،قُمْ بِاذْنِ اللّٰهِ'' ''اللہ کے حکم سے اٹھ بیٹھ!

میثم تمار کہتے ہیں: کہ ہم نے دیکھا کہ وہ جوان (مردہ) لبیک یا حجۃ اللہ: کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا

(صلواۃ)

حضرت علیؑ نے اس سے پوچھا تجھ کوکس نے قتل کیا ہے؟اس نے کہا: میرے چچا حارث بن غسان نے آپ نے فرمایا: اچھا جا اور اپنی قوم کو جا کر خبر کر دے۔ اس نے کہا میں اب اپنی قوم میں واپس نہیں جانا چاہتا، باقی زندگی مولا آپ کے قدموں میں گذاردوں گا۔ آپ نے اس مرد سے کہا تو ہی اپنی قوم کو اس امر سے جا کر مطلع کر دے۔ اس شخص نے بھی یہی بات کہی، کہ واللہ میں اب آپ کے قدموں سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔ چنانچہ دونوں نے خدمت امیر المومنینؑ ہی میں زندگی گذار دی اور جنگ صفین میں حق وفاداری ادا کیا۔

تیسرا معجزہ

کتاب ''روضہ'' جو کتب معتبرہ اہل حدیث ہے۔ سند صحیح عمار یاسر و زید بن ارقم سے روایت ہے کہ ہم ۱۷ صفر دوشنبہ، کوفہ کی مسجد میں خدمت امیر المومنینؑ میں حاضر تھے کہ یک لخت دروازہ مسجد سے ایک شور بلند ہوا، معلوم ہوا کہ تقریباً ہزار آدمی مسلح درِ مسجد پر اذن دخول کے منتظر ہیں۔ حضرت نے عمار یاسر کو حکم دیا کہ اندر بلا لو۔ اہل کوفہ جوق در جوق جمع ہونے شروع ہوئے۔ ایک عورت ان لوگوں کے ساتھ ایک ہودج میں بیٹھی ہوئی زار و قطار رو رہی تھی اور چلا چلا کر کہہ رہی تھی، اے دستگیر بے کساں اور اے فریاد رس فریاد کناں! آپ سے مدد چاہتی ہوں۔ مجھے اس شرمساری سے نجات دلائیے۔ اس کے بعد ایک ضعیف سن رسیدہ بوڑھا آگے بڑھا اور امیر المومنینؑ کو سلام کیا اور کہا یہ لڑکی مجھ بدنصیب کی ہے جس کی شہزادگان عرب خواستگاری کرتے تھے۔ اس نے مجھے بدنام اور رسوا کر دیا، معلوم ہوتا ہے کہ یہ حاملہ ہے اور میں حیران ہوں۔ امیر المومنینؑ نے دختر سے پوچھا کہ تیرا باپ کیا سچ کہتا ہے؟ کیا تو حاملہ ہے؟ لڑکی نے رو رو کر کہا، میرا باپ اپنے خیال میں سچ ہی کہہ رہا ہے، مگر اے مولا! قسم آپ کے حق کی کہ مجھ سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا جو خدا اور اس کے رسولؐ کے غضب کا باعث ہو، آپ میری مدد فرمائیے۔

امیر المومنینؑ یہ سن کر منبر پر تشریف لے گئے اور حکم دیا کہ ایک دایہ کو لایا جائے۔ دایہ آئی اور ایک گوشے میں اس لڑکی کا معائنہ کیا۔ پھر امیر المومنینؑ سے کہا: لڑکی حاملہ تو ضرور ہے مگر یہ درست ہے کہ وہ پاکیزہ ہے، اس کے بعد امیر المومنینؑ نے برف منگوانے کو کہا تو اس بوڑھے نے مجبوری ظاہر کی۔ یہ سن کر آپ بہ اعجاز برف منگوایا اور دایہ سے مخاطب ہوئے کہ اس برف کو ایک برتن میں رکھ کر اس پر اس لڑکی کو بٹھا دے۔ دایہ نے

ایسا ہی کیا، تھوڑی دیر بعد ایک کیڑا برآمد ہوا جس کا وزن ستاون درم اور ۲/ دانگ تھا۔ آپ نے فرمایا:

عرصہ دراز کی بات ہے یہ لڑکی کسی تالاب میں نہا رہی تھی کہ ایک چھوٹا کیڑا اس کے شکم میں داخل ہو گیا تھا، جو بڑا ہو کر آج یہ صورت اختیار کر گیا۔

یہ سن کر اس ضعیف نے بہ خلوص نیت کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ عالم اور خدا کے رسولؐ کے وصی برحق ہیں۔

چوتھا معجزہ

ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ ایک روز صبح کی نماز ہم رسول کریمؐ کے ساتھ پڑھ رہے تھے، بعد نماز ایک شخص انصار میں سے خدمت رسولؐ میں آکر شاکی ہوا کہ راستے میں ایک کتے نے میرے کپڑے پھاڑ دئے اور مجھے مجروح بھی کر دیا حتی کہ میں نماز میں بھی شریک نہ ہو سکا۔ پھر دوسرے روز ایک شخص آیا اس نے بھی یہی شکایت کی رسول خداؐ اٹھ کر کتے کے مالک کے گھر تشریف لے گئے اور مالک سے کہا کہ تمہارے کتے نے ہمارے دو نمازیوں کو ستایا ہے اس کو مار دینا ہی بہتر ہے۔ وہ شخص اگر چہ مسلمان نہ تھا احترام پیغمبرؐ میں کتے کو باندھ کر کشاں کشاں لے آیا، کتے نے جب رسول خداؐ کو دیکھا بقدرت الٰہی گویا ہوا۔ ''اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ''مجھ سے شکایت ان لوگوں کو ہے وہ غلط ہے اس لئے کہ وہ مومن نہیں ہیں بلکہ منافق ہیں۔ دشمنان جناب امیرؑ ہیں۔ جب گھر جاتے ہیں آپ کے ابن عم کو نا سزا کہتے ہیں۔ آپ نے یہ سن کر کتے کے مالک سے فرمایا: اس کتے سے مشفقانہ سلوک کرے، یہ سن کر کتے کا مالک حضور کے قدموں پر گر پڑا اور پھر مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد بولا: اے خدا کے رسولؐ! جب میرے کتے نے آپ کی رسالت کی گواہی دی تو میں اس سے بھی گیا گذرا ہو گیا، لہٰذا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک و ریب آپ خدا کے رسول ہیں، اور آپ کے ابن عم وصی برحق ہیں اور بعد ازآں سارا گھر مسلمان ہو گیا۔

پانچواں معجزہ

حضرت امام حسن عسکریؑ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے آباء کرام اور انہوں نے حضرت امام حسینؑ سے نقل کیا ہے کہ: صفا میں ایک درّاج (تیتر) نے آکر امیر المومنینؑ کو سلام کیا اور کہا: یا ولی اللہ چار سو سال سے میں اس جگہ تسبیح و تہلیل خالق میں مشغول ہوں۔ امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ: والد بزرگوار نے سوال کیا

کہ اس مقام پر نہ تو سامان غذا ہے نہ نشان آب ہے؟ تو نے زندگی کس طرح گذاری؟

دراج گویا ہوا:

قسم اس خدا کی جس نے آپ کے ابن عم (محمد مصطفیؐ) کو رسالت کا مرتبہ بخشا اور آپ کو ان کا وصی قرار دیا، جب میں بھوکا ہوتا ہوں تو آپ کے شیعوں کے لئے دعا کرتا ہوں شکم سیر ہو جاتا ہوں اور جب پیاسا ہوتا ہوں تو آپ کے دشمنوں پر لعنت بھیجتا ہوں اور میری پیاس دور ہو جاتی ہے۔

چھٹا معجزہ

کتاب ''مناقب'' ابن شہر آشوب میں زیاد ابن کلب جو معتبر راویانِ اہل سنت سے ہیں، نقل کیا ہے کہ:

مسجد بنی امیہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ دمشق میں محمد بن سفیان اپنے احباب کے ساتھ داخل مسجد ہوا۔ بڑی تیزی سے مسجد میں گیا اور فوراً واپس آیا۔ دو آدمی اس کو پکڑے ہوئے لا رہے تھے وہ اندھا ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا اس کو کیا ہو گیا ابھی تو بینا تھا اور ایک دم نابینا ہو گیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جب یہ خطبہ دینے منبر پر گیا تو اس نے کہا: جو علی پر سب وشتم نہ کرے گا، اس پر میں سب وشتم کروں گا، یہ کہنا تھا کہ اس کی دونوں آنکھوں کی بصارت ختم ہو گئی۔ وہ چلّایا لوگ دوڑے اور اس پر لعنت کرنے لگے اور منفصل ہو کر اب گھر کو نابینا ہو کر واپس جا رہا ہے۔

ساتواں معجزہ

ابن شہر آشوب نے کتاب ''مناقب'' میں اور کتاب ''خرائج وجرائح'' میں زادان سے منقول ہے کہ میں نے سلمان فارسی کی نماز میت پڑھاتے ہوئے حضرت علیؑ کو دیکھا۔ اسی کتاب میں تحریر ہے کہ ایک صبح امیر المومنینؑ مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا کہ: میں نے آج رات رسول خداؐ کو خواب میں دیکھا کہ مجھے حکم دیا کہ تم مدائن جا کر سلمان فارسی کی تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ پڑھاؤ، لہٰذا میں جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ روانہ ہو گئے۔ وقت ظہر جب لوگ مسجد میں آئے تو آپ کو مسجد میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں میں ابھی ابھی مدائن سے (تجہیز وتکفین کر کے اور نماز جنازہ پڑھا کر) آ رہا ہوں لوگوں کو یقین نہ آیا۔ بعد میں

ایک خط مدائن سے آیا کہ فلاں روز سلمان فارسی نے انتقال کیا اور ایک شخص نورانی صورت نماز جنازہ پڑھا کر چشم زدن میں غائب ہو گیا۔

پھر لوگوں نے جب خط میں تاریخ دیکھی تو وہ وہی تاریخ تھی جس روز امیر المومنینؑ نے اپنی مدائن کی روانگی کا تذکرہ کیا تھا۔(صلوٰۃ)

آٹھواں معجزہ

خداوند عالم نے اپنے اسماءِ اعظم، ہر نبی کو تعلیم فرمائے اور سب سے زیادہ سید الانبیاء اور سید الاوصیاء (وصی محبوب خدا) کو تعلیم فرمائے جس کا اثر یہ تھا کہ جو دعا بھی آپ کے توسل سے مانگتے قبول ہو جاتی جو زبان سے فرماتے فوراً ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ایک روز ایک خارجی اور ایک دوسرے شخص میں نزاع ہوا اور مقدمہ امیر المومنینؑ کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے فیصلہ خارجی کے خلاف دیا۔ وہ بگڑا اور کہا کہ آپ نے فیصلہ عدالت کے خلاف کیا۔ آپ کو یہ بات ناگوار گذری، برافروختہ ہو کر فرمایا ''**اخسأ یا عدو الله**'' فی الفور وہ خارجی کتا ہو گیا اور لباس ہوا میں اڑ گیا، وہ روتا تھا اور دم ہلاتا تھا۔ آپ کو اس پر رحم آیا اور پھر اس کو اصل شکل میں کر دیا۔ یعنی آدمی بنا دیا۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا:

> یا امیر المومنینؑ جب آپ کی بارگاہ الٰہی میں یہ منزلت ہے کہ صرف ایک جملہ جو کتے کے واسطے مخصوص ہے کہنے سے آدمی کتا ہو گیا تو پھر جنگ صفین جو معاویہ سے ہوئی اس میں آپ کو لشکر کی کیا ضرورت تھی اور اسلحہ کیوں درکار ہوئے؟

آپ نے فرمایا کہ:

> حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنی حجت بندوں پر تمام کرے۔ دوست دشمن کی پہچان ہو جائے، اہل بہشت اور اہل دوزخ میں امتیاز ہو جائے۔ ہمیں دعا کرنے کی اجازت نہیں ہے ورنہ ان کے فنا کر دینے میں میرا ایک لمحہ بھی صرف نہ ہو۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ وصی حضرت سلیمانؑ یعنی آصف برخیا نے چشم زدن میں تخت بلقیس دربار حضرت سلیمانؑ میں حاضر کر دیا تھا۔ رسول خداؐ اور ان کا وصی خدا کے نزدیک

حضرت سلیمانؑ اوران کے وصی سے زیادہ گرامی تر ہیں۔ پس اگر کسی امر میں بددعا
نہ کریں تو اس میں ضرور مصلحت خداوندی مضمر ہے۔

نواں معجزہ

کتب ''شیعہ'' میں روایت ہے کہ واقدی نے کہا کہ میں ہارون رشید کے پاس گیا، اس وقت بہت سے علماء بھی جمع تھے۔ ہارون رشید نے شافعی سے کہا:

اے ابن عم فضائل علیؑ میں کتنی معتبر احادیث تمہیں معلوم ہیں؟

شافعی نے جواب دیا: پانچ سو (۵۰۰) سے کچھ زیادہ

پھر ہارون رشید محمد بن اسحاق کی طرف متوجہ ہوا تمہیں کتنی حدیثیں معلوم ہیں؟ اس نے کہا کہ ہزار سے زیادہ پھر محمد ابن یوسف سے مخاطب ہو کر پوچھا تم بتلاؤ؟ اس نے کہا جان کی امان کا وعدہ ہو تو کہوں

ہارون رشید نے نہایت مختصر لفظوں میں کہا: ''ایمن باش'' یہ سن کر محمد بن یوسف نے کہا اے خلیفہ! پندرہ احادیث معتبر فضائل علیؑ میں مجھ تک پہنچی ہیں۔

اس کے بعد مجھ (واقدی) سے دریافت کیا کہ اس سلسلہ میں تمہارا کیا خیال ہے؟

میں نے کہا مجھے اگر محمد ابن یوسف سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں۔

پھر ہارون رشید نے سب سے مخاطب ہو کر کہا۔ وہ فضیلت علیؑ جو میں نے دیکھی ہے اور جس کی وجہ سے میں نے ظلم وتعدی اولاد علیؑ پر ترک کر دیا ہے بیان کروں سب نے یک زبان ہو کر کہا، ضرور امیر المومنین فرمائیں۔ ہارون رشید نے کہا کہ:

''حجاج بن یوسف جو دمشق میں میرا نائب ہے، اس نے مجھے لکھا ہے کہ دمشق میں ایک خطیب ہے جو علیؑ ابن ابی طالب کو برسر منبر برا بھلا کہہ رہا تھا۔ منع کرنے سے باز نہیں آتا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے۔ میں نے لکھا کہ اس کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ جب وہ آیا تو میں نے اس سے پوچھا: تو حضرت علیؑ کو برا کہتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں علیؑ کو اس لئے برا کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا کہ اس نے میرے اجداد کو قتل کیا ہے۔ میں نے کہا: علیؑ نے جس کو قتل کیا ہے وہ حکم خدا اور رسولؐ سے کیا ہے۔ توبہ کرو، ورنہ

سخت سزا دوں گا۔اس نے توبہ کرنے سے انکار کر دیا۔ میں نے حکم دیا کہ اس کے سو تازیانے لگاؤ اور ایک حجرہ میں بند کر دو۔کل پھر اصل سزا دی جائے گی، چنانچہ میرے حکم پر بعد تازیانے لگانے کے حجرے میں بند کر دیا گیا۔رات کو اسی فکر میں سو گیا کہ کل اس کو کیا سزا دینی چاہئے، اسی اثنا میں دیکھا کہ درہائے آسمان کھل گئے اور رسول خداؐ اور حضرت علیؑ وغیرہ موجود ہیں جبرئیل کے ہاتھ میں ایک جام ہے اور رسول خداؐ نے فرمایا، یہ جام علیؑ کو دے دو اور احباب علیؑ کو ندا دو، چنانچہ چالیس آدمی شیعیان علیؑ سے آئے جن کو میں پہچانتا تھا۔علیؑ نے اس جام سے سب کو سیراب کیا اور پھر فرمایا: اس دمشقی کو میرے پاس لاؤ۔جب وہ لایا گیا تو وصی مصطفیٰؐ نے آنحضرتؐ سے کہا:

یارسول اللہؐ!اس مرد سے آپ نہیں پوچھتے کہ یہ کیوں مجھے برا بھلا کہتا ہے۔

رسول خداؐ نے اس سے پوچھا کہ کیا یہ بات صحیح ہے؟اس نے کہا: ہاں۔

رسول خداؐ نے دست دعا بلند فرمائے کہ اے خدا اس کو مسخ فرما۔اور علیؑ کا انتقام لے۔اور عذاب الیم میں مبتلا فرما۔اتنے میں میری آنکھ کھل گئی، میں نے پھر حکم دیا کہ اس دمشقی کو میرے پاس لاؤ۔وہ جب آیا تو مسخ ہو کر کتا ہو چکا تھا لیکن اس کے کان آدمی جیسے تھے۔آنسو، برابر جاری تھے بار بار سر اور دم ہلاتا تھا۔گویا عذر خواہی کر رہا ہو میں نے حکم دیا کہ اسی حجرے میں اس کو بند رکھو،عوام کے اصرار پر دوبارہ دربار میں لایا گیا۔لوگ دیکھ کر بے حد متعجب ہوئے۔

شافعی نے کہا کہ یہ مسخ ہو چکا ہے۔اب اس کو مزید سزا نہ دینی چاہئے۔چنانچہ اسی حجرہ میں اس کو پھر بند کرا دیا۔ابھی کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک صدائے ہولناک بلند ہوئی۔جب معلومات کی تو معلوم ہوا کہ بجلی چھت توڑ کر اندر داخل ہوئی اور کتے کو خاکستر بنا گئی۔ہارون رشید نے کہا کہ تم سب گواہ رہنا کہ میں نے ایسوں پر ظلم و سختی کرنے سے توبہ کر لی ہے۔

دسواں معجزہ

صحبت امیر المومنینؑ میں خود اصحاب امیرؑ اور چند اصحاب رسولؐ بھی حاضر تھے۔آپس میں یہ ادبی گفتگو ہونے لگی کہ حروف تہجی میں کون سا حرف ایسا ہے جو کلام میں بکثرت استعمال ہوتا ہے کسی نے کچھ کہا اور کسی نے

کچھ، اتفاق اس پر ہوا کہ الف کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ یہ گفتگوسن کے حضرت امیر المومنینؑ اپنے مقام سے اٹھے اور منبر پر تشریف لے گئے اور ایک طویل خطبہ فوراً شروع فرما دیا جس میں اول سے آخر تک الف کا پتہ نہ تھا۔

گیارہواں معجزہ

''کتاب مستطاب مجمع الفضائل مناقب علامہ ابن شہر آشوب'' ترجمہ مولانا سید ظفر حسن صاحب، ص/۳۰۲۔ جابر جعفی سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ کی دائی جو آپ کی دیکھ بھال کرتی تھی اس کا تعلق بنی ہلال سے تھا ایک دن وہ آپ کو اپنے خیمہ میں لے گئی اس کا اپنا چھوٹا سا بچہ پہلے ہی موجود تھا۔ یہ بچہ کھیلتے کھیلتے کنویں کے پاس چلا گیا جو اس خیمہ سے بالکل نزدیک تھا۔ بچہ نے اپنی گردن اور ایک ٹانگ کنویں میں لٹکا دی، حضرت علیؑ جو خود ابھی بچہ ہی تھے اس بچہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔ اس کی ماں نے دیکھا تو دوڑی اور اپنے بچہ کو لے لیا۔ پھر اس قبیلہ کے لوگوں کو پکار پکار کہتی جاتی تھی کہ اس مبارک بچہ کو دیکھو اس نے میرے بچہ کی جان بچائی ہے لوگ بڑی حیرانی سے حضرت علیؑ کو دیکھتے تھے۔

بارہواں معجزہ

''صاحب بحارالانوار'' تحریر فرماتے ہیں کہ:

> جب امیر المومنینؑ بطن مادر میں تھے اور جناب رسول خداؐ آپ کی والدہ کے پاس آتے تھے تو آپ رسول خداؐ کی تعظیم کے لئے کھڑی ہو جاتی تھیں۔ جناب رسول خداؐ نے کہا کہ اے چچی آپ بزرگ ہو کر میری تعظیم کے لئے کیوں کھڑی ہوتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب آپ آتے ہیں تو یہ بچہ جو میرے شکم میں ہے مجھے کھڑے ہونے پر مجبور کر دیتا ہے۔

تیرہواں معجزہ

''مناقب آل ابی طالب'' میں حضرت انسؓ نے حضرت عمر بن خطاب سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ دوران طفلی جھولے میں لیٹے تھے کہ ناگاہ ایک بڑا سانپ کسی جگہ سے نکل آیا اور آپ کے جھولے کی طرف بڑھنے لگا۔ سانپ قریب آیا (آپ سمجھتے تھے کہ وہ کیا ہے) غرض آپ نے لیٹے لیٹے جھولے سے ہاتھ نکال کر

اس سانپ کی گردن پکڑ لی اور سخت جھٹکے کے ساتھ اپنی انگلیاں اسکے منہ میں ڈال کر اس کا منہ چیر دیا۔اتنی دیر میں آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسدؑ تشریف لائیں تو جناب امیرؑ کے ہاتھوں میں مرے ہوئے سانپ کے ٹکڑے دیکھے تو حیرت میں رہ گئیں اتنے میں دیگر لوگ بھی جمع ہو گئے۔آپ نے فرمایا تم حیدر ہو(یعنی غضبناک شیر)۔یہی وجہ ہے کہ جنگ خیبر میں آپ نے مرحب کے مقابلہ میں کہا تھا: میرا نام حیدر ہے جو میری ماں نے رکھا ہے۔

چودھواں معجزہ

امام حسینؑ سے روایت ہے ایک دفعہ حضرت علیؑ بابل کی سرزمین سے گذر رہے تھے۔میں ان کے ساتھ تھا کہ ایک وادی سے ایک بہت بڑا شیر نکلا۔جناب امیرؑ کے نزدیک آ کر سجدہ کیا اور دم ہلانے لگا۔ حضرت علیؑ نے اس شیر کے سلام کا جواب دیا۔اس پر شیر جلدی جلدی جس سمت سے آیا تھا واپس چلا گیا۔(۱)

پندرہواں معجزہ

''شواھد النبوۃ''میں مرقوم ہے کہ حضرت علیؑ جس وقت رکاب میں پاؤں رکھتے تھے تو قرآن مجید کی تلاوت شروع کرتے تھے اور جب تک دوسرا پاؤں رکاب میں پہنچتا تو قرآن کو ختم کرتے تھے۔

سولھواں معجزہ

اہل سنت کی کتاب 'راحت القلوب' میں ہے کہ ایک دن کچھ یہودیوں نے مسخرے پن میں ایک فقیر سے کہا کہ تم شاہ مردان شیر یزداں کے پاس جاؤ اور ان سے کچھ امداد کے لئے سوال کرو۔یہ محتاج حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور اپنے فقر و فاقہ کا حال بیان کیا۔حضرت علیؑ نے ہر چند اپنے پاس اس محتاج کو دینے کے لئے تلاش کیا،لیکن کچھ نہ پایا۔آپ نے پھر اس فقیر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دس مرتبہ درود پڑھا اور اس کی مٹھی بند کر دی اور کہا: جاؤ۔یہ فقیر واپس ان یہودیوں کے پاس آیا۔دریافت کرنے پر اس محتاج نے کہا: مجھ کو علیؑ نے کچھ نہیں دیا بلکہ بند مٹھی پر دس مرتبہ درود پڑھ کر پھونک دیا ہے۔یہودیوں نے کہا: ذرا اس مٹھی کو تو کھولو۔جب اس فقیر نے مٹھی کھولی تو اس میں دس دینار سرخ موجود تھے۔یہ دیکھ کر سب یہودی مسلمان ہو گئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ دِیْنِ الْاِسْلَامِ

---

(۱) عیون المعجزات،ص/۲۶

سترہواں معجزہ

حضرت سلمان فارسی سے منقول ہے کہ صحابہ میں سے ایک شخص نے حضرت علیؑ کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ ایک شخص جو کسی قبیلہ کے بڑے لوگوں میں ہے، جہاں کہیں آپ کے دوستوں کو دیکھتا ہے، طعن کرتا ہے اور ایذارسانی وتوہین کرنے تک سے باز نہیں آتا۔ حضرت علیؑ اپنے ہاتھ میں ایک کمان لئے ہوئے تھے اور باغ کی طرف جا رہے تھے۔ ناگاہ اس شخص سے ملاقات ہوگئی۔ آپ نے اس کو روک کر پوچھا کہ کیا تم میرے دوستوں کو برا بھلا کہتے ہو اور ان کو ایذا بھی پہنچاتے ہو؟ اس پر اس شخص نے کہا: ٹھیک سنا ہے۔ آپ نے میں یہ کام کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔

یہ سن کر حضرت علیؑ نے کہا ٹھیک ہے اور کمان کو اپنے ہاتھ سے زمین پر گرا دیا۔ جو فوراً اونٹ کے منہ سے بڑا اژدھا بن گئی۔ اور منہ کھولے اس کی طرف بڑھا تا کہ اس کو نگل لے۔ فوراً شور غل مچ گیا اور یہ ملعون فریاد کرنے لگا اور امان مانگنے لگا، اقرار کرنے لگا کہ آئندہ میں کبھی آپ کے دوستوں کو کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ حضرت علیؑ نے اسے معاف کر دیا۔ وہ اژدھا پھر کمان بن گیا جسے علیؑ نے اٹھالیا۔

اٹھارہواں معجزہ

واشنگٹن اردن نے اپنی کتاب ''سکسر زآف محمدؐ'' میں لکھا ہے کہ جب حضرت علیؑ کی فوج کوفہ سے شام کی طرف جا رہی تھی تو ایک روز ایسے مقام پر پڑاؤ کیا جہاں دور دور تک پانی میسر نہ تھا۔ پڑاؤ سے قریب ایک غار میں ایک راہب رہتا تھا۔ حضرت علیؑ نے اس کو بلا کر دریافت کیا کہ یہاں قرب وجوار میں کہیں کنواں بھی ہے؟ راہب نے انکار کیا۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ ایک زمانہ میں بنی اسرائیل کے کچھ پیغمبر یہاں رہتے تھے اور انہوں نے ایک کنواں کھودا تھا۔ اس کنویں کو یہاں ہونا چاہئے تھا۔ راہب نے کہا: ایسا کنواں ضرور تھا اور اس کنویں کے متعلق چند پیشین گویاں بھی ہیں لیکن مدتوں سے اس کا پتہ نہیں ہے۔ اس نے شمعون بن صفاء کی جو حضرت عیسیٰؑ کے ایک جلیل القدر حواری تھے، ایک تحریر نکالی جس میں لکھا تھا کہ آخر زمانہ میں ایک پیغمبر ہوگا جس کا نام محمدؐ ہوگا۔ ان کا جائز خلیفہ اور ولی اس مقام پر کنواں آ کر پھر کھودے گا، یہ سن

کرعلیؑ نے ایک مقام پر کنواں کھودنے کا حکم دیا اور جس کنویں کی نسبت پیشین گوئی کی تھی نکل آیا۔ تمام فوج پانی سے سیراب ہوگئی اور راہب نے علیؑ سے بیعت کی اور اس معجزہ کی وجہ سے مسلمان ہوگیا۔

انیسواں معجزہ

کتاب 'مفاتیح الجنان' اردو ترجمہ، ص/ ۱۳۹ میں ہے: ابوعبداللہ محمد بن بطوطہ جو علمائے اہل سنت میں سے ہیں، اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں کہ جب میں مکہ معظّمہ سے نجف اشرف گیا تو وہاں جناب امیرؑ کے مرقد اطہر سے کافی کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔ ان کرامات سے ایک یہ ہے کہ ستائیسویں رجب کی رات میں جسے وہاں کے رہنے والے 'بیداری کی رات' کہتے ہیں، اطراف عراق، خراسان، روم اور دیگر ایرانی شہروں سے لوگ جمع ہوجاتے ہیں۔ اور اس میں وہ لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جو لولے، لنگڑے اور دیگر بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد حضرت امیرالمومنینؑ بن ابی طالب کی ضریح مقدس کے پاس ان مبتلاؤں کو جمع کردیا جاتا ہے اور دوسرے لوگ بھی ان کے اردگرد جمع ہوجاتے ہیں اور پھر انتظار کرتے رہتے ہیں کہ یہ کب مفلوج لوگ ٹھیک ہوکر اٹھتے ہیں اور عبادت خدا میں مشغول رہتے ہیں کوئی نمازیں پڑھتا ہے تو کوئی قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔

جب رات آدھی یا تہائی گذر جاتی ہے تو اس وقت یہ تمام مریض جو چلنے پھرنے سے بھی مجبور ہوتے تھے، بالکل تندرست ہوجاتے ہیں۔ اور یہ پڑھتے ہوئے وہاں سے چلے جاتے ہیں۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰهِ

بیسواں معجزہ

تاریخوں میں ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ جنگ نہروان سے فتح کے بعد واپس آرہے تھے کہ راستہ میں دوراہا پڑا۔ ایک راستہ نہر عیسیٰؑ کی طرف جاتا ہے۔ دوسرا منزل مقصود کی طرف، جدھر جناب امیرؑ کو جانا تھا۔ اس راہ میں پانی نہ تھا۔ جناب امیرؑ نے نہایت تیزی سے اس دشت بے آب کو طے کیا۔ چونکہ ہوا نہایت گرم تھی، اہل لشکر پر پیاس نے غلبہ کیا اور کثرت حرارت سے ان کے منہ اور لب خشک ہوگئے۔ بعض منافقوں نے طعن وملامت شروع کی۔ مومن ان کی باتوں سے نہایت آزردہ خاطر ہوئے اور حضرت کی خدمت میں ان

کی سخت کلامی کا ذکر کیا اور بے آبی سے شعلہ آتش کی طرح فریاد کی۔

جناب امیرؑ نے ان لوگوں کی بات سننے کے بعد تمام لشکر کو ایک جگہ جمع کیا، پھر ارشاد فرمایا کہ: خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔ آپ نے اپنے خیمے کے باہر ناہموار زمین کو قنبر سے کھودنے کو کہا۔ قنبر نے زمین کو کھودا اس کے نیچے ایک سخت پتھر نکلا جس کو حضرت علیؑ نے اٹھا کر دور پھینک دیا۔ اس کے نیچے ایک زینہ نظر آیا۔ آپ نے قنبر سے ارشاد فرمایا: تم نیچے جاؤ اور ہر طرف دیکھ بھال کر ساری کیفیت بیان کرو۔

قنبر حسب ارشاد اندر گئے اور واپس آ کر عرض کیا کہ جب میں ۳۵ زینہ نیچے اترا تو پتھر کا ایک دروازہ نظر آیا جس پر قفل لگا ہوا ہے۔ معلوم نہیں اس کی کنجی کہاں ہے اور دروازہ کھولنا مشکل امر ہے۔

جناب امیرؑ نے اپنے عمامہ میں سے ایک کنجی نکال کر قنبر کو دی اور فرمایا: دروازے کی طرف جاؤ اور پانی کا ایک پیالہ لے آؤ۔ جب دروازہ کھولا تو پانی کا ایک حوض نظر آیا اور اس کے کنارے پر ساقی حوض کوثر کو موجود پایا۔ قنبر یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ کچھ منہ سے کہنا چاہتے تھے۔ لیکن آواز منہ سے نہیں نکل رہی تھی۔

جناب امیرؑ نے ایک پیالہ پانی بھر کر قنبر کو دیا اور کہا اس کو لے کر جاؤ۔ قنبر یہ پانی لے کر پیاسوں کی حاجت روائی کے لئے حاضر ہوئے۔ اب کیا دیکھتے ہیں کہ امیر المومنینؑ مظہر العجائب یہاں پھر موجود ہیں۔ منہ سے قنبر کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ فوراً راز فاش ہونے سے پہلے ہی مولائے کائنات نے ارشاد فرمایا: اے قنبر! دشت اژرز کا قصہ نہیں سنا جو یہاں تعجب کرتا ہے، پھر حضرت نے اس پانی کے پیالے سے تمام اہل لشکر اور تمام حیوانات کو جو سواری کے لئے ساتھ تھے سیراب کیا لیکن پیالہ اسی طرح پانی سے بھرا رہا۔ (صلوات)

اکیسواں معجزہ

کتاب 'احسن الکبار' میں حارث سے منقول ہے کہ ایک روز امیر المومنینؑ منبر پر خطبہ فرما رہے تھے کہ ناگاہ آپ کی نظر ایک کونے پر جا پڑی، قنبر سے فرمایا: جو کچھ وہاں ہے، میرے پاس اٹھا لاؤ۔ قنبر کونے کے قریب گئے، دیکھا ایک بہت بڑا اور ہیبت ناک سانپ ہے۔ اس کو اٹھا لیا۔ سانپ قنبر کے ہاتھ پر سے کود کر منبر پر چڑھ گیا اور آنحضرت کے کان پر اپنا منہ رکھ کر کچھ بات کی اور پھر واپس ہو کر غائب ہو گیا۔ امیر المومنینؑ نے کچھ دیر سوچ کر گریہ فرمایا۔

لوگ نہایت حیران ہوئے۔فرمایا: اے لوگو! تم حیران نہ ہو،لوگوں نے کہا: 'ہم کیوں نہ حیران ہوں کہ اس طرح کا عجیب وغریب واقعہ مشاہدہ کیا ہے،فرمایا: اس سانپ نے نہایت اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ رسولؐ کی بیعت کی تھی۔ چونکہ میں رسولؐ کا وصی ہوں، اس سبب سے میرا بھی مطیع وفرمانبردار ہے اور افسوس ہے کہ تم آدمیوں کا یہ حال ہے کہ بعض تو ہماری اطاعت کرتے ہیں اور بعض نہیں۔نہایت شرم کی بات ہے کہ تم ایک سانپ کے برابر نہیں ہو سکتے!!

بائیسواں معجزہ

'کوکب دری' میں جناب امیرؑ کی ایک کرامت منقبت (۴۷) کے تحت درج ہے:۔ جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے لشکر کو قیام کئے ہوئے کافی وقت گذر گیا تھا۔ایک بار ایسا وقت بھی آیا جب اہل لشکر اور ان کے جانوروں کے لئے خوراک کی کمی ہوگئی۔لوگوں نے حضرت علیؑ کو بتایا کہ اب ہمارے پاس ایک وقت کے لئے بھی کچھ باقی نہیں ہے،اس لئے ہم کمال مضطرب اور بے قرار ہو رہے ہیں۔دوسرے روز صبح کے بعد حضرت علیؑ ایک بلند ٹیلے پر تشریف لے گئے اور خداوند کریم کی بارگاہ میں اس قوم باصواب کے مویشیوں کے چارہ وخوراک ودیگر ضروریات کی توسیع وتوقیر کے واسطے دعا کر کے واپس تشریف لائے۔ابھی وہ اپنی قیام گاہ تک نہ پہنچے تھے کہ قافلہ غیب سے وہاں آ پہنچا، گوشت، آٹا، خرما، سلے ہوئے کپڑے وغیرہ ضروریات انسانی چارپایوں کے لئے چارہ اور جھول وغیرہ جملہ ضروریات مہیا ہوگئی۔

جب اصحاب کھانے پینے وغیرہ سے متعلق تمام اسباب سفر خرید کر چکے تو اہل قافلہ صفین سے جنگل کی طرف روانہ ہو گئے، بعدازآن کسی کو معلوم نہ ہوا کہ وہ کہاں چلے گئے۔

تیئسواں معجزہ

کتاب 'تہذیب المتین' ص/ ۸۷ میں ہے:۔ جب حضرت علیؑ جنگ صفین سے فارغ ہو کر دریائے فرات کے کنارے پہنچے تو آپ نے لب فرات کھڑے ہو کر ایک تیر اپنی ترکش سے نکالا اور پھر ایک زرد رنگ کی چھڑی لے کر فرات کی موجوں پر ماری اور فرمایا، اے آب دریا! پھٹ جا۔ دریا کا پانی پھٹ گیا اور اس میں سے بارہ چشمے مثل کوہ عظیم جدا جدا نظر آنے لگے جس کو دیکھ کر سارے لشکری حیران رہ گئے۔پھر آپ نے کچھ

کلام کیا جس کو حاضرین لشکر میں سے کوئی نہ سمجھ سکا۔اس وقت دریا کی تمام مچھلیاں پانی کی سطح سے اوپر آئیں اور آسمان کی طرف منہ کر کے تکبیر وتہلیل کی صدائیں بلند کیں اور پھر کہا: سلام ہو آپ پر اے خلق خدا پر حجت خدا، ملک خدا میں، اور بندگان خدا کے درمیان چشمہ خدا۔اس قوم نے تمہاری نصرت کو ترک کیا جیسا کہ ہارون بن عمران نصرت کو ان کی قوم نے ترک کیا تھا۔

امیر المومنین علی بن ابی طالب نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

تم لوگوں نے ان کا کلام سنا؟ اور اب گواہ رہنا، اس پر۔ یہ میری حجت ہے جس کی انہوں نے گواہی دی ہے۔

چوبیسواں معجزہ

بحوالہ 'تاریخ اعثم کوفی'، ص/ ۱۸۹:۔ دور خلافت حضرت عمر کا واقعہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعری نے سوس پر حملہ کر کے شہر فتح کیا اور جب دروازے سے اندر داخل ہوئے تو قبر کی مانند ایک بہت بڑا پتھر رکھا ہوا تھا اور اس کے اوپر ایک شخص کی لاش رکھی ہوئی ہے جس پر زربفت کا کفن ہے اور اس لاش کا سر برہنہ ہے۔ابوموسیٰ اور ان کے ساتھی اتنی بڑی لاش دیکھ کر حیران ہو گئے جس کی ناک ایک ہاتھ کے برابر لمبی تھی۔ابوموسیٰ نے اس لاش کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہیں اور ان کو مرے ہوئے کتنے دن ہوئے ہیں جو ابھی تک خراب نہیں ہوئی ہے اور مانند زندہ لاش کے ہے۔لوگوں نے بتایا یہ شخص شہر عراق کا رہنے والا تھا۔ وہاں کے لوگ اس شخص کے ذریعہ بارش نہ ہونے پر بارش کے لئے دعا مانگا کرتے تھے۔یا جب کبھی کوئی مصیبت پڑ جاتی تو یہ شخص مصیبت دور کرنے کا باعث ہوتا تھا۔ایک دفعہ ہمارے شہر میں بھی بارش نہیں ہوئی جس کی وجہ سے قحط پڑ گیا۔ لوگوں نے کہا کہ اس شخص کو عراق سے بلا کر دعا کرائی جائے۔لیکن اہل عراق نے منع کر دیا۔ جب ہم لوگوں نے پچاس آدمی اپنے ضمانت کے طور پر ان کے پاس بھیجے، تو انہوں نے اس کو ہمارے پاس آنے کی اجازت دیدی۔اس نے دعا کی خوب بارش ہوئی۔قحط کی بلا دفع ہوگئی۔اس کے بعد ہم لوگوں نے اس متبرک شخص کو یہاں روک لیا اور جوان کے بدلے میں گئے تھے انہیں وہیں رہنے دیا۔اس شخص کی برکات نفس سے فائدہ اٹھاتے رہے، یہاں تک کہ اس کی اجل واقع ہوگئی۔

ابوموسیٰ اشعری نے اپنی فتوحات کے حال کے ساتھ کل واقعہ لکھ کر حضرت عمر کو بھیجا۔حضرت عمر نے

تمام اصحاب کو جمع کیا اور دانیال کا حال دریافت کیا۔ کسی نے کچھ نہیں بتایا۔ پھر حضرت عمر نے حضرت علیؑ سے دریافت کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

یہاں زمانۂ قدیم میں بعہد بخت نصر دانیال حکیم پیغمبرؑ مرسل گذرے ہیں۔اس کے بعد آپ نے حضرت دانیال کا اول سے آخر تک حال بیان کیا۔اور حضرت عمر سے کہا کہ تم موسیٰ اشعری کو لکھ دو کہ لاش کو وہاں سے اٹھا کر اس پر نماز پڑھو اور کسی ایسی جگہ دفن کر دو کہ ان کی قبر کا پتہ نہ معلوم ہو سکے۔ حضرت عمر نے بموجب ارشاد حضرت علیؑ موسیٰ اشعری کو تمام باتیں لکھ دیں۔ موسیٰ اشعری نے خط پڑھ کر حکم دیا کہ دریائے سوس کا رخ پھیر دیں۔ بعد اس کے دانیالؑ پیغمبر کی لاش وہاں سے نکال کر دوسرا کفن پہنا کر نماز جنازہ پڑھی اور اس دریا کے راستہ میں کسی جگہ پر بڑی مضبوط اور مستحکم قبر بنا کر دریا کو اس جگہ پر دوبارہ جاری کرا دیا۔

پچیسواں معجزہ

'مصابیح القلوب' میں جناب اُم سلمہؓ سے روایت ہے:۔ایک روز مشرکان عرب میں سے تین شخصیتوں نے آ کر کہا اے محمدؐ! تو دعوے کرتا ہے کہ میں ابراہیمؑ پیغمبر، موسیٰؑ پیغمبر، عیسیٰؑ پیغمبر سے افضل ہوں۔ حالانکہ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ تھے۔ حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ تھے اور حضرت عیسیٰؑ روح اللہ اس کے مقابلہ میں آپ ظاہری طور پر کچھ نہیں ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اگر ابراہیمؑ خلیل اللہ تھے تو میں حبیب اللہ ہوں اور حبیب خلیل سے بہتر ہوتا ہے۔ اگر حضرت موسیٰؑ نے کوہ طور پر حق تعالیٰ سے کلام کیا تو میں نے شب معراج عرش اعظم پر حق تعالیٰ سے باتیں کیں اور شریعت طریقت اور حقیقت کے اسرار سے نوے ہزار باتیں سیکھیں۔ بعد ازآن اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر زبان سے معجزہ بیان فرمایا۔ یا علیؑ میری خبر لو۔ حضرت امیر المومنینؑ فوراً حاضر ہوئے۔ آنحضرت نے نہایت بشاشت اور کمال سرور سے آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور دریافت کیا کہ اے میرے نائب تم کہاں تھے؟ امیر المومنینؑ نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ میں ایک نخلستان میں تھا۔ کہ آپ کی یاد سے یہاں آ گیا۔ پھر اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا اے علیؑ! تم میرا پیراہن پہن کر ان تین شخصیتوں کے ہمراہ یوسف بن کعب کی قبر پر جاؤ اور دعا کرو، تا کہ تمہاری دعا کی برکت سے حق تعالیٰ اس کو زندہ کر دے۔ امیر المومنینؑ جناب سید المرسلینؐ کا پیرہن مبارک زیب تن کر کے۔ ان تین شخصوں کے ہمراہ باہر

تشریف لے گئے۔ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں بھی آنحضرتؐ کی اجازت سے وہاں گئی۔دیکھا کہ علیؑ ابن کعب کی ٹوٹی پھوٹی قبر پر جا کر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے قبر والے! اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ۔قبر حرکت میں آ کر پھٹ گئی اور اس میں سے ایک بوڑھے نے اٹھ کر کہا ''اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَا وَصِیَّ الْمُرْسَلِیْنَ.'' جناب امیرؑ نے فرمایا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں یوسف بن کعب ہوں۔اور مجھ کو تین سو سال ہوئے ہیں اس دنیا سے رحلت کئے ہوئے۔اس وقت میرے کان میں آواز آئی کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ اے یوسف! اٹھ اور خاتم الانبیاء محمد مصطفیؐ کی رسالت کی تصدیق کر تینوں مشرک یہ دیکھ کر حیران ہو گئے اور آپس میں خیال کرنے لگے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ ہماری وجہ سے محمدؐ کو ایسا معجزہ دکھانا پڑا۔کہیں ان کے ایمان اور مضبوط نہ ہو جائیں۔کہا: اے علیؑ اس شخص سے کہہ دیجئے کہ اپنے مقام پر پھر واپس چلا جائے۔امیر المومنینؑ نے کہا کہ اے کعب سو رہو کہ قیامت قریب ہے۔وہ قبر میں چلے گئے اور قبر خود بخود برابر ہو گئی۔

میں نے کچھ معجزات تحریر کئے ہیں۔مولا مشکل کشا علیؑ کے معجزات اگر لکھے جائیں جو مومنین کے علم میں ہیں تو کئی کتابیں بھر جائیں علیؑ تو معجز نما کے خطاب سے یاد فرمائے جاتے ہی ہیں باقی اور جو علم غیب پر روشن ہے کہ وہ کیا ہیں وہ تو وہی سمجھ سکتا ہے۔ہم تو بس یہی جانتے ہیں کہ جیسے ہی مولا کا نام لو، مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

حضرت علیؑ اور قضیوں کا انصاف

حضرت علیؑ کے فضائل و معجزات اتنے ہیں کہ بیان نہیں کئے جا سکتے۔آپ علم و فضل و کمالات و کرامات سے مزیّن تھے۔آپ کی شخصیت ایک انفرادی خصوصیت کی حامل ہے۔رسول خداؐ کے انتقال کے بعد گوشہ نشینی کے عالم میں بھی خلافت کو آپ کی ضرورت پیش آتی رہتی تھی۔آپ کا انصاف بار الہا کی نظر میں ہمیشہ حق بہ جانب رہا۔یہاں تک کہ آپ نے اپنے قاتل ابن ملجم کو بھی شیر پلوایا اور کہا اس کی سزا بھی صرف ایک ضربت ہی ہے۔اس سے زیادہ اس کو ایذا نہ دی جائے۔جب کبھی عوام یا خلیفہ فیصلہ نہ کر پاتے تھے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے تھے اور آپ فیصلہ کرتے تھے۔کچھ قضیوں کے فیصلہ کی مثالیں پیش ہیں۔

پہلا قضیہ

دوعورتوں میں پسر اور دختر کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ دونوں عورت کہتی تھی کہ لڑکا میرا ہے اور لڑکی دوسری کی۔ مقدمہ خلیفہ ثانی (دوم) کے روبرو پیش ہوا۔ غور وفکر کے بعد جب نتیجہ نہ نکلا تو حضرت علیؑ کو بلوا بھیجا۔ آپ تشریف لائے۔ آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا گیا۔ امیر المومنینؑ نے دو شیشیاں طلب فرمائیں، پھر آپ نے دونوں عورتوں سے کہا کہ اپنا اپنا دودھ ایک ایک شیشی میں بھر دیں۔ پھر آپ نے اس دودھ کا وزن کیا۔ چنانچہ ایک شیشی کا دودھ زیادہ وزنی تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ لڑکا اس کو دیا جائے جس کا دودھ وزنی ہے اور لڑکی اس کو دے دی جائے جس کا دودھ ہلکا ہے۔ حکومت نے آپ سے پوچھا ایسا کیوں ہے۔ آپ نے فرمایا: پروردگار عالم کا فرمان ہے: ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ ''ترکہ میں لڑکے کا حصہ لڑکی کے حصہ سے دوگنا قرار دیا ہے۔ (سورۂ نساء آیت ۱۱)

دوسرا قضیہ

ایک شخص نے کسی کے بیٹے کو قتل کر دیا تھا۔ خلیفۂ دوم نے قاتل کو گرفتار کرا کے مقتول کے باپ کے حوالے کر دیا۔ اس نے قاتل کو کافی زخمی کر دیا اور سمجھا کہ اب یہ ختم ہو گیا، چھوڑ کر چلا گیا۔ ابھی اس میں جان باقی تھی اسی اثنا میں اس کے عزیز آئے اور اسے اٹھا لے گئے، علاج کیا اور وہ کچھ عرصہ بعد تندرست ہو گیا۔ ایک دن گھر سے نکلا، اچانک راہ میں مقتول کا باپ مل گیا، اس نے دیکھا اس کو پکڑ کر دربار خلافت میں پیش کر دیا۔ وہاں اسے قتل کا حکم ہو گیا، جب یہ خبر حضرت علیؑ کو ملی تو فوراً پہنچ کر خلیفہ سے فرمایا۔ اس مرد کے حق میں کیسا فیصلہ کیا ہے؟ اور پھر مقتول سے بولے کیا تم نے اس سے بدلہ نہیں لے لیا؟ مقتول کے باپ نے جواب دیا۔ میرے لڑکے کا خون ہوا ہے ہم ابھی اس سے اور بدلہ لیں گے۔ آپ نے فرمایا: اچھا اگر تو اس سے اپنے بیٹے کے خون کا انتقام لینا ہی چاہتا ہے، تو یہ بھی تجھ سے ان ضربتوں کا جو تو نے اس پر لگائی ہیں، بدلہ لینے کا حق رکھتا ہے۔ چنانچہ پہلے یہ تمہارے ضربتیں لگالے اور وہ زخم تمہارے درست ہو جائیں، تب تم بدلہ لے سکتے ہو۔ یہ سن کر اس نے اس کو معاف کر دیا۔ یہ واقعہ سنا، تو خلیفہ دوم نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ بلند کر دئے اور پھر کہا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے تم اہل بیتؑ کو حلال مشکلات بنایا۔

تیسرا قضیہ

انس بن مالک سے روایت ہے کہ دور خلافت ثانیہ میں ایک درویش کے پاس ایک بکری تھی۔اس نے اس کو اپنے بچوں کے لئے ذبح کیا۔کھال اتارتے اتارتے اسے پیشاب کرنے کی شدید حاجت ہوئی۔خون آلود چھری لئے ایک خرابے کی طرف ہولیا۔وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک شخص کی لاش (جس کا سرتن سے جدا تھا) پڑی ہے وہ بے حد متحیر ہوا۔اتنے میں کچھ لوگ آ گئے۔انہوں نے خون آلود چھری اس کے ہاتھ میں دیکھی سب نے مل کر اسے پکڑ لیا اور لے جا کر دربار خلافت میں پیش کر دیا۔خلیفہ نے اسے قتل کا حکم دے دیا۔جب اسے قتل کے لئے جانے لگے تو ایک شخص اور آ گیا آ کر بولا: اصل قاتل میں ہوں اس کو چھوڑ دو، یہ خبر جب خلیفہ کو ہوئی تو دوسرا حکم دے دیا کہ اس اقبالی مجرم کو قتل کر دو۔جب حضرت علیؑ کو معلوم ہوا، تو آپ نے فرمایا: عُمر بن خطاب سے کہہ دو کہ اس کو قتل نہ کرائیں، خلیفہ دوم نے جب یہ بات سنی تو کہا، سبحان اللہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص اقبالی قاتل ہو اور اس کو قتل نہ کیا جائے! اتنے میں حضرت علیؑ خود پہنچ گئے۔خلیفہ دوم نے قتل نہ کرنے کا سبب پوچھا۔آپ نے فرمایا کہ اگر چہ اس نے ایک شخص کو قتل کیا ہے لیکن ایک کی جان بھی بچائی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾

جس نے ایک نفس کو زندہ کیا، گویا اس نے بہت سے نفسوں کو زندہ کیا۔

(سورۂ مائدہ آیت ۳۲)

لہٰذا اس کا قتل لازم نہیں۔اس کے بعد سب نے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ بلند کیا۔

چوتھا قضیہ

ایک تاجر نے اپنے لڑکے کو غلام کے ہمراہ تجارت کے لئے روانہ کیا۔وہ دونوں شکل وصورت، قد وقامت میں ایک جیسے تھے۔غلام آقا کی تحکمانہ سختیوں سے عاجز تھا۔وہ آقا کا لباس پہن کر کہنے لگا کہ آقا میں ہوں اور غلام تو ہے۔اس قضیہ کو کوئی قاضی اور حاکم طے نہ کر سکا کہ آقا کون ہے اور غلام کون؟ یہ معاملہ امیر المومنینؑ تک پہنچا۔آپ نے اپنے غلام (قنبر) کو حکم دیا کہ دیوار میں ایسے دو سوراخ کر دے کہ دونوں کا

سر اس میں آسانی سے جا سکے اور پھر دونوں کے سر اس سوراخ سے باہر نکال دے۔ پھر جو میں حکم دوں اس پر عمل کرے۔ پھر آپ نے تلوار قنبر (غلام) کے ہاتھ میں دی اور بہ آواز بلند حکم دیا کہ ایک وار میں غلام کا سر اڑا دے۔ اس آواز کے سنتے ہی اصل غلام نے سوراخ سے سر کھینچا۔ سر کو کھینچتے ہی معلوم ہو گیا کہ آقا کون ہے اور غلام کون۔ اس کے بعد آپ نے غلام سے تنبیہ فرمایا کہ توبہ کرے کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

پانچواں قضیہ

عہد خلافت ثانیہ میں ایک عجیب قضیہ پیش ہوا۔ ایک دولت مند تاجر کا انتقال ہوا اور اس نے صرف ایک لڑکی اور تین غلام چھوڑے اور یہ وصیت کی کہ ایک غلام کے ساتھ میری لڑکی کی شادی کر دی جائے اور میری جائیداد اس کو دے دی جائے۔ دوسرے غلام کو نصف جائداد دے دی جائے اور تیسرے غلام کو قتل کر دیا جائے۔

مگر اس کا نام بتلانا بھول گیا اور فوت ہو گیا۔ یہ تینوں غلام دربار خلافت میں حاضر ہوئے اور ہر ایک دعویٰ کرتا تھا کہ لڑکی کی شادی میرے ساتھ ہونی چاہئے۔ خلیفہ وقت پریشان تھے کہ کس طرح اس کا فیصلہ کیا جائے۔ مشیروں اور عالموں نے بڑی کاوش کی مگر فیصلہ کرنے سے قاصر رہے۔ جب اس قضیہ کی کافی شہرت ہو گئی تو ایک دن خلیفۂ وقت نے امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کو اس قضیہ کے فیصلے کو بلوایا۔ ادھر دانشوران یہود ونصاریٰ بھی فیصلہ سننے کو پہنچے۔ اتنے میں 'باب مدینۃ العلم' وصی رسول خداؐ دربار خلافت میں تشریف لائے اور فرمایا: مدعیان حاضر کئے جائیں۔ اور خود الگ تنہا جا بیٹھے۔ سب سے پہلے ایک غلام کو بلایا اور فرمایا کہ ہم نے طے کیا ہے کہ جو اس تاجر مرحوم کی قبر کھود کر اس کا سر قلم کر کے لے آئے گا، لڑکی کی شادی اس کے ساتھ کر دی جائے گی۔ کیا تم اس پر تیار ہو؟ غلام نے کچھ دیر سوچ کر کہا، یا امیر المومنینؑ میرا ضمیر اجازت نہیں دیتا کہ میں اپنے مربی کی قبر کھود کر سر کاٹوں۔ لڑکی کی شادی کسی دوسرے سے کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا: تمہاری مرضی، باہر جاؤ۔ پھر دوسرے غلام کو بلایا۔ اس سے بھی یہی شرط پیش کی۔ اس نے وعدہ کیا کہ ہم ضرور اس شرط کو پوری کریں گے اور وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد واپس آیا اور امیر المومنینؑ سے بولا: میں نے سوچا اور پھر یہ فیصلہ کیا کہ محض ایک لڑکی سے شادی کرنے کے بدلے میں اتنے بڑے گناہ کا مرتکب ہوں! قطعی طور پر غلط ہے۔ یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ لڑکی کی شادی کسی اور سے کر دیجئے۔ یہ سن کر آپ نے باہر جانے کا حکم

دیا۔ پھر تیسرے غلام کو بلایا اس کے سامنے بھی یہی شرط پیش کی اس نے وعدہ کیا کہ ضرور میں اس شرط کو پوری کروں گا۔ وہ وہاں سے چل پڑا اور قبر کھودنے لگا۔ ادھر آپ نے اسی وقت (اس کے جانے کے بعد) دو آدمی اس کے پیچھے روانہ کر دئے کہ جب یہ قبر کھود لے اور لاش کے تن سے سر جدا کرنے لگے تو فوراً اسے پکڑ کر میرے پاس لے آو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب وہ پکڑ کر لایا گیا تو آپ نے اپنا فیصلہ اس طرح سنایا۔

پہلا غلام جس نے سنتے ہی انکار کر دیا تھا، اسی کے ساتھ لڑکی کی شادی کر دی جائے اور اسے نصف جائیداد بھی دے دی جائے۔ دوسرا غلام جس نے واپس آ کر انکار کر دیا تھا، اسے باقی نصف جائیداد دے دی جائے۔ تیسرا غلام جس نے قبر کھود کر سر کاٹنا چاہا تھا، اس کو کسی وصیت کی بنا پر شرعاً قتل تو نہیں کیا جا سکتا، ہاں میں اس کو ان دونوں کی غلامی میں دیتا ہوں۔ یہ فیصلہ سن کر ہر طرف سے ''احسنت، احسنت'' کی آوازیں بلند ہوئیں۔

حضرت علیؑ کی فضیلت ان کے معجزات وانصاف کی آئینہ دار ہے، جب ہی تو ان کے مخالفین بھی ان کے خلاف کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ رسول خداؐ نے ان کو اپنا وصی کیوں بنایا تھا اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ دنیا میں ان کا کوئی دوسرا ہمسر نہیں ہو سکتا۔ رسولؐ اور علیؑ سے بغض کے باوجود ہر مشکل کے وقت مشکل کشا حضرت علیؑ کو یاد کرتے تھے۔

خوارزمی نے اپنی کتاب 'مناقب' میں انس بن مالک سے اور احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے کہ حذیفہ یمانی نے کہا کہ: میں نے پیغمبرؐ خدا سے سنا ہے کہ:

علیؑ کی دوستی وہ حسنہ اور نیکی ہے جس کو کوئی برائی یا گناہ ضرر نہیں پہنچا سکتا اور علیؑ کی دشمنی اور عداوت وہ گناہ ہے جس کو کوئی نیکی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

اور انہیں دونوں کتابوں میں مذکور ہے کہ:

اگر لوگ محبت علیؑ پر مجتمع ہو جاتے، تو خدا دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا۔

❁❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(باب چہارم)

حضرت امام حسن علیہ السلام

”ابو محمد“

٭ولادت	۱۵ رمضان المبارک ۳ھ کی شب مدینہ منورہ
٭شہادت	۲۸ صفر المظفر ۴۷ھ
٭والد	امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابو طالب
٭والدہ	حضرت فاطمہ زہراؑ بنت پیغمبر اسلامؐ
٭ازواج	کل تعداد نو (۹)
٭بیٹے	آٹھ (۸)
٭بیٹیاں	سات (۷)

حضرت امام حسن- کے حالات

حضرت امام حسنؑ کی ولادت ۱۵رمضان ۳ھ کی شب مدینہ منورہ میں ہوئی۔آپ کے والد امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ تھے والدہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ بنت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھیں۔

(جابر بن عبداللہ) سے روایت ہے کہ:''مدّت حمل پوری ہونے کے بعد حضرت فاطمہؑ کے یہاں امام حسنؑ کی ولادت ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے سے حکم دے دیا تھا کہ جب بچے کی ولادت ہو تو اسے سفید پارچے میں لپیٹنا، مگر عورتوں نے اسے زرد پارچے میں لپیٹ دیا۔''

ام الفضل زوجہ جناب عباس کی روایت ہے کہ میں نے جناب رسول خداؐ سے عرض کی، یارسول اللہؐ! خداوندعالم آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کے جسم مبارک کے اعضاء میں سے ایک عضو میری آغوش میں ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: اس کی تعبیر یہ ہے کہ فاطمہ زہراؑ کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوگا اور تم اس کی دایہ بنوگی۔

چنانچہ جب امام حسنؑ کی ولادت ہوئی تو رسول خداؐ نے انہیں اُمّ الفضل کے حوالے کر دیا۔آپ نے اپنے بیٹے قثم بن عباس کے دودھ میں شریک کرلیا۔

امام حسنؑ کا اسم مبارک

حضرت فاطمہؑ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:''آپ اس بچے کا کوئی نام تجویز کر دیجئے''انہوں نے کہا:''میں اس کا نام رکھنے میں ہرگز رسول اللہؐ پر سبقت نہ کروں گا۔''

جب رسول خداؐ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا:''اے اسماء! میرے فرزند کو میرے پاس لاؤ۔''پھر بچہ کو دیکھ کر فرمایا: کیا میں نے تم سے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ اسے زرد کپڑے میں نہ لپیٹنا۔'' یہ فرما کر آپ نے

سفید کپڑا منگا کر اس میں لپیٹ لیا اور زرد کپڑا پھینک دیا۔ پھر بچے کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور حضرت علیؑ سے پوچھا، تم نے اس کا نام کیا رکھا؟

انھوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہؐ آپ کی موجودگی میں نام نہیں رکھ سکتا۔''

رسول خداؐ نے کہا: ''تو پھر میں بھی پروردگار کی مرضی کے مطابق ہی نام رکھوں گا۔

پس پروردگار کی طرف سے جبرئیل امین کو بذریعہ وحی حکم ہوا کہ محمدؐ کے گھر ایک فرزند کی ولادت ہوئی ہے، تم ان کے پاس جاؤ میرا سلام کہو، اور میری طرف سے اور خود اپنی طرف سے مبارکباد دو، اور ان سے کہہ دو کہ:

اِنَّ عَلِیّاً مِنْکَ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ فَسُمُّہُ بِاِسْمِ ابْنِ ھَارُوْنَ

ترجمہ (بے شک علی کو تم سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ لہٰذا اس مولود کا نام ہارون کے فرزند کے نام پر رکھو۔)

جبرئیل امینؑ، رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پروردگار کی مرضی کو ظاہر کیا۔ تب رسول خداؐ نے ہارون کے فرزند کا نام پوچھا۔

جبرئیل امینؑ نے کہا: ''شبر''، آپ نے فرمایا: ''مگر میری زبان تو عربی ہے۔''

جبرئیل امینؑ نے کہا، پھر اس کا نام ''حسن'' رکھ دیجئے۔

اس طرح رسول خداؐ نے بچہ کا نام حسن رکھ دیا اور رخساروں کو بوسہ دیا، اور اپنی زبان ان کے دہن میں دے دی، اور حسنؑ آپ کی زبان شیریں چوسنے لگے۔ اس کے بعد رسول خداؐ نے ان کے حق میں دعا کی: خدایا! اس کو اور اس کی اولاد کو اپنی پناہ میں رکھنا۔

امام حسنؑ کا عقیقہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے امام حسنؑ کا عقیقہ اپنے ہاتھ سے کیا اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی تصدّق کی۔

دعائے عقیقہ

اَللّٰھُمَّ عَظْمُھَا بِعَظْمِہٖ وَلَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَدَمُھَا بِدَمِہٖ وَشَعْرُھَا

بِشَعْرِهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا وِقَاءً لِمُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ(۱)

امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ:

آنحضرتؐ نے امام حسنؑ کا عقیقہ کر کے اس کے سنت ہونے کی دائمی بنیاد ڈال دی۔(۲)

آپ کی ولادت کے ساتویں دن ایک بکری ذبح کی گئی اوراس کے گوشت کواہل محلّہ وعزیزوں میں تقسیم کیا گیااورایک ران اور گوشت ،دنیارقابلہ(دایہ) کوبھی دیا گیا۔اسی بناء پرعقیقہ کرنااور بالوں کے برابر چاندی تصدق کرناسنت قرارپایا۔

نقش خاتم امام حسنؑ

حضرت امام رضاؑ سے روایت ہے: آپ نے فرمایا کہ

امام حسنؑ کانقش خاتم ''اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ''تھا(۳)

امام حسنؑ کا حلیہ،کنیت والقاب

آپ متوسط القامت تھے،ریش مبارک گھنی تھی اورآپ کی کنیت ابومحمدؑ تھی،لیکن القاب بہت سے تھے جیسے''تقی،طیب،زکی،سید،سبط اورولی۔''آپ اپنے ہرلقب سے پکارے جاتے تھے۔ان سب القاب میں سب سے زیادہ مشہورلقب تقی تھا۔آپ کی نظرمیں سے اعلیٰ وافضل لقب رسولؐ خدا کاعطا کیا ہوا''سید'' تھا۔جوانہوں نے ان کودیکھنے کے بعددیا تھا۔

چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرایہ فرزند''سید''ہے

محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ: آپ کا لقب''سید''خودسرورکائناتؐ کا عطاکردہ ہے۔(۴)

بوقت ولادت تسبیح وتہلیل خداندی کرنا

روایت میں ہے کہ''پہلی مرتبہ جب رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود

---

(۱) کافی (۲۔۴) مطالب السؤول،ص/۲۱۔۲۲۰ (۳) عیون الاخبارالرضاؑ،امالی شیخ صدوق،(کافی)

کھڑے ہوکر امام حسنؑ کو آغوش میں لیا۔ وہ تسبیح وتمجید پروردگار کررہے تھے۔(۱)

تواریخ میں ہے کہ امام حسن علیہ السلام اپنے نانا رسول خداؐ اور والد حضرت علیؑ اور والدہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی طرح تسبیح وتہلیل کرتے ہوئے دنیا میں تشریف لائے۔

امام حسنؑ کی ولادت پر تہنیت

روایت میں ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ لڑکا پیدا ہونے کی تہنیت کب دی جائے۔ آپ نے فرمایا: جب امام حسنؑ ابن علی پیدا ہوئے تو جبرئیل امین ساتویں دن تہنیت دینے کے لئے نازل ہوئے اور کہا کہ:

آپ ان کا نام رکھ دیں کنیت تجویز فرمادیں، سر کے بال اتروادیں، ان کا عقیقہ کردیں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ان دونوں بچوں (امام حسنؑ اور امام حسینؑ) کی زلفیں پیشانی کی بائیں جانب تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت نے ان دونوں کی زلفیں سر کے درمیانی حصے میں چھوڑی تھیں اور یہ پیشانی سے زیادہ بہتر معلوم ہوتی تھیں۔(۲)

حضرت فاطمہؑ کی لوریاں

حضرت فاطمہؑ اپنے فرزند امام حسن علیہ السلام کو آرام کرنے کے لئے جب لوریاں دیتی تھیں تو فرماتی تھیں:

اشبہ اباک یا حسنؑ　　　واخلع عن الحق الرسن

واعبد الھاً ذامنن　　　ولا توال ذا الاحسن

یعنی۔ اے حسنؑ! تم اپنے بابا جیسے بننا اور اظہار اسرار سے گریز کرنا۔ خدائے ذوالمنن کی عبادت کرنا اور برائیوں کی طرف رخ نہ کرنا۔

(۱۔۲) عیون المعجزات مرتضی (کافی)

امام حسنؑ خدا اور رسولؐ خدا کی نگاہ میں

امام حسنؑ کی منزلت خدا کی نظر میں وہی ہے جو ہر دور میں نبیوں کی ہوتی تھی۔ آپ آخری نبی محمد مصطفیؐ کے نواسے تھے۔ جن پر خدا نے اپنے ازلی فیصلے کے مطابق باب نبوت بند کر کے امامت کا ابدی دروازہ کھول کر بارہ اماموں کے بزبان آخری نبی وضاحت کر دی تھی جو ''لوح محفوظ'' میں لکھے ہوئے تھے۔ یہ نوری مخلوق رسول خداؐ کی نسل سے وجود میں آئی تھی۔ لہٰذا امام حسنؑ اپنے والد علیؑ مرتضیٰ کے بعد دوسرے امام قرار پائے۔ آپ بھی اپنے سائے سے بے نیاز تھے اور مجسمہ نور ہو کر تشریف لائے۔ خدا نے آپ کو معصوم، منصوص، عالم علم لدّنی، اور افضل کائنات قرار دیا ہے اور اسلام کی حفاظت دین کے صیانت، کائنات کی امامت اور رسول خداؐ کی خلافت کی ذمہ داری سونپی اور یہ سلسلہ قیامت تک کے لئے قائم کر دیا۔

رسول خدا محمد مصطفیؐ کی نظر میں جو آپ کی منزلت تھی بیان کرنا بہت مشکل ہے پھر بھی چند واقعات درج کر رہی ہوں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) تواریخ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: میں حسنینؑ کو دوست رکھتا ہوں اور جو انہیں دوست رکھے اسے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔

ایک صحابی کا بیان ہے میں نے رسول کریمؐ کو اس حال میں دیکھا کہ وہ ایک کاندھے پر امام حسنؑ کو اور ایک کاندھے پر امام حسینؑ کو بیٹھائے ہوئے لئے جا رہے ہیں اور باری باری دونوں کے منہ چومتے جاتے ہیں اور ایک صحابی کا بیان ہے کہ: ''ایک دن آنحضرت نماز پڑھ رہے تھے اور حسنینؑ آپ کی پشت پر سوار ہو گئے۔ کسی نے روکنا چاہا تو آپ نے اشارہ سے منع فرمایا۔''(۱)

(۲) حکیم ترمذی، نسائی اور ابوداؤد نے لکھا ہے کہ:

آنحضرت ایک دن محو خطبہ تھے کہ حسنینؑ آ گئے اور حسنؑ کے پاؤں دامن عبا میں اس طرح الجھے کہ زمین پر گر پڑے یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے خطبہ ترک کر دیا اور منبر سے اتر کر انہیں آغوش میں اٹھا لیا اور منبر پر لے جا کر خطبہ شروع فرمایا۔(۲)

---

(۱) اصابہ، ج/۲، ص/۱۲ (۲) مطالب السئول، ص/۲۲۳

(۳) ایک دن سرور کائنات امام حسنؑ کو کاندھے پر سوار کئے ہوئے کہیں لئے جا رہے تھے۔ایک صحابی نے کہا اے صاحبزادے تمہاری سواری کس قدر اچھی ہے۔یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا یہ کہو کہ کس قدر اچھا سوار ہے۔(۱)

(۴) امام بخاری اور امام مسلم لکھتے ہیں کہ ایک دن رسول خداؐ امام حسنؑ کو کاندھے پر بٹھائے ہوئے فرما رہے تھے:

خدایا! میں اسے دوست رکھتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر۔

(۵) ابونعیم ''ابوبکرہ'' سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرتؐ نماز جماعت پڑھا رہے تھے کہ ناگاہ امام حسنؑ آ گئے اور وہ دوڑ کر پشت رسولؐ پر سوار ہو گئے۔ یہ دیکھ کر رسول کریمؐ نے نہایت نرمی کے ساتھ سر اٹھایا۔اختتام نماز پر آپ سے اس کا تذکرہ کیا گیا، تو فرمایا: یہ میرا اگلِ امید ہے، ''اِبْنِیْ هٰذا سَيِّدٌ'' (یہ میرا بیٹا سید ہے) اور دیکھو یہ عنقریب دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔

حضرت امام حسنؑ کی اخلاقی فضیلت

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ: ایک دن حضرت امام حسنؑ گھوڑے پر سوار کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں معاویہ کے طرفداروں میں ایک شامی سامنے آ پڑا اس نے حضرت کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔آپ نے اس کا مطلقاً کوئی جواب نہ دیا۔جب وہ اپنی جسارت پوری کر چکا تو آپ اس کے قریب گئے اور اس کو سلام کر کے فرمایا کہ بھائی شاید تو مسافر ہے، سن! اگر تجھے سواری کی ضرورت ہو، تو میں تجھے سواری دے دوں، اگر تو بھوکا ہے تو کھانا کھلا دوں، اگر تجھے کپڑے درکار ہوں تو کپڑے دے دوں، اگر تجھے رہنے کو جگہ چاہئے تو مکان کا انتظام کر دوں۔اگر دولت کی ضرورت ہو تو اتنا دوں کہ تو خوشحال ہو جائے۔یہ سن کر شامی بے انتہا شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ زمین خدا پر اس کے خلیفہ ہیں۔مولا! میں آپ کو اور آپ کے باپ دادا کو سخت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔لیکن آج آپ کے اخلاق نے مجھے آپ کا گرویدہ بنا دیا۔اب میں آپ کے قدموں سے دور نہ جاؤں گا اور تا حیات آپ کی خدمت میں رہوں گا۔(۱)

---

(۱) اسد الغابہ، ج/۳، ص/۱۵ بحوالہ ترمذی (۲) مناقب، ج/۴، ص/۵۳، کامل مبرد، ج/۲، ص/۸۶

امام حسنؑ کی عبادت، زہداور تقویٰ

تواریخ میں ہے کہ امام حسنؑ اپنے والد بزگوار حضرت علیؑ کی طرح عابد، بے مثل، زاہداور بہت بڑے عالم تھے۔آپ کی عبادت کی یہ حالت تھی کہ کبھی کبھی حج کے لئے پا برہنہ پیدل جایا کرتے تھے۔خدا کی عظمت کومحسوس کرتے ہوئے جب مسجد کے دروازے پر پہنچتے تو خدا کومخاطب کر کے کہتے:

میرے پالنے والے! تیرا گنہگار بندہ تیری بارگاہ میں آیا ہے۔اے رحمٰن ورحیم! اپنی اچھائیوں کے صدقے میں تو مجھ جیسے برائی کرنے والے بندہ کومعاف کردے۔

جب وضوکرتے تھےتو آپ کے چہرے کا رنگ زرد ہو جایا کرتا تھااور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھےتو مثل بید کے کانپنے لگتے تھے۔نماز صبح سے فارغ ہونے کے بعداس وقت تک خاموش بیٹھے رہتے تھے، جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے۔

آپ مال دنیا سے پرہیز گاری برتتے تھےامام شافعی لکھتے ہیں کہ:

امام حسنؑ نے اکثر اپنا سارا مال راہ خدا میں تقسیم کر دیا اوربعض مرتبہ نصف مال تقسیم فرمایا، وہ عظیم پرہیز گار تھے،ایک بار:

''ایک شخص نے حضرت امام حسنؑ سے کچھ مانگا۔دست سوال دراز ہونا تھا کہ آپ نے پچاس ہزار درہم اور پانچ سواشرفیاں دے دیں اورفرمایا کہ مزدور لاکراسے اٹھا لے جا۔اس کے بعدآپ نے مزدور کی مزدوری میں اپنا چغا بخش دیا۔(۱)

ایک بارآپ نے ایک سائل کوخدا سے دعا کرتے سنا کہ خدایا مجھے دس ہزاردرہم عطافرمادے،آپ نے گھر پہنچ کرمطلوبہ رقم بھجوادی۔(۲)

لوگ آپ کی مصلحت سے خوب واقف تھےلہٰذا آپ سے ایک شخص نے کہا:''آپ خودتو فاقہ کرتے ہیں لیکن سائل کومحروم واپس نہیں فرماتے ہیں۔'' آپ نے ارشادفرمایا:''میں خدا سے مانگنے والا ہوں۔اس نے مجھے دینے کی عادت ڈال رکھی ہےاور میں نے لوگوں کو دینے کی عادت ڈالی ہے۔میں ڈرتا ہوں کہ کہ اگر اپنی عادت بدل دوں تو کہیں خدابھی اپنی عادت نہ بدل دےاور مجھےمحروم کردے۔''(۳)

---

(۱)مراۃ الجنان،ص/۱۲۳ (۲)نورالابصار،ص/۱۲۲ (۳)نورالابصار،ص/۱۲۳

ایک شخص نے آپ سے عرض کی کہ ابوذر غفاری فرماتے ہیں کہ مجھے تونگری سے زیادہ ناداری اور صحت سے زیادہ بیماری پسند ہے۔آپ نے فرمایا کہ: ''خدا ابوذر پر رحم کرے۔ان کا کہنا درست ہے،لیکن میں کہتا ہوں کہ جو شخص خدا کے قضاوقدر پر توکل کرے وہ ہمیشہ اسی چیز کو پسند کرے گا جسے خدا اس کے لئے پسند کرے۔''(۱)

حضرت امام علی رضاؑ نے اپنے آبائے کرام سے روایت کی ہے کہ جب حسنؑ کا وقت وفات قریب آیا تو آپ رونے لگے۔آپ سے لوگوں نے کہا: آپ کیوں رو رہے ہیں آپ نے بیس حج پاپیادہ کئے ہیں۔اور آپ اپنا زیادہ تر مال راہ خدا میں دیا کرتے تھے۔حد یہ ہے کہ ایک پاؤں کا جوتا اپنے لئے رکھا اور ایک راہ خدا میں دے دیا۔آپ کے فضائل رسول اللہؐ برابر بیان فرماتے تھے۔آپ نے فرمایا:

میرے رونے کی دو وجہیں ہیں،ایک ہول قیامت اور دوسری فرقت احباب۔(۲)

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ: ''امام حسنؑ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ عبادت گذار،سب سے بڑے زاہد اور سب سے افضل تھے،جب موت کا ذکر کرتے تو گریہ فرماتے۔جب قبر کا ذکر کرتے تو گریہ فرماتے،جب حشر ونشر کا ذکر کرتے تو گریہ فرماتے،جب صراط پر گذرنے کا ذکر کرتے تو گریہ فرماتے،جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کا ذکر کرتے تو ایک چیخ مارتے اور غش کھا کر گر پڑتے۔''

جب آپ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے اور اس میں جہاں کہیں بھی ''یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا'' آتا فوراً کہتے ''لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ''

آپ کو کبھی ذکر خدا سے خالی نہیں دیکھا گیا۔آپ سب سے زیادہ صادق اللہجہ اور فصیح البیان تھے۔

امام حسنؑ کا امتحان خطبہ کے ذریعہ

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے معاویہ سے فرمائش کی حسنؑ ابن علیؑ ابن ابی طالب سے خطبہ کو کہیں تاکہ ان کا سارا نقص ظاہر ہو جائے۔

چنانچہ معاویہ نے امام حسنؑ سے کہا کہ آپ منبر پر جا کر ہم لوگوں کو کچھ وعظ و پند کریں۔

پس آپ منبر پر تشریف لے جانے کے بعد حمد وثنائے الٰہی بجالائے۔پھر فرمایا:

(۱)مراۃ الجنان،ج/۱،ص/۱۲۵ (۲)امالی صدوق

اے لوگو! جو ہمیں جانتا ہے اور جو نہیں جانتا ہے وہ جان لے کہ: میں حسنؑ بن علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں، میں سیدۃ النساء فاطمہ زہراؑ بنت پیغمبرؐ کا فرزند ہو ں، میں اس کا فرزند ہوں جو تمام مخلوقات میں سب سے بہتر ہے، میں رسول اللہؐ کا فرزند ہوں، میں صاحب فضائل کا فرزند ہوں، میں صاحب معجزات ودلائل کا فرزند ہوں ، میں امیر المومنینؑ کا فرزند ہوں ، میں اپنے حق سے محروم کر دیا گیا ہوں، میں اور میرا بھائی حسینؑ دونوں جوانان اہل جنت کے سردار ہیں، میں رکن ومقام کا فرزند ہوں، میں مکہ ومنیٰ کا فرزند ہوں، میں مشعر وعرفات کا فرزند ہوں۔

معاویہ نے کہا: ''چھوڑئے ان باتوں کو ذرا رطب کے متعلق کچھ بیان کیجئے۔''

آپ نے فرمایا:

رطب کے دانے ہوا سے بڑے ہوتے ہیں، گرمی سے پک جاتے ہیں اور ٹھنڈک سے لطیف وطیب ہوجاتے ہیں۔

یہ کہہ کر آپ پھر سلسلۂ کلام کی طرف پلٹے اور فرمایا: میں خلق خدا کا امام ہوں ، میں محمد رسول اللہؐ کا فرزند ہوں۔

یہ سن کر معاویہ خوفزدہ ہوگیا کہ امام حسنؑ حقیقت بیان کرتے رہیں گے تو فتنہ برپا ہوجائے گا۔اس لئے فوراً بولا: اے ابو محمدؑ! بس جو کچھ آپ نے کہا کافی ہے اب آپ واپس آجایئے ، چنانچہ امام حسنؑ منبر سے نیچے اتر آئے۔(۱)

امام حسنؑ کی ازواج واولاد

امام حسنؑ نے وقتاً فوقتاً عقد کئے۔اس طرح ان کی نو بیویاں تھیں۔تواریخ میں ان کے نام اس طرح ہیں:

(۱) اُم فروہ (۲) خولہ (۳) ام بشیر (۴) ثقیفہ (۵) رملہ

(۶) ام اسحاق (۷) ام الحسن (۸) بنت امرو القیس (۹) جعدہ بنت اشعث (۲)

---

(۱) امالی صدوقؒ (۲) سیرۃ الحسن ابصار العین

آپ کی اولاد میں آٹھ بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔(۱)
امام حسنؑ کی نسل زید اور حسنؑ مثنیٰ سے چلی ہے۔
آپ کے تین فرزند، عبداللہ، قاسم اور عمرو کربلا میں شہید ہوئے ہیں۔(۲)

جناب زید بڑے جلیل القدر اور صدقات رسولؐ کے متولی تھے۔انہوں نے ۱۲۰ ھ میں نوے (۹۰) سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ جناب حسن مثنیٰ نہایت فاضل متقی اور صدقات امیر المومنینؑ کے متولی تھے۔آپ نے کربلا کی جنگ میں شرکت کی تھی اور بے انتہا زخمی ہو کر مقتولوں میں دب گئے تھے۔جب لاشیں سر کائی جارہی تھیں، تب ان کے ماموں ابو حسان نے آپ کو زندہ پا کر عمر سعد سے لے لیا تھا۔آپ کو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے ۹۷ ھ میں زہر دیا تھا۔جس کی وجہ سے ۵۲ سال کی عمر میں انتقال فرمایا آپ کی شہادت کے بعد آپ کی بیوی جناب فاطمہ ایک سال تک قبر پر خیمہ زن رہیں۔(۳)

کمسنی میں آپ کی علمی فضیلت

پروردگار کے نور سے پیدا نور معصومینؑ کو قدرت کا عطیہ تھا کہ انہیں علم لدّنی حاصل تھا۔انہیں دنیا میں علم حاصل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔یہی وجہ تھی کہ ہمارے ائمہ معصومینؑ پیدا ہوتے ہی تلاوت قرآن کرتے تھے اور بچپن میں ہی ایسے مسائل علمیہ سے واقف ہوتے تھے جن سے تمام دنیا کے بڑے بڑے علماء اپنی زندگی کے آخری وقت میں بھی بے بہرہ رہتے تھے۔امام حسنؑ جو خانوادہ انوار معصومینؑ کے ایک فرد اکمل اور سلسلہ عصمت کی ایک مستحکم کڑی تھے، وہ بھی بچپن سے ہی اپنی علمی روشنی سے دوسروں کو فیضیاب کرتے رہے تھے، جس کی کچھ مثالیں پیش ہیں:۔

۱۔حضرت ابو بکر کو منبر سے اترنے کا حکم دینا

تواریخ میں علامہ ابن حجر اور امام سیوطی کا فرمانا ہے کہ:''امام حسنؑ ایک دن مسجد رسولؐ سے گذرے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر منبر رسول پر بیٹھے ہوئے ہیں۔آپ سے رہا نہ گیا اور آپ منبر کے قریب تشریف

(۱) ارشاد مفید، ص/ ۲۰۸، نور الابصار، ص/ ۱۱۲، مطالب السئول، ص/ ۲۳۹ (۲) نور الابصار، ص/ ۱۱۲
(۳) ارشاد مفید، ص/ ۲۱۱ و نور الابصار، ص/ ۲۶۹

لے جا کر فرمانے لگے''اَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِ اَبِی''میرے باپ کے منبر سے اتر آؤ۔ یہ تمہارے بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے۔ یہ سن کر وہ منبر سے اتر آئے اور امام حسنؑ کو اپنی آغوش میں بٹھالیا۔''(۱)

۲۔معجزانہ گفتگو پر لوگوں کا ایمان لانا

ابو یعقوب یوسف بن جراح نے اپنے استاد کے ساتھ حذیفہ بن یمان سے روایت کی ہے کہ:

ایک مرتبہ رسول اللہؐ ایک پہاڑ پر تھے اور میرا خیال ہے کہ وہ کوہ حریٰ وغیرہ تھا۔ آپؐ کے ساتھ ابوبکر وعمر وعثمان وعلیؑ اور مہاجرین وانصار کی ایک جماعت بھی تھی اور انس بھی موجود تھے۔ حذیفہ آپؐ سے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں حسنؑ ابن علیؑ آہستہ آہستہ وقار کے ساتھ آتے نظر آئے۔

جب آنحضرتؐ نے انہیں دیکھا تو فرمایا: جبرئیل ان کو آہستہ آہستہ چلا رہے ہیں اور میکائیل ان کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا:''یہ میرا فرزند ہے، طاہر ہے، میرے نفس سے ہے، میری پسلیوں میں سے ایک پسلی ہے، میرا نواسہ ہے، میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ میرے والدین اس پر قربان۔''

آنحضرتؐ اٹھے اور ہم سب بھی آپ کے ساتھ اٹھے۔ آپ حسنؑ سے فرماتے جاتے تو میرا سکونِ قلب ہے، تو میرا پیارا ہے، میری جان ہے۔

پھر آپؐ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ان کو ساتھ لے کر چلے۔ آپ کے ساتھ ہم بھی چلے اور آ کر ایک جگہ تشریف فرما ہوئے۔ ہم سب بھی آپ کے گرد بیٹھ گئے۔ ہماری نظریں رسول اللہؐ پر جمی ہوئی تھیں مگر آپ مسلسل حسنؑ کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔

آپؐ نے فرمایا:''یہ بچہ میرے بعد ہادی ومہدی ہوگا۔ یہ رب العالمین کی طرف سے میرے پیغام کو عام کرے گا اور میرے آثار سے لوگوں کو روشناس کرائے گا۔ یہ میری سنت کو زندہ کرے گا اور اپنے اعمال وافعال میں میرے امور کا ذمہ دار ہوگا۔ اس پر اللہ کی نظر ہے۔ اللہ اس پر رحم فرماتا ہے۔ جس کو اس کی معرفت

(۱) صواعق محرقہ، ص/ ۱۰۵، تاریخ الخلفاء، ص/ ۵۵، ریاض النضر، ص/ ۱۲۸

حاصل ہے، جواس کے معاملہ میں میرے ساتھ نیکی کرے، جواس کے بارے میں میرا پاس ولحاظ کرے اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔''

ابھی رسولؐ اللہ نے اپنا سلسلہ کلام قطع بھی نہیں فرمایا تھا کہ ایک اعرابی اپنی چھڑی گھسیٹتا ہوا آ گیا۔

جب آنحضرتؐ نے اسے دیکھا تو فرمایا: تم لوگوں کے پاس ایک ایسا شخص وارد ہو رہا ہے جس کی درشت گفتگو سے تم لوگ کانپ اٹھو گے۔ یہ تم لوگوں سے چند سوالات کرے گا، مگر اس کی گفتگو بہت ترش ہو گی۔ اتنے میں وہ اعرابی بھی قریب آ پہنچا اور بغیر سلام کئے ہوئے بولا: ''تم لوگوں میں محمد کون ہے؟'' ہم نے کہا: ''کیا ارادہ ہے؟''

آنحضرتؐ نے فرمایا: ''تم اس سے درگذر کرو'' (بات کرنے دو)

اس نے کہا: ''اے محمدؐ! میں نے اس سے قبل تمہیں نہیں دیکھا تھا اور میں بغیر دیکھے ہی تمہارا دشمن تھا مگر اب تو دشمنی اور بڑھ گئی۔''

آنحضرتؐ یہ سن کر متبسّم ہوئے لیکن ہم لوگوں کو اس پر سخت غصہ آ رہا تھا اور ارادہ ہوا کہ اس کے ساتھ کچھ کیا جائے۔ مگر آنحضرتؐ نے اشارے سے منع فرمایا کہ تم لوگ خاموش رہو۔

اعرابی نے کہا: ''اے محمدؐ! تمہارا خیال ہے کہ تم نبی ہو اور گذشتہ انبیاء پر بہتان رکھتے ہو، حالانکہ تمہارے پاس تمہاری نبوت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔''

پھر اس نے کہا: ''اچھا دلیل پیش کرو۔'' آپؐ نے فرمایا: ''اگر تو پسند کرے تو میرے اعضاء میں سے ایک عضو دلیل پیش کرے اور یہ سب سے پختہ دلیل ہو گی۔''

اعرابی نے کہا: ''کیا عضو بھی بات چیت کر سکتا ہے؟''

آپؐ نے فرمایا: ''ہاں!'' پھر فرمایا: ''اے حسنؑ! اٹھو۔''

اعرابی نے اپنے دل میں کہا: 'یہ خود تو مقابلے پر آتے نہیں۔ ایک بچہ کو مجھ سے بات کرنے کے لئے کھڑا کر دیا' ــــــــــ آنحضرتؐ نے فرمایا: (گھبراؤ نہیں) جو کچھ تو پوچھے گا، یہ بچہ بتائے گا۔

اتنے میں حسنؑ آگے بڑھے اور بولے: ''اے اعرابی! ٹھہر جا۔ تو کسی غبی (کند ذہن) ابن غبی سے سوال نہیں کرے گا، بلکہ جس سے تو سوال کرے گا

وہ فقیہ اور سراپا گوش ہے اور تو سخت جاہل ہے اور اگر تو جاہل ہے تو میرے پاس مرض جہل کا علاج موجود ہے جو تو چاہے سوال کر۔''

پھر فرمایا: ''یہ سمندر ہے جو ختم نہیں ہوسکتا۔ یہ وہ میراث ہے جو مجھ کو رسولؐ سے ملی۔ تو نے بڑی زبان درازی و جسارت کی ہے اور حد سے تجاوز کر گیا ہے۔ تو نے اپنے نفس کو دھوکے میں رکھا ہے مگر انشاء اللہ تعالیٰ تو یہاں سے بغیر ایمان لائے ہوئے نہیں جائے گا۔''

یہ سن کر اعرابی مسکرایا اور کہا: ''اچھا آگے چلئے۔''

امام حسنؑ نے فرمایا: ''سن! تم لوگ اپنے گرجے میں جمع ہوئے اور ناواقف ولاعلمی کی بنا پر جو باتیں تم لوگوں میں پھیلی ہوئی تھیں، ان کا تذکرہ ہوا تو تم لوگوں نے سوچا کہ محمدؐ ایک شاخ بے ثمر نہیں۔ ان کے آل اولاد نہیں ہے اور تمام عرب ان کا دشمن ہے، ان کے خون کا بدلہ لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ اس لئے ان کو قتل کرو گے تو تمہاری قوم تمہیں انعام واکرام دے گی۔ یہ سوچ کر تم نے قتل کرنے کا پختہ ارادہ کیا اور اپنا نیزہ اٹھا کر چلے تو تمہاری آنکھوں کی بصارت جاتی رہی، راستہ چلنا دشوار ہو گیا، مگر اس خوف سے کہ کہیں یہ بات مشہور نہ ہو جائے کسی طرح ہمارے پاس آپہنچے، مگر تمہارا آنا تمہارے لئے بہتر ہی ہوا۔

اب میں تمہارے سفر کا مفصل حال بیان کرتا ہوں، سنو! تم اپنے گھر سے رات کے وقت نکلے تو مطلع بالکل صاف تھا، اتنے میں ہوائیں چلنے لگیں جس سے اندھیرا چھا گیا، بادل گھر آئے۔ بارش ہونے لگی۔ اب تم (لقیط بن زرادہ کے) اس سرخ گھوڑے کے مانند ہو گئے (جس کے متعلق اس نے کہا ہے کہ) اگر یہ آگے بڑھے تو نحر ہو جائے اور پیچھے مڑ کر بھاگے تو اس کی ٹانگیں کاٹ دی جائیں۔ اس وقت نہ تمہیں کسی چلنے والے کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی اور نہ کسی آگ روشن کرنے والے کی پھونکوں کی آواز آرہی تھی، گھنگھور گھٹائیں تھیں آسمان کے سارے ستارے چھپ گئے۔ ایک ستارہ بھی نہ تھا جس سے تم راستے کا اندازہ کرتے اور نہ کوئی ایسا نشان کہ جس سے راستے کا پتہ چلتا۔

تم عام سے راستے سے ہٹ گئے اور ایک بہت گہری وادی میں اتر گئے۔اس سے اوپر چڑھے تو راستے سے اور دور ہو گئے۔ ہوا تم کو اڑائے لئے جا رہی تھی، کانٹے چبھے جا رہے تھے۔آندھی چل رہی تھی، بجلی چمک رہی تھی، ٹیلوں اور پہاڑوں سے تمہیں وحشت ہو رہی تھی۔ جھاڑیاں کاٹ کھائے جا رہی تھیں، یکا یک تم نے دیکھا کہ تم ہم لوگوں کے پاس ہو، اب تمہاری آنکھوں میں خوشی دوڑ گئی، تمہارا سارا رنج وغم کافور ہو گیا۔

اعرابی نے کہا: صاحبزادے آپ نے یہ کیسے بتا دیا؟ اور یہ سب کچھ بتا کر تو آپؑ نے میرے دل کے دریچے کھول دیئے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ ان تمام حالات کا مشاہدہ کر رہے تھے اور میری کوئی بات آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔گویا آپؑ کے پاس علم غیب ہے۔اچھا اب یہ بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟

امام حسنؑ نے فرمایا: **اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْھَدُ اَنْ لاٰ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہُ لاٰ شَرِیْکَ لَہُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہُ وَرَسُوْلُہُ**

وہ اعرابی فوراً اسلام لایا اور مسلمان بن گیا۔آنخضرت نے اس کو قرآن مجید کی کچھ تعلیم دی، پھر اس نے عرض کیا: ،یارسول اللہؐ! کیا میں اپنی قوم میں جا کر انہیں ساری باتیں بتا دوں؟''

آنخضرتؐ نے اسے اجازت دی، وہ واپس ہوا۔اس کے بعد پھر آنخضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کے ساتھ اس کے قوم کی ایک جماعت بھی آئی اور سب کے سب دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔(۱)

۳۔حالت احرام میں شتر مرغ کے انڈے کھانے پر کفارہ

مناقب ابن شہر آشوب میں بحوالہ شرح اخبار قاضی نعمان مرقوم ہے۔اس وقت امام حسنؑ کا بچپن تھا۔ایک سائل حضرت ابوبکر کی خدمت میں آیا اور اس نے سوال کیا کہ میں نے حالت احرام میں شتر مرغ کے چند انڈے بھون کر کھا لئے ہیں۔ بتایئے مجھ پر کیا کفارہ واجب الاداء ہے،سوال کا جواب چونکہ ان کے بس کا نہیں تھا، اس لئے ارشاد ہوا اسے عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس لے جاؤ۔جب ان سے سوال دہرایا گیا تو وہ

(۱) کتاب العدد

بھی خاموش ہوگئے اور کہا کہ اس کا حل تو امیرالمومنینؑ کر سکتے ہیں۔ سائل حضرت علیؑ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے سائل سے فرمایا کہ میرے دو چھوٹے بچے جو سامنے نظر آرہے ہیں ان سے دریافت کرلے۔ سائل امام حسنؑ کی طرف متوجہ ہوا اور مسئلہ دہرایا۔ امام حسنؑ نے جواب دیا کہ تو نے جتنے انڈے کھائے ہیں، اتنی ہی عمدہ اونٹنیاں لے کر انہیں حاملہ کرا اور ان سے جو بچے پیدا ہوں انہیں راہ خدا میں ہدیہ خانہ کعبہ کردے۔

امیرالمومنینؑ نے ہنس کر فرمایا کہ بیٹا جواب تو بالکل صحیح ہے لیکن یہ بتاؤ کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ کچھ حمل ضائع ہوجاتے ہیں اور کچھ بچے مرجاتے ہیں۔ عرض کی: ''بابا جان بالکل درست ہے، مگر ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ کچھ انڈے بھی خراب نکل جاتے ہیں۔'' یہ سن کر سائل پکار اٹھا کہ ایک مرتبہ اپنے عہد میں سلیمان بن داؤد نے بھی یہی جواب دیا تھا جو میں نے اپنی کتابوں میں دیکھا ہے۔

۴۔ بادشاہ روم کے کچھ مسائل کا حل دریافت کرنا

ایک روز امیرالمومنینؑ مقام رحبہ میں تشریف فرما تھے اور حسنینؑ بھی وہاں موجود تھے۔ ناگاہ ایک شخص آکر کہنے لگا کہ میں آپ کی رعایا اور اہل بلد (شہری) ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ تو جھوٹ بولتا ہے تو نہ میری رعایا میں سے ہے اور نہ میرے شہر کا شہری ہے۔ بلکہ تو بادشاہ روم کا فرستادہ ہے، تجھے اس نے معاویہ کے پاس چند مسائل دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اور اس نے میرے پاس بھیج دیا ہے، اس نے کہا: ''یا حضرت آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے۔ مجھے معاویہ نے پوشیدہ طور پر آپ کے پاس بھیجا ہے اور اس کا حال خداوند عالم کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے مگر آپ علم امامت سے سمجھ گئے'' آپ نے فرمایا کہ اچھا اب ان مسائل کے جوابات ان دو بچوں میں سے کسی ایک سے پوچھ لے۔ وہ امام حسنؑ کی طرف متوجہ ہوکر چاہتا تھا کہ سوال کرے کہ امام حسنؑ نے فرمایا کہ اے شخص تو یہ دریافت کرنے آیا ہے کہ

(۱) حق و باطل میں کتنا فاصلہ ہے؟

(۲) زمین اور آسمان تک کتنی مسافت ہے؟

(۳) مشرق اور مغرب میں کتنی دوری ہے؟

(۴) قوس وقزح کیا چیز ہے؟

(۵)مخنّث کسے کہتے ہیں؟

(٦)وہ دس چیزیں کیا ہیں جن میں ہرایک کوخداوندعالم نے دوسرے سے سخت اور فائق پیدا کیا ہے؟

امام حسنؑ نے فرمایا: سن حق و باطل میں چار انگشت کا فرق وفاصلہ ہے۔اکثر وبیشتر جو کچھ آنکھ سے دیکھا وہ حق ہےاور جوکان سے سنا باطل ہے۔(آنکھ سے دیکھا ہوا یقینی،کان سے سنا ہوامحتاج تحقیق)

زمین اورآسمان کے درمیان اتنی مسافت ہے کہ مظلوم کی آہ اورآنکھ کی روشنی پہنچ جاتی ہے۔

مشرق ومغرب میں اتنا فاصلہ ہے کہ سورج ایک دن میں طے کر لیتا ہے۔

اورقوس وقزح اصل میں قوس خدا ہےاس لئے کہ قزح شیطان کا نام ہے۔یہ فراوانی رزق اوراہل زمین کے لئے غرق سےامان کی علامت ہے۔اس لئے اگر یہ خشکی میں نمودار ہوتی ہےتو بارش کی علامت سمجھی جاتی ہےاوراگر بارش میں نکلتی ہےتوختم باران کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

مخنث وہ ہے جس کے متعلق یہ نہ معلوم ہو کہ مرد ہے یاعورت اوراس کے جسم میں دونوں اعضاء ہوں۔اس کاحکم یہ ہے کہ تاحدّ بلوغ انتظار کریں اگرمحتلم ہوتو مرداور حائض ہواور پستان ابھرآئیں تو عورت۔ اگراس سے مسئلہ حل نہ ہوتو دیکھنا چاہئے کہ اس کے پیشاب کی دھارسیدھی جاتی ہے یانہیں اگرسیدھی جاتی ہے تو مرد ہے ورنہ عورت۔

وہ دس چیزیں جن میں سے ایک دوسرے پر غالب وقوی ہیں وہ یہ ہیں کہ خدا نے سب سے زائد سخت پتھر کو پیدا کیا ہے،مگراس سے زیادہ سخت لوہا ہے جو پتھر کوبھی کاٹ دیتا ہےاوراس سے زائد سخت وقوی آگ ہے جولوہے کو پگھلا دیتی ہےاورآگ سے زیادہ سخت قوی پانی ہے جوآگ کو بجھا دیتا ہےاوراس سے زیادہ سخت وقویٰ ابر ہے جو پانی کواپنے کندھوں پراٹھائے پھرتا ہےاوراس ے زائد وقوی ہوا ہے جو ابر کو اڑائے پھرتی ہےاور ہوا سے زیادہ سخت وقوی فرشتہ ہےجس سے ہوامحکوم ہےاوراس سےزائد سخت وقوی ملک الموت ہے جو ہوا کا فرشتہ کی بھی روح قبض کرلیں گےاور ملک الموت سے بھی زائد سخت وقوی موت ہے جوملک الموت کوبھی مار ڈالے گی اور موت سے زائد سخت وقوی حکم خدا ہے جوموت کوبھی ٹال دیتا ہے۔یہ جوابات سن کرسائل پھڑک اٹھااورایمان لے آیا۔

۵۔رسول اللہؐ پر نازل وحی کی ترجمانی

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ ''امام حسنؑ کا یہ وطیرہ تھا کہ آپ انتہائی کم سنی کے عالم میں اپنے نانا پر نازل ہونے والی وحی من وعن اپنی والدہ ماجدہ کو سنا دیا کرتے تھے۔ایک دن حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اے بنت رسولؐ میرا جی چاہتا ہے کہ میں حسنؑ کو ترجمانی وحی کرتے ہوئے خود دیکھوں اور سنوں۔سیدہ نے امام حسنؑ کے پہنچنے کا وقت بتا دیا۔ایک دن امیر المومنینؑ حسنؑ سے پہلے داخل خانہ ہو گئے اور گوشہ خانہ مین چھپ کر بیٹھ گئے۔امام حسنؑ حسب معمول تشریف لائے اور ماں کی آغوش میں بیٹھ کر وحی سنانا شروع کر دی۔لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد عرض کی:

یا اماہ قد تلجلج لسانی و کل بیانی لعل سیدی یرانی

مادر گرامی آج زبان میں لکنت اور بیان مقصد میں رکاوٹ ہو رہی ہے۔مجھے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میرے بزرگ محترم مجھے دیکھ رہے ہیں۔

یہ سن کر حضرت امیر المومنینؑ نے دوڑ کر امام حسنؑ کو آغوش میں اٹھالیا اور بوسہ دینے لگے۔(۱)

۶۔ہر لغت پر مکمل عبور

امام جعفر صادقؑ نے اپنے آبائے کرام کے واسطے سے روایت کی ہے کہ:

امام حسنؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دو شہر ہیں ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں۔ان دونوں کی شہر پناہ کی دیواریں لوہے کی ہیں۔ہر شہر میں ایک ایک سونے کا دروازہ ہے جن میں ستّر ستّر ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں ان میں ہر قوم الگ الگ زبان (لغت) استعمال کرتی ہے اور ان تمام زبانوں سے میں واقف ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ان دونوں شہروں کے اندر کیا کچھ ہے اور ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت (امام) میرے اور میرے بھائی حسینؑ کے سوا کوئی نہیں ہے۔(۲)

۷۔ٹڈی کے پروں پر مکتوب

مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسنؑ اور عبداللہ بن عباس ایک ہی دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ

(۱) چودہ ستارے، ص/۱۸۱ (۲) الخرائج والجرائح، مناقب ابن شہر آشوب

ایک ٹڈی دسترخوان پر بیٹھ گئی تو عبداللہ بن عباس نے امام حسنؑ سے پوچھا: اس ٹڈی کے پروں پر کیا لکھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا:

انا اللّٰہ لا الٰہ الا انا ربما ابعث الجراد لقوم جیایح لیا کلوہ

وربما ابعثها نقمة علیٰ قوم فناء کل أطمعتهم

(یعنی میں ہوں اللہ، نہیں ہے کوئی اللہ لیکن میں (سوائے میرے) میں ہی بھیجتا ہوں ان ٹڈیوں کو ایسی قوم کی طرف جو بھوکی ہے تا کہ وہ اسے کھائیں اور کبھی بھیجتا ہوں ایک قوم کی طرف بر بنائے عذاب تا کہ یہ اس قوم کی ساری غذا کھا جائیں۔)

یہ سن کر عبداللہ بن العباس نے اٹھ کر امام حسنؑ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور عرض کی:

یہ ہے علم مکنون۔(۱)

۸۔ تفسیر قرآن کا مطلب بیان کرنا

علامہ ابن طلحہ شافعی بحوالہ تفسیر وسیط واحدی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن عباس اور ابن عمر سے ایک آیت سے متعلق ''شاھد و مشھود'' کے معنی دریافت کئے ابن عباس نے شاہد سے یوم جمعہ اور مشہود سے یوم عرفہ بتایا اور ابن عمر نے یوم جمعہ اور یوم النحر کہا۔ اس کے بعد وہ شخص امام حسنؑ کے پاس پہنچا۔ آپ نے شاہد سے رسول خداؐ اور مشہود سے یوم قیامت فرمایا اور دلیل میں آیت پڑھی۔

یَا اَیُّھَا النَّبِیُ اِنَّا اَرْسَلْنَاکَ شَاھِداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِیْراً

اے نبی ہم نے تم کو شاہد و مبشر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

ذَالِکَ یَوْم مَجْمُوْع لَدَ النَّاسِ وَذَالِکَ یَوْم مَشْھُوْد

قیامت کا وہ دن ہوگا جس میں تمام لوگ ایک مقام پر جمع کر دیئے جائیں گے، اور یہی یوم مشہود ہے۔

اس شخص نے سب کا جواب سننے کے بعد کہا امام حسنؑ کا جواب دونوں سے کہیں بہتر ہے۔(۲)

---

(۱) الخرائج والجرائح (۲) مطالب السؤل، ص/ ۲۲۵

کیا کہنا ہمارے ائمہ معصومینؑ کے علم لدّنی کا کہ انہیں دنیا کی ہر جاندار اور بے جان چیز کا علم ہے۔

حضرت علیؑ کی وصیت اور اس کے گواہ

'مسلم بن قیس' سے روایت ہے کہ جس وقت حضرت علیؑ نے اپنے فرزند امام حسنؑ کو اپنا وصی بنایا اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا آپ نے اپنی وصیت پر امام حسینؑ ومحمد حنفیہ اور اپنی تمام اولاد نیز روسائے شیعہ اور اہل بیت کو گواہ بنایا۔ پھر کتاب اور اسلحے ان کے سپرد کئے اور فرمایا:

> ''اے فرزند! نبی نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں تمہیں اپنا وصی بناؤں اور اپنی کتابیں اور اسلحے تمہارے حوالے کروں جس طرح آنحضرتؐ نے اپنی کتابیں اور اسلحے میرے حوالے کئے تھے، اور مجھے یہ بھی حکم دیا تھا کہ میں تم کو حکم دے دوں کہ جب تمہارا بھی سفر آخرت قریب ہوتو یہ سب تبرکات اپنے بھائی حسینؑ کے حوالے کر دینا۔ پھر امیر المومنینؑ نے امام حسینؑ سے فرمایا کہ: تمہارے رسول اللہؐ نے یہ حکم دیا تھا کہ تم وقت آخر یہ تبرکات اپنے فرزند کے سپرد کر دینا، یہ فرما کر آپؑ نے حضرت علیؑ بن الحسین کا ہاتھ پکڑا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تمہیں رسولؐ اللہ نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ یہ تبرکات اپنے فرزند محمد بن علیؑ کے حوالے کرنا اور انہیں میری طرف سے اور رسولؐ کی طرف سے سلام کہنا۔(۱)

بعد شہادت امیر المومنینؑ خطبۂ امام حسنؑ

'ابوطفیل' سے روایت ہے کہ امام حسنؑ نے بعد وفات امیر المومنینؑ خطبہ دیا اور اس میں امیر المومنینؑ کا ذکر فرمایا کہ آپ خاتم الوصیین اور خاتم الانبیاء کے وصی تھے۔ آپ صدیقین وشہداء وصالحین کے امیر تھے۔

جابر نے شمالی سے اور انہوں نے حبیب بن عمر سے روایت کی ہے۔ جس شب کو امیر المومنینؑ نے شہادت پائی اس کے دوسرے دن حضرت امام حسنؑ منبر پر خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور حمد اور ثنائے الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا:

---

(۱) اعلام الوریٰ، کلینیؒ، بحار الانوار، ص/۱۶۱

اے لوگو! اس شب میں قرآن نازل ہوا اسی شب میں حضرت عیسیٰؑ بن مریم آسمان پر اٹھائے گئے ،اسی شب میں یوشعؑ بن نون قتل ہوئے ،اور اسی شب میں حضرت امیر المومنینؑ میرے پدر بزرگوار نے بھی رحلت فرمائی۔ خدا کی قسم ان سے قبل گذرنے والے اوصیاء ہوں یا ان کے بعد آنے والے اوصیاء ہوں، جنت کی طرف جانے میں میرے پدر بزرگوار سے کوئی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جب رسول اللہ میرے پدر عالی قدر کو کسی جنگ پر روانہ کرتے تو جبرئیل امین آپ کے داہنے ہوتے اور میکائیل آپ کے بائیں ہوتے۔

انہوں نے سونے اور چاندی کے سکوں میں سے سات سو درہم کے سوا کچھ نہیں چھوڑا اور یہ بھی وہ رقم ہے جو آپ کی عطا سے بچ رہی تھی جس سے آپ اپنے اہل بیتؑ کے لئے ایک خادم خریدنے کا ارادہ رکھتے تھے۔(۱)

بیعت امام حسنؑ

حضرت علیؑ کی شہادت کے وقت امام حسنؑ کی عمر ۳۷ سال ۶ یوم کی تھی۔ والد بزرگوار حضرت علیؑ کی تکفین وتدفین کے بعد عبداللہ بن عباس کی تحریک سے، بقول ابن اثیر، قیس بن سعد بن عبادہ انصاری نے امام حسنؑ کی بیعت کی اور ان کے بعد تمام حاضرین نے بیعت کر لی جن کی تعداد چالیس (۴۰) ہزار کے قریب تھی۔ یہ واقعہ ۲۱/رمضان ۴۰ھ یوم جمعہ کا ہے۔

''کفایۃ الاثر علامہ مجلسی'' سے روایت ہے کہ اس وقت آپ نے ایک فصیح وبلیغ خطبہ پڑھا۔ جس میں آپ نے حمد وثنا کے بعد بارہ اماموں کی خلافت کا ذکر فرمایا اور اس کی وضاحت کی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ ہم میں ہر ایک یا تلوار سے یا زہر دغا سے شہید ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے عراق، ایران، خراسان، حجاز او ریمن وبصرہ وغیرہ کے حالات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''ہشام بن حسان'' سے روایت ہے کہ لوگوں نے امام حسنؑ کی خلافت کے لئے بیعت کی تو میں نے سنا کہ آپ لوگون کے مجمع سے خطاب فرما رہے تھے جو اس طرح ہے:

ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے وہ گروہ ہیں جو غالب ہونے والا ہے، ہم رسول اللہ کی

(۱) امالی شیخ صدوق، بحار الانوار، ص/ ۲۳۵

قریب ترین عترت ہیں، ہم آنحضرتؐ کے طیب وطاہر اہل بیتؑ ہیں، ہم ان دو گراں قدر چیزوں میں سے ایک ہیں جن کو رسول اللہؐ اپنی امت میں چھوڑ گئے ہیں، ہم کتاب اللہ کے ثانی ہیں، جس میں ہر شئے کی تفصیل موجود ہے، جس کے قریب باطل نہ سامنے سے آسکتا ہے، نہ پیچھے سے، اس کتاب کی تفسیر با آواز بلند ہمیں پکارتی ہے اور ہم اس کی تاویل اپنے ظن وگمان پر نہیں کرتے۔ بلکہ یقین کی بنا پر اس کے حقائق بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا تم لوگوں کو چاہیئے کہ ہماری ہی اطاعت کرو جو تم پر فرض ہے اس لئے کہ اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ ہی ساتھ ہماری اطاعت کا بھی حکم دیا ہے:

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَـاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ

(سورہ نساء آیت/۵۹)

ترجمہ: (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور ان کی جو صاحبان امر ہوں۔)

امام حسنؑ کے دور حکومت کے وقت عوام کے حالات بہت خراب تھے، فتنوں اور سازشوں کو بڑھاوا دیا جارہا تھا۔ اہل بیتؑ رسولؐ کے خلاف سازش ہو رہی تھی۔ معاویہ کے کارندے جا بجا جاسوسی کرتے رہتے تھے اور عوام کے بیچ اختلافات پیدا کر کے فساد کی دعوت دیتے۔ معاویہ نے کوفہ کے بڑے بڑے عہدیداروں کو رشوتیں دے کر خرید لیا تھا۔

معاویہ کا کردار

تواریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ معاویہ کا خاندان وکردار کیا ہے۔ پیش ہیں کچھ مثالیں، تواریخ میں ہے کہ:

قبیلہ قریش کی ابتداء قصی ابن کلاب سے ہوئی جو اولاد کعب بن لوی سے تھے۔ قصی کے چار بیٹوں

میں سے ایک کا نام عبد مناف تھا۔ ہاشم اور عبد الشّمس عبد مناف کے بیٹے تھے۔ ہاشم کی ذریت سے محمدؐ وآل محمدؐ میں جو ہاشمی کہلاتے ہیں اور جو عبد الشّمس کی طرف منسوب ہے جو پست قد، چندھا، کرنجا، بدشکل تھا۔ جس کے چہرے سے شرارت اور نحوست نمایاں تھی۔ امیہ کے معنی چھوٹی لونڈی (لونڈیا) کے ہیں۔ حسان بن ثابت نے اس کے اولادِ عبد الشّمس ہونے سے انکار کیا ہے۔(۱)

حسان بن ثابت کے خیالات سے ہم اتفاق رکھتے ہیں کیونکہ عبد مناف کی ذریت میں امیہ جیسا نطفہ پیدا ہی نہیں ہوسکتا ہے جس کی ذریت میں پیغمبر اسلامؐ اور فاطمہؑ جیسی بیٹی اور گیارہ اماموں کی بشارت ہو اس خون سے بنی امیہ کا پیدا ہونا ناممکن لگتا ہے، تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ:

''آنحضرتؐ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے منبر پر بندر کودر ہے ہیں۔(۲)

جس سے آپ کو بے انتہا صدمہ ہوا جس سے تسلی کے لئے سورہ قدر نازل ہوا جس میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی شب قدر مدّت حکومت بنی امیہ سے بہتر ہے۔

تاریخ اعثم کوفی میں ہے کہ: عہد جاہلیت میں بنی امیہ کی غذا اٹڈی اور مردار تھی۔(۳)

تاریخ اعثم کوفی میں ہے کہ: مشہور فاحشہ عورتیں جن کے مکانوں پر جھنڈے تھے، وہ چار تھیں

(۱) زرقا (۲) نابغہ عمرو عاص کی ماں

(۳) حمامہ امیر معاویہ کی دادی (۴) ہندہ امیر معاویہ کی ماں

اور ہندہ کے متعلق تاریخ میں ہے کہ یہ تمام عیوب کی خزینہ دار تھی۔(۴)

نصائح کافیہ میں ہے کہ: امیہ نے صفوریہ کی ایک یہودن لڑکی سے زنا کیا تھا۔ جس سے ذکوان نامی لڑکا پیدا ہوا تھا جس کی کنیت ابوعمرو مقرر کی گئی تھی۔ یہی ابوعمرو عقبہ کا دادا تھا۔(۵)

تذکرۂ سبط ابن جوزی میں ہے کہ:

اسی ابوعمر کا بیٹا مسافر تھا جو سخاوت، جمال اور شعر گوئی میں مشہور تھا۔ ہندہ کا اس سے معاشقہ ہو گیا اور اس سے حاملہ ہوگئی جب حمل ظاہر ہو گیا، تو اس نے مسافر سے

---

(۱) نصائح کافیہ، ص/ ۹۵ تا ۱۱۰، دیوان حسان، ص/ ۹۱ (۱۲) تاریخ الخلفاء، ص/ ۸ (۳) تاریخ اعثم کوفی، ص/ ۲۴۲

(۳) تاریخ اعثم کوفی، ص/ ۲۲۶ (۴) نصائح کافیہ، ص/ ۱۱۰

کہا کہ تو کسی طرف چلا جا۔ چنانچہ وہ حیرہ کو چلا گیا، اس کے بعد ہندہ ابوسفیان کے تصرف میں آ گئی۔ جب مسافر کو پتہ لگا تو اس نے فراق میں جان دے دی۔ مسافر کے چلے جانے کے بعد ہندہ مقام اجیاد کی طرف چلی گئی اور وہیں بچہ جنا۔(۱)

امام شعبی کا بیان ہے کہ ہندہ کی زنا کاری کے بارے میں آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے دن اس موقع پر ارشاد فرمایا تھا جب کہ وہ بیعت کرنے آئی تھی، ہندہ نے کہا میں کس چیز پر بیعت کروں۔

آنحضرت نے فرمایا: تو اس چیز پر بیعت کر کہ آج سے زنا نہیں کرے گی۔

اس نے کہا: کہ حضرت کہیں ''حُرہ'' (آزاد عورتیں زنا کرتی ہیں۔)

فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلٰی عُمَرٍ تَبَسَّمَ

یہ سن کر آپ نے حضرت عمر کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا۔(۲)

الغرض معاویہ کا نطفہ ہی ایسا تھا کہ وہ خدا اور رسولؐ خدا کی باتوں کو کیا سنتا اور سمجھتا بلکہ اس کا دماغ ہمیشہ خرافات میں لگا رہتا تو اریخ میں اس کے ظلم و بربریت کی مثالیں بھری پڑیں ہیں جن کا ذکر کر کے صفحوں کو بیکار بھرنا ہوگا۔

مختصر یہ کہ وہ زرق برق کپڑے پہنتا تھا اور ہمیشہ شراب پیتا تھا اور ہر طرح کے عیش و عشرت میں گم رہتا تھا۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ معاویہ کی چار باتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک ہی اس کی ہلاکت کے لئے کافی ہے۔

اول: مستحقین خلافت کو محروم کر کے زبردستی خلافت پر قبضہ کرنا۔

دوم: یزید کو ولی عہد بنانا جو بداطوار شرابی، حریر پہننے والا، گانا بجانا سننے کا شوقین۔

سوم: ابوسفیان کے حرامی بیٹے زیاد کو شریعت کے خلاف اپنا بھائی بنایا۔

چہارم: حجر اور ان کے اصحاب پر ظلم کرنا اور ان کو قتل کرانا۔

مسعودی لکھتے ہیں کہ اہل شام معاویہ کے اتنے فرمانبردار اور اطاعت گذار تھے کہ جنگ صفین کو

---

(۱) کافیہ حاشیہ، ص/۸۴ تاریخ الخلفاء، ص/۲۱۸ (۲) معاویہ دائرہ الاصلاح، ص/۸

جاتے ہوئے معاویہ نے جمعہ کی نماز بدھ کو پڑھادی اورانہوں نے پڑھ لی اور بنی امیہ کے عہد میں عام لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ ''سید'' کو کبھی سردار نہ بنائیں اور بنی امیہ عالم نہ ہونے کے باوجود جو بات علم کی کہیں بلاتمیز فائدہ ونقصان کے اس پر یقین کریں۔غرض ۶۰ھ میں معاویہ بیمار ہوا تو اس نے یزید سے کہا کہ جو کچھ مانگنا ہو مانگ لے۔''اس نے کہا میں حکومت چاہتا ہوں تا کہ اس کے ذریعہ سے جہنم سے نجات حاصل کرلوں۔اس نے یزید کا منہ چوم لیا اور کہا مجھے منظور ہے۔(۱)

چنانچہ وہ یزید جیسے دشمن اسلام کو خلیفہ بنا کر رجب ۶۰ھ میں راہی وار لیوار ہو گیا۔(۲)

معاویہ نے چالیس سال حکومت کی ۷۷ سال کی عمر پائی اور ۶۰ھ میں انتقال کیا اور دمشق شام میں دفن کیا گیا۔(۳)

صلح امام حسنؑ

امام حسنؑ کو قتل کرنے کی فکر میں بہت سے لوگ لگ گئے تھے کیونکہ معاویہ نے اتنے بڑے انعام کا اعلان جو کر دیا تھا کہ قتل کرنے والے کو فوج کی سرداری دیں گے اور اپنی کسی لڑکی سے عقد کریں گے اور پھر خفیہ طور پر ایک بڑا لشکر عراق پر حملہ کرنے کے لئے بھیج دیا تھا۔جس کی خبر لگنے پر امام حسنؑ نے بھی اپنے لشکر کو تیار کیا اور حجر بن عدیؓ کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ آگے بڑھنے کا حکم دیا۔آپ بغور مطالعہ کر رہے تھے کہ اتنے بڑے لشکر کے ہونے کے باوجود وہ جوش نہ تھا جو حضرت علیؑ کے وقت میں تھا۔اس کی خاص وجہ فوج کے وہ سردار تھے جو معاویہ کے ہاتھوں بک چکے تھے۔کچھ عافیت کوشی میں مصروف تھے۔معاویہ کے لشکر میں ساٹھ ہزار افراد تھے جو بغداد سے دس فرسخ تکریت کی جانب مقام ''مسکن''میں قیام پذیر ہوئے۔

ادھر امام حسنؑ نے بھی بارہ ہزار کی فوج قیس بن سعد کی ماتحتی میں معاویہ کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے روانہ کردی۔پھر ساباط سے روانہ ہوتے وقت امام حسنؑ نے ایک خطبہ بڑھا:

> ''لوگو!تم نے اس شرط پر مجھ سے بیعت کی ہے کہ صلح اور جنگ دونوں حالتوں میں میرا ساتھ دو گے۔میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے کسی شخص سے بغض

(۱) تاریخ کامل (۲) تاریخ اسلام،ج/۱،ص/۳۳

وعداوت نہیں ہے۔ میرے دل میں کسی کو ستانے کا خیال نہیں ۔ میں صلح کو جنگ
سے اور محبت کو عداوت سے کہیں بہتر سمجھتا ہوں ۔(۱)

لوگوں نے امام حسنؑ کے اس خطبہ کا مطلب یہ نکالا کہ آپ صلح کی طرف مائل ہیں اور خلافت سے دستبرداری کا ارادہ رکھتے ہیں ۔ معاویہ نے عمر وعاص کے ذریعہ کچھ لوگوں کو امام حسنؑ کے لشکر میں بھیجا اور کچھ کو قیس ابن سعد کے لشکر میں بھیج کر ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ کرادیا کہ امام حسنؑ نے صلح کر لی ہے۔

اس افواہ کے پھیلنے سے امام حسنؑ کے دونوں لشکروں میں بدگمانی کے جذبات پھیل گئے ۔امام حسنؑ کے لشکر کا وہ حصہ جسے پہلے ہی سے شبہہ میں تھا کہ یہ مائل بہ صلح ہیں، یہ کہنے لگا کہ امام حسنؑ بھی اپنے باپ حضرت علیؑ کی طرح کافر ہو گئے ہیں ۔ بالآخر فوجی آپ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے ۔آپ کا کل اسباب لوٹ لیا۔آپ کے نیچے سے مصلیٰ تک گھسیٹ لیا۔ دوش مبارک پر سے ردا بھی اتار لی اور بعض نمایاں قسم کے افراد نے امام حسنؑ کو معاویہ کے حوالے کر دینے کا پلان تیار کیا۔ آخر کار آپ ان بدبختوں سے مایوس ہو کر مدائن کے گورنر ،سعد کی طرف روانہ ہو گئے ۔راستہ میں ایک خارجی نے جس کا نام بروایت 'الاخبار الطّوال' (ص/۳۹۳)''جراح بن قبیصہ'' تھا، آپ کی ران پر کمین گاہ سے ایک خنجر لگایا جس نے ہڈی تک محفوظ نہ رہنے دیا۔آپ نے مدائن میں مقیم رہ کر علاج کرایا اور اچھے ہو گئے ۔(۲)

امام حسنؑ لشکر کو تیار کر کے لڑنے کے لئے نکلنے والے ہی تھے کہ معاویہ نے بیس ہزار کا لشکر عبداللہ بن عامر کی قیادت میں مدائن بھیجا اور ان کے لشکر سے درخواست کی کہ مفت میں اپنی جان نہ دیں اور صلح کر لیں۔

مورّخ علاّمہ علی نقی لکھتے ہیں کہ:

امیر شام کو حضرت حسنؑ کی فوج کی حالت اور لوگوں کی بے وفائی کا حال معلوم ہو چکا تھا۔اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ امام حسنؑ کے لئے جنگ ممکن نہیں ہے مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ حضرت امام حسنؑ کتنے ہی بے بس کیوں نہ ہوں مگر ہیں تو علیؑ وفاطمہؑ کے بیٹے اور پیغمبرؐ کے نواسے اس لئے وہ ایسے شرائط پر ہرگز تیار نہ ہوں گے جو حق پرستی کے خلاف ہوں اور جن سے باطل کی حمایت ہوتی ہو۔اس کو نظر میں رکھتے ہوئے انہوں نے ایک طرف تو آپ کے ساتھیوں کو عبداللہ بن عامر کے ذریعہ پیغام دلوایا کہ اپنی جان کے

(۱) تاریخ الخلفاء،ص/۱۳۵ (۲) تاریخ کامل،ج/۳،ص/۱۶۱

پیچھے نہ پڑو، اور خون ریزی نہ ہونے دو، دوسری طرف امام حسنؑ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ جن شرائط پر کہیں انہی شرائط پر صلح کے لئے تیار ہوں۔

امام حسنؑ اپنے ساتھیوں کی غداری کو سمجھ چکے تھے۔ اس لئے وہ بے قصور لوگوں کا خون بہانے پر تیار نہ تھے اور وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ باطل کی تقویت کا دھبہ میرے دامن پر لگ جائے۔ ہمارے گھرانے کو حکومت واقتدار کی ہوس تو کبھی نہ تھی وہ تو بس یہ چاہتے تھے کہ مخلوق خدا کی بہتری ہو اور حدود و حقوق الٰہی کا اجرا ہو۔ اب جبکہ معاویہ نے خود آپ کے شرائط پر صلح کرنے کی پیشکش کی ہے تو اب مصالحت سے انکار کرنا ٹھیک نہیں ہے اس لئے آپ نے آخری فیصلہ کرنے سے پہلے تمام لوگوں کو جمع کیا اور ایک تقریر فرمائی۔

> ''آگاہ رہو کہ تم میں وہ خوں ریز لڑائیاں ہو چکی ہیں جن میں بہت لوگ قتل ہوئے۔ کچھ صفین میں قتل ہوئے جن کے لئے آج تک رو رہے ہو اور کچھ نہروان کے مقتول ہیں جن کا معاوضہ طلب کر رہے ہو، اب اگر تم موت پر راضی ہو تو ہم اس پیغام صلح کو قبول نہ کریں اور ان سے اللہ کے بھروسہ پر تلواروں سے فیصلہ کریں اور اگر زندگی کو عزیز رکھتے ہو تو ہم اس کو قبول کر لیں اور تمہاری مرضی پر عمل کریں۔

جواب میں لوگوں نے ہر طرف سے پکارنا شروع کیا ہم زندگی چاہتے ہیں۔ ہم زندگی چاہتے ہیں۔ آپ صلح کر لیجئے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے صلح کے شرائط مرتب کر کے معاویہ کے پاس روانہ کئے۔(۱)

معاویہ نے آپ کے خط کا جواب دیا۔ اسکے بعد امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان متعدد خطوط و مراسلات آئے اور گئے۔ جن میں امام حسنؑ نے اپنے استحقاق حکومت کی دلیلیں دیں، اپنے پدر بزرگوار پر جن لوگوں نے تقدّم حاصل کیا اور ابن عم رسولؐ اللہ کی حکومت کو جن لوگوں نے چھین لینا چاہا ان پر تنقید فرمائی کہ جن کی تفصیل باعث طوالت ہے۔ الغرض معاملہ صلح تک پہنچ گیا۔

شرائط صلح نامہ حسنؑ

امام حسنؑ جانتے تھے کہ ساتھیوں کی کثرت اور جمعیت پر اعتماد کا خیال کلیۃً دراز کار ہے کیونکہ والد بزرگوار کے ساتھیوں کے عمل کو دیکھ چکے تھے کہ وہ ان کے سامنے تلواریں کھینچ کر آ گئے تھے اور آج ان کے

(۱) ترجمہ ابن خلدون

ساتھ بھی یہی برتاؤ کے آثار ہیں کہ ان کے ساتھیوں میں سے کسی نے زخم دیا۔آپ کی جان کوخطرہ لاحق ہو گیا تھا،ابن جریر کی روایت ہے کہ:

کسی نے خبر اڑادی کہ قیس بن سعید قتل ہو گئے بس اس پر یہ غدر مچ گیا اور وہ خیمہ جس میں امام حسنؑ کا قیام تھا،لوٹ لیا گیا، یہاں تک کہ جس بستر پر آپ تھے اسے آپ کے نیچے سے کھینچ لیا گیا۔(۱)

امام حسنؑ نے لوگوں کو بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر مجمع میں بدنظمی پید ہو گئی اور خوارج نے پکار پکار کر کہنا شروع کر دیا کہ آپ کافر ہو گئے ہیں۔ان حالات کو دیکھتے ہوئے معاویہ کو پیشکش پر نظر ڈالنی ضروری ہو گئی۔

معاویہ نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ جن شرائط پر چاہیں میں صلح کرنے پر تیار ہوں اور اس کے ساتھ آپ کی فوج کے ان سرداروں کے خطوط بھی روانہ کر دئے جنھوں نے خفیہ طریقہ پر معاویہ سے ساز باز کرنا چاہی تھی اودعوت دی تھی کہ آپ آئیں تو ہم حسنؑ کو گرفتار کر کے آپ کے سپرد کر دیں گے یا ان کو قتل کر ڈالیں گے۔(۲)

امام حسنؑ پہلے ہی اپنے ساتھیوں کی غداری سے واقف تھے۔اس لئے جنگ کو مناسب نہ سمجھتے ہوئے والد بزرگوار کی طرح صلح کی کوشش کو مناسب سمجھا اور دوسرے اگر سچائی کے راستے میں اتمام حجت کی ضرورت ہوتو دوست نہیں بلکہ دشمن کے بھی اقرار پر بھروسہ کر لینا چاہئے۔اس صلح نامہ کے مکمل شرائط جو علامہ ابن حجر مکی نے درج کئے ہیں،حسب ذیل ہیں:۔

(۱) یہ کہ معاویہ حکومت اسلام میں کتاب خدا اور سنت رسولؐ اور صحیح راستے پر چلنے والے خلفائے راشدین کے طریقے پر عمل کریں گے۔(۳)

(۲) یہ کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی خلیفہ کے نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔

(۳) یہ کہ شام وحجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں کے لئے امان ہوگی۔

(۴) یہ کہ حضرت علیؑ کے اصحاب اور شیعہ جہاں بھی رہیں،ان کے جان اور مال اور ناموس واولاد محفوظ

---

(۱) طبری،ج/۲،ص/۹۲ (۲) صحیح بخاری،ج/۲،ص/۷۱،ارشاد،ص/۱۵۵

(۳) کشف الغمہ،ص/۱۴۱،اسد الغابہ،ج/۲،ص/۱۴

رہیں گے۔(۱)

(۵) یہ کہ معاویہ حسنؑ بن علیؑ اوران کے بھائی حسینؑ اور کسی کو بھی خاندان رسولؐ میں کوئی نقصان پہنچانے یا ان کی جان لینے کی کوشش نہ کریں گے، نہ خفیہ طریقہ پر اور نہ علانیہ اوران میں سے کسی کو کسی جگہ دھمکایا، ڈرایا اور دہشت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔

یہ معاہدہ ربیع الاول یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ کو عمل میں آیا اس کے بعد معاویہ نے امام حسنؑ سے کہا کہ آپ کھڑے ہو کر مجمع کو بتائیں کہ آپ نے یہ حکومت چھوڑ دی اور اسے میرے سپرد کر دیا ہے۔

شعبی کا بیان ہے کہ اس وقت میں وہاں موجود تھا، امام حسنؑ اٹھے، حمد وثنا الٰہی بجالائے اور پھر فرمایا:

> امابعد: سب سے زیادہ ہوشیار وہ ہے جو متقی ہے اور سب سے زیادہ احمق وہ ہے جو فاسق وفاجر ہے۔ یہ حکومت جس کے متعلق میرے اور معاویہ کے درمیان اختلاف ہے۔ اگر یہ اس کا حق ہے تو پھر وہ مجھ سے زیادہ اس کا حقدار ہے اور اگر یہ میرا حق ہے تو پھر بھی میں نے اسے اصلاح اُمّت اور خونریزی سے بچنے کے لئے چھوڑا تا کہ تم لوگوں کی آزمائش ہو جائے۔(۲)

اس کے بعد امام حسنؑ نے کوفہ کو چھوڑ دیا اور مدینہ واپس آ گئے، ان کے ساتھ ان کے بھائی حسینؑ اور تمام اعزہ واصحاب کریم بھی مدینہ آ گئے۔ مورخین کا اتفاق ہے کہ امیر معاویہ جو میدان سیاست کے کھلاڑی اور مکر وزور کی سلطنت کے تاجدار تھے، امام حسنؑ سے وعدہ ومعاہدہ کے بعد ہی سب سے مکر گئے:

وَلَمْ يَفِ لَہٗ مُعَاوِيَةُ لِشَيْءٍ مِمَّا عَاهَدَ عَلَيْهِ (۳)

معاویہ کی فوج نے تمام مسلمانوں کو خوب لوٹا اور مرد عورت اور بچوں کو کافی تعداد میں قتل کیا۔

دورخلافت حضرت علیؑ میں خدمات امام حسنؑ

تواریخ میں ہے کہ رسول خدا محمد مصطفیٰؐ کے انتقال کے قریب پچیس (۲۵) سال کے بعد عوام کے بے حد اسرار پر حضرت علیؑ حق وباطل کے فیصلہ کے لئے خلافت کے منصب پر فائز ہوئے اور مخالفین اسلام سے

(۱) تاریخ کامل، ابن اثیر، ج/۳، ص/۱۶۲ (۲) کشف الغمہ، ص/۱۴۱، اسد الغابہ، ج/۲، ص/۱۴

(۳) تاریخ کامل، ابن اثیر، ج/۳، ص/۱۶۲

جنگ جمل، جنگ صفین اور نہروان کی جنگیں لڑیں تو ہر ایک جنگ میں امام حسنؑ آپ کے ساتھ رہے۔ بعض موقعوں پر آپ نے کارہائے نمایاں بھی کئے۔ جیسے جنگ صفین میں ابوموسیٰ اشعری کی ریشہ دوانیاں عریاں ہو چکی تھیں تو حضرت علیؑ نے امام حسنؑ اور عمار یاسر کو کوفہ روانہ فرمایا، آپ نے جامع کوفہ میں ابوموسیٰ کے افسوں کو اپنی تقریر کے تریاق سے بے اثر بنا دیا اور لوگوں کو حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ پر جانے پر آمادہ کر دیا۔ اس طرح ''اخبار الطّوال'' کی روایت کی بناء پر نو ہزار چھ سو پچاس افراد کا لشکر تیار ہو گیا۔

(۲) جنگ جمل کی شکست کے بعد حضرت عائشہ مدینہ جانے پر تیار نہیں ہو رہی تھیں تو حضرت علیؑ نے امام حسنؑ کو بھیجا کہ سمجھا بجھا کر مدینہ روانہ کریں۔

(۳) جنگ جمل اور جنگ صفین میں علمدار لشکر تھے اور آپ نے معاہدہ تحکیم پر دستخط بھی فرمائے تھے۔

(۴) فوجی کاموں کے علاوہ سرکاری مہمان خانہ کا انتظام و مہمانوں کی مدارات کا کام بھی کرتے تھے۔

(۵) بعض مقدمات کے فیصلے بھی کرتے تھے اور بیت المال کی نگرانی کا کام بھی فرماتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

امام حسنؑ کا جوابی خطبہ

''شعبی'' سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ معاویہ مدینے آیا اور خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہوا تو حضرت علی بن ابی طالبؑ کی برائیاں کرنے لگا۔ یہ سن کر امام حسنؑ کھڑے ہوئے، پہلے حمد و ثنائے الٰہی بجالائے اس کے بعد فرمایا:

> اے لوگو!، اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی نبی کو مبعوث کیا، اس کا وصی بھی اسی کے اہل بیت میں سے مقرر فرمایا۔ نیز کوئی بھی نبی ایسا نہیں گذرا کہ جس کا کوئی دشمن مجرمین میں سے نہ ہو۔ چنانچہ علی ابن ابی طالبؑ بھی رسول اللہؐ کے بعد ان کے وصی تھے اور میں علیؑ ابن ابی طالبؑ کا فرزند ہوں اور اے معاویہ! تو صخر کا فرزند ہے تیرا جد حرب ہے میرے جد رسول اللہؐ ہیں۔ تیری ماں ہندہ ہے، میری مادر گرامی فاطمۃ الزہراؑ ہیں، میری جدہ ماجدہ حضرت خدیجہؑ ہیں، تیری دادی نائلہ ہے اب آؤ ہم سب مل کر کہیں کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر جو ہم لوگوں میں از روئے

حسب ونسب لئیم اور پست ہو جواز روئے کفر سب سے آگے ہو اور سب سے زیادہ گمنام ہو، جو نفاق میں سب سے شدید ہو۔

یہ سنتے ہی مسجد میں موجود سارے مجمع نے کہا آمین۔

یہ دیکھ کر معاویہ منبر سے اتر آیا اور اس نے اپنی تقریر ختم کر دی۔(۱)

پھر امام حسنؑ نے فرمایا کہ تو حضرت علیؑ کو گالیاں دے رہا تھا اس رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ سَبَّ عَلِیاً فَقَدْ سَبَّنِیْ وَمَنْ سَبَّنِیْ فَقَدْ سَبَّ اَللّٰهَ وَمَنْ سَبَّ اللّٰهَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِداً فِیْهَا مُخَلَّداً وَلَهُ عَذَابٌ مُقِیْمٌ

یعنی جس نے علیؑ کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا اور جس نے مجھے برا کہا اس نے خدا کو برا کہا اور جس نے خدا کو برا کہا اس کو اللہ جہنم کی آگ میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر مسلسل عذاب ہوگا۔(۲)

دربار معاویہ میں شان امام حسنؑ پر سبّ وشتم

''شعبی وابومخنف ویزید بن ابی حبیب مصری'' سے روایت کی گئی ہے کہ تاریخ اسلام میں کبھی ایسا دن نہیں آیا جتنا اس دن شور غل ہوا، جب معاویہ بن ابی سفیان کے پاس عمرو بن عثمان بن عفان وعمرو بن العاص وعتبہ بن ابی سفیان، ولید بن عتبہ بن ابی معیط اور مغیرہ بن شعبہ جمع ہوئے اور سب نے ایک بات پر اتفاق کیا۔

عمرو بن العاص نے معاویہ سے کہا: آپ حسنؑ بن علیؑ کے پاس آدمی بھیج کر انہیں کیوں نہیں یہاں بلاتے۔ انہوں نے اپنے باپ کی سیرت کو زندہ کیا ہے اور ایسا زندہ کیا ہے کہ ان کے پیچھے لوگ بھاگتے ہیں تو ان کے جوتے چج چج کرتے ہیں وہ جو حکم دیتے ہیں اس کی تعمیل کی جاتی ہے اور جو کہتے ہیں اس کی تصدیق کی جاتی ہے اور یہی دونوں باتیں ایسی ہیں جو انہیں اس سے بھی زیادہ بلندی پر پہنچا

(۱) احتجاج طبرسی، ص/ ۱۴۵ (۲) احتجاج طبرسی، ص/ ۱۴۵

دیں گی۔اگر تم انہیں یہاں بلواؤ تو ہم لوگ ان کے اور ان کے باپ کی منقصت کریں
ان پر اور ان کے باپ پر سب وشتم کریں، ان کی اور ان کے باپ کی قدر ومنزلت کو
گھٹائیں اور اس کے لئے جم کر بیٹھیں تا کہ ان کے متعلق بات سچ ثابت ہو۔

معاویہ نے کہا: مگر مجھے ڈر ہے کہ وہ تم لوگوں کی گردنوں میں ذلت کا ایسا طوق نہ ڈال دیں جو قبر میں جاتے وقت بھی تم لوگوں کی گردنوں سے نہ اتر سکے۔ خدا کی قسم میں انہیں جب بھی دیکھتا ہوں ان کے پاس جانے سے گھبراتا ہوں کہ کہیں ڈانٹ نہ پڑ جائے۔

عمر بن العاص نے کہا: کیا تمہیں اس کا ڈر ہے کہ ان کا باطل ہمارے حق پر اور ان کا مرض ہماری صحت پر حاوی ہو جائے گا؟

معاویہ نے کہا: نہیں، اس نے کہا: پھر انہیں بلا بھیجو۔

عتبہ نے کہا: میں اس رائے سے متفق نہیں ہوں، خدا کی قسم وہ جتنے زیادہ اور بڑے بڑے کیڑے تمہارے اندر نکال دیں گے، اس سے زیادہ تم لوگ ان میں نہیں نکال سکتے۔ معلوم ہے ان کا تعلق اس خاندان سے ہے جو بحث ومناظرے والا ہے۔

بالآخر ان لوگوں نے امام حسنؑ کے پاس آدمی بھیجا کہ معاویہ نے آپ کو بلایا ہے۔

آپ نے پوچھا: اس کے پاس اور کون ہے؟ اس نے کہا: اس کے پاس فلاں فلاں لوگ ہیں۔

امام حسنؑ نے فرمایا: آخر ان سبھوں پر چھت کیوں نہیں گر پڑتی ہے اور ان پر
ایسا کوئی عذاب نازل کیوں نہیں ہو جاتا کہ جس کی ان کو خبر بھی نہ ہو۔

اس کے بعد آپ نے خادمہ کو آواز دی کہ میرا لباس لاؤ، پھر آپ نے ''دعائے فرج'' پڑھی:

(ترجمہ) پروردگار! میں تیرے ذریعہ ان لوگوں کی گردنوں کو نشانہ بناتا ہوں او
ر ان لوگوں کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور ان لوگوں کے مقابلہ میں تجھ سے
مدد چاہتا ہون پس میری مدد فرما جس چیز سے چاہے اور جب چاہے۔ اپنی قوت
وطاقت کے ساتھ اے ''ارحم الراحمین''۔

پھر آپ نے اس فرستادہ سے کہا، یہ دعائے فرج ہے۔ اس کے بعد آپ معاویہ کے پاس پہنچے تو اس

نے مرحبا اور خوش آمدید کہتے ہوئے مصافحہ کیا۔

امام حسنؑ نے فرمایا: تمہارا تحیہ سلامتی کی علامت ہے اور مصافحہ بتاتا ہے کہ جان کی امان ہے۔

معاویہ نے کہا: ہاں ایسا ہی ہے۔ ان لوگوں نے آپؑ کے پاس میرے منع کرنے کے باوجود آدمی بھیج کر آپؑ کو بلایا ہے تاکہ آپ کو قتل کر دیں کہ عثمان مظلوم قتل ہوئے اور انہیں آپ کے باپ نے قتل کیا۔ لہٰذا ان کی باتیں سنیں اور اس کا جواب دیں اور جیسی باتیں یہ لوگ کریں ویسا ہی جواب آپ بھی دیں اور ان کے جواب میں میری موجودگی آپؑ کے لئے مانع نہ ہونی چاہئے۔

امام حسنؑ نے فرمایا: سبحان اللہ! کیا بات کہی ہے یہ گھر کسی اور کا نہیں، تیرا ہے۔ اس گھر میں تو تیرا ہی حکم چلے گا، واللہ جو ان لوگوں نے ارادہ کیا ہے اس میں تمہاری مرضی ہے۔ تمہیں شرم آنی چاہئے کہ تم فحش پر راضی ہو گئے اور اگر تمہاری مرضی نہ تھی مگر یہ لوگ تم پر غالب آ گئے تو تمہیں شرم آنی چاہئے کہ تم اتنے کمزور ہو آخر ان دو باتوں میں سے کسی ایک کا اقرار اور اعتذار تو کرو۔ مگر جہاں تک میرا تعلق ہے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ لوگ اس مقصد سے یہاں جمع ہوئے ہیں تو میں بھی ان ہی کی تعداد کے برابر بنی ہاشم میں سے کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لاتا۔ مجھے تنہا پا کر یہ لوگ اپنی کثرت سے مجھے مرعوب کرنا چاہیں گے، مگر خیر اللہ تعالیٰ میرا پشت پناہ آج بھی ہے اور آج کے بعد بھی۔ اچھا اب یہ لوگ جو کچھ کہنا چاہیں کہیں میں سنوں گا۔

''اور نہیں ہے کوئی قوت اور نہیں ہے کوئی طاقت مگر صرف اللہ بزرگ و برتر کی دی ہوئی۔''

سب سے پہلے عمرو بن عثمان بن عفان نے گفتگو کا آغاز کیا اور بولا:

آج جیسا دن تو کبھی سننے میں نہیں آیا کہ خلیفۃ المسلمین عثمان بن عفان کے قتل کے بعد بنی عبدالمطلب کے افراد روئے زمین پر آج بھی باقی ہیں۔ افسوس، یہ ان کی بہن کے فرزند تھے، اسلام میں صاحب فضیلت و منزلت تھے، رسول اللہؐ کے

خاص صحابہ میں سے تھے مگر بدقسمتی سے ان لوگوں نے ظلم وفتنہ پروری وحسد کی بنا پر ان کا خون ناحق بہایا اور اس چیز کے طالب ہوئے جس کے وہ اہل نہ تھے۔ ہائے کس قدر ذلت ورسوائی کی بات ہے حسنؑ اور سارے بنی عبد المطلب قاتلان عثمان بن عفان ابھی زندہ ہیں، روئے زمین پر چل پھر رہے ہیں اور عثمان اپنے خاک وخون میں غلطاں ہیں اور ان ہی کا خون نہیں بلکہ جنگ بدر کے انیس (۱۹) مقتولین بنی امیہ کا خون بھی تم لوگوں کے ذمہ باقی ہے۔

اس کے بعد عمر بن العاص پہلے حمد وثنائے الٰہی بجالایا، اس کے بعد بولا:

اے فرزند ابوترابؑ! ہم لوگوں نے تمہارے پاس آدمی بھیج کر اس لئے بلایا ہے تاکہ تم پر ثابت کردیں کہ تمہارے باپ نے ابوبکر صدیق کو زہر دیا، عمر فاروق کے قتل میں شریک ہوئے اور عثمان ذوالنورین کو انہوں نے ناحق قتل کردیا۔ اور اس خلافت کے دعویدار ہوئے جس کا ان کو کوئی حق نہ تھا۔ انہوں نے عثمان کی برائیاں کیں اور ان کے خلاف فتنہ وفساد برپا کردیا۔

پھر کہا: اے بنی عبد المطلب! اللہ کبھی یہ نہیں کرے گا کہ حکومت تم لوگوں کو عطا کرے اور تم لوگ وہ امر نافذ کرو جو تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔ اور اے حسنؑ! تمہارے دل میں تو یہ ہے کہ تم امیر المومنین بننے والے ہو مگر تمہارے پاس اس کے لئے نہ عقل ہے اور نہ سمجھ، یہ تو تم سے سلب کرلی گئی ہے۔ پھر تم کیسے بنو گے۔ تمہیں تو قریش میں احمق سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ سب تمہارے باپ کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ ہم لوگوں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تمہیں بھی گالیاں سنائیں اور تمہارے باپ کو بھی اور تمہارے لئے یہ ممکن نہیں کہ ہم پر عتاب کرو، ہماری کسی بات کی تکذیب کرو اور اگر تمہارا خیال ہے کہ ہم لوگ جھوٹ بول رہے ہیں اور تم لوگوں پر اتہام لگا رہے ہیں یا خلاف حق گفتگو کررہے ہیں تو بات کرو ورنہ سمجھ لو کہ تم اور تمہارے باپ بدترین مخلوق ہیں۔

خیر تمہارے باپ سے تو اللہ نے ہم لوگوں کو چھٹکارا دلا دیا۔ اب رہ گئے تم

تو تم ہم لوگوں کے قابو میں ہو اور تمہارے لئے ہم لوگ کچھ کریں گے اگر ہم لوگوں نے تمہیں قتل کر دیا تو نہ اللہ کے نزدیک یہ کوئی گناہ ہوگا نہ لوگوں کے نزدیک یہ کوئی برائی اور عیب ہے۔

پھر عتبہ بن ابی سفیان بولا اور گفتگو کی ابتداء اس طرح کی کہ:

اے حسنؑ! تمہارے باپ قریش کے لئے بدترین انسان تھے۔ وہ سب سے زیادہ قطع رحم کرنے والے، سب سے زیادہ خون بہانے والے تھے اور تمہارا شمار تو حضرت عثمان کے قاتلوں میں ہے۔ ہم لوگوں کو حق پہنچتا ہے کہ اس جرم کی پاداش میں تمہیں قتل کر دیں۔ یہ سزا تم پر از روئے کتاب خدا ہے اور اسی بنا پر ہم لوگ تم کو قتل کرنے والے ہیں۔ تمہارے باپ سے تو اللہ نے چھٹکارا دیا۔ وہ قتل ہو گئے۔ اب جو تم خلافت کی آس لگائے ہوئے ہو تو یہ ممکن نہیں۔

اس کے بعد ولید بن عتبہ بن ابی معیط اور مغیرہ بن شعبہ نے بھی اسی طرح کی بات کی جیسی ان کے ساتھیوں نے کی تھی۔ زیادہ تفصیل میں نہیں جانا ہے کیونکہ ان کی لغو بکواس سے صفحات بھرے ہیں اس لئے مختصر ایک آخری پیراگراف پیش ہے۔

مغیرہ بن شعبہ کے آخری جملے اس طرح ہیں:

اے حسنؑ! تم ہی بتاؤ اللہ کی طرف سے ایسے شخص کو کیا منزلت وفضیلت مل سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب منزل میں وعدہ کیا ہے کہ وہ مقتول کے وارث ووالی کو طاقت دے گا اور معاویہ اس مقتول کا والی ووارث ہے جو ناحق قتل ہوا۔ لہٰذا اگر ہم لوگ تمہیں اور تمہارے بھائی کو قتل کر دیں تو یہ حق پہنچتا ہے۔ خدا کی قسم، عثمان کے خون کا عوض صرف خون علیؑ نہیں ہو سکتا اور اے بنی عبدالمطلب! یہ بھی سن لو کہ اللہ کبھی ایسا نہیں کرے گا کہ نبوت اور حکومت دونوں تمہارے خاندان میں جمع کر دے۔

اتنا کہہ کر مغیرہ خاموش ہو گیا۔

حضرت ابومحمد حسنؑ بن علیؑ نے تکلم کے لئے لب کھولے اور بولے:

حمد اس خدا کی جس نے تمہارے پہلے والوں کی ہدایت ہمارے پہلے والوں کے ذریعہ کی اور تمہارے آخر والوں کی ہدایت ہمارے آخر والوں نے کی اور درود وسلام ہو ہمارے بزرگ وسردار محمد نبیؐ پر اور ان کی آل پر۔

اس کے بعد فرمایا: (تم لوگ تو کہہ چکے) اب میری بات سنو، اور اے معاویہ! پہلے میں تجھ سے اپنی گفتگو کا آغاز کرتا ہوں یہ کہہ کر معاویہ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

خدا کی قسم، اے ارزق! تیرے سوا کسی اور نے مجھے برا نہیں کہا اور نہ ان لوگوں نے مجھے برا کہا، نیز نہ تیرے سوا کسی اور نے مجھے دشنام کیا اور نہ ان لوگوں نے مجھے برا کہا، بلکہ صرف تو نے مجھے برا کہا اور صرف تو نے مجھے دشنام دیا، محض اپنی بدزبانی وکج روی وسرکشی اور ہم لوگوں سے حسد کی بنا پر اور محض اس لئے کہ تجھے محمدؐ سے پرانی اور نئی ہر طرح کی دشمنی ہے۔

اے ارزق! ذرا غور کر کہ بخدا، اگر میں اور یہ لوگ مسجد رسولؐ میں بیٹھ کر بحث کرتے اور ہمارے گرد مہاجرین وانصار ہوتے تو ان کی مجال نہ تھی کہ اس طرح منہ شگافی کرتے جس طرح یہ لوگ اب کر رہے ہیں اور نہ یہ اس طرح پیش آتے جس طرح اس وقت پیش آ رہے ہیں۔

اچھا، اب اے گروہ مردماں! جو یہاں جمع ہو اور ہمارے خلاف ایک دوسرے کے معاون بنے ہوئے ہو مجھ سے سنو! اور جس سچ اور حق بات کا تمہیں علم ہے اسے نہ چھپانا اور جو بات غلط کہوں اس کی تصدیق نہ کرنا اور اے معاویہ! میں پہلے تجھ ہی سے شروع کرتا ہوں اور تیرے متعلق وہی کہوں گا جو تجھ میں ہے۔

اب میں تم لوگوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم لوگ جانتے ہو کہ وہ شخص جس پر تم لوگ سب وشتم کرتے ہو یہ وہی ہے جس کو دونوں قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہے؟ اور اے معاویہ! تو اسے اس وقت ضلالت وگمراہی سمجھتا تھا اور لات وعزیٰ کی پرستش کرتا تھا؟ یہ وہی شخص تو ہے جس

نے دونوں موقعوں پر بیعت کی (بیعت رضوان کے موقع پر بھی اور بیعت فتح مکہ کے موقع پر بھی) جب کہ اے معاویہ! تم اول کافر رہے اور آخر میں ناکث اور بیعت شکنی کے مرتکب ہوئے۔

پھر فرمایا: میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں، بتاؤ کیا تمہارے علم میں ہے کہ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ یہی شخص (جس پر تم سب وشتم کرتے ہو) غزوۂ بدر میں تم لوگوں سے جنگ کرنے کے لئے رسولؐ اللہ کے ساتھ جب آیا تو اس کے ہاتھ میں رسولؐ اللہ کا علم تھا اور اے معاویہ! تیرے ہاتھ میں مشرکین کا جھنڈا تھا، تو لات وعزیٰ کی پرستش کرتا تھا اور رسول اللہؐ اور مومنین سے جنگ کو فرض اور واجب سمجھتا تھا اور جب یہی شخص تم لوگوں سے جنگ کرنے کے لے غزوۂ احد میں آیا تو اس کے ساتھ رسولؐ کا علم تھا اور تیرے ساتھ اے مشرکین کا جھنڈا تھا۔ تمام مواقع پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی حجت کو واضح اور آپؐ کی دعوت کو حق ثابت کیا۔ آپؐ کی خبر کی تصدیق کی آپ کے علم کو سربلند رکھا اور ان تمام مواقع پر رسولؐ اللہ کو دیکھا کہ آپؐ اس شخص (حضرت علیؑ) سے بہت خوش اور راضی ہیں۔

پھر تم لوگوں کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، بتاؤ کیا تمہارے علم میں ہے کہ رسول اللہؐ نے بنی قریظہ و بنی نضیر کے قلعے کا محاصرہ کیا، پھر عمر بن خطاب کو مہاجرین کا علمبردار بنا کر اور سعد بن معاذ کو انصار کا علمبردار بنا کر محاذ جنگ پر روانہ کیا۔ سعد بن معاذ جنگ کرتے ہوئے زخمی ہوئے تو اسی حالت میں اٹھا کر لائے گئے، مگر عمر بن خطاب بھاگ کر واپس آ گئے۔ وہ اپنے لشکر کو بزدل کہتے تھے اور ان کا لشکر ان کو بزدل کہتا تھا یہ حال دیکھ کر رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا:

لَاُعْطِيَنَّ الرَّأيَةَ غَداً رَجُلاً كَرَّاراً غَيْرَ فَرَّار يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلَهُ يُفَتِّحُ اللّٰهُ عَلىٰ يَدَيْهِ

یعنی لازماً کل میں ایسے مرد کو اپنا علم عطا کروں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوگا اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت کرتے ہوں گے وہ کرار و غیر

فرار ہوگا وہ اس وقت تک نہیں واپس ہوگا جب تک اللہ اس کے دونوں ہاتھوں پر فتح نہ دے دے۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر وحضرت عمر اوران دونوں کے علاوہ اور بھی مہاجرین وانصار نے آنحضرتؐ کے سامنے خود کو اس کے لئے پیش کیا جبکہ حضرت علیؑ اس وقت آشوب چشم میں مبتلا تھے، مگر آنحضرتؐ نے ایسی حالت میں ان کو بلوایا اور اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگایا، آنکھیں فوراً اچھی ہوگئیں۔ پھر آپ نے اپنا علم ان کو عطا فرمایا وہ لے کر گئے اور جب تک اللہ نے ان کے ہاتھوں پر فتح نہ دے دی محاذ جنگ سے واپس نہ آئے اور اے معاویہ! تو اس وقت مکہ میں دشمن خدا اور دشمن رسولؐ بنا ہوا تھا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مدد کرنے والا اور اللہ اور اس کے رسولؐ سے دشمنی رکھنے والا کیا دونوں برابر ہو جائیں گے؟

اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو اسلام بھی لایا تو صدق دل سے اسلام نہیں لایا بلکہ ڈر کی وجہ سے تو نے کلمہ اسلام زبان پر جاری کرلیا۔ جو کچھ زبان پر تھا وہ دل میں نہ تھا ـــــــ میں تم لوگوں کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، بتاؤ کیا تمہارے علم میں ہے کہ رسولؐ اللہ غزوۂ تبوک کے موقع پر علیؑ کو مدینہ مین اپنا نائب بنا کر چلے تو منافقوں نے طرح طرح کی باتیں کہنی شروع کیں (کہ رسولؐ اللہ ان سے ناراض ہیں) تو علیؑ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی یارسولؐ اللہ! مجھے یہاں چھوڑ کر نہ جائیں، اس لئے کہ آپ نے کسی غزوہ میں مجھے نہیں چھوڑا ہمیشہ اپنے ساتھ لے گئے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا:

> اے علیؑ ! تم میرے وصی اور میرے خلیفہ ہو میرے اہل بیت میں تمہاری منزلت وہی ہے جو ہارون کو موسیٰؑ سے حاصل تھی۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا:

> ''اے لوگو! جس نے مجھے دوست رکھا اس نے اللہ کو دوست رکھا اور جس نے علیؑ کو دوست رکھا اس مجھے دوست رکھا، جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے علیؑ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی اور جس نے علیؑ سے محبت کی اس

نے مجھ سے محبت کی۔''

میں پھر تم لوگوں کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، بتاؤ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ نے فرمایا:

''اے لوگو! میں نے تم لوگوں کے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں ایک کتاب خدا ہے، اس میں جن چیزوں کو حلال کیا گیا ہے، انہیں حلال سمجھنا اور جن چیزوں کو حرام کیا گیا ہے ان کو حرام سمجھنا۔ قرآن کی محکم آیتوں پر عمل کرنا اور متشابہ آیتوں پر ایمان رکھنا اور یہ کہنا کہ قرآن میں جو آیتیں اللہ نے نازل فرمائی ہیں، ان سب پر ہم لوگ ایمان لائے۔ دوسرے میرے اہل بیت اور میری عترت سے محبت رکھنا اور ان لوگوں کو دوست رکھنا جو ہمارے اہل بیتؑ کو دوست رکھے اور ان کے دشمنوں کے مقابلے میں ان کی مدد کرنا۔ یہ دونوں چیزیں جب تک قیامت کے دن حوض کوثر پر میرے پاس نہ پہنچ جائیں مسلسل تمہارے درمیان باقی رہیں گی۔''

اس وقت آپ منبر پر تھے، آپ نے علیؑ کو قریب بلایا اور ان کے بازوؤں کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر کہا:

پروردگار! تو اسے دوست رکھ جو اسے دوست رکھے، تو اسے دشمن رکھ جو اسے دشمن رکھے، پروردگار! جو علیؑ کو دشمن رکھے، تو اسے نہ زمین میں بیٹھنے کی جگہ دے، نہ آسمان میں بلند ہونے کی، بلکہ جہنم کے سب سے نیچے کے طبقے (ہاویہ) میں اسے پہنچادے ــــــــ

ــــــــ میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ نے ایک مرتبہ حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علیؑ! تم قیامت کے دن میرے حوض (کوثر) سے خدا کا حکم نہ ماننے والے لوگوں کو اس طرح کھدیڑ (بھگا) دو گے جس طرح تم لوگ کسی اجنبی اونٹ کو اپنے گلے سے مار کر بھگا دیتے ہو۔

میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہؐ مرض موت میں مبتلا تھے، حضرت علیؑ آپ کی خدمت میں گئے تو آنحضرتؐ انہیں دیکھ کر گریہ فرمانے لگے۔ حضرت علیؑ نے پوچھا:

یارسول اللہؐ! آپ کے گریہ کرنے کا کیا سبب ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے علیؑ! میں اس پر گریہ کرتا ہوں کہ میری امت کے لوگوں کے دلوں میں تمہاری طرف سے کدورتیں پوشیدہ ہیں جسے یہ لوگ میری وفات کے بعد ظاہر کریں گے ـــــــــ

میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں معلوم ہے جب رسول اللہؐ کا وقت وفات قریب ہوا تو آپ کے اہل بیتؑ آپ کے پاس جمع تھے تو آپ نے فرمایا:

پروردگار! یہی میرے اہل بیت اور میری عترت ہیں، تو دوست رکھ اس کو جو ان کو دوست رکھے، تو ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی مدد فرما۔

پھر فرمایا:

اِنَّـمَـامَثَـلُ اَهْـلُ بَيْتِیْ فِيْكُمْ كَسَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ دَخَلَ فِيْهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرَقَ

یعنی (بے شک میرے اہل بیتؑ کی مثال تم لوگوں کے درمیان سفینۂ نوح کی ہے جو اس سفینے میں داخل ہوا اس نے نجات پائی جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ غرق ہو گیا۔)

میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں بتاؤ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اصحاب رسول میں سب سے پہلے حضرت علیؑ نے سارے لذات دنیا کو اپنے اوپر حرام کیا تو یہ آیت نازل ہوئی:

يَـاأَيُّهَـا الَّـذِيـنَ آمَـنُـوا لاتُـحَـرِّمُـوا طَيِّبَـاتِ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكُمْ وَلاتَـعْتَـدُوا إِنَّ اللهَ لايُـحِـبُّ الْـمُـعْتَدِينَ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ حَلالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِی أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ

(سورۂ مائدہ آیت ۸۷۔۸۸)

ترجمہ آیت (اے ایمان والو! وہ پاک وطیب چیزیں جو اللہ نے تم لوگوں پر حلال کر دی ہیں انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرلو، اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ حد سے تجاوز کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا اور جو حلال وطیب روزی اللہ نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ اور ڈرو اس اللہ سے جس پر تم ایمان لائے ہو۔)

نزول قرآن کا علم تھا اور وہ اس گروہ میں شامل ہیں جن کی تعداد دس تھی اور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ یہ لوگ واقعی مومن ہیں اور تم لوگوں کا شمار اس گروہ سے ہے جس کی تعداد بھی تقریباً اتنی ہی تھی اور جن کے لئے زبان رسالت سے لعنت کی گئی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تمہارے سارے گھرانے پر رسولؐ اللہ نے لعنت کی تھی۔

——— میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں بتاؤ کیا تمہیں یاد ہے کہ رسول اللہؐ نے تمہیں بلانے کے لئے آدمی بھیجا تا کہ تم سے بنی حزیمہ کے لئے خط لکھوائیں جن پر خالد بن ولید نے ظلم کیا تھا تو رسول اللہؐ کے فرستادہ نے آ کر کہا: وہ ابھی کھانا کھا رہا ہے۔

رسولؐ اللہ نے تیرے پاس تین مرتبہ پے در پے آدمی بھیجا اور ہر مرتبہ فرستادہ نے آ کر یہی کہا: وہ ابھی کھانا کھا رہا ہے تو رسول اللہؐ نے بددعا کی کہ: پروردگار! اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے۔

اور خدا کی قسم یہ کھانے کا عذاب تجھ پر تا قیامت جاری رہے گا۔

——— میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ تمہیں علم ہے کہ میں سچ کہہ رہا ہوں اور وہ یہ کہ اے معاویہ! ایک مرتبہ تمہارا باپ سرخ اونٹ پر سوار تھا، تمہارا بھائی اس کی نکیل پکڑے ہوئے آگے آگے تھا اور تم اونٹ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور یہ جنگ احزاب کا موقع تھا۔ آنحضرتؐ نے دیکھا تو اونٹ پر سوار، راکب اونٹ کے آگے چلنے والے قائد، اونٹ کے پیچھے چلنے والے سائق تینوں پر لعنت کی۔ تیرا باپ اونٹ پر راکب تھا تو اونٹ کے پیچھے سائق تھا، تیرا بھائی اونٹ کے آگے قائد تھا جو اس وقت یہاں بیٹھا ہوا ہے۔

پھر فرمایا: میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسولؐ اللہ نے ابوسفیان پر سات موقعوں پر لعنت کی ہے۔

۱۔ سب سے پہلے جس وقت آپ مکہ سے مدینہ کے لئے اور ابوسفیان شام سے آیا تو اس نے آپ کو سخت وسست کہا اور گالی دی اور ارادہ کیا کہ آپ پر حملہ کرے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو واپس کر دیا۔

۲۔ دوسرے یوم عسیر (اونٹوں کے قافلے کے دن) جسے ابوسفیان نے بھگا دیا تا کہ رسولؐ اللہ سے بچ جائے۔

۳۔ تیسرے یوم احد، اس دن رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ہم لوگوں کا مولا ہے تم لوگوں کا کوئی مولا نہیں تو

ابوسفیان نے جواب میں کہا ہم لوگوں کا عزیٰ ہے۔تم لوگوں کا کوئی عزیٰ نہیں۔اس وقت اللہ تعالیٰ اوراس کے ملائکہ اوراس کے رسولؐ اور تمام مومنین نے اس پر لعنت کی۔

۴۔چوتھے جس دن ابوسفیان تمام قریش وہوازن کو لے کر آیا اور عینیہ غطفان و یہود کو لے کر آیا۔مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں پلٹا دیا۔چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَال (سورۂ احزاب آیت ۲۵)

اس میں ابوسفیان اور اس کے اصحاب کو کفار سے تعبیر کیا گیا ہے اور اے معاویہ! تو اس وقت مکہ میں اپنے باپ کے دین پر تھا اور حضرت علیؑ اس وقت رسول اللہؐ کے ساتھ ان کے دین پر تھے۔

۵۔پانچویں ''یوم احزاب''، جس دن ابوسفیان تمام قریش کو عینیہ بن حصین بن بدر غطفان کو لے کر آیا تو رسول اللہؐ نے اس کے قائدین، سائقین اور متبعین پر لعنت فرمائی تو عرض کیا گیا، یا رسول اللہؐ! کیا اس کے پیچھے کوئی مومن نہیں آ رہا ہے؟

آپ نے فرمایا: صرف پیچھے پیچھے آنے سے مومن پر لعنت کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔مگر ان کے قائد میں کوئی مومن نہیں ہے نہ اس میں کوئی نجات یافتہ ہے۔

۶۔چھٹے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنْ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْىَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ (سورۂ الفتح آیت ۲۵)

۷۔ساتویں یوم تنبیہ (گھاٹے والے دن) یہ وہ دن تھا جس میں آدمیوں نے رسول اللہؐ پر دھاوا (حملہ) کیا، ان میں سات آدمی بنی امیہ میں سے تھے اور پانچ پورے قریش میں سے۔تو اللہ اور اس کے رسولؐ نے ان پر لعنت بھیجی۔

اس کے بعد امام حسنؑ نے فرمایا:

میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ کیا تمہیں علم ہے جب مسجد رسول میں عثمان کی

بیعت کی جارہی تھی تو ابوسفیان ان کے پاس آ کر بولا:

اے بھتیجے! کیا ہم لوگوں پر کوئی آنکھ (نگراں) ہے؟

انہوں نے کہا: نہیں

ابوسفیان نے کہا: پھر تو خلافت بنی امیہ کے خوابوں میں ہی گردش کرتی رہنی چاہئے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں ابوسفیان کی جان ہے کہ نہ کوئی جنت ہے اور نہ کوئی جہنم ہے۔

نوٹ:

(اس مضمون کی روایت استیعاب اور اصابہ، جلد/۴، صفحہ/ ۸۷ میں بھی موجود ہے۔)

پھر امام حسنؑ نے فرمایا: میں تم لوگوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ جب عثمان کی بیعت کی جا چکی تو ابوسفیان نے حسینؑ سے کہا بھتیجے ذرا مجھے بقیع غرقد لے چلو۔امام حسینؑ اسے لے کر بقیع گئے تو اس نے قبروں کو درمیان کھڑے ہوکر کہا:

''اے قبروں میں سونے والو! جس چیز کے لئے تم ہم لوگوں سے جنگ کیا کرتے تھے، وہ آج ہم لوگوں کے ہاتھ آ گئی اور تمہاری ہڈیاں بوسیدہ ہورہی ہیں۔''

بھائی حسینؑ نے فرمایا:

اے بوڑھے! خدا تیرا چہرہ سیاہ کرے۔

یہ کہہ کر آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹک دیا اور اگر نعمان بن بشیر ابوسفیان کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس نہ لاتا تو یقیناً وہ ہلاک ہو جاتا۔

الغرض، اے معاویہ! یہ باتیں تجھ سے متعلق ہیں، کیا تو میری ان باتوں میں سے کسی ایک کو بھی رد کر سکتا ہے؟

نیز تیرے مطاعن میں سے ایک یہ بھی ہے، اے معاویہ! کہ تیرا باپ ابوسفیان چاہتا تھا کہ اسلام لائے مگر تو نے اس کو ایک شعر لکھ بھیجا جو قریش میں بہت مشہور تھا اور اس طرح تو نے اس کو اسلام لانے سے روک دیا۔

اور یہ بھی کہ تجھے عمر بن خطاب نے شام کا والی بنایا تو اس وقت تو نے خیانت کی، پھر تجھے عثمان نے والی بنایا تو تو اس کی موت کی تمنا کرتا تھا۔

اور سب سے بڑھ کر تو نے حضرت علیؑ سے جنگ کی اور اپنے مکر وفریب سے لوگوں کو اندھا بنایا اور خلق خدا کا خون اس طرح بہایا جیسے آخرت پر ایمان نہ رکھتا ہو اور کسی سزا سے نہ ڈرتا ہو۔ خیر جب تیرا وقت پورا ہو جائے گا تو تو بدترین جگہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ تجھ پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

اس کے بعد امام حسنؑ عمر بن عثمان کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا:

''تمہارا یہ کہنا کہ غزوۂ بدر میں انیس (۱۹) مشرکین بنی امیہ قتل ہوئے تمہارے ان انیس (۱۹) مقتولین کا خون ہم لوگوں پر باقی ہے، تو سنو! یہ سب حکم خدا اور حکم رسولؐ سے قتل ہوئے تھے۔ اور میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بنی ہاشم سے بھی انیس (۱۹) اور انیس (۱۹) کے بعد تین قتل ہوں گے اس کے بعد بنی امیہ میں سے انیس (۱۹) اور انیس (۱۹) افراد ایک ہی مقام پر قتل ہوں گے۔ یہ ان مقتولین کے علاوہ ہیں جو مختلف مقامات پر قتل ہوں گے اور جن کا شمار اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔''

امام حسنؑ نے فرمایا: پس میں گواہی دیتا ہوں کہ علیؑ ابن ابی طالب کی شہادت کے بعد تم لوگوں کی سلطنت صرف چار مہینے ہی قائم رہے گی جس کی مدت اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بتا دی ہے۔

ـــــــــــ اور اب تو اے عمرو بن العاص عیب دار، لعین اور ابتر تو کتا ہے، تیری پیدائش اس طرح ہوئی کہ تیری ماں زانیہ تھی تو کئی مشرک نطفوں سے پیدا ہوا اس لئے تیرے دعویدار قریش کے بہت سے مرد تھے۔ ان میں سے ابوسفیان بن حرب و ولید بن مغیرہ و عثمان بن حارث و نصر بن حارث بن کلدہ اور عاص بن وائل تھے۔ ہر ایک کو دعویٰ تھا کہ تو اس کے نطفے سے پیدا ہوا ہے، مگر جیت اس کی ہوئی جو از روئے حسب سب سے زیادہ لئیم وخبیث اور زانی تھا۔

پھر تو بڑا ہوا تو بولا کہ میں محمدؐ کا دشمن ہوں۔ اور عاص بن وائل نے کہا کہ محمدؐ ایک منقطع النسل شخص ہیں

ان کے کوئی اولادنہیں۔تو آیت نازل ہوئی کہ:

إِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْأَبْتَرُ

یعنی (اے رسولؐ!) بےشک تمہارادشمن (ہی) منقطع النسل ہے۔

اورعثمان کے متعلق تیری باتیں تو اے بےحیااوراے بےدین! تونے ہی توان کے خلاف آگ بھڑکائی اور پھر بھاگ کرفلسطین چلا گیااوران کا کام تمام ہونے کا انتظار کرتا رہا، جب تجھے عثمان کے قتل کی خبر ملی تو تو معاویہ سے مل گیا اوراے خبیث! اس طرح تونے دوسروں کی دنیا کے لئے اپنے دین کوفروخت کر دیا۔تو ہمارادشمن ہےاس لئے تجھے برا بھلانہیں کہہ رہاہوں بلکہ تو رسول خداؐ کا دشمن تھا۔

اب اے ولید بن عقبہ! تو سن، بخداعلیؑ سے بغض رکھنے پر میں تجھے کیا ملامت کروں،اس لئے کہ انہوں نے تیری شراب نوشی کی سزاپر تجھے اسی (۸۰) کوڑے لگائے،غزوۂ بدر میں تیرے باپ کوقتل کیا،تاہم تو ان پرسب وشتم کیسے کرسکتا ہے،اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کوقرآن کی دس آیات میں مومن کہا ہےاور تجھے فاسق کے نام سے یادکیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَايَسْتَوُونَ (سورۂ سجدہ آیت ۱۸)

پھرفرمایا:اے فاسق! تجھے نہیں معلوم کہ تو کون ہے؟ کیا تو اہل صفوریہ کا ایک گدھانہیں ہے کہ تیراباپ وہاں کا یہودی تھا۔

مگراے ولید! سن تو سہی کہ تو سن میں اس سے بڑا ہے جس کا تو بیٹا بنا ہوا ہے اور جس سے تو اپنا نسب جوڑتا ہے کاش تو ذرا سوچ تو تجھ پر واضح ہو جائے گا کہ تیراباپ کوئی اور ہے وہ نہیں ہے جس کے بیٹے ہونے کا تو دعویدار ہے، تیری ماں نے تجھے سے خود کہہ دیا تھا کہ (اے بیٹا) تیراباپ خدا کی قسم عقبہ سے بھی زیادہ خبیث ولئیم تھا۔

——— اب تواے عتبہ بن ابوسفیان! خدا کی قسم تو نہ ایسا سمجھ دار ہے کہ تجھے جواب دوں اور نہ تو صاحب عقل ہے کہ تجھے عتاب کروں، نہ تجھ میں کوئی خیر ہے جس کی امید رکھی جائے، نہ شر ہے کہ جس سے ڈرا جائے،اس لئے کہ اگرتو نے علیؑ کوگالیاں دیں ہیں تو میں یہ نہیں کروں گا کہ غیظ میں آ کر تجھے بھی گالیاں دینے

لگوں اس لئے تو میرے نزدیک حضرت علیؑ کے غلاموں کے برابر بھی نہیں کہ میں تجھے عتاب کے قابل سمجھوں مگر ہاں اللہ تعالیٰ تیری اور تیرے باپ کی تیری ماں اور تیرے بھائی کی تاک میں لگا ہوا ہے اس لئے کہ تو ان لوگوں کی ذریت میں سے ہے جن کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔

اور یہ تیرا دھمکانا کہ تو مجھے قتل کردے گا تو (اے بے حیا!) تو نے اسے کیوں نہیں قتل کیا جسے تو نے اپنے بستر پر اپنی زوجہ سے حرام کاری کرتے ہوئے خود پایا، اور تیری زوجہ کے بطن سے جو اولاد پیدا ہوئی، اس میں تم دونوں شریک رہے۔ نتیجے میں وہ بچے بھی تجھ سے منسوب ہوئے جو واقعاً تیرے نطفے سے نہیں تھے۔ افسوس اگر تو اس سے اس کا انتقام لینے کے لئے سوچتا تو تجھے حق تھا چہ جائیکہ تو مجھے قتل کرنے کی دھمکی دیتا ہے۔

اس کے بعد امام حسنؑ مغیرہ بن شعبہ کی طرف مخاطب ہوئے:

—— اے مغیرہ بن شعبہ! تو تو ہے ہی دشمن خدا، تجھ پر رجم واجب ہے، تیرے خلاف (زنا کی) شہادتیں، عادل نیک کردار اور متقی لوگوں نے دی ہیں۔ پھر بھی تیرے رجم کو موخر کردیا گیا اور حق کو باطل سے، سچ کو جھوٹ سے دبا دیا گیا۔ تیرے لئے اللہ نے دردناک عذاب اور دنیاوی زندگی میں رسوائی فراہم کر رکھی ہے اور آخرت کا عذاب تو سب سے زیادہ رسوا کن ہے۔

اور اے مغیرہ! تو نے رسول اللہؐ کی تذلیل، ان کے حکم کی مخالفت اور ان کی ہتک حرمت کرتے ہوئے حضرت فاطمہؑ بنت محمدؐ پر ظلم کیا دروازہ گرا کر زخمی کردیا جس سے ان کا حمل ضائع ہوگیا۔ انھوں نے جو بدعا تجھے دی ہے اس سے تو بچ نہ سکے گا۔

اے مغیرہ! کیا تیرا خیال ہے کہ عثمان مظلوم قتل ہوئے اور ان کو علیؑ نے قتل کیا؟ خدا کی قسم علیؑ اس الزام سے بالکل پاک اور بری ہیں لیکن بالفرض علیؑ نے عثمان مظلوم کو قتل کیا، تو تجھے کیا تو نے نہ زندگی میں ان کی مدد کی اور نہ مرنے کے بعد ہمدردی کا اظہار کیا، تو تو مسلسل طائف میں رہ کر سرکشوں کی حمایت اور امور جاہلیت کا احیاء اور اسلام کو مٹانے کی فکر کرتا رہا۔ اس کے نتیجے میں جو ہونا تھا وہ کل ہوگیا۔

اور بنی ہاشم اور بنی امیہ کے معاملہ کو پیش کرنا تو یہ محض تیرا دعویٰ ہے اور خلافت کے متعلق اور تیرے ساتھیوں کا سلطنت کے بارے میں قول جس کے تم لوگ مالک بنے بیٹھے ہو۔ تو سنو!

فرعون چار سو سال تک مصر کا مالک بنا رہا اور حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ دونوں ہی نبی مرسل تھے، انہوں نے جو مصائب برداشت کئے وہ عیاں ہے اصلی ملک تو اللہ کا ہے جسے وہ نیکو کاروں کو بھی دیتا ہے اور فاسقوں و بدکاروں کو بھی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ أَدْرِى لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ (سورۂ انبیاء آیت ۱۱۱)

ترجمہ "میں نہیں جانتا مگر اتنا کہ شاید یہ (خدا کے عذاب میں تاخیر) تمہارے لئے آزمائش اور ایک معینہ مدت تک کی پونجی ہے۔"

اور اس کے بعد امام حسنؑ اٹھے اور اپنا لباس سمیٹتے ہوئے بولے:

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَات

ترجمہ۔ خبیث عورتوں، خبیث مردوں کے لئے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے

پھر فرمایا: خدا کی قسم اے معاویہ! اس سے مراد تو اور تیرے یہ ساتھی اور دوستدار رہیں۔

وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ أُوْلَئِكَ مُبَرَّئُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (سورۂ نور آیت ۲۶)

ترجمہ "اور پاک و پاکیزہ عورتیں پاک و پاکیزہ مردوں کے لئے اور پاک و پاکیزہ مرد پاک و پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں اور وہ بری ہیں لوگوں کی بکواس سے اور ان کے لئے مغفرت اور باعزت روزی ہے۔"

اس سے مراد علیؑ ابن ابی طالب ان کے اصحاب اور ان کے دوستدار ہیں۔

پھر امام حسنؑ وہاں سے یہ کہتے ہوئے چل دئے، اچھا اب جو کچھ تم نے کیا اس کا مزہ اور جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اور ان لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں دردناک عذاب فراہم کر رکھا ہے اس کا مزا چکھنا۔

جب آپؑ وہاں سے چلے گئے تو معاویہ نے اپنے اصحاب سے کہا:

یہ تم لوگوں نے جو حرکت کی ہے اس کا مزا چکھو۔

ولید نے جواب دیا، بخدا جو تم نے مزا چکھا وہی ہم لوگوں نے بھی چکھا ہے اور یہ سارے جملے تو تم پر تھے۔

معاویہ نے کہا: کیا میں نے تم لوگوں کو منع نہیں کیا تھا کہ تم لوگ ان کا مقابلہ نہ کر سکو گے اور کیا یہ مزاتم لوگوں نے ہمیں پہلی مرتبہ چکھایا ہے یا پہلی مرتبہ اس شخص سے ذلیل ہونا پڑا ہے۔ یہ تو جب بھی کھڑا ہوا، اس نے میری دنیا تاریک کردی۔ میں نے چاہا تھا کہ (تم لوگوں کے سہارے) اس پر چھا جاؤں گا مگر تم لوگوں میں نہ آج دم تھا اور نہ آج کے بعد دم ہوگا۔ ابھی یہ لوگ بیٹھے ہی ہوئے تھے کہ مروان نے خبر سنی تو دوڑا ہوا آیا اور کہا حسنؑ بن علیؑ کو بلاؤ میں ان کو ان کے باپ کو اور ان خاندان بھر کو ایسی گالیاں دوں گا کہ کنیزیں اور غلام تک اسے گانا بنالیں گے۔

معاویہ نے آدمی بھیج کر امام حسن علیہ السلام کو پھر بلوایا۔

امام حسنؑ نے معاویہ سے کہا: اب مجھے کیوں بلایا ہے؟

اس نے کہا میں نے تم کو نہیں بلایا، بلکہ مروان نے بلایا ہے۔

مروان بولا: اے حسنؑ! تم قریش کے لوگوں کو گالیاں دیتے ہو؟

آپؑ نے فرمایا: پھر تیرا کیا ارادہ ہے؟

اس نے پھر وہی بیہودہ کلمات دہرائے۔

امام حسنؑ نے فرمایا: اے مروان! مگر نہ میں نے تجھے گالیاں دی ہیں اور نہ تیرے باپ کو گالیاں دی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمدؐ کی زبان سے تجھ پر لعنت کی ہے، تیرے باپ پر لعنت کی ہے، تیرے گھر والوں پر تیری ذریت پر اور تیرے باپ کے صلب سے جو لوگ تا قیامت پیدا ہوں گے ان سب پر لعنت کی ہے۔

خدا کی قسم، اے مروان! رسول اللہؐ کی اس لعنت سے جو انہوں نے تجھ پر اور تیرے باپ پر کی تھی نہ تو انکار کر سکتا ہے اور نہ وہ لوگ انکار کر سکتے ہیں جو اس وقت یہاں موجود ہیں۔

اور اے مروان! اللہ تعالیٰ نے جو تجھے ڈرایا، اس سے تیری سرکشی اور بڑھ گئی، چنانچہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے کہ:

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا (سورۂ بنی اسرائیل آیت ٦٠)

ترجمہ: ''اور قرآن میں لعنت کیا ہوا شجرہ (نسل) قرار دیا اور جیسے جیسے ہم انہیں ڈراتے ہیں ان کی سرکشی اور زیادہ بڑھتی جاتی ہے۔''

اے مروان! سن حسب ارشاد رسولؐ ''شجرہ ملعونہ فی القرآن'' سے تو اور تیری ذریت مراد ہے۔

یہ سن کر معاویہ فوراً اٹھا اور اس نے بڑھ کر امام حسنؑ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور بولا: بس بس اے ابو محمدؑ! تم تو کبھی فحش گو نہ تھے۔

اس کے بعد امام حسنؑ نے اپنا لباس سمیٹا، اٹھے اور باہر نکل آئے۔ اور وہ مجلس بھی منتشر ہوگئی۔ لوگ غیظ وحزن میں بھرے ہوئے اور روسیاہی کے ساتھ متفرق ہوگئے۔(۱)

اصحاب امام حسن علیہ السلام

بنی ہاشم کے قدیمی روایات اور سیادت وشرافت کے امتیاز کی وجہ سے عرب خاندانوں کو ان سے پہلے ہی حسد وعناد تھا۔ عرب میں قبائلی نظام بڑی قوت کے ساتھ قائم تھا۔ ہر قبیلہ کے سرکردہ اور بڑے افراد اپنے جذبات کی بنا پر جس راستے پر جاتے تھے، عوام، پست افراد اور اہل قبیلہ بھی ان ہی کی پیروی کرتے تھے۔ کیونکہ عوام کا کوئی نظریہ نہیں ہوا کرتا۔ وہ لیڈروں کے پابند ہوتے تھے اور لیڈر زیادہ تر جذبات کے شکنجہ میں قید ہوتے تھے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے تھے جو بڑی چالاکی سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنے لیڈر کو خوش کرنے کی کوشش میں بے قصور لوگوں پر ظلم کرتے جسے وہ لیڈر نہ سمجھ پاتے کیونکہ وہ جاہل ہوتے تھے۔ مگر اہل بیتؑ رسولؐ ہر کام خدا کی مرضی سے حق وباطل کو نظر میں رکھ کر کرتے تھے جس وجہ سے مخالفین کی تعداد زیادہ رہتی تھی، یہاں چند اصحاب امام حسنؑ کے نام پیش ہیں:۔

(۱) عبداللہ بن جعفر طیار (۲) مسلم بن عقیل (۳) عبداللہ بن عباس (۴) حبابہ بنت جعفر الوالبیہ

(۵) حذیفہ بن اسید (۶) جارود بن ابی بشر (۷) جارود بن منذر (۸) قیس بن اشعث بن سوّار

(۹) سفیان ابن ابی لیلیٰ ہمدانی (۱۰) عمرو بن قیس مشرقی (۱۱) ابو صالح کیسان بن کلیب (۱۲) ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی

(۱۳) مسلم بطین (۱۴) ابو رزین مسعود بن ابی وائل (۱۵) ہلال بن یساف (۱۶) ابو اسحاق بن کلیب سبعی

نیز ان کے علاوہ آپؑ کے وہ اصحاب جو آپؑ کے پدر بزرگوار کے خواص میں شامل تھے، حسب ذیل ہیں:۔

---

(۱) احتجاج طبرسی، ص/۱۳۷، ۱۴۳، تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی، ص/۱۱۴، ۱۱۶، بحار الانوار، ص/۲۹۹، ۳۲۰

حجر، رشید، رفاعہ، کمیل، مسیّب، قیس، ابن واثلہ، ابن حمق، ابن ارقم، ابن صرد، ابن عقلہ، جابر، دولی، حبہ، عبایہ، جعید، سلیم، حبیب، احنف، اصبغ، اعور اور ان کے علاوہ بھی بے شمار اصحاب تھے۔(۱)

شہادت امام حسن علیہ السلام

امام حسنؑ کی شہادت زہر کی وجہ سے ہوئی جس کا ذکر کتاب ''الارشاد'' میں اس طرح کیا گیا ہے جو حسب ذیل ہیں:

> جب امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان صلح ہو چکی تو امام حسنؑ مدینہ واپس آ گئے۔ وہاں صبر وتحمل کے ساتھ کاظمین الغیظ کی طرح خانہ نشین ہو کر مشیت باری کے منتظر رہے، یہاں تک کہ معاویہ کی حکومت کے دس سال پورے ہو گئے اور اس نے لوگوں سے اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت حاصل کرنے کا ارادہ کیا اور جعدہ بنت اشعث بن قیس زوجہ حضرت امام حسنؑ کے پاس اپنا جاسوس بھیجا جس نے اسے امام حسنؑ کو زہر دینے پر تیار کیا۔ معاویہ نے اس سے یہ وعدہ کیا کہ (امام حسنؑ کے بعد) وہ اس کا عقد اپنے بیٹے یزید سے کر دے گا۔ پھر اس کے پاس ایک لاکھ درہم بھیج دیا۔
>
> چنانچہ جعدہ نے امام حسنؑ کو زہر پلا دیا اور آپ ۲۸ صفر ۵۰ھ میں رحلت فرما گئے۔ وقت وفات آپ کی عمر ۴۸ سال تھی آپؑ کی خلافت وامامت دس سال رہی۔ آپ کے بھائی اور آپ کے وصی امام حسینؑ نے آپ کو غسل دیا کفن پہنایا اور بقیع کے اندر ان کی جدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف کی قبر کے پہلو میں دفن کر دیا۔(۲)

''روضۃ الشہداء'' اور ''ذکر العباس'' میں آپ کی شہادت کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ آپ کو پانچ بار زہر دیا گیا۔ آپ کو خبر ملی کہ بصرہ میں رہنے والے محبان علیؑ کے اوپر چند اوباشوں نے شبخون مار کر ان کے ۳۸ آدمی ہلاک کر دئے۔ جب آپ کو خبر ملی تو آپ بصرہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ عبداللہ بن عباس بھی تھے۔ راستہ میں بمقام موصل ''سعد موصلی'' جو جناب مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کے چچا تھے ان کے گھر قیام

(۱) مناقب، ج/۴، ص/۴۰ (۲) الارشاد، ص/۱۷۴

کیا۔اس کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر جب آپ موصل پہنچے تو باصرار شدید ایک دوسرے شخص کے وہاں مقیم ہوئے اور وہ شخص معاویہ کے فریب میں آچکا تھا۔ چنانچہ دوران قیام اس نے تین بار حضرت کو کھانے میں زہر دیا۔لیکن آپ بچ گئے۔تب اس نے معاویہ کو خط لکھا کہ میں نے تین بار زہر دیا مگر امامؑ ہلاک نہیں ہوئے۔ یہ معلوم کر کے معاویہ نے زہر ہلاہل ارسال کیا اور لکھا کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی تو دے سکا تو یقیناً امام حسنؑ ہلاک ہو جائیں گے۔نامہ بر زہر اور خط لئے ہوئے آرہا تھا کہ راستے میں ایک درخت کے نیچے کھانا کھا کر لیٹ گیا۔اس کے پیٹ میں شدید درد اٹھا کہ وہ برداشت نہیں کر پارہا تھا۔ناگاہ ایک بھیڑیا برآمد ہوا اور وہ زہر اور خط لے کر رفو چکر ہو گیا۔اتفاقاً امام حسنؑ کے ماننے والے کا اس طرف سے گذر ہوا اس نے خط اور زہر سے بھری ہوئی بوتل حاصل کر لی اور امام حسنؑ کی خدمت میں پیش کیا۔امامؑ نے اسے ملاحظہ فرما کر جانماز کے نیچے رکھ لیا اور کچھ نہ بتایا،سعد موصلی نے موقع پا کر وہ خط نکال لیا اور پڑھ کر آگ بگولہ ہو گئے اور میزبان سے پوچھا کیا معاملہ ہے؟اس نے لاعلمی ظاہر کی مگر اس کے عذر کو باور نہ کیا گیا اور اس کی زدوکوب کی گئی یہاں تک وہ ہلاک ہو گیا۔اس کے بعد امام حسنؑ مدینہ روانہ ہو گئے۔

مدینہ منورہ میں میں آپ ایام حیات گذار رہے تھے کہ ''ایسونیہ'' دلالہ نے پھر باشارہ مروان جعدہ سے سلسلہ جنبائی شروع کر دی اور زہر ہلاہل اسے دے کر امام حسنؑ کا کام تمام کرنے کی خواہش کی۔امام حسنؑ چونکہ اس سے بدگمان ہو چکے تھے۔اس لئے اس کی آمد و رفت بند تھی۔اس نے ہر چند کوشش کی لیکن موقع نہ پا سکی۔

بالآخر شب بست و ہشتم ۲۸ر صفر ۵۰ھ کو وہ اس جگہ جا پہنچی جس مقام پر امام حسنؑ سو رہے تھے۔ آپ کے قریب حضرت زینبؑ وام کلثومؑ سو رہی تھیں اور آپؑ کی پائیتں کنزیں محوخواب تھیں۔جعدہ اس پانی میں زہر ہلاہل ملا کر خاموشی سے واپس آئی جو امامؑ کے سرہانے کے رکھا ہوا تھا۔(۱)

اس پانی کو پینے کے بعد امام حسنؑ نے بہن زینبؑ سے کہا کہ یہ کیسا پانی تھا جس نے میرے حلق سے ناف تک ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔الغرض تھوڑی دیر میں امام حسنؑ کو خون کی قے آنے لگی۔آپ کے جگر کے ستر (۷۰) ٹکڑے طشت میں آ گئے اور آپ زمین پر تڑپنے لگے۔گھر میں کہرام مچ گیا۔

---

(۱) روضۃ الشہداء،ص/۲۲۰ تا ۲۳۵ طبع بمبئی و ذکر العباس،ص/۵۰ طبع لاہور

اس کے بعد آپ نے جعدہ سے کہا: افسوس تو نے بڑی بے وفائی کی۔ لیکن یاد رکھ کہ تو نے جس مقصد کے لئے ایسا کیا ہے اس میں کامیاب نہ ہوگی۔ اس کے بعد آپ نے امام حسینؑ اور بہنوں سے کچھ وصیتیں کیں اور آنکھیں بند فرمالیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھول کر فرمایا: اے حسینؑ میرے بال بچے تمہارے سپرد ہیں۔ پھر آنکھ بند فرما کر نانا کی خدمت میں پہنچ گئے۔ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ''

کتاب ''کافی'' اور کتاب ''عدۃ'' میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

اشعث بن قیس امیر المومنینؑ کے قتل میں شریک رہا، اس کی بیٹی جعدہ نے امام حسنؑ کو زہر دیا اور اشعث کا بیٹا ابن اشعث امام حسینؑ کے قتل میں شریک رہا۔(۱)

امام حسنؑ کی شہادت کے فوراً بعد مروان نے جعدہ کو اپنے پاس بلا کر دو عورتوں اور ایک مرد کے ساتھ معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ معاویہ نے اسے ہاتھ پاؤں بندھوا کر دریائے نیل میں یہ کہہ کر ڈلوا دیا کہ تو نے جب امام حسنؑ کے ساتھ وفا نہ کی تو یزید کے ساتھ کیا وفا کرے گی۔(۲)

عیون المعجزات سید مرتضیٰؒ میں مرقوم ہے کہ:

جب امام حسینؑ اپنے بھائی کے غسل وکفن سے فارغ ہوئے تو ان کا جنازہ قبر رسولؐ کے پہلو میں دفن کرنے کے لئے لے چلے۔ ادھر مروان بن حکم جس کو رسول اللہؐ شہر بدر کر چکے تھے وہ ایک خچر پر سوار ہو کر ام المومنین عائشہ کے پاس آیا ہے اور کہا:

اے ام المومنین! حسینؑ کا ارادہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کو رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن کریں اور اگر انہوں نے ان کو وہاں دفن کر دیا تو خدا کی قسم وہ خصوصیت اور امتیاز جو آپ کے والد ابوبکر اور ان کے مصاحب عمر فاروق کو قیامت تک کے لئے بحال ہے باقی نہ رہے گا۔

حضرت عائشہ نے کہا: پھر اے مروان مجھے کیا کرنا چاہئے؟

مروان نے کہا: آپ چلیں اور انہیں روک دیں۔ انہوں نے کہا کیسے چلوں؟

مروان نے کہا: آپ میرے اس بغلے (خچر) پر سوار ہو جائیں۔

(۱) روضۃ الکافی، ج/۸، ص/۱۶۷ (۲) روضۃ الشہداء، ص/۲۲۰ تا ۲۳۵، ذکر العباس، ص/۵۰

جب عائشہ قبر رسول پر پہنچیں تو امام حسنؑ کا جنازہ پہنچ چکا تھا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے خود کو خچر سے گرا دیا اور کہا: خدا کی قسم حسنؑ یہاں تا ابد دفن نہیں ہو سکتے (اور اپنے بالوں کی طرف اشارہ کر کے کہا) ورنہ میں انہیں نوچ ڈالوں گی۔

یہ دیکھ کر بنی ہاشم جنگ وجدال پر آمادہ ہو گئے۔ امام حسینؑ نے انہیں سمجھایا کہ امام حسنؑ کی وصیت ہے کہ میرے دفن میں جنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے غرض بنی ہاشم نے جنازے کا رخ بقیع کی طرف موڑ دیا۔

اس کے بعد ابن عباس کھڑے ہوئے اور بولے: اے حمیراء (عائشہ) آج تم نے یہ کوئی نئی بات نہیں کی ہے۔ ایک دن تم اونٹ پر نظر آئی تھیں اور آج خچر پر نظر آ رہی ہو۔ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہ تھا کہ لوگ تمہارے یوم جمل کو یاد کریں کہ اب یوم بغل (خچر) کو بھی یاد کریں گے۔ کبھی تم اس پر سوار ہوئی تھیں اور آج اس پر سوار ہو۔ رسول اللہؐ تمہیں پردے میں بٹھا گئے تھے اور تم آنحضرتؐ کے بعد باہر نکل آئیں۔(۱)

جنازہ امام حسنؑ پر تیروں کی بارش

مناقب میں بھی اختصار کے ساتھ مذکورہ روایت موجود ہے مگر اس میں اتنا اور ہے کہ:

''پھر ان لوگوں نے امام حسنؑ کے جنازے پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔

چنانچہ ستر تیر آپ کے جنازے میں پیوست ہو گے۔

اس کے بعد ابن عباس نے پکار کر کہا:

تم اونٹ پر سوار ہو چکیں، خچر پر سوار ہو چکیں، اب اگر زندہ رہیں تو ہاتھی پر بھی سوار ہو لینا۔(۲)

مولوی امیر علی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ ''امام حسنؑ کے ترک خلافت کے بعد معاویہ حقیقت میں ہی بادشاہ بن گیا۔ پیغمبر اسلامؐ کے نواسے امام حسنؑ اور مالک اشتر کو زہر سے ہلاک کرا دیا۔ اسی طرح عبد الرحمن بن خالد بن ولید کو ۴۵ ھ میں زہر سے تمام کرا دیا۔ اور جناب عائشہ کو اس طرح زندہ گڈھے میں دفن

---

(۱) عیون المعجزات (۲) مناقب آل ابوطالب، ج/۴، ص/۲۹ تا ۴۴

کر دیا کہ ۵۶ ھ میں آ کر ایک مکان میں گڈھا کھدوا کر اسی کو خس پوش کر کے آبنوس کی کرسی بچھوائی اور عائشہ کو دعوت میں بلوا کر اس پر بٹھایا عائشہ بیٹھتے ہی اسی گڈھے میں جا پڑیں۔ معاویہ نے اس گڈھے کو پتھر اور چونے سے مضبوط بند کر دیا اور سعی طرف مکہ کوچ کر گیا۔(۱)

معجزات امام حسن علیہ السلام

اہل بیت اطہارؑ کے علم لدنی کی خدا داد صلاحیت کا دنیا میں کوئی ثانی نہ تھا، نہ ہے۔ پاک پروردگار عالم نے آخری نبی کے ذریعہ تا قیامت امامت کو ان کی نسل سے قائم کیا جو ہماری رہبری کرتے رہیں گے۔ یہاں امام حسنؑ کے کچھ علمی معجزات درج ذیل ہیں:

ا۔ سوکھے درخت میں کھجور کا پیدا ہونا

''ہیثم نہدی'' نے اپنے اسناد کے ساتھ حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ امام حسنؑ بغرض عمرہ روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ اولاد زبیر میں سے بھی ایک شخص تھا جو آپؑ کی امامت کا قائل تھا۔ راستے میں یہ لوگ ایک منزل پر ٹھہرے اور ایک کھجور کے باغ میں جو پانی نہ پانے کی وجہ سے خشک ہو گیا تھا، اترے امام حسنؑ کے لئے ایک درخت کے نیچے فرش بچھا دیا گیا۔ زبیری نے سر اٹھا کر دیکھا اور کہا: کاش! اس درخت پر کھجوریں ہوتیں تو کھا کر لطف حاصل کرتا۔

حضرت امام حسنؑ نے فرمایا: کیا تمہارا کھجوریں کھانے کو دل چاہ رہا ہے؟

اس نے عرض کی: 'جی ہاں!' حضرت امام حسنؑ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند فرمائے اور دعا کی جس کو وہ نہ سمجھ سکا۔ ناگاہ وہ درخت سرسبز ہو گیا۔ اس میں پتے اور شاخیں پیدا ہوئیں اور پھل نمودار ہوئے۔

وہ شتربان جس کو کرائے پر لائے تھے، یہ اعجاز دیکھ کر بولا: ''خدا کی قسم یہ تو سحر ہے۔'' امام حسنؑ نے فرمایا: ''تجھ پر وائے ہو۔ یہ سحر نہیں ہے بلکہ فرزند رسولؐ کی دعا ہے جو قبول ہوئی۔'' پھر وہ اس درخت پر چڑھے اور اتنی کھجوریں توڑیں کہ سب کے لئے کافی ہو گئیں۔(۲)

۲۔ اخبار الغیب

حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے آبائے کرام سے روایت کی ہے کہ ایک دن امام حسنؑ اپنے بھائی امام

(۱) حبیب السیر، ج/۱، ص/۸۵، تاریخ اسلام، ربیع الابرار، اوائل سیوطی کامل السفینہ حدیقہ حکیم سنائی۔ مناقب مرتضوی

(۱) بصائر الدرجات، کافی، ص/۴۲۲

حسینؑ اور عبداللہ بن جعفر سے فرمایا کہ معاویہ نے آپ دونوں کی مقررہ رقم ارسال کی ہے جو فلاں روز چاند دیکھتے ہی آپ حضرات کو مل جائے گی۔

حضرت کے اس ارشاد کے بموجب وہ رقم اسی دن ملی جس دن آپؑ نے فرمایا تھا اور چاند بھی اسی روز نظر آیا۔ جب ان حضرات کو اپنی اپنی رقم ملیں، تو امام حسنؑ کے ذمہ بہت سا قرض تھا اسے ادا کیا اور بقیہ اپنے اہل بیت اور موالیوں پر تقسیم کر دیا۔ حضرت امام حسینؑ نے بھی اس رقم سے اپنا قرض ادا کیا اور جو بقیہ رقم بچی اس کے تین حصے کئے: ایک حصہ اہل بیت اور موالیوں پر تقسیم کر دیا اور بقیہ اپنے اہل وعیال کو دے دیا اور حضرت عبد اللہ بن جعفر نے اپنے حصے کی رقم سے اپنا قرض ادا کیا اور بقیہ معاویہ کے فرستادہ کو دے دیا تا کہ وہ جا کر معاویہ کو بتا دے کہ ان حضرات نے اس رقم کا کیا کیا۔ تو پھر معاویہ نے عبداللہ بن جعفر کے پاس اچھی خاصی رقم بھیج دی۔ (الخرائج والجرائح)

۳۔ حبشی کو فرزند نرینہ کی بشارت

مندل بن اسامہ نے امامؑ جعفر صادقؑ سے انہوں نے اپنے آبائے کرام سے روایت ہے: ایک مرتبہ امام حسنؑ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پا پیادہ چلے تو آپ کے پائے مبارک پر ورم آ گیا۔ عرض کیا گیا کہ فرزند رسول آپؑ سواری پر تشریف رکھیں تا کہ پاؤں کا ورم اتر جائے۔

آپ نے فرمایا: نہیں میں سواری پر نہ بیٹھوں گا۔ البتہ یہاں سے چل کر ہم ایک ایسی منزل پر قیام کریں گے، جہاں ایک حبشی سے ملاقات ہوگی جس کے پاس ورم کی دوا ہوگی، تم وہ دوا خرید لینا۔

آپ کے موالیوں میں سے کسی نے عرض کی، یا حضرت! اب تو کوئی ایسی منزل آنے والی نہیں ہے جس میں دوا فروخت ہوتی ہے۔

آپ نے فرمایا: ہاں وہ حبشی ہمارے آگے ہے۔

اس کے بعد سب لوگ کئی میل تک آگے گئے تو واقعاً انہیں ایک حبشی ملا۔

امام حسنؑ نے اپنے غلام سے فرمایا: دیکھ تیرے سامنے وہ حبشی ہے۔ اس سے وہ دوا قیمت دے کر خرید لا (وہ غلام جب خریدنے گیا تو) حبشی نے کہا یہ دوا تم کس کے لئے خرید رہے ہو؟ غلام نے کہا: امام حسنؑ

ابن علی بن ابی طالبؑ کے لئے۔

حبشی نے کہا مجھے ان کے پاس لے چلو۔

جب وہ حبشی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے عرض کی، فرزند رسول! میں آپؑ کا دوستدار ہوں، اس لئے آپؑ سے اس کی قیمت نہ لوں گا۔ بس میرے لئے دعا فرما دیجئے تا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک اچھا فرزند عطا فرما دے جو محبّ اہل بیتؑ ہو میں اپنی زوجہ کو دردِ زہ میں چھوڑ آیا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: اچھا اپنے گھر واپس ہو جا، تو دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ایک صحیح وسالم فرزند عطا فرما دیا ہے۔

وہ حبشی خوش خوش گھر واپس آیا تو دیکھا کہ امام حسنؑ کی دعا سے فرزند پیدا ہو چکا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ خوشی کے عالم میں پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے حق میں دعائے خیر کرنے لگا۔

ادھر امام حسنؑ نے وہ تیل اپنے پاؤں پر ملا اور ابھی آپ کھڑے بھی نہ ہوئے تھے کہ پاؤں کا ورم جاتا رہا۔
(الخرائج والجرائح)

۴۔ کمسنی میں امام حسنؑ کا فیصلہ ابوسفیان کے لئے

''محمد بن اسحاق'' نے اپنے اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیان حضرت علیؑ کے پاس آیا اور بولا: اے ابوالحسنؑ! میں تمہارے پاس ایک کام سے آیا ہوں۔

آپؑ نے پوچھا: کیا کام ہے؟

اس نے عرض کی، ذرا میرے ساتھ اپنے ابن عم محمدؐ کے پاس چلو اور ان سے کہو کہ وہ مجھ سے از سر نو معاہدہ کریں اور ایک عہد نامہ تحریر فرما دیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اے ابوسفیان! رسول اللہؐ تم سے ایک عہد کر چکے ہیں۔ آنحضرتؐ اپنے عہد سے تا ابد نہ پلٹیں گے۔ نئے عہد کی ضرورت نہیں۔

ادھر یہ گفتگو ہو رہی تھی اور ادھر حضرت فاطمہ زہراؑ پس پردہ تھیں اور سامنے امام حسنؑ بیٹھے تھے جن کی عمر اس وقت چودہ ماہ کی تھی۔

ابوسفیان نے کہا:

بنتِ محمدؐ! اس بچے سے کہو وہ اپنے نانا سے میرے لئے بات کرے اور وہ اپنی اس گفتگو سے عرب وعجم کی سیادت حاصل کرے۔

یہ سن کر امام حسنؑ نے اس کی طرف رخ کیا اور اپنا ایک ہاتھ اس کی ناک پر اور دوسرا اس کی داڑھی پر مارا پھر بحکم خدا یوں گویا ہوئے کہ:

اے ابوسفیان! پہلے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہو تا کہ میں تمہارا شفیع بن سکوں۔

یہ سن کر حضرت علیؑ نے فرمایا:

حمد اس خدا کی جس نے آل محمدؐ اور ذریت محمد مصطفیٰؐ میں سے ایسے کو پیدا کیا جو یحییٰ بن زکریا کی نظیر ہے۔﴿وَآتَیْنَاهُ الْحُکْمَ صَبِیّاً﴾ (۱)

۵۔ گھر جلنے کی خبر کی تردید

''ابوحمزہ ثمالی'' نے حضرت امام زین العابدینؑ سے روایت کی ہے۔ آپؑ نے فرمایا: ایک مرتبہ امام حسنؑ کہیں تشریف فرما تھے کہ کسی نے آکر آپؑ کو یہ اطلاع دی کہ فرزند رسول! آپؑ کا گھر جل گیا۔

آپ نے فرمایا: نہیں میرا گھر نہیں جلا۔

اتنے میں ایک دوسرا شخص آیا۔ اس نے کہا: فرزند رسولؐ! آپ کے گھر کے پہلو میں جو گھر ہے اس میں آگ لگی اور ہم لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اس کے ساتھ آپؑ کا گھر بھی جل جائے گا۔ مگر اللہ نے اس آگ کا رخ دوسری طرف پھیر دیا اور آپؑ کا گھر بچ گیا۔

۶۔ زیاد (ملعون) کے لئے بددعا

ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت حسنؑ بن علیؑ کے پاس زیاد کے مظالم کی فریاد لے کر آئے تو آپ نے دونوں ہاتھ بلند کئے اور عرض کی:

پروردگار! تو زیاد بن ابیہ سے، ہم پر اور ہمارے شیعوں پر مظالم کا مواخذہ فرما اور اسے جلد عذاب میں مبتلا فرما کر ہمیں دکھلا دے، بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ج/۴، ص/۳۹۶، مناقب، ج/۱، ص/۲۰۶

روای کا بیان ہے کہ زیاد کے داہنے ہاتھ کے انگوٹھے میں ایک دانہ نکلا اور ورم بڑھ کر گردن تک پہنچ گیا اور اسی میں وہ مر گیا۔

۷۔ جھوٹا الزام لگا کر ایک ہزار دینار پانے والے پر عتاب

ایک مرتبہ ایک شخص نے امام حسنؑ پر ایک ہزار کا جھوٹا دعویٰ کیا، حالانکہ آپؑ پر اس کا کوئی قرض نہ تھا۔ چنانچہ یہ دونوں قاضی شریح کے پاس پہنچے۔ اس نے امام حسنؑ سے کہا: کیا آپؑ حلف اٹھائیں گے؟

آپ نے فرمایا: اگر یہ حلف سے کہے گا تو اتنی رقم اس کو دے دوں گا۔

شریح نے اس شخص سے کہا کہ کہو:

بِاللّٰهِ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَعَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ

امام حسنؑ نے فرمایا: نہیں میں ان الفاظ میں حلف نہیں چاہتا، بلکہ یہ اس طرح کہے:

بِاللّٰهِ اَنَّ لَکَ عَلَیَّ هٰذَا اور مجھ سے ایک ہزار دینار لے لے۔

اس شخص نے یہی کہا، اور ایک ہزار دینار لے لئے لیکن جونہی اپنے مقام سے اٹھا اور لڑکھڑا کر گر پڑا اور مر گیا۔ لوگوں نے امام حسنؑ سے اس کے متعلق دریافت کیا۔

آپؑ نے فرمایا: میں ڈرا کہ اگر یہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے تو اس توحید کے اقرار کی برکت سے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے گا (اسی بناء پر اس سے اس طرح حلف دلوایا جس سے اس کے جھوٹے دعوے پر عتاب خدا نازل ہو)

۸۔ آپؑ کی بددعا سے مرد عورت اور عورت کا مرد بن جانا

محمد فتال نیشاپوری نے اپنی کتاب ''مونس الحزین'' میں اپنے اسناد کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ کسی شامی نے حضرت امام حسنؑ سے معاویہ کے مظالم برداشت کرنے کے متعلق بات کی:

آپؑ نے فرمایا (جس کا مفہوم یہ ہے) کہ اگر میں دعا کروں تو اللہ تعالیٰ عراق کو شام اور شام کو عراق، عورت کو مرد اور مرد کو عورت میں تبدیل فرمادے۔

اس مرد شامی نے کہا: بھلا اس پر کون قادر ہے؟

آپ نے فرمایا: دور ہو جا اے عورت تجھے شرم نہیں آتی کہ مردوں کے درمیان بیٹھی ہوئی ہے۔

آپ کا یہ فرمانا تھا کہ اس شامی نے محسوس کیا کہ وہ عورت بن گیا۔

پھر آپؑ نے فرمایا: اور تیری زوجہ مرد بن گئی تو اس سے حاملہ ہوگا اور تیرے شکم سے مخنث پیدا ہوگا

چنانچہ جیسا آپؑ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا پھر وہ مرد شامی اور اس کی زوجہ دونوں آپ کی خدمت آئے، توبہ کی اور معافی مانگی۔ آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی اور وہ دونوں اپنی پہلی حالت پر آ گئے۔

۹۔ آپؑ نے اپنے اہل بیتؑ کو بتایا کہ میری زوجہ مجھے زہر دے گی

''حسن بن ابوالعلاء'' نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ: حضرت امام حسنؑ نے اپنے اہل بیتؑ سے فرمایا کہ میں زہر سے شہید کیا جاؤں گا جس طرح رسول اللہ کو زہر سے شہید کیا گیا۔

آپ کے اہل بیتؑ نے کہا: آپ کو کون زہر دے گا؟

آپؑ نے فرمایا: میری زوجہ جعدہ بنت اشعث۔

لوگوں نے کہا، پھر اسے نکال باہر کیجئے یا اپنی زوجیت سے خارج کیجئے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے۔

آپ نے فرمایا: افسوس، میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اسی کے ہاتھوں سے میری موت واقع ہوگی اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اگر میں اسے نکال باہر بھی کر دوں تب بھی اسی کے ہاتھوں میرا قتل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ اور لازمی حکم ہے۔

تھوڑے ہی دنوں کے بعد معاویہ نے امام حسنؑ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کے پاس زہر بھیجا۔ جب آپ نے پانی پیا تو فوراً جسم میں زہر کا اثر محسوس کیا اور فرمایا: او دشمن خدا تو نے مجھے قتل کر دیا، اللہ تعالیٰ تجھے قتل کرے۔ مگر سن! کہ مجھ جیسا تجھے کوئی شوہر نہ ملے گا اور اس دشمن، فاسق و لعین سے تجھے تا ابد بھلائی نصیب نہ ہوگی۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

۱۰۔ علم غیب کی برکت سے امام حسنؑ کا علم ارحام

''ابوجعفر بن رستم طبری'' نے اپنی کتاب ''الدلائل'' میں اپنے اسناد کے ساتھ ابن عباس سے روایت

کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسنؑ کے سامنے سے ایک گائے گذری۔

آپؑ نے اس کو دیکھ کر فرمایا: اس کے شکم میں بچہ ہے اور وہ مادہ ہے اس کی پیشانی سفید اور دم کا سرا بھی سفید ہوگا۔

یہ سن کر ہم لوگ اس قصاب کے ساتھ گئے۔ جب اس نے ذبح کیا تو دیکھا کہ اس کے شکم میں واقعاً مادہ بچہ تھا اور ویسا ہی تھا جیسا آپ نے فرمایا تھا۔ یہ دیکھ کر ہم لوگوں نے آپ سے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے: ﴿**ویعلم ما فی الارحام**﴾ (سورۂ لقمان آیت/۳۴)

یعنی وہی جانتا ہے کہ ارحام میں کیا ہے۔

پھر آپؑ کو اس کا علم کیسے ہو گیا؟

آپؑ نے فرمایا: وہ علم مخزون ومکنون، مجزوم ومکتوم کہ جس پر کوئی ملک مقرب اور نبی مرسل بھی مطلع نہیں ہے، اس کو سوائے محمدؐ اور ان کی ذریت کے کوئی نہیں جانتا۔ (کتاب النجوم)

۱۱۔ آپؑ نے امیر المومنینؑ کی زیارت کرائی

شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ''مولد النبی ومولد الاصفیاء'' میں اپنے اسناد کے ساتھ جابر سے اور انہوں نے حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت امام حسنؑ کے پاس آئے اور عرض کی کہ آپؑ کے پدر بزرگوار جو معجزات ہمیں دکھایا کرتے تھے، ویسے ہی معجزے آپؑ بھی ہمیں دکھائیے۔

آپؑ نے فرمایا: کیا تم لوگ اس پر ایمان لاؤ گے؟

انہوں نے عرض کی: جی ہاں، بخدا ہم اس پر ایمان لائیں گے۔

آپؑ نے فرمایا: کیا تم لوگوں نے میرے پدر بزرگوار کو دیکھا ہے؟

انہوں نے عرض کی، جی ہاں، ہم ان کو اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔

یہ سن کر آپ نے پردے کا ایک گوشہ اٹھایا، تو حضرت امیر المومنینؑ پس پردہ تشریف فرما تھے، آپؑ نے پوچھا کیا تم لوگ ان کو پہچانتے ہو؟

سب نے بالاتفاق کہا، جی ہاں یہ امیر المومنینؑ ہیں۔ اب ہم لوگ گواہی دیتے ہیں کہ آپ واقعاً ولی

خدا ہیں اور امیر المومنینؑ کے بعد امام ہیں ۔ آپؑ نے امیر المومنینؑ کو ان کی موت کے بعد ہمیں اس طرح دکھا دیا ہے جس طرح آپ کے پدر بزرگوار نے ابوبکر کو مسجد قبا میں رسول خداؐ کی وفات کے بعد آنحضرتؐ کی زیارت کرائی تھی۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں پر وائے ہو، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا ہے کہ:

وَلاتَـقُـولُـوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لاتَشْعُرُونَ (سورۂ بقرہ آیت ۱۵۴)

یعنی (اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے۔)

جب یہ قول خدواندی عام لوگوں کے لئے ہے، جو راہ خدا میں قتل کر دئے گئے ہیں تو پھر ہمارے بارے میں تم لوگ کیا کہو گے؟

انہوں نے کہا، ہم ایمان لائے اور اے فرزند رسولؐ! ہم آپؑ کی امامت کی تصدیق کرتے ہیں۔ (کتاب النجوم)

۱۲۔ صلح کے بعد امام حسنؑ نے معاویہ کی فرمائش پر معجزہ دکھایا

ابو محمد عبداللہ بن محمد احمری المعروف بہ ابن داہر رازی'' نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت امام حسنؑ اور معاویہ کے درمیان صلح ہو چکی تو دونوں ایک کھجور کے باغ میں یکجا بیٹھ گئے تو معاویہ نے کہا، اے ابو محمدؑ! مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہؐ درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کی مقدار وزن میں بتا دیا کرتے تھے، کیا اس طرح کا کچھ علم آپؑ کو بھی ہے؟ کیونکہ آپؑ حضرات کے شیعوں کا گمان ہے کہ زمین و آسمان میں سے کسی کا علم آپؑ حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے۔

حضرت امام حسنؑ نے فرمایا کہ رسول اللہ اس کی مقدار وزن میں بتاتے تھے، میں تعداد میں بتاؤں گا۔

معاویہ نے کہا پھر بتائے اس درخت پر کتنی عدد کھجوریں ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: چار ہزار اور چار کھجوریں ہیں۔

معاویہ کے حکم سے ساری کھجوریں توڑ کر شمار کی گئیں تو چار ہزار اور تین گنی گئیں۔

آپؑ نے فرمایا: بخدا نہ میں نے جھوٹ کہا ہے اور نہ مجھے جھٹلایا جا سکتا ہے۔

اتنے میں آپؑ نے دیکھا کہ عبد بن عامر کریز کے ہاتھ میں ایک کھجور ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: اے معاویہ! خدا کی قسم اگر اس کا خیال نہ ہوتا کہ تم کافر ہو جاؤ گے تو میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا کہ تم آئندہ کیا کیا کارنامے انجام دو گے؟ یہ اس لئے کہ رسول اللہؐ کے زمانے میں آنحضرتؐ کو جھٹلانے والا مسلمانوں میں کوئی نہ تھا اور تم لوگ جھٹلاؤ گے اور کہو گے کہ حسنؑ تو اس زمانے میں بہت کمسن تھے انہوں نے نے اپنے جد سے سنا ہی کب ہوگا۔ بس اتنا تو سن ہی لو کہ:

تم زیاد کو اپنے نسب میں شامل کرو گے، حجر بن عدی کو قتل کرو گے اور شہر شہر سے بہت سے سر کاٹ کر تمہارے پاس بھیجے جائیں گے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، معاویہ نے زیاد کو اپنے نسب میں شامل کر لیا، حجر بن عدی کو قتل کیا اور عمر بن الحمق خزاعی کا سر کاٹ کر اس کے پاس بھیجا گیا۔

۱۳۔ آپؑ کو شب و روز کے حالات کا علم تھا

عبد الغفار جازی نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ حضرت امام حسنؑ کے پاس دو شخص بیٹھے ہوئے تھے۔

آپؑ نے ایک سے فرمایا: تم نے گذشتہ شب کو فلاں شخص سے یہ باتیں کہی تھیں۔ اس کو یہ سن کر بڑا تعجب ہوا اور کہا: ارے! یہ تو سب کچھ جانتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: دن رات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے ہم وہ سب جانتے ہیں۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حلال و حرام اور تنزیل و تاویل کا علم دیا اور رسول اللہؐ نے وہ علم حضرت علیؑ کو دے دیا۔ (الخرائج والجرائح)

۱۴۔ آپؑ نے اپنے پدر بزرگوار کو آنے والے حالات بتائے

حضرت امام حسنؑ نے (حضرت علیؑ کے خلیفہ ہونے سے قبل) اپنے پدر بزرگوار سے فرمایا:

باباجان! عرب کے لوگوں کی یہ فطرت ہے کہ پہلے جذبات میں بہہ جاتے ہیں۔ بعد میں انہیں ہوش آتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ لوگ دوڑیں گے اور اپنی سواریاں آپؑ کے پاس بٹھائیں گے اور اگر آپؑ بچھو کی طرح کسی سوراخ میں چھپ کر بھی بیٹھ جائیں گے، تب بھی یہ آپ کو ڈھونڈ نکالیں گے۔

۱۵۔ مقتول کا خون بہا بیت المال سے دیا جائے

حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ میں خون آلود چھری ہے اور اسی جگہ ایک شخص ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ تو نے اسے قتل کیا ہے تو اس نے کہا، ہاں لوگ اسے جسد مقتول سمیت جناب امیر المومنینؑ کی خدمت میں لے چلے۔ اتنے میں ایک اور شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس مقتول کا قاتل میں ہوں۔

ان لوگوں نے اسے بھی ساتھ لیا اور حضرت کے پاس لے گئے۔ سارا قصہ بیان کیا۔ آپ نے پہلے شخص سے پوچھا کہ جب تو اس کا قاتل نہیں تھا تو کیا وجہ ہے کہ اپنے کو اس کا قاتل بیان کیا، اس نے کہا: ''مولا! میں قصاب ہوں، گوسفند ذبح کر رہا تھا کہ مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ اس طرح خون آلود چھری لئے ہوئے اس خرابہ میں چلا گیا، وہاں دیکھا کہ یہ مقتول تازہ ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ اتنے میں لوگ آ گئے اور مجھے پکڑ لیا، میں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس وقت جب کہ مقتول کے سارے قرائن موجود ہیں میرے انکار کو کون یقین کرے گا؟ میں نے اقرار کر لیا۔'' پھر آپ نے دوسرے شخص سے پوچھا کہ تو اس کا قاتل ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! میں ہی اسے قتل کر کے چلا گیا تھا۔ جب دیکھا کہ ایک قصاب کی ناحق جان چلی جائے گی تو حاضر ہو گیا۔

امیر المومنینؑ حضرت علیؑ نے فرمایا: میرے فرزند حسنؑ کو بلاؤ وہی اس مقدمہ کا فیصلہ سنائیں گے۔

امام حسنؑ آئے اور سارا واقعہ سنا اور فرمایا: دونوں کو چھوڑ دو۔ یہ قصاب بے قصور ہے اور یہ شخص اگرچہ قاتل ہے مگر اس نے ایک نفس کو قتل کیا تو دوسرے نفس (قصاب) جان کو بچا کر اسے حیات دی اور اس کی جان بچائی اس نے گویا تمام لوگوں کی جان بچائی، لہٰذا اس مقتول کا خون بہا بیت المال سے دیا جائے۔

۱۶۔آپؑ امیر المومنینؑ کے نمائندہ بن کر روم گئے

''علی بن ابراہیم قمی'' نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''شاہ روم نے جب حضرت علیؑ کے مقابلہ میں معاویہ کی چیرہ دستیوں سے آگاہی حاصل کی تو دونوں کو لکھا کہ میرے پاس ایک ایک نمائندہ بھیج دیں۔

حضرت علیؑ کی طرف سے امام حسنؑ اور معاویہ کی طرف سے یزید کی روانگی عمل میں آئی۔ یزید نے وہاں پہنچ کر شاہ روم کی دست بوسی کی اور امام حسنؑ نے جاتے ہی کہا خدا کا شکر ہے کہ میں یہودی، نصرانی، مجوسی وغیرہ نہیں ہوں بلکہ خالص مسلمان ہوں۔شاہ روم نے چند تصاویر نکالیں۔ یزید نے کہا کہ میں ان میں سے ایک کو بھی نہیں پہچانتا اور نہ بتا سکتا ہوں کہ یہ کن حضرات کی شکلیں ہیں۔

امام حسنؑ نے سب تصویر کو دیکھ کر پہچان لیا جن میں حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور حضرت شعیب وحضرت یحییٰ کی تصوریں تھیں اور ایک تصویر کو دیکھ کر آپؑ رونے لگے بادشاہ نے پوچھا:''یہ کس کی تصویر ہے؟'' آپؑ نے فرمایا:''میرے جد نامدار کی ہے۔'' بادشاہ بہت خوش ہو گیا اور کہا کیا کہنا علم کا۔ پھر سوال کیا وہ کون سے جاندار ہے جو اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوئے؟

آپؑ نے فرمایا: اے بادشاہ وہ سات جاندار ہیں:

(۱) آدم (۲) حواؑ (۳) دنبہ ابراہیم

(۴) ناقۂ صالح (۵) ابلیس (۶) موسیٰ کا اژدہا

(۷) وہ کوا جس نے قابیل کو ہابیل کے دفن کی رہبری کی۔ بادشاہ نے یہ تجربہ علمی دیکھ کر آپؑ کی بڑی عزت کی اور تحائف کے ساتھ واپس کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(باب پنجم)

حضرت امام حسین علیہ السلام

❁ولادت	۳رشعبان ۴ھ ہجری
❁شہادت	۱۰رمحرم ۶۱ھ یوم جمعہ
❁والد	امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابوطالب
❁والدہ	حضرت فاطمہ زہراؑ بنت پیغمبر اسلامؐ
❁ازواج	شہر بانو بنت کسریٰ یزدجرد، لیلیٰ بنت ابومرّہ بن عروہ مسعود، رباب بنت امرءالقیس بن عدی، ام اسحٰق بنت طلحہ بن عبداللہ
❁بیٹے	علی اکبرؑ، زین العابدینؑ، علی اصغرؑ، عبداللہ، جعفر
❁بیٹیاں	سکینہؑ، زینب، فاطمہ

حضرت امام حسینؑ کے حالات

آپ کی ولادت

حضرت امام حسینؑ امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کے فرزند تھے۔ آپ کی والدہ گرامی حضرت فاطمہ زہراؑ بنت پیغمبرؐ تھیں۔ آپ بھی اپنے نانا رسول خداؐ اور والد حضرت علیؑ اور فاطمہؑ و بھائی امام حسنؑ کی طرح معصوم، منصوص، افضل زمانہ اور عالمِ علم لدّنی تھے۔

آپؑ کی ولادت بتاریخ ۳/ شعبان ۴ھ ہجری مدینہ منورہ میں ہوئی۔(۱)

آپ بھائی حضرت امام حسنؑ کی ولادت کے دس ماہ بیس دن بعد مدینہ منورہ میں بروز پنجشنبہ یا سہ شنبہ ۵/ شعبان المعظم ۴ھ کو جس سال جنگ خندق واقع ہوئی تھی، پیدا ہوئے۔(۲)

حضرت محمد مصطفیؐ کو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے ہوئے تیسرا برس تھا کہ پانچ شعبان کو حسینؑ بن علی کی ولادت ہوئی۔(۳)

امام حسینؑ کی ولادت کے سلسلہ میں تین معتبر علماء کی تاریخ اسلام میں جو تواریخ تحریر کی گئی ہے وہ میں نے درج کر دی ہے عام طور پر تین شعبان زیادہ معتبر ہے۔

ولادت امام حسینؑ سے پہلے ام ایمنؓ کا خواب

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ام ایمن کے پڑوسی رسول خداؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کی: یارسول اللہؐ! گذشتہ شب ام ایمن بالکل نہیں سوئیں، روتی ہی رہیں یہاں تک صبح ہوگئی۔ آنحضرتؐ نے ام ایمن کو طلب کیا۔ جب وہ آئیں تو آپؐ نے فرمایا: اے ام ایمن! اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کو کبھی نہ رلائے، آخر کیا بات ہے۔

---

(۱) چودہ ستارے، ص/۲۱۲ (۲) بحار الانوار، ص/۱۷ (۳) شہید انسانیت، ص/۶۱

ام ایمن نے عرض کی: یارسول اللہؐ! میں نے ایک بہت سخت ڈراؤنا خواب دیکھا، اس لئے روتی رہی۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا: وہ خواب کیا ہے؟ اس لئے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ اس خواب کی تعبیر سب سے بہتر جانتے ہیں۔

ام ایمن نے عرض کی: میں نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ کے جسم کا ایک حصہ میرے گھر میں پڑا ہوا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: فاطمہؑ کے یہاں حسینؑ پیدا ہونے والے ہیں اور تم حسینؑ کی پرورش کروگی اور ان کو دودھ پلاؤ گی۔ اس طرح میرے جسم کا ایک عضو تمہارے گھر میں ہوگا۔

پس جب جناب فاطمہؑ کے یہاں حسینؑ پیدا ہوئے، تو ام ایمن نے رسول اللہؐ کی چادر میں حسینؑ کو لپیٹا اور رسول اللہؐ کی خدمت میں لائیں۔

آپ نے فرمایا: یہ بچہ بھی بہت اچھا ہے اور اسے اٹھا کر لانے والی بھی بہت اچھی ہے۔ اے ام ایمن! دیکھو یہ ہے تمہارے خواب کی تعبیر۔(۱)

جناب فاطمہؑ کو آنحضرتؐ کی ہدایت

برہ بنت امیہ خزاعی کا بیان ہے کہ:

جب امام حسینؑ شکم فاطمہؑ میں آئے تو آنحضرت نے فرمایا، بیٹی! مجھے جبرئیل نے خوشخبری سنائی ہے کہ تمہارے بطن سے فرزند ہوگا، لہٰذا خواہ ایک ماہ کا عرصہ کیوں نہ گذر جائے جب تک میں واپس نہ آجاؤں اس کو دودھ نہ پلانا؟

جناب فاطمہؑ نے عرض کی: ''اچھا بابا ایسا ہی کروں گی۔''

رسول اللہؐ یہ فرما کر مدینہ سے باہر کسی کام سے تشریف لے گئے۔

ادھر امام حسینؑ کی ولادت ہوئی، مگر فاطمہ زہراؑ نے انہیں دودھ نہیں بلایا یہاں تک رسول اللہؐ واپس تشریف لے آئے اور دریافت فرمایا: بیٹی! کیا تم نے بچے کو دودھ پلایا؟

جناب فاطمہؑ نے عرض کی: میں نے دودھ نہیں پلایا۔

---

(۱) امالی شیخ صدوق، مناقب، کتاب التعبیر، فضائل الصحابہ

یہ سن کر آنحضرتؐ نے حسینؑ کو اپنی آغوش میں لیا اور اپنی زبان مبارک ان کے دہن میں دے دی۔ وہ آپؐ کی زبان چوسنے لگے۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اے حسینؑ! یہ امامت تمہارے اندر بھی رہے گی اور تمہاری اولاد میں بھی۔(۱)

امام حسینؑ کی ولادت سے قبل شہادت کی خبر

عبدالرحمٰن بن کثیر ہاشمی سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ اولادِ حسینؑ کو اولادِ حسنؑ پر کس طرح فضیلت حاصل ہے جب کہ وہ دونوں فضل و شرف میں برابر تھے۔

آپؑ نے فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ تم لوگ اس بات کو نہ مانو گے مگر خیر سنو!

امام حسینؑ کی ولادت سے قبل جبرئیل امینؑ حضرت محمد مصطفیٰؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپؐ کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوگا جس کو آپ کے بعد آپ کی امت قتل کر دے گی۔

آپ نے فرمایا: اے جبرئیل! پھر ایسے فرزند کی ہمیں ضرورت نہیں۔

جبرئیل نے یہ تین بار کہا، اور آپؐ نے یہی جواب دیا۔ پھر آپ نے حضرت علیؑ کو بلایا اور کہا، جبرئیل امینؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر لائے ہیں کہ آپ کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوگا جس کو آپ کے بعد آپ کی امت قتل کر دے گی۔

حضرت علیؑ نے جواب دیا، یا رسول اللہؐ! پھر ایسے فرزند کی مجھے ضرورت نہیں۔ یہ بات رسول اللہ نے تین بار فرمائی اور حضرت علیؑ نے یہی جواب دیا۔

آپ نے فرمایا: مگر وہ فرزند خود امام ہوگا اور اس کی نسل میں امامت و وراثت باقی رہے گی۔

پھر آپ نے فاطمہؑ کے پاس کہلا بھیجا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک فرزند کی خوشخبری دیتا ہے اور یہ بھی ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بعد میری امت اس کو قتل کر دے گی۔

حضرت فاطمہؑ نے عرض کی: بابا مجھے ایسے فرزند کی ضرورت نہیں۔

انہیں بھی آپ نے تین بار کہلا بھیجا اور انہوں نے بھی ہر مرتبہ یہی جواب دیا آپ نے پھر کہلایا: بیٹی

(۱) مناقب ابن شہر آشوب

سنو! اس فرزند کی نسل میں امامت و وراثت انبیاء ہوگی۔

حضرت فاطمہؑ نے عرض کی (اگر وہ فرزند اللہ تعالیٰ کی نظر میں اتنا جلیل القدر ہے تو) مجھے منظور ہے۔

پھر حضرت فاطمہ زہراؑ کو حمل قرار پایا اور یہ حمل چھ ماہ رہا اور حسینؑ پیدا ہوئے۔ اور چھ ماہ تک حمل میں رہ کر پیدا ہونے والا بچہ سوائے امام حسینؑ اور حضرت یحییٰ کے زندہ نہیں رہا۔ حضرت ام سلمہؓ نے امام حسینؑ کی پرورش کی۔ رسول خداؐ روزانہ تشریف لائے: اپنی زبان مبارک امام حسینؑ کے دہن اقدس میں دیتے، وہ اس کو چوستے اور شکم سیر ہو جاتے، اس طرح امام حسینؑ کے بدن میں گوشت صرف رسول اللہ کے گوشت سے نشو ونما پایا، نہ انہیں حضرت فاطمہ زہراؑ نے کبھی دودھ پلایا اور نہ کسی دوسری عورت نے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے امام حسینؑ کے لئے یہ آیہ مبارکہ نازل فرمائی۔

حَـمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلاثُونَ شَهْرًا حَتَّى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَـالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي (احقاف/۱۵)

ترجمہ آیت: اور اس کا پیٹ میں رہنا اور اس کے دودھ بڑھائی کے تیس مہینے ہوئے یہاں تک کہ جب اپنی پوری جوانی کو پہنچتا اور چالیس برس (کے سن) کو پہنچتا ہے تو (خدا سے) عرض کرتا ہے، پروردگار! تو مجھے توفیق عطا فرما کہ تو نے جو احسانات مجھ پر اور میرے والدین پر کئے ہیں میں ان احسانات کا شکریہ ادا کروں اور یہ (بھی توفیق عطا فرما) کہ میں ایسا نیک کام کروں جسے تو پسند فرمالے اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح وتقویٰ پیدا فرما۔

اور اگر ''وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي'' کے بجائے ''وَأَصْلِحْ لِي ذُرِّيَّتِي'' فرمایا ہوتا تو آپ کی ساری ذریت امام ہوتی۔ مگر اس کو چند ہستیوں کے لئے مخصوص فرمایا۔(۱)

تفسیر علی بن ابراہیم میں آیہ مبارکہ:

وَوَصَّيْنَا الْاِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا (احقاف/۱۵)

---

(۱) علل الشرائع

کی تفسیر میں مرقوم ہے کہ اس آیت میں احسان سے مراد رسول اللہؐ ہیں اور ''والدیہ'' سے مراد امام حسنؑ اور امام حسینؑ ہیں اور پھر امام حسینؑ ہی کے لئے فرمایا ہے کہ ''حملہ امہ کرھا و وضعتہ کرھا ''اور یہ اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو امام حسینؑ کی ولادت کی بشارت قبل از حمل ہی دے دی تھی اور یہ کہ امامت ان کی نسل میں تا قیامت رہے گی پھر یہ بتا دیا تھا کہ وہ اور ان کی نسل قتل ہوگی اور طرح طرح کے مصائب میں گرفتار ہوگی، مگر اس کے عوض میں اللہ تعالیٰ امامت کو نسل میں قرار دے گا۔ نیز اس سے بھی مطلع کر دیا تھا کہ امام حسینؑ قتل ہوں گے، پھر دنیا میں واپس آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا اور وہ اپنے دشمنوں کو قتل کریں گے اور ساری روئے زمین کے مالک بنیں گے۔ چنانچہ اسی کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ:

وَنُرِيْدُ اَنْ نَمُنَّ عَلیٰ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِيْ الْاَرْضِ (قصص/۵)

اور ہم نے چاہا کہ جو زمین میں کمزور و بے بس کر دئے گئے تھے ان پر احسان کریں۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (انبیاء/۱۰۵)

اور بہ تحقیق ہم نے تو ذکر (نصیحت) (توریت) کے بعد زبور میں لکھ ہی دیا تھا کہ روئے زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بشارت دے دی کہ آپ کے اہل بیت ساری روئے زمین کے مالک ہوں گے۔ وہ رجعت کریں گے اور اپنے دشمنوں کو قتل کریں گے۔ (۱)

امام حسینؑ پاک و طاہر پیدا ہوئے تھے

اسماء بنت ابی بکر نے حضرت صفیہ بنت حضرت عبدالمطلبؑ سے روایت کی ہے کہ جب امام حسینؑ کی ولادت ہوئی تو اس وقت فاطمہ زہراؑ کی دیکھ بھال میں کر رہی تھی۔ آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا پھوپھی جان! میرے فرزند کو میرے پاس لائیے۔

میں نے عرض کی! یا رسول خداؐ! ابھی میں نے اس بچے کو نہلا کر پاک نہیں کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا پھوپھی جان! کیا اس کو آپؑ پاک کریں گی، اس کو تو اللہ تعالیٰ نے پاک و پاکیزہ ہی پیدا کیا ہے۔ (امالی شیخ صدوق)

(۱) تفسیر علی بن ابراہیم قمی

امام حسینؑ کا اسم گرامی

رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ سے پوچھا تم نے میرے اس فرزند کا نام کیا رکھا؟ حضرت علیؑ نے عرض کی یارسولؐ اللہ! میں اس کا نام رکھنے میں آپؐ پر سبقت نہیں کرتا، رسول اللہؐ نے فرمایا، میں بھی اس کا نام رکھنے میں اپنے پروردگار پر سبقت نہ کروں گا۔

پھر جبرئیل نازل ہوئے اور انہوں نے کہا، اے محمدؐ! العلی الاعلیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور یہ ارشاد فرماتا ہے کہ:

علی منک کھارون من موسیٰ سم ابنک ھٰذا باسم ابن ھارون

علیؑ کو تم سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی لہٰذا اپنے اس فرزند کا نام ہارونؑ کے فرزند کے نام پر رکھو۔

جبرئیل نے کہا، پھر اس فرزند کا نام ہارونؑ کے دوسرے فرزند کے نام پر شبیر (حسینؑ) رکھ دیجئے آنحضرتؐ نے ان کا نام حسینؑ رکھ دیا۔ (عیون الاخبار الرضا، صحیفہ الرضا)

نام حسینؑ حسنؑ سے مشتق ہے

حضرت جعفر صادقؑ بن امام محمد باقرؑ نے اپنے پدر بزرگوار سے روایت ہے کہ: جبرئیل امینؑ رسولؐ اللہ کے پاس امام حسنؑ کا نام اور ایک حلۂ جنت بطور ہدیہ لائے امام حسینؑ کا نام امام حسنؑ کے نام سے مشتق ہوا۔(۱)

اعمش نے سالم سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں نے ان دونوں فرزندوں کا وہی نام رکھا ہے جو ہارونؑ کے دونوں فرزند ''شبر و شبیر'' کے نام تھے۔(۲)

نقش خاتم

حضرت امام رضاؑ سے روایت ہے کہ امام حسینؑ کا نقش خاتم ''ان الله بالغ امره'' تھا۔(۳)

اذان اور عقیقہ

اسماء کا بیان ہے کہ جب حسینؑ پیدا ہوئے تو نبیؐ تشریف لائے، فرمایا: اے اسماء! میرے فرزند کو

---

(۱) علل الشرائع، معانی الاخبار (۲) علل الشرائع، معانی الاخبار (۳) عیون الاخبار الرضا، امالی شیخ صدوقؒ

میرے پاس لاؤ۔

میں نے ایک پارچۂ سفید میں لپیٹ کر آپ کو دیا۔ آپ نے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور حسینؑ کو اپنی آغوش میں رکھ کر گریہ فرمانے لگے۔

جب ساتواں دن آیا تو آنحضرتؐ نے دو چتکبرے مینڈھوں پر ان کا عقیقہ کیا، اور حسینؑ کی قابلہ (دایہ) کو مینڈھے کی ایک ران اور ایک دینار دیا۔ پھر آپ نے حسینؑ کا سر منڈوایا اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی تصدق کی، ان کے سر پر زعفران کا لیپ کر دیا۔ پھر فرمایا: اے اسماء! بچے کے سر پر خون کا لیپ کرنا جاہلیت کا طریقہ ہے۔(۱)

کنیت والقاب

آپؑ کی کنیت **ابو عبد الله، الخامس، ابو علی** ہے۔ آپؑ کے القاب **الشہید، السعید، السبط الثانی والامام الثالث** ہے (مناقب ابن شہر آشوب) (آپ کا سب سے اعلیٰ لقب) کمال الدین بن طلحہ کا بیان ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی کنیت صرف "**ابو عبدالله**" ہے کوئی اور نہیں ہے۔ ہاں القاب بہت ہیں۔ **الرشید، الطیب، الوفی، السید، الزکی، المبارک، التابع لمرضاة الله، السبط** (کشف الغمہ)

واقعہ فطرس

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے اور اس روایت کا ذکر ہمارے بہت سے اصحاب نے کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ فطرس ایک فرشتہ تھا جو عرش کا طواف کیا کرتا تھا اس سے کسی حکم الٰہی کے بجالانے میں ذراسی تاخیر ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بازو توڑ کر سمندر کے ایک جزیرے میں ڈال دیا تھا۔

جب حضرت امام حسینؑ متولد ہوئے تو جبرئیل امین رسول اللہؐ کی خدمت میں حضرت امام حسینؑ کی ولادت کی تہنیت دینے کے لئے آرہے تھے اور اس جزیرے سے گذرے تو فطرس نے جبرئیل امین سے فریاد کی۔ جبرئیل نے کہا: محمدؐ کے گھر ایک فرزند کی ولادت ہوئی ہے اور مجھے تہنیت دینے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں بھی ان کے پاس اٹھا کر لے چلتا ہوں۔

(۱) عیون الاخبار الرضا، صحیفۃ الرضا

فطرس نے کہا: ہاں میں بھی چلتا ہوں۔

چنانچہ جبرئیل امین نے فطرس کو اٹھالیا اور اسے لے جا کر رسول اللہؐ کے سامنے پیش کر دیا اور وہ انگلی کے اشارے سے آپ سے التجا کرنے لگا۔

آپؐ نے فرمایا: اچھا تو شکستہ بازوؤں کو حسینؑ سے مس کر۔

اس نے اپنے شکستہ بازو مس کیے تو ان میں جان آ گئی اور وہ آسمان کی طرف پرواز کر گیا۔(۱)

جب امام حسینؑ نے شہادت پائی اور اسے حالات سے آگاہی ہوئی تو اس نے بارگاہ احدیت میں عرض کی:

مالک! مجھے اجازت دی جائے کہ میں زمین پر جا کر دشمنان حسینؑ سے جنگ کروں ارشاد ہوا کہ جنگ کی کوئی ضرورت نہیں البتہ تو ستر ہزار فرشتے لے کر زمین پر چلا جا اور ان کی قبر مبارک پر صبح وشام گریہ و ماتم کیا کر اور اس کا جو ثواب ہو اسے ان کے رونے والوں کے لئے ہبہ کر دے۔ چنانچہ فطرس زمین کربلا پر جا پہنچا اور تا قیام قیامت شب و روز روتا رہے گا۔(۲)

دردائیل نامی فرشتہ اور حسینؑ کا سہارا

اکمال الدین میں اپنے اسناد کے ساتھ مجاہد سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کا نام دردائیل ہے جس کے سولہ ہزار بازو ہیں اور ایک بازو سے دوسرے بازو کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین سے آسمان کا فاصلہ ہے۔

ایک دن وہ اپنے دل میں کہنے لگا کیا ہمارے رب ذوالجلال کے اوپر بھی کچھ ہے؟

اللہ تعالیٰ کو علم ہو گیا کہ اس کے دل میں کیا بات آئی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو سولہ ہزار بازو اور عنایت فرما دئے اور اب اس کے پاس چھتیس ہزار بازو ہو گئے۔ پھر اسے حکم ہوا کہ پرواز کرو۔ چنانچہ وہ پانچ سو سال تک پرواز کرتا رہا مگر اس کا سر عرش کے ستونوں میں سے ایک ستون تک بھی نہ پہنچ سکا۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہوا کہ

---

(۱) کتاب السرائر، جامع بزنطی (۲) روضۃ الشہداء از، ص/۲۳۶ تا ۲۳۸ طبع ممبئی

اب یہ تھک چکا ہے تو حکم دیا کہ اے ملک! تو اپنی جگہ واپس ہو جا میں ہر عظیم سے اعظم و مافوق ہوں، مجھ سے مافوق کوئی نہیں ہے میں مکان سے بالاتر ہوں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام باز وسلب کر لئے اور اسے صفوف ملائکہ سے خارج کر دیا۔ جب امام حسین بن علیؑ متولد ہوئے تو یہ شب جمعہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم پر متعین ملک کو حکم دیا کہ محمدؐ کے اس مولود کے صدقے میں آج تو جہنم کی آگ کو اہل جہنم کے لئے بجھا دے۔ پھر خازن جنت رضوان کو حکم دیا کہ دنیا کے اندر محمدؐ کے یہاں نواسہ پیدا ہوا ہے اس کی خوشی میں جنت کو خوب آراستہ کر دے اور حوران جنت کی طرف وحی کی کہ دنیا میں محمدؐ کا فرزند پیدا ہوا ہے لہٰذا تم سب اس کی ولادت کی خوشی میں اپنے کو اچھی طرح سجا لو۔ اس کے بعد ملائکہ کو حکم ہوا کہ دنیا میں فرزند محمدؐ کی پیدائش کی مسرت میں تم سب صف بستہ ہو کر تسبیح و تحمید و تمجید الٰہی میں مشغول ہو جاؤ۔ اور جبرئیل امین کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ تم ایک لاکھ فرشتوں کو ساتھ لو جو ابلق گھوڑوں پر سوار ہوں جن کے زین کسی اور لگام لگی ہوئی ہو ان پر موتی اور یاقوت کے ساز سجے ہوں ان کے ساتھ کچھ اور ملائکہ ہوں جنہیں روحانین کہتے ہیں ان کے ہاتھوں میں نور کے نیزے ہوں اور تم لوگ جا کر میرے نبی محمدؐ کو ان کے فرزند کی ولادت کی تہنیت پیش کرو، اور انہیں بتا دو کہ میں نے اس فرزند کا نام حسینؑ رکھا ہے اور یہ بھی کہہ دو کہ تمہاری امت کے اشرار جو بدترین سواریوں پر ہوں گے اسے قتل کریں گے، پس حسینؑ کے قاتل پر ویل، اس کے سرغنہ پر بھی ویل، اس کے پیشرو پر بھی ویل ہو۔ نہ میرا اس سے کوئی تعلق نہ اس کا مجھ سے کوئی تعلق، کیونکہ میدان حشر میں جتنے لوگ بھی آئیں گے ان میں سب سے بڑا مجرم قاتل حسینؑ ہی ہوگا۔ قاتل حسینؑ ان لوگوں کے ساتھ جہنم میں جائے گا جو مشرک ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی اللہ ہے۔ جہنم کو قاتلان حسینؑ کو جلانے کا اتنا شوق ہے جتنا اللہ کی اطاعت کرنے والوں کو جنت کا شوق نہیں۔

جب جبرئیل امین آسمان سے اترنے لگے تو ان کا گذر دردائیل کی طرف سے ہوا۔ دردائیل نے پوچھا، آج کی شب آسمان کا یہ کیا حال ہے، یہ فرشتے کیوں اترتے چلے آ رہے ہیں، کہیں قیامت تو برپا ہونے والی نہیں ہے؟

جبرئیل امینؑ نے جواب دیا، ایسا نہیں ہے بلکہ دنیا کے اندر محمدؐ کے گھر میں ایک فرزند پیدا ہوا ہے اور

اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تا کہ میں جا کر انہیں تہنیت پیش کروں۔

دردائیل نے کہا: اے جبرئیل! تمہیں میری اور خلاق کائنات کی قسم جب تم ان کی خدمت میں پہنچو تو میری جانب سے انہیں سلام عرض کرنا اور کہنا کہ آپؐ کو اس مولود کا واسطہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے۔ میرے بازو مجھے واپس عطا فرما دے اور صفوف ملائکہ میں جو میرا مقام تھا وہ پھر مجھے عطا فرما دے۔

پس جبرئیل امین نبیؐ کی خدمت میں آئے، خدائے عزوجل کے حکم کے مطابق پہلے ولادت کی تہنیت پیش کی، اس کے بعد تعزیت ادا کی۔

آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا: کیا میری امت اس کو قتل کرے گی؟

جبرئیل نے عرض کی: جی ہاں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: نہیں وہ لوگ ہرگز میری امت میں نہیں ہیں۔

میں بھی ان لوگوں سے بری الذمہ ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی ان لوگوں سے بری ہے۔

جبرئیل نے عرض کی: اے محمدؐ! میں بھی ان لوگوں سے بری ہوں۔

اس کے بعد نبیؐ جناب فاطمہ زہراؑ کے پاس تشریف لائے۔ پہلے بچے کی ولادت کی تہنیت دی، پھر تعزیت اور تلقین صبر فرمائی۔

یہ سن کر جناب فاطمہ زہراؑ رونے لگیں اور بولیں، پھر کہا کہا قاتل حسینؑ جہنم میں جائے گا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ قاتل حسینؑ جہنمی ہے، مگر حسینؑ اس وقت قتل ہوگا جب اس سے ایک امام پیدا ہو جائے گا، پھر اس سے اس کے بعد مسلسل ائمہ ہدی پیدا ہوتے رہیں گے۔

پھر آپ نے فرمایا، میرے بعد یہ لوگ ائمہ ہوں گے، علی الھادی، حسن المہدی، حسین الناصر، علی بن الحسین المنصور، محمد بن علی الشافع، جعفر بن محمد النافع، موسیٰ بن جعفر الامین، علی بن موسیٰ الرضا، محمد بن علی الفعال، علی بن محمد المومن، حسن بن علی العلام، اس کے بعد وہ ہوگا جس کے پیچھے عیسیٰ بن مریم نماز پڑھیں گے۔

یہ سن کر فاطمہ زہراؑ کی گریہ وزاری تھم گئی۔

اس کے بعد جبرئیل امینؑ نے فرشتۂ مذکور (دردائیل) کا قصہ سنایا اور یہ کہ اس پر کیا گذری، ابن عباس کا بیان ہے کہ یہ سن کر نبیؐ نے امام حسینؑ کو جو ایک پارچۂ صوف میں لپٹے ہوئے تھے، اٹھایا اور آسمان کی طرف اشارہ کر کے دعا کی:

پروردگار! تجھ پر جو اس مولود کا حق ہے، اس حق کا واسطہ بلکہ اس مولود پر اس کے جد محمدؐ وابراہیمؑ واسماعیلؑ پر اور اسحاقؑ پر اور یعقوبؑ پر جو تیرا حق ہے، اس حق کا واسطہ اگر تیرے نزدیک علیؑ و فاطمہؑ کے فرزند حسینؑ کی کوئی قدر و منزلت ہے تو تو دردائیل سے اپنی ناراضگی کو دور فرما دے اور اس کو پھر سے بال و پر عنایت فرما اور صفوف ملائکہ میں جو اس کا مقام تھا وہی مقام پھر عطا فرما دے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کی دعا قبول فرمالی اور اس ملک کو معاف فرما دیا، اور وہ ملک جنت میں پہچانا ہی اسی نام سے جانے لگا کہ یہ رسول اللہؐ اور علی ابن ابی طالب کے فرزند کا غلام ہے۔(۱)

بوقت ولادت تسبیح وتہلیل خداوندی کرنا

روایت میں ہے کہ رسولؐ اللہ نے خود کھڑے ہو کر امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو آغوش میں لیا تو وہ تسبیح وتہلیل وتمجید پروردگار کر رہے تھے۔(۲)

مدت حمل چھ ماہ تھی

زرارہ نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ جب کوئی بچہ چھ ماہ میں پیدا ہو تو وہ تام الخلقت ہے۔ یہ اس لئے کہ حضرت حسینؑ ابن علیؑ چھ ماہ حمل میں رہے پھر ولادت ہوئی۔(کافی)

جناب فاطمہؑ کی نظر میں حسینؑ زیادہ حسین تھے

عمرو بن دینار نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت فاطمہؑ کے یہاں امام حسنؑ متولد ہوئے تو وہ انہیں لے کر رسول خداؐ کی خدمت میں آئیں اور آپؐ نے ان کا نام ''حسنؑ'' رکھا۔ پھر جب امام حسینؑ متولد ہوئے تو انہیں بھی لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں آئیں اور عرض کی ''یارسول اللہؐ! یہ بچہ

(۱) کمال الدین واتمام النعمۃ (۲) عیون المعجزات، سید مرتضیٰ

اس سے بھی زیادہ حسین ہے۔

آپ نے ان کا نام حسینؑ رکھ دیا۔ (علل الشرائع۔معانی الاخبار، بحارالانوار، ج/۱۰،ص/۲۵)

امام حسینؑ کی غذا رسول خداؐ کے انگوٹھے کے ذریعہ

غرر ابوالفضل بن خیر نے اپنے اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ: حضرت امام حسینؑ کی ولادت کے بعد جناب فاطمہ زہراؑ بیمار ہوگئیں جس کی وجہ سے ان کا دودھ خشک ہوگیا، تو نبیؐ نے دودھ پلانے والی کو بہت تلاش کیا مگر کوئی نہ ملی تو آنحضرتؐ بہ نفس نفیس خود تشریف لاتے اور حسینؑ کے دہن میں اپنا انگوٹھا دے دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول خداؐ کے انگوٹھے ہی میں حسینؑ کا رزق ودیعت فرما دیا، وہ اسی سے سیر ہو جاتے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت حسینؑ کے دہن میں اپنی زبان دے دیتے اور ان کا اسی طرح پیٹ بھرتے جس طرح کوئی چڑیا اپنے بچے کو دانہ بھراتی ہے اللہ تعالیٰ نے اسی میں حسینؑ کا رزق ودیعت فرما دیا اور یہ سلسلہ چالیس شب و روز جاری رہا۔ اس طرح حسینؑ کا گوشت رسول اللہؐ کے گوشت سے پرورش پاتا رہا۔

(مناقب ابن شہر آشوب)

امام حسینؑ کا عقیقہ

حسین بن خالد سے روایت ہے کہ: میں نے حضرت امام رضاؑ سے دریافت کیا کہ لڑکا متولد ہونے کی تہنیت کب دی جائے؟

آپؑ نے ارشاد فرمایا: جب امام حسن بن علیؑ پیدا ہوئے تو جبرئیل امین ساتویں دن تہنیت دینے کیلئے نازل ہوئے اور کہا کہ آپ کا نام رکھ دیں اور کنیت تجویز فرما دیں، سر کے بال اترا وا دیں اور ان کا عقیقہ کر دیں اور اسی طرح آپؐ کی خدمت میں جبرئیل امین امام حسینؑ کی ولادت کے موقع پر ساتویں دن آئے اور وہی کہا جو امام حسنؑ کی ولادت کے موقع پر کہہ چکے تھے۔ (کافی)

جناب فاطمہؑ کی لوریاں حسینؑ کے لئے

حضرت فاطمہ زہراؑ اپنے فرزند حسینؑ کو لوریاں دیتے وقت یہ فرمایا کرتی تھیں۔

ان تشبیــــہ بـــابـی   لســت شبیھـاً بـعلی

یعنی :اے حسینؑ تم میرے بابا کی شبیہ ہو۔تم علی کی شبیہ نہیں ہو۔

(مناقب ابن شہرآشوب)

فضائل امام حسینؑ خدااور رسولؐ کی نگاہ میں

امام حسینؑ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے نواسے اور حضرت علیؑ وفاطمہؑ کے بیٹے اور امام حسنؑ کے بھائی تھے۔ انہیں حضرات کو پنجتن پاک کہا جاتا ہے۔امام حسینؑ پنجتن پاک کے آخری فرد ہیں۔نانا رسول خداؐ اور والد امیر المومنین حضرت علیؑ والدہ فاطمہؑ بنت پیغمبر اکرمؐ بھائی حسنؑ مجتبیٰ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ صفات حسنہ کے واحد مرکز بن گئے۔آپ کے طرز حیات میں محمدؐ وعلیؑ اور حسنؑ کا کردار نمایاں تھا اور آپ نے جو کام بھی کیا وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا۔

''کتب مقابل''میں ہے کہ کربلا میں جب امام حسینؑ رخصت آخری کے لئے خیمہ میں تشریف لائے تو جناب زینبؑ نے فرمایا تھا کہ:

> اے خامس آل عبا'' آج تمہاری جدائی کے تصور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد مصطفیٰؐ،علی مرتضیٰؑ،فاطمۃ الزہراؑ،حسن مجتبیٰؑ ہم سے جدا ہو رہے ہیں۔

ترمذی نے اپنے استاد کے ساتھ یعلی بن مرہ سے روایت کی ہے ان کا بیان ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

> حُسَیْنُ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْن اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْناً
>
> یعنی:حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔اللہ اسے دوست رکھے گا جو حسینؑ کو دوست رکھے گا۔
>
> حُسَیْنُ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ یعنی:حسینؑ نواسوں میں ایک نواسہ ہیں۔(۱)

۱۔امام حسینؑ کا جمال

''ملا جامیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ کو خداوند عالم نے وہ حسن وجمال دیا تھا جس کی نظیر نہیں ملی۔

(۱) کشف الغمہ،ترمذی

آپ کے حسن کا یہ حال تھا کہ جب آپ جائے تاریک میں بیٹھ جاتے تھے۔تو لوگ آپ کے روئے روشن سے شمع کی طرح کام لیتے تھے۔یعنی ہر چیز روشن ہو جاتی تھی اور لوگوں کو تاریکی میں راستہ چلنے میں زحمت نہیں ہوتی تھی۔(۱)

۲۔رسول اللہؐ نے حسینؑ کے چاہنے والے کا بوسہ لیا

علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ ایک دن رسول خداؐ ایک راستے سے گذر رہے تھے۔آپ نے دیکھا چند بچے کھیل رہے ہیں۔آپ ان کے قریب گئے اوران میں سے ایک بچہ کو اٹھا کر اپنی آغوش میں بٹھا لیا۔آپ اس کی پیشانی کا بوسہ لینے لگے۔ایک صحابی نے پوچھا: حضور! اس بچہ میں کیا خصوصیت ہے کہ آپ نے اس کی اس درجہ قدر فرمائی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اسے ایک دن اس حال میں دیکھا ہے کہ میرے بچے حسینؑ کے قدموں کی خاک اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگا رہا تھا۔بعض حضرات کا بیان ہے کہ وہ بچہ آنحضرتؐ نے جسے پیار کیا تھا اس کا نام حبیب ابن مظاہر تھا۔(۲)

۳۔رسول خداؐ نے ابراہیم کو حسینؑ پر قربان کر دیا

تفسیر نقاش میں اپنے اسناد کے ساتھ ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر تھا۔آپ کے بائیں زانو پر آپ کے فرزند ابراہیم تھے اور داہنے زانو پر حسینؑ ابن علیؑ تھے۔آپ کبھی اُن کے بوسے لیتے اور کبھی اِن کے۔دریں اثناء حضرت جبرئیل امین پروردگار کی جانب سے وحی لے کر نازل ہوئے۔جب آپ وحی سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا:

میرے پروردگار کی جانب سے میرے پاس جبرئیل امین آئے تھے۔انہوں نے کہا کہ اے محمدؐ! پروردگار آپ کو سلام ارشاد فرماتا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ میں تمہارے پاس ان دونوں کو یک جا نہیں رکھوں گا۔ آپ دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر قربان کر دیں۔

یہ سن کر نبیؐ نے ایک نظر ابراہیم پر ڈالی اور گریہ فرمانے لگے۔پھر ایک نظر حسینؑ پر ڈالی اور گریہ فرمانے لگے۔پھر فرمایا: ابراہیم کی ماں کنیز ہے، اگر ابراہیم کی موت واقع ہو جائے تو اس کی موت پر صرف مجھ

(۱) شواہد النبوۃ، رکن/۶، ص/۱۷۴ (۲) روضۃ الشہداء، ص/۲۳۹

کوغم ہوگا۔اورحسینؑ کی ماں فاطمہؑ ہےاوران کا باپ علیؑ ہے جومیراابن عم ہے،میرا گوشت اورمیرا خون ہے۔ اگرحسینؑ کی موت واقع ہوگئی توان کی موت پرمیری بیٹی بھی روئے گی،میرے ابن عم کوبھی حزن وملال ہوگا اور مجھے بھی ان کی موت کا غم ہوگا۔لہٰذاان دونوں کے حزن وملال پراپنے غم کوترجیح دیتا ہوں۔

''اے جبرئیل امین! میں ابراہیم کوحسینؑ پرقربان کرتا ہوں۔''

روای کا بیان ہے کہ ابراہیم علیل ہوکرتین دن کے بعدانتقال فرما گئے۔پھر جب نبیؐ حسینؑ کو دیکھتے تو بڑھ کرانہیں بوسہ دیتے انہیں سینے سے لگاتے اورفرماتے میں اس پرقربان جس پر میں نے اپنے فرزندابراہیم کوقربان کردیا۔ (مناقب،تفسیرنقاش)

۴۔حسینؑ کے دوست اور دوست کے دوست بھی جنت میں ہوں گے

حذیفہ سے روایت ہےان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کودیکھا کہ آپ حسینؑ ابن علیؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے یہ فرمارہے تھے کہ:

اے لوگو! یہ حسینؑ بن علیؑ ہےاس کوخوب پہنچان لو۔اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہ جنت میں ہوگا اس کے دوست جنت میں ہوں گےاوراس کے دوست کے دوست بھی جنت میں ہوں گے۔

۵۔حسینؑ سے رسول اللہؐ کی محبت

براءبن عازب سے روایت ہے۔ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کودیکھا کہ آپ حسینؑ کواپنی آغوش میں اٹھائے ہوئے فرمارہے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِیّ اَحَبَّہُ فَاحُبِبُہُ

اے اللہ!میں اس سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی اس سے محبت کر۔(امالی صدوقؒ)

۶۔حسینؑ کے لئے حلہ جنت کا آنا

بعض اصحاب رسولؐ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ ہشام بن عروہ نے حضرت ام سلمہ سے روایت کی ہے۔ان کا بیان ہے کہ میں نے رسولؐ اللہ کودیکھا کہ آپ اپنے فرزندحسینؑ کوایک حلہ پہنارہے ہیں جو دنیاوی حلہ نہیں ہے: میں عرض کی 'یارسول اللہؐ! یہ حلہ کہاں سے آیا ہے؟'

آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ میرے رب نے حسینؑ کے لئے بطور تحفہ بھیجا ہے جس کا تانا بانا جبرئیل کے بازوں کے روؤں سے کیا گیا ہے۔ اسے حسینؑ کو پہنا کر آراستہ کر رہا ہوں۔ آج یوم زینت ہے اور میں حسینؑ سے محبت کرتا ہوں۔ (بحارالانوار)

۷۔ زمانہ حمل میں فاطمہ زہراؑ کی کیفیت

مقداد بن اسود کندی سے روایت ہے کہ ایک دن امام حسنؑ اور امام حسینؑ گھر سے کہیں باہر نکل گئے تھے، تو رسول اللہؐ ان کو ڈھونڈ ھنے نکلے، میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ بچے ایک درخت کے نیچے آرام کر رہے تھے پاس ہی ایک بہت بڑا سانپ بیٹھا تھا۔ جب اس نے رسول خداؐ کو دیکھا تو کھڑا ہو گیا۔ وہ کھجور کے درخت سے اونچا تھا اور اونٹ سے بھی زیادہ جسیم تھا۔ اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ اس نے کہا: شکر ہے خدا جس نے مجھے اب تک زندہ رکھا، میں فرزندان رسولؐ کا نگہبان بن گیا۔ یہ کہہ کر وہ ریت کی طرف چلا گیا۔ رسول خداؐ نے پہلے حسینؑ کا سر اٹھا کر اپنے داہنے زانو پر رکھا، پھر حسنؑ کا سر اٹھا کر بائیں زانو پر رکھا۔ اس کے بعد آپ نے اپنی زبان مبارک حسینؑ کے دہن میں دی حسینؑ بیدار ہو گئے اور 'اے بابا' کہہ کر پھر سو گئے، پھر حسنؑ بیدار ہو کر پھر سو گئے۔

میں نے عرض کی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے حسینؑ ہی بڑے ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: مومنین کے دلوں میں حسینؑ کی پوشیدہ معرفت ہے اگر تمہیں معلوم کرنا ہو تو جا کر اس کی ماں سے اس کے متعلق پوچھ لو۔

الغرض، جب یہ دونوں بیدار ہوئے تو آنحضرت نے دونوں کو اپنے کندھوں پر بٹھایا۔ پھر میں وہاں سے جناب فاطمہ زہراؑ کے در دولت پر آ کھڑا ہوا تو اندر سے حمامہ کنیز نکلی اور بولی اے کندی بھائی! میں نے (اس کی بات کاٹ کر) کہا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں دروازے پر کھڑا ہوں؟

اس نے کہا میری شہزادی و مالکہ نے مجھ سے فرمایا کہ دروازے پر ایک مرد کندی کھڑا ہے اور وہ میرے قرۃ العین حسینؑ کی منزلت و مقام معلوم کرنا چاہتا ہے۔

یہ سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ پھر میں دروازے کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔ میں نے حضرت

فاطمہ زہراؑ سے پوچھا، یہ بتایئے کہ حسینؑ کی کیا منزلت ہے؟

ان مخدومہ نے فرمایا: سنو! جب میرا بڑا بیٹا حسن پیدا ہوا تو میرے بابا ایک دن میرے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: بیٹی! میں تمہاری پیشانی میں ایسی ضو اور ایسا نور دیکھ رہا ہوں کہ جس کا مطلب یہ ہے کہ تم سے کوئی ایسا بچہ متولد ہوگا جو اس مخلوق کے لئے حجت ہوگا۔

پھر جب حسینؑ کے حمل کو ایک ماہ ہو گیا تو میں نے اپنے جسم میں حرارت محسوس کی اور اس کا ذکر اپنے پدر بزرگوار سے کیا۔ آپ نے ایک کوزے میں پانی منگوا کر اس پر کچھ دم کیا اور اپنا لعاب دہن ملا کر مجھے دیا اور فرمایا: 'لو بیٹی! اس کو پی لو۔' میں نے اسے پیا، تو وہ کیفیت جاتی رہی جو میں اپنے جسم میں محسوس کر رہی تھی۔ جب حمل کو چالیس دن ہو گئے تو میں نے محسوس کیا کہ جیسے میری پشت کے اوپر جلد اور لباس کے درمیان کوئی چیونٹی چل رہی ہے اسی طرح دوسرا مہینہ بھی تمام ہو گیا تو میں نے اس میں پھڑک اور حرکت محسوس کی اور بخدا اس میں ایسی حرکت تھی کہ جس کی وجہ سے میرا کھانا پینا چھوٹ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دودھ پیے ہوئے ہوں اور اسی حالت میں تیسرا مہینہ بھی گذر گیا اور میں اپنے گھر میں خیر و برکت کی فراوانی محسوس کرنے لگی۔ جب چوتھا مہینہ شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے میری گھبراہٹ اور پریشانی کو دور کر دیا۔ اور میں نے مسجد میں سکونت اختیار کر لی۔ وہاں سے بغیر ضرورت باہر نہیں آتی تھی۔ اب میں کبھی ہلکا پن اور کبھی بھاری پن محسوس کرتی، بظاہر بھی اور بباطن بھی، یہاں تک کہ اسی حال میں پانچواں مہینہ بھی پورا ہو گیا، جب چھٹا مہینہ آیا تو اب تاریک سے تاریک رات میں بھی چراغ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی اور جب اپنے مصلّے پر تنہائی میں ہوتی تو اپنے اندر تسبیح و تقدیس کی آوازیں سنتی۔ جب چھ ماہ سے نو دن اور زیادہ ہو گئے تو میں نے قوت محسوس کی۔ اس کا ذکر میں نے حضرت ام سلمہؓ سے کیا۔ اللہ نے ان کے ذریعہ ڈھارس بندھائی۔ جب دس دن زائد ہوئے تو میری آنکھوں پر نیند کا غلبہ ہوا اور اسی عالم میں ایک آنے والے نے آکر اپنے بازوؤں کو میرے پشت سے مس کیا۔ میں اٹھی اور وضو کر کے دو رکعت نماز بجالائی۔ اس کے بعد پھر میری آنکھوں پر نیند غالب آئی اور خواب میں ایک آنے والے نے جو سفید لباس میں ملبوس تھے میرے سرہانے آکر قیام کیا۔ اس نے میرے چہرے اور میری پشت پر کچھ دم کیا۔ میں چونک کر اٹھ بیٹھی، مجھے ڈر محسوس ہوا۔ میں نے پھر وضو کیا اور چار رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد پھر میری آنکھوں پر نیند کا غلبہ ہوا اور خواب میں ایک آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے

مجھے اٹھا کر بیٹھا دیا اور حفاظت کا تعویذ باندھا۔

جب صبح ہوئی، تو وہ دن حضرت ام سلمہ کی باری کا تھا۔ میں نے اپنی کنیز حمامہ کا لباس پہنا اور حضرت ام سلمہ کے گھر آئی۔ نبیؐ نے مجھے دیکھا تو آپ کے چہرہ اقدس پر خوشی اور مسرت کے آثار نظر آئے۔ آپ کو مسرور دیکھ کر میری ساری الجھنیں اور پریشانیاں دور ہوگئیں میں نے شب کا سارا واقعہ آپ سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: بیٹی مبارک ہو۔ پہلے آنے والے میرے دوست عزرائیل تھے جو عورتوں کے ارحام پر مقرر ہیں اور دوسرے آنے والے میرے دوست میکائیل ہیں جو میرے اہل بیتؑ کے ارحام پر موکل ہیں۔ کیا انہوں نے تمہارے اوپر کچھ پڑھ کر دم کیا تھا؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں!

یہ سن کر آنحضرتؐ گریہ فرمانے لگے اور مجھے گلے سے لگالیا، پھر فرمایا اور تیسرے آنے والے میرے حبیب جبرئیل ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے فرزند کا خادم بنایا ہے۔ (الخرائج والجرائح)

۸۔ رسول اللہؐ کا کہنا اے حسینؑ تم تو ابوالائمہ ہو

سلیم بن قیس نے حضرت سلمانؓ فارسی سے روایت کی ہے ایک مرتبہ امام حسینؑ رسول اللہؐ کے زانوئے اقدس پر رونق افروز تھے اور آنحضرتؐ آپ کے بوسے لے رہے تھے اور فرما رہے تھے:

اَنْتَ السَّيِّدُ ابْنِ السَّيِّد اَبُو السَّادَةِ اَنْتَ الْإِمَامُ ابْنِ الْإِمَامِ اَبُوْ الْاَئِمَةِ اَنْتَ الْحُجَّةِ ابْنِ الْحُجَّةِ اَبُو الْحُجَجِ تِسْعَةِ مِنْ صُلْبِکَ وَتَاسِعُهُمْ قَائِمُهُمْ

یعنی: تم سید ابن سید اور ابوالسادات ہو، تم امام ابن امام اور ابوالائمہ ہو تم حجت بن حجت اور نو حجتوں کے باپ ہو جن کا نواں قائم ہوگا۔

۹۔ دامن قبا میں پائے حسینؑ کا الجھنا اور نبیؐ کا منبر سے اتر آنا

ابن عمر سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبیؐ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ حسینؑ گھر سے برآمد ہوئے اور ان کی قبا کا دامن پاؤں میں الجھ گیا تو وہ گر پڑے اور رونے لگے۔ یہ دیکھ کر نبیؐ فوراً منبر سے اترے انہیں اٹھا کر

گلے سے لگایا اور ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ شیطان کو موت دے، اولا د واقعاً انسان کی آزمائش کے لئے ہوتی ہے۔ (بحارالانوار)

۱۰۔ حسینؑ کا حالت سجدہ میں پشت رسولؐ پر سوار ہونا

احادیث لیث بن سعد میں ہے کہ ایک دن رسول اللہؐ ایک جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اور حسینؑ، جو ابھی بہت چھوٹے تھے، آپؐ کے پاس بیٹھے تھے۔ جب رسول اللہؐ سجدے میں جاتے تو حسینؑ ان کی پشت پر سوار ہو جاتے اور اپنے دونوں پاؤں ہلا ہلا کر کہتے چلئے چلئے۔

جب آنحضرتؐ سجدے سے سر اٹھانے کا ارادہ کرتے تو حسینؑ کو پکڑ کر نیچے بٹھا دیتے مگر جب آنحضرتؐ دوبارہ سجدے میں جاتے پھر پشت رسول مبارک پر بیٹھ جاتے اور کہتے حل حل (چلئے چلئے)

اس طرح حسینؑ مسلسل یہی کرتے رہے، یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے نماز تمام فرمائی۔ تو ایک یہودی نے آپ سے عرض کی: آپ لوگ بچوں سے اس طرح شفقت کا سلوک کرتے ہیں کہ ایسا ہم لوگ کبھی نہیں کرتے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اگر تم لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاتے تو تم بھی اسی طرح شفقت ورحم سے پیش آتے۔

اس نے عرض کی: اگر ایسا ہے تو میں ابھی اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاتا ہوں پھر وہ آنحضرتؐ کو بچوں پر اس طرح شفقت ورحم کرتے ہوئے دیکھ کر اسلام لایا۔ (مناقب ابن شہرآشوب)

۱۱۔ حسینؑ کا فرمانا: میں دوش رسولؐ کا سوار ہوں:

''امالی'' حاکم میں ابو رافع کا بیان تحریر ہے:۔ امام حسینؑ کا بچپن تھا اور میں ان کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ جب میری باری آئی میں کہتا کہ اب آپ بھی مجھے اپنی پشت پر سوار کریں۔

وہ کہتے: ''کیا تم اس کی پشت پر سوار ہو گے جس کو رسول اللہ نے اپنی پشت مبارک پر سوار کیا ہے؟ یہ سن کر میں ارادہ ترک دیتا اور ان کی پشت پر سوار نہ ہوتا اور جب ان کی سواری کی باری آئی تو میں کہتا: آپ نے مجھے اپنی پشت پر سوار نہیں کیا۔ لہٰذا میں بھی آپ کو اپنی پشت پر سوار نہ کروں گا۔

آپ فرماتے: کیاتم اس شخص کو اپنی پشت پر سوار نہ کرو گے؟ جس کو رسولؐ نے اپنی پشت پر سوار کیا؟
یہ سن کر میں ان کو اپنی پشت پر سوار کر لیتا تھا۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

۱۲۔عبداللہ بن عمرو بن العاص سے حسینؑ کی گفتگو

حضرت امام رضاؑ نے اپنے آباءکرام سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّنْظُرَ اِلیٰ اَحَبِّ اَهْلِ الْاَرْضِ اِلیٰ اَهْلِ السَّمَآءِ فَلْیَنْظُرْ اِلیٰ الْحُسَیْنِ

(جو شخص اہل آسمان کے نزدیک اہل زمین میں سے محبوب ترین ہستی کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ حسینؑ کو دیکھ لے۔)

عمرو ابن شعیب کا بیان ہے:

ایک مرتبہ امام حسینؑ عبداللہ بن عمرو بن العاص کی طرف سے ہو کر گذرے تو عبداللہ نے کہا جو شخص چاہتا ہے کہ ایسی ہستی کو دیکھے جو اہل آسمان کے نزدیک اہل زمین میں سب سے زیادہ محبوب ہے تو وہ اس گذرنے والے کو دیکھ لے۔مگر جنگ صفین کی راتوں کے بعد مجھ سے اور اس سے آج تک بات نہ ہو سکی۔

یہ سن کر ابوسعید خدری اسے لے کر امام حسینؑ کی خدمت میں آئے۔

امام حسینؑ نے دریافت کیا، تم جانتے ہو کہ میں اہل آسمان کے نزدیک اہل زمین میں سب سے زیادہ محبوب شخص ہوں اور اس کے باوجود تم نے یوم صفین مجھ سے اور میرے پدر بزرگوار سے جنگ کی۔خدا کی قسم میرے پدر بزرگوار تو مجھ سے بھی بہتر تھے۔

عبداللہ نے معذرت چاہی اور عرض کی، میں مجبور تھا، اس لئے کہ نبی اکرمؐ کا حکم ہے کہ اپنے باپ کی اطاعت کرو۔

امام حسینؑ نے فرمایا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نہیں سنا کہ:

وَإِنْ جَاهَدَاکَ عَلى أَنْ تُشْرِکَ بِی مَا لَیْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ فَلاَ تُطِعْهُمَا (لقمان/۱۵)

یعنی :اور اگر وہ (والدین) کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ کسی (ایسے) کو
شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کی اطاعت نہ کر۔

نیز رسول اللہؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

اطاعت والدین کا مطلب یہ ہے کہ نیک کاموں میں ان کی اطاعت کرو۔

نیز آنحضرتؐ کا یہ بھی ارشاد ہے:

خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ کرو۔

نوٹ: اگر والدین اسلام سے ہٹ کر کوئی غلط کام کر رہے ہوں تو ان کی اطاعت واجب نہیں ہے۔

۱۳۔ جبرئیل امین کا امام حسینؑ کو لوریاں دینا

کتاب المسئلہ الباہرہ فی تفضیل الزّہرا الطاہرہ میں ابو محمد حسن بن طاہر قائنی ہاشمی سے روایت ہے: انہوں نے کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیل امین نازل ہوئے تو دیکھا کہ فاطمہ زہراؑ سو رہی ہیں اور حسینؑ رو رہے ہیں، جیسا کہ بچوں کی عادت ہے کہ وہ اپنی ماں کے لئے رونے لگتے ہیں۔ تو جبرئیل امین انہیں بہلانے اور لوریاں دینے لگے، یہاں تک کہ فاطمہ زہراؑ بیدار ہوئیں تو پھر رسول اللہؐ نے فاطمہ زہراؑ کو یہ بات بتائی۔

۱۴۔ جنت میں قصر حسینؑ

طبری کا بیان ہے کہ طاؤس یمانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں نے (شب معراج) جنت میں ایک قصر دیکھا جو سفید موتی کا ڈھلا ہوا تھا جس میں کوئی شگاف اور جوڑ نہ تھا میں نے کہا میرے دوست جبرئیل: یہ قصر کس کا ہے؟

انہوں نے عرض کی: آپ کے فرزند حسینؑ کا ہے۔

پھر میں آگے بڑھا تو ایک درخت دیکھا اس میں سے ایک سیب توڑا اور اسے چیرا تو اس میں سے ایک حوریہ (حوراء) نکلی میں نے اس سے پوچھا تو کس کے لئے ہے؟

تو وہ رونے لگی اور کہا میں آپؐ کے فرزند کے لئے ہوں۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

۱۵۔ بچہ آہو کے لئے حسینؑ کا اصرار

کتاب ''کنز الغرائب'' میں ہے کہ ایک اعرابی نے رسول خداؐ کی خدمت میں ایک ہرنی کا بچہ شکار کر کے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے لئے ''ہدیہ'' پیش کیا۔ آپ نے اس ہدیہ کو قبول فرمایا، اسے دعا دی۔ اتفاق سے اس وقت امام حسنؑ اپنے نانا کے پاس ہی کھڑے تھے۔ انہوں نے بچہ آہو کی طرف رغبت سے دیکھا تو آنحضرتؐ نے وہ بچہ آہو امام حسنؑ کو دے دیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ امام حسینؑ آ گئے اور دیکھا کہ بھائی کے پاس بچہ آہو ہے اور وہ اس سے کھیل رہے ہیں۔

امام حسینؑ نے پوچھا: اے اخی! یہ بچہ آہو آپ کے پاس کہاں سے آیا ہے؟

انہوں نے کہا: یہ مجھے نانا جان نے دیا ہے۔

یہ سن کر حسینؑ نانا کے پاس پہنچے اور عرض کی آپ نے بھائی کو بچہ آہو دیا، مگر مجھے نہیں دیا۔ وہ بار بار یہی کہتے رہے۔ لیکن آنحضرتؐ خاموش تھے۔ جب حسینؑ کا اصرار بڑھنے لگا اور قریب تھا کہ رونے لگیں کہ اسی اثنا میں ہم لوگوں نے دروازۂ مسجد پر شور وغل سنا۔ نظر اٹھا کر دیکھا کہ ایک ہرنی اپنے بچے کو لئے ہوئے آ رہی ہے اس کے پیچھے ایک بھیڑیا ہے جو اسے گھیر کر رسول اللہؐ کی خدمت میں لا رہا ہے۔ ہرنی خدمت اقدس میں پہنچ کر گویا ہوئی: یا رسولؐ اللہ! میرے دو بچے تھے، ایک بچہ تو صیاد آپ کی خدمت میں پکڑ کر لے آیا۔ یہ دوسرا بچہ ہے۔ اسے میں دودھ پلا رہی تھی کہ میں نے سنا کہ کوئی آواز دے رہا ہے:

> اے ہرنی! اپنے بچے کو لے کر جلدی رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو، کیونکہ حسینؑ اپنے نانا کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ رونے لگیں، تمام ملائکہ اپنے اپنے مصلائے عبادت سے سر اٹھائے ہوئے، انہیں دیکھ رہے ہیں۔ اگر حسینؑ نے رونا شروع کر دیا تو سارے ملائکہ بھی گریہ کناں ہو کر حسینؑ کا ساتھ دیں گے۔

میں نے یہ بھی سنا کہ اگر میں جلدی نہ پہنچی اور حسینؑ کے آنسو بہنے لگے تو یہ بھیڑیا مجھے اور میرے اس بچہ کو کھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں حسینؑ کے چہرہ پرنور پر آنسو بہنے سے قبل ہی آ پہنچی۔

یہ سن کراصحاب کرام نے تکبیر وتہلیل کی آوازیں بلند کیں۔آنحضرتؐ نے وہ بچہ حسینؑ کو دے دیا۔ حسینؑ نے وہ بچہ لے تو لیا لیکن ہرنی کی محبت اپنے بچوں کے لئے دیکھ کر تھوڑی دیر کھیل کر دونوں بچے اسے واپس کر دئے۔ ہرنی دعائیں دیتی ہوئی خوشی خوشی جنگل کی طرف چلی گئی۔

۱۶۔امام حسینؑ سینۂ رسولؐ پر

صحابی رسولؐ ابو ہریرہؓ راوی حدیث کا بیان ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رسول کریمؐ لیٹے ہوئے ہیں اور امام حسینؑ نہایت کمسنی کے عالم میں ان کے سینہ مبارک پر ہیں۔آپ ان دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہوئے فرماتے ہیں: اے حسینؑ! تو میرے سینہ پر کود۔ چنانچہ امام حسینؑ آپ کے سینہ مبارک پر کودنے لگے۔اس کے بعد حضورؐ نے امام حسینؑ کا منہ چوم کر خدا کی بارگاہ میں عرض کی: اے میرے پالنے والے! میں اسے بے حد چاہتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ۔ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ امام حسینؑ کا لعاب دہن اور ان کی زبان اس طرح چوستے تھے جس طرح کھجور کوئی چوسے۔ (ارجح المطالب، ص/ ۳۵۹ تا ۳۶۱)

۱۷۔گریہ حسینؑ پر صدمۂ رسولؐ

امام شبلنجی اور علامہ بدخشی لکھتے ہیں کہ زید ابن زیاد کا بیان ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ خانۂ عائشہ سے نکل کر کہیں جا رہے تھے کہ راستہ میں فاطمہ زہراؑ کا گھر پڑا۔اس گھر سے امام حسینؑ کے رونے کی آواز برابر آرہی تھی۔آپ خانۂ فاطمہؑ میں داخل ہوئے اور فرمایا اے فاطمہؑ!

الم تعلمی ان یکارہ یوذینی

(کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حسینؑ کے رونے سے مجھے کس قدر تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے۔) (نور الابصار، ص/۱۱۴، ذخائر العقبی، ص/۱۴۳)

۱۸۔امام حسینؑ کی نصرت کے لئے حکم رسولؐ

انس بن حارث کا بیان ہے جو کہ صحابی رسولؐ اور اصحاب صفہ میں سے ہیں: میں نے دیکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ ایک دن رسولؐ خدا کی گود میں تھے اور وہ ان کو بوسہ دیتے جا رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

ان ابنی ھٰذا یقتل بارض یقال لھا کربلا مدفمن شھدذٰلک منکم فینصرہ

میرا یہ فرزند "حسینؑ" اس زمین پر قتل کیا جائے گا جس کا نام کربلا ہے۔ دیکھو تم میں سے اس وقت جو بھی موجود ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی مدد کرے۔

روای کا بیان ہے کہ اصل راوی اور چشم دید گواہ انس بن حارث جو کہ اس وقت موجود تھے وہ امام حسینؑ کے ہمراہ کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔(۱)

۱۹۔ امام حسینؑ کی گرد قدم اور ابو ہریرہ

جناب ابو ہریرہ علیؑ سے عقیدت رکھتے تھے اور نماز بھی ان کے پیچھے پڑھتے تھے۔ مگر کھانا معاویہ کے دسترخوان پر کھاتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ عبادت کا لطف علیؑ کے ساتھ اور کھانے کا مزہ معاویہ کے ساتھ۔

مورخ طبری کا بیان ہے کہ ایک میت میں امام حسینؑ اور جناب ابو ہریرہ نے شرکت کی اور دونوں حضرات ساتھ ہی چل رہے تھے، راستے میں تھوڑی دیر کے لئے رک گئے، تو ابو ہریرہ نے جھٹ رومال نکال کر حضرت امام حسینؑ کے پائے مبارک اور آپ کی جوتیوں سے گرد جھاڑنا شروع کر دی۔ امام حسینؑ نے فرمایا:

اے ابو ہریرہ! تم یہ کیا کرتے ہو، میرے پیروں اور جوتیوں سے گرد کیوں جھاڑنے لگے۔ آپ نے عرض کی:

دَعْنِیُ مِنکَ فَلَوُ یُعَلِّمُ النَّاسَ مِنکَ مَا اَعُلَمُ لِحَمَلُوکَ عَلیٰ عَوَاتِقِھِمُ

مولا! مجھے منع نہ کیجئے، آپ اسی قابل ہیں کہ میں آپ کی گرد قدم صاف کروں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر لوگوں کو آپ کے وہ فضائل اور آپ کی وہ مکرمت معلوم ہو جائے جو میں جانتا ہوں تو یہ لوگ آپ کو اپنے کندھوں پر اٹھائے پھریں۔

(تاریخ طبری، ج/۳، ص/۱۹، طبع مصر)

۲۰۔ حسینؑ جوانان اہل جنت کے سردار ہیں

کتاب "شرف النبیؐ" میں جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

---

(۱) کنز العمال، ج/۶، ص/۲۲۳، اسد الغابہ، ج/۱، ص/۱۲۳، ۳۴۹، اصابہ، ج/۱، ص/۶۸، محبّ طبری، ص/۱۴۶

مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى سَيِّدِ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى الْحُسَيْنَ ابْنِ عَلِي

یعنی: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ جوانان اہل جنت کے سردار کو دیکھے تو وہ حسینؑ ابن علیؑ کو دیکھ لے۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

حسینؑ کی ولادت کے بعد نماز فریضہ کی رکعتوں میں اضافہ ہوا

عبداللہ بن سلیمان عامری نے حضرت محمد باقرؑ سے روایت کی ہے جب رسول اللہؐ معراج پر تشریف لے گئے تو دس رکعت نماز (فریضہ) کا حکم لے کر تشریف لائے یعنی پانچ وقتوں میں دو دو رکعت، پھر جب امام حسنؑ اور امام حسینؑ متولد ہوئے تو آنحضرت نے اللہ تعالیٰ کے تشکر میں سات رکعات کا اور اضافہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی اجازت عطا فرمادی۔ (اس طرح کل سترہ رکعات نماز ہوگئی) (کافی)

ہمارا شیعہ کبھی خسارے میں نہیں رہ سکتا

علی بن محمد زہری نے جابر انصاریؓ سے اور انہوں نے حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے اللہ تعالیٰ کے قول:

يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهِ

کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس سے مراد حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے شیعہ ہونے کا شرف بخشا ہے وہ دنیا کی خواہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو، خواہ اس کے پاس کھانے کے لئے گھاس پھوس کے سوا کچھ بھی نہ ہو پھر بھی وہ نقصان میں نہیں رہے گا۔ (تفسیر فرات)

فضیلت حسنینؑ

خدائے تعالیٰ کے حکم سے امام حسنؑ کی پیدائش کے بعد امام حسینؑ کی ولادت ہوئی جن کی پیدائش رسول خداؐ کی نسل سے امامت کا ظہور زمین قرار پائی اس امامت کے لئے رسولؐ خدا کو وحی جبرئیل امین کے ذریعہ وحی ہوئی اور امام حسینؑ کی شہادت کو منظور کرنا پڑا اور گیارہ اماموں کی شہادت کا ہونا لازمی قرار پایا۔ اس

طرح حسنینؑ کے والد حضرت علیؑ پہلے امام اور دوسرے امام حسنؑ ، تیسرے امام حسینؑ ہوئے جن کی نسل سے نو اماموں کا روئے زمین پر آنا قرار پایا اس لئے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی منزلت خدا اور رسولؐ کی نظر میں بہت تھی اور کیوں نہ ہوتی وہ خدا کے نور سے پیدا ہوئے اور پنجتن میں آخری تھے۔ کچھ فضائل حسنینؑ کا بیان کرنا ضروری لہٰذا مختصراً حسب ذیل پیش ہے۔

(۱) پیغمبرؐ خدا نے امام حسینؑ کے لئے اپنے بیٹے ابراہیم کو موت کے حوالہ کر دیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

(۲) قیامت کے دن عرش رب العالمین مکمل طور پر آراستہ کیا جائے گا اور وہاں دو نورانی منبر ہوں گے جو سو میل طویل ہوں گے، بائیں جانب امام حسنؑ اور داہنے جانب امام حسینؑ تشریف رکھیں گے۔ (امالی)

(۳) رسول خداؐ نے اپنی وفات سے تین دن پہلے حضرت علیؑ سے فرمایا:

اے میرے دونوں پھولوں کے والد! تم پر میرا اسلام ہو۔ میں تم سے دنیا کے اپنے ان دونوں پھولوں کے متعلق وصیت کرتا ہوں۔ سنو! عنقریب تمہارے دو ستون منہدم ہو جائیں گے۔ اللہ تمہارا نگراں ہے۔ (دونوں ستون میں ایک وہ خود تھے دوسرا فاطمہ زہراؑ) (امالی)

(۴) حسنینؑ کے دوست کے دوست بھی جنت میں جائیں گے۔

(۵) حسنینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں۔

(۶) حسنینؑ کے بازوؤں کے تعویذ جبرئیل امینؑ کے پر و بال سے بنے تھے۔

(۷) حسنینؑ اوصاف رسول اللہؐ کے وارث ہیں۔

(۸) امام رضاؑ نے اپنے آبائے کرام سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

فرزند باغ زندگی کا پھول ہوتا ہے اور میرے دو پھول حسنؑ و حسینؑ ہیں۔

(عیون الاخبار الرضا)

(۹) رسول خداؐ نے فرمایا:

حسنؑ و حسینؑ میرے بعد اور اپنے والد کے بعد اہل زمین میں سب سے بہتر ہوں گے اور ان کی والدہ اہل زمین کی عورتوں میں سب سے افضل ہیں۔

(عیون الاخبار الرضا)

(۱۰) رسول اللہ کا فرمانا ہے: حسنینؑ سے محبت کرنا رسول خداؐ سے محبت کرنا ہے۔ (امالی شیخ صدوقؒ)

(۱۱) رسول اللہ فرماتے ہیں: یہ دونوں عرش الٰہی کے گوشوارے ہیں۔ (امالی شیخ صدوقؒ)

(۱۲) رسول اللہ فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِیْ بِحُبِّهِمَا (اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان دونوں (حسنینؑ) سے محبت کروں۔) (کامل الزیارات)

(۱۳) رسول اللہ فرماتے ہیں: حسنینؑ کے دوستداروں کی بخشش ہوگی بشرطیکہ وہ ایمان سے خارج نہ ہوں۔ (کامل الزیارات)

(۱۴) رسول اللہ فرماتے ہیں: دشمنان حسنینؑ کو رسول اللہ کی شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ رسول اللہ فرماتے ہیں۔ (کامل الزیارات)

(۱۵) رسول اللہ سجدے میں گئے تو حسنینؑ آپ کی پشت پر سوار ہو گئے نماز سے فارغ ہونے پر دونوں کو آپ نے داہنے اور بائیں زانوؤں پر بٹھایا اور فرمایا:

جو مجھ سے محبت کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ ان دونوں سے بھی محبت کرے۔

(کتاب الارشاد)

(۱۶) جنت نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی: پروردگار! میرے اندر تو نے کمزوروں اور مسکینوں کو لا کر آباد کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، کیا تو اس پر خوش نہیں ہے کہ میں نے تیرے ارکان کو حسنؑ وحسینؑ سے زینت دی۔ یہ سن کر وہ دلہنوں کی طرح ناز و انداز سے چلنے لگی۔ (کتاب الارشاد)

(۱۷) قرآن مجید کے سورہ طور آیت ۲۱ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس طرح نبی کو نبوت کا حق حاصل ہے، اسی طرح ان دونوں کو امامت کا حق حاصل ہے اور ان کی اطاعت بھی واجب ہے۔

(۱۸) آنحضرتؐ کو حسنینؑ کی بھوک و پیاس گوارا نہ تھی، ضرورت پڑنے پر خدا کے حکم سے جنت سے منگا لیتے تھے اور ان کو سیراب کر دیتے تھے۔

(۱۹) حسنینؑ کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر رسولؐ جا رہے تھے کہ حضرت عمر بن خطاب نے دیکھا تو کہا، تم دونوں کی سواری کیا اچھی ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اور یہ دونوں سوار بھی کتنے اچھے ہیں۔ (فضائل)

(۲۰) خازن جنت رضوان درزی بن کر حسنینؑ کے کپڑے لے کر آیا۔ (امالی)

(۲۱) رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ ملائکہ سماوات اکثر میری بیٹی فاطمہؑ کی خدمت کرتے ہیں۔ چکی چلانے والے میکائیل تھے، تسبیح پڑھنے والے اسرافیل تھے، گہوارہ جنبانی کرنے والے جبرئیل تھے، جبرئیل امین اس موقع پر لوری یہ ہوا کرتی تھی۔

ان فی الجنة نهراً من لبن — لعلی وحسین وحسن

کل من کان محباً لهم — دخل الجنة من غیر فتن

جنت میں علیؑ و حسنؑ و حسینؑ کے لئے دودھ کی نہریں ہیں جو بھی ان کا محبّ ہے وہ بغیر تکلیف کے جنت میں داخل ہوگا۔ (روضۃ الشہدا،ص/۲۳۵)

امام حسینؑ کی عبادت، زہد اور تقویٰ

مفضل بن عمر نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے، انہوں نے اپنے پدر بزرگوار سے، انہوں نے اپنے پدر عالی قدر سے روایت کی ہے: کہ حضرت امام حسینؑ ابن امیر المومنینؑ عبادت گذار، زہد اور تقویٰ میں بے مثل تھے۔ آپ اکثر حج پا پیادہ اور پا برہنہ ہو کر کرتے تھے۔ ہر وقت ذکر الٰہی کرتے رہتے تھے۔ آپؑ کو کسی حال میں بھی ذکر خدا سے خالی نہیں دیکھا گیا۔ آپ صادق اللہجہ اور فصیح البیان تھے۔ عبادت کا یہ عالم کہ کربلا کے میدان میں سب کے شہید ہونے کے بعد وقت عصر آخری سجدۂ خالق ادا کیا۔

علماء و مورخین کا اتفاق ہے کہ: حضرت امام حسینؑ شب و روز میں بے شمار نمازیں پڑھتے اور انواع واقسام عبادت کرتے تھے۔ آپ نے پچیس حج پا پیادہ کئے۔ یہ تمام حج زمانہ قیام مدینہ منورہ میں فرمائے تھے۔ لیکن آپ کو اموی ہنگامہ آرائیوں کی وجہ سے آپ کو آخری کسی حج کا موقع نہیں مل سکا۔ (اسد الغابہ، ج/۳، ص/۲۷)

امام حسینؑ کی اخلاقی فضیلت

''عیاش'' نے اپنی تفسیر میں بسند ہائے معتبر روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت امام حسینؑ مسکینوں کی ایک جماعت کی طرف سے گذرے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ اپنی عبا بچھائے ہوئے خشک روٹی کے ٹکڑے کھا رہے ہیں جب حضرت ان کے نزدیک پہنچے۔ انہوں نے حضرت کو دعوت دی کہ یا بن رسول اللہ اس نان خشک میں

شرکت کریں۔ حضرت گھوڑے سے نیچے اترے اوران کے ساتھ بیٹھ کر تناول فرمایا اوراس آیت کی تلاوت فرمائی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِيْنَ

یعنی: حق تعالیٰ متکبروں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا میں نے تمہاری دعوت قبول کی، تم بھی میری دعوت قبول کرو۔ جب ان مساکین نے حضرت کی دعوت قبول کیا وہ جناب ان کو دولت سرا پر لائے اور کنیز سے فرمایا جو کچھ تو نے مہمانوں کے لئے ذخیرہ کیا ہے حاضر کر۔ بموجب ارشاد کے کنیز نے حاضر کیا حضرت نے بخوبی تمام ان کی ضیافت کی اور رخصت فرمایا۔

۱۔امام حسینؑ کی سخاوت

تواریخ میں ہے کہ امام حسینؑ سخی ایسے تھے جن کی نظیر نہیں اور متقی ایسے تھے جن کی مثال نہیں'' ایک بار حضرت اسامہ بن زید صحابی رسولؐ علیل ہوئے تھے۔ امام حسینؑ انہیں دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تو آپ نے محسوس کیا کہ وہ بے حد رنجیدہ ہیں۔ پوچھا اے میرے نانا کے صحابی کیا بات ہے ''واغماہ'' کیوں کہتے ہیں۔ عرض کی مولا، ساٹھ ہزار درہم کا قرضدار ہوں۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں اسے میں ادا کردوں گا۔ چنانچہ آپ نے ان کی زندگی میں ہی انہیں قرضے کے بار سے سبکدوش فرمادیا۔ (مسند امام رضا، ص/۳۵)

۲۔امام حسینؑ کا سفر حج میں بڑھیا کی مدد کا صلہ دینا

ابوجعفر مدائنی نے ایک طویل بیان میں کہا ہے: ایک مرتبہ امام حسنؑ و امام حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن جعفر حج کے ارادے سے چلے۔ راستے میں ان کا سامان گم ہوگیا۔ بھوک پیاس کا غلبہ شدید ہوگیا۔ ایک گھاٹی (دامن کوہ) میں ایک خیمہ نظر آیا، وہاں ایک بڑھیا تھی، اس سے پانی کی درخواست کی۔

بڑھیا نے کہا: یہ بکری ہے اس کا دودھ دوہ کر پی لو۔

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر اس سے کہا، اب ہمیں کچھ کھلاؤ بھی۔

بڑھیا نے کہا میرے پاس اس بکری کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تم میں سے کوئی اس کو ذبح کرے۔ تو میں آپ لوگوں کے لئے کھانا تیار کروں۔

چنانچہ بکری کو ذبح کر کے گوشت بڑھیا کو دیا۔اس نے گوشت بھون کر ان کے سامنے رکھ دیا۔سب نے حسب ضرورت کھایا اور وہیں کچھ دیر قیلولہ (آرام) کیا۔پھر جب چلنے لگے تو اس سے کہا کہ ہم قبیلہ قریش کے افراد ہیں،ادھر آ نکلے ہیں۔جب ہم اپنے وطن واپس ہوں تو ہم سے ملنا ہم لوگ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے، یہ کہہ کر روانہ ہو گئے۔

جب اس کا شوہر آیا اور اسے حال معلوم ہوا تو اس نے بڑھیا کو زدوکوب کیا۔پھر کچھ عرصے کے بعد بڑھیا کے حالات ناگفتہ بہ ہو گئے تو اس نے وہاں سے کوچ کیا۔وہ مدینہ سے گذر رہی تھی کہ امام حسنؑ نے دیکھ لیا۔آپ نے اسے ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار دیئے۔اور ایک آدمی کے ساتھ اس کو امام حسینؑ کے پاس بھیجا، آپ نے بھی اس کو اتنا ہی دیا۔پھر حضرت عبداللہ بن جعفر کے پاس بھیجا۔انہوں نے بھی اس کو اتنا ہی دیا۔

۳۔امام حسینؑ کی انگوٹھی آئمہ طاہرین کے پاس

محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے حضرت جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ امام حسینؑ کی انگوٹھی کس کے پاس پہنچی۔اس لئے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کی انگلی سے (کاٹ کر) کسی نے انگوٹھی لے لی تھی؟

آپ نے فرمایا: جو کچھ لوگ بیان کرتے ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ حضرت امام حسینؑ ابن علیؑ نے حضرت علی ابن الحسینؑ کو اپنا وصی بنایا اور اپنی انگوٹھی اتار کر ان کی انگلی میں پہنا دی اور امر امامت ان کے سپرد کیا جیسا کہ رسولؐ اللہ نے امیر المومنینؑ کے ساتھ کیا تھا اور یہی امیر المومنینؑ نے امام حسنؑ کے لئے اختیار کیا۔پھر امام حسنؑ نے امام حسینؑ کے ساتھ یہی کیا۔پھر وہ انگوٹھی میرے پدر بزرگوار کے پاس آئی اور پدر بزرگوار کے بعد وہ انگوٹھی میرے پاس آئی۔

چنانچہ وہ میرے پاس اب بھی ہے۔میں ہر جمعہ کو اسے پہنتا ہوں اور پہن کر نماز پڑھتا ہوں۔

محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ پھر میں ایک مرتبہ جمعہ کے دن حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نماز پڑھ رہے تھے۔جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے اپنا دست مبارک میری طرف بڑھایا۔میں نے انگشت مبارک میں ایک انگوٹھی دیکھی جس پر ''لا الٰہ الا اللہ ،عدة للقاء الله'' کندہ تھا۔

آپ نے فرمایا: دیکھو یہ ہے میرے جد حضرت امام حسینؑ بن علیؑ کی انگوٹھی۔

(امالی شیخ صدوق)

امام حسینؑ کی ازواج واولاد

امام حسینؑ کی ازواج میں چار خواتین کا ذکر ملتا ہے۔

(۱) شہر بانو بنت کسریٰ یزدجرد	(۲) لیلیٰ بنت ابومرّہ بن عروہ بن مسعود
(۳) رباب بنت امرءالقیس بن عدی	(۴) ام اسحٰق بنت طلحہ بن عبداللہ

بیٹے اور بیٹیاں

کتاب ارشاد میں مرقوم ہے کہ امام حسینؑ کی چھ اولادیں تھیں:

(۱) علی اکبر زین العابدینؑ: ان کی کنیت ابومحمد تھی، والدہ گرامی کا نام نامی شہر بانو بنت کسریٰ یزدجرد تھا۔

(۲) علی اصغرؑ جو کہ کربلا میں اپنے پدر بزرگوار کے سامنے شہید ہوئے ان کی والدۂ گرامی کا نام نامی لیلیٰ بنت ابومرہ بن عروہ بن مسعود تھا۔ یہ قوم ثقیف سے تھیں۔

(۳) جعفر: ان کی والدہ گرامی قوم قضاعہ سے تھیں ان کا انتقال اپنے والد بزرگوار کی حیات میں ہوا تھا۔

(۴) عبداللہ اپنے پدر بزرگوار کی گود میں ایک ملعون کے تیر سے شہید ہوئے۔ عبداللہ شیرخوار کی ماں رباب دختر امرءالقیس بن عدی ہیں۔

(۵) حضرت سکینہ: آپ کی بھی والدہ گرامی یہی رباب دختر امرءالقیس بن عدی آپ قبیلۂ معدیہ سے تھیں۔

(۶) فاطمہ، ان کی ماں ام اسحٰق دختر طلحہ بن عبداللہ قوم تمیم سے تھیں۔

کتاب مناقب میں مرقوم ہے کہ اولاد حضرت حسینؑ سے ایک علی اکبرؑ ہیں جو کربلا میں شہید ہوئے اور ان کی ماں حرہ بنت عروہ بن مسعود ثقفی تھیں۔ اور دوسرے علی اوسط ہیں جنہیں امامت پہنچی، یہ منجھلے ہیں۔ تیسرے علی اصغر ہیں اور ان دونوں صاحبزادوں کی والدہ شہر بانو تھیں۔ اور محمد اور عبداللہ شہید بطن جناب رباب سے ہیں کہ جو ربیہ امام حسنؑ کی بیٹی تھیں اور جعفر جن کی ماں قبیلۂ قضاعہ سے ہیں اور حضرت کی صاحبزادیوں سے سکینہؑ ہیں آپ کی والدہ رباب قبیلہ کندہ سے ہیں یہ امرءالقیس کی بیٹی ہیں اور فاطمہؑ کی ماں

ام اسحٰق دختر طلحہ بن عبداللہ تھیں اور زینب۔امام حسینؑ نے اپنی شہادت کے بعد بیٹوں میں سے صرف ایک کو چھوڑا اور وہ امام زین العابدین ہیں اور بیٹیوں میں دو بیٹیاں۔

ابن خشاب کہتا ہے کہ آپ کے چھ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔علی اکبرؑ جو شہید ہوئے اور علی اوسط سید الساجدینؑ امام ہیں اور علی اصغرؑ، محمد، عبداللہ شہید اور جعفر اور بیٹیاں حضرت سکینہ، زینب اور فاطمہ ہیں۔

بعد شہادت امام حسنؑ کی وصیت حسینؑ کے لئے

تواریخ میں ہے کہ انتقال سے پہلے امام حسنؑ نے اپنے چھوٹے بھائی کو وصیت کی تھی: روایت ابن عباس اس طرح ہے:

''اے حسینؑ! میں تم کو اپنے تمام پسماندگان اپنے اہل اپنی اولاد اور اپنے اہل بیتؑ کے متعلق یہ وصیت کرتا ہوں کہ اگر ان میں سے کسی سے کوئی خطا ہو جائے تو اسے بحل کرنا اور ان میں سے کوئی نیکی کرے تو اسے قبول کر لینا۔ان سب پر تم میرے قائم مقام ہو اور ان سے والد کے برابر سلوک کرنا اور مجھے رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن کرنا کیونکہ میں اس کا ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہوں جو ان کے گھر میں بغیر ان کی اجازت کے داخل کر دئے گئے اور یہ بھی نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی اور کتاب آئی ہو جو قرآن کی ناسخ بن جائے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو اس نے نبیؐ پر نازل فرمائی ہے ارشاد فرمایا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاتَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ

ترجمہ: اے اہل ایمان! تم نبیؐ کے گھر میں مت داخل ہو جب تک تمہیں اجازت نہ دے دی جائے۔ (احزاب/۵۳)

خدا کی قسم، رسولؐ کی حیات میں ان لوگوں کو بغیر اذن داخل ہونے کی اجازت نہیں ملی تھی اور نہ بعد وفات رسولؐ انہیں رسول کے گھر میں بغیر اذن داخل ہونے کی اجازت ملی ہے۔ہاں ہم لوگوں کو اس کی اجازت ہے کہ رسولؐ کے بعد ان کے گھر پر ضرورتاً تصرف کر سکیں۔

لیکن اگر وہ عورت دفن کرنے سے مانع ہو، تو میں تمہیں قسم دیتا ہوں اس قرابتداری کی جواللہ نےتمہیں دی اوراس رشتہ داری کی جوتمہیں رسول اللہؐ سے حاصل ہے کہ میرے دفن کے سلسلہ میں ہرگز کوئی خون نہ بہے۔ یوں ہی رسول اللہؐ سے ملاقات کروں گا اوران سے فریاد کروں گا اور بتاؤں گا کہ آپؐ کے بعد لوگوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔

امام حسنؑ کے انتقال کے بعدامیر شام کے خط کا جواب

حضرت علیؑ کے انتقال کے بعدمعاویہ نے لوگوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے خبراڑادی تھی کہ دونوں بھائیوں امام حسنؑ اورامام حسینؑ میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے،اس لئے کہ بہت سے لوگوں نے معاویہ کی بیعت کرلی تھی۔امام حسنؑ کے انتقال کے بعدبھی امام حسینؑ اسی راستے پرقائم رہے جوامام حسنؑ نے قائم کردیا تھااور اس طرح یہ خیال بالکل غلط ثابت ہوگیا کہ آپ کواپنے بھائی سے اصولی اختلاف تھااورصرف ان کے دباؤ کی وجہ سے آپ اس پرقائم تھے۔ایسانہیں بلکہ آپ اسی راستے کوصحیح سمجھتے تھے اوراسی لئے خودصاحب اختیار ہونے کے بعدبھی اسی کو برقراررکھا۔حالانکہ اس وقت شیعوں میں ہیجان بھی پیدا ہوا جس کا تذکرہ تاریخ ان الفاظ میں کرتی ہے کہ:

> جب امام حسنؑ کی وفات ہوئی تو عراق کےشیعوں میں حرکت پیدا ہوئی اور انہوں نے امام حسینؑ کولکھا کہ ہم لوگ معاویہ کی بیعت توڑکرآپ سے بیعت کرنے پرتیار ہیں مگرآپ نے فرمایا کہ نہیں ہم میں اورمعاویہ میں معاہدہ ہوچکا ہے،اس کا توڑنا میرے لئے صحیح نہیں ہے بے شک جب معاویہ کا انتقال ہوگا تو دیکھا جائے گا۔(۱)

امام حسینؑ خاموشی سے زمانہ کے حالات کا جائزہ لیتے رہے کہ تمام شرائط امام حسنؑ کی خلاف ورزی کی جارہی ہے۔انہیں آپ نے اس وقت ظاہرکیا جب امیرشام نے آپ کوایک تحدیدآمیز خط لکھا تواس کے

---

(۱)ارشاد،ص/۲۰۶

جواب میں آپ نے ایک تاریخی مکتوب تحریر فرمایا جو حسب ذیل ہے:

تمہارا خط ملا جس میں تم نے لکھا ہے کہ تم نے میرے متعلق اپنی مخالفت کے بارے میں کچھ خبریں سنی ہیں جن کی تم کو امید نہ تھی تم کو جو خبریں پہنچی ہیں وہ تمہارے خوشامدی لوگوں اور چغل خوروں کی پہنچائی ہوئی ہیں جو افترا و بہتان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ میں اس وقت تم سے مخاصمت اور جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اور خاموش ہوں، مگر تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں اس خاموشی سے خوش نہیں ہوں اور یقیناً مجھے اپنے اس سکوت سے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں خدا اس کی وجہ سے مجھ سے ناراض نہ ہو اور یہ میری خاموشی تمہارے لئے اور تمہارے ہوا خواہوں کے لئے کبھی کوئی سند نہیں بن سکتی کیوں معاویہ! کیا تم ہو وہ شخص نہیں ہو جس نے حجر کندی کو قتل کیا! کیا تم وہ نہیں ہو جس نے ایسے نماز گذاروں اور پرہیز گاروں کو قتل کیا جو ظلم و بدعت کو پسند نہ کرتے تھے اور دین کے معاملہ میں کسی شخص کی ملامت اور سرزنش کی پرواہ نہ کرتے تھے حالانکہ تم ان کے ساتھ بڑی سخت قسمیں کھا کر پختہ وعدے کر چکے تھے اور انہوں نے نہ کوئی فتنہ ملک میں پیدا کیا تھا اور نہ تمہاری مخالفت کی تھی مگر تم نے ان کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑا کیا۔ تم وہ شخص نہیں ہو جس نے عمر بن الحمق الخزاعی صحابی رسولؐ کو قتل کیا جو ایسا صالح اور عبادت گذار بندہ تھا کہ کثرت عبادت سے اس کا جسم گھل گیا تھا، بدن ڈھل گیا تھا، قوتیں زائل ہو گئی تھیں اور چہرہ پر زردی چھا گئی تھی۔ تم نے پہلے ان کو امان دیدی تھی اور ایسا مضبوط وعدہ کیا تھا کہ اگر ایسا وعدہ کسی جانور سے بھی کیا جائے تو وہ بھی پہاڑ کی چوٹی سے اتر کر پاس آ جائے پھر تم نے بڑی جسارت کے ساتھ اس عہد کو توڑ دیا اور بے جرم وخطا ان کا مار ڈالا۔ کیا تم ہی وہ شخص نہیں ہو جس نے زیاد بن سمیہ کو جو بنی ثقیف کے غلام عبید نامی کا بیٹا تھا اپنا بھائی، اپنے باپ ابوسفیان کا بیٹا قرار دیا حالانکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ بیٹا اس کا سمجھا جائے گا جو عورت کا اصلی شوہر ہو اور

زنا کار کے لئے بس پتھر ہیں اور کچھ نہیں مگر تم نے اپنی مصلحت کی بنا پر حکم رسول کو پس پشت ڈال دیا اور اس کو اپنا بھائی بنا کر عراق کا حاکم بنا دیا تا کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ پیر قطع کرے اور ان کی آنکھوں کو گرم لوہے کی سلاخوں سے پھوڑے اور درختوں کی شاخوں میں لٹکا کر مارے۔ کیا تم ہی وہ نہیں ہو جسے زیاد بن سمیہ نے لکھا تھا کہ حضرت علیؑ کے دین پر ہیں۔ تم نے حکم دیا کہ جو لوگ علیؑ کے دین پر ہیں ان میں سے ایک کو زندہ نہ چھوڑو۔ اس نے سب کو مار ڈالا اور مثلہ بھی کیا اور جو تم نے مجھے لکھا ہے کہ میں اپنے نفس کا، اپنے دین کا اور امت محمدیؐ کا خیال کروں اور ان کو فتنہ میں نہ ڈالوں اور جماعت کی تفریق سے پرہیز کروں تو میرے خیال سے کوئی فتنہ اس امت میں تمہاری خلافت وحکومت سے بڑھ کر نہیں ہے اور میں اپنے نفس اور اپنے دین اور امت محمدیؐ کے لئے کسی فائدہ کو اس سے بڑھ کر نہیں سمجھتا کہ میں ان امور میں تمہاری مزاحمت کروں، اگر میں ایسا کروں تو بے شک قربت الٰہی کا موجب ہوگا اور اگر ترک کروں اور خاموش رہوں تو اس کے لئے خدا سے استغفار کروں گا اور اس سے رشد وصلاحیت کا طالب ہوں گا۔(۱)

اس خط کے ذریعہ معاویہ کی حکومت کے حالات کا جائزہ لیا جا سکتا ہے کہ امام حسینؑ کی خاموشی کے باوجود اسلام کے دشمنوں کی سازشوں سے شیعہ حضرات مومنین پر ظلم وستم ہو رہے تھے جس کو سننے کے بعد امام حسینؑ کا پریشانی میں مبتلا ہونا اور یہ کوشش کرنا کہ بے خطا پر ظلم نہ ہونے پائے یہ تاثرات انہیں کس اہم اقدام کے لئے تیار ہونے پر مجبور کر رہے تھے پھر بھی آپ اس وقت تک بالکل خاموشی اختیار کئے رہے کہ جب تک پانی سر سے اونچا نہ ہو جائے یعنی کھل کر یہ لوگ اسلام کے خلاف نہ آجائیں۔

معاویہ کی موت اور یزید کی تخت نشینی

معاویہ اپنے بیٹے یزید کو اپنے بعد خلیفہ بنانا چاہتا تھا مگر وہ یزید کے افعال وعادات کی وجہ سے سمجھتا تھا

(۱) شہید انسانیت، ص/ ۱۴۶ تا ۱۴۸

کہ مسلمانوں کو اس پر تیار کرنا دشوار مرحلہ ہے۔لیکن وہ اندر ہی اندر یزید کی خلافت کے انتظامات کر رہا تھا۔ایک ایسے بااثر فرد عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید جن کا اثر شام میں کافی تھا، جو مدعی خلافت بن سکتا تھا، ابن اثال کے ذریعہ سے اس کو زہر دلا دیا جس سے اس کا خاتمہ ہو گیا۔معاویہ نے ابن اثال کو اس کا معاوضہ یہ دیا کہ ہمیشہ کے لئے ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیا اور حمص کے خراج کی وصول یابی کا اسے والی قرار دیدیا۔(۱)

ادھر مغیرہ نے فقط امتحان کے طور پر دمشق جا کر معاویہ کے سامنے کوفے کی گورنری سے استعفاء دینے کا خیال ظاہر کیا تھا، وہ سمجھتا تھا کہ معاویہ کسی قیمت پر تیار نہ ہوں گے اور میری خوشامد کریں گے۔وہاں معاملہ برعکس ہوا اور معاویہ نے ایک دوسرے شخص کو کوفہ کی گورنری کے لئے تجویز کر کے مقرر کر دیا۔

''مغیرہ گھبرا گیا اور وہ کوفہ پر برقرار رہنے کے لئے یزید کے پاس گیا اور اسے یہ پٹی پڑھائی کہ تم اپنے باپ سے ولی عہدی کا اعلان کیوں نہیں کراتے۔''(۲)

یزید اپنے باپ کے پاس گیا اور اپنی ولی عہدی کے لئے خواہش ظاہر کی اور ساتھ ہی مغیرہ کے خیالات کا اظہار بھی کیا۔معاویہ تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی سنجیدہ انسان اس منصب کے لئے یزید کو پسند کرے گا۔غرض، معاویہ نے مغیرہ کو بلوایا اور اس سلسلہ میں گفتگو کی۔مغیرہ نے معاویہ کو اطمینان دلا دیا کہ یزید کی موافقت کے لئے کوفہ کے لوگوں کو تیار کرنے کے لئے تو میں کافی ہوں اور بصرہ میں زیاد اس کام کو بخوبی انجام دے سکتا ہے اور پھر ان دو مقامات کے بعد تیسری کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں یزید کی مخالفت کی کوئی جرأت کر سکے۔معاویہ کو مغیرہ کی باتوں میں وزن محسوس ہوا اور اس نے کوفہ کی گورنری پر پھر بحال کر دیا۔

مغیرہ اپنی کارکردگی کا نمونہ جلد ہی پیش کرنے کے لئے ترکیب سوچنے لگا۔پھر بنی امیہ کے خاص خیر خواہوں سے رابطہ قائم کیا کہ ''خلیفۃ المسلمین'' کے لوگ مطمئن نہیں ہیں۔اس لئے ضرورت ہے کہ یہاں سے ایک وفد ان کی خدمت میں جائے اور یہ التجا پیش کرے کہ وہ یزید کو اپنا ولی عہد قرار دیں۔

ایسے لوگ کم ملتے تھے جو اس وفد میں شریک ہونا پسند کریں۔اس لئے مغیرہ کو اپنی جیب خاص یا سرکاری خزانہ سے تیس ہزار درہم رشوت میں صرف کرنا پڑے۔اس طرح کوفیوں کا ایک وفد مرتب کر کے اپنے

---

(۱)طبری، ج/۶،ص/۱۶۹　　(۱)طبری، ج/۶،ص/۱۲۹

بیٹے موسیٰ کی قیادت میں معاویہ کے پاس روانہ کیا۔ وفد کو جیسا سبق پڑھایا گیا تھا اسی کے مطابق معاویہ سے یزید کی نامزدگی کے لئے درخواست پیش کی۔(۱)

معاویہ مسلمانوں کی رائے کے متعلق اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے بیٹے کا کردار کیسا ہے؟ اسے جمہور کی نفرت و بیزاری کا خوف دامن گیر تھا، مگر مغیرہ کی طرف سے وفد بھیجے جانے کی وجہ سے معاویہ کو اپنی دلی خواہش کے پورے ہونے کی کچھ امید نظر آنے لگی۔ پھر اس نے زیاد بن ابیہ کو جسے وہ سیاسی طور پر اپنا بھائی بنا چکا تھا، اس معاملہ میں مشورہ لینے کے لئے ایک خط لکھا۔ زیاد نے اپنے خاص محرم راز عبید بن کعب غیری کو بلا کر معاویہ کے خط کے بارے میں بتایا اور اپنے خیالات کا اظہار بھی کیا وہ اس طرح ہے:

> خلیفۃ المسلمین نے مجھے خط لکھا ہے کہ انہوں نے یزید کی بیعت لینے کا ارادہ کیا ہے مگر انہیں لوگوں کی نفرت و بیزاری کا خوف ہے اور چاہتے ہیں کہ کس طرح جمہور مسلمین متفق کئے جاسکیں اور اس بارے میں مجھ سے مشورہ کیا ہے۔ اسلامی ذمہ داری کا احساس بہت اہم ہے۔ اور یزید ایک آوارہ اور مطلق العنان شخص ہے اور شکار کا بڑا دلدادہ ہے تم میری طرف سے سرکار کے پاس جا کر یزید کے افعال و حالات کا تذکرہ کرو اور کہو کہ ذرا سوچ سمجھ کر اس کام کو کیجئے۔ تھوڑے دن کی تاخیر کر لینا اس سے بہتر ہے کہ جلد بازی سے کام لیا جائے جس کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں ظاہر ہو۔

عبید نے اس میں اتنی ترمیم کی کہ معاویہ کو اس طرح دوٹوک جواب نہ دیا جائے بلکہ یزید سے مل کر اس سے کہا جائے کہ اگر آپ کو رائے عامہ اپنے موافق بنانا ہے تو ان افعال کو ترک کیجئے جنہیں مسلمان عموماً ناپسند کرتے ہیں۔

زیاد نے معاویہ کو صرف اتنا لکھا کہ اس بارے میں ذرا تاخیر سے کام لیجئے، تعجیل مناسب نہیں ہے۔(۲)

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد یزید نے بہت سی اپنی بداعمالیوں کو ترک کر دیا۔(۳)

اس طرح یزید کی حکومت کے لئے ماحول کو سازگار کرنے کے لئے ظالم و جابر قسم کے لوگوں کا سہارا لیا گیا۔ مغیرہ کے انتقال کے بعد کوفہ میں زیاد کی حکومت ہوگئی۔

---

(۱) کامل بن اثیر، شہید انسانیت، ص/۱۵۲ (۲) کامل ابن اثیر۔ شہید انسانیت ص/۱۵۲ (۳) طبری، ج/۶، ص/۱۶۹

وہ ۴۵ھ میں معاویہ کی طرف سے بصرہ، خراسان او سجستان کا حاکم بنایا گیا تھا۔ پھر بحرین اور عمان بھی اس کی حکومت میں شامل کر دئے گئے۔(۱)

تین یا چار سال کی مدت گذرنے پر چار ماہ رمضان ۵۳ھ کو زیاد کی بھی موت ہوگئی۔ اب شاید اس اندیشہ میں کہ رہے سہے خاص خاص خیر خواہ بھی کہیں راہی ملک عدم نہ ہو جائیں، معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کا فرمان لکھ کر مجمع عام میں اس کا اعلان کر دیا اور رعایا سے اس کا اقرار لے لیا۔(۲)

واقعات بتلاتے ہیں کہ کس طرح رسول خداؐ کی شہادت کے بعد حالات ایک کے بعد ایک کی شہادت کے لئے پیدا ہوتے گئے یہاں تک کہ پنجتن پاک میں سے آخری امام حسینؑ کے سر پر بھی شہادت کے بادل چھانے لگے۔ یزید کی بیعت سب لوگوں نے کر لی تھی سوائے حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے۔

معاویہ نے حسینؑ بن علیؑ کو بلوا کر کہا: ''اس معاملہ میں تمام لوگ ہموار ہو چکے ہیں سوائے قریش کے پانچ آدمیوں کے جن کی سرکردگی آپ کر رہے ہیں۔'' حضرت نے متعجبانہ انداز سے کہا: میں ان کی سرکردگی کرتا ہوں؟ معاویہ نے کہا: ''بے شک! آپ ہی ان کے سرغنہ ہیں''۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کو بلوا کر ان سے بیعت کا مطالبہ کیجئے۔

اگر ان سب نے بیعت کر لی تو تنہا مجھ سے آپ کو کسی اندیشہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ وقتی توڑ کامیاب ہوئی اور نتیجہ میں معاویہ کی یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی اور وہ ناامیدی کے ساتھ شام واپس گئے۔ امام حسینؑ کا بیعت سے انکار سلطنت کے اقتدار کو بڑی سخت ٹھوکر تھی۔(۳)

۵۰ھ میں معاویہ بیماری کی وجہ سے بہت مایوس تھا کہ یزید کی خلافت تسلیم کرانے میں کتنی محنت ومشقت برداشت کرنا پڑی اور سب سے بڑھ کر اپنے ضمیر کی قربانی دی ہے جو روحانی تکلیف کا باعث تھی جس کا اظہار انہوں نے بصیغہ راز مروان سے کیا تھا جو اس طرح ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ ابن حجر مکی کی کتاب ''تطہیر الجنان واللسان''، جو انہوں نے معاویہ کے مناقب وفضائل میں تصنیف کی ہے وہ لکھتے ہیں:

> ایک روز معاویہ رونے لگے۔ مروان نے سبب دریافت کیا، انہوں نے
> جواب دیا کہ دنیا میں کون سی راحت تھی جو میں نے نہ اٹھائی ہو۔ اب سن زیادہ ہو

---

(۱) طبری، ج/۶، ص/۱۲۴　(۲) طبری، ج/۶، ص/۱۸۳　(۳) شہید انسانیت، ص/۱۶۲

گیااور ہڈیاں گھل گئیں اور جسم کمزور ہو گیا لیکن اگر مجھ پر یزید کی محبت کا غلبہ نہ ہوتا
تو میں اپنے لئے راہ راست حاصل کر لیتا۔(۱)

لیکن وہ یزید جس کے لئے انہوں نے یہ سب کیا تھا اپنے بوڑھے باپ کے آخر وقت پاس موجود نہ تھا۔ دمشق کے باہر مقام ''خوارمن'' پر رنگ رلیوں میں مصروف تھا۔(۲)

یزید کی ان عادات وصفات کا ذمہ دار بھی تو اس کا باپ معاویہ ہی تھا۔

''یزید کی ماں میسونہ بنت بجدل بن انیف کلبیہ'' (۳) ایک صحرائی عورت تھی جو شہری زندگی سے نفرت کرتی تھی مگر وہ اپنے حسن وجمال کی بدولت معاویہ کی بہت منظور نظر ہو گئی تھی۔ معاویہ نے اس کے لئے ایک بہت خوبصورت محل تعمیر کروایا تھا جہاں سے بہت خوبصورت مناظر دکھائی دیتے تھے۔ محل میں بہت سی کنیزیں تھیں۔ محل کی سجاوٹ میں سونے چاندی اور جواہرات کا کثرت سے استعمال کیا گیا تھا۔ پھر بھی یزید کی ماں خوش نہیں رہتی تھی۔ اس کو محل ایک قید خانہ محسوس ہوتا تھا۔ اس کو تو جنگل کی کھلی فضا میں گھومنا پسند تھا۔ ایک دن معاویہ کے محل میں آنے کا وقت تھا اور مسونہ ایک کھڑکی سے غوطہ (خوبصورت جگہ) کے مرغزاروں کو دیکھ رہی تھی، اس کو وہاں کے درخت نظر آرہے تھے جن پر طائر نغمہ گا رہے تھے پھولوں کی رنگینی اور خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر اسے اپنا گھر یاد آ گیا اور وہ رونے لگی ایک خواص (محل کی خاص خادمہ) نے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کچھ اشعار پڑھے جن کا مطلب تھا کہ اسے اپنی غریبانہ زندگی کی ہر چیز ان قیمتی سامان کی بنسبت زیادہ پسند ہے یہاں تک سوکھی روٹی کے ٹکڑے اپنی چھونپڑی کے کونے میں بیٹھ کر کھانا پسند ہے اور پہاڑوں کی ہواؤں کے تھپیڑوں کی آواز ان طبلوں کی آواز سے زیادہ پسند ہے اور وہ کتا جو مہمانوں کے آنے سے پہلے بھونکتا تھا ان سدھی ہوئی مرغابیوں سے زیادہ محبوب ہے اور وہ سرکش اونٹ جو ہودوں کو لے کر چلتا تھا مجھے اس زین ولجام سے آراستہ خچر سے زیادہ پسند تھا اور میرے قوم وقبیلہ کا ایک دبلا پتلا حقیر آدمی مجھے ایک بدخو مسٹنڈے سے زیادہ محبوب تھا۔

معاویہ نے میسون کے یہ کلمات کنیز کے ساتھ ہی خود بھی سنے اور کہا یہ مجھے بدخو مسٹنڈا کہتی ہے، مجھ کو

---

(۱) حاشیہ صواعق محرقہ، ص/۵۶، شہید انسانیت، ص/۱۶۲ (۲۔۳) طبری، ج/۶، ص/۱۸۳

پسند نہیں کرتی مارے غصہ کے اس کو تین بار طلاق دیتا ہوں۔ کہہ کر اس کو اس کے گھر واپس بھیج دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد یزید پیدا ہوا اور اس کی پیدائش کے وقت ہی میسون کا انتقال ہو گیا۔ جب معاویہ کو پتہ چلا کہ اس کا فرزند پیدا ہوا ہے اور اس کی ماں کا انتقال ہو گیا، تو وہ یزید کو اپنے پاس لے آیا اور اس کی پرورش اپنی نگرانی میں کرنے لگا۔ بیٹے کی محبت میں بیٹے کو ہر وہ کام کرنے دیتا جو وہ چاہتا تھا۔ غرض حرام، حلال حق و باطل میں فرق وہ ضروری نہیں سمجھتا تھا۔

اسی لئے جو قدم کبھی اس کے بزرگوں نے نہ اٹھائے تھے کہ کھل کر رسولؐ اور ان کی اولاد کے سامنے دشمنی کرتے وہ یزید نے کر دکھایا، یہ عمل اس کے لئے کوئی غلط نہ تھا کیونکہ وہ تو عادی تھا کہ اس کے عمل میں اگر کوئی بھی رکاوٹ پیدا ہو فوراً دور کرو چاہے اس کے لئے کتنے بے قصور لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنا پڑے۔ غرض، مغیرہ نے ولی عہدی کا فتنہ اس کے دماغ میں ڈال دیا جو اسے حاصل کرنا تھا۔

تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد یزید کے لئے عیش و آرام، مال و دولت، حشم وخدم کے تمام اسباب پہلے سے زیادہ فراوانی کے ساتھ مہیا تھے لیکن یہ بات اس کو پریشان کئے ہوئے تھی جو اس کے باپ بھی نہ پوری کر سکے تھے، ان چند آدمیوں کی بیعت کا لینا جن میں اہم شخصیت حسین بن علیؑ کی تھی۔

یزید کو اب یہ ضد ہو گئی تھی کہ ان اشخاص سے جلد از جلد بیعت حاصل کر لی جائے۔ اس کو سیاست سے کام لینا پسند نہ تھا وہ تو جو چاہتا تھا کھل کر کرتا تھا۔ معاویہ نے جب اپنی حالت غیر سمجھی کہ اب اس کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، موت کا فرمان کسی وقت بھی آ سکتا ہے، تو اس نے یزید کو بلوایا۔ جب اس کے آنے میں تاخیر ہوئی، تو اس نے اپنے خاص آدمی ضحاک بن قیس مہری اور اپنے پہرہ داروں کے سردار مسلم بن عقبہ کو بلا کر کہا کہ جب یزید آئے تو میری وصیت اس تک پہنچا دینا اور کہنا یہ میرا حکم ہے کہ وہ اہل حجاز کے ساتھ مراعات سے کام لے، جو لوگ وہاں سے دار السلطنت میں آئیں، ان کا اکرام و احترام کیا جائے اور جو وہاں کے اشراف اور بزرگ یہاں سے دور ہیں ان کی بھی وقتاً فوقتاً خبر گیری کی جاتی رہے اور اہل شام کو اپنا دست و بازو اور اپنا چشم و گوش بنائے رکھے اور انہیں شام کے صوبہ سے باہر زیادہ عرصہ تک نہ رکھا جائے تا کہ ان میں دوسرے مقامات کے اموی مخالف جراثیم سرایت نہ کریں۔ اس کے بعد یہ کہ مجھے اس کے خلاف صرف چار

آدمیوں سے خوف ہے اول حسینؑ ابن علیؑ دوسرے عبداللہ بن عمر، تیسرے عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور چوتھے عبد اللہ بن زبیر۔(۱)

اس وصیت سے صاف ظاہر ہے کہ آخر وقت بھی معاویہ کو یزید ہی کی فکر تھی، نہ اپنے اعمال وانجام کی فکر تھی نہ اپنی تکلیف کی فکر۔

یزید شکارگاہ میں تھا جب باپ کے مرنے کی خبر ملی تھی۔ جب وہ دمشق پہنچا اس وقت معاویہ دفن ہو چکا تھا۔ باپ کی بچھائی ہوئی مسند اس کے آنے ہی کی منتظر تھی۔ وہ تخت خلافت پر بیٹھا اور تمام شام والوں نے اس کی بیعت کر لی۔ سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ اپنے چچا زاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو جو مروان کی معزولی کے بعد اس زمانہ میں مدینہ کا حاکم تھا خط لکھا جس میں باپ کی وفات کے ذکر کے ساتھ ایک الگ پرچہ پر یہ مضمون لکھا کہ:

حسینؑ اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر کو بیعت پر سختی سے مجبور کرو اور بغیر بیعت لئے ہوئے انہیں ذرا سا بھی موقع نہ دو والسلام۔(۲)

ولید ابوسفیان کا پوتا اور معاویہ کا بھتیجا سہی لیکن ایسا لگتا ہے وہ ایک حد تک امام حسینؑ کی عظمت وشخصیت سے بظاہر متاثر تھا اور بے گناہوں کا خون بہانا پسند نہیں کرتا تھا اس لئے پریشان ہو گیا۔ اس نے مروان بن الحکم سے جو اس وقت مدینہ میں موجود تھا مشورہ کیا جب کہ ان لوگوں میں آپس میں کشیدگی تھی، آنا جانا ترک ہو گیا تھا۔

اس نے سوچا جو طرز عمل وہ اختیار کرنا چاہتا ہے اموی سیاست کے خلاف نہ ہو اور مروان اس کے خلاف جاسوسی یا چغل خوری کا کام انجام نہ دے کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کی شرارتوں کی وجہ سے رسول خداؐ نے اس کو اور اس کے باپ کو مدینہ سے باہر نکال دیا تھا۔

اس نے کہا کہ عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی تم کوئی فکر نہ کرو، وہ تو طالبِ خلافت ہوں گے نہیں۔ ہاں حسینؑ ابن علی او عبداللہ بن زبیر کو پابند بنانا ضروری ہے لہٰذا تم ابھی ان لوگوں کو بلوا بھیجو اور وفات

---

(۱) الاخبار الطّوال، شہید انسانیت/۱۶۶ (۲) طبری، ج/۶، ص/۱۸۸

معاویہ کی خبر پھیلنے سے قبل ہی ان سے بیعت یزید کو مطالبہ کرو اور اگر وہ بیعت نہ کریں تو قتل کر دو اس لئے کہ اگر انہیں معاویہ کے انتقال کی خبر ہوگئی پھر ہر ایک ایک طرف کھڑا ہو جائے گا اور اعلانیہ مخالفت کرنا اور خود اپنی طرف لوگوں کو دعوت دینا شروع کرے گا۔(۱)

ولید نے اسی وقت عبداللہ بن عمر بن عثمان کو جو ایک کمسن لڑکا تھا حسینؑ کو بلانے کے لئے بھیجا۔

ان لوگوں نے جب سنا تو آپس میں ذکر کیا کہ یہ وقت ولید کے بیٹھنے کا نہیں ہے، کیا سبب ہوسکتا ہے؟ امام حسینؑ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ ان کے ظلم کا دیوتا دنیا سے اٹھ گیا اور ہمیں اس وقت صرف بیعت کے لئے بلایا گیا ہے۔ بیعت نہ کرنے کی شکل میں قتل بھی کرسکتا ہے۔

امام حسینؑ اپنے مکان پر تشریف لے گئے اور اعزاء اور مخصوصین کو جمع کر کے ان کے ساتھ ولید کے دروازہ پر پہنچے۔ اصحاب سے فرمایا تم دروازے پر ٹھہرو اور میں اندر جاتا ہوں اگر میں تمہیں بلاؤں یا تم سنو کہ ولید کی آواز بلند ہوئی تو سب کے سب اندر چلے آنا اور اگر ایسا نہ ہو تو تم سب ٹھہرے رہنا یہاں تک کہ میں واپس آؤں۔(۲)

ولید نے خط پڑھ کر سنایا۔ غالباً وہی حصہ جس میں معاویہ کی وفات کا تذکرہ تھا۔ اس کے بعد بیعت یزید کا مطالبہ کیا۔

امام حسینؑ نے کہا: ''میرے ایسے شخص کی بیعت کو مخفی طور سے تو غالباً کافی نہ سمجھو گے، جب تک اعلانیہ بیعت نہ ہو اور عام طور سے لوگوں کو اس کا علم نہ ہو۔'' ولید نے کہا: ''بے شک۔'' آپ نے فرمایا: ''تو پھر مجمع عام میں وفات معاویہ کا اعلان کرو اور تمام لوگوں سے یزید کی بیعت لو، اسی وقت مجھ سے بھی کہنا تا کہ یکسوئی کے ساتھ اس کا فیصلہ ہو جائے۔''(۳)

''بہتر، آپ واپس جایئے اور سب کے ساتھ پھر آیئے گا۔''

مروان جو خاموشی سے بیٹھا صورت حال کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ بے اختیار بول اٹھا:

''ولید کیا غضب کرتے ہو؟ اگر حسینؑ تمہارے ہاتھ سے نکل گئے اور بیعت نہ کی تو پھر ایسا موقع حاصل نہ ہوگا۔ اگر بیعت نہ کریں تو قتل کر دو۔''

(۱۔۲) الاخبار الطّوال ص/۲۲۹، شہید انسانیت، ص/۱۶۶ (۲) طبری، ج/۶، ص/۱۸۹

یہ سن کر امام حسینؑ کو غصہ آ گیا اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ کیا مجال ہے تیری یا ولید کی جو مجھے قتل کرے۔غلط کہا تو نے اور بخدا گناہگار ہوا۔ یہ کہہ کر آپ باہر آئے اور اپنے اصحاب کی معیت میں گھر واپس تشریف لے گئے۔(۱)

مروان نے ولید کی شکایت یزید کو لکھ کر بھیجی۔ یزید نے ولید کو مدینہ کی گورنری سے ہٹا دیا اور عمر بن سعید الاشدق کو مدینہ کا گورنر مقرر کر دیا۔

یزید کا بیعت پر اصرار اور حسینؑ کا انکار

امام حسینؑ یزید کی بیعت کرنے کے لئے بالکل تیار نہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ نانا رسول خداؐ کے دور میں بنی امیہ اور اس طرح کے اکثر لوگ جو دبدبہ اور شکوہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے تھے ان کی نفسیاتی کیفیت وہی تھی جو ہر دبی ہوئی اور شکست خوردہ قوم کی ہوتی ہے یعنی نفرت اور دشمنی، غصہ، جذبہ انتقام اور اس کے ساتھ ساتھ ڈر جس کے نتیجہ میں وہ کھل کر اپنی عداوت کا اظہار تو نہ کر سکتے تھے مگر برابر موقعوں کے منتظر تھے کہ کس طرح ہم اسلام کو نقصان پہنچا دیں اور اگر اس کو ختم نہ کر سکیں تو کم از کم ان امتیازی خصوصیات کو تبدیل کر دیں جو اس نے قائم کئے ہیں اور جن سے ہمارے اقتدار کو صدمہ پہنچا ہے اور اسلام کے پردہ میں ہی ان حدود و امتیازات کو قائم کر دیں جو اسلام کے پہلے عرب میں قائم تھے۔

رسول خداؐ کی وفات کے بعد پچیس برس تک حضرت علیؑ میدان جنگ سے دور خاموشی کی زندگی گذار رہے تھے لیکن جب قوم کو آپ کی اشد ضرورت پڑی تو وہ جوق در جوق آنے لگے کہ اس وقت دنیا آپ سے ہدایت و اصلاح کی طالب ہے اور آپ گریز کرتے رہے مجبوراً ''حضرت علی علیہ السلام'' کو خلافت کی ذمہ داری اٹھانا پڑی۔ انہوں نے صاف کہہ دیا تھا: میں جو راستہ ٹھیک سمجھوں گا، اسی پر عمل کروں گا۔ لوگوں نے حامی بھر لی تھی کہ اس وقت کے حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ علیؑ جنگ تو کریں گے نہیں۔ یہ سب حالات امام حسینؑ دیکھ چکے تھے کہ ان کے پدر بزرگوار نے اس اصول کی سختی کے ساتھ پابندی فرمائی کہ جب تک فریق مخالف عملاً

---

(۱) طبری، ج/۶، ص/۱۸۹

جنگ کی ابتدا نہ کردے اس وقت تک تلوار نیام سے نہ نکالی جائے۔اتنے عرصہ میں بنی امیہ کی طاقت کافی مضبوط ہوگئی تھی۔

حضرت علیؑ کو قوت سے صفین میں برابر کی ٹکر کا سامنا کرنا پڑا۔اس کے بعد امام حسنؑ کو اس سے مقابلہ کرنے میں شدید خونریزی کے آثار نظر آئے جس کی وجہ سے آپ نے صلح کرنا بہتر سمجھا۔ بزرگوں کی سیرت میں نمونۂ اول، امن عالم کے لئے نقطہ اول صلح وسلامتی ہے۔ جنگ کا درجہ صلح کے بعد ہے اور صلح کے امکانات پیدا ہونے تک ہے۔ اس لئے رسول خداؐ کہتے تھے کہ صلح کے خیال کو جنگ کے پہلے اور جنگ کے دوران ہمیشہ نظر میں رکھنا چاہئے دشمن سے صلح کی گفتگو کو کبھی اپنی خودداری کے خلاف نہ سمجھنا چاہیئے، چاہے اس کے لئے قربانی بھی دینا پڑے مگر اس صلح کے اندر کوئی ایسا اصول بھی پامال نہ ہونے پائے جس کا محفوظ رکھنا اپنا مقدس فریضہ ہو۔یہی نمونہ حسینؑ نے اپنے نانا، والد اور بھائی حسنؑ کے کردار میں پایا تھا۔اس وقت صورت حال یہ تھی کہ ہزاروں آدمیوں کے ضمیر خریدے جاچکے تھے، بہت سے ثابت قدم لوگوں کے سر قلم کئے جاچکے تھے اور بہت سے لوگوں کو جیلوں میں بھرا جاچکا تھا اور جو باقی بچے تھے خوف ودہشت اور بددلی سے ادھر ادھر گھوم کر صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے۔ایسی صورت میں جنگ کرنے کا خیال کرنا بھی ٹھیک نہ تھا۔آپ کا مقصد جو یزید کے مقابلہ میں تھا، وہ مادی جنگ سے حاصل بھی نہیں ہوسکتا تھا،اس لئے امام حسینؑ نے اپنی جنگ کا انداز ہی بدل دیا۔

سب سے پہلے حسینؑ نے یہ نمونہ پیش کیا کہ ان کی طاقت کا مقابلہ اپنے کردار سے کریں، اقتدار کا مقابلہ صبر وہمت سے کریں، اکثریت کا مقابلہ قلت سے اور ظلم کا مقابلہ مظلومیت کے ساتھ کریں، ایسی جنگ جس کا مشاہدہ دنیاوالوں نے اس سے پہلے کبھی نہ کیا ہو۔

امام حسینؑ ابن علیؑ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ اس وقت تعلیمات اسلام پر ایسا غلاف چڑھ گیا ہے جس سے آئندہ صدیوں تک آنے والی نسلوں کو پتہ بھی نہ چلے گا کہ حقیقتاً وہ تمدن، وہ آئین معاشرت اور وہ نظام زندگی کیا تھا جسے پیغمبر اسلام محمد مصطفیؐ نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔

امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کرتے ہوئے یہ تہیہ کرلیا تھا کہ ہم اپنے ایسے کرداروں کو پیش

کریں گے جس سے انسانیت کی نگاہ فریق مخالف کے بنائے ہوئے اونچے مناظر اوران کے قصروں اور میناروں سے ہٹ کر اسلامی اصولوں کی برق تجلی میں گم ہو جائے، عمل کی وہ معراج آنکھوں کے سامنے آئے کہ نظر اٹھتے ہی سب سے پہلے اسی پر جا پڑے اور اسی کی چمک دمک کو تعلیمات اسلام کا پیغام سمجھے۔

دوسرے لفظوں میں امام حسینؑ دنیا والوں کو بتانا چاہتے تھے کہ حکومت وشہنشاہیت اور ہے اور اسلامی تمدن وتہذیب اور اس کے اصول اور ہیں۔ وہ جماعت جو اس وقت تعلیمات اسلام کو اپنے مفاد کی خاطر نیا موڑ دے کر برباد کر رہی تھی اور اپنے چہروں پر رسمی اسلام کی نقاب ڈالے ہوئے انسانیت کو گمراہ کر رہی تھی، جس سے انسانیت غفلت میں تھی، امام حسینؑ نے انہیں بیدار کرنے کیلئے اس مقابل جماعت کے چہروں سے نقاب کو اتار کر پھینکنے کا ارادہ کرلیا تھا کہ اس کے پیچھے کیسے لوگ چھپے ہوئے ہیں، ان کو اسلام سے حقیقتاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

اگر امام حسینؑ جنگ کے ذریعہ یزید کی طاقت کو شکست دیتے تو پھر دنیا اس چیز کو نہ سمجھتی کہ حقانیت اور حکومت دو الگ چیزیں ہیں۔ حسینؑ کی فتح تو ایسی ہی فتح ہوتی جو دو بادشاہوں کے بیچ کی فتح ہوتی ہے اور دنیا والے اسلام کی حقیقت کو نہ پہچان پاتے۔

اس لئے حسینؑ بن علیؑ نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے وہی راستہ چنا اور اسی پر چلے۔ اس راستے میں خطرہ بہت تھا مگر آپ اس راستے میں موت کے استقبال پر ہمیشہ سے تیار رہتے تھے۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ نے کہا ہے اس شب کو حضرت اپنی دولت سرا میں رہے۔ وہ شب شنبہ ستائیسویں رجب ۶۰ھ ہجری تھی۔ ولید نے ابن زبیر سے بھی بیعت یزید کے لئے تاکید کی۔ اسی شب ابن زبیر مدینہ سے نکل کر مکہ معظّمہ کو روانہ ہوا۔ صبح ہوئی تو ولید کو خبر پہنچی۔ اس نے بنی امیہ میں سے ایک شخص کو اسی ہزار سوار دے کر ابن زبیر کے تعاقب میں بھیجا۔ عبداللہ ابن زبیر چونکہ غیر مشہور راہ سے گیا تھا، ہر چند اس کی تلاش میں سرگرداں ہوئے نہ پایا، اور پھر آئے۔ جب آخر روز شنبہ ہوا۔ ولید نے ایک شخص کو حضرت کی خدمت میں بھیجا اور امر بیعت کی تاکید کی، فرمایا: ''صبر کر آج کی شب اس امر میں فکر کروں۔'' ولید نے ایک شب کی مہلت دی۔ حضرت اسی شب کو شب یکشنبہ اٹھائیسویں رجب کی تھی مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ کی طرف چلے اور اپنے فرزند اور بھائی بھتیجوں کو اور اپنے خواہران محترم اور اہل بیت اطہار کو ساتھ لئے ہوئے گئے۔(۱)

(۱) بحار الانوار، ملا محمد باقر مجلسیؒ، ج/۱،۲،ص/۱۴۷

محمد بن ابوطالب موسوی نے کہا: اس شب دولت سرا سے روضہ رسول اللہؐ پر امام حسینؑ گئے اور کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا الْحُسَيْنُ ابْنُ فَاطِمَة فَرْخُکَ وَابْنَ فَرْخُکَ وَسِبْطُکَ الَّذِیْ خَلَقْنِیْ فِیْ اُمَّتِکَ فَاشْهِدْ عَلَيْهِمْ يَا نَبِیَ اللّٰهِ اِنَّهُمْ قَدْ ضَيَّعُوْنِیْ وَخَذَلُوْنِیْ

میں حسینؑ ہوں آپ کا نواسہ، آپ مجھ کو اپنی امت کو امانتاً سپرد کر گئے تھے اور خلیفہ و جانشین اپنا بنا گئے تھے۔ آپ گواہ رہیں کہ انہوں نے میری نصرت و یاوری نہ کی اور مجھے تنہا چھوڑ دیا اور میری حرمت کی مطلق رعایت نہ کی۔ یہ شکایت آپ سے ہے جب تک میں آپ سے ملاقات کروں۔

یہ فرما کر حضرت مشغول نماز ہوئے اور صبح تک اپنے جد بزرگوار کے مرقد منورہ پر عبادت میں مصروف رہے۔(۱)

اسی شب ولید نے ایک شخص کو حضرت کے دولت سرا پر بھیجا تا کہ دیکھے کہ حضرت مدینہ منورہ سے کوچ کر گئے یا نہیں۔ اس نے حضرت کو گھر میں نہ پایا، تو ولید کو خبر دی کہ حضرت گھر پر تشریف نہیں رکھتے۔

ولید نے سن کر کہا، میں شکر خدا ادا کرتا ہوں کہ حضرت شہر سے کوچ کر گئے اور میں ان کے خون میں آلودہ نہ ہوا۔

جب صبح ہوئی تو امام حسینؑ اپنے گھر تشریف لائے اور شام کو پھر روضہ رسول اللہؐ پر وداع کو گئے فرمایا:

خداوند! یہ قبر تیرے پیغمبر کی ہے اور میں تیرے پیغمبر کا نواسہ ہوں۔ مجھے جو امر در پیش ہوا ہے، تو اسے خوب جانتا ہے۔ خداوند! میں نیک باتوں کو دوست رکھتا ہوں، بری باتوں کو دشمن رکھتا ہوں، سوال کرتا ہوں تجھ سے اے صاحب جلال واکرام بحرمت قبر صاحب قبر کے میرے لئے وہ چیز اختیار کر، جس میں تیری اور تیرے رسول کی خوشی ہو۔

یہ فرما کر حضرت تا صبح تضرع وزاری اور مناجات درگاہ باری تعالیٰ میں مشغول رہے۔ جب طلوع صبح کا وقت نزدیک ہوا۔ حضرت نے اپنا سر مبارک اپنے جد بزرگوار کی ضریح مقدس پر رکھا، اس وقت امام مظلوم کو

(۱) بحارالانوار، ملا محمد باقر مجلسیؒ، ج/۲،۱، ص/۱۴۹

نیند آ گئی ۔خواب میں دیکھا کہ جناب رسالت مآب تشریف لائے ہیں۔اور بے شمار ملائکہ احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ پیغمبر خداؐ نے حسینؑ کو اپنے سینے سے لگایا۔اور پیشانی پرنور کے بوسے لئے اور فرمایا:

اے حبیب میرے: اے حسینؑ شہید! قریب ہے کہ صحرائے کربلا میں تیرا سر بدن سے جدا کریں گے اور تو اپنے خون میں اس گروہ کے نرغہ میں لوٹ رہا ہوگا۔ جو یہ دعویٰ کریں گے کہ وہ میری امت سے ہیں تو اس وقت پیاسا ہوگا وہ اشقیا تجھ کو پانی نہ دیں گے، باوجود اس ظلم کے مجھ سے امید شفاعت رکھیں گے حق تعالیٰ ان کو بروز قیامت میری شفاعت سے محروم رکھے۔اے حبیب میرے حسینؑ! باپ تمہارے علی مرتضیٰؑ اور ماں تمہاری فاطمہ زہراؑ اور بھائی تمہارے حسن مجتبیٰؑ میرے پاس آئے اور تمہاری ملاقات کے مشتاق ہیں۔اے فرزند دلبند تیرے لئے بہشت میں منازل اور مراتب ہیں جن کو بغیر حصول شہادت حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت امام حسینؑ نے حالت خواب از روئے تضرع وزاری بہ نگاہ حسرت اپنے جدامجد کی طرف دیکھ کر استدعا کی!

یَاجَدَّاہُ حَاجَتُہُ لِیُ نِیُ الرجوع اِلیٰ الدُّنُیَا خَدنِی اِلَیُکَ وَاَدُخِلُنِیُ مَعَکَ نی تَبَرَّکَ

اے نانا مجھے دنیا میں جانے کی حاجت نہیں ہے، مجھے اپنے ساتھ قبر میں لے لیجئے۔

جناب رسالت مآب رسولؐ خدا نے یہ کلام جگر خراش سن کر فرمایا:

اے فرزند! بغیر دنیا کے چارہ نہیں ہے مرتبہ شہادت پر فائز ہوکر سعادت ابدی حاصل کرو، اورتم مع اپنے باپ، ماں اور چچا جعفر طیار وحضرت حمزہ کے ایک جگہ بروز قیامت محشور ہوگے اور ساتھ ہی بہشت میں داخل ہوگے۔(۱)

امام حسینؑ نے جو خواب میں دیکھا تھا وہ اپنے عزیز اہل بیت اطہار ؑ کے درمیان میں بیان کیا سب نے سن کر گریہ کیا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت سید الشہدؑاء نے مکہ معظّمہ کے سفر کا تہیہ کیا۔رات بھر مزاروں سے وداع ہوتے رہے۔صبح کے وقت گھر تشریف لائے اور قصد سفر کیا۔اس وقت محمد بن حنفیہ حضرت

(۱) بحارالانوار، ملامحمد باقر مجلسیؒ، ج/۱،۲،ص/۱۴۸

امام حسینؑ کی خدمت میں آئے اور حال سن کر رونے لگے۔حضرت بھی کچھ ساعت تک ان کے ساتھ روتے رہے پھر فرمایا:

اے برادر! خداتم کو جزائے خیر دے۔تم نے مجھ کونصیحت کی اور جوحق خیر خواہی تھا،ادا کیا۔اب میں نے مکہ معظّمہ کا عزم کیا ہے۔اپنے بھائی بھتیجوں اور شیعوں کوجن کا کام میرا کام ہے،اوران کی رائے میری رائے ہے اپنے ساتھ لئے جاتا ہوں اگر تمہیں منظور ہوتو مدینہ میں رہ کر حالات کا جائزہ لیتے رہواور جوکچھ روداد یہاں کی ہو مجھے لکھا کرو۔

اس کے بعد امام حسینؑ نے ایک وصیت نامہ لکھا۔

اہل مدینہ کیلئے امام حسینؑ کی وصیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''میرے بھائی محمد کی طرف (جومعروف بہ ابن حنفیہ ہیں) بتحقیق حسینؑ گواہی دیتا ہے کہ محمدؐ رسول اللہ اور بندہ خدا ہیں بحق وراستی ہدایت خلق کے لئے مبعوث ہوئے اور گواہی دیتا ہوں کہ بہشت ودوزخ حق ہے اور بے شک قیامت آنے والی ہے۔حق تعالیٰ روز قیامت سب کو قبروں سے محشور کرے گا۔بہ تحقیق کہ میں از راہ طغیان وفساد سفر نہیں کرتا بلکہ اس لئے عازم سفر ہوا ہوں کہ جد بزرگوار کے امت کی اصلاح ،نیک بات کا امر کروں،افعال بد سے منع کروں،اپنے جد بزرگوار سیدالانبیاء اور اپنے پدر عالی مدار سیدالاوصیاء کی سیرت پر عمل کروں۔جوشخص میرا حکم قبول کرے گا،حق تعالیٰ اسے جزائے خیر عطا کرے گا۔جوانحراف کرے گا میں صبر کروں گا جب تک کہ خدا میرے اوراس گروہ کے درمیان بحق وراستی حکم کرے گا اور خدااحکم الحاکمین ہے۔

اے برادر! یہ میری وصیت ہے اور خدا کے علاوہ کوئی توفیق دینے والانہیں اوراسی پر توکل اوراسی کی جانب بازگشت ہے۔(۱)''

اس کے بعد امام حسینؑ نے وصیت نامہ محمد بن حنفیہ کو دیا اور وداع ہو کر سفر شروع کیا اور روز جمعہ تیسری شعبان کو داخل مکہ معظّمہ ہوئے۔جب اہل مکہ نے اوران لوگوں نے جواطراف وجوانب سے عمرہ کو

(۱)بحارالانوار،ج/۱۔۲،ص/۱۵۴

آئے تھے، حضرت کے تشریف فرما ہونے کی خبر سنی، ہر صبح شام لوگ ملنے کے لئے آنے لگے۔ عبداللہ ابن زبیر اس وقت مکہ میں موجود تھا اور اکثر ملاقات کو حاضر ہوتا تھا، یہاں تک کہ کبھی دو دو دن متواتر حاضر ہوتا تھا اور کبھی دو دن میں ایک مرتبہ اور حضرت کے تشریف لانے سے بظاہر خوشی کا اظہار کرتا، لیکن باطن میں حضرت کے آنے سے راضی نہ تھا، اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ جب تک حضرت مکہ میں تشریف فرما ہیں، کوئی شخص اہل حجاز سے میری بیعت نہ کرے گا۔ کیونکہ آپ جلیل القدر ہیں اور لوگوں کے دل ان کی طرف راغب ہیں۔

جب اہل کوفہ کو خبر ملی کہ معاویہ کا انتقال ہو گیا، اور امام حسینؑ بیعت یزید سے انکار کر کے مکہ معظّمہ تشریف لائے ہیں، ابن زبیر بھی بیعت یزید سے تخلف کر کے مکہ معظّمہ آیا ہے تو شیعیان کوفہ سلیمان ابن صرد خزاعی کے گھر میں جمع ہوئے اور حمد و ثنائے الٰہی بجالائے پھر وفات معاویہ اور بیعت یزید کا ذکر ہوا۔

سلیمان نے کہا: ہم سب ان کے اور ان کے پدر بزرگوار کے شیعہ و ہوا خواہ ہیں۔ اگر مناسب جانو اور راہ مستقیم پر ہو تو سب ان کی نصرت کریں اور ان کے دشمنوں سے جہاد کریں اور جان اور مال سے ان کی مدد کریں اور اس مضمون کا ایک عریضہ حضرت کو لکھ کر طلب کریں۔ اگر تم میں ہمت نہیں ہے تو انہیں فریب نہ دو۔

سب نے ایک زبان ہو کر کہا جب حضرت تشریف لائیں گے، ہم سب خاطر ہوں گے۔ بہ کمال اخلاص و اطاعت بیعت کریں گے اور ان کی نصرت میں دشمنوں سے جنگ کریں گے اس طرح عریضہ حسین ابن علی صلوٰۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ نامہ ہے حضرت امام حسینؑ ابن علی کی خدمت میں سلیمان بن صرد اور مسیّب بن نجبہ اور دفاعہ ابن شداد بجلی اور حبیب ابن مظاہر اور مومنین و دیگر مسلمین کی طرف سے، ہمارا سلام آپ پر! حمد اس خدا کی جس نے آپ کے ایسے دشمن جبار اور معاند کو ہلاک کیا، جو بغیر رضائے امت حاکم ہوا تھا اور بہ ظلم و ستم فرمانروائے خلائق تھا، اموال مردم بناحق اپنے تصرف میں لایا، بندگان پارسا کو قتل کیا، بدوں کو نیکوں پر مسلط کیا، اموال خلائق کو بناحق مالداروں اور جابروں پر تقسیم کیا۔ آپ مطلع ہوں کہ ہم سوا آپ کے کوئی امام و پیشوا نہیں رکھتے۔ امیدوار ہیں کہ آپ ہماری طرف توجہ فرما کر تشریف لایئے۔ ہم سب آپ کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ شاید حق تعالیٰ آپ کی

برکت سے حق کو ہمارے ہاتھ پر ظاہر فرمائے۔نعمانؔ ابن بشیر (حاکم کوفہ) بہ نہایت ذلت وخواری قصرالامارہ میں ہے۔اس کی جمعہ وجماعت میں ہم نہیں جاتے اور نہ بروزعیداس کے پاس جانے کے۔جس وقت حضرت کی خبرروانگی ہم کو پہنچے گی،انشاءاللہ تعالیٰ ہم اس کوشہرکوفہ سے نکال دیں گے تاکہ اہل شام سے جاکرملحق ہو۔(۱)

خط کوعبداللہؔ ابن مسمع ہمدانی اورعبداللہؔ بن وال کے ہاتھ امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا اور دونوں کوتاکید کی کہ اس نامہ کو بہت جلد پہنچانا۔چنانچہ دسویں تاریخ ماہ مبارک رمضان کومکہ معظّمہ میں پہنچ کر نامہ حضرت کودیا۔

عبداللہؔ بن مسمع وابن دال کی روانگی کے بعدقیسؔ ابن مسہرصیدادی اورعبداللہؔ بن شدادارجی اورعمارؔہ بن عبداللہ سلونی کوروسائے کوفہ نے ڈیڑھ سونامے دے کرحضرت کے پاس روانہ کیااور ہرنامہ کوایک یادویا چارشخصیتوں نے شریک ہوکرلکھاتھا۔سیدابن طاوؤسؒ نے لکھاہےاگرچہ اس قدرنامےاہل کوفہ کےحضرت کو پہنچےلیکن تامل فرماتے تھےاور جواب نہ لکھتے تھے یہاں تک کہ ایک دن میں چھ سوخط پہنچےاس کے بعدمسلسل خطوط آتے رہے یہاں تک کہ چندروز میں بارہ ہزارنامےاہل کوفہ کےحضرت کے پاس جمع ہوگئے۔اس کے بعدشیثؔ ابن ربعی اورحجازؔ ابن حجراور یزیدؔ ابن حارث اورعرؔوہ بن قیس اورعمرانؔ ابن حجاج زبیدی اورمحمؔد ابن عمر التیمی نے بھی اس مضمون کے خط لکھے ملاحظہ ہو۔

> امابعد! بہ تحقیق کہ صحرااور بیابان نہایت سبزوخرّم ہیں اور درخت میووٴں سے باروَر گیاہ تر روئیدہ ہے،درختوں میں برگہائے تازہ نکلے ہیں اگرآپ یہاں تشریف لائیں تولشکرعظیم اورفوج کثیرآپ کی نصرت وامداد کے لئے مہیا وحاضر ہے۔شب وروزآپ کی تشریف آوری کاانتظار ہے۔سلام خدااوررحمت وبرکت آپ پراورآپ کے پدربزرگوارپر۔(۲)

کوفہ والوں کے خطوط کاجواب اورمسلمؑ کی روانگی

جب کافی خطوط امام حسینؑ ابن علی کے پاس جمع ہوگئےتوایک نامہ ابن ہانیؔ اورسعیؔد بن عبداللہ کے

(۱)بحارالانوار،ملامحمد باقرمجلسیؒ،ج/۲،۱،ص/۱۵۵

(۲)بحارالانوار،ملامحمد باقرمجلسیؒ،ج/۲،۱،ص/۱۵۶

ہاتھ جوسب کے بعد کوفہ سے آئے تھے، جانب کوفہ روانہ کیا۔اس کا مضمون اس طرح تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یہ نامہ ہے حسین بن علی کی طرف سے شیعیان کوفہ کے نام

امابعد! تمہارے بے شمار خط پہنچے اور ہانی وسعید سب نامہ بروں کے آخر میں تمہارے نامے لائے۔مضمون سے مطلع ہوا تم نے لکھا ہے کہ امام اور پیشوا نہیں رکھتے ،جلد ہمارے پاس آیئے ،شاید حق تعالیٰ ہم کو آپ کی برکت سے حق وہدایت پر مجتمع کرے بہ موجب تمہاری طلب کے اپنے بھائی معتمد و پسر عم مسلم ابن عقیل کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں ۔اگر مسلم مجھے لکھ بھیجیں کہ رائے تم سب کی متفق ہے میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد تمہارے پاس آتا ہوں ،قسم ہے اپنی جان کی کہ امام نہیں مگر وہ شخص جواز روئے کتاب خدا حکم دے اور رعایا سے عدل کرے شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باہر قدم نہ رکھے

''والسلام''

پس حضرت نے مسلمؑ بن عقیل کو قیس ابن مسہر صیداوی اور عمارۃ ابن عبداللہ سلونی اور عبدالرحمٰن ابن عبداللہ ازدی کے ساتھ بیعت اہل کوفہ کے لئے رونہ کیا اور فرمایا: تقویٰ اور پرہیز گاری کو اپنا شعار بنانا ، اعدائے دین سے امر بیعت کو مخفی رکھنا ، ہر ایک سے بہ حسن تدبیر و مدارات بیعت لینا۔اگر اہل کوفہ میری بیعت پر اتفاق کریں تو جلد مجھے لکھ بھیجنا۔

حضرت مسلمؑ امام حسینؑ سے وداع ہو کر مدینہ منورہ تشریف لائے۔مسجد مدینہ میں نماز پڑھی ، روضۂ رسول اللہؐ کی زیارت کر کے دولت سرا تشریف لائے۔اپنے خویش واقرباء اور دوستان باوفا کو وداع کیا اور دو شخص راہبر قبیلہ قیس سے ہمراہ لے کر جانب کوفہ روانہ ہوئے۔وہ لوگ راستہ بھول گئے جس کی وجہ سے ان کے ساتھ جتنا پانی تھا ختم ہو گیا اور پیاس کا غلبہ چھانے لگا اور بہت تھک گئے تب ان راہبروں کو نشان راہ ملا انہوں نے حضرت مسلم کو سیراب کیا اور خود شدت تشنگی سے ہلاک ہو گئے۔حضرت مسلم نے بعد مشقت بسیار موضع مضیق میں پہنچ کر پانی پایا۔وہاں سے ایک عریضہ امام حسینؑ کی خدمت میں لکھا اور اپنا سب حال اور ان

دو شخصوں کے مرنے کی خبر تحریر کی، اور لکھا کہ میں ابتدائے سفر میں اس واقعہ کو فال نیک نہیں جانتا۔ اگر حضرت مناسب جانیں تو مجھے اس سفر سے باز رکھیں میرے عوض کسی اور کو بھیجیں۔ حضرت نے جواب میں لکھا: مجھے ڈر ہے کہ تم نے کہیں بزدلی اور خوف جان کی وجہ سے اس سفر سے منہ نہ موڑا ہو۔ میں نے جس طرف جانے کو تم سے کہا ہے بے تامل چلے جاؤ۔

جب حضرت مسلم کوفے میں پہنچے تو مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر میں قیام کیا، جس کو اب خانۂ مسلم ابن مسیّب کہتے ہیں۔ اہل کوفہ نے حضرت مسلم کے آنے کی خبر سن کر مسرت کا اظہار کیا اور جوق در جوق آپ کی خدمت میں آنے لگے۔ جب بہت سے لوگ جمع ہو گئے تو حضرت مسلم نے آپ کا خط سب کے روبرو پڑھ کر سنایا۔ سب اسے سن کر رونے لگے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے، یہاں تک کہ اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰) اہل کوفہ نے حضرت مسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس وقت حضرت مسلم نے ایک عریضہ حضرت امام حسینؑ کو لکھا کہ اتنے لوگ آپ کی بیعت کر چکے ہیں۔ اگر آپ اس طرف روانہ ہوں تو مناسب ہے۔

نعمان ابن بشیر جو معاویہ کی طرف سے حاکم کوفہ تھا جب اس کو خبر ہوئی تو مسجد کوفہ کے منبر پر آ کر کہنے لگا:

> بندگان خدا! خدا سے ڈرو اور دیدہ و دانستہ فساد نہ کرو اور قتل مردم و خونریزی اہل اسلام اور تجارت اموال کا باعث نہ بنو۔ جو شخص مجھ سے برسر جنگ نہیں ہے میں بھی اس سے جنگ نہیں کرتا۔ جب تک تم آرام میں ہو تم کو شورش میں نہیں لاتا۔ تہمت و گمان کی بنا پر میں کسی کو عقوبت نہیں کرتا۔ اگر تم خروج کرو گے میرا سامنا کرو گے، اور بیعت توڑ کر اپنے امام کی مخالفت کرو گے تو قسم ہے خدا کی تلوار کو میان سے نکالوں گا اور جب تک قبضۂ شمشیر میرے ہاتھ میں ہے جنگ و جدل سے باز نہ رہوں گا، چاہے تم میں سے کوئی بھی میری نصرت و یاری نہ کرے، امید رکھتا ہوں کہ حق شناس زیادہ ہوں گے بہ نسبت مفسدوں کے۔

یہ سن کر عبداللہ ابن مسلم ابن ربیعہ حضرمی جو بنی امیہ کا حلیف تھا اٹھ کر کہنے لگا:

> اے نعمان ابن بشیر! یہ بات جو تو نے کہی اس سے رفع شر نہیں ہوتا یہ تو کمزوروں اور لاچاروں جیسا کلام ہے۔

نعمان نے کہا:

اگر میں ضعیف ہوکر اطاعت خدا میں رہوں، میرے نزدیک بہتر ہے۔اس بات سے کہ میں غالب ہوں اور معصیت خدا کروں یہ کہہ کر نعمانؔ منبر سے اتر آیا۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص بنی امیہ کے حلیف عبداللہ بن مسلم حضرمی نے یزید کو یہ نامہ لکھا کہ مسلم بن عقیل لوگوں سے امام حسینؑ کے لئے بیعت لے رہے ہیں۔اگر تو چاہتا ہے کہ کوفہ تیرے تصرف میں رہے تو کسی اور شخص کو حاکم کر کے بھیج جو مثل تیرے دشمنوں سے مقابلہ کرے، کیونکہ نعمانؔ مرد ضعیف ہے اور تاب مقاومت نہیں رکھتا دیدہ ودانستہ سستی کرتا ہے۔عمرؔ ابن سعد اور دیگر اشقیا نے بھی اس مضمون کے نامے لکھے جب یزید مطلع ہوا، تو سرحونؔ غلام معاویہ سے مشورہ کیا کہ کس شخص کو کوفہ کا حاکم کروں؟ سرحونؔ نے کہا: میرے نزدیک مناسب ہے کہ ابن زیادؔ کو حاکم کوفہ کرو کیونکہ وہاں کی آتش فتنہ وفساد سوائے اس کے کوئی نہ بجھا سکے گا۔

یزید ابن معاویہ عبیداللہؔ بن زیاد سے رنجیدہ تھا اس لئے اس نے منع کر دیا۔مگر سرحونؔ نے کہا:

اے یزید! معاویہ کی رائے کیسی جانتا ہے؟ اگر وہ زندہ ہوتے ان کی رائے کو پسند کرتا، یزید نے کہا: میں ان کی رائے کو مستحکم جانتا ہوں، سرحون نے معاویہ کا نوشتہ نکال کر دیکھایا اس میں لکھا تھا کہ اے یزید جب تو خلیفہ بننا تو عبیدہ بن زیاد کو کوفہ وبصرہ کا گورنر بنانا۔

یزید اس وقت تک ابن زیاد سے خفا تھا کیونکہ کا اس خیال تھا کہ شاید معاویہ کے بعد بجائے میرے یہ خود خلافت کا امیدوار تھا اس لئے اس کا ابتک ارادہ تھا کہ وہ بصرہ کی حکومت سے بھی ابن زیاد کو معزول کر دے گا۔(۱)

اس طرح یزید نے معاویہ کی اس تحریر کے مطابق ابن زیاد کے نام خط لکھا کہ:

مجھے میرے شیعوں نے کوفہ سے خطوط لکھے ہیں کہ وہاں پسر عقیل نے آکر لشکر جمع کرنا

(۱) طبری، ج/۶، ص/۱۹۴

شروع کر دیا ہے تا کہ مسلمانوں میں تفرقہ اور فساد پیدا ہو تم اس خط کے پہنچنے
کے ساتھ ہی ادھر روانہ ہو اور مسلم کو قبضہ میں لا کر قید کرو، قتل کرو یا نکال دو۔
والسلام(۱)

زیاد ابن ابیہ کی کوفہ کی حکومت

زیاؔد ابیہ کا بیٹا تھا اور معاویہ کا بھتیجا تھا یہ پورا خاندان ہی وہ تھا جس پر حیلہ وفریب کا خاتمہ تھا۔ چنانچہ سب سے پہلا کام ابن زیاؔد نے یہ کیا کہ اپنی نقل وحرکت کو بالکل صیغۂ راز میں رکھا اور دوسرے دن وہ شقی روانۂ کوفہ ہوا اور اپنے بھائی عثمان کو بصرہ میں چھوڑ گیا اور مسجد میں ایک تہدید آمیز تقریر کی جو اس طرح تھی۔

اس میں اعلان کیا کہ اگر تم میں سے کسی نے ذرا بھی مخالفت کی تو میں اسی کو نہیں بلکہ اس کے ورثا کو بھی قتل کر دوں گا اور آس پاس کے آدمیوں اور خطا کار کے ساتھ بے خطا کو بھی سزا دینے میں کمی نہ کروں گا۔(۲)

شیخ مفید نے روایت کی ہے کہ جب ابن زیاد کوفہ میں داخل ہوا تو مسلّم بن عمر باہلی اور شریؔک ابن اعور حارثی اور غلام وخدمت گار اس کے ہمراہ تھے، سر پر سیاہ عمامہ رکھے ہوئے، منہ کو چھپائے ہوئے تھا۔ اہل کوفہ کو خبر روانگی امام حسینؑ مل چکی تھی۔ حضرت کے آنے کے منتظر تھے۔ جب اہل کوفہ نے اس ملعون کو دیکھا تو گمان کیا کہ حضرت امام حسینؑ ہیں، پس جس گروہ کی طرف سے اس ملعون کا گذر ہوا سب نے بہ کمال ادب سلام کیا۔ اور کہتے تھے: فرزند رسولؐ!' آپ نے اپنے قدم مبارک سے ہم کو سرفراز کیا اور اظہار فرح وشادمانی کرتے تھے اور وہ اہل کوفہ کی باتیں سن سن کر غیظ میں آتا تھا۔ تا انکہ مسلّم ابن عمر نے با آواز بلند کہا: خدا تم کو غارت کرے، دور ہو یہاں سے، یہ عبد اللہ ابن زیاد ہے۔ جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا، تو سب پراگندہ ہو گئے، شب کو وہ مردود دار الامارۃ کے پاس پہنچا۔ نعماؔن بن بشیر نے قصر کا دروازہ بند کر لیا۔ بالائے قصر سے سامنے آیا نعماؔن کو بھی یہ گمان ہوا کہ امام حسینؑ تشریف لے آئے ہیں۔ نعمان نے کہا اے فرزند رسولؐ! میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں آپ چلے جائیے اور مجھ سے معترض نہ ہوئیے! جو کچھ یزید نے مجھے سپرد کیا ہے تا مقدور میں نہ دوں گا۔ اور نہ آپ سے جنگ کروں گا۔ ابن زیاؔد، نعماؔن ابن بشیر کا کلام سنتا تھا اور جواب نہ دیتا تھا۔ اس کے بعد ابن

(۱) ارشاد، ص/۲۱۲ (۲) الاخبار الطّوال، ص/۲۳۴

زیادقصر کے قریب گیااورنعمانؑ نے کنگرہائے قصر سے سر جھکایا۔ابن زیادؑ نے کہا:اے نعمانؑ! دروازہ کھول،خدا دررحمت تجھ پر نہ کھولے کیونکہ رات بہت گذر چکی ہے پس ایک شخص نے یہ سن کر اہل کوفہ سے کہا: لوگو!قسم بخدائے یگانہ یہ ابن مرجانہ ہے پس نعمانؑ نے دروازہ کھول دیا۔ابن زیادؑ داخل قصر ہوااور دروازہ بند کرلیا۔(۱)

مسلم بن عمرو باہلی نے کہا کہ یہ امیر عبیدؑ اللہ بن زیاد ہیں۔(۲)

نہ معلوم ان الفاظ میں کون سا اثر تھا کہ بڑھتے ہوئے قدم اور اٹھتے ہوئے ہاتھ اورمسرت آمیز ترانے سب موقوف ہو گئے ایک سناٹا تھا جو چھا گیا اور سارا مجمع تتر بتر ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب ابن زیادؑ دارالامارہ میں پہنچا تو دس آدمیوں سے زیادہ اس کے ساتھ نہ تھے۔(۳)

دوسرے دن صبح ہوئی تو منادی نے ندا کی کہ اہل کوفہ جمع ہوں جب لوگ جمع ہوئے اور وہ ملعون نکلا اورمنبر پر بیٹھ کرایک خطبہ پڑھااور بعد خطبہ کہا کہ یزید نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم کیااورتمہارے ملک کو میرے سپرد کیا تا کہ مظلوموں کی مدد کروں اور جولوگ مستحق ہیں ان کا حق پہنچاؤں، جولوگ تم میں سے خلیفہ کے مطیع وفرمانبردار ہوں ان پر مثل پدر مہربان کے احسان کروں،اس کے مخالفوں کی بزور شمشیر تادیب کروں۔ ایہاالناس!اس کی مخالفت وعقوبت سے حذر کرو۔ یہ کہہ کرمنبر سے اترااور روسائے قبائل کو بلاکر بہت تاکید کی کہ جوشخص تمہارے زعم میں تمہارے محلّہ اورقبیلہ سے یزید کا مخالف ہولازم ہے کہ اس کا نام بتادو۔اگرکوئی ایسا شخص تمہارے محلّہ یا قبیلہ سے بعد کو نکلا جو یزید کا مخالف ہواورتم نے مجھے اس کے حال سے مطلع نہ کیا تو تمہارا خون اور مال حلال ہو جائے گا۔

محلّہ میں کوئی متنفس بھی حاکم شام کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوگا اور اس کے خلاف ظاہر ہوا تو اس مختارمحلّہ کوفوراًاس کے گھر کے دروازے پرسولی دی جائے گی اوراس کے خاندان سے ہمیشہ کے لئے اس منصب کوعلیحدہ کرلیا جائے گا۔(۴)

ابن زیاد کا ایک غلام جس کا نام معقلؑ تھا،اسے بلاکرابن زیاد نے تیس ہزار درہم دے کرتلاش حضرت مسلمؑ کے لئے بھیج دیااور کہا:ان کے شیعوں کی تلاش کرو جوکوئی ان میں سے تجھے ملے اس سے محبت اور دوستی اہل

---

(۱)بحارالانوار،ص/۱۶۲ (۲)طبری،ج/۶،ص/۲۰۱ (۳)طبری،ج/۶،ص/۲۰۱ (۴)طبری،ج/۶،ص/۲۰۱

بیت اظہار ظاہر کرو۔ یہ درہم دشمنان اہل بیت میں خرچ کرو، اس حیلہ سے ان کو فریب دے اور آشنائی ان سے پیدا کر شاید اس فریب سے تو احوال مسلم پر مطلع ہو۔ وہ معقل مسجد میں آیا اور مثل جاسوسوں کے ہر شخص کے حالات اور اوضاع کو دیکھتا تھا۔ ناگاہ اس کی نظر مسلم بن عوسجہ پر پڑی جو اس وقت مسجد اعظم میں مشغول نماز تھے۔ معقل کو پتہ لگا کہ یہ شخص حضرت امام حسینؑ کے لئے لوگوں سے بیعت لیتا ہے۔ جب یہ بات اس مکار نے سنی تو مسلم ابن عوسجہ کے قریب آ کر پہلو میں بیٹھ گیا جب یہ نماز سے فارغ ہوئے۔ ان سے کہا:

> میں باشندگان شام سے ہوں۔ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان سے محبت اہل بیت رسالت مجھے عطا کی ہے ان کے دوستوں کو میں دوست رکھتا ہوں، اثنائے کلام میں بناوٹ سے روتا جاتا تھا اور کہا: میں نے سنا ہے کہ ایک شخص اہل بیت رسالت سے یہاں آئے ہیں فرزند رسولؐ کے لئے بیعت لیتے ہیں۔ خوف مخالفین سے پوشیدہ ہیں۔ تین ہزار درہم نذر لایا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ ان تک پہنچاؤں۔ کوئی میری رہبری نہیں کرتا۔ اس وقت میں متحیر تھا۔ ناگاہ میں نے سنا کہ مومنین کی ایک جماعت آپ کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ یہ شخص احوال اہل بیتؑ سے مطلع ہے۔ اس لئے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ یہ مال لے لیجئے اور ان کی زیارت کی شرف سے مشرف کیجئے کیونکہ میں ان کے محبوں سے ہوں اگر آپ چاہیں تو پہلے مجھ سے بیعت لے لیجئے۔ اس کے بعد ان کی خدمت میں لے چلئے۔

ابن عوسجہ اس کی باتوں کے فریب میں آ گئے کہنے لگے۔ میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ ایک دوستدار اہل بیت سے ملاقات میسر ہوئی۔ لیکن اس بات سے ڈرتا ہوں کہ لوگ میرے حال سے مطلع ہو گئے ہیں۔

اس مکار نے کہا: آپ آزردہ نہ ہوئیے جو کچھ آپ کے لئے ہونا ہے خیر ہے، آپ مجھ سے بیعت لے لیجئے میں چاہتا ہوں کہ امام کی بیعت کر لوں۔

ان بزرگوار نے اس کے کلمات دروغ کو صدق پر محمول کر کے اس شقی سے بیعت لی اور عہد و پیمان لئے کہ اس راز کو افشانہ کرے اور کہا کہ میرے پاس آتے رہنا تا کہ میں نائب امام سے تیری حضوری کی

اجازت لے لوں۔ پس وہ ملعون کئی دن برابر ابن عوسجہ کے گھر پر آتا رہا، یہاں تک کہ ان کو اعتماد حاصل ہوا اور اس مکار کو حضرت مسلم کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت مسلم نے بیعت لی۔ اور ابوثمامہ صائدی سے کہا: کہ اس سے یہ مال لے لو۔ ابوثمامہ جس قدر شیعیان اہل کوفہ مال لاتے تھے، لے کر سلاح جنگ مول لیتے تھے ،اس کے خزینہ دار تھے۔ اور مرد دانا اور شجاعان عرب اور روسائے شیعہ تھے۔ پس معقل ہر روز سب سے پہلے حضرت مسلمؑ کی خدمت میں آتا تھا اور سب کے بعد جاتا تھا یہاں تک کہ تمام شیعیان و ناصران امام مظلوم سے مطلع ہو گیا پھر اس نے ابن زیاد کو باخبر کر دیا۔

مسلمؑ بن عقیل نے جب ابن زیاد کی طرف سے سختی کا حکم اہل کوفہ کے لئے سنا تو انہیں اپنی جان کا اندیشہ اور مقصد کی پامالی کا احساس ہونے لگا۔ لہٰذا آپ شب کی تاریکی میں ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہو گئے یہ قبیلہ مراد مذحج کے سردار تھے اور جب نکلتے تھے تو بارہ ہزار آہن پوش سواران کے ہمراہ رکاب ہوتے تھے۔

معقل کے ذریعہ حضرت مسلم کی جائے پناہ ہانی کے گھر تھی راز افشا ہو گیا ابن زیاد نے ہانیؓ کو بلانے کا حکم دیا اور جب وہ آئے اور انہوں نے کہا ''کیوں امیر کیا معاملہ ہے؟'' اس نے بڑے غصہ سے کہا: ''ارے کتنے غضب کی بات ہے کہ تم نے اپنے گھر کو خلیفۂ وقت اور تمام مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا اڈا بنایا ہے۔ تم نے مسلمؑ بن عقیل کو بلا کر اپنے گھر میں رکھا ہے ان کے لئے اسلحہ جمع کر رہے ہو اپنے گرد و پیش کے گھروں میں ان کی مدد کے لئے آدمی جمع کر رہے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ باتیں مجھ سے چھپی رہیں گی۔'' (۱)

ہانی نے پہلے تو انکار کیا مگر جب اس نے معقل کو بلا کر سامنے کھڑا کر دیا تو ہانی سب قصہ سمجھ گئے غرض ''ابن زیاد نے کہا: ''تم انہیں میرے پاس لے کر آؤ۔'' ہانی نے کہا: نہیں یہ تو نہیں ہو سکتا میں اپنے مہمان کو بلا کر آپ کے سپرد کر دوں کہ آپ قتل کر دیں۔'' (۲)

بات اتنی بڑھی کہ ابن زیاد نے کہا: تم کو انہیں لانا ہوگا نہیں تو میں تمہارا سر قلم کر دوں گا۔

ہانی نے کہا: ایسا ہوا تو آپ کے مکان کے گرد بجلیاں کوندتی ہوں گی، ان کا خیال تھا کہ ان کا قبیلہ ان کی مدد کرے گا۔ یہ سننا تھا کہ ابن زیاد کو زیادہ غصہ آیا اور کہا: اچھا تم بجلیوں سے مجھے ڈراتے ہو لاؤ........اسے

---

(۱) الاخبار الطّوال، ص/ ۲۳۸ (۲) طبری، ج/ ۶، ص/ ۲۰۵

میرے قریب لاؤ........سپاہی دوڑ پڑے ہانی کو ظالم ابن زیاد کے قریب لائے۔نتیجہ یہ تھا کہ بوڑھے لیکن بات کے پکے ہانیؒ کا سر چہرہ چھری کی ضرب سے خون میں رنگین ہوگیا۔ہانیؒ بالکل نہتے تھے۔انہوں نے ایک سپاہی کی تلوار پر جوان کے پاس کھڑا تھا ہاتھ ڈالا کہ اسے چھین لیں۔ابن زیاد نے کہا:''اچھا اب تو تم خارجی قرار پاؤ گے،تمہارا خون ہمارے لئے حلال ہے۔''

جلاد بے دردی سے انہیں کھینچ کر لے گئے اور قید خانہ میں ڈال دیا۔(۱)

حضرت مسلمؑ کے لئے یہ موقع بہت سخت تھا کہ ان کا پناہ دینے والا وفادار اور مستقل مزاج بہادر ہانیؒ بن عروہ ان کی وجہ سے زدکوب کی توہین آمیز تکلیف برداشت کر کے دشمن کے قید خانہ میں تھا۔اور مسلمؑ کے گرد گھر میں خاندان کے مرد اور عورتیں نالہ وشیون کر رہی تھیں۔(۲)

حضرت مسلم ابن عقیل اور ہانی کی شہادت

حضرت ہانیؒ کی گرفتاری کی خبر جب حضرت مسلمؑ کو ہوئی تو غیرت بنی ہاشم کا تقاضا تھا کہ ان کی مدد کریں۔انہوں نے طے کیا کہ ہانیؒ نہیں تو پھر میں بھی نہیں۔طبری نے صاف طور پر تصریح کی ہے کہ مسلمؑ کا جنگ کے لئے نکلنا اپنے ساتھیوں کی اطلاع کے بغیر تھا اور کوئی قرارداد اس دن کے متعلق نہ ہوئی تھی۔وہ ایک مرتبہ اس وقت کھڑے ہوگئے جب کہ ان کو معلوم ہوا کہ ہانیؒ بن عروہ مرادی زدوکوب کے بعد قید کئے گئے ہیں۔(۳)

حضرت مسلمؑ باہر آئے تو دیکھا مسجد میں ابن زیاد ایک تہدیدی تقریر کر رہا تھا۔وہ ابھی منبر سے نہ اترا تھا کہ لوگ دوڑے آئے کہ ابن عقیل آگئے۔ابن زیاد گھبرا کر منبر سے اترا اور تیزی سے قصر کے اندر جا کر دروازہ بند کر لیا۔واقعہ ناگہانی حیثیت کو دیکھتے ہوئے،جس محلّہ میں مسلم کا قیام تھا،اسی کے اطراف میں قریب چار ہزار کے لوگ آباد تھے۔مسلم کی طرف سے جونہی''یا منصور امت'' کا نعرہ بلند کیا گیا جو ان کا شعار یعنی امتیازی نعرہ جنگ تھا تو چار ہزار آدمیوں پر مشتمل شیعہ جمع ہوگئے،ان میں کچھ ایسے بھی تھی جن کا شیعہ آل رسول ہونا ثابت نہ تھا۔

بہرحال مسلم نے اس مختصر لشکر کو ترتیب دیا اور پیش قدمی شروع کی مگر جناب مسلمؑ دارالامارہ تک پہنچے

---

(۱)طبری،ج/۶،ص/۲۰۶،ارشاد،ص/۲۱۷ (۲)طبری،ج/۶،ص/۲۰۷،ارشاد،ص/۲۱۸ (۳)طبری،ج/۷،ص/۵۸

بھی نہ تھے کہ لوگ واپس جانا شروع ہو گئے اور پہنچتے پہنچتے صرف تین سو رہ گئے۔(۱)

ابن زیاد سمجھ رہا تھا کہ مسلمؑ کے ساتھ ایک بڑی فوج ہے وہ قصر میں بند ہو گیا تھا اور مسلمؑ نے بنی مراد کی ایک جماعت کو لے کر قصر کا محاصرہ کر لیا تھا یہ دیکھ کر پھر لوگ آتے گئے یہاں تک کہ ظہر سے شام تک برابر لڑائی ہوتی رہی۔

ابن زیاد کے پاس محل میں اس وقت صرف تیس سپاہی تھے اور بیس آدمی اس کے مخصوصین اور روسائے قبائل میں سے یا زیادہ سے زیادہ دوسو آدمی موجود تھے۔ اس لئے وہ کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا لیکن ایک طرف اس نے یہ کوشش کی کہ دروازہ قصر نہ کھلنے پائے۔ دوسرے کچھ آدمی ادھر ادھر بھیج کر باہر سے سپاہی اکٹھا کر کے یہ انتظام کیا کہ شہر کی ناکہ بندی ہو جائے۔ اس طرح مسلمؑ سے مختلف اطراف و جوانب کی مدد قطع ہوگئی۔ چنانچہ حبیب ابن مظاہرؒ، مسلم ابن عوسجہؒ اور ابوثمامہؒ صائدی ایسے خاص لوگ بھی آج جناب مسلمؑ کے پاس پہنچنے سے قاصر رہ گئے۔ اس کے علاوہ اشراف قبائل کو مجمع کو منتشر کرنے کا حکم دیا گیا۔ وہ لوگ دارالامارہ کے بالاخانے پر چڑھ گئے اور انہوں نے اپنے قبیلہ والوں کو پکار پکار کر ہمدردانہ انداز میں قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ عنقریب مرکزی حکومت شام کی جانب سے بہت بڑی فوجیں آنے والی ہیں اور اس صورت میں تمہارے جان و مال و اولاد سب تلف ہو جائیں گے۔ دمشق سے فوجیں آنے کی خبر سے عورتیں اپنے گھروں سے نکل نکل کر اپنے باپ بھائی کے پاس آئیں اور کہتی تھیں کہ چلو واپس چلو، دوسرے لوگ کافی ہیں۔ باپ یا بھائی اپنے بیٹے یا بھائی کے پاس آتے اور کہتے کہ کل دمشق سے لشکر آ جائے گا چلو لڑائی سے ہاتھ اٹھاؤ۔ مجبور کر انہیں اپنے ساتھ لے جاتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام ہوتے ہوتے صرف تیس آدمی حضرت مسلم کے پاس رہ گئے۔ آپ نے مسجد میں جا کر نماز پڑھی اس کے بعد جب باہر آئے تو رفتہ رفتہ وہ لوگ بھی چلے گئے۔

اب مسلمؑ تنہا بازاروں میں پھرنے لگے اور کوئی اتنا تک نہ تھا کہ آپ کو راستہ بتا دیتا آپ تاریکئ شب میں یونہی چلے جا رہے تھے، یہاں تک قبیلہ کندہ میں پہنچ گئے۔(۲)

اس قبیلہ کی ایک عورت طوعہؒ جو پہلے محمد بن اشعث کی کنیز تھی اور اس کے آزاد کرنے کے بعد سید حضرمی کے نکاح میں آئی جس سے ایک لڑکا بلال پیدا ہوا وہ کہیں گیا ہوا تھا۔ جناب مسلمؑ نے اس سے پینے کے

---

(۱) طبری، ج/۷، ص/۲۰۷ (۲) الاخبار الطوال، ص/۱۴۰

لئے پانی مانگا عورت خدا ترس تھی، اس نے لا کر پانی پلایا۔ برتن رکھنے گئی آئی تو دیکھا کہ یہ پھر بھی بیٹھے ہیں اس نے کہا: آپ پانی تو پی چکے اب گھر جایئے۔

حضرت مسلمؑ نے کہا: میرا کوئی گھر نہیں ہے۔

اس عورت نے پوچھا: آپ کون ہیں اور کیا واقعہ ہے؟

فرمایا: میں مسلمؑ بن عقیل ہوں یہاں لوگوں نے میرے ساتھ غداری کی، مجھ سے نصرت کے وعدے کئے اور اب میرا ساتھ چھوڑ دیا۔

اس نے کہا: اچھا آپ مسلمؑ ہیں۔ ہاں میں وہی مسلمؑ ہوں۔

یہ سننا تھا کہ وہ آپ کو اپنے گھر لے گئی اور مکان کے ایک مخصوص کمرے میں آپ کے لئے فرش بچھایا اور کھانا حاضر کیا مگر آپ نے کھانا نوش نہیں کیا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کا بیٹا آیا اس نے ماں کو اس کمرے کی طرف بار بار جاتے دیکھا تو پوچھا ماں کیا بات ہے؟ مجبوراً طوعہؓ کو واقعہ کا اظہار کرنا پڑا مگر تاکید کے ساتھ کہ اس کا کسی سے اظہار نہ کرے۔ وہ سن کر خاموش ہو گیا اور رات گذرنے کا انتظار کرنے لگا۔

صبح ہوتے ہی محمد بن اشعث کا نوعمر لڑکا عبدالرحمن کے پاس گیا اور اس سے مسلمؑ کے اپنے گھر میں ہونے کی اطلاع دی اور وہ فوراً اپنے باپ کے پاس جو ابن زیاد کے دربار میں جا چکا تھا پہنچا اور اس کے ذریعہ ابن زیاد کو مطلع کیا۔(۱)

ابن زیاد نے محمد بن اشعث کی سرکردگی میں مسلمؑ کی گرفتاری کے لئے فوج روانہ کردی۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر حضرت مسلمؑ سمجھ گئے کہ یہ لوگ ہمارے لئے ہی آ رہے ہیں۔ اتنی دیر میں فوجی گھر کے اندر داخل ہونے لگے آپ نے حملہ کیا اور ایسا سخت کہ دشمنوں کو گھر سے باہر نکال دیا۔ دوبارہ وہ گھسے تو آپ نے پھر انہیں باہر نکال دیا۔ اس جنگ میں تلوار لگنے سے اوپر کا لب قطع ہو گیا، نیچے کے لب پر بھی زخم آ گیا اور دو دانت شکستہ ہو گئے تھے۔ پھر بھی دشمنوں کو یہ یقین ہو گیا کہ مسلم پر یوں فتح پانا مشکل ہے۔ وہ مکان کی چھت پر چڑھ

(۱) طبری، ج/۶، ص/۲۰۹

گئے اور پتھر مارنے لگے۔اس کے علاوہ سینٹھوں کے مٹھے آگ سے جلا کر اوپر سے پھینکنے لگے۔ جناب مسلم نے جب یہ بزدلانہ طریقۂ جنگ دیکھا تو آپ تلوار کھینچے ہوئے مکان سے باہر کوچہ میں آ گئے۔محمد ابن اشعث نے پکار کر کہا کہ آپ کے لئے امان ہے،خواہ مخواہ تلوار نہ چلایئے۔آپ نے جنگ جاری رکھی اور رجز پڑھنے لگے جس کا مفہوم یہ تھا کہ.... میں نے قسم کھائی ہے نہ قتل ہوں گا مگر آزادی کی حالت میں،اگر چہ موت ناگوار چیز ہے مگر بہر حال وہ ایک نہ ایک دن تو ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ مجھے تو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں مجھ سے جھوٹ نہ بولا جائے اور دھوکہ نہ دیا جائے۔

محمد بن اشعث نے کہا: آپ سے جھوٹ نہیں کہا جائے گا،نہ دھوکہ دیا جائے گا۔آپ اطمینان رکھئے۔

مسلم جنگ کرتے کرتے تھک چکے تھے اور زخموں سے چور چور تھے۔انہوں نے پوچھا: کیا واقعی مجھے امان ہے،سب نے وعدہ کیا۔مسلمؑ نے کہا: دیکھو تم نے مجھے امان دی ہے۔اس لئے میں تلوار نیام میں رکھتا ہوں ورنہ میں کبھی اپنے کو تمہارے حوالے نہ کرتا۔سب نے مسلمؑ کو اپنے حلقہ میں لے لیا اور آپ کی تلوار نیام سے نکال لی۔جس سے جناب مسلم کا دل ٹوٹ گیا اور کہا یہ پہلی غداری ہے۔

محمد بن اشعث نے کہا:''مجھے امید ہے کہ تمہیں کوئی خطرہ پیش نہ آئے گا''اچھا تو بس ایک امید ہی ہے اور امان کا وعدہ تمہارا کیا ہوا''انا للہ وانا الیہ راجعون'' یہ کہہ کر رونے لگے۔عمرو بن عبید اللہ بن عباس سلمی جس نے پہلے ہی وعدہ امان سے انکار کیا تھا کہنے لگا۔

''جو ایسی مہم کے لئے تم کھڑے ہوئے تھے اسے خطرہ دیکھ کر رونا تو نہیں چاہئے''،مسلمؑ نے کہا: واللہ میں اپنے لئے نہیں روتا میں تو حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے لئے روتا ہوں جو میرے خط کو دیکھ کر کوفہ کی طرف آ رہے ہوں گے۔آپ نے کہا: اے اللہ کے بندے! مجھے یقین ہے کہ تم مجھے امان دلوانے سے قاصر رہو گے۔اب تم اتنا کرنا کہ ایک قاصد حسینؑ کے پاس بھیج دینا جو میری طرف سے ان سے جا کر کہہ دے کہ میں تو دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوں اور یقین ہے کہ شام ہونے کے پہلے تک قتل ہو چکوں گا آپ ادھر آنے کا قصد نہ کیجئے اور اہل کوفہ کے فریب میں نہ آیئے۔ان کے تمام وعدے بالکل غلط اور قول و قرار جھوٹے ہیں۔ابن اشعث نے وعدہ کیا کہ میں ضرور قاصد روانہ کر دوں گا۔(۱)

---

(۱)طبری،ج/۶،ص/۲۱۱

ابن زیاد کے سامنے حضرت مسلمؑ کو پیش کیا گیا۔ابن زیاد نے کہا: مسلمؑ اب تم بچ نہیں سکتے۔ابھی قتل کئے جاؤ گے۔ جناب مسلم نے کہا: میں اس کے لئے تیار ہوں مگر مجھے اتنا موقع دیا جائے کہ میں اپنے پہچاننے والوں سے جو یہاں ہو کچھ وصیت کرلوں۔اس نے کہا: اچھا جس سے چاہے وصیت کر دو۔ مسلم نے گرد و پیش نظر ڈالی تو عمر بن سعد کو پہچانا۔آپ نے اس سے کہا: تم قریش کے خاندان سے ہو۔ مجھے اس وقت تم سے کچھ راز کی باتیں کہنا ہیں۔ذرا سن لو۔حکومت وقت کا خوشامدی سننے کو تیار نہ ہوا جس پر خود ابن زیاد نے کہا کہ آخر سن لینے میں تمہارا کیا حرج ہے!اس پر پسر سعد اٹھا اور مسلمؑ کے ساتھ تھوڑی دور پر ایک جگہ بیٹھ گیا۔

حضرت مسلمؑ نے کہا جب سے کوفہ میں آیا ہوں سات سو درہم کا مقروض ہو گیا ہوں۔تم میرے بعد میری تلوار اور زرہ فروخت کر کے یہ قرضہ ادا کر دینا۔دوسری بات یہ ہے کہ میرے قتل ہونے کے بعد میری لاش ابن زیاد سے مانگ لینا اور اسے دفن کر دینا،تیسرے یہ کہ امام حسینؑ کے پاس کسی کو بھیج کر اس کے ذریعہ سے میرے واقعہ کی اطلاع کر دینا تاکہ وہ واپس چلے جائیں اور اہل کوفہ کے فریب میں مبتلا نہ ہوں''مسلمؑ نے بطور راز یہ باتیں کہی تھیں مگر بدعہد عمر سعد نے ابن زیاد سے آ کر سب باتیں بتا دیں کہ ابن زیاد خود شرمندہ ہو گیا اور کہا عرب کی یہ مثل زبان پر جاری کی کہ''لا یخونک الامین ولٰکن قد یوتمن الخائن''امانتدار آدمی کبھی خیانت نہیں کرتا مگر کبھی کبھی غلطی سے خائن کو امانتدار بنا دیا جاتا ہے۔(۱)

اس کے بعد اس نے ہر وصیت کے بارے میں اپنا فیصلہ سنایا۔کہا تمہارے مال سے ہمیں مطلب نہیں۔ وہ فروخت ہو کر تمہارا قرضہ ادا کر دیا جائے اور حسینؑ کے بارے میں یہ ہے کہ وہ اگر ہماری طرف نہ آئیں،تو ہمیں ان سے کوئی مطلب نہیں ہے مگر لاش اس کے بارے میں ہم کوئی وعدہ کرنے کے لئے تیار نہیں،کیونکہ تم نے ہماری مخالفت کی اور رعایا میں انتشار پیدا کیا لہٰذا ہم تمہاری لاش کے متعلق کسی احترام کے ذمہ دار نہیں ہیں۔(۲)

غرض حضرت مسلمؑ نے ابن زیاد سے کہا: تو کاذب ہے،بلکہ معاویہ و یزید پلید نے مسلمانوں کی جمعیت کو پراکندہ کیا اور تو نے تیرے باپ نے جو غلام ثقیف کا بیٹا تھا،آتش فساد کو اہل اسلام میں روشن کیا۔میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ مجھ کو بدترین خلائق کے ہاتھ سے شہادت کا مرتبہ عنایت کرے۔

سید بن طاؤسؒ نے حالات مذکورہ کے بعد کہا کہ جب بکر ابن حمران حضرت مسلمؑ کو بام قصر پر لے گیا

(۱)الاخبار الطوال،ص/۲۴۱ (۲)طبری،ج/۶،ص/۲۱۲

تو سر مبارک تن مطہر سے جدا کر کے خائف وتر ساں نیچے آیا۔ابن زیاد نے پوچھا: تیرا حال کیوں متغیر ہے؟ اس نے کہا: امیر! جب میں نے مسلمؑ بن عقیل کو قتل کیا،اس وقت ایک سیاہ ومہیب صورت نظر آئی جو میرے برابر کھڑا اپنے دانتوں سے انگلی کاٹتا تھا۔

مسلم کے صاحبزادے محمدؑ اور ابراہیمؑ کی شہادت

تواریخ کی کئی کتابوں کا مطالعہ کرنے پر ایک کتاب میں مجھے محمدؑ اور ابراہیمؑ کی شہادت کا ذکر ملا جو میں قارئین کے سامنے پیش کر رہی ہوں: شہادت مسلمؑ کے بعد لوگوں نے ابن زیاد کو جناب مسلمؑ کے دونوں کم سن فرزندوں کے کوفہ میں موجود ہونے کی خبر دی جن کا نام محمدؑ اور ابراہیمؑ تھا۔ابن زیاد نے ان کی گرفتاری کا حکم نافذ کر دیا۔ پسران مسلم قاضی شریح کے گھر میں پوشیدہ تھے۔سرکاری اعلان کے بعد قاضی نے بچوں سے کہا کہ ہماری اور تمہاری دونوں کی جان اب خطرہ میں ہے۔بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں کسی صورت سے مدینہ پہونچا دیا جائے۔ بچوں نے اسے قبول کر لیا۔قاضی نے اپنے بیٹے اسد کو حکم دیا کہ ان بچوں کو دروازہ عراقین کے باہر جو قافلہ مدینہ جانے کیلئے ٹھہرا ہوا ہے اس میں چھوڑ آ۔اسد ان بچوں کو لے کر جب رات کے وقت وہاں پہنچا تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا،لیکن راہ میں نظر آ رہا تھا اسد نے بچوں کو اسی راہ قافلہ پر لگایا اور خود گھر واپس آیا۔

کم سن بچے چند قدم چلے تھے کہ قافلہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔صبح نمودار ہو گئی تھی بچے حیران وپریشان گھوم رہے تھے کہ ناگاہ سرکاری آدمیوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔اور ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا۔اس نے انہیں قید خانہ میں بند کر دیا اور حکم دیا کہ دو روٹی اور گرم پانی پینے کو دینا۔بچوں نے صلاح کی کہ دربان کو اپنے بارے میں بتائیں کہ ہم کون ہیں۔ جب دربان آیا تو بچوں نے بتایا کہ ہم اہل بیتؑ کے خاندان سے مسلمؑ بن عقیل کے بچے ہیں۔قید خانہ کا دربان اتفاق سے محبّ آل محمدؐ تھا۔اس نے رات کے وقت بچوں کو رہا کر دیا۔اور راہ قادسیہ پر لگا کر ایک انگشتری دی اور کہا کہ قادسیہ میں میرے بھائی سے ملنا اور اس انگشتری کے ذریعہ سے تعارف کے بعد اس سے کہنا کہ وہ تمہیں مدینہ پہنچا دے۔ بچے تو روانہ ہو گئے،لیکن صبح ہوتے ہی دربان جس کا نام ''مشکور'' تھا قتل کر دیا گیا۔اس سے پوچھا گیا کہ تو نے بچوں کو کیوں چھوڑ دیا۔اس نے کہا کہ خوشنودی خدا کے لئے۔ابن زیاد نے پانچ سو کوڑے مارنے کا حکم دیا۔مشکور کی شہادت کے بعد اسے عمر بن

الحارث نے دفن کیا۔

مشکور کی مہربانی سے پسران مسلم بقصد قادسیہ جارہے تھے کہ حدود کوفہ کے اندر ہی راستہ بھول گئے اور ساری رات چکر لگا کر صبح اپنے کو کوفہ ہی میں پایا اور ایک درخت پر چڑھ کر پتوں کی آڑ میں ہو گئے۔ اتفاق سے ایک عورت پانی بھرنے کو آئی تو اس نے پانی میں بچوں کے عکس دیکھے اس نے یہ خبر اپنی مالکہ کو کر دی وہ آئی اور بچوں سے پوچھا تم کون ہو بچوں نے کہا ہم پسران مسلم ہیں وہ ان کو اپنے گھر لے گئی اور ایک خالی گوشہ میں ٹھہرا دیا۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ اس مومنہ کا شوہر ''حارث بن عروہ'' سرگرداں پریشان حال داخل ہوا۔ مومنہ نے پوچھا: آج بڑی رات کر دی خیر تو ہے۔ اس نے کہا: مشکور دربان نے پسران مسلم کو رہا کر دیا جس کی تلاش کے لئے انعام واکرام ابن زیاد کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے۔ ان کو میں بھی ڈھونڈ رہا تھا۔ کھانا کھا کر حارث لیٹ گیا۔ ابھی آنکھ نہ لگی تھی کہ بچوں کی سانس کی آواز محسوس کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور اس طرف چلا جہاں سے آواز آرہی تھی دیکھا بچے سو رہے ہیں۔ بچوں کو آہٹ ہوئی تو ایک نے دوسرے سے کہا: ابھی میں نے خواب دیکھا ہے کہ محمد مصطفیؐ، علیؑ مرتضیٰ، فاطمہؑ زہرا اور حسنؑ مجتبیٰ وامام حسینؑ اور میرے بابا تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ اتنے میں حارث داخل ہوا اور انہیں پکڑ کر کہا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: پسران مسلم ہیں۔ حارث نے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا صبح نہر فرات لے جا کر قتل کرنا چاہتا تھا کہ بچوں نے کہا ہمیں دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے دے۔ اس نے اجازت دے دی۔

الغرض بچوں نے وضو کیا اور دو دو رکعت نماز ادا کی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اس ملعون نے بڑے بھائی کی گردن پر تلوار ماری سر مبارک دور جا کر گرا چھوٹے بھائی نے دوڑ کر سر مبارک اٹھایا اتنے میں ظالم نے لاش پانی میں ڈال دی۔ پھر چھوٹے بھائی کا سر بھی کاٹ لیا۔ جب دونوں لاشیں پانی میں پہنچی تو باہم بغل گیر ہو کر ڈوب گئیں۔

راوی کا بیان ہے کہ حارثؔ نے جس وقت ابن زیادؔ کے سامنے فرزندوں کے سر پیش کئے۔ تو وہ گھبرا گیا کہ تو نے بچوں کے سر کاٹ لئے پھر حکم دیا کہ یہ سر اسی جگہ پانی میں ڈال دیئے جائیں جس جگہ تن پڑے ہوئے ہیں۔

چنانچہ ایک محبّ آل پیغمبر نے سر پانی میں ڈال دئے سروں کے پانی میں پہنچتے ہی جسم سطح آب پر ابھر آئے اور اپنے سروں سمیت تہ نشین ہو گئے۔

اس کے بعد حارثؔ ملعون کو قتل کر کے اسی پانی میں ڈال دیا گیا۔

تواریخ میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت مسلمؑ بن عقیل کو امام حسینؑ نے جب اہل کوفہ کے لئے پیغام دے کر کوفہ بھیجا تھا تو ان کے ساتھ ان کے بچے محمدؒ اور ابراہیمؒ بھی گئے تھے یا ایسا بھی کوئی ذکر نہیں ملتا ہے کہ امام حسینؑ کوفہ آئے تھے اور بچے کوفہ میں رہ گئے اور نہ ایسا ہی کوئی ذکر ملتا ہے کہ بچے باپ کی محبت میں اکیلے کوفہ آ گئے جو ابن زیادؔ کے ہاتھ لگ گئے۔ اسی لئے بہت سے علمائے کرام نے اپنی کتاب تاریخ میں ان لوگوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی شہادت تو ہوئی ہوگی مگر یہ ابن زیاد تک کیسے پہنچے یہ کیا واقعہ ہے، میری بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

واقعات شہادت امام حسین علیہ السلام

شیخ مفید علیہ الرحمہ نے روایت کی ہے کہ حضرت مسلمؑ نے روز سہ شنبہ آٹھویں ذی الحجہ ۶۰ھ میں خروج کیا اور نویں ذی الحجہ بروز عرفہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور حضرت امام حسینؑ روز ترویہ آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ معظّمہ سے عراق روانہ ہوئے۔ اسی دن حضرت مسلمؑ نے کوفہ میں خروج کیا تھا اور مکہ معظّمہ سے حضرت کی روانگی کا حال اس طرح ہے کہ جب جناب سید الشہدؑاء نے تیسری شعبان ۶۱ھ کو بہ مکہ معظّمہ کو اپنے قدموں سے منور فرمایا۔ بقیہ شعبان و ماہ رمضان وشوال و ذی قعدہ، آٹھویں ذی الحجہ تک اس بلدہ طیبہ میں رہے اور اپنے اوقات کو عبادت باری تعالیٰ میں صرف کیا۔ اس عرصہ میں شیعیان بصرہ وحجاز کا ایک گروہ حضرت کے پاس جمع ہو گیا۔ جب ماہ ذی الحجہ داخل ہوا۔ حضرت امام حسینؑ نے عراق کے سفر کا ارادہ کیا اور طواف خانہ کعبہ بجالائے، درمیان کوہ صفا و مروہ سعی فرمائی احرام حج کو عمرہ سے بدل کر اعمال عمرہ بجالائے۔ محل ہو کر عراق کو روانہ ہوئے کیونکہ حج کا تمام کرنا حضرت امام حسینؑ سے ممکن نہ ہوا۔

حضرت کو خوف تھا کہ اشقیاء یزید کے پاس گرفتار کر کے نہ لے جائیں۔ پس امام حسینؑ بہ تعجیل تمام

اپنے اہل بیتؑ وفرزند اور اپنے شیعوں کو ساتھ لے کر مکہ معظّمہ سے روانہ ہوئے ابھی خروج مسلمؑ اور شہادت مسلمؑ کی خبر حضرت امام حسینؑ کو نہ پہنچی تھی۔(۱)

زبالہ کے قریب پہنچنے پر ایاسؓ بن عثل طائی جو شعراء میں سے تھا، محمد بن اشعث کا بھیجا ہوا خط لے کر امام کے پاس پہنچا۔ چونکہ جناب مسلمؑ نے دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے اور اپنی شہادت کا یقین ہو چکنے کے بعد یہ وصیت کی تھی کہ میرے بعد حضرت امام حسینؑ کو اطلاع دے دی جائے کہ کوفہ کی یہ حالت ہے اور آپ کا مددگار اب کوفہ میں موجود نہیں ہے اس لئے اب یہاں آنے کا ارادہ نہ کیجئے۔ چنانچہ یہ خط بھیجا گیا۔(۲)

امام حسینؑ نے حسب ذیل بیان کے ذریعہ سے تمام اہل قافلہ کو صورت حال سے مطلع فرمایا:

ہمیں یہ دردناک خبر معلوم ہوئی ہے کہ مسلمؑ بن عقیل اور ہانیؒ بن عروہ قتل کر ڈالے گئے اور ہماری اطاعت کے دعویداروں نے ہماری نصرت سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اس لئے جو شخص تم میں سے واپس جانا چاہئے، وہ واپس چلا جائے ہماری طرف سے اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ والسلام(۳)

نتیجہ وہی ہوا جو معلوم تھا کہ اس اعلان کے ساتھ ہی لوگ متفرق ہونا شروع ہوئے اور تقریباً سب دائیں بائیں روانہ ہو گئے یہاں تک کہ زیادہ تر وہی لوگ جو مدینہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے باقی رہ گئے۔(۴)

امام حسینؑ کی مکہ سے روانگی

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جس شب کی صبح کو حضرت امام حسینؑ نے یہ قصد کیا مکہ معظّمہ سے جانب کوفہ کوچ فرمائیں اور یہ خبر محمدؐ ابن حنفیہ کو پہنچی، اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی حضرت کی خدمت میں آئے عرض کی: اے برادر! آپ اہل کوفہ کا مکر وغدر جانتے ہیں کہ انہوں نے آپ کے پدر بزرگوار اور برادر عالی مقدار کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ڈرتا ہوں کہ آپ سے بھی کہیں بدسلوکی نہ کریں۔

---

(۱) بحارالانوار (۲) طبری، ج/۶، ص/۲۰۳ (۳) طبری، ج/۶، ص/۲۰۳

(۴) الاخبار الطّوال، ص/۲۴۷، طبری، ج/۶، ص/۲۴۶، ارشاد، ص/۲۳۳

امام حسینؑ نے فرمایا ڈرتا ہوں کہ یزید مجھ کو مکہ معظّمہ میں کہیں قتل نہ کروا دے، لہٰذا مجھے یہ منظور نہیں کہ حرمت مکہ میرے سبب سے ضائع ہو۔

محمد حنفیہ نے عرض کیا: اے برادر! شہر یمن کی طرف تشریف لے جایئے تا کہ کوئی آپ کو نہ پایئے، فرمایا: اے بھائی! جو کچھ تم نے کہا سچ ہے۔ اس امر میں فکر کروں گا۔ جب صبح ہوئی تو امام حسینؑ نے فرمایا اسباب سفر اونٹوں پر بار ہو۔ جب یہ خبر محمد حنفیہ کو ہوئی بے تابانہ دوڑے اور مہار ناقہ سے لپٹ گئے، عرض کیا: آپ نے اس امر میں فکر کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ فرمایا: ہاں۔! پھر اتنی جلدی کیوں کر رہے ہیں؟

امام حسینؑ نے فرمایا: اے برادر! جب تم شب کو اپنے گھر گئے تو خواب میں جناب رسالتمآبؐ لائے فرمایا:

یَاحُسَیْنُ اُخْرُجْ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ شَاءَ اَنْ یَرَاکَ قَتِیْلاً

یعنی اے حسینؑ! جلد روانہ ہو کہ خدا کو منظور ہے تجھے اپنی راہ میں شہید دیکھے۔

محمد حنفیہ نے یہ کلام سن کر انا للہ انا الیہ راجعون کہا اور عرض کیا: یا حضرت! اگر آپ اس قصد سے جاتے ہیں، تو عورتوں کو کس لئے اپنے ساتھ لئے جاتے ہیں فرمایا:

اَنَّ اللّٰهَ قَدْ شَاءَ اَنْ یَّرَ اھُنَّ سُبَایًا

اے برادر! حق تعالیٰ کو منظور ہے انہیں اسیر دیکھے۔ پس محمد ابن حنفیہ نے با دیدہ گریاں امام عالی مقام کو وداع کیا۔

مکہ سے کربلا تک منازل سفر حسینؑ

امام حسینؑ نے حج کو ترک فرما کر جانے کا ارادہ کر لیا۔ ان کی یہ غیر متوقع صورت یقینی طور پر نہایت اہم ہنگامی اسباب کا پتہ دیتی ہے۔ وہ اسباب عام طور پر لوگوں کے سامنے کچھ نہ تھے کیونکہ حرم الٰہی کے اندر کوئی فوج ولشکر نہ تھا جسے سب دیکھتے۔ حاجیوں کے لباس میں فوج کے سپاہی آئے تھے اور انہیں یہ ہدایت تھی کہ حسینؑ جس حال میں بھی ہوں ان کو گرفتار کر لو۔ یہ راز اس وقت کھلا جب آپ مکہ سے باہر آ چکے تھے۔ جب فرزدق شاعر نے جلدی جانے کی وجہ پوچھی تو امام حسینؑ نے جواب دیا کہ اگر میں اتنی جلدی نہ

کرتا تو وہیں گرفتار کرلیا گیا ہوتا۔(۱)

''موت فرزند آدم کے گلے کا ہار ہے اور مجھے اپنے اسلاف کی ملاقات کا اشتیاق ہے۔ اتنا ہی جتنا یعقوبؑ کو یوسفؑ سے ملنے کا اشتیاق تھا اور میرے لئے بہت اچھی ہے وہ جگہ جہاں کشتہ ہو کر گروں گا۔ گویا میری آنکھوں میں پھر رہا ہے وہ سماں کہ میرے جوڑ بند کو صحرائی درندے(۲) جدا کر رہے ہیں۔

مکہ سے کربلا تک کے سفر میں امام حسینؑ نے جن منزلوں میں قیام کیا تھا ان کی تفصیل کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ جہاں تک تاریخی واقعات کی مدد سے ثابت ہوا ہے اس کو مختصر ترتیب کے ساتھ ہم حسب ذیل پیش کر رہے ہیں۔

۱۔صفاح

یہ مکہ معظّمہ سے روانگی کے بعد پہلی وہ جگہ ہے جس کا نام صفاح ہے یہاں امام حسینؑ کی ملاقات فرزدق بن غالب سے ہوئی تھی۔ انہوں نے کوفہ کا حال بیان کیا تھا۔

۲۔تنعیم

اس جگہ یمن کا ایک قافلہ آتا نظر آیا جس سے حضرت نے کچھ اونٹ اپنے اسباب اور ساتھیوں کی سواری کے لئے کرایہ پر لئے اور ان کے مالکوں سے فرمایا کہ تم میں سے جو عراق تک جانا چاہے، اسے ہم پورا کرایہ دیں گے اور پھر کچھ انعام بھی عطا کریں گے اور جو راستے سے واپس جانا چاہے گا اسے ہم اتنی دور کا کرایہ دے کر واپس کر دیں گے۔ چنانچہ کچھ لوگ ان میں سے حضرت کے ساتھ عراق تک جانے کے لئے تیار ہوئے۔(۳)

۳۔ذات العرق

شیخ مفیدؒ نے عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کی واپسی کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ تیزی کے ساتھ عراق کی سمت راہ قطع کرتے رہے یہاں تک کہ ذات عرق میں پہنچ کر قیام فرمایا۔(۴)

۴۔بطن الرمہ اور حاجر

بطن الرمہ ایک وادی کا نام تھا جس کے ایک مقام کا نام ''حاجز'' ہے۔ اس منزل سے آپ نے قیس

(۱) طبری، ج/۶، ص/۲۱۸ (۲) یعنی دشمنان انسانیت (۳) ارشاد، ص/۶۲۹ (۴) ارشاد، ص/۶۲۶

بن مسہر کو جو اہل کوفہ کے فرستادہ تھے آپ کے ساتھ ساتھ تھے، اہل کوفہ کے نام خط دے کر روانہ فرمایا۔

۵۔زرود

اس منزل سے قریب جو چشمہ تھا اس پر زہیر بن القین کا خیمہ نصب تھا۔ یہ حج کر کے مکہ واپس ہوئے تھے اور کوفہ جا رہے تھے۔ شروع میں ان کو خاندان رسولؐ سے کوئی عقیدت نہ تھی بلکہ عام طور پر وہ اہل شام کے ہم عقیدہ سمجھے جاتے تھے جس کو اس زمانہ میں ''عثمانی'' مسلک کہا جاتا تھا۔ امام حسینؑ کی نباض فطرت بصیرت ان کی باطنی استعداد کو دیکھ رہی تھی۔ آپ نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ خاندان رسولؐ سے جو وحشت عام طور سے اس گروہ میں پیدا ہو گئی تھی، اس کی بنا پر انہوں نے ملنے سے انکار کر دینا چاہا، مگر ان کی بیوی نے کہا کیا غضب کی بات ہے کہ رسول کا فرزند تمہارے پاس ملاقات کا پیغام بھیجے اور تم مسترد کر دو۔ اس بات سے متاثر ہو کر یہ امام حسینؑ کے پاس گئے اور کچھ اس طرح امام حسینؑ نے اپنے معاملہ کو پیش کیا کہ وہ ہمہ تن آپ کے موافق ہو گئے اور بڑے خوش خوش اپنی قیام گاہ پر پہنچ کر انہوں نے حکم دیا کہ ہمارا خیمہ یہاں سے اکھاڑ کر اصحاب حسینؑ کے خیموں کے پاس لگایا جائے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا اور ان سے کہا کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ میکے چلی جائے، پھر ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا میں نے امام حسینؑ کے ساتھ مرنے کا مضبوط ارادہ کر لیا ہے۔ جو شخص تم میں سے ہمارے ساتھ شہید ہونا چاہے، وہ میرے ساتھ رہے اور جو نہ چاہے یہیں سے علیٰحدہ ہو جائے چنانچہ ساتھ والے سب علیٰحدہ ہو گئے۔(۱)

۶۔ثعلبیہ

اس منزل پر دوسرے دن شام کے وقت جب امام حسینؑ نے قیام فرمایا تو دو اسدی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تسلیم بجالائے۔ حضرت نے جواب دیا۔ ان لوگوں نے کہا: آپ نے اس سوار کو دیکھا تھا جو کل شام کے وقت آ رہا تھا؟ فرمایا: ''ہاں اور میں نے اس سے کچھ حالات بھی دریافت کرنا چاہے تھے'' انہوں نے کہا کہ ہم نے حضور کے منشا کے مطابق اس سے حالات دریافت کیے اور وہ ہمارے ہی قبیلہ کا آدمی ہے اور بہت سمجھدار سچا اور دانشمند شخص ہے۔ اس نے ہم سے بیان کیا کہ وہ کوفہ سے باہر نہیں آیا تھا کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ شہید کر دئے گئے تھے اور ان کی لاشیں بازاروں میں پھرائی گئیں۔ امام حسینؑ نے صدمہ

(۱) طبری، ج/۶، ص/۲۲۴

سے ابھر کرانا للہ وانا الیہ راجعون رحمہ اللہ علیھما کہااور خاموش ہو گئے۔(۱)

۷۔زبالہ

اس منزل پرایاس بن عثل طائی محمد بن اشعث کا بھیجا ہوا خط لے کرامام کے پاس پہنچا۔ چونکہ جناب مسلم نے دشمن کے ہاتھوں اپنی شہادت کا یقین ہو چکنے کے بعد یہ وصیت کی تھی کہ میرے بعد حضرت امام حسینؑ کواطلاع دے دی جائے کہ کوفہ کی یہ حالت ہے اور آپ کا مددگار اب کوفہ میں موجودنہیں ہیں اس لئے اب آپ مدینہ سے آنے کا ارادہ نہ کیجئے گا چنانچہ یہ خط بھیجا گیااور منزل زبالہ پرامام کے پاس پہنچا۔(۲)

۸۔بطن العقبہ

اس منزل پر قبیلہ عکرمہ کا ایک شخص عمرو بن لوذان ملااوراس نے بتایا کہ ابن زیاد کی جانب سے قادسیہ اور عذیب کے درمیان نا کہ بندی ہوگئی ہے۔اس نے کہا: برائے خداواپس جایئے۔ آپ کے سامنے سوائے تلواروں اور نیزوں کے کوئی چیز آنے والی نہیں ہے۔خطوط لکھنے والوں پر بھروسہ نہ کیجئے۔وہی لوگ سب سے پہلے آپ سے لڑنے کے لئے آئیں گے۔امام حسینؑ نے اس کی خیر خواہی پر دعائے خیر دی اور آگے روانہ ہوئے۔(۳)

۹۔سراۃ

بطن عقیق سے روانہ ہو کرامام نے یہاں رات بسر کی۔(۴)

۱۰۔شراف

طبری اور شیخ مفید کی تصریح کے مطابق ثعلبیہ وزبالہ کے بعد اس منزل پرامام نے حکم دیا کہ پانی بھرلو اور مشکیں اور چھاگلیں پر کرلو۔(۵)

امام حسینؑ اس منزل سے آگے بڑھے اور اب غالباً محرم ۶۱ھ کا چاند فلک پر نمودار ہو چکا تھا۔

۱۱۔ذوحسم

مخالف فوج کوادھر متوجہ پا کرامام حسینؑ نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ یہاں کوئی ایسی محفوظ جگہ ہے جسے ہم اپنی پشت پر قرار دے کر دشمن سے سامنے کی جانب سے مقابلہ کریں۔لوگوں نے کہا یہ ذوحسم پہاڑ

(۱)طبری،ج/۶،ص/۲۲۵ (۲)طبری،ج/۶،ص/۲۰۳ (۳)اخبارالطوال،ص/۲۴۷

(۴)الاخبارالطوال،ج/۲۴۷ (۵)طبری،ج/۶،ص/۲۲۶

موجود ہے جو آپ کے بائیں پہلو کی طرف ہے۔ آپ اس کی طرف متوجہ ہو جائیے۔ اگر ہم دشمن کے پہلے اس حد تک پہنچ گئے تو مقصد حاصل ہو جائے گا۔ حضرت نے اس رائے کو پسند کیا اور ادھر کا رخ کیا آنے والی سپاہ نے جو یہ دیکھا تو اس نے بھی اسی طرف کا رخ کر دیا۔ پھر امام وہاں پہلے پہنچ گئے تھے اصحاب کو حکم دیا کہ خیمے نصب کر دئے جائیں۔ فوراً تعمیل کی گئی۔ اتنی دیر میں وہ فوج بھی قریب پہنچ گئی۔ معلوم ہوا کہ حرؑ بن یزید ریاحی ایک ہزار کی فوج کے ساتھ سدراہ ہونے کے لئے آیا ہے۔(۱)

چونکہ امام کوفہ کے عام راستہ پر نہیں جا رہے تھے جو قادسیہ سے ہو کر گذرتا تھا۔ اس لئے حصین کی فوج سے تصادم نہ ہوا جو قادسیہ میں پڑی ہوئی تھی مگر جاسوسوں نے حصین کو آپ کے اس طرح بچ کر آگے بڑھ جانے کی اطلاع دے دی تھی اس لئے حصین نے حر کو ایک ہزار کی فوج کے ساتھ آپ کا راستہ روکنے کے لئے آگے روانہ کیا۔(۲)

حر کے لشکر کو پانی سے سیراب کرنا

سخت گرمی اور ریگستانی علاقہ حرؑ کو آپ تک پہنچنے کے لئے غیر معمولی تگ ودو کرنا پڑی اور بغیر پانی ساتھ لئے ہوئے بہت تیز چلنا پڑا۔ اس لئے یہاں پہنچتے پہنچتے فوج کے سوار اور گھوڑے سب ہی کی پیاس کے مارے حالت خراب تھی۔

امام حسینؑ اپنے اصحاب سمیت عمامے سروں پر رکھے تلواریں حمائل کئے کھڑے تھے کہ دشمن کے ہانپتے ہوئے گھوڑے اور سوار سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ پیاس کی شدت کے اثر سے گھوڑوں کی زبانیں باہر لٹک رہی تھیں۔ امام حسینؑ سے ان کی ایسی حالت دیکھی نہ گئی۔ آپ نے اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ ان سب کو پوری طرح سیراب کر دو۔ حکم کی دیر تھی، اطاعت امام پر کمر بستہ جوان کھڑے ہو گئے اور سب کو سیراب کیا۔(۳)

امام حسینؑ کی اس بلند ظرفی کا جو اثر مخالف سردار یعنی حر کے دل پر قائم ہو گیا۔ اس کی فوج کے سپاہی اپنے گھوڑوں کے سایہ میں باگیں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے بیٹھ گئے۔ یہاں تک ظہر کی نماز کا وقت آیا اور امام حسینؑ نے حجاج بن مسروق جعفی کو اذان کا حکم دیا اور انہوں نے اذان کہی۔ جب نماز جماعت کی صفیں تیار ہو گئیں تو امام اپنے نماز کے لباس میں خیمہ سے باہر آئے اور اقامت کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے

(۱) الاخبار الطّوال، ص/ ۲۴۷ (۲) طبری، ج/ ۶، ص/ ۲۲۷، ۲۲۸ (۳) الاخبار الطّوال، ص/ ۲۴۷

حر سے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو گے یا تم اپنے ساتھیوں کو الگ نماز پڑھانا چاہتے ہو؟ حر نے کہا: "نہیں، آپ نماز پڑھائیں اور ہم سب آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا دونوں جماعتوں نے امام کے پیچھے نماز ادا کی۔(۱)

۱۲۔ بیضہ

اس مقام پر امام حسینؑ نے فوج حر اور اپنے اصحاب کے سامنے ایک تقریر فرمائی جس میں اسلام کے تعلیمات کے حوالہ سے اپنے فرائض پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ:

> ''ایھا الناس! پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی بادشاہ کو دیکھے کہ وہ ظلم وجور کرتا ہے محرمات الٰہیہ کو حلال بنائے ہوئے ہے۔ خدائی عہد و پیمان کو توڑ دیا ہے، سنت رسولؐ کی مخالفت کرتا ہے اور بندگان خدا میں معصیت کا طرز اختیار کئے ہوئے ہے مگر یہ شخص ان باتوں کو گوارا کرے اور اصلاح کی کوشش نہ کرے اپنے قول اور اپنے عمل سے تو وہ مستحق ہوگا اس کا کہ اللہ اس کو بھی اسی بادشاہ کے درجہ میں محسوب کرے۔''

اس کے بعد موجودہ صورت حال پر تبصرہ کی حیثیت سے فرمایا:

> ''تمہیں معلوم ہوگا کہ ان بنی امیہ نے اطاعت شیطان کو اپنا راستہ بنالیا اور اللہ کی اطاعت سے روگردانی کی ہے۔ مسلمانوں کے اموال کو اپنا لیا ہے اور حرام خدا کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے لیا ہے اس صورت میں مجھ سے زیادہ کسی پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اصلاح کی کوشش کرے۔''(۲)

۱۳۔ عذیب الھجانات

اس منزل پر امام حسینؑ اور حر کے لشکر نے ایک تیر کی مسافت کا فاصلہ درمیان میں چھوڑ کر الگ الگ

---

(۱) الاخبار الطوال، ص/ ۲۴۷، طبری، ج/ ۶، ص/ ۲۲۷، شہید انسانیت، ص/ ۳۰۶　　(۲) طبری، ج/ ۶، ص/ ۲۲۹، شہید انسانیت، ص/ ۳۱۴

قیام کیا۔اسی اثناء میں کوفہ کے پانچ آدمی اپنے مرکبوں پرسوار وارد ہوئے جن کے ساتھ ایک گھوڑا تھا۔ یہ پانچ آدمی مرو بن خالد اسدی صیداوی ان کے غلام سعد، مجمع بن عبداللہ عائذی ،ان کے فرزند عائذ بن مجمع اور جنادہ جنادہ بن حارث سلمانی تھے۔حر نے جو امام کی نقل وحرکت کا نگراں تھا بڑھ کر کہا کہ یہ کوفہ کے لوگ ہیں اور آپ کے ساتھ آنے والوں میں سے نہیں ہیں لہٰذا میں انہیں قید کروں گا یا کوفہ واپس کروں گا۔

امام نے فرمایا: اب جب یہ میرے پاس پہنچ گئے ہیں تو ان کی حفاظت میرے ذمہ ہے اور اب وہ میرے انصار واعوان کی جماعت میں داخل ہو گئے ہیں۔حرؑ خاموش ہو گیا۔امام حسینؑ نے ان لوگوں سے کوفہ کا حال دریافت کیا اور ابن زیاد کی لاکھوں کی فوج سے بچنے کے لئے کوہ رجا پر پناہ لینے کی صلاح دی جسے امام حسینؑ نے مانا نہیں۔

۱۴۔قصر بنی مقاترا

عذیب الہجانات سے امام حسینؑ کوفہ کے راستے کو چھوڑ کر داہنے ہاتھ کی سمت روانہ ہوئے یہاں تک کہ قصر بنی مقاتل پہنچے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے اور ساتھ ہی ساتھ حر نے بھی قیام کیا۔(۱)

۱۵۔نینوا

قافلہ راستہ قطع کر رہا ہے۔امام حسینؑ آگے بڑھتے جا رہے ہیں اور حر کی طرف سے بھی اب کوئی مزاحمت نہیں کی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ ''نینوا'' کی زمین تک پہنچنا ہوا۔ یہاں ایک مسلح سوار کوفہ کی طرف سے آتا دکھائی دیا اور سب لوگ ٹھہر کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ پہنچا تو اس نے حر اور اس کے اصحاب کو سلام کیا لیکن حسینؑ اور ان کے اصحاب کو سلام کرنا ضروری نہ سمجھا۔ یہ ابن زیاد کا قاصد تھا۔حر کے نام ایک خط لایا تھا۔خط میں لکھا تھا کہ:

> ''تم کو لازم ہے کہ جہاں پر تم کو یہ خط پہنچے وہیں پر حسینؑ کو آگے بڑھنے سے روک دو اور انہیں ایسی جگہ قیام کرنے پر مجبور کرو جہاں آب و گیاہ موجود نہ ہو اور نہ

---

(۱)الاخبارالطّوال،ص/ ۲۴۹ شہید انسانیت،ص/ ۳۱۸

کوئی قلعہ یا جائے پناہ ہو اور میں نے اپنے فرستادہ کو حکم دے دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ساتھ رہے اور تمہاری کارگزاری کی مجھے اطلاع دے۔''(۱)

۱۶۔ کربلا

امام حسینؑ ذرا بائیں طرف مڑ کر تھوڑا سا چلے تھے کہ سپاہ حرؓ سامنے آ کر سدراہ ہوگئی اور کہا کہ بس یہیں اتر پڑیئے۔ فرات یہاں سے دور نہیں ہے۔ امام نے نام پوچھا معلوم ہوا کربلا، فرمایا: ''اچھا! کرب و بلا کی یہی منزل ہے۔'' یہ کہہ کر گھوڑے سے اتر پڑے۔(۲)

حسینؑ کا کربلا میں قیام اور یزیدی فوجوں کی آمد

امام حسینؑ بروز چہارشنبہ یا پنج شنبہ (دوسری محرم) ۶۱ھ وارد کربلا ہوئے اور فرمایا یہ جگہ کرب و بلا ورنج وغم کی جگہ ہے۔ یہ جگہ ہمارے اونٹوں کے بٹھانے کی ہے۔ یہی جگہ ہمارے لشکر کے اترنے کی ہے۔ یہ جگہ شہداء کے خون گرنے کی ہے۔ پس امام عالی مقام نے اس جگہ نزول اجلال فرمایا اور حرا پنے ہزار سواروں کے ساتھ حضرت کے لشکر کے مقابل اترا۔ جناب زینبؑ نے جب حسینؑ کے کلمات سنے، تو اس درجہ روئیں کہ غش آ گیا۔ امام نے رخساروں پر پانی چھڑک کر ہوش میں لائے۔ پھر آل محمدؐ داخل خیمہ ہوئے۔

اس کے بعد امام حسینؑ نے وہاں کے رہنے والوں کو بلایا اور ان سے اس زمین کربلا کو ساٹھ ہزار درہم پر ۱۶ مربع میل چند شرائط کے ساتھ خرید کر انہیں کو ہبہ کردی۔(۳)

تیسری محرم

یوم جمعہ کربلا پہنچے کی خبر حر نے ابن زیاد کو دی جس کے جواب میں ابن زیاد نے ایک خط امام حسینؑ کو لکھا۔ میں نے سنا ہے آپ کربلا میں اترے ہیں۔ یزید نے مجھے لکھا ہے کہ فرش نرم پر نہ بیٹھوں، کھانا سیر ہو کر نہ کھاؤں جب تک آپ کو قتل نہ کروں، یا یہ کہ آپ میری اور یزید کی اطاعت کریں۔ جب یہ نامہ حضرت کو پہنچا مطالعہ فرما کر زمین پر پھینک دیا: فرمایا رستگار نہ ہوں گے وہ لوگ جنہوں نے رضائے مخلوق کے لئے غضب

(۱) الاخبار الطوال، ص/ ۲۴۹ (۲) طبری، ج/ ۶، ص/ ۲۳۲، ارشاد، ص/ ۲۳۹ (۳) اثارۃ الاحزان، ص/ ۳۶

خالق کومول لیا۔ جب قاصد نے جواب مانگا آپ نے فرمایا: اس کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔ بلا شبہہ عذاب الٰہی اس پر مسلط ہوا ہے۔ اسی تیسری تاریخ کی شام کو حبیب ابن مظاہر قبیلہ بنی اسد میں گئے اور ان میں سے نوے جانباز امداد حسینی کے لئے تیار کئے۔ وہ انہیں لا رہے تھے کہ کسی نے ابن زیاد کو اطلاع کر دی۔ اس نے چار سو (۴۰۰) کا لشکر بھیج کر اس کمک کو رکوا دیا۔(۱)

چوتھی محرم

یوم شنبہ کو ابن زیاد نے مسجد جامع میں ایک خطبہ دیا جس میں اس نے امام حسینؑ کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا اور کہا کہ حکم یزید سے تمہارے لئے خزانوں کے منہ کھول دیئے گئے ہیں۔ تم اس کے دشمن حسینؑ سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ اس کے کہنے سے بے شمار لوگ آمادہ کربلا ہو گئے۔ سب سے پہلے شمر نے روانگی کی درخواست کی۔ چنانچہ شمر کو چار ہزار (۴۰۰۰)، ابن رکاب کو دو ہزار (۲۰۰۰)، ابن نمیر کو چار ہزار (۴۰۰۰)، ابن رہینہ کو تین ہزار، ابن خرشہ کو دو ہزار (۲۰۰۰) سوار دے کر کربلا روانہ کر دیا گیا۔(۲)

پانچویں محرم

یکشنبہ کو ابن زیاد نے شیث بن ربعی کو پیغام دیا: میں چاہتا ہوں تجھے امام حسینؑ سے لڑنے کو بھیجوں، شیث نے بیماری کا بہانہ کیا تا کہ ابن زیاد اس حیلہ سے معاف رکھے۔ جب عبد اللہ ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ شیث نے بہانہ کیا ہے، اسی وقت بلوایا۔ شیث ابن ربعی رات کو ابن زیاد کے پاس آیا تا کہ ابن زیاد اس چہرے سے اس کے بیمار نہ ہونے کا پتہ نہ لگا لے۔ اس مکار نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور کہا حسینؑ سے لڑنے جا۔ اس طرح ابن زیاد نے شیث کو چار ہزار (۴۰۰۰) سوار دے کر کربلا روانہ کر دیا۔

چھٹی محرم

یوم دوشنبہ ابن زیاد نے عمر سعد کو لکھا:

> میں نے کافی لشکر تیری مدد کو بھیج دیا ہے تا کہ تیرے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ اب تجھے چاہئے کہ خوب بازار قتال گرم کر اور جو کچھ واقع ہو ہر صبح و شام

---

(۱) دمعۃ الساکبہ، ص/۳۲۲ (۲) لہوف، ص/۱۰۶

مجھے خبر دے۔خولی ابن یزید اصبحی کو دس ہزار (۱۰۰۰۰) کعب ابن الحر کو تین ہزار (۳۰۰۰)، حجاج ابن حر کو ایک ہزار (۱۰۰۰) کا لشکر دے کر روانہ کیا۔ان کے علاوہ علاوہ کئی اور چھوٹے بڑے لشکر بھیج کر یہاں تک کہ تیس ہزار سوارے و پیادے عمر سعد کے پاس جمع ہو گئے۔

اس تاریخ کو خولی ابن یزید نے ابن زیاد کے نام خط لکھا کہ عمر ابن سعد امام حسینؑ سے رات کی تاریکی میں چھپ کر ملتا ہے۔ابن زیاد نے خط پاتے ہی عمر سعد کے نام ایک خط لکھا: مجھے تیری تمام حرکتوں کی اطلاع ہے۔تو چھپ کر باتیں کرتا ہے۔دیکھ میرا خط پاتے ہی امام حسینؑ پر پانی بند کر دے اور انہیں جلد سے جلد موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کر۔(۱)

ساتویں محرم

یوم سہ شنبہ عمر ابن حجاج کو پانچ سو سواروں کے ساتھ نہر فرات پر مقرر کر دیا گیا کہ امام حسینؑ کے خیمہ تک پانی نہ پہنچنے پائے۔(۲)

پھر مزید احتیاط کیلئے چار ہزار کا لشکر کے ساتھ حجر کو بھیجا۔عبداللہ ابن حصین نے نہایت کریہہ لفظوں میں طعنہ زنی کی۔جس سے امام حسینؑ کو سخت صدمہ پہنچا۔پھر ابن حوشب نے طعنہ زنی کی جس کا جواب حضرت عباسؑ نے دیا۔(۳)

امام حسینؑ نے ان لوگوں کی طعنہ زنی کے جواب میں خیمہ سے ۱۹ قدم کے فاصلہ پر جانب قبلہ ایک ضرب تیشہ سے چشمہ جاری کر دیا۔(۴)

یہ بتا دیا کہ ہمارے لئے پانی کی کمی نہیں ہے۔لیکن اس مقام پر ہم معجزہ دکھانے نہیں آئے ہیں بلکہ امتحان دینے آئے ہیں۔

ابن زیاد کا خط عمر سعد کو پہنچا جس میں لکھا تھا کہ: حسینؑ اور فرات کے درمیان حائل

---

(۱) ناسخ التواریخ، ج/۶، ص/۲۳۶، الاخبار الطّوال، ص/۲۵۲، طبری، ج/۲۱۲، البدایۃ والنھایۃ ج/ص/۱۷۵
(۲) طبری، ج/۱، ص/۳۱۳، ناسخ التواریخ، ج/۶، ص/۲۳۷ (۳) الامات والسیاست، ج/۱، ص/۸
(۴) مقتل عوالم، ص/۱۷۸، اعثم کوفی، ص/۲۶۶

ہو جا اور ایک قطرہ ان کے لب خشک تک پہنچنے نہ دے جس طرح عثمان بن عفان کو
پیاسا رکھا تھا۔(۱)

اس خط کو پڑھ کر ابن سعد نے عمر بن حجاج کو پانچ سو سواروں کے ساتھ فرات پر معین کیا۔ پس اشقیا امام حسینؑ اور فرات کے درمیان حائل ہوئے۔ کسی کو ایک قطرہ نہ دیا، یہ واقعہ حضرت حسینؑ کی شہادت سے تین دن پہلے وقوع میں آیا۔ اس وقت عبداللہ ابن حصین ازری نے جو قوم بجیلہ کی طرف منسوب تھا زور سے پکارا:

''اے حسینؑ واصحاب حسینؑ! کیا پانی کو نہیں دیکھتے کہ برنگ آسمانی کیا صاف
وپاکیزہ ہے، قسم بخدا ایک قطرہ پانی اس میں سے نہ پینے پاؤ گے یہاں تک کہ
پیاس کی شدت سے ہلاک ہو جاؤ۔''

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: خداوند! اسے تشنگی سے ہلاک کر اور ہرگز اس ملعون کو نہ بخش۔

حمید ابن مسلم کہتا ہے: قسم خدائے بے نیاز کی میں نے دیکھا کہ وہ ملعون شدت تشنگی سے فریاد العطش، العطش کرتا تھا۔ جب پانی اس کے آگے لے جاتے تھے، تو اس قدر پیتا تھا کہ قے کرتا تھا۔ اسی بلا میں مبتلا رہا یہاں تک واصل جہنم ہوا۔

آٹھویں محرم

یوم چہار شنبہ کو خیموں میں پانی بالکل نہ تھا، بچے پیاس کی شدت سے بے چین تھے۔ حضرت امام حسینؑ نے اتمام حجت کے لئے خطبہ پڑھا اور پیغمبر اسلام کے ساتھ اپنے خصوصی تعلق کا اظہار کر کے ان نام نہاد مسلمانوں میں احساس فرض پیدا کرنے کی کوشش فرمائی تو اس کے جواب میں کہا گیا کہ:

ہم سب جانتے ہیں مگر اس کے باوجود تم کو چھوڑیں گے نہیں یہاں تک کہ
پیاس کی شدت کی وجہ سے ہی تم دنیا سے رخصت ہو جاؤ۔(۲)

نویں محرم

یوم پنجشنبہ بروایت شیخ مفیدؒ عمر سعد نے قرہ بن قیس حنظلی کو بلا کر کہا: حسینؑ سے دریافت کر کہ آپ کیوں

(۱) الاخبار الطوال، ص/۲۵۲، طبری، ج/۶، ص/۲۳۴ (۲) لہوف، ابن طاؤس

یہاں آئے ہیں، کیاارادہ ہے، جب قرّہ لشکر امام انام کے پاس پہنچا اور حضرت کی نظر ''قرّہ'' پر پڑی حضرت نے اپنے اصحاب سے پوچھا: تم اس کو پہچانتے ہو؟ حبیب ابن مظاہر نے عرض کیا: یہ شخص قبیلہ حنظلہ تمیم سے ہے میرا بھانجا ہے اور ذی عقل اور دانش مند ہے۔ مجھے ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ یہ لشکر مخالف کا شریک ہوگا۔ غرضکہ جب حاضر ہوا سلام کر کے پیام عمر سعد پہنچایا۔ حضرت نے جواب دیا کہ تمہارے اہل شہر نے بے شمار خط بھیجے، بہ اصرار تمام بلایا، اس لئے میں یہاں آیا۔ اگر میرا آنا تم کو ناگوار ہو تو میں واپس جاتا ہوں ۔ جب حضرت کا جواب عمر ابن سعد کو پہنچا اس نے کہا: میں خدا سے تمنا کرتا ہوں کہ مجھے حسینؑ ابن علیؑ کے محاربہ سے نجات دے۔ اس وقت عمر سعد نے ابن زیاد کو اس حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ ابن زیاد نے کہا تو حسینؑ سے کہہ دے کہ وہ اور ان کے اصحاب بیعت یزید کریں۔ اس کے بعد جو میری رائے میں آئے گا، وہ کروں گا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ نویں تاریخ کو شمر کوفہ واپس گیا اور اس نے عمر ابن سعد کی شکایت کر کے ابن زیاد سے ایک سخت حکم حاصل کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر حسینؑ بیعت نہیں کرتے، تو انہیں قتل کر کے ان کی لاش پر گھوڑے دوڑا دے اور اگر تجھ سے یہ نہ ہو سکے تو شمر کو چارج دے دے ہم نے اسے یزید کے حکم کی تعمیل کا حکم دے دیا ہے۔(۱)

ابن زیاد کا حکم پاتے ہی ابن سعد تعمیل پر تیار ہوگیا۔ اسی نویں تاریخ کو شمر نے حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کو امان کی پیش کش کی انہوں نے بڑی دلیری سے اسے ٹھکرا دیا۔(۲)

شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؑ ابن علیؑ نے اپنے برادر بزرگوار (حضرت امام حسینؑ) کی خدمت میں عرض کی: اے آقا! لشکر مخالف چلا آتا ہے۔ حضرت اٹھ کھڑے ہوئے فرمایا: ''اے بھائی! تم سوار ہو ان سے پوچھو تمہارا مطلب کیا ہے؟'' حضرت عباسؑ بیس سوار لے کر جن میں زہیر ابن قین اور حبیب ابن مظاہر بھی تھے، لشکر مخالف کے سامنے آئے پوچھا: تم کیا چاہتے ہو؟ ان لوگوں نے جواب دیا: ''ہمیں حکم امیر پہنچا ہے کہ تم پر یزید اور ابن زیاد کی اطاعت پیش کریں۔ اگر اطاعت کرو، اس کے پاس بھیج دیں، ورنہ تم سے لڑیں۔ حضرت عباسؑ نے فرمایا: توقف کرو کہ یہ پیام اپنے امام سے عرض کروں۔ سب نے توقف کیا۔ کہا کہ جلدی جواب دو۔ حضرت عباس تن تنہا بہ تعجیل تمام حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے۔ اہل شام کا پیام

(۱) روضۃ الشہداء، ص/۳۰۶، الدمعۃ الساکبہ، ص/۳۲۳ (۲) طبری، ج/۶، ص/۲۳۷

عرض کیا، باقی اصحاب حضرت نے وہیں توقف کیا اور فرقہ گمراہ کو کلمات وعظ ونصیحت سمجھاتے رہے کہ اے لوگو! خدا سے ڈرو قتل فرزند رسولؐ سے ہاتھ اٹھاؤ۔

حضرت نے پیام اشقیا سن کر فرمایا: اے برادر! اگر ہو سکے تو لڑائی کل پر موقوف رہے۔ آج کی رات ان کو ہمارے قتل سے باز رکھو، تاکہ اس شب ہم اپنے پروردگار کی عبادت کریں، تمام شب نماز، دعا، استغفار اور تلاوت قرآن میں بسر کریں، کیونکہ خدا جانتا ہے میں ہمیشہ نماز وتلاوت واستغفار اور دعاء وعبادت کا مشتاق رہا ہوں۔

یہ سن کر حضرت عباسؑ منافقین کے پاس گئے۔ ایک رات کی مہلت طلب کی۔ عمر سعد نے ایک شخص کو ہمراہ حضرت عباسؑ کے خدمت امام عالی مقام میں بھیجا۔ جب وہ شخص حاضر ہوا اس نے کہا آج شب کی مہلت دی ہے کل اگر اطاعت امیر کروگے، ابن زیاد کے پاس لے چلیں گے ورنہ قتل کریں گے۔

شب عاشور

امام حسینؑ کو سب سے زیادہ فکر تھی کہ خون خرابہ ہوئے بغیر اپنے اصحاب کو موت سے بچالیں۔ ایک رات کی مہلت اس لئے نہیں لی گئی تھی کہ دوسرے دن صلح کی کوئی صورت نکل آئے گی یا کہیں سے کوئی امداد آنے کی امید تھی اور نہ امام یہ چاہتے تھے کہ اپنے اہل بیتؑ اور پسماندگان کو آئندہ کے لئے کچھ وصیتیں فرمادیں اور انہیں آئندہ کے لئے تیار کردیں یا اپنے بعد ان کی حفاظت کا انتظام کردیں۔ ان کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ اس آخری رات اپنے پروردگار عالم کی عبادت میں گذار دیں اور دعا واستغفار میں مصروف رہیں۔ چنانچہ آپ نے اور آپ کے اصحاب نے تمام شب اس عالم میں گذاری کہ وہ مسلسل نماز، دعا اور استغفار، بارگاہ الٰہی میں تضرع وزاری میں مصروف تھے۔(۱)

اس ایک شب کی مہلت میں دوسری بڑی مصلحت یہ مضمر تھی کہ آپ اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے جنگ کے خلاف سوچنے کا موقع فراہم کرنا چاہتے تھے۔

چنانچہ آپ نے شام ہوتے ہوتے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

(۱) طبری، ج/۶، ص/۲۴۰

''تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں ۔راحت و تکلیف ہر حال میں اس کا شکر ہے۔ بارالٰہی تیرا شکر ہے کہ تونے ہم کو نبوت کی عزت عطا کی ،قرآن کا علم دیا دینی معلومات کا خزانہ مرحمت فرمایا اور ہمیں گوش شنوا،چشم بینا اور دل دانا کی نعمتوں سے مالا مال کیا۔''

اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا:

معلوم ہونا چاہئے کہ میں دنیا میں کسی کے ساتھیوں کو اپنے ساتھیوں سے زیادہ باوفا اور ان سے بہتر نہیں جانتا اور نہ اپنے اعزاء سے زیادہ نیکوکار اور ادائے حق کرنے والے اعزاء کسی کے مجھے معلوم ہیں ۔خدا تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر دے ۔آگاہ ہو کہ دشمن کل ضرور جنگ کرے گا۔ میں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔ میں بیعت کی ذمہ داری تم سے ہٹا تا ہوں ۔رات کا پردہ پڑا چاہتا ہے، اسی کو اپنا مرکب بنا کر روانہ ہو جاؤ۔تم ہی کو میں جانے کو نہیں کہتا بلکہ ہر ایک تم میں سے میرے عزیزوں میں سے بھی ایک ایک شخص کا ہاتھ پکڑ لے اور اپنے ساتھ لیتا جائے ،اس لئے کہ لوگ صرف میرے طالب ہیں اگر مجھے قتل کر ڈالیں تو پھر کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے ۔(۱)

یہ سننا تھا کہ حضرت عباسؑ ،فرزندان مسلم ابن عقیل ،مسلم ابن عوسجہ ،زہیر ابن قین ،سعد ابن عبداللہ یکے بعد دیگرے کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے کہ مولا آپ نے یہ کیا فرمایا! ارے لعنت ہے اس زندگی پر جو آپ کے بعد باقی رہے۔(۲)

امام حسینؑ اپنے ساتھیوں کو کسی دباؤ یا مروّت کے تحت اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتے تھے بلکہ وہ تو حقیقت حال کو واضح کر کے غلط فہمیوں کو دور کر رہے تھے ۔یہ کوشش شب عاشور ہی تک نہیں رہی بلکہ اس کا آپ کی جانب سے مظاہرہ روز عاشور بھی ہوا۔اس کے بعد آپ نے جنگ کے ہنگام کے لئے امکانی حد تک تحفظی تدابیر بھی کئے ۔آپ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ خیموں کو بالکل ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر باندھ دیں اور خیموں سے

(۱) طبری، ج/۶، ص/ ۲۳۸، ارشاد، ص/ ۲۲۳۔۲۲۴

(۲) ابن الوردی، ج/ ۱، ص/ ۱۷۳، ارشاد، ص/ ۲۹۷، دمعۃ ساکبہ، ص/ ۳۲۴، جلا العیون، ص/ ۱۹۹

تھوڑی دوری پر ایک خندق کھدوائی اور اس میں لکڑیاں بھروادیں کہ جب حملہ ہوگا تو آگ لگا دی جائے۔

دسویں محرم ــــــــــ اتمام حجت اور آغاز جنگ

۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ یوم جمعہ صبح عاشورا نمودار ہوئی، صادقین نے نماز صبح کا تہیہ کیا۔ امام حسینؑ نے حضرت علی اکبرؑ سے اذان دینے کو کہا جو صورت اور آواز سے اپنے جد رسول خداؐ سے مشابہ تھے کہ دشمنوں کے کانوں میں یہ آواز جائے اور وہ رسول خداؐ کو یاد کر کے اپنے ظلم و زیادتی سے باز آئیں لیکن حضرت علی اکبرؑ کی اذان کی آواز کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ الٹے اشقیا کی طرف سے نمازیوں پر تیر آنے لگے۔ تیروں کی پرواہ کئے بغیر امام حسینؑ نے نماز جماعت ادا کی وہ نماز جس کے تعقیبات میں کربلا کا جہاد تھا۔

امام نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا دشمن کی فوج کا عظیم سمندر موجیں لیتا ہوا نظر آیا۔ آپ نے بھی اپنے ۷۲ جانبازوں پر مشتمل لشکر کی جنگی تنظیم یوں فرما دی۔ میمنہ بیس بہادر، میسرہ بیس بہادر، بقیہ قلب لشکر میمنہ کے سردار زہیر قین، میسرہ کے حبیب ابن مظاہر اور علمدار لشکر حضرت عباس کو قرار دیا۔ (۱)

فوج مخالف میں لشکر کی ترتیب میں میمنہ پر عمرو بن حجاج زبیدی۔ میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن سواروں کا سردار عزرہ بن قیس احمس اور پیادوں کا افسر شیث ابن ربعی یربوعی اور علم عمر سعد نے اپنے غلام درید کے سپرد کیا۔ (۲)

تاریخ شاہد ہے کہ کبھی کوئی جنگ نہ اس سے پہلے ہوئی ہوگی نہ اس کے بعد ہو سکتی ہے جس میں امام حسینؑ کا ایسا سپہ سالار جس نے ایک ایسی چھوٹی سی جماعت کو کم از کم بیس تیس ہزار فوج کے مقابلہ میں جنگ کے لئے کھڑا کیا ہو۔ (۳)

اسی لئے شہدائے کربلا کے لئے بہتر (۷۲) کی لفظ زبان زد خلائق ہے۔

کربلا کے حالات جنگ اور مجاہدین کے ناموں کی تفصیل اور دوسرے متعلقہ واقعات سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ تعداد سو (۱۰۰) سے زیادہ اور دو سو (۲۰۰) سے کم تھی۔ (۴)

ممکن ہے عام طور پر تاریخ میں جو تعداد درج ہے وہ ان جانبازوں کی ہو جو فوجی انداز پر تربیت یافتہ

---

(۱) جلاء العیون، ص/۲۰۱، الاخبار الطوال، ص/۲۰۳ (۲) طبری، ج/۶، ص/۲۴۱

(۳) الاخبار الطوال، ص/۲۵۴، طبری، ج/۶، ص/۲۴۱، ارشاد، ص/۲۴۶ (۴) طبری، ج/۶، ص/۲۲۰

تھے لیکن سلسلۂ جہاد میں بہت سے ایسے افراد بھی میدان میں آ گئے جو فوجی حیثیت سے سپاہی نہ سمجھے جا سکتے ہوں۔ محمد ابن ابی طالب نے لکھا کہ:

کہ بیاسی پیادے تھے۔ سید ابن طاوسؒ نے حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ پینتالیس سوار اور سو پیادے تھے۔(۱)

میدان جنگ میں آنے کے بعد امام حسینؑ نے اپنے ہاتھ درگاہ احدیت میں بلند کئے اور یہ مناجات زبان پر جاری کی:

''خداوندتو میرا سہارا ہے، ہر تکلیف میں اور میرا قبلہ امید ہے ہر سختی میں اور تجھ پر مجھے ہر مہم میں جو درپیش ہو بھروسہ ہے۔ کتنے ہی صدمے ایسے ہیں جن کے برداشت کرنے سے دل کمزور ثابت ہوتا ہے اور حیلہ وتدبیر کی راہیں بند نظر آتی ہیں۔ دوست ان میں ساتھ چھوڑ دیتے اور دشمن ان میں طعنہ زنی کرنے لگتے ہیں۔ میں ان کو تیرے حضور میں پیش کرتا اور تیری بارگاہ میں عرض کرتا ہوں، اس لئے کہ میں تجھے چھوڑ کر کسی اور سے لو لگانا ہی نہیں جانتا۔ تو اس تکلیف کو دور کرتا اور اس کا تدارک کرتا ہے۔ یقیناً تو ہی ہر نعمت کا مالک احسان کا مرکز اور ہر مطلب کے لئے آخری جائے پناہ ہے۔(۲)

امام حسینؑ آئین شریعت کی حقانیت کو ظاہر کرنے کے لئے اس جد وجہد کو جاری رکھے ہوئے تھے آپ اور آپ کے اصحاب کے کردار میں کوئی ایسا شائبہ بھی نہ آنے پائے جو آپ کے خلاف تشدد کے جواز کی دلیل بن سکے۔ اس لئے آپ نے مصالحت کی گفتگوئیں کیں۔ ملک عرب کو چھوڑنے اور دربدری کی زندگی بسر کرنے پر آمادگی ظاہر کی اور اسباب اشتعال پیدا کئے جانے کے باوجود بھی اپنے ساتھیوں کو جنگ میں سبقت سے دور رکھا۔ ''جب خندق میں آگ بھڑک رہی تھی تو ادھر کا سوار سر سے پیر تک لوہے میں غرق اس طرف سے گذرا اور خندق کی آگ میں شعلے اٹھتے دیکھ کر انتہائی اشتعال انگیز جملہ کہا جس کو سن کر مسلم بن عوسجہ نے امام سے عرض کی کہ اجازت ہو تو اس کو تیر کا نشانہ بنالوں کیونکہ یہ بڑا فاسق وفاجر شخص شمر بن ذی الجوشن ہے۔

(۱) بحارالانوار، ج/۱، ص/۲۲۰ (۲) طبری، ج/۶، ص/۲۴۱، ارشاد، ص/۲۴۶

حضرت نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو، میں جنگ میں پہل نہیں کرنا چاہتا۔(۱)

تاریخی بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ صبح عاشور دونوں طرف کی صف بندی ہو چکنے کے بعد کافی وقت تک جنگ کا آغاز نہیں ہوا۔اس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ دشمن اس کا موقع ڈھونڈھ رہا تھا کہ کسی صورت سے حسینی جماعت کی طرف سے کوئی ایسا اقدام ہو جو بنائے جنگ بن سکے اور امام حسینؑ کا منشا یہ تھا کہ میری طرف سے کوئی آغاز جنگ نہ ہونے پائے بلکہ اس کے برخلاف آپ نے دشمن کو راہ راست پر لانے کے لئے پرامن کوششیں کر کے اتمام حجت فرما دیں اس لئے آپ نے ناقہ طلب فرمایا اور اس پر سوار ہوئے۔قرآن اپنے سامنے رکھا۔پھر صفوف دشمن کی طرف آ کر بلند آواز میں ارشاد فرمایا:

''اے گروہ مردم میری بات سنو! جلدی سے کام نہ کرو، یہاں تک مجھ پر جو تمہارا حق ہے اس کے ماتحت تم کو نصیحت و ہدایت کا فرض ادا کردوں اور تمہارے سامنے یہ حقیقت حال بیان کردوں کہ میں تمہاری جانب کیوں آیا۔اگر تم نے میرے بیان کو صحیح سمجھتے ہوئے تسلیم کرلیا اور میرے ساتھ انصاف سے کام لیا تو یہ تمہاری خوش قسمتی ہوگی اور تمہیں معلوم ہوگا کہ تمہیں میری مخالفت کی کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی اور اگر تم نے میرے بیان کو قبول نہ کیا اور انصاف سے کام نہ لیا تو شوق سے مجمع کرلو اپنی طاقتوں کو اور اکٹھا کرلو، جس جس کو چاہو اپنے ہم خیالوں میں سے اور کوئی کوشش نہ اٹھا رکھو پھر پوری طاقت سے، بغیر ایک دم کی بھی مہلت دیئے ہوئے میرا خاتمہ کردو۔میرے لئے وہ پروردگار کافی ہے جس نے قرآن کو نازل کیا اور وہی اپنے نیک اعمال بندوں کا مددگار ہے۔(۲)

روای کا بیان ہے کہ میں نے حسینؑ سے پہلے اور حسینؑ کے بعد کوئی ایسا متکلم نہیں دیکھا جو فصاحت و بلاغت میں آپ سے بڑھا ہوا ہو۔

امام حسینؑ نے فرمایا: ذرا میرے نام و نسب پر غور کرو اور دیکھو تو میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبان میں منہ ڈالو۔غور کرو کہ تمہارے لیے میرے خون کا بہانا اور میری ہتک حرمت کرنا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ اور ان کے وصی نہیں ہوں ان کے چچازاد بھائی اور ان پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اور ان کی

(۱) طبری، ج/۶، ص/۲۴۲ (۲) طبری، ج/۶، ص/۲۴۳

تصدیق کرنے والے کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا حمزہ سید الشہداء میرے باپ کے چچا اور جعفر طیار خود میرے ہی چچا نہیں تھے۔ کیا یہ حدیث جو زبان زد خلائق ہے تمہارے گوش زد نہیں ہوئی کہ حضرت رسول خداؐ نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ دونوں جوانان اہل جنت کے سردار ہیں؟ اگر تم میری بات کو سچ سمجھتے ہو اور اصلاً وہ سچ ہی ہے، اس لئے کہ کبھی میں نے غلط بات نہیں کہی، پھر تو کوئی بات نہیں اور اگر تم میری بات کو غلط سمجھو تو اسلامی دنیا میں اب بھی ایسے اشخاص ہیں جن سے اگر تم پوچھو تو وہ بتلا دیں گے۔ پوچھ لو جابر بن عبد اللہ انصاری سے ابوسعید خدری سے، سہل بن سعد ساعدی سے، زید بن ارقم سے، انس ب ملک سے، وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے رسالتمآبؐ سے اپنے کانوں سے اس حدیث کو سنا ہے۔ پھر کیا یہ تمہیں میرا خون بہانے سے روکنے کے لئے کافی نہیں ہے۔(۱)

مخالف فوج کے سکوت کو ملاحظہ فرمانے کے بعد آپ نے نام بنام ان لوگوں کو پکارا جن کے اس خط پر دستخط موجود تھے۔ یہ لوگ معمولی درجہ کے سپاہی بھی نہ تھے۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک کم از کم پانچ سو آدمیوں کا سردار تھا۔

حسینؑ اس وقت جبکہ اپنا کوئی گواہ نہ تھا اور مجمع دشمن تھا مجمع سے اپنی بے گناہی کا اقرار لے رہے تھے۔ تمام لشکر سے کہا جا رہا تھا کہ کوئی شخص کسی جرم کا پتہ دے دے۔ اگر کوئی جرم کسی کی نگاہ میں ہوتا تو اس تیس ہزار کے مجمع میں کوئی تو زبان کھولتا۔ کیا دنیا کی کوئی مادّی طاقت زبانوں کو روکنے والی تھی؟ مگر معلوم ہوتا ہے کہ سچائی کی طاقت تھی جو دہنوں پر قفل اور زبانوں پر گرہ لگائے ہوئے تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک یک وتنہا انسان ہزاروں آدمیوں کو مخاطب کر رہا تھا اور کسی کو اس کے خلاف زبان کشائی کی جرائت نہ تھی۔

امام حسینؑ کی تقریر سن کر وہ اشخاص پریشان ہو گئے جو یزیدی فوج میں بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ انہوں نے تو وہ خط محض سازشی انداز میں ہوا کے رخ کو دیکھ کر لکھا تھا کہ حسینؑ کے نام اتنے کثرت سے خط جا رہے ہیں کہ اگر کہیں حسینؑ آگئے اور فضا ان کے موافق رہی تو ہمارے لیے بھی جگہ باقی رہنا چاہئے۔ مگر اب فضا یزید کے موافق ہے۔ اگر اتنے گواہوں نے ابن زیاد کو بتا دیا تو ان کی خیر نہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی

---

(۱) طبری، ج/۶، ص/۲۴۲

تحریروں سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم نے اس طرح کا کوئی خط نہیں لکھا۔

امام حسینؑ نے فرمایا: ''اللہ اکبر''! اتنا کھلا ہوا حقیقت سے انکار! تم نے لکھا تھا اور ضرور لکھا تھا۔ بفرض محال نہیں بھی لکھا تھا اور تم لوگ میرا آنا حقیقت میں نہیں بھی چاہتے تھے تو مجھے واپس چلا جانے دو کسی ایسی جگہ جہاں میں امن وامان کی زندگی گذار سکوں۔

قیس بن اشعث نے (جس کی بہن جعدہ بنت اشعث نے حکومت شام کے ساتھ سازش میں شریک ہو کر امام حسنؑ کو زہر دیا تھا اور جس کا بھائی محمد بن اشعث حضرت مسلم کے قتل کا ذمہ دار تھا۔) پکار کر کہا'' آپ یزید کی بیعت کیوں نہیں کر لیتے؟''

حضرت نے فرمایا: ''تم تو ایسا کہو گے ہی؟ تم محمد بن اشعث ہی کے تو بھائی ہو۔ کیا تم اتنے کو کافی نہیں سمجھتے کہ مسلم بن عقیل کے خون کی ذمہ داری تم پر ہے۔ خدا کی قسم میں ذلت کے ساتھ اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہ دوں گا اور نہ غلاموں کی طرح خطرہ سے اپنی جان بچا کر بھاگوں گا۔''

اس کے بعد زہیر بن قین نے اپنی تقریر کے ذریعہ سمجھانا چاہا کہ یزیدی فوج کا ساتھ چھوڑ کر حسینؑ کا ساتھ دیں۔ جس کی وجہ سے زہیر بن قین پر تیر چلائے گئے، ان کی مذمت کی گئی اور ابن زیاد کی مدح کی گئی۔ زہیر نے تیر کی پرواہ نہ کی اور شمر سے مصروفِ گفتگو ہو گئے۔ شمر کے اس کہنے پر کہ'' دیکھو! تھوڑی دیر میں تم اور تمہارے سردار سب قتل ہو جائیں گے۔'' زہیر نے کہا: ''مجھے موت سے خوف دلاتا ہے؟ خدا کی قسم ان کے ساتھ مرنا مجھے تم لوگوں کے ساتھ زندگیٔ جاوید حاصل کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔''

افواج یزید کے ارادوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ جنگ پر آمادہ تھے۔ مگر حرؑ جس پر امام حسینؑ کی تقریر کا بہت اثر ہوا تھا وہ دیکھ رہا تھا کہ کوئی اور بھی بڑھ کر حسینؑ کا ساتھ دینے کا وعدہ کرے مگر کوئی نہ بڑھا تو حر عمر سعد کے پاس آیا اور کہا: ''کیا تم ان سے واقعی جنگ کرو گے؟''(۱)

حضرت حر کی آمد

اسی ایک سوال کے انداز میں وہ سب قلبی کیفیتیں مضمر تھیں جن میں حر کئی روز سے دل ہی دل میں

(۱) طبری، ج/۶، ص/۲۴۴

غلطاں تھا۔ اسے یہ یقین نہیں ہوتا تھا کہ فرزند رسولؐ سے جنگ عملی صورت بھی اختیار کرے گی۔ وسب کچھ دیکھ رہا تھا، پھر بھی یہ آرزو رکھتا تھا کہ یہ سب نمائشی ہو۔ عمر سعد اس کے ضمیر کے اندرونی کیفیات سے بالکل بیگانہ تھا۔ اس نے اپنے فوجی انداز میں بڑے اطمینان سے جواب دیا: ''ہاں قسم بخدا'' ایسی جنگ جس کا بہت ادنیٰ نتیجہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ سروں کی بارش ہو اور ہاتھ قلم ہو کر زمین پر گریں۔'' حر نے کہا: کیا اتنی صورتیں مصالحت کی جو حسینؑ نے پیش کیں ان میں سے کوئی تم لوگوں کے نزدیک منظوری کے قابل نہیں ہے؟ (۱)

عمر سعد نے کہا کہ خدا کی قسم اگر مقابلہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ضرور منظور کر لیتا مگر کیا کروں؟ تمہارا حاکم نہیں مانتا۔'' (۲)

عمر سعد کے اس جواب سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ حرؑ کی رائے کو مان رہا تھا۔ حسینؑ کا مسلک صلح جوئی کا حامل ہے اور ابن زیاد کی ہٹ دھرمی ہے کہ وہ قتل حسینؑ سے کم کسی بات پر رضا مند نہیں۔ اس کے بعد حر کا پھر کچھ گفتگو کرنا بیکار تھا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ وہ اپنے فیصلہ کو جو وہ اپنے دل و دماغ کی انتہائی کشمکش کے نتیجہ میں طے پا سکا تھا، اسے عملی جامہ پہنائے۔

مہاجر بن اوس اسی کے قبیلہ کا ایک شخص تھا اس نے جب حر کی حالت دیکھی کہ جیسے جسم میں لرزہ سا پیدا ہو تو کہنے لگا کہ میں نے تمہاری یہ کیفیت کبھی نہیں دیکھی، تم تو کوفہ میں سب سے بہادر شخص ہو، آخر اس کا سبب کیا ہے؟ یہ سن کر حر نے مزید رازداری کی کوشش کو بے سود سمجھا اور کہا:

''میرے سامنے اس وقت بہشت و دوزخ کا سوال ہے۔ میں تو بہشت پر کسی چیز کو مقدم نہ سمجھوں گا، چاہے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جائیں اور آگ میں جلا دیا جائے'' ــــ یہ کہتے کہتے اس نے گھوڑے کو چابک لگایا اور اصحاب حسینؑ کی طرف پہنچ گیا۔ (۳)

وہ سیدھا امام حسینؑ کے سامنے آیا اور کہنے لگا: فرزند رسولؐ! میری جان آپ پر فدا۔ میں وہی گنہگار ہوں جس نے آپ کو واپس جانے سے روکا۔ راستے میں آپ کے ساتھ ساتھ رہا اور آپ کو اس جگہ پر ٹھہرنے کو مجبور کیا۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں کہ مجھے یہ گمان ہرگز نہ تھا کہ یہ لوگ آپ کے تمام شرائط کو جو آپ پیش کریں گے مسترد کر دیں گے اور نوبت یہاں تک آ جائے گی۔ بخدا اگر مجھے علم ہوتا

(۱۔۲۔۳) طبری، ج/۶، ص/۲۴۴

کہ یہ لوگ آپ کے شرائط کو منظور نہیں کریں گے تو میں کبھی آپ کے ساتھ یہ طرز عمل اختیار نہ کرتا، اچھا اب میں حاضر ہوا ہوں، انتہائی شرمساری کے ساتھ توبہ کرتا ہوا اپنے گناہ سے خدا کی بارگاہ میں اس غرض سے جان ودل سے آپ کا شریک مصیبت ہوں، یہاں تک کہ آپ کے قدموں پر نثار ہو جاؤں کیا اس طرح میری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔'' حضرت نے بلا توقف فرمایا: ''ہاں ہاں! خدا تمہاری توبہ قبول کرے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ مبارک ہو۔ واقعی تم حر (آزاد منش) ہو، ویسے ہی جیسا کہ تمہاری ماں نے نام رکھا ہے۔ تم آزاد ہو انشاءاللہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''(۱)

امام حسینؑ نے کہا اچھا گھوڑے سے تو اترو۔ حر نے جواب دیا۔ میرا آپ کی نصرت میں گھوڑے پر سوار رہنا نیچے اترنے سے بہتر ہے۔ چاہتا ہوں تھوڑی دیر میں ان سے جنگ کرلوں پھر تو (مرکر) گھوڑے سے نیچے اترنا ہی ہے۔ امام نے فرمایا: اچھا جو تمہاری خوشی ہو، وہ کرو۔ خدا اپنی رحمت تمہارے شامل حال رکھے۔(۲)

حر نے گھوڑا میدان میں دوڑایا اور صفوف اہل کوفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: آخر حسینؑ کی ان باتوں میں سے جن کو وہ پیش کرتے ہیں، کسی ایک بات کو تم کیوں نہیں منظور کر لیتے تاکہ تمہیں ان کے مقابلہ میں جنگ کرنے سے نجات ملے۔ لشکریوں نے کہا: امیر عمر سعد موجود ہیں، ان سے کہو۔ حر نے ابن سعد سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس نے پھر وہی جواب دیا کہ اگر مجھ سے ممکن ہوتا تو میں ضرور ایسا کرتا۔ یہ سن کر حر کو غصہ آ گیا اور کہا: اے کوفہ والو! خدا تمہیں غارت کرے، تم نے اس بزرگوار کو بلایا اور جب وہ آیا تو تم نے اسے دشمن کے سپرد کر دیا۔ تم نے خیال ظاہر کیا تھا کہ تم ان پر جان نثار کروگے۔ پھر تم نے خود ان پر چڑھائی کر دی اور ان کے قتل پر آمادہ ہو گئے سب راستہ بند کر دیئے۔ وہ مثل قیدی کے ہو گئے ہیں اور تم نے ان کو ان کے اہل حرم اور بچوں کو اور ان کے اصحاب کو فرات کے اس بہتے ہوئے پانی سے روک دیا جس کو یہودی اور مجوسی اور نصرانی تک پیتے ہیں اور عراق کے سور اور کتے تک اس میں لوٹتے ہیں مگر یہ لوگ ہیں کہ پیاس کی شدت نے ان کو جاں بلب کر رکھا ہے۔ حقیقۃً کیا برا سلوک ہے جو تم نے محمد مصطفیٰؐ کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ جائز رکھا ہے۔ خدا تم کو اس شدت والی پیاس کے دن سیراب نہ کرے اگر تم آج بھی اسی دم توبہ نہ کرلو اور اپنے طرز عمل سے

(۱۔۲) طبری، ج/۶، ص/۲۴۴

پشیمان ہوکر باز نہ آجاؤ۔

حرؑ کی تقریر دشمن کے مفاد کے خلاف بہت خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔اس لئے تیراندازوں کوحکم دیا گیا اورانہوں نے کچھ تیر چلائے۔یہ دیکھ کرحرؑ نےتقریر موقوف کردی اور چونکہ جنگ باقاعدہ شروع نہ ہوئی تھی، وہ واپس آکرامام کے سامنے کھڑے ہوگئے۔(۱)

اب دھوپ کافی چڑھ چکی تھی اور دن کا اچھا خاصہ حصہ گزر گیا تھا۔عمر سعد نے لشکر کوآگے بڑھایا اوراپنے غلام درید کو جوعلمبردارلشکر تھا،آواز دی کہ جھنڈا میرے قریب لاؤ۔درید رایت جنگ لئے اس کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔عمرسعد نے اپنا تیر چلہ کمان میں جوڑ کرفوج حسینی کی طرف رہا کیا۔اورلشکر یزید کومخاطب کرتے ہوئے پکار کرکہا۔’’گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔‘‘(۲)

چنانچہ امام حسینؑ نے اپنے اصحاب اوراعزہ کی طرف مخاطب ہوکرفرمایا: کھڑے ہوجاؤ،موت کے استقبال کے لئے، جو بہرحال ضروری ہے۔خدااپنی رحمت تمہارے شامل حال رکھے یہ تیرنہیں بلکہ دشمن کے قاصد ہیں جوتمہاری طرف روانہ کئے گئے ہیں۔

حضرت امام حسینؑ کے اصحاب وانصار

امام حسینؑ کے اصحاب وانصار کی شہادت کا تفصیلی جائزہ نہیں لیا جاسکتا کیونکہ’انوارمعصومین‘ کے صفحات بہت بڑھ جائیں گے، پھر بھی ایک کتاب میں تاریخ اسلام کا جائزہ مکمل نہ ہو پائے گا۔اس لئے ضروری حالات کوتفصیل سے بیان کیا گیا ہےاور باقی حالات مختصر لکھے گئے ہیں۔یہاں پر میں اصحاب وانصار حسینؑ کے نام پیش کررہی ہوں جوحسب ذیل ہیں:

(۱)عبداللہ بن عمیر کلبی: سب سے پہلے میدان کارزار میں یہی آئے تھے۔

(۲)حُر بن یزید ریاحی

(۳)مسلم بن عوسجہ اسدی

(۴)بُریر بن خُضیر ہمدانی

(۵)منجح بن سہم (غلام امام حسینؑ)

(۶)عمر (عَمر و)بن خالد ازدی

(۷)سعد (غلام عمرو بن خالد ازدی)

---

(۱)طبری، ج/۶،ص/۲۴۵،ارشاد/۲۵۰ (۲)طبری، ج/۶،ص/۲۴۵،ارشاد/۲۵۰

(۸) مجمع بن عُبَید اللہ عائذی
(۹) عائذ بن مجمع عائذی
(۱۰) جنادہ بن حارث سلمانی ہمدانی
(۱۱) جُندَب بن حُجیر کندی خولانی
(۱۲) ابوالشعثاء یزید بن زیاد بن مہاصر کندی بدلی
(۱۳) اَدْہم بن امیہ عبدی بصری
(۱۴) امیہ بن سعد بن زید طائی
(۱۵) جابر بن حجاج تیمی
(۱۶) جَبَلۃ یا جَبّلہ بن علی شیبانی کوفی
(۱۷) جنادہ بن کعب بن حارث خزرجی انصاری
(۱۸) جُوَین (جوین) بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی
(۱۹) حارث بن امرءالقیس بن عابس کِندی
(۲۰) حارث بن نَبْہان (غلام جناب حمزہ)
(۲۱) حُبَاب بن حارث سلمانی ازدی
(۲۲) حُباب بن عامر بن کعب شیعی
(۲۳) حبشہ بن قیس نہمی
(۲۴) حجاج بن زید سعدی تیمی
(۲۵) حَلّاس بن عمرو راسبی ازدی
(۲۶) حنظلہ بن عَمرو شَیبانی
(۲۷) زاہر بن عمرو اسلمی کندی
(۲۸) زہیر بن بِشر خثعمی
(۲۹) زہیر (غلام عمرو بن حمیق) بن سلیم بن عمرو ازدی
(۳۰) سالم بن عمرو (غلام عامر بن مسلم العبدی)
(۳۱) سلیمان (غلام امام حسینؑ)
(۳۲) سِوار بن منعم جابس بن ہمدانی ابی عمیر نہمی
(۳۳) سیف بن مالک عبدی
(۳۴) شبیب بن عبداللہ ہمدانی (غلام حارث جابری)
(۳۵) شبیب بن عبداللہ نہشلی
(۳۶) ضرغامہ بن مالک تغلبی
(۳۷) عامر بن مسلم عبدی بصری
(۳۸) عبّاد بن مہاجر بن ابی المہاجر جُہنی
(۳۹) عبدالرحمٰن بن عبد ربہ خزرجی انصاری
(۴۰) عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کذن ارحبی ہمدانی
(۴۱) عبدالرحمٰن بن مسعود تیمی
(۴۲) عبداللہ بن بشر (بشیر) خثعمی
(۴۳) عبداللہ بن یزید بن ثبیت قیسی (عبدی) کلبی
(۴۴) عبیداللہ بن یزید بن ثبیت قیسی (برادر ۴۳)
(۴۵) عُقْبہ بن صلت جُہنی
(۴۶) عمار بن ابی سلامہ دالانی ہمدانی
(۴۷) عمار بن حسان طائی
(۴۸) عمرو بن ضُبَیعَۃ بن قیس بن ثعلبہ ضبعی تیمی
(۴۹) عمران بن کعب بن حارثہ شجعی

(۵۰) قارب (غلامِ امام حسینؑ) | (۵۱) قاسط بن زہیر بن حارث تغلبی

(۵۲) قاسم بنِ حبیب بن ابی بشر ازدی | (۵۳) کُردوس بن زہیر بن حارث تغلبی

(۵۴) کِنانہ بن عتیق تغلبی | (۵۵) مُجَمّع بن زیاد بن عمرو جہنی

(۵۶) مسعود بن حجاج تیمی | (۵۷) مسلم بن کثیر صدفی ازدی

(۵۸) مقسط بن زہیر بن حارث تغلبی | (۵۹) منیع بن رقاد

(۶۰) نصر بن ابی نیزر (غلامِ حضرت علیؑ) | (۶۱) نعمان بن عمرو ازدی (راسبی)

(۶۲) نُعَیم بن عجلان انصاری | (۶۳) بکر بن حی تیمی

(۶۴) عمرو بن جُنادہ بن کعب خزرجی انصاری | (۶۵) حبیب بن مُظاہر (مُظَہّر) اسدی

(۶۶) ابوثمامہ عَمر و (عمر) بن عبداللہ صاعدی (صیداوی) ہمدانی (۶۷) سعید بن عبداللہ حنفی

(۶۸) زہیر بن قین بُجَلّی | (۶۹) سلمان بن مضارب بن قین البجلّی (۶۸ کے چچازاد بھائی)

(۷۰) عمرو بن قَرَظہ بن کعب انصاری | (۷۱) نافع بن ہلال جملی

(۷۲) شوذَب بن عبداللہ (غلام شاکری ہمدانی) | (۷۳) عابس بن ابی شبیب شاکری

(۷۴) عبداللہ بن عُروہ بن حراق غفاری | (۷۵) عبدالرحمن بن عروہ بن حراق غفاری

(۷۶) حنظلہ بن اسعد شبامی | (۷۷) سیف بن حارث بن سَریع جابری

(۷۸) مالک بن عبداللہ بن سریع بن جابر ہمدانی | (۷۹) جون خوی (غلام ابوذر غفاری)

(۸۰) اسلم بن عمرو ترکی (غلام امام حسینؑ) | (۸۱) انس بن حارث کاہلی اسدی

(۸۲) حجاج بن مسروق جعفی (مذحجی) | (۸۳) زیاد بن عریب ہمدانی

(۸۴) سالم غلام بنی المدینۃ کلبی | (۸۵) سعد بن حارث (غلام امیرالمومنینؑ)

(۸۶) عمر (عمرو) بن جُندب حضرمی | (۸۷) قَعنب بن عَمرو النَمری

(۸۸) یزید بن ثُبَیط العبدی | (۸۹) یزید بن مَغفل جعفی

(۹۰) رافع بن عبداللہ (غلامِ مسلم بن کثیر الازدی) (۹۱) بشر بن عَمرو بن الاحدوث حضرمی کندی

(۹۲) سُوَیْد بن عَمْرو بن ابی المُطاع خَثْعَمی وغیرہ

وفات رسول اللہؐ سے واقعہ کربلا تک پچاس برس کا زمانہ گذر چکا تھا۔اس لئے ان میں بہت سے افراد کی پچپن (۵۵) یا ساٹھ (۶۰) برس بھی تھی اوراس سے زیادہ بھی تھی۔ کچھ اصحاب حضرت علیؑ تھے۔ جو اصلاً تابعین میں داخل ہیں اور تابعین کا مرتبہ صحابہ کے بعد سب سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔

ان میں سے کچھ جمل اور صفین کی لڑائیوں میں جنگ کر چکے تھے اور بعض ایسے تھے جو حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے زمانۂ خلافت میں مختلف سرکاری عہدوں پر فائز تھے اور بعض شاگرد کی حیثیت سے آپ سے علمی استفادہ کر چکے تھے۔

کچھ افراد حافظ قرآن تھے اور کچھ علماء و راویان حدیث تھے۔ کچھ لوگ شجاعان روزگار تھے جن کی لڑائیوں کے کارنامے لوگوں کی زبان پر تھے۔

یہ سب کے سب وہ مایۂ ناز افراد تھے جن کی زندگیاں مکمل طور پر معیاری حیثیت رکھتی تھیں اور اسلامی اخلاق واوصاف کی زندہ تصویر تھے۔اس کے علاوہ عبادت زہد وتقوے میں توان میں سے اکثر افراد شہرہ آفاق تھے۔

امام حسینؑ کو جس طرح کا مقابلہ منظور تھا۔اس کی نوعیت سطحی نظریں کبھی سمجھ ہی نہ سکتی تھیں اس لئے کہ اس کے پہلے جتنی بھی لڑائیاں لڑی گئیں، ان کا مقصد فریق مخالف کو مادی طور پر شکست دینا ہوتا تھا۔

مگر امام حسینؑ کو طاقت کا مقابلہ طاقت سے نہیں کرنا تھا، بلکہ طاقت کا مقابلہ کردار سے، باطل کا مقابلہ حق سے اور تشدد کا مقابلہ ثابت قدمی سے کرنا تھا۔آپ کو اپنے خون کے چھینٹوں سے ایک ایسی دنیا کو خواب غفلت سے جگانا مقصود تھا، جس پر بے حسی اور بے ہوشی چھائی ہوئی تھی۔آپ کردار کے ایسے نمونے پیش کرنا چاہتے تھے جو موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ بن سکیں۔ یہ مرحلہ بڑا نازک تھا۔ یہاں ساتھ والوں کے انتخاب کا مسئلہ بڑا اہم تھا۔اس کے لئے آپ کے ساتھ ملک عرب کے چیدہ اور منتخب عابد وزاہد متقی اور پارسا افراد ہی ہو سکتے تھے۔آپ نے اپنے ساتھ ایسے ضعیف لئے جن کی عمروں کا بیشتر حصہ محراب عبادت میں گزر چکا تھا۔ کیونکہ ایسے ہی افراد کی کمریں کس کس کر تلواریں سونت کر میدان میں آنے سے مسلمانوں کی آنکھیں کھل سکتی تھیں اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو سکتے تھے کہ اسلام پر کیا ایسا وقت آپڑا ہے کہ ایسے

عابدوزاہد بھی تلواریں کھینچ کرمیدان جنگ میں آ گئے ہیں۔

حسینؑ کے ساتھیوں کی شخصیت کا صرف دوسرے مسلمانوں پر نہیں جو غیر جانبدار یا خالی الذہن تھے بلکہ خود افواج مخالف پر جو ہوا وہوس کے پنجوں میں اسیر اور حکومت کی اندھی اطاعت کے شکنجہ میں گرفتار تھیں، زبردست اثر پڑ رہا تھا جس کے مختلف شواہد واقعات کی صورت میں نظروں کے سامنے آ رہے تھے مثلاً جناب مسلم بن عوسجہ کی شہادت پر جب لشکر مخالف میں خوشیاں ہونے لگیں، تو شیث بن ربعی بول اٹھا کہ ''کیا غضب کی بات ہے کہ مسلم بن عوسجہ کا سا شخص قتل ہوا اور تم لوگ خوشیاں مناؤ۔ میں نے بچشم خود خدمت اسلام میں اس شخص کے کارناموں کا مشاہدہ کیا ہے۔ یا جب بریر ہمدانی جنگ کر رہے تھے اور لشکر یزید کی جانب سے ان پر حملہ کرنے کے لئے ایک شخص بڑھا تھا تو اس پر فوج کے دوسرے لوگوں نے منع کیا تھا: ''ارے! یہ تو بریر حافظ قرآن ہیں، جو مسجد میں حفظ قرآن کرایا کرتے تھے۔'' یا جب عابس بن ابی شبیب میدان میں آئے تھے تو صفوف مخالف سے یہ آواز بلند ہوئی تھی کہ ''یہ شیروں کا شیر ہے، یہ عابس بن ابی شبیب ہے۔''

امام حسینؑ کے اقرباء کی قربانیاں

اصحاب وانصار کی قربانیوں کے بعد امام حسینؑ کے اقرباء یعنی بنی ہاشم کی قربانیوں کا سلسلہ شروع ہوا کیونکہ اس سے پہلے اصحاب وانصار اپنی وفاداری کا ثبوت دینے کے لئے ایک سے پہلے ایک اپنی جان قربان کرنے کو تیار تھے اور کیوں نہ ہوتے یہ قربانی رسول خداؐ کے نواسے امام حسینؑ کو بچانے کے لئے تھی جو اسلام کو بچانے کے لئے ثابت قدم اور استقلال کے ساتھ اپنے اقربا کے ہمراہ قربانی دینے آئے تھے۔ اس لئے ہر ایک نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر حسینی مقصد پر خود کو نثار کیا۔ یہ ان کا اپنا ضمیر تھا کہ بنی ہاشم کے کسی ایک فرد کو بھی ان کی زندگی میں گزند نہ پہنچنے پائے۔ اس کے بعد امام حسینؑ کے بیٹے، بھائی، بھتیجے اور بھانجے ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کرنے لگے۔ ان میں سب سے پہلے فرزند حسینؑ علی اکبرؑ نے اپنی قربانی پیش کی جو صورت وسیرت میں رسول اللہؐ کا نمونہ تھے جن کو دیکھ کر بھی یزیدی فوج کو غیرت نہ آئی۔ سب کے نام ترتیب شہادت کے مطابق درج کئے جا رہے ہیں:

(۱) علی اکبر (۲) عبداللہ بن مسلم بن عقیل

(۳) محمد بن مسلم بن عقیل
(۴) جعفر بن عقیل
(۵) عبدالرحمٰن بن عقیل
(۶) محمد بن ابی سعید بن عقیل
(۷) محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب
(۸) عون بن عبداللہ بن جعفر
(۹) قاسم بن الحسنؑ
(۱۰) ابوبکر بن الحسنؑ
(۱۱) محمدؑ بن علی بن ابی طالبؑ
(۱۲) عبداللہ بن علیؑ
(۱۳) عثمان بن علیؑ
(۱۴) جعفر بن علیؑ
(۱۵) ابوالفضل العباس بن علیؑ
(۱۶) طفل شیر خوار (علی اصغر) عبداللہ

جہاد آخر ـــــــ شہادت حسینؑ

امام حسینؑ نے اصحاب وانصار کو ایک ایک کر کے رخصت کیا۔ سب عزیز جدا ہو گئے۔ نور نظر بیٹے علی اکبرؑ کو دم توڑتے دیکھا۔ کلیجہ سے برچھی نکالی، تو کلیجہ باہر آ گیا۔ بھتیجے قتل ہوئے قاسمؑ کا عقد اپنی بیٹی کبریٰ سے کیا۔ بھائی تہہ تیغ ہوئے مگر حسینؑ نے کوئی ایسی جنگ نہیں کی جسے جنگ کہا جائے۔ جب کسی کی آواز مدد کے لئے آتی تو آپ تلوار لے کر حملہ آور ہوتے اور ایک طرف عباسؑ داد شجاعت دیتے ہوئے، ایک طرف علی اکبرؑ معرکۂ جنگ میں جوہر دکھاتے ہوئے، دوسری طرف اصحاب حفاظت کے لئے ساتھ ساتھ ہوتے۔ اس صورت میں جنگ کا منظر دوسرا ہی ہوتا۔ حسینؑ ہر شہید کو ہاتھوں پر اٹھا کر لاتے۔ حسینؑ نے سب کو دنیا سے ایک ایک کر کے رخصت کیا۔ خود ان کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کی۔ پھر اب جب کہ دن بھر کی دھوپ سر پر پڑ چکی ساتھیوں اور عزیزوں کے غم نے دل کو شکستہ کر دیا۔ کمر عباسؑ کے مرنے سے ٹوٹ چکی۔ ستاون برس کے بڑھاپے کی عمر کا انسان اب اس عالم میں بھلا تلوار کھینچ سکتا ہے اور جنگ کر سکتا ہے؟ مگر حسینؑ کو تو کربلا میں صبر و برداشت کی منزلوں کو طے کرنے کے ساتھ ساتھ فرائض کے حدود دکھلانا تھے۔ وہ تو شرع اسلامی کے آئین کے محافظ تھے۔ اور ان ہی آئین واصول کے لئے جنگ کر رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ دشمن اسلام کے سامنے ''سپردگی'' آئین سلام کے خلاف ہے۔ حفاظت خود اختیاری کے لئے دفاع کے آخری امکان کے درجہ تک حسینؑ نے اس فرض کو اس وقت انجام دیا جب کوئی دوسرا انسان اسے انجام نہیں دے سکتا تھا۔

حسینؑ کے پاس علی اصغر کو بھی نذر راہ خدا کرنے کے بعد اب کوئی اور قربانی نہیں بچی تھی، جسے وہ حق کی بارگاہ میں پیش کرتے۔ اب آپ کے لئے اپنا سر شمشیر قاتل کے سپرد کر دینا تھا۔ ''آپ رخصت آخر کے لئے خیمہ میں آئے اور ایک یمنی چادر کو جا بجا سے چاک کر کے باقی لباس کے نیچے پہنا۔''(۱)

شاید اس لئے کہ بعد شہادت لباس کو لوٹا جائے تو یہ بوسیدہ کپڑا جسم پر رہ جائے۔ اس کے بعد میدان جنگ میں تشریف لے گئے۔

''تاریخ شاہد ہے کہ حسینؑ تین دن یا اس سے بھی زیادہ دن سے بھوک اور پیاس کو برداشت کرتے ہوئے غمزدہ و دل شکستہ ہونے کے باوجود تن تنہا جب تلوار کھینچ کر فوج مخالف پر حملہ آور ہوئے تو تمام گذشتہ بہادروں کے کارنامے محو ہو گئے اور انسانی حافظہ میں قیامت تک اس جنگ شجاعت و جرأت کو دیکھ کر لوگ دنگ رہ گئے۔ آپ نے دشمنوں کے دلوں میں وہ دھاک بٹھا دی تھی کہ ان میں سے کوئی بھی آپ کا مقابلہ کرنے کی جسارت نہ کرتا تھا۔ یزیدی فوج کی اس سراسیمگی کو دیکھ کر شمر نے فوج کو للکارا اور نئے سرے سے ترتیب لشکر کر کے سواروں کو پیادوں کے پیچھے کھڑا کیا اور تیراندازوں کو حکم دیا کہ وہ تیر بارانی کریں۔ اتنی شدت سے تیر برسائے گئے کہ جسم حسینؑ ساہی کے کانٹوں کی طرح ہو گیا۔''(۲)

اس وقت دوبارہ شمر نے چلا کر کہا: خدا تم سے سمجھے۔ کھڑے کیا دیکھ رہے ہو؟ انہیں قتل کرو۔ خدا کرے کہ تمہاری مائیں تمہیں روئیں۔ اس طرح غیرت دلانے پر بکھرا ہوا لشکر سمٹ کر حسینؑ پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑا تیروں، تلواروں اور نیزوں کے وار ہونے لگے جس سے آپ کا گھوڑا بھی بہت زخمی ہو گیا اور اس سے مجبور ہو کر آپ پشت فرس سے زمین پر تشریف لائے۔

اسی اثنا میں بے حیا لشکر یزید کا ایک دستہ اپنی شکست کی خفت کو مٹانے کے لئے شمر کی قیادت میں خیام حسینی کی طرف جس میں اہل حرم تھے غارت گری کے ارادہ سے متوجہ ہوا اور آپ کے اور خیام کے بیچ حائل ہو گیا۔ یہ دیکھنا تھا کہ آپ نے پوری فوج کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تمہیں مذہب کا پاس اور آخرت کا کوئی تصور نہیں ہے تب بھی دنیا میں اپنی قومی شرافت کا ثبوت دو۔ ابھی میں زندہ ہوں۔ میرے خیام سے تعرض نہ

---

(۱) طبری، ج/۶، ص/۱۴۰ (۲) ارشاد/۱۵۰

کرو۔ شمر اپنی حرکت پر شرمندہ ہوا اور خیام کی طرف سے پلٹ آیا۔ (۱)

اس وقت آپ کی زبان پر یہ تاریخی الفاظ تھے۔ جن سے ایک طرف فریضۂ ہدایت پورا ہورہا تھا اور دوسری طرف نتائج کی طرف صاف اشارہ تھا:

''یاد رکھو کہ اللہ میرے قتل سے انتہائی ناراض ہے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ تمہارے ذلت دینے سے اللہ مجھے عزت دے گا اور پھر میرا بدلا تم سے اس طرح لیا جائے گا جس کا تمہیں اس سے قبل تصور بھی نہیں ہوگا۔ یاد رکھو کہ مجھے قتل کرنے کے بعد خود تمہارے درمیان تفرقہ پڑ جائے گا۔ خانہ جنگیاں ہوں گی اور بالا آخر تمہارا خون بھی بہایا جائے گا۔ پھر اس کے بعد آخرت کی سزا وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔'' (۲)

دیر تک حضرت امام حسینؑ خاک پر خستہ و مجروح حالت میں پڑے رہے۔ کوئی اس جرم عظیم کے ارتکاب کا ذمہ دار بننا پسند نہیں کررہا تھا آخر مالک بن نسر بدی آگے بڑھا۔ اس نے سر پر تلوار لگائی جو کاسۂ سر تک پہنچ گئی۔ (۳)

پھر شمر بن ذی الجوشن کا خنجر وہ تھا جس نے اس مجسمۂ حق کی شمع حیات گل کردی، سچائی کی گردن قلم ہوئی۔ (۴)

۱۰ ارمحرم ۶۱ھ کی وہ یادگار تاریخ جمعہ کا دن تھا جب انسانی تاریخ میں یہ سب سے بڑا غم کا واقعہ رونما ہوا۔

راہ حق کی قربانیوں میں حسینی قربانی کی منزلت

راہ حق میں واقعہ کربلا کے پہلے بھی بہت سی قربانیاں ہوئی ہیں، مگر وہ انفرادی حیثیت رکھتی تھیں، جیسے سقراط کا جام زہر پینا، جناب زکریا اور یحییٰ کا شہید کیا جانا۔ (بقول نصاریٰ) حضرت عیسیٰؑ کا صلیب پر چڑھایا جانا اور بہت سے دوسرے انبیاء و مرسلین کا قتل کیا جانا۔ رسول خدا کا زندگی بھر دشمنان اسلام سے جنگ کرتے رہنا اور ان کا موقع کی تاک میں رہنا کہ کب موقع ملے اور ان کو شہید کر دیا جائے۔ مگر واقعۂ کربلا کی حیثیت اجتماعی قربانیوں کی تھی، جہاں حسینؑ کی قیادت و رہنمائی میں ایک جماعت مصروف عمل تھی جس میں بچے، بوڑھے

---

(۱) طبری، ج/۶، ص/۲۵۴ (۲) طبری، ج/۶، ص/۲۶۰ (۳) طبری، ج/۶، ص/۲۵۷

(۴) الاخبار الطوال/۲۵۵، طبری، ج/۶، ص/۲۶۰

اور جوان آزاد اور غلام عربی اور غیر عربی، قریشی اور غیر قریشی وغیرہ ہرسن اور ہر طبقہ کے افراد موجود تھے۔ جن کا مشترک نقطۂ نظر سوائے اتحادی مقصد حق کے اور کچھ نہ تھا۔

یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ جس میں ہرسن کے افراد تھے جو ہم دل، ہم زبان اور ہم خیال تھے۔ اس طرح کے افراد دنیا میں واقعۂ کربلا کے نہ پہلے دیکھے گئے ہیں اور نہ واقعۂ کربلا کے بعد ایک نقطہ پر جمع ہوئے۔

امام حسینؑ کا طریقۂ قیادت اوروں سے مختلف تھا۔ انہوں نے دشمنوں کے مقابلہ میں تو بغرض اتمام حجت تقریریں کیں۔ لیکن اپنے احباب واعزاء میں جوش عمل پیدا کرنے کے لئے کوئی تقریر نہیں کی بلکہ اس کے برخلاف آپ برابر ان کو اپنا ساتھ چھوڑ کر چلے جانے کی ترغیب دیتے رہے۔ لیکن وہ لوگ سختی کے ساتھ آپ کی نصرت کا دم بھرتے رہے۔ امام حسینؑ کو ایسے ہی ساتھیوں کی ضرورت تھی، جو حق کو حق سمجھتے ہوئے نیک نیتی سے حق پر گامزن رہیں۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ کسی بھی جنگ میں اس سے منسلک افراد کے خیالات وافکار میں باہمی ہم آہنگی نہیں ہوتی، ان میں کچھ نہ کچھ اختلاف پایا جاتا رہا ہے اور یہ اختلاف ناجائز بھی نہیں مانا جاتا ہے۔

مگر جماعت حسینی کے افراد میں باہم اختلاف رائے کا نام بھی نہ تھا۔ بلکہ وہاں تو پوری جماعت نے اختیاری طور پر اور پورے شعور وارادہ کے ساتھ اپنے تصور، خیال، ارادہ، عزم اور اقدام کو مستغرق کر دیا تھا۔۔ ایک انسان کے خیال، ارادہ اور اقدام کے اندر جو قربانی کا جذبہ تھا وہ سب افراد میں موجود تھا۔

اسی لئے یہ کہنا درست ہے کہ ایسے قائد اور ایسی جماعت کی مثال دنیا کے پردہ پر نظر نہیں آتی۔ سب سے سخت موقع وہ تھا جب حسینؑ یکہ وتنہا رہ گئے تھے، لیکن پھر بھی اس ایک اکیلے انسان کے عزم وارادہ میں وہی جاہ وجلال اور استحکام تھا جو مددگاروں کے موجود ہونے پر تھا۔

اگر حسینؑ بغیر مقابلہ کئے ہوئے اپنے کو نیزہ وشمشیر کے سپرد کر دیتے تو بھی ایک مخصوص منزل پر ہوتے۔ مگر حسینؑ نے تو آخری حجت تمام کرنے کے لئے طفل شیرخوار کی شہادت بھی پیش کی کہ مخالف جماعت والوں کی آنکھیں کھلیں، وہ غلط راہ سے واپس ہو جائیں لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا، تو حسینؑ نے تلوار کے قبضہ کو مضبوطی سے پکڑا اور مردانہ وار مقابلہ شروع کر دیا اور اسی تنہائی کے عالم میں ہزاروں کے نرغے میں بھی آپ

نے حمزہؑ وجعفرؑ اور حیدرؑ صفدر کے روایات کو زندہ کر دکھایا۔

حسینؑ نے شدید سے شدید مصائب وآلام میں مبتلا ہونے کے باوجود شریعت اسلام کے عام فرائض وتعلیمات کو ایک لمحہ کے لئے نظر انداز نہیں فرمایا چنانچہ اصحاب واعزاء کے لاشے اٹھانے کے ساتھ ساتھ غلاموں کے لئے بھی مساوات اسلامی کو برتتے رہے تھے جیسا کہ جون غلام ابوذر اور غلام ترکی کا ذکر ملتا ہے۔

آپ کی منزلت کا ذکر تو آپ کے ہر عمل سے ظاہر ہوتا ہے جب آپ اصحاب کے لاشے ایک ایک کر کے اٹھا کر لا رہے تھے پھر بھی نماز ظہر آپ نے بجماعت ادا فرما کر احساس فرض کی بے نظیر مثال پیش کی۔

حسینؑ نے اپنی شہادت کے بعد کے لئے اس شہادت کے مقاصد کی اشاعت کا بھی انتظام کیا کہ اپنے اہل حرم اور چھوٹے بچوں کو ساتھ لا کر یہ دکھا دیا کہ حسینؑ ایک اکیلے میدان جہاد میں حسین بن کر نہیں آئے تھے بلکہ وہ بوقت واحد بہتر حسینؑ میدان قربانی میں پیش کر رہے تھے یعنی ایسے افراد جن میں ہر ایک قوم قبیلہ اور سن وسال کے باہمی اختلاف کے باوجود ایک نظر اور ایک عقیدہ تھا۔

حسینؑ نے باطل کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا۔ جس کے لئے ان کا سر نیزہ پر پہنچ گیا اور تب بھی حق پر قائم تھا۔ اور اب اس کے علمبردار سید سجادؑ زینبؑ وام کلثومؑ ہی نہیں بلکہ کمسن بچے فاطمہؑ اور سکینہؑ اور محمد باقرؑ بھی تھے۔

امام حسینؑ کی شخصیت وہ شخصیت تھی جن کے سامنے انسانیت سر تسلیم خم کر لیتی ہے۔ آپ کی ذات تاریخ عالم میں ایک نئے انسانی تصور کا اضافہ کرتی ہے۔ وہ انسانی تصور جس کیخد وخال سمجھنے میں تیرہ سو برس سے اب تک دنیا مصروف ہے جس کو سمجھ کر بھی کچھ نہ سمجھ پائی اور محققین اب بھی تحقیق میں لگے ہوئے ہیں۔

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد انقلابات کا رونما ہونا

بڑے سے بڑے انقلاب کا بنیادی مقصد قوت احساس اور جرأت اظہار ہوتا ہے۔ جب یہ دو چیزیں کسی خاص اقتدار کے خلاف بروئے کار آ جائیں تو پھر انقلاب کا رونما ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حکومت یزید کے خلاف آثار انقلاب اسی وقت سے نمایاں ہونے لگے تھے، جب پس ماندگان حسینؑ قیدیوں کی صورت سے کوفہ کے بازار میں تشہیر کئے جا رہے تھے۔ جب کہ ان قیدیوں کو خود رونے کی

اجازت نہ تھی اور حکومت کی طرف سے خوشیاں منانے کا اہتمام تھا۔

لیکن پسماندگان کی حالت کو دیکھ کر اور زینبؑ وام کلثومؑ اور علی ابن الحسینؑ کے زوردار خطبوں کو سن کر کوچہ و بازار میں گریہ وزاری کے شور سے ایک کہرام برپا ہو گیا تھا جسے کوئی طاقت دبا نہیں سکتی تھی۔

پھر جب حسینؑ کے پس ماندگان شام کی طرف روانہ کئے گئے، تو یزیدیوں کے مقابلہ میں راستے میں بہت سی منزلوں پر شہروں کے دروازے بند ہو گئے۔ بہت سے مقامات پر لوگ مسلح ہو کر نکل آئے اور اکثر جگہ جنگ کی صورت بھی پیش آئی۔ چنانچہ یہ آغاز ہی وہ تھا جو بجائے خود انجام کار کسی بڑے انقلاب کی خبر دے رہا تھا۔

مدینۂ منورہ اور مکہ معظّمہ یہ دونوں مسلمانوں کے خاص مرکز تھے۔ مدینہ بنی ہاشم کا شہر تھا۔ جن میں سے ابوطالب کی اکثر اولاد حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جا چکی تھی۔ مگر اس خاندان کے دوسرے افراد تو سب ہی مدینہ میں رہ گئے تھے۔ پھر اولاد ابوطالب میں سے بھی محمد بن حنفیہ اور عبداللہ بن جعفر مدینہ ہی میں رہ گئے تھے۔ خواتین میں بھی کئی باقی رہ گئیں تھیں۔ اہل مدینہ کتنے ہی بے حس سہی مگر اتنے دردمند دلوں کے تاثرات انہیں کہاں تک متاثر نہ کرتے۔ جب ابن زیاد نے سر امام حسینؑ دمشق کی جانب روانہ کیا، پھر یزید نے عبدالملک بن ابی الحدیث سلمی کو مدینہ روانہ کیا اور کہا کہ جا کر عمر بن سعید بن عاص (حاکم مدینہ) کو قتل حسینؑ کی خوش خبری پہنچاؤ جب عمر بن سعید کے پاس خبر پہنچی تو اس نے کہا مدینہ میں اعلان کر دو۔ عبدالملک نے مدینہ میں اعلان کیا تو ایک مرتبہ شہر مدینہ میں پٹس پڑ گئی۔ خود عبدالملک کا بیان ہے کہ میں نے عمر بھر میں رونے کا یہ شور نہیں سنا تھا جو حسین ابن علیؑ کے قتل کا اعلان سننے کے بعد مدینہ میں بنی ہاشم کے گھروں سے بلند ہوا۔

ممکن نہیں تھا کہ یہ سب اپنا اثر پیدا نہ کرتے۔ ان تاثرات ہی کا نتیجہ تھا کہ مدینہ والوں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور یزید کے افعال واعمال کی جانچ کا خیال ظاہر کیا۔

چنانچہ ایک وفد جب وہاں سے واپس آیا تو اس نے حالات کو ظاہر کیا اور کہا:

''ہم ایسے شخص کے پاس سے آرہے ہیں کہ جو کوئی مذہب نہیں رکھتا، بلکہ شراب پیتا ہے، طنبورہ بجاتا ہے، گانے والیوں سے گانا سنتا ہے اور کتوں سے کھیلتا رہتا ہے، رندوں بدمستوں کے ساتھ قصہ گوئی میں اوقات صرف کرتا ہے چنانچہ ہم سب اس کی بیعت کا قلادہ اپنی اپنی گردن سے اتار ڈالتے ہیں۔''(۱)

---

(۱) طبری، ج/۷، ص/۴، تاریخ کامل، ج/۴، ص/۵۶، شہید انسانیت/ ۶۰۶

جس طرح مدینہ کے لوگوں میں غم وغصہ تھا کہ امام حسینؑ اور ان کے اصحاب واہل حرم شہید ہوئے، تو ان میں سے زیادہ تر ابن زیاد اور یزید کے خلاف ہو گئے تھے، اسی طرح جب مکہ میں حسینؑ کی شہادت کی خبر پہنچی تو وہاں بھی یزید و بنی امیہ کے خلاف نفرت و بیزاری کا قوی جذبہ لوگوں میں پایا گیا۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر نے جو عرصہ سے خلافت کا متمنی تھا، ایک پرزور تقریر میں کوفہ اور عراق کے لوگوں کی بے وفائی اور جفا شعاری کی پوری طرح مذمت کی اور حضرت امام حسینؑ کی صداقت اور حقانیت کا اظہار و اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ:

''قسم ہے خدا کی حسینؑ نے شرافت وکرامت کے ساتھ جان دینے کو ذلت اور حقارت کے ساتھ زندہ رہنے پر ترجیح دی۔ قتل حسینؑ کے بعد ہم کبھی اس قوم کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔ بخدا ان لوگوں نے ایسے بزرگوار کو شہید کیا ہے کہ جو قلیل النوم اور کثیر الصوم تھا۔ (سوتے بہت کم اور روزے بہت زیادہ رکھتے تھے) راتوں کو عبادت الٰہی میں طولانی قیام کرنے والا، دنوں کو بکثرت روزہ رکھنے والا، شرف و بزرگی اور دین میں سب سے افضل اور امر خلافت کے لئے سب سے زیادہ مستحق اور موزوں تھا۔ خدا کی قسم کہ اس نے کبھی قرآن کو غلط معنی نہیں پہنائے، خوف الٰہی سے وہ بہت رونے والا تھا اور بجائے مئے خواری کے ہمیشہ روزے رکھتا تھا اور بجائے شکاری کتے پالنے کے یاد الٰہی کے جلسے اس کے گھر میں برپا ہوتے تھے۔''(۱)

عبداللہ بن زبیر نے جتنی بھی سیرت حسینؑ بیان کی ہے وہ تو سب سچ ہے مگر خود اس کا دل بھی کالا تھا کیونکہ وہ یزید کی برائی کر کے اور حسینؑ کے اوصاف بیان کر کے لوگوں کو اپنی طرف مخاطب کر رہا تھا کہ وہ خلافت کا حقدار بن جائے وہی ہوا جو وہ چاہتا تھا۔ لوگ اس کی خلافت کے لئے آنے لگے۔ یہ حالات جب یزید کو پتہ چلے تو وہ بہت فکر مند ہوا۔ اس نے کوشش کی کہ مکہ معظّمہ کی کسی ممتاز شخصیت کو اپنے ساتھ وابستہ کر سکے مگر اس کے نامۂ عمل میں قتل امام حسینؑ کا وہ بڑا جرم تھا کہ جو عبداللہ بن زبیر کی اطاعت نہ کرنا چاہتے تھے، وہ بھی یزید سے بہر حال نفرت کرتے تھے۔ عبداللہ بن عباس ہی ایسے شخص تھے کہ انہوں نے ابن زبیر کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔

---

(۱) الاخبار الطّوال/۲۶۳

یزیدکو جب معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عباس نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا ہے تو اس نے عبداللہ بن عباس کو نامہ لکھا کہ:

''مجھے اطلاع ملی ہے کہ اس لامذہب (ابن زبیر) نے آپ کو حرم الٰہی میں اپنی بیعت حاصل کرنے کے لئے بلایا تھا مگر آپ نے ہماری وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے اس کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ بس اپنے ابنائے وطن کو اور ان لوگوں کو جو بیرونجات سے آپ کے پاس آمدورفت رکھتے ہیں، ابن زبیر اور میری نسبت اپنے صحیح خیالات سے برابر آپ مطلع فرماتے رہیں، اس لئے کہ ابن زبیر آپ کو اپنی بیعت اور اطاعت میں لینے کے بعد آپ سے باطل کی تمنا اور اپنے گناہوں میں آپ کو شریک کرنے کی آرزو رکھتا تھا، مگر آپ نے ہماری بیعت و اطاعت میں داخل رہتے ہوئے وفائے عہد کے حق کو پورا کیا ہے لہٰذا خدا اس صلہ رحم کی آپ کو جزائے خیر دے اور بہر طور میں بھی آپ کے اس صلۂ رحم اور نیک سلوک کو بھولنے والا نہیں ہوں۔ جس صلہ وانعام کے آپ مستحق ہیں وہ بہت جلد آپ کے پاس پہنچاؤں گا۔

مکرر یہ کہ آپ آنے جانے والوں کو ابن زبیر کی برائیوں اور اس کی چرب زبانی کے متعلق متنبہ کرتے رہیں کیونکہ عام طور پر لوگ اس کے متعلق آپ کی رائے کو زیادہ وقیع اور معتبر سمجھتے ہیں۔''

عبداللہ بن عباس نے اس خط کا حسب ذیل جواب یزید کو روانہ کیا جو مختصراً حسب ذیل ہے:

''تمہارا خط پہنچا۔ تم نے جو یہ لکھا ہے کہ میں نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت تمہاری وفاداری کے خیال سے نہیں کی۔ یہ غلط ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں کبھی بھی تمہارا مداح اور ہوا خواہ نہیں رہا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اس بات کو بھول جاؤں گا کہ تم نے ہی حسینؑ کو قتل کیا ہے اور کیا بلاوجہ کے ان نوجوانوں کی خاک و خون میں بھری لاشوں کا ہولناک تصور میرے دماغ سے محو ہو جائے گا جن کے کپڑے تک لوٹ لئے گئے تھے اور بے گور و کفن گرم ریگ پر یونہی چھوڑ دی گئی تھیں۔ صرف ہوا کے جھونکوں نے خاک ڈال کر جن کی پردہ داری کا حق ادا کیا اور جانوران صحرائی نے ان کی حفاظت کے فرض کو پورا کیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے ایک قوم کے ذریعہ سے ان کے دفن و کفن کا سرانجام کیا۔

ہاں ہاں اے یزید! میں نہیں بھول سکتا اور کبھی نہیں یہ کہ تم نے حسینؑ کو حرم خدا اور حرم رسولؐ سے

نکلنے پر مجبور کیا اور ابن مرجانہ کو قتل حسینؑ پر مامور کیا۔ میں تو خدا کی ذات سے بہر حال امید رکھتا ہوں کہ وہ منتقم حقیقی بہت جلد تمہارے اعمال کے مطابق سزا دے گا۔ اور عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔'' (۱)

(اس کے آگے خط کا مضمون اور ہے جو طولانی ہونے کی وجہ سے ہم نے نہیں لکھا)

علامہ سبط ابن جوزی لکھتے ہیں کہ جب یہ خط یزید نے پڑھا تو سخت برافروختہ ہوا۔ بلکہ ابن عباس کے قتل کا ارادہ بھی اس نے کیا۔ مگر یہ کہ ابن زبیر کے خلاف جنگ میں مشغول ہو کر قتل ابن عباس کی تدبیر نہ کر سکا۔

''مدینہ میں قتل و غارت کے بعد یزید کی ہدایت کے مطابق اس کا فرستادہ افسر مسلم بن عقبہ مکہ معظمہ کی طرف متوجہ ہوا مگر محرم ۶۴ھ میں ابھی وہ راستے ہی میں تھا کہ پنجۂ موت میں گرفتار ہو گیا۔'' (۲)

تاہم مرنے سے پہلے ہی اس نے اپنی جگہ یزید کے کہنے کے موافق حصین بن نمیر سکونی کو سردار لشکر بنا دیا اور یہ ہدایت کر دی کہ دیکھو اہل مکہ کے ساتھ شام والے جو بھی کرنا چاہیں، تم اس میں کوئی مزاحمت نہ کرنا۔'' (۳)

''حصین نے مکہ پر حملہ کیا اور خانہ خدا کا محاصرہ کر لیا۔ کئی مہینہ تک عبداللہ بن زبیر سے مقابلہ ہوتا رہا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ روز شنبہ ۳ ربیع الاول ۶۴ھ کو منجنیق نصب کر کے خانہ کعبہ پر پتھر ہی نہیں برسائے گئے بلکہ آتشباری کی گئی جس سے کعبہ میں آگ لگ گئی۔'' (۴)

''بس یہ یزید کا آخری کارنامہ تھا جس کے بعد روز سہ شنبہ ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو یزید دنیا سے رخصت ہو گیا۔'' (۵)

''اس کے بعد حصین بن نمیر نے عبداللہ بن زبیر سے کہلا بھیجا جس نے ہم کو تم سے جنگ کے لئے بھیجا تھا وہ تو ہلاک ہو گیا۔ لہٰذا اب ہماری تمہاری جنگ ختم۔ اب تم شہر کے دروازے ہمارے لئے کھول دو ہم خانہ کعبہ کا طواف کر کے واپس جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ فوج واپس گئی۔'' (۶)

ان لوگوں کا ذکر کرنے کا میرا مقصد یہ تھا کہ مومنین کو یزید اور اس کے ساتھیوں کا حال بھی معلوم ہو جائے۔ چنانچہ الفخری لکھتا ہے کہ ''یزید کے عہد حکومت کی مجموعی مدت صحیح حساب کے رو سے کل تین سال اور

---

(۱) شہید انسانیت/۶۱۰ (۲) طبری، ج/۷، ص/۱۴ (۳) الاخبار الطّوال/۲۶۳

(۴) طبری، ج/۷، ص/۱۴، صحیح مسلم، ج/۱، ص/۴۲۰، شہید انسانیت/۶۱۲ (۵) طبری، ج/۷، ص/۱۵ (۶) الاخبار الطّوال/۲۶۳

چھ مہینے ہوتی ہے۔ان میں سے پہلے سال میں اس نے حسینؑ بن علی کو شہید کیا دوسرے سال میں مدینہ منورہ پر چڑھائی کی اور اس کو تین روز تک تاراج کیا اور تیسرے سال میں مکہ معظّمہ پر فوج کشی کی۔ان سب مظالم میں سے کربلا کے حادثہ نے بالخصوص دنیائے اسلام میں ایسی خوفناک سنسنی پھیلا دی کہ جو شخص بھی اپنے دل میں قوت احساس رکھتے ہوئے اس نازیبا اقدام کے تفصیلات سے مطلع ہوتا تھا ممکن ہی نہ تھا کہ اس کا دل متاثر نہ ہو۔ اس لئے یہ اقدام صرف شرعی گناہ اور قانونی جرم ہی نہ تھا بلکہ ایک بہت بڑی سیاسی غلطی تھی۔''

انتہا یہ تھی کہ خود یزید کے بیٹے اور جانشین معاویہ بن یزید نے برسرمنبر اپنے باپ کے اعمال وکردار سے نفرت و بیزاری کا اظہار کیا۔اس طرح کہ جب یزید کے بعد اسے خلیفہ چنا گیا تو اس نے منبر پر جا کر حسب ذیل تقریر کی۔

''ایہاالناس۔یہ امر خلافت اللہ کی ایک مستحکم رسی تھی۔مگر میرے دادا معاویہ بن ابی سفیان نے اس کے متعلق حقیقی معنی میں مستحق خلافت شخص علی بن ابی طالبؑ سے جھگڑا کیا اور وہ مذموم طریقہ اختیار کیا جس سے سب ہی واقف ہیں۔بہرحال جب وہ اپنے گناہوں میں چاروں طرف سے گھر کر قبر میں پہنچ گئے تو یہ منصب میرے باپ یزید کو پہنچا اور وہ بھی کسی طرح اس کے مستحق نہ تھے۔انہوں نے رسولؐ کے نواسے (حسینؑ بن علیؑ) کو قتل کیا۔بالآخر ان کی بھی عمر ختم ہوگئی۔اور وہ بھی اپنے گناہوں میں گرفتار قبر میں جا پہنچے۔''

''اس کے بعد وہ رو دیا اور کہنے لگا: ہمارے لئے سب سے بڑی مصیبت اس امر کا احساس ہے کہ ان کا انجام برا ہوا، کیونکہ انہوں نے اولاد رسول کو قتل، شراب کو مباح اور حرمت خانۂ کعبہ کو برباد کیا۔پس اب میں جو اس وقت تک خلافت کی شیرینی سے ناآشنا ہوں تو اس کی تلخی کا مزہ کیوں چکھوں ——— تم جانو، تمہارا کام۔مجھے خلافت سے کوئی سروکار نہیں۔بالفرض دنیا اگر کوئی اچھی نعمت ہے تو بھی ہم اس میں سے بہت کافی حصہ پا چکے اور حقیقتاً اگر وہ کوئی بری چیز ہے تو جتنا بھی اس وقت ہم کو اس میں سے ملتا رہا، وہی بہت زیادہ ہے۔اس کے بعد وہ محل میں چلا گیا اور چالیس دن گذارنے کے بعد اس دار فانی سے رحلت کر گیا۔''(۱)

''بعض مورخین کا خیال ہے کہ اسے زہر دے دیا گیا۔''(۲)

---

(۱) شہید انسانیت/ ۶۱۵، طبری، ج/ ۷، ص ۳۰، صواعق محرقہ/ ۱۲۴ (۲) طبری، ج/ ۷، ص/ ۳۴

''معاویہ بن یزید کے بعد خراسان میں بھی حرکت پیدا ہوگئی۔انہوں نے اپنے یہاں کے گورنروں کو نکال دیا۔اور جنگ وجدال شروع کردی۔''(۱)

اب خلافت اولاد ابی سفیان سے ہمیشہ کے لئے نکل گئی۔شام میں بوڑھے مروان بن الحکم کی بیعت کی گئی اور خلافت پھر کچھ عرصہ تک اسی کی اولاد میں برقرار رہی۔

بعد شہادت حضرت امام حسینؑ کے معجزات

ا۔قبر حسینؑ کی مٹی سے علاج

(امالی) حسین بن محمد ازدی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے: وہ کہتا ہے کہ ایک روز میں مسجد کوفہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔میرے پہلو میں دو آدمی بیٹھے تھے جن میں سے ایک سفری لباس پہنے ہوئے تھا۔ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم کو نہیں معلوم کہ قبر حسینؑ کی خاک ہر مرض کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔مجھ کو ایک درد عارض ہوا کرتا تھا، میں نے ہر قسم کا علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، یہاں تک کہ مجھ کو اپنی جان کا خوف لاحق ہوا۔ہمارے نزدیک ایک بوڑھی عورت رہا کرتی تھی۔اتفاق سے وہ ہمارے پاس آئی۔اس وقت میں درد سے تڑپ رہا تھا۔اس عورت نے مجھ سے کہا اے سالم: کیا حال ہے؟ میں تو ہر روز تمہاری حالت بد سے بدتر دیکھ رہی ہوں۔میں نے کہا ہاں یہی واقعہ ہے۔اس نے کہا: اگر کہو تو تمہارا علاج کروں اللہ کے حکم سے بالکل اچھے ہو جاؤ گے۔

میں نے کہا نیکی اور پوچھ پوچھ۔اس نے کہا ابھی لو یہ کہہ کر وہ ایک پیالہ میں تھوڑا پانی لائی۔ادھر میں نے پانی پیا ادھر آرام آیا اور درد ایسا غائب ہوا جیسے تھا ہی نہیں۔اس واقعہ کو کئی مہینے گذر گئے۔ایک روز پھر وہ عورت میرے گھر آئی میں نے اس سے پوچھا: میں خدا کی قسم دیتا ہوں بتلا دو کہ تم نے کس چیز سے میرا علاج کیا تھا۔اس نے کہا میرے ہاتھ میں جو تسبیح دیکھ رہے ہو اس کے ایک دانہ سے۔میں نے پوچھا: یہ تسبیح کاہے کی ہے؟ اس نے کہا: یہ قبر حسینؑ کی مٹی ہے۔میں نے کہا: اے رافضیہ! تو نے قبر حسینؑ کی مٹی سے میرا علاج کیا۔

(۱) طبری، ج/۷، ص/۴۴

کیا۔ یہ سن کر وہ ناراض ہوکر چلی گئی ادھر وہ گئی اور ادھر میرا درد دوبارہ عود کر آیا اور پہلے سے بہت شدید حملہ ہوا۔

۲۔خاک سے شفا کی بے حرمتی کی سزا

(امالی) موسیٰ بن عبدالعزیز روایت کرتا ہے کہ ایک دفعہ مجھ کو راستہ میں یوحنا بن سراقبون نصرانی طبیب ملا۔ اس نے شارع ابواحمد میں مجھ کو روک کر کہا کہ میں تم کو تمہارے نبیؐ اور تمہارے دین کی قسم دیتا ہوں یہ بتلاؤ کہ قصر ابوھبیرہ کے پاس یہ کس کی قبر ہے جس کی تم لوگ زیارت کو جایا کرتے ہو؟ کیا یہ تمہارے نبیؐ کے کسی صحابی کی قبر ہے؟ میں نے کہا: کسی صحابی کی نہیں، بلکہ ان کے نواسہ کی قبر ہے۔ یہ بتلاؤ کہ تم نے یہ سوال کیوں کیا؟ اس نصرانی طبیب نے کہا کہ میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ گذرا ہے۔ میں نے کہا: بیان کرو وہ بولا کہ ایک رات کو میں اپنے مکان میں بیٹھا ہوا تھا کہ سابور کبیر ہارون رشید کا خادم خاص میرے پاس آیا۔ اس نے کہا: میرے ساتھ چلو، ایک مریض کو دیکھنا ہے۔ میں اٹھ کر اس کے ساتھ ہولیا۔ یہاں تک کہ ہم لوگ موسیٰ بن عیسیٰ ہاشمی کے پاس پہنچے۔ میں نے دیکھا وہ مدہوشی کے عالم میں مخبوط الحواس ایک تکیہ کے سہارے بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے سامنے ایک طشت دھرا ہے۔ اس میں اس کی انتڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ہارون رشید نے اس کو کوفہ سے بلوالیا تھا۔ سابور نے موسیٰ کے خادم سے جو اس کے ساتھ آیا تھا پوچھا کہ تو بتلا کہ ان کی یہ حالت کیسے ہوئی؟ اس نے کہا: میں پورا واقعہ بیان کرتا ہوں۔ اس وقت سے کچھ عرصہ قبل یہ اپنے دربار میں خوش وخرم بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت ان کی صحت قابل رشک تھی۔ اتنے میں کسی نے امام حسینؑ کا ذکر کیا۔ ایک شخص نے موسیٰ سے حسینؑ کی بابت سوال کیا۔ موسیٰ نے کہا: یہ حسینؑ وہ ہیں جن کے بارے میں رافضی بہت غلو کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی خاک قبر سے اپنا علاج کرتے ہیں۔ اتفاق سے وہاں ایک ہاشمی بھی بیٹھا یہ گفتگو سن رہا تھا۔ اس نے کہا: یہ درست ہے۔ مجھ کو بھی ایک مرض تھا میں نے بہتیرا علاج کیا، کوئی فائدہ نہ ہوا بالآخر اسی خاک شفا کی برکت سے خدا نے مجھ کو شفا عطا کی۔ موسیٰ نے کہا: تمہارے پاس اس میں سے کچھ باقی بچ گئی ہے؟ اس سید نے کہا کیوں نہیں! اس نے کہا: تھوڑی سی میرے لئے لے آؤ۔ یہ سن کر وہ سید گیا اور تھوڑی سی خاک شفا لے آیا۔ موسیٰ نے وہ مٹی لے کر سب کے سامنے اپنی دبر میں رکھ لی، تاکہ لوگوں کے سامنے اس خاک کا استہزاء کرے۔ مگر خدا کا کرنا ہوا کہ جو نہیں اس نے وہ مٹی دبر میں رکھی وہ نہیں پکار اٹھا، النار، النار، النار! (ہائے میں جلا ہائے میں جلا) جلدی طشت

لاؤ! جب طشت لایا گیا اور یہ اس پر بیٹھا تو اس کی آنتیں کٹ کٹ کر نکلنے لگیں۔ یہ سن کر سابور (خادم خلیفہ) نے مجھ سے کہا کہ تم اس کا معائنہ کرو شاید کوئی تدبیر کارگر ہو۔ میں نے ایک شمع منگائی اور اس کی روشنی میں دیکھا کہ اس کے جگر و طحال اور پھیپھڑے کے ٹکڑے پڑے ہیں۔ میں نے کہا کہ اب اس کا کوئی علاج نہیں۔ حضرت عیسیٰ جو مردے زندہ کرتے تھے، وہ اگر آئیں تو اس کو بچا سکتے ہیں۔ سابور نے کہا: تم ٹھیک کہتے ہو لیکن اس کے پاس رہو، شاید تمہاری ضرورت ہو۔ یوحنا کہتا ہے کہ میں ساری رات موسیٰ کے پاس رہا، اس طرح اس کے اعضاء کٹ کٹ کر دبر کے راستہ باہر آتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح کے قریب وہ واصل جہنم ہوا۔ محمد بن موسیٰ (اس واقعہ کے راوی) بیان کرتے ہیں کہ اس معجزہ کو دیکھ کر اس طبیب نصرانی پر اتنا اثر ہوا کہ وہ ہمیشہ امام حسینؑ کی زیارت کو آیا کرتا تھا، آخر میں وہ مسلمان ہو گیا۔

۳۔ نعش حسینؑ پر جنوں کا نوحہ

ایک مرد اسدی سے منقول ہے کہ وہ کہتا ہے کہ جب لشکر بنی امیہ نے کوچ کیا، میں کنار نہر علقمہ زراعت کرتا تھا، پس اس قدر عجائب میں نے وہاں دیکھے جن کا ذکر تحریر و تقریر میں نہیں آ سکتا از آنجملہ ایک یہ ہے کہ جب وہاں ہوا چلتی تھی بوئے مشک و عنبر میرے مشام میں پہنچتی تھی اور جب ٹھہر جاتی تھی تو ستارے دکھائی دیتے تھے کہ آسمان سے زمین پر اتر رہے ہیں اور زمین سے آسمان پر جا رہے ہیں میں اپنے متعلقین کے ساتھ تنہا تھا اور کسی کو نہ پاتا تھا کہ کیفیت ماجرا اس سے پوچھتا وقت غروب آفتاب ایک شیر جانب قبلہ سے آتا تھا، میں اس کو دیکھ کر گھر چلا جاتا تھا، جب صبح ہوتی تھی اور آفتاب طلوع کرتا تھا، میں گھر سے نکلتا تھا۔ اس وقت شیر کو قبلہ کی طرف جاتا دیکھتا تھا۔ ایک دن مجھے خیال آیا کہ یہ لوگ خارجی تھے جنہوں نے ابن زیاد پر خروج کیا تھا لیکن ان نعشوں سے عجیب کرامتیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ آج رات کو دیکھنا چاہئے دیکھوں یہ شیر ان نعشوں کو چھیڑتا ہے یا نہیں۔ جب شام ہوئی تو حسب معمول شیر آیا، میں اس کی صورت دیکھ کر ڈرا اور دل میں کہا کہ اگر یہ آدمی کا گوشت کھاتا ہو گا تو ضرور میرا قصد کرے گا۔ پس روبرو اس کے کھڑا ہوا۔ وہ لاشوں کے اوپر سے گذرتا تھا تا اینکہ ایک نورانی لاشہ پر سے جو نور و ضیا میں آفتاب عالمتاب سے مشابہ تھا۔ یہ شیر اس کے پاس گیا اور بیٹھ گیا، میں نے سوچا اب یہ لاش کو کھائے گا لیکن میں نے دیکھا، وہ اس پر اپنا منہ ملنے لگا اور

نوحہ کرنے لگا۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! یہ عجیب ماجرا ہے۔ پس میں وہاں نگرانی کرتا رہا، یہاں تک کہ رات خوب تاریک ہوگئی ناگاہ جنگل سے بہت سی شمعیں نمودار ہوئیں جن سے تمام صحرا روشن ومنور ہوگیا اور فریاد و نالہ و ماتم اور نوحۂ غم بلند ہوئی۔ میں اس آواز کی تلاش میں چلا، معلوم ہوا کہ زمین کے نیچے ہے اور ایک ان نوحہ کرنے والوں سے یہ کہتا تھا کہ واحسینا وااماماہ۔ یہ سن کر میرے بدن کے روئیں کھڑے ہوگئے۔ میں ان لوگوں کے نزدیک گیا اور ان کو خدا اور رسولؐ کی دے کر پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم جنوں کی عورتیں ہیں۔ میں نے کہا کہ تم کیا کرتی ہو؟ انہوں نے کہا ہم شب و روز عزائے امام حسینؑ کرتے ہیں، جن کو پیاسا ذبح کیا گیا۔ میں نے کہا: یہی حسینؑ ہیں جن کے پاس شیر بیٹھا ہے۔ کہا ہاں! پس میں وہاں سے روتا ہوا پھرا۔

۴۔ سکینہ کے جگرسوز خواب کا بیان اور یزید کا حال

منقول ہے کہ سکینہ دختر امام حسینؑ نے یزید سے کہا کہ میں نے رات کو ایک خواب دیکھا ہے، اگر تو سنے تو بیان کروں۔ کہا بیان کر۔ سکینہ نے کہا کہ شب کو بعد فراغ نماز میں نے دعائیں پڑھیں اور بہت روئی اور خستہ ہوگئی۔ ذرا آنکھ لگی تھی کہ میں نے دیکھا گویا آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور ایک نور آسمان سے زمین پر پہنچا ہے اور حوران جنت اتری ہیں اور ایک باغ خورمہ تر و تازہ وہاں ہے۔ اس کے درمیان ایک قصر ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ پانچ بزرگوار اس مکان میں داخل ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک خادم ہے۔ میں نے پوچھا: یہ قصر کس کا ہے؟ اس نے کہا: تیرے باپ کا ہے۔ میں نے کہا: یہ بزرگوار کون ہیں؟ کہا اوّل آدمؑ صفی اللہ، دوسرے نوحؑ نبی اللہ، تیسرے ابراہیمؑ خلیل اللہ، چوتھے موسیٰؑ کلیم اللہ۔ میں نے پوچھا: پانچویں بزرگ کون ہیں جو اپنے محاسن ہاتھ میں لئے ہوئے غمگین ومحزون ہیں اور گریہ و نالہ کرتے ہیں۔ کہا: اے سکینہ تم ان کو نہیں جانتی۔ میں نے کہا: نہیں۔ کہا: یہ تمہارے جد (رسول خداؐ) ہیں۔ میں نے کہا: یہ سب بزرگوار کہاں جاتے ہیں کہا: تمہارے باپ حسینؑ کے پاس جاتے ہیں۔ میں نے کہا: جد عالی کے پاس جا کر دل کا احوال بیان کروں گی۔ پس وہ حضرت آگے چلے گئے اور میں نہ پہنچ سکی اور متفکر ہوئی۔ اسی اثناء میں میں نے اپنے جد علیؑ ابن ابی طالب کو دیکھا کہ ہاتھ میں تلوار لئے کھڑے ہیں۔ میں نے فریاد کی: یا جداہ! میرے باپ آپ کے بعد قتل کر ڈالے گئے۔ پس حضرت بہت روئے اور مجھ کو سینے سے لگایا اور کہا اے بیٹی! صبر و شکیبائی اختیار کرو اور مدد

واعانت جناب احدیت کی جانب سے ہے۔ پھر تشریف لے گئے۔اور میں نہ جانتی تھی کہ کہاں جاتے ہیں۔ پس میں متعجب کھڑی رہی ناگاہ آسمان کے دروازے کھلے اور میں نے دیکھا کہ فرشتے میرے باپ کے سرانور پر اتر رہے ہیں اور اوپر جا رہے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ یزید پلید نے جب یہ جگر سوز خواب سنا تو اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگا ظالم کہتا ہے میں نے حسینؑ کو کیوں مارا ؟

۵۔ ہند زوجہ یزید کا خواب

ہند زوجہ یزید سے منقول ہے، وہ کہتی ہے کہ میں اپنی خواب گاہ میں تھی، میں نے دیکھا ایک دروازہ آسمان کا کھل گیا اور ملائکہ سرانور امام حسینؑ پر گروہ در گروہ اترتے تھے اور کہتے تھے ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَااَبَاعَبْدِ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ''۔ اسی اثناء میں ایک ابر نمودار ہوا۔ اس میں بہت سے آدمی تھے اور ایک بزرگوار با چہرۂ تاباں و رخسارہ درخشاں ان کے درمیان تھے۔ وہ دوڑتے ہوئے حسینؑ کے سر کی طرف آئے اور جھک کر دندان حسینؑ چومنے لگے۔ کہتے تھے: اے میرے فرزند! تجھ کو قتل کیا، تجھ کو نہ پہچانا، تجھ کو پانی تک نہ دیا۔ اے میرے فرزند! میں تیرا جد رسول خداؐ ہوں، یہ علی مرتضیٰؑ ہے، یہ تیرا بھائی حسنؑ مجتبیٰ، یہ تیرا چچا جعفر طیار ہے یہ عقیل اور یہ حمزہؑ و عباس ہے۔ اسی طرح ایک ایک کا نام اپنے اہل بیتؑ سے لیتے تھے۔ ہند کہتی ہے: میں اس خواب کو دیکھ کر بہت ڈری اور بعالم پریشان بیدار ہوئی۔ ناگہاں ایک نور دیکھا کہ سرامام حسین پر پھیلا ہے۔ پس میں نے یزید کو ڈھونڈا۔ کیا دیکھا کہ وہ ایک خانہ تاریک میں اپنا منہ دیوار کی طرف کئے ہوئے نہایت غم میں کہتا تھا کہ ''مَالِی لِلْحُسَیْنِ'' (مجھ کو حسینؑ سے کیا تھا!؟) اس وقت میں نے اپنا خواب بیان کیا، وہ سر جھکائے بیٹھا رہا۔ راوی کہتا ہے کے صبح کو یزید نے حرم محترم کو بلایا اور پوچھا اگر منظور ہو یہاں اقامت کیجئے، ورنہ مدینہ کو مراجعت فرمائیں اور آپ کو میں صلہ اور جزیہ دیتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا: اولاً ہم چاہتے ہیں کہ عزاداری حسینؑ میں نوحہ و ماتم کریں۔ کہا: بہتر ہے۔ ان کے واسطے مکانات خالی کرادیئے اور کوئی عورت ہاشمی و قریشی باقی نہ رہی جس نے سیاہ کپڑے پہنے نہ ہوں۔

منقول ہے کہ اہل حرم سات دن تک نوحہ و بکا میں مشغول رہے آٹھویں دن ان کو بلوا کر، رہنے اور سفر کرنے میں اختیار دیا۔ انہوں نے مراجعت کو اختیار کیا۔ یزید نے آراستہ محملیں حاضر کیں اور ریشمی فرشوں پر اموال انڈیل دیئے اور جناب اُمّ کلثومؑ سے کہا کہ جو مصائب آپ کو پہنچے ہیں، ان کے بدلے یہ اموال قبول

کرلیں۔ جناب اُمّ کلثومؑ نے یہ سن کر فرمایا کہ اے یزید! تو کتنا بے حیا اور ڈھیٹ ہے! تو نے میرے بھائی اور گھر والوں کو قتل کرڈالا، اس پر ان کا خوں بہا دیتا ہے۔

۶۔رسول خداؐ کی دی ہوئی مٹی کا خون سرخ میں بدلنا

کتاب امالی شیخ ابن بابویہ میں وہب بن وہب نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے اسی طرح روایت کی ہے۔ کتاب امالی شیخ طوسی علیہ الرحمۃ میں ابن عباس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک روز گھر میں سور ہا تھا ناگاہ جناب ام سلمہؓ کے گھر سے صدائے فریاد بلند ہوئی۔ یہ سن کر میں باہر نکلا اور ام المومنین کے گھر پر آیا۔ میں نے دیکھا کہ مدینہ کے مرد و زن وہاں جمع ہیں۔ میں نے نزدیک جا کر پوچھا: اے ام المومنین! آپ کس لئے فریاد و فغاں کر رہی ہیں؟ مگر آپ نے مجھ کو جواب نہ دیا اور زنان بنی ہاشم کی طرف منہ کر کے فرمایا: اے دختران عبد المطلب! میری مدد کرو اور میرے رونے میں میرا ساتھ دو۔ قسم خدا کی تمہارا سردار جوانان بہشت اور نواسۂ رسول اور گل گلزار پیغمبر حسینؑ شہید ہوا۔ میں نے کہا: اے ام المومنین! یہ خبر آپ کو کیسے معلوم ہوئی؟ فرمایا اس وقت پیغمبر خدا کو میں نے خواب میں دیکھا، بال پریشان کئے باحال تباہ تشریف لائے ہیں۔ میں نے سبب پوچھا، فرمایا کہ آج میرا فرزند حسینؑ اور اس کے اصحاب و اہل بیت شہید ہوئے اور میں ان کے دفن میں مصروف تھا، اس وقت فارغ ہوا ہوں۔ جب خواب سے میں بیدار ہوئی گھبرائی ہوئی سراسیمہ جانب حجرہ دوڑی۔ مجھ کو کوئی ہوش نہ تھا، میں اس خاک کی طرف دوڑی جو جبرئیل کربلا سے لائے تھے اور پیغمبر خداؐ کو دی تھی اور آپؐ نے کہا تھا کہ جب یہ لہو ہو جائے تو سمجھنا کہ تمہارا فرزند حسینؑ شہید ہو گیا۔ یہ خاک حضرتؐ نے مجھے دی تھی۔ اس وقت میں نے دیکھا شیشہ میں خون تازہ جوش مار رہا ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ام سلمہ نے اس کو شیشی سے لے کر اپنے چہرہ پر ملا اور نوحہ و ماتم برپا کیا۔ آخر خبر پہنچی کہ امام حسینؑ اسی دن شہید ہوئے۔

۷۔شیر کے ذریعہ امام حسینؑ کی نعش مبارک کی حفاظت

کتاب کافی میں عبداللہ ازدی سے مروی ہے کہ بعد شہادت امام حسینؑ جب اشقیاء نے قصد کیا کہ نعش مطہر پر گھوڑے دوڑائیں اور سبط سید المرسلینؐ کے بدن نازنین کو پامال سم اسپاں کریں۔ اس وقت

جناب فضہ نے خدمت حضرت زینبؑ میں عرض کیا: اے سیدہ سفینہ غلام، آزاد کردۂ جناب رسالتمآبؐ کی کشتی جب دریا میں ٹوٹ گئی اور وہ ایک جزیرہ میں پہنچا، اتفاقاً وہاں ایک شیر دیکھا اس نے شیر سے خطاب کرکے کہا، میں آزاد کردۂ رسول خداؐ ہوں۔ اس شیر نے جونہی رسول خداؐ کا اسم مبارک سنا تو وہ سفینہ کے آگے ہمہمہ کرتا ہوا چلا اور اس کو راہ بتادی اور خود ایک طرف بیٹھ گیا، مجھ کو بھی اجازت دیجئے کہ شیر کے پاس جاؤں اور اس کو مطلع کردوں کہ فرزند رسولؐ کا لاشہ یہ ملعون پامال کرنے والے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ یہ کہہ کر فضہ شیر کے پاس گئیں اور کہا یا ابا الحارث! یہ سن کر شیر نے سر اٹھایا۔ فضہ نے کہا: تو جانتا ہے کہ یہ لوگ جسد اطہر امام حسینؑ کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ آپ کی لاش کو گھوڑوں سے پامال کریں گے۔ راوی کہتا ہے کہ شیر یہ بات سن کر چلا، یہاں تک کہ قریب نعش اطہر کے پہنچا اور اپنے ہاتھ لاشہ پر رکھے، جس وقت وہ اشرار قریب نعش سیدالشہد ا گئے اور شیر کو اس حال سے دیکھا۔ عمر سعد نے کہا یہ فتنہ ہے اس کو برانگیختہ نہ کرواؤ اور واپس چلو اس وقت سب واپس ہوگئے۔

۸۔ سر حسینؑ سے گفتگو کرکے یہودی مع اقرباء مسلمان ہوا

روایت ہے کہ جس ہنگام سر انوار امام حسینؑ جانب شام لے گئے۔ اثنائے راہ میں بوقت شام ایک یہودی کے گھر قیام کیا۔ جب اشقیاء شراب پی کر مست ہوئے، تو انہوں نے بیان کیا کہ ہمارے پاس امام حسینؑ کا سر ہے، اس یہودی نے کہا: مجھ کو دکھلاؤ۔ انہوں نے صندوق کھولا، یکا یک ایک نور سر مطہر سے آسمان کی جانب بلند ہوا، یہودی یہ دیکھ کر حیران و متعجب ہوا اس نے سر مبارک کو طلب کیا اور اس سے خطاب کرکے کہا: اے حسینؑ! اپنے جدامجد سے میری شفاعت کیجئے گا۔ سر امام حسینؑ سے آواز آئی کہ میری شفاعت صرف مسلمانوں کے لئے ہے۔ پھر اس یہودی نے اپنے عزیز و اقرباء کو جمع کیا، سر مبارک ایک طشت میں رکھا، گلاب وکافور و مشک وعنبر اس پر چھڑکا اور اپنی اولاد و اقرباء سے کہا کہ یہ سر محمدؐ کے نواسے کا ہے اور کہتا تھا: افسوس! نہ تو میں نے تیرے جدامجد کو پایا، نہ تجھ کو زندہ پایا تاکہ تیرے سامنے اسلام لاتا اور تیرے آگے مقاتلہ اور جہاد کرتا، اگر میں مسلمان ہوں تو روز قیامت میری شفاعت کرنا، پس قدرت الٰہی سے سر فرزند رسالت پناہ بزبان فصیح گویا ہوا اور تین مرتبہ کہا: اگر تو مسلمان ہو جائے تو میں تیرا شفیع ہوں پھر وہ خاموش ہو گیا پس وہ یہودی مع

اقرباءاسلام سے مشرف ہوا۔

۹۔مدینہ میں ایک غیبی آواز کا آنا

کتاب کامل الزیارات میں حلبی نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو ہم لوگوں نے مدینہ میں ایک آواز سنی کہ کوئی کہتا تھا کہ آج اس امت پر ایک بلا نازل ہوئی ہے کہ اس کے بعد کبھی یہ لوگ خوشی نہ دیکھیں گے یہاں تک کہ قائم آل محمدؐ ظاہر ہوں اور اپنے اعداء سے انتقام لیں، اہل مدینہ اس آواز کے سننے سے خائف و ہراساں ہوئے اور کہا یقیناً کوئی حادثہ دنیا میں ہوا ہے جو ہم کو معلوم نہیں۔ جب خبر شہادت سید الشہداء ان کو پہنچی، حساب کیا تو معلوم ہوا جس شب کو یہ آواز سنی تھی وہ شب شہادت تھی، اور اسی دن کو امام تشنہ کام شہید ہوئے تھے۔

امام حسینؑ اسلام کے بعض معجزات

ا۔اپنی زائرہ کی عیادت کرنا

کتاب بصائر الدرجات میں صالح بن میثم اسدی سے منقول ہے کہ میں اور عبایہ بن ربعی حبابہ والبیہ کے پاس گئے۔ اس کی پیشانی پر کثرت عبادت اور سجود سے نشان سیاہ پڑ گیا تھا۔ حبابہ نے صالح کی طرف متوجہ ہو کر کہا: اے پسر برادر ایک بات میں نے حسین بن علیؑ سے سنی ہے اگر تو کہے تو میں بیان کروں۔ میں نے کہا: اے پھوپھی بیان فرمائیے۔ اس نے کہا: اے صالح! حضرت امام حسینؑ کی زیارت کو میں اکثر جایا کرتی تھی۔ ناگاہ میری دونوں آنکھوں کے بیچ سفید داغ میں پیدا ہو۔ اس مرض کا عارض ہونا مجھ پر نہایت شاق اور ناگوار ہوا۔ اسی سبب سے ایک مدت تک حضرت کی زیارت سے محروم رہی۔ ایک روز ان جناب نے اپنے اصحاب سے میرے متعلق استفسار فرمایا، اصحاب نے عرض کیا: یابن رسول اللہؐ! اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان داغ سفید پیدا ہوا ہے، اس سبب سے اس نے گھر سے نکلنا ترک کر دیا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت نے اصحاب سے ارشاد کیا: اس عورت کی عیادت کو چلو۔ پس حضرت مع اصحاب کے میرے گھر میں تشریف لائے۔ اس وقت

میں اپنی جائے نماز پر مشغول نماز تھی۔حضرت نے فرمایا: اے حبابہ تو کس لئے ہماری زیارت کو نہیں آتی؟ میں نے کہا: یا ابن رسول اللہؐ! بوجہ اس مرض کے جو میری پیشانی پر پیدا ہوا ہے شرف زیارت سے محروم رہی۔ حضرت نے فرمایا: مقنع کو اپنے چہرہ سے اٹھا۔ جب میں نے مقنع اٹھایا حضرت نے اپنا لعاب دہن اس داغ پر لگایا اور فرمایا: اے حبابہ شکر خدا بجالا کہ اس نے اپنے لطف و کرم سے تیرے عارضے کو زائل کیا۔ بموجب ارشاد حضرت میں سجدہ شکر بجالائی بعد ازاں حضرت نے فرمایا: سر اپنا سجدے سے اٹھا، جب میں نے سر اٹھایا اور آئینہ دیکھا تو فرزند رسولؐ کے اعجاز سے نشان اس عارضے کا مطلق نہ پایا۔ پس حمد خدا بجالائی۔

۲۔ایک مومنہ خاتون کی وصیت

قطب راوندی نے کتاب خرائج مین ابوخالد کابلی سے، اس نے یحیٰی بن ام طویل سے روایت کی ہے اس نے کہا کہ ایک دن حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں بیٹھا تھا، ناگاہ ایک جوان گریاں ونالاں حضرت کے پاس آیا حضرت نے پوچھا: اے شخص! تیرے رونے کا سبب کیا ہے؟ اس نے کہا: اے مولا! میری ماں نے انتقال کیا ہے اور قدرے مال چھوڑا ہے اور کچھ وصیت نہیں کی، مگر مرتے وقت اس نے مجھ سے اتنا کہا تھا کہ پہلے خبر مرگ حضرت امام حسینؑ کو پہنچانا، بعد ازاں تجہیز و تکفین کرنا۔ اس کی وصیت کے بموجب مولا میں آپ کو خبر کرنے کو حاضر ہوا ہوں۔ یہ ماجرا سن کر حضرت امام حسینؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: اس زن صالحہ خوش اعتقاد کے گھر چلو۔ بموجب ارشاد عالی مقام ہم سب اٹھے اور ہمراہ رکاب فرزند بوتراب روانہ ہوئے۔ جب اس مقام پر پہنچے جہاں اس مومنہ کی میت کو لٹایا تھا، حضرت نے دروازے پر کھڑے ہو کر دست مناجات درگاہ قاضی الحاجات میں بلند کئے عرض کیا بارالہا! اس کو زندہ کرنا کہ وصیت کرے۔ فی الفور حضرت کی برکت دعا سے وہ زن صالحہ اٹھ بیٹھی اور شہادتین کو اپنی زبان پر جاری کیا۔ بعد ازاں اس مومنہ نے حضرت کی طرف دیکھا عرض کی: یا مولا آپ گھر میں آئے ہیں۔ اب جو میرے حق میں مناسب ہو، ارشاد کیجئے تاکہ عمل میں لاؤں۔ حضرت داخل حجرہ ہوئے اور اس کے سرہانے بیٹھے اور فرمایا: خدا تجھ پر رحم کرے اپنی وصیت بیان کر۔ اس نے کہا: یا ابن رسول اللہؐ میں اس قدر مال رکھتی ہوں اور فلاں مکان میں رکھا ہے۔ ایک ثلث مال کے حضرت مختار ہیں، اپنے دوستوں سے جسے چاہیں عنایت

فرمائیں اور ثلث مال میرے فرزند کو دیجئے بشرطیکہ آپ کے غلاموں اور شیعوں سے ہو اور اگر مخالف ہو تو اس بقیہ مال کے بھی حضرت مختار ہیں۔ اس لئے کہ مال مومنین میں مخالفین کا حق نہیں ہے اس کے بعد زن صالحہ نے استدعا کی کہ حضرت میری نماز جنازہ آپ ہی پڑھائے گا اور تجہیز و تکفین میری اپنے ہاتھ سے فرمایئے گا۔ اتنا کہنے کے بعد اس مومنہ کی روح پھر جنت کو پرواز کر گئی۔

۳۔ اعرابی کا معجزات حسینؑ کو آزمانا

کتاب مذکورہ میں حضرت امام زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی معجزات امام حسینؑ کا ذکر سن کر برائے امتحان مدینہ طیبہ میں آیا۔ جب نزدیک مدینہ پہنچا اپنے ہاتھ سے استمنا کر کے جنب ہوا اور حضرت کی خدمت میں آیا۔ حضرت نے فرمایا: اے اعرابی! تجھے شرم نہیں آتی کہ ہمارے پاس تو جنب ہو کر آیا ہے۔ اعرابی نے عرض کی: یا ابن رسول اللہؐ! میں اپنی حاجت کو پہنچا اور جو مطلب میرا تھا، وہ حاصل ہوا اور اعجاز آپ کا مجھے معلوم ہوا۔ بعد ازاں اس نے جا کر غسل کیا۔ بار دیگر حضرت کی خدمت میں آیا اور جو مسئلے دریافت کرنا چاہتا تھا، دریافت کئے۔

۴۔ سفر میں کب جائیں، کب نہ جائیں

کتاب مذکور میں جناب صادقؑ سے اور ان کے آبائے طاہرین سے روایت ہے کہ حضرت امام حسینؑ جب اپنے غلاموں کو کسی حاجت کے واسطے بھیجنے کا قصد فرماتے تھے، تو ان غلاموں سے کہہ دیتے تھے کہ فلاں دن جانا اور فلاں دن نہ جانا۔ اگر میرے کہنے پر عمل نہ کرو گے تو قطاع الطریق اور راہزن تمہیں لوٹ لیں گے اور قتل کریں گے۔ ان غلاموں نے حضرت کے فرمانے پر عمل نہ کیا۔ جس دن حضرت نے جانے کو منع کیا تھا، اسی دن اثنائے راہ میں چوروں نے انہیں قتل کیا اور اسباب ان کا لوٹ لیا۔ جب ان کے لٹنے اور قتل ہونے کی خبر حضرت نے سنی، فرمایا: میں نے انہیں منع کیا تھا۔ میرا کہنا نہ مانا آخر الامر بلا میں گرفتار ہوئے۔ اسی وقت حضرت والی مدینہ کے پاس تشریف لے گئے۔ جب اس کی نظر حضرت پر پڑی عرض کیا: یا ابن رسول اللہؐ! میں نے سنا ہے کہ حضرت کے کچھ غلاموں کو راہزنوں نے قتل کر کے مال و اسباب ان کا غارت کیا۔ حق تعالیٰ اس کے عوض حضرت کو ثواب عطا فرمائے۔ حضرت نے فرمایا میں تجھ کو ان راہزنوں کے ناموں سے مطلع

کرتا ہوں تو والی مدینہ ہے۔ ان سب کو گرفتار کر کے سزا دے۔ حاکم مدینہ نے عرض کی کہ یا ابن رسولؐ اللہ آپ انہیں پہچانتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: ہاں میں انہیں ایسا پہچانتا ہوں کہ جیسے تجھے پہچانتا ہوں۔ یہ فرما کے حضرت نے ایک شخص کی جانب اشارہ فرمایا کہ جو حاکم مدینہ کے سامنے کھڑا تھا اور فرمایا یہ شخص بھی ان میں تھا۔ اس شخص نے حضرت سے کہا آپ نے کہاں سے جانا کہ میں بھی ان میں سے ہوں۔ حضرت نے فرمایا اگر میں سچ کہوں تو میرے کہنے کو باور کرے گا۔ اس نے کہا بے شک تصدیق کروں گا۔ حضرت نے فرمایا جب تو رہزنی کے قصد سے باہر نکلا تھا، تو فلاں فلاں شخص تیرے ساتھ تھے۔ پھر حضرت نے اس کے باقی ساتھیوں کے نام لئے چار اشخاص ان میں سے حوالی مدینہ سے تھے اور باقی اشخاص لشکر مدینہ کے تھے۔ والی مدینہ نے جب ان کے نام سنے، اس شخص سے کہا: مجھے قسم ہے پروردگار کی اگر تو سچ نہ بتائے گا تو مارے تازیانوں کے تیرا گوشت اڑادوں گا۔ اس شخص نے کہا: قسم بخدا حضرت امام حسینؑ سچ کہتے ہیں گویا کہ ہمارے ساتھ تھے۔ اس وقت والی مدینہ نے سب کو بلا کر جمع کیا اور سب کے قتل کرنے کا حکم دیا۔

۵۔ ایک شخص نے امام حسینؑ سے پوچھا عقد کس سے کریں

کتاب بصائر الدرجات میں روایت ہے کہ ایک شخص حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں آیا۔ اس نے ایک زن مال دار کے ساتھ عقد کرنے کے بارے میں حضرت سے مشورہ کیا۔ حضرت نے فرمایا: مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ تو اسے نکاح میں لائے۔ یہ شخص بھی مال کثیر رکھتا تھا۔ اس مرد بدنصیب نے حضرت کا کہنا نہ مانا اور اس عورت سے نکاح کیا۔ چند روز گذرے تھے کہ وہ مال ومتاع اس کا فنا ہو گیا اور نان شبینہ کو محتاج ہو گیا۔ دوسری مرتبہ وہ شخص حضرت کی خدمت میں آیا۔ حضرت نے فرمایا: میں نے تجھے منع کیا تھا اس عورت کو عقد میں نہ لا۔ تو نے میرے کہنے پر عمل نہ کیا۔ اب مناسب یہ ہے کہ اسے طلاق دے دے کہ حق تعالیٰ اس کے عوض میں اس سے بہتر عطا فرما دے گا اور فرمایا: فلاں عورت سے عقد کر چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ ابھی سال بھی نہ گذرا تھا کہ وہ کافی مالدار ہو گیا، اولاد بھی اس سے پیدا ہوئی اور بہت راحتیں اس نے پائیں۔

٦۔ امام حسینؑ کی عیادت سے شفاء ملی

ابن شہر آشوبؒ نے کتاب مناقب میں حضرت صادق اور ان کے آبائے کرام سے روایت کی ہے

کہ ایک دن حضرت امام حسینؑ ایک بیمار کی عیادت کوتشریف لے گئے، اس کو شدید تپ تھا جس وقت حضرت اس کے گھر میں پہنچے، اس وقت حضرت کی برکت قدم سے تپ زائل ہوگیا۔اس مرد نیک اعتقاد نے کہا: یا ابن رسولؐ اللہ جو کچھ فضل و شرف حق تعالیٰ نے آپ کے خاندان عالی کو عطا فرمایا ہے، میں بہ جان و دل اس کا معتقد ہوں اور یہ ادنیٰ معجزہ ہے کہ آپ کے برکت قدم سے تپ زائل ہوگیا۔حضرت نے فرمایا: قسم بخدا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے کوئی چیز نہیں خلق کی مگر اسے ہماری اطاعت کا حکم دیا ہے۔راوی کہتا ہے کہ جس وقت حضرت نے یہ فرمایا: ایک آواز لبیک کی غیب سے آئی اور گوینده اس کا نظر نہ آیا۔اس وقت حضرت نے فرمایا: اے تپ! آیا تجھ کو میرے پدر بزرگوار علی ابن ابی طالبؑ نے حکم نہیں کیا کہ تو نزدیک نہ جا مگر اس شخص کے جو دشمن ہمارا ہو یا گناہ گار ہوتا کہ تیری حرارت کے صدمہ سے اس کے گناہ عفو ہوں پس اس مرد مومن کے پاس تو کیوں آیا؟ اس مرد بیمار کا نام عبداللہ ابن شداد بن ہادی لیثی تھا۔

۷۔دوران حج ایک مرد کا ہاتھ عورت کے ہاتھ سے وصل ہوگیا

شیخ طوسیؒ نے تہذیب الاحکام میں حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ ایک سال ایک عورت خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھی اور ایک مرد بھی اس کے پیچھے طواف میں مشغول تھا۔اس عورت نے اپنا ہاتھ چادر سے باہر نکالا، اس مرد نے بھی اپنا ہاتھ پھیلا کر اس عورت کے ہاتھ پر رکھ دیا۔قدرت خدا سے اس مرد کا ہاتھ اس عورت کے ہاتھ سے وصل ہوگیا۔ہر چند سعی کرتا تھا کہ ہاتھ چھڑائے لیکن وہ جدا نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ لوگوں نے طواف قطع کیا اور ان کے تعزیر دینے کے متعلق سوال کیا۔فقہا نے کہا: مرد کے ہاتھ کو قطع کرو کیونکہ اس نے خیانت کی ہے۔حاکم نے پوچھا آیا کوئی شخص فرزندان محمدؐ سے یہاں موجود ہے۔لوگوں نے کہا: آج کی شب حضرت امام حسینؑ تشریف لائے ہیں۔حاکم نے حضرت کو طلب کیا اور عرض کیا: یا ابن رسولؐ اللہ! آپ ملاحظہ فرمائیے کہ کیا بلا ان دونوں کے سروں پر نازل ہوئی ہے۔حضرت جب ان کے حال سے مطلع ہوئے، روئے مبارک قبلہ کی طرف کیا اور دست مناجات بلند کئے اور دیر تک دعا میں مشغول رہے۔بعد ازاں حضرت ان دونوں کے پاس تشریف لائے اور اس مرد کا ہاتھ اس عورت کے ہاتھ سے چھڑا دیا۔حاکم نے عرض کیا: آیا اس حرکت شنیعہ پر انہیں کچھ تعزیر دوں، حضرت نے فرمایا: نہیں۔

۸۔امام حسینؑ سے فضائل ومناقب سننے کی فرمائش

ابن شہرآشوب نے کتاب مناجات میں عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ ایک گروہ حضرت کی خدمت میں آیااورعرض کیا: یاابن رسول اللہؐ! آپ اپنے فضائل اورمناقب بیان فرمایئے۔حضرت نے فرمایا: تم ہمارے فضائل کے سننے کی طاقت نہیں رکھتے۔پس تم سب ہٹ جاؤاورایک شخص کومیرے پاس چھوڑ جاؤ تاکہ میں اس سے کچھ کلام کروں اگروہ شخص میرے کلام کوسن سکے گا،تومیں تم سب سے کہوں گا۔

چنانچہ سب ہٹ گئے ،بس ایک شخص رہ گیا۔حضرت نے اس سے کچھ کلام فرمایا۔پس حضرت کا کلام سن کروہ شخص متحیراورسراسیمہ اورازخودرفتہ ہوگیااورکسی کوکچھ جواب نہ دیتاتھاپس یہ حال دیکھ کرسب واپس چلے گئے۔

۹۔بچہ بحکم خدا گویا ہوا

حضرت صادقؑ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے زمانہ میں دواشخاص نے ایک عورت اور اس کےفرزند کے بارے میں نزاع کی۔ایک کہتا تھا کہ یہ عورت میری زوجہ ہےاور یہ فرزندمیرافرزند ہے۔ دوسرا کہتا تھا کہ یہ عورت میری اور یہ فرزند میرا ہے۔اتفاقاً حضرت امام حسینؑ بھی وہاں وارد ہوئے اوران کی نزاع کا سبب پوچھااس وقت ان دونوں نے اپنا حال بیان کیا۔حضرت نے تب مدعی اول سے کہا بیٹھ جاؤ،وہ بیٹھ گیا،بعدازاں حضرت نے اس عورت سے فرمایا:اےعورت سچ کہہ پیش ازاں کہ حق تعالیٰ تیرا پردہ فاش کرےاورتو رسواہو،عورت نے کہا:حضرت! یہ شخص جو بیٹھا ہے میرا شوہر ہےاور یہ فرزنداسی کا ہےاوراس دوسرے شخص کومیں جانتی نہیں کہ یہ کون ہے۔حضرت امام حسینؑ نے جب یہ کلام بدانجام اس عورت بدخصلت سے سنااس طفل شیرخوار کی طرف جوابھی گویا نہ تھا متوجہ ہوکرفرمایااے طفل تو بحکم خدابیان کرکہ تیری ماں سچ کہتی ہے یانہیں وہ لڑکااعجاز سے حضرت سے گویا ہوااور کہنے لگا کہ میں ان دونوں کے نطفہ سے نہیں ہوں بلکہ میراباپ گلہ بان ہےفلاں قبیلہ کااورمیں اس کا نطفہ ہوں۔حضرت نے یہ بات اس طفل بےزبان سےسن کر فرمایاکہ اس عورت کوسنگسارکرو۔حضرت صادقؑ فرماتے ہیں کہ اس لڑکے نے پھرکلام نہ کیا۔

۱۰۔مسجد قبا میں رسول خداؐ کا خطاب

اصبغ بن نباتہ نے روایت کی ہے کہ ایک دن میں نے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کیا: اے سید و آقا میرے! میں آج ایک ایسی چیز کے متعلق سوال کرنا چاہتا ہوں جس کا مجھ کو یقین ہے اور وہ امر ایک ایسا سرّ الٰہی ہے جس کے حامل آپ ہیں۔ حضرت نے فرمایا: اے اصبغ! تو دیکھنا چاہتا ہے کہ مسجد قبا میں رسول خداؐ نے کیوں کر فلاں سے خطاب کیا۔ میں نے کہا: ہاں! یا بن رسولؐ اللہ یہی چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس وقت میں اور حضرت کوفے میں تھے۔ ناگاہ پلک بھی نہ جھپکانے پایا تھا کہ میں نے خود کو اور حضرت کو مسجد قبا میں پایا۔ حضرت نے میری طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا: اے اصبغ! حق تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمان کے لئے مسخر کیا تھا کہ وہ حضرت چاشت میں ایک مہینے کی راہ اور آخر روز ایک مہینہ کی راہ طے فرماتے تھے اور ہم کو حق تعالیٰ نے اس سے زیادہ قدرت عطا کی ہے۔ میں نے عرض کی: یا بن رسولؐ اللہ! قسم بخدا آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا: ہم وہ ہیں کہ علم کتاب خدا ہمارے پاس ہے اور جو کچھ کتاب خدا میں ہے اس کے بیان کو ہم خوب جانتے ہیں۔ اور نہیں ہے خلق خدا میں کسی کے پاس جو کچھ ہمارے پاس ہے، اس واسطے کہ ہم محل راز ہائے پوشیدہ خدا ہیں۔ بعد ازاں حضرت میری طرف دیکھ کر متبسم ہوئے اور فرمایا کہ ہم آل خدا اور وارث رسولؐ ہیں۔ حضرت کے اس ارشاد پر میں حمد خدا بجالایا۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا: اے اصبغ! مسجد میں داخل ہو۔ جب میں داخل مسجد ہوا، میں نے دیکھا رسول خداؐ بیٹھے ہیں اور ردائے مبارک اپنی پشت مبارک اور دونوں زانوؤں پر لپیٹے ہیں۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ جناب امیر المومنینؑ گریبان اس شخص کا پکڑے ہیں اور حضرت رسول خداؐ اپنی انگشت مبارک کو دندان مبارک سے کاٹتے ہیں اور اس سے فرماتے ہیں: اے شخص! تو نے اور تیرے ساتھیوں نے میرے اہل بیت کے حق میں بہت برائی کی۔ تجھ پر خدا اور رسول کی نفرین ہوتا آخر خبر۔

۱۱۔حضرت امام حسینؑ نے اپنے محسن کو فرزند عطا فرمایا

کتاب نجوم میں حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ ایک سال حضرت خامس آل عبا جناب سید الشہداءؑ پا پیادہ حج کو تشریف لے گئے اثنائے راہ میں بسبب بعد مسافت پائے مبارک متورم ہو گئے۔ بعض

غلاموں نے عرض کیا: یابن رسولؐ اللہ! سوار ہو جایئے تا کہ ورم پائے مبارک کم ہو۔ حضرت نے قبول نہ فرمایا۔ کہا: جب ہم منزل پر پہنچیں گے تو ایک غلام حبشی ملے گا۔ اس کے پاس ایک روغن ہوگا، وہ اس ورم کے لئے نہایت نافع ہے۔ پس جب وہ غلام حبشی اس روغن کو لائے تو اس سے مول لینا اور جو قیمت طلب کرے بے تامل دے دینا۔ حضرت کے ایک غلام نے تعجب سے کہا: یابن رسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اس منزل میں کوئی روغن فروش نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا: عنقریب وہ آئے گا۔ جب بقدر ایک منزل کے راہ طے کی، ناگاہ ایک غلام سیاہ دور سے نمودار ہوا۔ حضرت نے اپنے ایک غلام سے فرمایا کہ جا اور روغن کو خرید کر قیمت اس کی دے۔ جب وہ غلام بموجب ارشاد حضرت اس حبشی کے پاس گیا اور روغن طلب کیا، حبشی نے پوچھا: کس کے لئے طلب کرتا ہے۔ کہا: اپنے آقا حسینؑ بن علیؑ کے واسطے۔ جب اس مرد نیک اعتقاد نے حضرت کا نام سنا، کہنے لگا: مجھے حضرت کی خدمت میں لے چل۔ جب اس حبشی کو حضرت کی خدمت میں لایا، اس نے کہا: یابن رسولؐ اللہ! میں آپ کا شیعہ اور ہواخواہوں سے ہوں۔ روغن کی قیمت میں نہیں چاہتا لیکن یہ چاہتا ہوں کہ میرے لئے دعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ مجھ کو ایک فرزند صحیح الخلقت عطا فرمائے جو دوست دار اہل بیتؑ ہو۔ یا مولا! جب میں آپ کی خدمت میں آنے لگا تو میری بیوی کو درد زہ تھا۔ حضرت نے فرمایا: اپنے گھر جا کہ حق تعالیٰ نے تجھے فرزند صحیح الخلقت عطا فرمایا۔ اس ارشاد کے سنتے ہی، وہ حبشی بسرعت تمام روانہ ہوا۔ جب اپنے گھر پہنچا تو اس نے دیکھا فرزند مستوی الخلقت پیدا ہوا۔ پھر وہ پلٹ کر آیا اور اس نے دعائے خیر دے کر عرض کی: یابن رسولؐ اللہ! جو کچھ آپ نے ارشاد کیا تھا، وقوع میں آیا۔ بعد ازاں حضرت نے اس روغن کو اپنے پائے مبارک پر ملا ہنوز اپنی جگہ سے حرکت نہ کی تھی پائے مبارک کا ورم بالکل زائل ہو گیا۔

۱۲۔ امام حسینؑ نے بارش ہونے کے لئے دعا کی

کتاب عیون المعجزات میں حضرت صادق علیہ السلام سے انہوں نے اپنے پدر بزرگوار امام محمد باقرؑ سے اور انہوں نے حضرت زین العابدینؑ سے روایت کی ہے کہ ایک بار اہل کوفہ حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں آئے اور بارش کی کمی کی شکایت کی اور کہا: مولا! آپ ہمارے حق میں سبحانہ تعالیٰ سے طلب باراں کیجئے۔ حضرت نے امام حسینؑ سے کہا۔ تم اٹھو اور بارش کے لئے دعا کرو۔ بموجب ارشاد کے امام حسینؑ کھڑے

ہوئے اور ایک خطبۂ فصیح و بلیغ پڑھا اور حق تعالیٰ سے ان لوگوں کے واسطے طلب باراں کی دعا کی۔ حضرت دعا سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ یکا یک بارش ہوئی۔ اسی وقت ایک اعرابی نواح کوفہ سے آیا اور یہ خبر لایا کہ میں تالابوں اور گھاٹیوں کو پانی سے چھلکتا چھوڑ کر آیا ہوں۔

۱۴۳۔ایک یزیدی ملعون کو بد دعا

جعفر بن محمد بن عمارہ نے اپنے باپ سے، انہوں نے عطا بن صائب سے، انہوں نے اپنے بھائی سے روایت کی ہے کہ بروز شہادت جناب سید الشہدؑاء معرکہ کربلا میں میں بھی حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک ملعون قبیلۂ تمیم سے جس کا نام عبداللہ بن جویرہ تھا، حضرت امام حسینؑ کے لشکر کے قریب آیا اور با آواز بلند حضرت کا نام لے کر پکارا۔ حضرت نے اس لعین سے کہا: تو کیا چاہتا ہے؟ معاذ اللہ اس بے حیا نے کہا: بشارت ہو تمہیں آتش دوزخ کی۔ حضرت نے فرمایا: حاشا! بلکہ میں شفاعت کنندہ کی خدمت میں جاتا ہوں اور میری بازگشت ایک اچھے حال سے دوسرے اچھے حال کی طرف ہے۔ تو کون ہے اس نے کہا: میں عبداللہ بن جویرہ ہوں۔ حضرت نے اپنے دست مبارک درگاہ قاضی الحاجات میں بلند کئے یہاں تک کہ سفیدی زیر بغل نمودار ہوئی اور عرض کی: خداوند! تو اس شقی کو آتش دوزخ کی طرف کھینچ لے۔ اس ملعون کے گھوڑے نے ایسا اضطراب کیا کہ ایک پاؤں اس کا خندق میں جاتا رہا اور وہ شقی گھوڑے سے گرا، ایک پاؤں رکاب میں الجھا رہا، گھوڑا دوڑتا جاتا تھا اور پاؤں اس کا اسی طرح رکاب میں الجھا تھا اور سر نجس اس کا ہر پتھر اور درخت سے ٹکراتا تھا یہاں تک کہ ایک جانب سے تمام ران اور پنڈلی جدا ہوگئی اور دوسرے جانب سے رکاب میں الجھی رہ گئی اور اسی حال سے واصل جہنم ہوا اور اپنے کہنے کی سزا کو پہنچا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(باب ششم)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

☆ولادت	۱۵؍جمادی الاول ۳۸ھ بروز پنجشنبہ مدینہ منوّرہ
☆شہادت	۲۵؍محرم الحرام ۹۵ھ مطابق ۷۱۴ء مدینہ منورہ
☆والد	حضرت امام حسینؑ ابن علیؑ ابن ابیطالبؑ
☆والدہ	جناب شہر بانو بنت یزدجرد بن شہریار
☆ازواج	ایک زوجہ باقی کنیزیں
☆اولاد	تعداد پندرہ بیان کی گئی ہے۔ رحلت کے وقت آٹھ فرزند تھے۔

علیؑ ابن الحسینؑ (زین العابدینؑ) کے حالات

حضرت علیؑ بن الحسینؑ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چوتھے جانشین تھے اور ہمارے چوتھے امام اور چہاردہ معصومین کی چھٹی محترم فرد تھے۔ آپؑ کے والد ماجد امام حسینؑ بن امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ تھے۔ والدہ ماجدہ شہر بانو تھیں جو ایران کے آخری بادشاہ یزدجرد کی صاحبزادی تھیں۔

''الخرائج والجرائح''میں بیان کیا گیا ہے اور ہمارے بزرگ رازی نے''الذریعۃ''(ج/۷، ص۱۴۶) میں ذکر کیا ہے کہ جناب جابر نے محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا... کہ جب یزدجرد بن شہریار کی بیٹی جو شاہان فارس میں آخری بادشاہ تھا اور حضرت عمر کے زمانہ میں جس کی حکومت کا خاتمہ ہوا، مدینہ میں داخل ہوئیں، تو مدینہ کی لڑکیوں نے انہیں غور سے دیکھا اور ان کے چہرے کی روشنی سے پوری مجلس جگمگا اٹھی۔ جب حضرت عمر پر ان کی نظر پڑی تو کہنے لگیں: ''آہ! پیروز باد ہرمز''۔ یہ سن کر حضرت کو غصہ آیا اور کہنے لگے کہ اس اعجمی کافرہ نے مجھے گالی دی ہے اور انہوں نے اس کو سزا دینا چاہی لیکن امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے فرمایا کہ جو چیز آپ کو معلوم نہ ہو اس سے آپ کو انکار کا حق نہیں۔ پھر حضرت عمر نے ان کو فروخت کے لئے اعلان کرایا۔ آپ نے فرمایا کہ بادشاہوں کی بیٹیوں کو فروخت کرنا جائز نہیں، خواہ وہ کافرہ ہی کیوں نہ ہوں۔ آپ انہیں حکم دیں کہ وہ مسلمانوں میں سے کسی کو منتخب کرلیں تا کہ اس سے شادی ہو جائے اور اس شخص کو بیت المال سے جو ملے اس میں اس کا مہر اور مہر کو اس کی قیمت میں محسوب کر لیں۔ حضرت عمر نے فرمایا: یہی کرتا ہوں۔

چنانچہ دختر یزدجرد کو یہ تجویز پیش کی گئی کہ وہ کسی کا انتخاب کرلیں۔ یہ سن کر وہ چلیں اور انہوں نے امام حسینؑ کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے دختر یزدجرد سے دریافت فرمایا کہ اے کنیز'' چہ اے کنیز تیرا کیا نام ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میرا نام شاہ زنان ہے۔ آپؑ نے فرمایا: بلکہ تمہارا نام شہر بانو ہے۔ جس پر وہ کہنے لگیں کہ یہ تو میری بہن کا نام ہے۔ آپؑ نے فرماما: بیشک تم ٹھیک کہتی ہو۔ پھر آپؑ امام حسین علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اس کا بہت خیال رکھنا اور اس کے ساتھ نیکی سے

پیش آنا۔اس کے بطن سے وہ بچہ پیدا ہوگا جو تمہارے بعد اپنے وقت کا اہل زمین میں سب سے بہتر ہوگا اور یہ ذریت طیبہ کے اوصیاء کی ماں ہوگی۔چنانچہ ان ہی کے بطن سے امام علی بن الحسینؑ زین العابدین علیہ السلام تولد ہوئے۔(۱)

روایت ہے کہ جناب شہر بانو نے امام حسینؑ کو اس وجہ سے منتخب کیا تھا کہ انہوں نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو خواب میں دیکھا تھا اور اپنی گرفتاری سے قبل ہی آپ اسلام لا چکی تھیں۔

جناب شہر بانو خود بیان کرتی ہیں کہ مسلمانوں کے لشکر کی آمد سے قبل میں نے خواب میں دیکھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ سلّم ہمارے گھر میں تشریف لائے اور آپؐ کے ساتھ امام حسین علیہ السلام بھی ہیں۔آپؐ نے ان سے میرا انکاح پڑھا۔جب صبح ہوئی تو میرے دل میں سوائے اس خواب کے اور کوئی بات نہ تھی۔جب دوسری شب آئی تو میں نے دختر رسولؐ حضرت فاطمہ زہراؑ کو خواب میں دیکھا کہ میرے پاس تشریف لائیں اور مجھے اسلام لانے کی دعوت دی۔چنانچہ میں اسلام لے آئی۔پھر مجھ سے فرمایا کہ مسلمان فتح پائیں گے اور تم عنقریب میرے فرزند حسینؑ کے پاس صحیح وسالم اس طرح پہنچو گی کہ تمہیں کسی برائی نے چھوا تک نہ ہوگا اور ایسا ہی ہوا کہ میں مدینہ میں اس حالت میں آئی کہ کسی نے مجھے چھوا تک نہیں۔(۲)

چنانچہ جب جناب شہر بانو سے پوچھا گیا تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو منتخب کر لیا۔ان سے اس انتخاب کے بارے میں دوبارہ کہا گیا، پھر بھی انہوں نے اپنے ہاتھ سے امام حسین علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ "ھٰذا" (وہ یہ ہیں) اور اپنا ولی جناب امیر المومنین علیہ السلام کو بنایا اور جناب حذیفہ نے خطبۂ نکاح پڑھا۔جب امیر المومنینؑ نے ان کا نام پوچھا تو انہوں نے شاہ زناں دختر کسریٰ بتایا۔جس پر آپؑ نے فرمایا کہ تم شہر بانو ہو اور تمہاری بہن مروارید دختر کسریٰ ہے۔انہوں نے اس کا اقرار کیا۔(۳)

آپ کی ولادت باسعادت

"کشف الغمّہ میں مرقوم ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام ۵ رشعبان ۳۸ھ بروز پنجشنبہ مدینہ

(۱) الکافی، ج/۱، ص/۴۶۶۔زمنر الحزائج ومنر الصائر، باب/۱۱، ج/۷، الذریعۃ، ج/۷، ص/۱۴۶

(۲) بحار الانوار، ص/۱۵۔۱۶ (۳) دلائل الامامۃ، ص/۸۱، مطبوعہ نجف اشرف

منورہ میں پیدا ہوئے، جو امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کا زمانہ خلافت تھا۔ آپؑ کی شہادت سے دو سال پہلے امام کی ولادت ہوئی۔ آپؑ کی والدہ ماجدہ ام ولد تھیں جن کا نام غزالہ تھا بلکہ ایک قول کے مطابق آپ کا نام شاہ زنان دختر یزدجرد تھا۔(۱)

کتاب 'موالید اہل البیت' میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امام علی ابن الحسین علیہ السلام جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی وفات سے دو سال قبل ۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ چنانچہ دو سال اپنے جد امجد امیر مومنین علیہ السلام کے زمانہ خلافت اور دس سال امام حسن علیہ السلام کے دور امامت میں اور دس سال کا عرصہ اپنے پدر بزرگوار ابو عبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے دور امامت میں گذارا۔ آپؑ کی عمر ستاون سال کی ہوئی۔

صاحب مناقب نے امام علی ابن الحسین علیہ السلام کی ولادت ماہ جمادی الثانی پنجشنبہ کے دن بتائی ہے۔ آپؑ کے زمانہ امامت میں یزید، معاویہ بن یزید، مروان، عبدالملک اور ولید کی حکومت رہی۔ ولید کے زمانۂ حکومت میں آپؑ نے رحلت فرمائی۔(۲)

نقش خاتم

کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امام علی ابن الحسین علیہ السلام کی انگشتری اور مُہر کا نقش ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِی'' تھا۔(۳)

''قرب الاسناد'' میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار کی خاتم کا نقش ''اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ'' تھا۔(۴)

آپؑ کی کنیت والقاب

حافظ عبدالعزیز نے آپؑ کی کنیت ابو محمد بیان کی ہے۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ حضرت امام علی ابن الحسین

---

(۱) کشف الغمہ، ج/۲، ص/۲۶۰
(۲) مناقب ابن شہر آشوب، ج/۳، ص/۳۱۰
(۳) الکافی، ج/۶، ص/۴۷۳
(۴) قرب الاسناد، ص/۴۴

علیہ السلام کی کنیت ابوالحسنؑ تھی۔ محمد بن اسحٰق بن حارث نے بھی یہی کنیت بیان کی ہے۔ کتاب 'موالیدِ اہل البیتؑ' میں آپؑ کی کنیت ابومحمد اور ابوالحسن وابوبکر بیان کی گئی ہیں اور آپ کے القاب زکی، زین العابدینؑ، ذوالثفنات اور امین بتائے گئے ہیں۔

'ارشاد' میں منقول ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے بعد آپؑ کے فرزند ابومحمد علی ابن الحسین زین العابدین علیہ السلام امام ہیں اور آپؑ کی کنیت ابوالحسن ہے۔(۱)

آپؑ کے ذریعہ قدرت کو عرب اور عجم کے کمالات کو ایک مرکز پر مجتمع کرنا تھا۔ آپؑ کے القاب میں زین العابدینؑ اور سید سجادؑ زیادہ مشہور ہیں جس کی تشریح حسب ذیل ہے۔

لقب زین العابدینؑ کی توجیہ

علامہ شبلنجی کا بیان ہے کہ امام مالک کا کہنا ہے کہ "آپؑ کو زین العابدین کثرت عبادت کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔"(۲)

علماء فریقین کا ارشاد ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ایک شب نماز تہجد میں مشغول تھے کہ اژدھے کی شکل میں شیطان آپؑ کے قریب گیا اور اس نے آپؑ کے پائے مبارک کے انگوٹھے کو منہ میں لے کر کاٹنا شروع کیا۔ امام جو ہمہ تن مشغول عبادت تھے اور آپؑ کا رجحان کامل بارگاہ ایزدی کی طرف تھا، وہ ذرا بھی اس کے اس عمل سے متاثر نہ ہوئے اور بدستور نماز میں منہمک ومصروف ومشغول رہے۔ بالآخر وہ عاجز آ گیا اور امام نے اپنی نماز بھی تمام کر لی اس کے بعد آپؑ نے اس شیطان ملعون کو طمانچہ مار کر دور ہٹا دیا۔ اس وقت ہاتف غیبی نے انت زین العابدین کی تین بار صدا دی اور کہا بے شک آپ عبادت گذاروں کی زینت ہیں۔ اسی وقت سے آپؑ کا لقب زین العابدینؑ ہو گیا۔(۳)

علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ اس اژدھے کے دس سر تھے، اس کے دانت بہت تیز اور اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ مصلے کے قریب کی زمین پھاڑ کر نکلا تھا۔(۴)

---

(۱) الارشاد المفید، ص/ ۲۶۹، بحار الانوار، ج/ ۶، ص/ ۱۳
(۲) نور الابصار، ص/ ۱۲۶
(۳) مطالب السول، ص/ ۲۶۲، شواہد النبوت، ص/ ۱۷۷
(۴) مناقب، ج/ ۴، ص/ ۱۰۸

لقب سجادؑ کی توجیہ

ذہبی نے طبقات الحفظ میں بحوالہ امام محمد باقر علیہ السلام لکھا ہے کہ حضرت زین العابدین علیہ السلام کو ''سجادؑ'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپؑ تقریباً ہر کار خیر پر سجدہ فرمایا کرتے تھے۔ جب آپؑ خدا کی کسی نعمت کا ذکر کرتے تو سجدہ کرتے اور جب کلام خدا کی آیت ''سجدہ'' پڑھتے تو سجدہ کرتے۔ جب دو شخصوں میں صلح کراتے تو سجدہ کرتے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپؑ کے مواضع سجود پر اونٹ کے گھٹوں کی طرح گھٹے پڑ جاتے تھے۔ پھر انہیں کٹوانا پڑتا تھا۔ اسی لئے آپؑ کا لقب ''ذوالثفنات'' یعنی گھٹے والے بھی تھا۔ (۱)

آپؑ کا حلیہ مبارک

امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ آپؑ کا رنگ گندم گوں (سانولا) اور قد میانہ تھا۔ آپؑ نحیف اور لاغر قسم کے انسان تھے۔ (نور الابصار، ص/ ۱۲۶ و اخبار الاول، ص/ ۱۰۹)

ملا مبین فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں کہ آپؑ حسن و جمال، صورت و کمال میں نہایت ہی ممتاز تھے۔ آپؑ کے چہرہ مبارک پر جب کسی کی نظر پڑتی تھی تو وہ آپؑ کا احترام کرنے اور آپؑ کی تعظیم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ (وسیلۃ النجات، ص/ ۲۱۹)

محمد بن طلحہ شافعی رقمطراز ہیں کہ آپؑ صاف کپڑے پہنتے تھے اور جب راستہ چلتے تو نہایت خشوع کے ساتھ راہ روی میں آپؑ کے ہاتھ زانو سے باہر نہیں جاتے تھے۔ (مطالب السؤل، / ۲۲۶، ۲۶۴)

امام زین العابدینؑ خدا اور رسولؐ خدا کی نگاہ میں

آپؑ جب شام سے رہا ہو کر مدینہ میں رہے تو پوری زندگی عبادت خدا میں گذاری آپؑ کی عبادت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ:

> جب آپؑ نماز کے لئے وضو کرتے تھے تو چہرہ آپؑ کا زرد ہو جاتا تھا اور کوئی اس کا سبب دریافت کرتا تھا تو آپؑ فرماتے تھے کہ تم کو معلوم نہیں کہ میں کس کی بارگاہ میں حاضری دینے جا رہا ہوں۔ (۲)

---

(۱) ارجح المطالب، ص/ ۴۴۴ (۲) ارشاد، ص/ ۲۷۲

جناب امام علیہ السلام کو ابن الخیرتین (دو منتخب خاندانوں کے فرزند) کہا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ خدا کے نزدیک بلند درجہ میں دو گروہ ہیں۔عرب میں قریش اور عجم میں فارس اور جناب امام علیہ السلام کی والدہ ماجدہ دختر کسریٰ تھیں۔

آپؑ نے خاندان پاک وطاہر رسالت میں دائرہ حیات کے اندر قدم مبارک رکھا اور خلوص و روحانیت،علم ودانش،بصیرت وفضیلت اور معرفت کی ایک دنیا عالم بشریت کے لئے بطور تحفہ وسوغات لائے اور عبادت وریاضت کا شوق رکھتے ہوئے راہ معرفت وخداشناسی کو توحید اور منطق وعرفان کی منازل الٰہی سے سیراب ہوئے۔(۱)

آپ کی ولادت اہل بیتؑ کے گھرانے میں ہوئی۔ ولادت سے پہلے آپ کی والدہ شہر بانو کے خواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت زین العابدین علیہ السلام کی خدا کی نظر میں کیا منزلت تھی کہ پیغمبر خدا محمد مصطفیٰؐ کے ذریعہ امام حسینؑ کا عقد شہر بانو سے ہوا اور شہر بانو نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ذریعہ اسلام قبول فرمایا۔حضرت علیؑ نے جب دیکھا تھا تو فوراً سمجھ گئے کہ یہ خاتون ہی نسل امامت کو آگے بڑھائے گی لہٰذا حضرت علیؑ نے شہر بانو کو دیکھ کر فرمایا:

> ''بیشک تم ٹھیک کہتی ہو۔پھر آپؑ امام حسینؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اس کا بہت خیال رکھنا اور اس کے ساتھ نیکی سے پیش آنا۔اس کے بطن سے وہ بچہ پیدا ہوگا جو تمہارے بعد اپنے وقت کا اہل زمین میں سب سے بہتر ہوگا اور یہ ذریت طیبہ کی ماں ہوگی۔ چنانچہ ان ہی کے بطن سے امام علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے۔(۲)

حجر اسود کے ذریعہ امامت کی گواہی

یہ منزلت امام زین العابدینؑ تھی کہ پیدائش سے پہلے ہی خدا نے ان کے آنے کی خبر دے دی تھی جس کو حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے اپنی گواہی دے کر ثابت کر دیا۔ابو خالد کابلی سے مروی ہے کہ حضرت

---

(۱) بحارالانوار، ج/۶،ص/۱۶ (۲) الذریعۃ، ج/۷، ص/۱۴۶

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب امام زین العابدینؑ کی مدینہ کی طرف واپسی ہوئی تو محمد بن حنیفہ نے مجھے اپنے پاس طلب کیا۔اس وقت ہم مکہ میں تھے۔انہوں نے مجھ سے کہا کہ حضرت علی بن الحسینؑ کے پاس جا کر یہ کہو کہ میں اپنے برادران گرامی امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے بعد حضرت امیر المومنینؑ کی اولاد میں سب سے بڑا ہوں اور آپ سے امامت کا زیادہ حق دار ہوں۔لہٰذا مناسب ہے کہ آپ اس منصب کو میرے سپرد کر دیں اور اگر آپ چاہیں تو ایک حکم اور ثالث منتخب کر لیں کہ جس کے سامنے ہم یہ مسئلہ پیش کریں۔

چنانچہ میں امام زین العابدینؑ کے خدمت میں حاضر ہوا اور آپؑ کو ان کا پیغام پہنچایا۔امامؑ نے سنا اور فرمایا کہ تم ان سے جا کر کہو کہ اے چچا جان! خدا سے خوف کیجئے اور اس بات کا دعویٰ نہ کیجئے جسے خدا نے آپؑ کے لئے قرار نہیں دیا۔اگر وہ انکار کریں تو پھر میرے اور ان کے درمیان حجر اسود ثالث بن جائے۔اب جس کی بات کا جواب حجر اسود دے دے وہی امام ہوگا۔

ابو خالد کا بیان ہے کہ میں یہ جواب لے کر جناب محمد بن حنیفہ کے پاس آیا تو انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔اس کے بعد دونوں حضرات کعبہ میں داخل ہوئے۔میں بھی ان کے ساتھ تھا۔یہ دونوں حضرات حجر اسود کے قریب آئے، تو امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ چچا جان آپ آگے بڑھئے، آپ سن میں بڑے ہیں اور اپنے بارے میں اس سے گواہی کے لئے سوال کیجئے۔

چنانچہ جناب محمد حنیفہ آگے آئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور بارگاہ الٰہی میں دعائیں کیں اس کے بعد حجر اسود سے اپنے لئے امامت کی گواہی کا سوال کیا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔پھر جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے بھی دو رکعت نماز پڑھی پھر فرمایا کہ اے وہ پتھر جسے خدا نے بندوں میں ہر اس شخص کا گواہ بنایا ہے جو خانۂ خدا میں آتے ہیں۔اگر تو سمجھتا ہے کہ میں امر امامت کا حامل ہوں اور میں ہی وہ امام ہوں کہ مخلوق پر جس کی اطاعت فرض ہے تو اس کی گواہی دے تا کہ میرے چچا کو بھی معلوم ہو جائے کہ امامت میں ان کا کوئی حق نہیں۔

یہ فرمانا تھا کہ پتھر واضح اور کھلی عربی زبان میں گویا ہوا کہ اے علی ابن ابی طالب کے فرزند ابو محمدؐ! دعویٰ امامت حضرت علی بن الحسین علیہ السلام کا حق ہے۔وہی ہیں جن کی اطاعت آپؑ پر فرض ہے اور آپ

کے علاوہ تمام اللہ کے بندوں بلکہ ساری مخلوق پر لازم وواجب ہے۔

یہ سن کر جناب محمد بن حنیفہ نے امامؑ سے کہا کہ یہ منصب آپؑ ہی کا حق ہے اور امامؑ کے پائے مبارک کو چوم لیا۔

کہا گیا ہے کہ جناب محمد ابن حنیفہ نے یہ سب کچھ لوگوں کے شکوک دور کرنے کے لئے کیا تھا تا کہ اس کا اظہار ہو جائے کہ امام حسینؑ کے بعد وہ امام نہیں بلکہ ان کے بھتیجے زین العابدین علی ابن الحسین علیہ السلام ہی امام ہیں۔

عبادت، زہد وتقویٰ اور غم واقعہ کربلا

امام زین العابدینؑ کی عبادت الٰہی کا رقم کرنا ناممکن ہے۔ آپؑ کی عبادت گذاری کا مثل ڈھونڈنا بہت دشوار ہے۔آپؑ کا مقصد حیات اطاعت خداوندی تھا۔آپؑ بے مثل عابد، زاہد اور افضل ترین عالم تھے۔آپؑ جب وضو کرتے تھے تو آپؑ کے چہرہ کا رنگ زرد ہو جایا کرتا تھا۔ جب نماز پڑھتے تھے تو بید کی مثل کانپنے لگتے تھے۔واقعہ کربلا کے بعد امام حسینؑ کو یاد کر کے رویا کرتے تھے۔

سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام فراق والد بزرگوار میں چالیس برس روتے رہے اور ہر روز روزہ رکھتے تھے اور شب کو جاگا کرتے تھے۔وقت افطار جب غلام آب وطعام سامنے لاتا تھا اور عرض کرتا تھا کہ تناول فرمائیے، حضرت فرماتے تھے:

قُتِلَ ابنُ رَسوُلِ اللّٰه جائِعاَ قُتِلَ ابنُ رسوُلِ اللّٰه عَطَشَانا

فرزند رسولؐ خدا بھوکا مارا گیا ہائے فرزند رسولؐ خدا تشنہ لب شہید ہوا۔یہی مکرر فرماتے تھے اور روتے تھے۔ یہاں تک کہ قطرات اشک سے آب وطعام ممزوج ہو جاتا تھا اور اسی حالت سے حضرتؑ نے تاوفات بسر کی۔

غلام حضرت سید الساجدینؑ سے منقول ہے، وہ کہتا ہے، ایک روز میرے آقا جانب صحرا تشریف لے گئے۔اور میں حضرت کے پیچھے تھا، اس دشت میں حضرت نے ایک پتھر پر سجدہ کیا اور گریہ وزاری کی اور ہزار مرتبہ فرمایا:

لَاالِٰهَ اِلَّااللّٰه حَقاً حَقًّا لَآ اِلٰهَ الااللّٰه تَعَبُداًو رِقالَآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰه

اِیمَا ناً وتَصْدِ یْقاً

اس کے بعد سر مبارک اٹھایا، محاسن شریف آنسوؤں سے تر تھے۔ میں نے عرض کی: اے آقا! گریہ آپؑ کا ابھی کم نہیں ہوا۔ فرمانے لگے: وائے ہو تجھ پر، حضرت یعقوبؑ خود پیغمبرؑ تھے اور پیغمبر کے فرزند تھے، ان کے بارہ بیٹے تھے، ان میں سے صرف ایک بیٹے کو خدا نے غائب کر دیا، پس غم والم سے ان کا حال یہ ہوا کہ سر کے بال سفید، کمر خمیدہ ہوگئی اور بصارت جاتی رہی باوصفیکہ ان کا فرزند دینا میں زندہ موجود تھا اور میرے باپ بھائی اور سترہ اعزاء واقربا میری آنکھوں کے سامنے شہید ہو گئے اور خاک وخون میں غلطاں پڑے رہے، میرا غم والم کس طرح کم ہو؟

امام زین العابدینؑ کا عہد زندگی

امام سجادؑ کی زندگی کا زمانہ بھی (دوسرے طیّب وطاہر معصوم اماموں کی طرح) ایک پر اضطراب وخفقانی دور میں گذرا۔ اس دور میں عوام محفوظ نہ تھے، جہاں زر وسیم مکر وفریب اور تلوار کی حکومت تھی، اضطراب وبیقراری، خودخواہی ونفسیات کا دور دورہ تھا، اور پاکباز وباصلاحیت شخصیتوں کے صلب وقتل کے عروج کا دور تھا۔ اس حد تک کہ آپؑ نے اپنے ستاون سالہ دور حیات میں یزید بن معاویہ، عبداللہ بن زبیر، مروان بن حکم، عبدالملک بن مروان اور ولید بن عبدالملک جیسے اموی خلفاء جور کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہ خلفاء جنہوں نے ظلم وستمگری میں چنگیز وہلاکو، انیلا، نرون اور آخر کار کارٹر کو بھی مات دے دی تھی۔

آپؑ کے سر پر ناہموار وغیر معتدل سیاستوں کی کشاکش اور استبداد مطلق العنانی کے دور میں امت اسلامیہ کی رہبری کا بے حد حساس ودشوار فریضہ اور بہت ہی سنگین اور طاقت کو گھٹا دینے والی ذمہ داری کا بار گراں تھا۔ اور اسی بنا پر آپؑ ہمیشہ بنی امیہ کے جاسوسوں اور خفیہ اور ظاہری نوکروں کے محاصرہ میں محصور رہے خوف وہراس رنج ومشکلات اور وحشت واضطراب کی سایہ گستری سے ایک لحظہ بھی آسودہ نہیں رہے۔ جب ہم اس امر کی طرف توجہ کریں کہ آپؑ شہیدان راہ فضیلت وآزادی کے جانکاہ رنج وغم اور مصائب وآلام کے وارث تھے تو یہ آپؑ کے عمل سے ثابت ہوتا تھا۔

آپؑ واقعہ کربلا کے پسماندگان اور اسیروں کی گراں قدر میراث کی پاسداری وحفاظت کے ذمہ دار تھے اور شہداء نینوا کے گراں بہا خون کو ضائع ہونے سے روکنے کے اقدام کرتے ہوئے امام کی اس کمر توڑ ذمہ داری کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ جناب سید سجادؑ کی ذمہ داریاں اور مشغولیت ہر زمانہ سے زیادہ نازک تر اور بیشتر حساس تر وسنگین تر تھیں۔ آپؑ کی اس عظیم ذمہ داری کے متعلق امام کی شخصیت کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ (اول) مشکلات وصدمات کے تحمل کی راہ میں آپؑ کی استقامت وپائداری برقرار تھی (دوم) یہ کہ انقلابی تعلیم وتربیت کے نقشۂ عمل کی ایجاد اور اس کے لئے لوگوں کو نصیحت کرنا اہم ذمہ داری تھی جس کو آپؑ نے بخوبی نبھایا۔

واقعات بعد شہادت حسینؑ اور امام زین العابدینؑ

حکومت شام جہاں کی فضا، دشمن کی زہریلی تبلیغات سے بھری ہوئی تھی، وہاں آپؑ نے پرزور خطبہ فرما کر لوگوں کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا، جس میں پروردگار عالم کی حمد وثنا نہایت فصاحت وبلاغت کے ساتھ کی اور اہل بیتؑ اطہار کے فضائل اور خانوادۂ مطہرہ رسالت کے خصوصیات بیان فرمائے جو حسب ذیل خطبہ میں ہے۔ جب امام زین العابدین علیہ السلام اہل حرم سمیت دربار یزید میں داخل کئے گئے اور ان کو منبر پر جانے کا موقع ملا تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور اپنے آباء کی طرح شیریں زبان میں نہایت فصاحت وبلاغت کے ساتھ خطبہ ارشاد فرمایا۔

مسجد دمشق (شام) میں حضرت کا خطبہ

امام زین العابدینؑ نے فرمایا:

> اے لوگو! تم میں سے جو مجھے پہچانتا ہے، وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا میں اسے بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ سنو میں علی بن الحسینؑ بن علی بن ابی طالبؑ ہوں، میں اس کا فرزند ہوں جس نے حج کئے ہیں، اس کا فرزند ہوں جس نے طواف کعبہ کیا ہے اور سعی کی ہے۔ میں پسر زمزم وصفا ہوں۔ میں فرزند فاطمہ زہراؑ ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جو پس گردن سے ذبح کیا گیا۔ میں اس پیاسے کا

فرزند ہوں جو پیاسا ہی دنیا سے اٹھا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس پر لوگوں نے پانی بند کر دیا، حالانکہ تمام مخلوقات پر پانی کو جائز قرار دیا۔ میں محمد مصطفیٰ کا فرزند ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جو کربلا میں شہید کیا گیا، میں اس کا فرزند ہوں جس کے انصار زمین میں آرام کی نیند سو گئے۔ میں اس کا پسر ہوں جس کے اہل حرم قید کر دئے گئے میں اس کا فرزند ہوں جس کے بچے بے جرم خطا ذبح کر ڈالے گئے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کے خیموں میں آگ لگا دی گئی۔ میں اس کا فرزند ہوں جو زمین کربلا پر شہید کر دیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کو نہ غسل دیا گیا اور نہ کفن۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کا سر نوک نیزہ پر بلند کیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کے اہل حرم کی کربلا میں بے حرمتی کی گئی۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کا جسم زمین کربلا پر چھوڑ دیا گیا اور سر دوسرے مقامات پر نوک نیزہ پر بلند کر کے پھرایا گیا، میں اس کا فرزند ہوں جس کے اردگرد سوائے دشمن کے کوئی اور نہ تھا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کے اہل حرم کو قید کر کے شام تک پھرایا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جو بے یار و مددگار تھا۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا:

لوگو! خدا نے ہم کو پانچ چیزوں سے فضیلت بخشی ہے:

(۱) خدا کی قسم ہمارے ہی گھر میں فرشتوں کی آمد و رفت رہی اور ہم ہی معدن نبوت و رسالت ہیں۔

(۲) ہماری ہی شان میں قرآن کی آیتیں نازل کی گئی اور ہم نے لوگوں کی ہدایت کی۔

(۳) شجاعت ہمارے ہی گھر کی کنیز ہے، ہم کبھی کسی کی قوت و طاقت سے نہیں ڈرے اور فصاحت ہمارا ہی حصہ ہے۔

(۴) ہم ہی صراط مستقیم اور ہدایت کا مرکز ہیں اور اسی کے لئے علم کا سرچشمہ

ہیں۔ جوعلم حاصل کرنا چاہےاور دنیا کے مومنین کے دلوں میں ہماری محبت ہے۔
(۵) ہمارے ہی مرتبے آسمانوں اور زمینوں میں بلند ہیں۔ اگر ہم نہ ہوتے تو خدا دنیا کو پیدا ہی نہ کرتا، ہر فخر ہمارے فخر کے سامنے پست ہے۔ ہمارے دوست (روز قیامت) سیر وسیراب ہوں گے اور ہمارے دشمن روز قیامت ذلیل میں ہوں گے۔

جب لوگوں نے امام زین العابدینؑ کا کلام سنا تو چیخ مار کر رونے اور پیٹنے لگے اوران کی آوازیں بے ساختہ بلند ہونے لگیں۔ یہ حال دیکھ کر یزید گھبرا اٹھا کہ کہیں کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ اس نے اس کے ردعمل میں فوراً موذن کو حکم دیا (کہ اذان شروع کرے) امام کے خطبہ کو منقطع کر دے، موذن (گلدستۂ اذان پر گیا) اور کہا: ''الله اکبر'' (خدا کی ذات سب سے بزرگ وبرتر ہے۔) امام نے فرمایا: تو نے ایک بڑی ذات کی بڑائی بیان کی اور ایک عظیم الشان ذات کی عظمت کا اظہار کیا اور جو کچھ کہا ''حق'' کہا۔ پھر موذن نے کہا: ''اشهد ان لا الہٰ الا الله'' (میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے) امام نے فرمایا: میں بھی اس مقصد کی ہر گواہی کے ساتھ گواہی دیتا ہوں اور ہر انکار کرنے والے کے خلاف اقرار کرتا ہوں۔ پھر موذن نے کہا: ''اشهد ان محمداً رسول الله'' (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں) یہ سن کر حضرت علی بن الحسینؑ رو پڑے اور فرمایا: اے یزید میں تجھ سے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ بتا حضرت محمدؐ میرے نانا تھے یا تیرے۔ یزید نے کہا: آپ کے۔ فرمایا: پھر کیوں تو نے ان کے اہل بیتؑ کو شہید کیا۔ یزید نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے محل میں یہ کہتا ہوا چلا گیا ''لا حاجة لی بالصلوٰة'' مجھے نماز سے کوئی واسطہ نہیں۔'' (۱)

اس کے علاوہ آپ نے کئی اور خطبات کوفہ اور مدینہ میں فرمائے اور روضۂ رسول پر فریاد کی، اپنے رخسار قبر مطہر سے رگڑتے ہوئے فرمایا: اے نانا! آپ کا محبوب ''حسینؑ'' شہید کر دیا گیا اور آپ کی نسل تباہ و برباد کر دی گئی۔ اے نانا! میں رنج وغم کا مارا، آپ سے فریاد کرتا ہوں۔ مجھے قید کیا گیا۔ میرا کوئی حامی و مددگار نہ تھا۔ اے نانا! ہم سب کو اس طرح قید کیا گیا جس طرح (لاوارث) کنیزوں کو قید کیا جاتا ہے۔ اے نانا! ہم پر اتنے مصائب ڈھائے گئے جو نہیں گنے جا سکتے۔

(۱) مقتل ابی مخنف، ص/۱۳۵، بحار الانوار، ج/۱۰، ص/۲۳۳، ریاض القدس، ج/۲، ص/۳۲۸

سیدابن طاؤس علیہ الرحمہ نے کتاب لہوف میں شیخ ابن نمانے مشیر الاحزان میں روایت کی ہے کہ عمر سعد نے روز عاشورہ سر سید الشہداء خولی بن یزید اصبحی وحمید بن مسلم کے ساتھ ابن زیاد کے پاس بھیجا اور حکم کیا کہ سر ہائے اصحاب حسین علیہ السلام بھی بدن سے جدا کرو اور ان کو شمر بن ذی الجوشن اور قیس بن اشعث عمر بن حجاج کے ہمراہ روانہ کرو۔(۱)

غرض وہ ملعون کوفہ میں پہنچے اور عمر سعد دوسرے دن کربلا میں تا زوال آفتاب رہا اس کے بعد وہ بھی روانہ ہوا اور اہل بیت اطہارؑ کو شتران بے کجاوہ پر سوار کر کے مانند اسیران ترک و روم لے چلا۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب عمر سعد اہل بیتؑ کے ہمراہ کوفہ کے قریب پہنچا تو اہل کوفہ بطور تماشائیوں کے آئے۔ایک عورت نے پشت بام سے پوچھا کہ تم کہاں کے قیدی ہو۔اہل بیت علیہم السلام نے فرمایا:''ہم اسیران آل محمد ہیں۔ یہ سن کر وہ عورت نیچے اتر آئی اور کچھ چادریں لاکر مخدرات کو پیش کیں۔ انہوں نے قبول فرمائیں۔

سید رحمۂ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام اہل بیتؑ اطہار کے ہمراہ بشدت بیمار تھے۔اہل کوفہ اسیران اہل بیتؑ کو دیکھ کر نوحہ اور گریہ کرنے لگے۔امام زین العابدینؑ نے اس وقت فرمایا: تم ہم پر گریہ و نوحہ کرتے ہو، پھر ہمارا قاتل کون ہے؟ بشیر بن جزیم اسدی کہتا ہے کہ میں نے اس دن حضرت زینب بنت علی کو اس طرح تقریر کرتے ہوئے دیکھا۔قسم بخدا! اس سے پہلے کبھی کسی پردہ نشین بی بی کو اتنی فصاحت و بلاغت سے بولتے نہ دیکھا تھا۔گویا زینبؑ کے دہن مبارک میں ان کے باپ علی مرتضیٰؑ کی زبان گوہر بار تھی۔ایک دفعہ آپ نے لوگوں کی طرف اشارہ کیا''چپ رہو'' اس اشارہ کی تاثیر تھی کہ **''اِرتدَّتِ الانفَاس وَ سَکَنَتِ الْاَجْرَاس''** لوگوں کے سینوں میں سانس رک گئی، اونٹوں کی گھنٹیوں کی آواز تک بند ہوگئی۔زینبؑ نے اپنا خطبہ فرمانا شروع کیا۔

راوی کہتا ہے بخدا میں نے دیکھا کہ سب لوگ یہ کلام سن کر متحیر ہو گئے اور بے اختیار روتے تھے اور اپنی انگلیاں منہ میں دباتے تھے۔ایک پیر مرد میرے پہلو میں کھڑا بہت رو رہا تھا۔اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے

(۱) دمعۃ الساکبہ، ج/۲، ص/۴۳۶

تر ہوگئی تھی۔ کہتا تھا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں تمہارے بوڑھے تمام بوڑھوں سے بہتر اور تمہارے جوان تمام جوانوں سے افضل اور عورتیں زنان عالم سے افضل اور تمہاری نسل بہترین نسل ہے اور کبھی بھی تم عاجز و ذلیل نہیں ہوگے۔(۱)

امام زین العابدین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''اے پھوپھی! خاموش ہوجایئے، باقی میں ماضی کے لئے عبرت ہے اور آپ بحمد اللہ بغیر کسی کے پڑھائے عالمہ ہیں اور بغیر کسی کے سمجھائے خود سمجھدار رہیں۔''

مصابیح میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے والد نے فرمایا کہ میں نے اپنے پدر بزرگوار علی ابن الحسینؑ سے پوچھا کہ جناب سفر شام میں کس چیز پر سوار تھے؟ فرمایا: شتر بے کجاوہ پر اور سر امام حسینؑ ایک نیزہ پر تھا اور عورتیں ہمارے پیچھے اپنے برہنہ اونٹوں پر سوار تھیں جن پر کجاوہ و محمل نہ تھی اور ستمگر نیزے ہاتھوں میں لئے ہمارے گرداگرد تھے۔ جب ہم میں سے کوئی روتا تھا، اشقیا نیزے مارتے تھے۔ دمشق کے پہنچنے تک یہ حال رہا، جب داخل دمشق ہوئے ایک شامی نے پکار کر کہا: اے اہل شام! یہ اہل بیتؑ ملعون ہیں (معاذ اللہ)۔

ابن بابویہ علیہ الرحمہ نے امالی میں ابن زیاد کے دربان سے نقل کیا ہے کہ جب سر حضرت امام حسینؑ کا ابن زیاد کے پاس آیا تو اس ملعون نے ایک طشت میں اپنے سامنے رکھوایا اور ایک چھڑی اس کے ہاتھ میں تھی جسے حضرت کے دندان مبارک پر لگاتا تھا اور کہتا تھا: اے ابا عبداللہ! تم کس قدر جلد بوڑھے ہوگئے۔ بعض حاضرین مجلس نے کہا کہ اس حرکت ناشائستہ سے باز رہ کہ ہم نے دیکھا ہے جس جگہ تو لکڑی رکھتا ہے وہاں پر حبیب خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بوسہ لیتے تھے۔ اس ملعون نے کہا آج کا دن روز بدر کے بدلے کا دن ہے۔ بعد میں حضرت سجادؑ کی گردن میں طوق ڈال کر اہل حرم کے ہمراہ قید خانہ بھیجا اور میں ان کے ساتھ تھا۔ جس راہ سے یہ لوگ گذرتے تھے۔ زن و مرد روتے تھے اور اپنے منہ پر طمانچے مارتے تھے تا آنکہ اہل بیتؑ کو محبوس کیا۔ اس کے بعد ابن زیاد نے امام زین العابدین علیہ السلام کو مع اہل بیت بلوایا اور امام حسینؑ کا سر انور منگوایا اور اہلبیتؑ سے خطاب کر کے کہا:

---

(۱) جزری

''شکر ہے خدا کا جس نے تم کو ذلیل اور قتل کیا اور تمہاری تکذیب کی''۔ جناب زینبؑ نے جواب دیا: ''شکر ہے خدا کا جس نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ہم کو معزز اور مکرم کیا اور پاک وطاہر گردانا اور ذلیل ورسوا وہ ہوتا ہے جو فاسق ہو اور جھوٹا اور دروغ گو ہو جو فاجر ہو۔ ابن زیاد نے کہا: زینبؑ! تم نے دیکھا کہ حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ حضرت زینبؑ نے جواب دیا: ''جس کے لئے قتل مقدر ہوا تھا وہ اپنے مشہد اور قتل گاہ میں پہنچے اور حق تعالیٰ قیامت کے دن تجھ کو اور ان کو جمع کرے گا اور اس وقت اس مقدمہ کا فیصلہ ہوگا۔'' یہ سن کر وہ لعین غضب میں آیا اور حضرت زینبؑ کے قتل کا ارادہ کیا۔ عمرو بن حریث نے منع کیا۔ پھر حضرت زینبؑ نے فرمایا: ''اے پسر زیاد! جو کچھ تو نے کیا یہ کافی نہیں ہے کہ ہمارے مردوں کو قتل کیا اور بنیاد ہماری مٹادی اور تعظیم ہماری ضائع کی اور ہمارے بچوں اور عورتوں کو قید کیا۔ اگر یہ تیرے لئے موجب سکون ہے تو نے سکون پایا۔'' پھر اس نے حکم دیا کہ ان کو قید خانہ میں لے جاؤ۔

کتاب 'قرب الاسناد' میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب امام حسینؑ کا سر انور مع اہل بیت طاہرین داخل دربار یزید ہوا اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام زنجیر وطوق میں تھے، اسی وقت یزید کہنے لگا: اے علی ابن الحسینؑ! شکر ہے کہ خدا نے تمہارے باپ کو قتل کیا۔ حضرت نے فرمایا: ''لعنت خدا کی اس شقی پر جس نے میرے باپ کو قتل کیا۔ یہ سن کر وہ شقی غضبناک ہوا اور آنحضرتؑ کے قتل کا حکم دیا۔

پس امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر تو مجھے قتل کرتا ہے، پس کون ہے جو دختران رسول اللہؐ کو وطن پہنچائے گا سوا میرے کوئی ان کا محرم نہیں ہے۔ وہ شقی کہنے لگا: تمہیں پہنچاؤ گے۔ پھر ایک سوہان (دریتی) منگا کر اپنے ہاتھوں سے طوق کاٹا اور کہا: تم جانتے ہو کس لئے میں نے اپنے ہاتھ سے تمہارے طوق کو قطع کیا؟ حضرت نے فرمایا: ہاں! اس لئے کہ سوا تیرے کسی کی منت میری گردن پر نہ ہو۔ کہنے لگا بخدا یہی مقصود تھا، پھر اس شقی نے اس آیت کو پڑھا: **اَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُم** حضرت نے فرمایا: یہ آیت ہماری شان میں نہیں ہے۔ آپ نے دوسری آیت کی تلاوت کی اور فرمایا: ہم وہ لوگ ہیں جو قضائے الٰہی پر راضی ہیں اور امور فوت شدہ پر غم نہیں کرتے اور جو دنیا سے حاصل ہوتا ہے اس پر خوش نہیں ہوتے۔

یزید نے امام زین العابدینؑ سے کہا: عجب بات ہے کہ آپ کے باپ نے اپنے تمام بیٹوں کا نام علی

رکھا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میرے باپ کو اپنے پدر بزرگوار سے بیحد الفت تھی اس لئے اس نام کو مکرر رکھا۔

کتاب احمر میں مذکور ہے کہ یزید نے جناب زینبؑ سے کہا: کچھ کلام کرو۔ آپ نے حضرت سجادؑ کی طرف اشارہ کیا اور کہا یہ بات کریں گے۔ پس حضرت زین العابدینؑ نے کہا: ''اے یزید! تو ہم سے اس کی امید نہ رکھ کہ تو ہماری توہین میں کوئی کوشش فرو گذاشت نہ رکھے اور ہم تیری تعظیم کریں، تو ہم کو ہر طرح کی اذیت دے اور ہم تیرا لحاظ کریں۔ خدا جانتا ہے کہ ہم تجھ کو دوست نہیں رکھتے اور نہ تجھ کو اس پر ملامت کرتے ہیں کہ تو ہم کو کیوں دوست نہیں رکھتا۔''

یزید نے کہا؛ ''اے لڑکے، تو سچ کہتا ہے۔ لیکن تمہارے باپ اور دادا نے چاہا کہ امارت و ریاست ہم میں رہے۔ شکر ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو قتل کیا اور ان کے خون بہائے۔'' حضرتؑ نے فرمایا: تیرے پیدا ہونے سے پہلے (بلکہ) ہمیشہ سے نبوت و امارت ہمارے باپ اور دادا کے واسطے تھی۔ راوی کہتا ہے کہ جب امام زین العابدینؑ نے اپنی قرابت پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یزید پر ظاہر کی، اس وقت یزید نے خادم کو حکم دیا کہ باغ میں لے جا اور قتل کرا اور وہیں دفن کر دے۔ خادم اس مخدوم دو جہاں کو باغ میں لے گیا اور قبر کھودنے میں مشغول ہوا اور جناب سید الساجدینؑ نماز میں مشغول ہوئے۔ جب قبر تیار ہوگئی اور اس نے آپ کو قتل کا ارادہ کیا تو غیب سے ایک ہاتھ ظاہر ہوا اور ایک ایسی ضرب لگی کہ منہ کے بل گر پڑا اور ایک نعرہ مار کر بے ہوش گیا۔ پس خالد بن یزید نے یہ ماجرا دیکھ کر اپنے باپ سے جا کر کہا۔ یزید نے یہ سن کر کہا کہ جلاد کو وہاں گاڑ دیں اور زین العابدین کو چھوڑ دیں۔ اس وقت امام زین العابدین علیہ السلام دوبارہ وہاں قید کر دیئے گئے جہاں پر آج کل مسجد ہے۔

اہل حرم کی مدینہ واپسی

شیخ مفید علیہ الرحمہ اور صاحب مناقب نے لکھا ہے کہ یزید نے اہلبیتؑ سے پوچھا کہ اگر منظور ہو دمشق میں اقامت کریں۔ لیکن انہوں نے قبول نہ کیا اور کہا ہم کو مدینہ بھجوا دے۔ وہ مقام ہمارے جد رسالتمآبؐ کی ہجرت کا ہے۔ پس یزید نے نعمان بن بشیر کو جو اصحاب رسالتمآب صلی اللہ وآلہ وسلم میں سے تھے بلا کر کہا: ان کا سامان اور زادراہ مہیا کرو اور کوئی شخص امین و صالح اہل شام سے مع چند سوار خدمتگاران کے ساتھ کرو۔ بعدازاں جناب سید الساجدین علیہ السلام کو بلوا کر کہا کہ حق تعالیٰ ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔ اگر

حسینؑ سے میرا سامنا ہوتا تو جو مجھ سے طلب کرتے ضرور دیتا اور تا امکان ان کی موت نہ چاہتا اگر چہ اس میں میرے فرزند مارے جاتے لیکن تقدیر الٰہی میں یہ مقرر ہوا تھا جو میں نے دیکھا، پس جو حاجت آپ کو درپیش ہوا کرے مجھ کو لکھ بھیجا کریں۔(۱)

شامی کو تاکید کر دی کہ سفر میں ان کا خیال رکھا جائے۔ غرض اہل بیت اطہار روانہ ہوئے۔ جس مقام پر منزل کرتے تھے فرستادگان یزید جدا ہو جاتے تھے اور نگہبانی کرتے رہتے تھے اور ان کی خدمت گزاری میں کوئی کمی نہ کرتے تھے یہاں تک کہ مدینہ میں داخل ہوئے۔

سید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب اہلبیتؑ کرام شام کی مصیبت سے نجات پا کر روانۂ عراق ہوئے، اثنائے راہ میں امیر قافلہ سے درخواست کی کہ ہم کو کربلا کی راہ سے لے چل۔ جس وقت مقتل سید الشہدؑاء میں پہنچے اتفاقاً اس مقام میں جابر بن عبداللہ انصاریؓ مع ایک جماعت بنی ہاشم اور سادات کے زیارت قبر حسین علیہ السلام کے لئے آئے ہوئے تھے، اتنے میں قافلہ اہلبیتؑ اطہار وارد ہوا۔ پس سب نے گریہ کناں اور سینہ زنی اور نوحہ ہائے جانکاہ اور گریہ ہائے دلسوز سے ملاقات کی اور کئی روز بایں حال دشت نینوا میں شور و گریہ برپا رہا۔ اطراف کی عورتیں جمع ہوئیں اور شریک نالہ وزاری رہیں۔ اس طرح اس واقعہ کربلا کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے پہلی محرم سے آٹھ ربیع الاول تک شیعیان اہلبیتؑ غم حسینؑ میں گریہ وزاری کرتے رہتے ہیں۔

امام زین العابدینؑ کی ازواج واولاد

ازواج

آپ کی ازواج کی تعداد کا کوئی ذکر نہیں ملتا لیکن کتاب الدرر میں امام کی اولادوں کے ذکر کے ساتھ ازواج و کنیزوں کا بھی ذکر ہے جس کے حساب سے امام علی بن الحسین علیہ السلام کی ایک زوجہ تھیں جو ام الحسن دختر امام حسن علیہ السلام تھیں۔ جن کے بطن سے امام محمد باقر علیہ السلام پیدا ہوئے۔

چنانچہ ''کتاب الدر'' میں لکھتے ہیں جو حسب ذیل ہے:

''کتاب الدر'' میں امام کے صاحبزادوں کی تعداد پندرہ بیان کی گئی ہے جن کے نام یہ ہیں:

---

(۱) سابقہ گزر چکا ہے کہ یہ یزید کی شاطرانہ چال تھی اس میں خلوص کو کوئی دخل نہ تھا۔ جزائری

(۱)امام محمد باقر علیہ السلام۔جن کی والدہ ماجدہ ام الحسن دختر امام حسن علیہ السلام تھیں۔
(۲)عبداللہ،حسن،حسین جن کی ماں کنیز تھیں۔ (۳)زید اور عمر۔جن کی والدہ بھی کنیز تھیں۔
(۴)حسین اصغر،عبدالرحمٰن،سلیمان بھی کنیز کے بطن سے تھے۔
(۵)علی۔جو امام کے سب سے چھوٹے فرزند تھے اور خدیجہ کی ماں بھی ایک کنیز تھیں۔
(۶)محمد اصغر۔کی ماں بھی کنیز تھیں۔

رہیں بیٹیاں۔فاطمہ،علیہ اور ام کلثوم تو ان کی ماں بھی ام ولد تھیں۔

''امام کی رحلت کے بعد ان فرزندوں میں امام محمد باقر علیہ السلام،عبداللہ باہر،زید بن علیؑ،عمر بن علیؑ،علی بن علیؑ اور حسین اصغر موجود تھے۔''(۱)

''کشف الغمہ کی روایت کے مطابق امام علی بن الحسین علیہ السلام کے اولاد ذکور(نرینہ) کی تعداد نو تھی اور آپ کی کوئی بیٹی نہ تھیں۔ابن خشّاب نے کتاب موالید اہل بیت علیہم السلام میں یہ بیان کیا ہے کہ آپ کے آٹھ فرزند تھے اور کوئی دختر نہ تھی اور صاحبزادوں کے نام یہ بتائے ہیں۔امام محمد باقر علیہ السلام،جناب زید شہید کوفہ،عبداللہ،عبیداللہ،حسنؑ حسینؑ،علی اور عمر۔''(۲)

علماء فریقین کا کہنا ہے کہ آپ نے گیارہ لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑیں۔علامہ شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں کہ ان پندرہ اولادوں کے نام یہ ہیں:۔

(۱)حضرت امام محمد باقر علیہ السلام،آپ کی والدہ حضرت امام حسن کی بیٹی ام عبداللہ جناب فاطمہ تھیں۔

(۲)عبداللہ	(۳)حسن	(۴)زید
(۵)عمر	(۶)حسین	(۷)عبدالرحمٰن
(۸)سلیمان	(۹)علی	(۱۰)محمد اصغر
(۱۱)حسین اصغر	(۱۲)خدیجہ	(۱۳)فاطمہ
(۱۴)علیہ	(۱۵)ام کلثوم(۳)	

---

(۱)المناقب،ج/۳،ص/۳۱۱ (۲)کشف الغمہ،ج/۲،ص/۲۷۴ (۳)ارشاد مفید فارسی/۴۰۱صواعق محرقہ/۱۲۰،ارجح لمطالب/۴۴۴

امام زین العابدینؑ کی شہادت

حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد لوگوں نے آپ سے خلافت سنبھالنے کو کہا تھا، مگر آپ اس پر تیار نہ ہوئے اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر فرماتے رہے تھے اور اپنی روحانی قوت اقتدار کی وجہ سے لوگوں کی مدد کرتے رہے جو اس وقت کے بادشاہ ولید بن عبدالملک کو پسند نہ تھا (یا یوں کہا جائے کہ امام کے آگے لوگ اس کی باتوں پر بھروسہ نہ کرتے تھے اور خاموشی سے در پردہ امامؑ کے پاس حاضر ہوتے رہتے تھے)۔ بادشاہ ولید بن عبد الملک خود اپنے مسئلوں میں بھی امام سے رائے مشورے کرتا تھا، پھر بھی امامت وروحانیت ،علم ودانش ،بصیرت وفضیلت اور معرفت الٰہی میں غرق رہنے والے اور واقعہ کربلا کے پسماندگان اور اسیروں کی گرانقدر میراث کی پاسداری وحفاظت کرنے والے کو برداشت نہ کر سکا اور آپ کو زہر دے دیا۔جس سے آپ کی وفات بتاریخ ۲۵ رمحرم الحرام ۹۵ھ مطابق ۷۱۴ء کو درجہ شہادت حاصل کر کے ہوئی۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ مدینہ کے جنت البقیع میں دفن کر دیئے گئے۔

علامہ شبلنجی ،علامہ ابن حجر،علامہ ابن صباغ مالکی،علامہ سبط ابن جوزی تحریر فرماتے ہیں کہ ''وان **الذی سمه، الولید بن عبد الملک**'' جس نے آپ کو زہر دے کر شہید کیا، وہ ولید بن عبدالملک خلیفۂ وقت ہے۔(۱)

ملا جامی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی شہادت کے بعد آپ کا ناقہ قبر پر نالہ وفریاد کرتا ہوا تین روز میں مر گیا۔

امام زین العابدینؑ کی اخلاقی فضیلت ودعائیں

امام اخلاق وکردار کے بلند مرتبہ پر فائز تھے آپ کی دعاء ''مکارم الاخلاق'' ایک بے حد نفیس وبیش بہا خزانہ ہے جو اسلام کی اخلاقی ،اجتماعی اور سیاسی معرفت وتعلیمات کو تشکیل دیتی ہے کہ روحانیت شناس اور روح بشری کو سمجھنے کی کوشش کرنے والے اب بھی آسانی سے دعاؤں کی باریکیوں تک نہیں پہنچ سکتے، جناب سید سجادؑ اس امر کی طرف پوری طرح متوجہ تھے کہ انقلاب بغیر روحانی پشت پناہی اور بغیر تعلیمی واخلاقی زمینہ سازی کے ناپائیدار رہوگا اور بے علم لوگ تیز ہوا اور موجوں کا جزو ہوتے ہیں۔پیش ہیں کچھ مثالیں:

(۱) نورالابصار/ ۱۲۸،صواعق محرقہ/ ۱۲۰

ا۔محبوب خدا کون ہے؟

ثابت بنانی روایت کرتے ہیں کہ ایک بار میں حج بیت اللہ کے لئے گیا میرے ہمراہ بصرہ کے عابدوں کی ایک جماعت تھی۔مثلاً ایوب بحستانی،صالح مری،عتبہ غلام،حبیب فارسی اور مالک بن دینار وغیرہ۔

جب ہم مکہ میں آئے تو وہاں پانی کی کمی دیکھی اور بارش کے نہ ہونے سے لوگ بہت پریشان تھے۔مکے والے ہم سے فریادی ہوئے اور حاجیوں نے بھی اصرار کیا کہ بارش کے لئے دعا کی جائے۔چنانچہ وہ کعبہ میں آئے اس کا طواف کیا اور بارگاہ الٰہی میں عاجزی وانکساری سے گڑگڑا کر دعائیں کیں لیکن دعا قبول نہ ہوئی۔اسی دوران ہم نے ایک جوان کو آتے ہوئے دیکھا کہ جو کسی وجہ سے رنج وغم میں پریشان نظر آتا تھا۔ہم نے دیکھا کہ اس جوان نے تیزی سے قدم بڑھائے اور کعبہ کا طواف کرکے ہمارے پاس آیا اور مخاطب ہوا:اے مالک بن دینار،اے ثابت بتانی،اے ایوب سجتانی،اے صالح مری،اے عتبہ غلام،اے حبیب فارسی،اے سعد،اے عمر،اے صالح اعمیٰ،اے رابعہ،اے سعدانہ اور اے جعفر بن سلیمان۔

ہم نے لبیک لبیک کہا۔

انہوں نے فرمایا: کیا تم میں کوئی ایسا نہیں جو خدا کا محبوب ہو اور اس کی دعا قبول ہوسکے؟

ہم نے عرض کیا کہ دعا مانگنا ہمارا کام ہے اور قبول فرمانا اس کا کام ہے۔انہوں نے کہا تم لوگ کعبہ سے ہٹ جاؤ اگر تم میں سے کوئی بھی خداوند عالم کا پسندیدہ بندہ ہوتا تو خدا اس کی دعا کو قبول فرمالیتا۔

یہ کہہ کر وہ کعبہ میں داخل ہوئے سجدے میں گر گئے پھر ہم نے ان کے یہ الفاظ سنے کہ میرے خدا تجھے اس محبت کا واسطہ جو تجھے مجھ سے ہے،ان کے لئے باران رحمت کا نزول فرمادے۔'یہ سب پیاس سے پریشان ہیں'۔

راوی کا بیان ہے کہ ابھی ان کی دعا پوری نہ ہوئی تھی کہ موسلا دھار بارش ہونے لگی،گویا مشک الٰہی کا دہانہ کھل گیا جوان کی دعا کا منتظر تھا۔میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ خداوند عالم کو آپ سے محبت ہے؟

انہوں نے فرمایا:اگر اسے مجھ سے محبت نہ ہوتی تو مجھے زیارت کعبہ کے لئے طلب نہ فرماتا چونکہ اسی نے اپنے گھر کی زیارت کے لئے مجھے بلایا ہے تو میں سمجھ گیا کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔چنانچہ میں نے اس

سے اسی محبت کا واسطہ دے کر سوال کیا، تو اس نے میری دعا قبول فرمائی۔

۲۔ادائیگی قرض کی فکر

منقول ہے کہ جب امام زین العابدینؑ کو یہ معلوم ہوا کہ آپ کے پدر گرامی امام حسینؑ کے ذمے تقریباً ستر ہزار دینار کا قرض واجب الادا ہے تو آپ اس قدر فکر مند ہوئے کہ آپ اکثر و بیشتر شب کی آب و غذا ترک کر دیتے تھے اور شب کو بیدار رہتے۔ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ آپ اپنے پدر بزرگوار کی طرف سے قرض کے بارے میں پریشان نہ ہوں کیونکہ خداوند عالم نے چشمۂ بجنس کے عوض آپ کے پدر بزرگوار کے قرض کو ادا کر دیا ہے۔

جب آپ خواب سے بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے تو اپنے پدر عالی قدر کی اس جائداد کا علم نہیں جسے بجنس کہا جاتا ہے۔

جب دوسری شب آئی، تو پھر یہی خواب دیکھا۔آپ نے اہل خانہ سے اس کے بارے میں دریافت فرمایا، تو ایک خاتون نے بتایا کہ آپ کے پدر عالی قدر کا ایک رومی غلام تھا جسے بجنس کہا جاتا تھا۔اس نے مقام ذوخشب میں آپ کے لئے زمین کھود کر ایک چشمہ برآمد کیا تھا۔

چند دن گذرے تھے کہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نے امام علیؑ بن الحسینؑ کی خدمت میں اپنا قاصد بھیجا کہ مقام ذوخشب میں آپ کے پدر بزگوار کے ایک چشمہ کا ذکر مجھ سے کیا گیا ہے جو بجنس کے نام سے مشہور ہے۔اگر آپ اسے فروخت کرنا پسند فرمائیں تو میں اسے خریدنے کے لئے تیار ہوں۔

امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ تو اسے پدر بزرگوار امام حسین علیہ السلام کے قرض کے عوض لے سکتا ہے اور اس بارے میں امام علیہ السلام نے اسے ساری بات سے آگاہ فرما دیا۔اس نے جواب دیا کہ میں نے اسے قبول کیا۔

۳۔قاتلان حسینؑ کے قتل پر ہدیۂ تشکر

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے بارے میں مذکور ہے کہ آپ روزانہ خدا سے دعا فرماتے

تھے کہ وہ ان کے پدر بزرگوار کے قاتلوں کے قتل کی خبر سنائے۔

چنانچہ جناب مختار نے قاتلان امام حسینؑ میں سے عبید اللہ بن زیاد اور عمر ابن سعد کے سروں کو اپنے قاصد کے ذریعہ سے امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا اور قاصد کو بتایا کہ امام علیہ السلام رات بھر نماز میں مشغول رہتے ہیں اور نماز صبح پڑھ کر سو جاتے ہیں اور جب سو کر اٹھتے ہیں تو مسواک کرتے ہیں اور اس کے بعد آپ کے لئے ناشتہ لایا جاتا ہے۔ تو جب بیت الشرف پر پہونچے تو امام علیہ السلام کے بارے میں دریافت کرنا اگر تجھے بتایا جائے کہ آپ کے سامنے دستر خوان بچھا دیا گیا، تو اندر جانے کے لئے اجازت لے کر ان دونوں سروں کو امام علیہ السلام کے دستر خوان کے قریب رکھنا اور یہ کہنا کہ مختار نے سلام عرض کیا ہے اور کہا ہے کہ فرزند رسولؐ! خدا نے آپ کو آپ کے پدر بزرگوار کے خون کا بدلہ دے دیا۔

چنانچہ قاصد نے حکم کی تعمیل کی۔ جب امام علیہ السلام نے دستر خوان کے سامنے ان قاتلان امام مظلوم کے سروں کو دیکھا تو سجدۂ خالق میں گر کر فرمایا: الحمدللہ کہ اس مالک نے میری دعا قبول فرمائی اور پھر امیر مختار کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

۴۔ قاتل، حرملہ کا انجام

کشف الغمہ میں کتاب الدلائل سے نقل کیا گیا ہے کہ منہال بن عمرو بیان کرتے ہیں میں حج کے دوران امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ نے فرمایا: اے منہال! حرملہ بن کاہل اسدی کس حال میں ہے۔

میں نے عرض کیا کہ مولا! میری کوفہ سے روانگی تک وہ زندہ تھا۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے ہاتھ بلند کئے اور عرض کیا پروردگار! اسے لوہے اور آگ کا مزا چکھا۔

وہ کہتے ہیں کہ میں کوفہ کی طرف واپس ہوا تو دیکھا کہ مختار بن ابی عبید نے وہاں خروج کر دیا تھا۔ وہ میرے دوست تھے۔ میں انہیں سلام کرنے کے لئے سواری پر روانہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنی سواری کا جانور طلب کیا اور روانہ ہو گئے اور میں بھی ان کے ساتھ روانہ ہو گیا یہاں تک کہ وہ کوفہ کے ایک محلّہ کناسہ میں پہنچے۔ اس طرح ایک مقام پر کھڑے ہو گئے، گویا کسی کا انتظار کر رہے ہوں۔ وہ اصل میں حرملہ بن

کاہل اسدی کی تلاش میں تھے۔ بس اتنی ہی دیر میں وہ حاضر کر دیا گیا۔ مختار اس کو دیکھ کر بولے الحمد للہ کہ اس نے مجھے تجھ پر تصرف عنایت فرمایا۔ پھر ایک قصاب کو بلا کر کہا کہ اس کے دونوں ہاتھ کاٹو۔ اس کے ہاتھ قطع کر دئے گئے۔ پھر حکم دیا کہ اب اس کے پیر کاٹو۔ پیر بھی قطع کر دئے گئے۔ پھر کہا آگ جلاؤ۔ اس وقت بانس کا ایک گٹھا لایا گیا اور اس میں اسے رکھ دیا گیا اور آگ لگا دی گئی۔ یہاں تک کہ وہ جل کر خاک ہو گیا۔

منہال کہتے ہیں کہ یہ دیکھ کر میں نے 'سبحان اللہ' کہا، تو مختار میری طرف متوجہ ہوئے اور پوچھنے لگے کہ تم نے کس وجہ سے 'سبحان اللہ' کہا۔ میں نے جواب دیا کہ میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں گیا تھا۔ آپ نے حرملہ کے بارے میں مجھ سے دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا مولا میں اسے کوفہ میں زندہ چھوڑ کر چلا تھا۔ آپ نے ہاتھوں کو بلند کر کے بارگاہ الٰہی میں دعا کی پروردگار! حرملہ کو لوہے اور آگ کا مزہ چکھا دے۔

یہ سن کر مختار بولے اللہ اللہ کیا تم نے خود امام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ میں نے کہا ہاں ہاں، میں نے خود امام علیہ السلام کے یہ الفاظ سنے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ امیر مختار اپنی سواری سے نیچے اتر آئے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور اسے طول دیا، پھر سجدے میں گئے اور دیر تک سجدے میں رہے۔ پھر سر اٹھایا اور اٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے تا اینکہ وہ میرے گھر کے دروازے تک پہنچ گئے تو میں نے کہا کہ اگر مناسب سمجھیں تو مجھ پر کرم ہو گا کہ کچھ کھانا تناول کریں۔ جناب مختار کہنے لگے کہ اے منہال تم نے مجھے بتایا کہ امام علی بن الحسینؑ نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں اور اس مالک نے میرے ذریعہ سے انہیں قبولیت کا شرف بخشا۔ پھر تم مجھے اپنے یہاں کھانے کے لئے کہہ رہے ہو۔ یہ دن تو میرے لئے شکر الٰہی میں روزہ رکھنے کا ہے کہ اس مالک نے مجھے اس کی توفیق بخشی۔ (۱)

۵۔ رشتہ داروں سے آپ کا حسن سلوک

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس آپ کے خاندان کا ایک شخص آیا اور آپ کے لئے نازیبا اور بیہودہ الفاظ کہنے لگا۔ لیکن امام علیہ السلام نے کوئی لفظ نہ کہا، خاموشی

(۱) کشف الغمہ، ج/۲، ص/۳۱۲

سے سنتے رہے۔ جب وہ بدکلامی کر کے چلا گیا تو امام علیہ السلام نے حاضرین جلسہ سے فرمایا کہ تم نے وہ سب کچھ سنا جو اس شخص نے کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ میرے ساتھ اس کے مکان پر چلو تا کہ تم میرا جواب بھی سن لو۔

راوی کہتا ہے کہ ان سب نے کہا ہم ضرور چلیں گے اور ہم بھی یہ چاہتے ہیں کہ آپ بھی اس سے کچھ کہیں۔لہٰذا امام علیہ السلام نے نعلین پہنیں اور تشریف لے چلے اور آپ اس آیت کی تلاوت فرماتے جاتے تھے:

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (سورۂ آل عمران آیت ۱۳۴)

''وہ غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور خدا نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

راوی کا بیان ہے کہ آپ اس کے گھر پہنچے۔آواز دے کر اس کو بلایا۔وہ شخص گھر سے اس انداز سے برآمد ہوا، گویا وہ شرارت پر آمادہ ہو کیونکہ اس کے دل میں یہ بات آئی کہ امامؑ میری باتوں کا بدلہ چکانے آئے ہیں۔جیسے ہی وہ گھر سے برآمد ہوا امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

اے برادر! تم ابھی ابھی میرے پاس پہنچے تھے اور میرے بارے میں تم نے نازیبا الفاظ استعمال کئے تھے۔اگر میرے اندر وہ باتیں موجود ہوں تو میں بارگاہ الٰہی میں اپنی بخشش کا طالب ہوں اور اگر ایسا نہیں ہے تو خدا تمہیں بخش دے۔

راوی کہتا ہے کہ یہ الفاظ سن کر اس نے امام علیہ السلام کے قدموں کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ جو کچھ میں نے آپ کے بارے میں کہا وہ عیوب آپ میں نہیں بلکہ مجھ میں موجود ہیں۔(۱)

۶۔آپ کا بیماروں کے ساتھ برتاؤ

کافی میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ ایک بار امام زین العابدینؑ سواری پر جا رہے تھے، کچھ جذامیوں کے پاس سے گذرے جو بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔انہوں نے آپ سے بھی کھانے میں

---

(۱) اعلام الوریٰ، ص/۱۵۴، کتاب الارشاد، ص/۲۷۳

شرکت کے لئے کہاتو آپ نے فرمایا کہ اگر میں روزے سے نہ ہوتا تو کھانے میں ضرور شریک ہوتا۔ چلتے وقت آپ نے ان کو اپنے بیت الشرف پر کھانے کے لئے مدعو فرمایا اور اہل خانہ کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی فرمایا کہ کھانے میں صفائی وغیرہ کا لحاظ رکھا جائے۔

لہٰذا کھانا تیار ہو جانے کے بعد ان جذامیوں کو بلا کر کھانا کھلا یا اور خود بھی ان کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔(۱)

۷۔آپ کا غلام آپ کے غصہ سے بیخوف تھا

منقول ہے کہ امام زین العابدینؑ نے ایک بار اپنے غلام کو دو مرتبہ آواز دی لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب تیسری مرتبہ پکارا تو اس نے جواب دیا تو فرمایا کہ اے لڑکے، کیا تم نے میری آواز نہیں سنی؟

اس نے کہا سنی تو تھی۔

آپ نے فرمایا: پھر تم نے جواب کیوں نہ دیا؟

اس نے کہا: میں آپ کے غصہ سے بیخوف تھا اس لئے جواب نہ دیا۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اس خدا کے لئے حمد ہے جس نے میرے غلام کو مجھ سے بیخوف بنا دیا۔(۲)

۸۔زید بن اسامہ کا قرض ادا کرنا

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ جب زید بن اسامہ کی رحلت کا وقت قریب آیا، تو وہ رونے لگے۔امام زین العابدینؑ نے دریافت کیا کہ کیوں روتے ہو؟

انہوں نے کہا کہ مجھ پر پندرہ ہزار دینار کا قرض ہے اور میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے قرض ادا ہو سکے۔

امامؑ نے فرمایا کہ تم کیوں گھبراتے ہو؟ اس قرض کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔تم بری الذمہ ہوئے۔

چنانچہ آپ نے وہ قرضہ ادا فرما دیا۔(۳)

۹۔عبدالملک بن مروان کے تاثرات

زہری سے منقول ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت علی بن الحسینؑ کے ہمراہ عبدالملک بن مروان کے پاس

(۱) تنبیہ الخواطر، ص/۴۲۲ (۲) اعلام الوریٰ/۱۵۴ (الارشاد/۲۷۵) مناقب، ج/۳، ص/۲۹۶ (۳) لارشاد/۲۷۵

گیا۔عبدالملک آپ کی پیشانی پر سجدوں کا نشان دیکھ کر تعظیم کے لئے کھڑا ہوگیا اور اور کہنے لگا کہ اے ابومحمد! آپ کی عبادت میں محنت ومشقت آپ کے چہرے سے عیاں ہے(حالانکہ اس کی ضرورت نہیں)اس سے پہلے ہی خداوندعالم نے آپ کو بہترین صفات عطا فرمادی ہیں۔آپ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پارہ جگر ہیں اور آپ کی اصل اور نسب آنحضرت سے قریب تر ہے اور مضبوط ہے آپ اپنے اہل بیت اور ہم عصروں کے مقابلہ میں بھی عظیم فضیلت کے مالک ہیں۔علم وفضل اور تقویٰ و پرہیزگاری میں آپ کے برابر یہ سعادت کسی کو اس سے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوسکی سوائے ان حضرات کے جوآپ کے اسلاف میں سے گذر گئے۔

چنانچہ عبدالملک آپ کے دوسرے فضائل بیان کرتا رہا،جس پر امامؑ نے فرمایا کہ اے امیر!تو نے جو کچھ ہمارے لئے عطائے خداوندی کا ذکر کیا اور ہمارے حق میں اس کی تائیدوتوفیق کو بیان کیا تو ان انعامات پر اس ذات کا شکر کس طرح ادا ہوسکتا ہے۔جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وا لہ وسلم کو تو دیکھو کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو پائے اقدس متورم ہوجاتے تھے اور روزوں کی حالت میں پیاس کی شدت سے لعاب دہن خشک ہوجاتا تھا تو کہنے والے کہتے کہ یارسولؐ اللہ کیا خداوندعالم نے آپ کے گذشتہ وآئندہ گناہ نہیں بخشے؟

آپ فرماتے تھے کہ کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ خدا کے لئے حمد ہے کہ اس نے اپنے بندوں پر احسانات فرمائے اور ان کی معذرت کو قبول کیا۔دنیاوآخرت میں لائق حمد ہے تو اسی کی ذات ہے۔خدا کی قسم اگر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور میری دونوں آنکھوں کے ڈھیلے روتے روتے آنسو بن کر بہہ جائیں تو خدا کی ان نعمتوں میں سے جن کا شمار ممکن نہیں،ایک نعمت کے دسویں حصے کا بھی شکر ادا نہیں کیا جاسکتا اور خدا کی حمد کرنے والے اس کی ایک نعمت کی حد کو نہیں پہنچ سکتا۔

خدا کی قسم رات دن اور خفیہ وظاہری صورت میں کوئی چیز مجھے اس کی یاد اور شکر سے غافل نہیں کرسکتی ۔ میں اس کی عبادت میں اس محنت ومشقت کو نہیں چھوڑ سکتا یہاں تک کہ خداوندعالم مجھے اس حال میں دیکھے۔اگر میرے گھر والوں اور دوسرے خاص وعام لوگوں کے حقوق میرے ذمہ نہ ہوتے جنہیں ممکنہ حد تک پورا کرنا میری ذمہ داری ہے،تو میری نظریں آسمان کی طرف لگی رہتیں اور دل خدا کی جانب متوجہ رہتا پھر یہ

ہوتا کہ میں یہ دونوں حقوق ادا نہ کرسکتا اور خدائی فیصلہ میرے خلاف ہوتا اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

یہ فرما کر امامؑ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عبدالملک بھی رونے لگا اور بولا کہ ان دو شخصوں کے درمیان کتنا فرق ہے، ایک وہ جو آخرت کا خواہشمند ہو اور اس کے لئے بھرپور کوشش کر رہا ہو اور دوسرا وہ جو دنیا کی طلب میں لگا ہو کہ کہیں سے بھی مل جائے تو ایسے آدمی کو آخرت میں بھلائی اور نیکی کا حصہ نہ مل سکے گا۔ پھر عبدالملک نے امامؑ سے تشریف آوری کا سبب دریافت کیا۔ چنانچہ جس کے بارے میں امامؑ نے سفارش کی تھی عبدالملک نے اس کے بارے میں سفارش مان لی اور کچھ مال بھی ہدیہ کیا۔

یا علی بن الحسینؑ آپ ہی سید العابدین ہیں

کتاب الانوار سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ امام زین العابدینؑ نماز میں مشغول تھے کہ ابلیس افعی (خطرناک ترین سانپ کی ایک قسم ہے جس کو افعی کہتے ہیں) کی شکل میں جس کے دس سر اور تیز دانت اور آنکھیں شرربار تھیں، آپ کے پاس آیا اور سجدہ گاہ پر بیٹھ کر اپنی گردن کو بلند کر کے امامؑ کو گھورنے لگا لیکن آپ نماز میں بیحد مشغول تھے، اس کی طرف ذرا بھی التفات نہ کیا۔ اس کے بعد اس نے آپ کے قدموں کی طرف جھپٹ کر پیر کی انگلیوں میں کاٹا اور زہر شدید بھرنا شروع کیا لیکن اس کے باوجود آپ برابر نماز میں مشغول رہے۔ آپ پر قطعاً اس کی ان حرکتوں کا اثر نہ ہوا۔ ابھی ابلیس اپنی ان حرکتوں میں مصروف تھا کہ آسمان سے جلا دینے والا ایک شہاب اس کی طرف لپکا۔ جب ابلیس نے یہ دیکھا تو اس شہاب سے خوفزدہ ہو کر چیخ ماری اور امامؑ کی پناہ میں اپنی اصلی شکل وصورت میں آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ اے علی! واقعی آپ ہی سید العابدینؑ ہیں اور میں ابلیس ہوں۔ بخدا میں نے حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک انبیاءؑ کی عبادت بھی دیکھی ہیں لیکن آپ جیسا عابد میرے دیکھنے میں نہیں آیا۔ پھر وہ وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔ امام علیہ السلام نماز میں برابر مشغول رہے اور اس کی طرف بالکل توجہ نہ فرمائی۔ (۱)

عبادت خدا کے وقت خوشبو کا استعمال

عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ حضرت علی بن الحسینؑ کی مُشک بھری ایک شیشی مسجد میں رکھی ہوئی

(۱) مناقب ابن شہر آشوب، ج/۳، ص/ ۲۷۷

تھی۔ جب آپ نماز کے لئے تشریف لاتے تو اس میں سے خوشبو لگاتے تھے،(۱)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ علی بن الحسینؑ کے ایک غلام نے سردی کی ایک رات میں امامؑ کو ایک اونی منقش چادر اور عمامہ جو مشک وعنبر میں بسے ہوئے تھے اوڑھے ہوئے دیکھ کر عرض کیا: یا امام اس سردی کی رات میں کہاں کا قصد ہے؟

امامؑ نے فرمایا کہ مسجد نبوی کی طرف جا رہا ہوں جہاں اللہ تعالیٰ کی قربت بھی حاصل ہوگی اور حور العین سے بات چیت بھی رہے گی۔(۲)

امامؑ کی شدت عبادت سے پھوپھی فکرمند

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ جب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی صاحبزادی فاطمہ نے اپنے بھتیجے امام علی ابن الحسینؑ کی کثرت عبادت سے ان کا حال متغیر دیکھا کہ بہت زیادہ مشقت برداشت کرتے ہیں تو جابر بن عبداللہ بن عمرو بن احرام انصاری کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ اے رسول اللہؐ کے صحابی ہمارے تم پر کچھ حقوق ہیں اور کچھ تمہارے ہم پر۔

سردست میں چاہتی ہوں کہ صحابی رسول اللہ ہونے کی حیثیت سے تم میرے بھتیجے علی ابن الحسینؑ کو خدا اور رسول کے واسطے سے سمجھاؤ کہ وہ اپنے جسم کو اس قدر مشقت اور تعب میں ڈالتے ہیں کہ مجھے یہ خوف ہونے لگتا ہے کہ وہ اتنی شدت وکثرت عبادت سے اس جہاں سے نہ گذر جائیں کیونکہ میں یہ بھی دیکھتی ہوں کہ وہ بقیۃ اللہ اپنے پدر بزرگوار حضرت امام حسینؑ کی ایک نشانی ہیں۔

چنانچہ جابر بن عبداللہ امام زین العابدینؑ کے در دولت پر آئے تو اس وقت حضرت امام محمد باقرؑ دوسرے نوجوانان بنی ہاشم کے مجمع میں دروازے پر موجود تھے۔ جابر نے پوچھا: اے صاحبزادے! آپ کون ہیں۔ تو فرمایا کہ میں محمد بن علی بن الحسینؑ ہوں۔

جابر یہ سن کر رونے لگے اور کہا کہ خدا کی قسم آپ ہی دنیا میں علوم کے نشر کرنے والے ہیں۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ذرا قریب تو آیئے۔ امام محمد باقرؑ نزدیک آئے، تو جابر نے آپ کی عبا کا تکمہ

---

(۱) الکافی، ج/۶، ص/۵۱۵ (۲) الکافی، ج/۶، ص/۵۱۶

کھولا اور آپ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر بوسہ لیا اور اپنا منہ اور رخسار سینہ مبارک پر رکھ دیا اور عرض کرنے لگے کہ میں آپ کو آپ کے جد رسول اللہؐ کا سلام پہنچاتا ہوں ان کا حکم تھا کہ میں اس کام کو بجالاؤں اور آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ وہ وقت قریب ہے کہ جب تم میرے اس فرزند سے ملو گے جس کا نام محمد ہوگا اور جو علم وحکمت کی ترویج واشاعت کرے گا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ تم نابینا ہو جاؤ گے اور وہی فرزند تمہاری بینائی کو ایک بار پھر واپس لوٹا دے گا۔

یہ کہہ کر جابر نے عرض کیا کہ اپنے پدر بزرگوار سے میرے اندر آنے کی اجازت لے لیجئے۔ تاکہ شرف ملاقات حاصل ہو سکے۔ چنانچہ امام محمد باقرؑ اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اطلاع دی کہ ایک بزرگوار دروازے پر کھڑے ہیں اور انہوں نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے۔ اور آنحضرتؐ ہمارے جد بزرگوار کا پیغام وسلام بھی پہنچایا ہے۔

یہ سن کر امام زین العابدین نے فرمایا: ! بیٹا وہ جابر بن عبداللہ انصاری ہیں جو صحابی رسول اللہؐ ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔ جاؤ اور ان کو بلالاؤ۔

جناب جابر کو اندر آنے کی اجازت ملی، آکر دیکھا کہ امامؑ محراب عبادت میں ہیں۔ امامؑ نے صحابی رسول اللہؐ ہونے کی حیثیت سے جابر کی تعظیم کی، حالات دریافت فرمائے اور اپنے پہلو میں جگہ دی۔

پھر جابر نے عرض کیا کہ فرزند رسول اللہؐ! یہ تو آپ کے علم میں ہے کہ خدا نے جنت کو آپ حضرات اور آپ کے دوستوں کے لئے پیدا کیا ہے اور جہنم کو آپ کے دشمنوں کے لئے خلق فرمایا ہے تو پھر عبادت میں یہ غیر معمولی مشقت کیوں؟

امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ اے صحابی رسول اللہؐ! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میرے جد محمد رسول اللہؐ کوئی گناہ نہ کرتے تھے، پھر عبادت میں اتنی محنت مشقت اور ریاضت فرماتے تھے کہ پائے اقدس متورم ہوجاتے۔ اور جب لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جب کہ آپ پر کسی کا کوئی گناہ نہیں اگلی پچھلی خطائیں بھی نہیں۔

آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟

جب جناب جابر نے یہ دیکھا کہ ان کے اس مشورے کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکا تو کہا کہ فرزند رسول! آپ اپنی جان کا خیال کیجئے۔ آپ تو اس گھرانے اور خاندان کے مخصوص فرد ہیں۔ آپ ہی حضرات کے ذریعہ سے لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں سختی و رنج و بلا اور مصائب دور ہوتے ہیں آپ خود ہی اپنا خیال کریں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے جابر! میں ہمیشہ اپنے بزرگوں کے طریقے پر چلوں گا یہاں تک میں ان سے جا ملوں۔

اس کے بعد جابر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ خدا کی قسم مجھے تو اولاد و انبیاؑء میں حضرت علیؑ ابن الحسینؑ کے مثل سوائے فرزند حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ کے کوئی نظر نہیں آتا۔ خدا کی قسم حضرت علیؑ بن الحسینؑ کی اولاد و ذریت حضرت یوسفؑ بن یعقوبؑ کی ذریت سے افضل ہے جن میں ایک وہ ہستی ہیں جو روئے زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔(۱)

آپ کے معمولات زندگی

حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ امام زین العابدینؑ شب و روز میں ایک ہزار رکعت نمازیں پڑھا کرتے تھے جو جناب امیر المومنینؑ کا طرز عمل بھی تھا۔ آپ کی ملکیت میں پانچ سو درخت خرما تھے اور ہر درخت کے نیچے دو دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور نماز میں اس طرح کھڑے ہوتے تھے جیسے ایک ادنیٰ غلام بادشاہ صاحب جلال کے سامنے کھڑا ہو، آپ کی یہ حالت ہوتی تھی کہ خوف الٰہی میں آپ کے اعضاء کانپتے تھے۔ اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ گویا اب پھر نماز پڑھنے کا موقع نہ ملے گا۔ ایک دن نماز میں مشغول تھے کہ آپ کی ردا ایک کندھے سے کھسک گئی، تو آپ نے اسے ٹھیک نہیں کیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک صحابی نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: افسوس تمہیں خبر نہیں کہ میں اس وقت کس ہستی کے سامنے کھڑا تھا۔ کسی بندے کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک کہ خلوص دل سے ادا نہ کی جائے۔

---

(۱) امالی ابن شیخ / ۴۰۷

صحابی نے عرض کیا کہ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ ہم تو ہلاک ہو گئے۔

زین العابدینؑ نے فرمایا: ہرگز نہیں! خداوند عالم نوافل کے بجالانے سے اس کمی کو پورا فرما دیتا ہے۔

۱۔ آپ محتاجوں اور مساکین وغیرہ کی اس طرح خاطر مدارات کرتے اور ان کا خیال رکھتے کہ آپ کی وفات کے بعد جب غسل دیا گیا تو لوگوں نے آپ کی پشت مبارک پر ایک سیاہ داغ دیکھا جو محتاجوں اور مسکینوں کے لئے ان کی ضروریات کی اشیاء پشت مبارک پر لاد کر لے جانے کی وجہ سے پڑ گیا تھا۔

۲۔ آپ کی داد و دہش کا یہ عالم تھا کہ ایک دن آپ گھر سے باہر نکلے تو آپ ایک اونی نقشی شال ردا اوڑھے ہوئے تھے کہ ایک سائل نے اسے مانگا اور آپ نے فوراً اسے عطا فرما دی۔

۳۔ امامؑ نے روز عرفہ ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ لوگوں سے مانگتے اور سوال کرتے پھر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ افسوس تم لوگوں پر کہ آج کے مبارک دن بھی خدا کو چھوڑ کر دوسروں سے سوال کر رہے ہو، جبکہ آج کے برکت والے دن اگر بچے پیدا ہوں، تو وہ بھی نیک اور سعید ہوتے ہیں اور تم آج کے دن بھی اللہ پر بھروسہ نہیں کرتے۔

۱۔ آداب زندگی کی خصوصیات

۱۔ حضرت زین العابدینؑ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ اپنی مادر گرامی کے ساتھ کھانا کھانے میں شرم محسوس فرماتے تھے۔

چنانچہ کسی نے اس کا سبب دریافت کیا کہ فرزند رسولؐ! آپ تو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ نیک وصالح اور بہترین صلۂ رحم کرنے والے ہیں پھر آپ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ کھانا کیوں تناول نہیں فرماتے؟

آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میرا ہاتھ اس کھانے کی چیز کی طرف بڑھے جس کی طرف میری والدہ گرامی نے ہاتھ بڑھانے کا ارادہ بھی کیا ہو۔

۲۔ کسی شخص نے امامؑ سے کہا کہ فرزند رسولؐ! میں خدا کی خوشنودی کے لئے آپ سے بہت زیادہ محبت رکھتا ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ پروردگارا! میں اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں تجھ سے محبت کروں اور تو مجھ سے نفرت رکھتا ہوں۔

۳۔ کسی نے آپ کی کنیز سے آپ کا حال دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ تفصیل سے بتاؤں یا مختصر طور پر؟
پوچھنے والے نے کہا: مختصر ہی بتاؤ۔
کنیز نے کہا میں نے دن کا کھانا کبھی امامؑ کے سامنے نہیں رکھا اور رات کو آپ کے لئے کبھی بستر نہیں بچھایا۔
۴۔ ایک مرتبہ امامؑ ایسے لوگوں کی طرف سے گذرے جو آپ کی غیبت کر رہے تھے۔ آپ رک گئے اور فرمایا اگر تم برائی کے بیان کرنے میں سچے ہو تو خدا مجھے معاف فرمائے اور اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو خدا تمہیں بخشے۔
۵۔ حضرت امام زین العابدینؑ کے پاس جب کوئی طالب علم آتا تو فرماتے تھے کہ مرحبا تم نے رسول اللہؐ کی وصیت پر عمل کیا، پھر فرماتے کہ: طالب علم جب گھر سے نکلتا ہے تو اس سے پہلے کہ وہ زمین کی خشکی وتری پر اپنا قدم رکھے ساتوں زمینیں اس کی تعریف وتوصیف کرنے لگتی ہیں۔
۶۔ آپ کے گریہ وبکا کا یہ عالم تھا کہ اپنے پدر بزرگوار حضرت امام حسینؑ پر عمر بھر بیس روتے رہے۔ جب آپ کے سامنے کھانا یا پانی آتا تو گریہ فرماتے۔

۲۔ آپ کے دوست اور دشمن

سفیان بن عینیہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے زہری سے پوچھا کہ کیا آپ امام علی ابن الحسینؑ سے ملے ہیں؟
انہوں نے کہا: ہاں ہاں میں نے کسی شخص کو ان سے افضل واعلیٰ نہیں پایا۔ بخدا مجھے تو آج تک ان کا کوئی پوشیدہ دوست اور کھلا ہوا دشمن نظر نہیں آیا جس پر سفیان بن عینیہ نے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے، میں نہیں سمجھا۔
زہری نے پھر کہا کہ میں نے کسی دوست کو نہیں دیکھا کہ وہ آپ سے محبت رکھتا ہو مگر وہ آپ کی فضیلت وکمال پر حسد نہ کرتا ہو، اور کسی دشمن کو نہیں پایا مگر وہ آپ کے نرم برتاؤ کی وجہ سے آپ کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش نہ آتا ہو۔''(۱)

۳۔ کاظمین الغیظ کی عملی تفسیر

یمن کے ایک شخص عبد اللہ بن محمد نے عبد الرزاق سے نقل کیا ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک

(۱) الخصال، ج/۲، ص/۸۸

مرتبہ حضرت امام علی بن الحسینؑ کی ایک کنیز وضو کے لئے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہی تھی کہ اس کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ گیا جس سے آپ کا سر اقدس زخمی ہو گیا۔ آپ نے سر اقدس اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ کنیز فوراً ہی گویا ہوئی اور کہنے لگی خداوند عالم کا ارشاد ہے ''وَالْکَاظِمِینَ الْغَیْظَ'' (اور کچھ لوگ) غصے کو پی جانے والے ہوتے ہیں۔) (۱)

آپ نے فرمایا: میں نے اپنے غصہ کو پی لیا۔

کنیز نے پھر کہا: ''وَالْعَافِینَ عَنْ النَّاسِ'' (وہ لوگوں کو معاف کرنے والے بھی ہوتے ہیں) (۲)

آپ نے فرمایا خدا تجھے معاف فرمائے (گا)

کنیز نے پھر کہا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحسِنِینَ (اور اللہ تو نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

آپ نے ارشاد فرمایا: جا میں نے تجھے عنداللہ آزاد کیا۔ (۳)

۴۔ روزی کی تلاش

حضرت امام جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ زین العابدینؑ صبح سویرے روزی کی تلاش میں اپنے بیت الشرف سے برآمد ہوئے تو کسی نے آپ سے عرض کیا کہ فرزند رسولؐ! کہاں کا ارادہ ہے؟

آپ نے فرمایا: اپنے عیال کے لئے صدقہ کی تلاش میں ہوں۔

کسی نے تعجب سے سوال کیا کہ حضور آپ اور صدقہ لیں گے؟

آپ نے جواب دیا کہ جو شخص خدا سے حلال روزی کا طالب ہو تو وہ روزی اس کے لئے خدا کی طرف سے صدقہ ہوتی ہے۔ (۴)

۵۔ خدا کی رضا میں اپنی رضا کا ظاہر کرنا

دعوت الراوندی میں حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ حضرت علی بن الحسینؑ نے فرمایا کہ ایک بار میں سخت بیمار ہوا تو مجھ سے میرے پدر بزرگوار امام حسینؑ نے دریافت فرمایا:

بیٹا! تمہیں کس چیز کی خواہش ہے؟

(۱) سورۂ آل عمران آیت ۱۳۴ (۲) سورۂ آل عمران آیت ۱۳۴ (۳) امالی صدوق، ص/۲۰۱ (۴) الکافی، ج/۲، ص/۱۲

میں نے عرض کیا کہ مجھے اس امر کی خواہش ہے کہ میں ان لوگوں میں سے ہو جاؤں کہ اپنے پروردگار سے بے سوچے سمجھے اس کام میں جلدی نہ کروں جس کا انتظار اس نے میرے لئے کر دیا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ تم نے بہت عمدہ بات کہی ہے۔تم حضرت ابراہیمؑ سے مشابہ ہو گئے کیونکہ جب آپ آتش نمرود میں ڈالے گئے تو جبرئیل نے ان سے عرض کیا کہ اس وقت آپ کی کوئی حاجت ہے جسے پورا کیا جائے۔

حضرت ابراہیمؑ نے انہیں یہی جواب دیا تھا کہ میں خدا سے کوئی تاکیدی نہیں کر سکتا، وہ میرے لئے کافی ہے اور وہ بہترین کفالت کرنے والا ہے۔(۱)

۶۔سفر میں اپنے تعارف سے گریز کرنا

حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ حضرت امام علی ابن الحسینؑ عموماً ایسے آدمیوں کے ہمراہ سفر اختیار کرتے تھے جو آپ کو پہچانتے نہ ہوں۔ان سے یہ شرط کر لیتے کہ وہ اس جماعت کی ہر وہ خدمت کریں گے جس کی انہیں ضرورت ہوگی۔

چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے ایک ایسے گروہ کے ہمراہ سفر اختیار کیا کہ جس کے ایک شخص نے آپ کو پہچان لیا اور اپنے ہمراہیوں سے کہنے لگا کہ تمہیں معلوم ہے یہ کون بزرگ ہیں؟

وہ کہنے لگے کہ ہم انہیں نہیں جانتے۔

اس نے کہا: یہ جناب علی ابن الحسینؑ ہیں۔

یہ سن کر وہ لوگ جلدی سے امامؑ کی دست بوسی کے لئے لپکے۔آپ کی دست بوسی کی اور بولے کہ فرزند رسولؐ! کیا آپ کا یہ ارادہ تھا کہ اگر ہم سے آپ کی شان میں کوئی بھی نازیبا بات ہو جاتی تو ہم آتش جہنم میں جلتے اور قیامت تک ہلاکت میں پڑے رہتے۔حضور یہ ارشاد فرمائیے کہ آپ نے ایسا کس لئے کیا؟

آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ سفر کیا جو مجھے جانتے تھے۔انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میری قرابت کا لحاظ کرتے ہوئے میرے ساتھ

---

(۱) دعوت الراوندی

ایسی مہربانیاں کیں جن کا میں مستحق نہ تھا۔اب مجھے اس کا ڈر رہا کہ تم لوگ بھی ایسا ہی کرو گے۔ چنانچہ مجھے یہ بات پسند نہ تھی کہ میں اپنے آپ کو تم سے متعارف کراؤں۔(۱)

۷۔ ہر دن کے مطالبات کا تذکرہ

شفیق بلخی نے بعض اہل علم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت زین العابدینؑ سے پوچھا کہ فرزند رسولؐ! آپ نے کس حال میں صبح کی؟

______ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری صبح اس حالت میں ہوئی ہے کہ مجھ سے آٹھ امور کا تقاضا ہے کہ انہیں پورا کروں۔

ایک: تو خدا کی ذات ہے جو مجھ سے فرائض کی بجا آوری کی طالب ہے۔

دوسرے: آنحضرت اس امر کا مطالبہ کرتے ہیں کہ آپؐ کی سنت پر عمل کروں۔

تیسرے: اہل وعیال اپنی روزی کے طلب گار ہیں۔

چوتھے: نفس خواہشات کی تکمیل کا خواستگار ہوتا ہے۔

پانچویں: شیطان اپنی پیروی کی طرف بلاتا ہے۔

چھٹے: کاتبان اعمال عمل کی سچائی اور خلوص چاہتے ہیں۔

ساتویں: ملک الموت روح کا طلب گار ہے۔

آٹھویں: طلب یہ ہے کہ قبر میرے جسم کو اپنے اندر رکھنا چاہتی ہے۔

یہ روزانہ کے مطالبات ہیں جن میں میں مطلوب وماخوذ ہوں۔(۲)

۸۔آپ تلاوت قرآن بہت اچھی آواز میں فرماتے تھے

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ حضرت امام علی بن الحسینؑ تمام لوگوں سے بہتر آواز میں تلاوت قرآن مجید فرمایا کرتے تھے۔ پانی پلانے والے سقے ادھر سے گزرتے تو آپ کے دروازے پر رک

(۱) عیون اخبار الرضا، ج/۲،ص/۱۴۵ (۲) امالی ابن شیخ /۴۱۰

جایا کرتے تھے اور کان لگا کر آپ کی قرأت کو سنتے تھے۔اسی طرح حضرت امام محمد باقرؑ بھی لوگوں میں سب سے بہتر خوش الحان اور قاری تھے۔(۱)

۹۔امام کی حج کی سواری کا مقام

حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ جب حضرت امام علی ابن الحسینؑ کی رحلت کا وقت آیا تو آپ نے اپنے فرزند حضرت محمد باقرؑ سے فرمایا کہ میں نے اپنے اس ناقے پر بیس حج کئے ہیں لیکن کبھی اس کو ایک کوڑا تک نہیں مارا۔ جب یہ ناقہ مرجائے تو تم اس کو دفن کر دینا تا کہ جنگلی جانور اس کا گوشت نہ کھا جائیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی اونٹ اونٹی ایسی نہیں کہ جس پر سوار ہو کر سات حج کئے گئے ہوں اور وہ مقام عرفات میں ٹھہرے ہوں مگر یہ کہ خداوند عالم اسے جنت کا جانور قرار دے گا اور اس کی نسل میں برکت دے گا۔

لہٰذا امام محمد باقرؑ نے اس ناقے کی موت کے بعد اسے ایک گڑھے میں دفن کر دیا۔(۲)

۱۰۔امام کا ہر زبان سے واقف ہونا

محمد جلی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب امام علی ابن الحسینؑ اور آپ کے اہل بیت یزید ملعون کے سامنے لائے گئے، تو ایک بوسیدہ مکان میں مقید کئے گئے تو کچھ کہنے والوں نے کہا: ہمیں اس گھر میں اس لئے قید کیا گیا ہے کہ یہ گھر ہم پر گر پڑے اور ہم سب اس کے نیچے دب کر مر جائیں۔ جس پر ایک قید خانے کے رومی محافظ نے اپنی زبان میں اپنے ساتھی سے گفتگو کی کہ ان لوگوں کو مکان کے گرنے کا خوف ہے حالانکہ کل یہ اس گھر سے نکال کر قتل کر دئے جائیں گے۔

حضرت امام علی ابن الحسینؑ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں میں سوائے میرے کوئی بھی رومی (زبان) نہیں جانتا تھا۔(۳)

۱۱۔آپ کے راستہ چلنے کا طریقہ

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ امام علی ابن الحسینؑ اس طریقے سے راہ چلتے تھے کہ دائیں

(۱) نفس المصدر، ج/۲، ص/۶۱۶ (۲) ثواب الاعمال مطبوعہ بغداد (۳) بصائر الدرجات، جز/۷، باب/۱۲

بائیں کو حرکت نہ ہوتی تھی ایسا محسوس ہوتا تھا گویا آپ کے سر پر طائر بیٹھا ہوا ہے کہ ذرا سی حرکت پر وہ اڑ جائے گا۔(۱)

۱۲۔امام کی فضیلت امام کی زبان سے

سعید بن کلثوم راوی کہتے ہیں کہ میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کا ذکر آ گیا تو امامؑ نے آپ کے ایسے فضائل بیان فرمائے جن کے آپ اہل تھے۔ پھر فرمایا کہ خدا کی قسم امیر لمومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ نے اپنی زندگی میں دنیا کی کوئی حرام شے کبھی نہیں کھائی تا اینکہ آپ اس جہاں سے رخصت فرما گئے۔ آپ کے سامنے ہمیشہ ہر کام میں دو ہی باتیں رہتی تھیں ایک رضائے خداوندی جس پر آپ (اپنے دین میں) ہمیشہ سختی سے کاربند رہے اور دوسرا کام حفاظت رسولؐ اللہ اور یہ بھی رضائے رب سے علیحدہ کوئی بات نہ تھی۔ آپ نے ان دونوں کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اپنے مالک کو کبھی ناراض نہ کیا ور رسول اکرم کی حفاظت سے کبھی دریغ نہ کیا۔ کون نہیں جانتا کہ آپ کی غذا سوکھے ٹکڑے یا پھیکے ستو کے علاوہ کچھ نہ تھی اور موٹا لباس پہننا پسند فرماتے۔

آپ کی اولاد میں اگر کوئی آپ کے لباس اور علم فقہ میں آپ سے مشابہت رکھتا تھا تو وہ حضرت امام علی ابن الحسینؑ یعنی آپ کے پوتے تھے۔

۱۳۔عبادت میں اپنے جد امجد سے مشابہت

ایک مرتبہ حضرت امام محمد باقرؑ نے جو عبادت کے درجۂ کمال پر فائز تھے، اپنے پدر بزرگوار کو دیکھا کہ رات میں جاگنے کی وجہ سے اور عبادت میں خضوع وخشوع کے باعث آپ کا رنگ زرد ہو گیا ہے اور کثرت گریہ کی وجہ سے آنکھیں متورم ہیں۔ ناک اور پیشانی سجدوں سے زخمی اور کھڑے رہنے کی وجہ سے پیروں پر ورم آ گیا ہے۔ تو امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ میں آپ کی یہ حالت دیکھ کر ضبط نہ کر سکا اور بیساختہ آنسو رواں ہو گئے۔ اور میں نے پدر عالیقدر کو دیکھا کہ آپ کچھ متفکر ہیں۔ پھر آپ میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا بیٹا! ذرا وہ صحیفہ پیش کرو۔ آپ نے اس میں کچھ پڑھا اور پھر بے چین ہو کر اسے رکھ دیا اور فرمایا کہ کس میں طاقت ہے جو جناب امیر المومنینؑ جیسی عبادت کا تصور بھی اپنے ذہن میں لا سکے۔ (۲)

(۱) المحاسن، ص/ ۱۲۵، مطبوعہ ایران (۲) الارشاد/۲/۲۷

سجدے میں امام زین العابدینؑ کی دعا

عبداللہ بن محمد تمیمی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبدالقیس کے ایک بزرگ سے سنا جو بیان کرتے تھے کہ طاؤس کہتے ہیں کہ ایک رات میں حجر اسود کے پاس آیا تو دیکھا کہ حضرت امام علی ابن الحسینؑ تشریف لائے اور نماز میں مصروف ہوگئے۔ جب سجدے میں گئے تو میں نے خیال کیا کہ اہلبیتؑ خیر میں سے مرد صالح معلوم ہوتے ہیں۔ میں ان کی دعا کو غور سے سنوں گا۔

چنانچہ میں نے سنا کہ سجدے میں اس طرح دعا فرما رہے تھے کہ:

عَبِیْدُکَ بِفَنَائِکَ ،مِسْکِیْنُکَ بِفَنَائِکَ ،

فَقِیْرُکَ بِفَنَائِکَ ،سَائِلُکَ بِفَنَائِکَ

اے اللہ تیرا بندۂ حقیر، تیرا مسکین، تیرا فقیر محتاج اور تجھ ہی سے سوال کرنے والا تیری ہی یاد میں حاضر ہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کے معجزات

ا۔امام کی ملاقات کا ایک عجیب واقعہ

جناب سید مرتضٰی سے منسوب کتاب ''عیون المعجزات'' میں ابو خالد کنکر کابلی سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ یحیٰ بن ام الطّویل سے میری ملاقات ہوئی جو امام زین العابدینؑ کی دایہ کے فرزند تھے۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جناب امامؑ کی خدمت میں لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ امامؑ اپنے مکان میں تشریف فرما ہیں جس میں زرد رنگ کی توشک بچھی ہوئی ہیں، جس کی دیواروں پر استرکاری تھی اور خود بھی رنگین لباس سے آراستہ تھے۔

چنانچہ میں وہاں زیادہ دیر نہ بیٹھا۔ جب میں جانے کے لئے کھڑا ہوا تو امامؑ نے فرمایا کہ انشاءاللہ کل میرے پاس آنا۔ میں وہاں سے اٹھا اور یحیٰ کے ہمراہ واپس ہوا راستہ میں میں نے یحیٰ سے کہا کہ تم مجھے ایسے شخص کے پاس لے آئے جو رنگین لباس پہنے ہوئے تھا۔ ساتھ ہی میں نے اپنے دل میں یہ ارادہ بھی کرلیا کہ

میں اب ان کے پاس نہ آؤں گا لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی ذہن میں پیدا ہوا کہ میرا ان کے پاس آنا جانا کوئی نقصان دہ بھی نہیں ہے۔

چنانچہ دوسرے دن خدمت امامؑ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ دروازہ کھلا ہے۔ لیکن کوئی شخص نظر نہیں آتا۔ خیال کیا کہ واپس چلا جاؤں کہ گھر میں سے مجھے بلانے کی آواز آئی۔ میں سمجھا کہ کسی اور کو بلایا جا رہا ہے۔ لیکن دوبارہ جب میں نے غور سے سنا تو کسی نے کہا کنکر اندر آجاؤ۔ یہ میرا وہ نام تھا جو میری والدہ ہی لیا کرتی تھیں اور اس نام کا علم سوائے میرے کسی کو نہ تھا۔

میں اندر پہنچا تو کیا دیکھا کہ امامؑ مٹی کے بنے ہوئے کمرے میں تشریف فرما ہیں جن میں مٹی ہی کا پلاسٹر کیا گیا ہے اور خود کھجور کی چٹائی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور موٹے کھدر کے کپڑے کی قمیص زیب تن ہے یحییٰ بھی آپ کے پاس ہیں۔

امامؑ نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابو خالد! تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں کہ میں نے نکاح کیا تھا اور تم نے جو کچھ دیکھا تھا وہ میری زوجہ کی مرضی سے تھا اور میں اس کی مخالفت کو اچھا نہیں سمجھتا۔ یہ فرما کر آپ اٹھے اور ہم دونوں کا ہاتھ پکڑ کر ایک نہر کی طرف لے گئے اور فرمایا کہ تم دونوں یہیں ٹھہرو۔ ہم وہیں کھڑے ہو گئے اور امامؑ کو دیکھتے رہے کہ آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا اور پانی پر چلنے لگے آپ کے پاؤں کی اوپری ہڈی پانی پر نظر آ رہی تھی۔

ابو خالد کا بیان ہے کہ یہ دیکھ کر میں نے اللہ اکبر اللہ اکبر کی آواز بلند کی اور کہا کہ بے شک آپ کلمۂ کبریٰ اور حجت اعظمیٰ ہیں۔ آپ پر خدا کی رحمت نازل ہو۔

پھر امامؑ ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ تین آدمی ایسے ہیں جو بروز قیامت خداوند عالم کی نظر رحمت سے محروم رہیں گے، خدا انہیں بلندی عطا نہ کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو ہماری طرف اس قول و عمل کو منسوب کرے گا جو ہمارا نہیں۔ اور دوسرا وہ ہے جو ان امور کو ہم سے نکال لے جو ہم سے متعلق ہیں اور تیسرا وہ ہے جو اس کا قائل ہو کہ ان دونوں اشخاص کا اسلام میں سے حصہ ہے۔(۱)

---

(۱) دلائل الامامتہ از ابن جریر طبری، ص/۹۱

۲۔اولیاءاللہ کا درجہ ومقام

حضرت امام محمد باقرؑ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ عبدالملک خانۂ کعبہ کا طواف کررہا تھااورامام زین العابدینؑ بھی طواف میں مشغول تھے۔آپ نے عبدالملک کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔

وہ پوچھنے لگا کہ یہ کون ہیں جو ہمارے سامنے طواف کررہے ہیں اور ہماری طرف توجہ ہی نہیں کرتے تو بتایا گیا کہ یہ امام علی ابن الحسینؑ ہیں۔

یہ سن کروہ اپنی جگہ بیٹھ گیااور کہنے لگا کہ ذرا انہیں میرے آگے پیش کرو۔

چنانچہ امامؑ کواس کے سامنے لایا گیا۔

کہنے لگا کہ اے علی ابن الحسینؑ! میں آپ کے پدر بزرگوار کا قاتل تو نہیں ہوں پھر کیا وجہ ہے کہ آپ میرے پاس تشریف نہیں لاتے۔

امام نے جواب دیا کہ میرے پدر بزرگوار کے قاتل نے اپنے عمل سے اپنی دنیا کو تباہ کرلیااور میرے پدر بزرگوار نے اس کے عمل سے اس کی آخرت کو برباد کردیا۔اگر تو اس جیسا ہونا پسند کرتا ہے تو ویسا ہی ہوجا۔جس پر..........

وہ کہنے لگا کہ ہرگز نہیں میں تو ایسا نہیں چاہتا۔لیکن آپ ہمارے پاس تشریف تو لایا کریں تا کہ ہماری دنیا میں سے کچھ آپ کو بھی مل سکے اور آپ عطیہ سے نوازے جائیں۔

یہ سن کر جناب امامؑ وہیں تشریف فرما ہوگئے اوراپنی ردا کو بچھا کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ پروردگارا! اسے وہ عزت وحرمت دکھادے جو تیرے نزدیک تیرے اولیاء کو حاصل ہے۔

عبدالملک بیان کرتا ہے کہ اسی وقت آپ کی چادر موتیوں سے بھر گئی کہ جن کی چمک ومک سے آنکھیں چکاچوند ہو رہی تھیں۔

پھر امامؑ نے فرمایا کہ ایسا وہ کون ہے کہ خدا کے یہاں جس کی ایسی عزت وحرمت ہواور وہ تیری دنیا کا محتاج ہو۔پھر عبدالملک سے فرمایا کہ تو ہی ان موتیوں کو لے لے ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔(۱)

---

(۱)الخرائج والجرائح/۱۹۴

۳۔امامؑ اور ایک مرد بلخی

علامہ شیخ طریحی اور علامہ مجلسی رقم طراز ہیں کہ بلخ کا رہنے والا ایک دوست دار آل محمدؐ ہمیشہ حج کیا کرتا تھا۔ جب حج کو آتا تھا تو مدینہ جا کر امام زین العابدینؑ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ جب حج سے لوٹا تو اس کی بیوی نے کہا کہ تم ہمیشہ اپنے امام کی خدمت میں تحفہ تحائف لے جاتے ہو مگر انہوں نے آج تک تم کو کچھ نہ دیا۔ اس نے کہا تو بہ کرو تمہارے لئے یہ کہنا سزاوار نہیں ہے۔ وہ امام زمانہ ہیں، وہ مالک دین ودنیا ہیں وہ فرزند رسول ہیں وہ تمہاری باتیں سن رہے ہیں یہ سن کر وہ خاموش ہوگئی۔ اگلے سال جب وہ حج سے فراغت حاصل کر کے امام زین العابدینؑ کی خدمت میں پہنچا اور سلام ودست بوسی کے بعد آپ کے پاس بیٹھا، تو آپ نے کھانا طلب فرمایا۔ حکم امام سے مجبور ہو کر اس نے معیت میں کھانا کھایا۔ جب دونوں کھانا کھا چکے تو اس بلخی نے امام کے ہاتھ دھلانا چاہے۔ آپ نے فرمایا: تو مہمان ہے۔ یہ تیرا کام نہیں۔ اس نے اصرار کیا اور ہاتھ دھلانا شروع کر دیا۔ جب طشت بھر گیا تو آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے۔ اس نے کہا: ''پانی''۔ حضرت نے فرمایا: نہیں یاقوت احمر ہے۔ جب اس نے غور سے دیکھا تو وہ طشت یاقوت سرخ سے پر تھا۔ اسی طرح ژمرد سبز اور دُر ابیض سے پر ہوگیا۔ یعنی تین بار ایسا ہی ہوا۔ یہ دیکھ کر وہ حیران ہوگیا اور آپ کے ہاتھوں کا بوسہ دینے لگا۔ حضرت نے فرمایا اسے لیتے جاؤ اپنی بیوی کو دے دینا اور کہنا کہ ہمارے پاس اور کچھ مال دنیا سے نہیں ہے۔ وہ شخص شرمندہ ہو کر بولا: مولا! آپ کو ہماری بیوی کی بات کس نے بتادی۔ امامؑ نے فرمایا: ہمیں سب معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ امامؑ سے رخصت ہو کر بیوی کے پاس پہنچا جواہرات دے کر سارا واقعہ بیان کیا۔ بیوی نے کہا آئندہ سال میں بھی چل کر زیارت کروں گی۔ جب دوسرے سال بیوی ہمراہ روانہ ہوئی تو راستہ میں انتقال کر گئی۔ وہ شخص حضرت کی خدمت میں روتا پیٹتا حاضر ہوا۔ حضرت نے دو رکعت نماز پڑھ کر فرمایا: جاؤ تمہاری بیوی زندہ ہوگئی ہے۔ اس نے قیام گاہ پر لوٹ کر اسے زندہ پایا جب وہ حاضر خدمت ہوئی تو کہنے لگی۔ خدا کی قسم انہوں نے مجھے ملک الموت سے کہہ کر زندہ کیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ یہ میری زائرہ ہے۔ میں نے اس کی عمر تیس سال بڑھوالی ہے۔(۱)

---

(۱) المنتخب والجار

۴۔امام کی انگلی کے ایک اشارہ کا کمال

امام الحدیث زہری کا بیان ہے کہ میں حج کے موقع پر امام العابدینؑ کے پاس مقام عرفات میں کھڑا حاجیوں کو دیکھ رہا تھا۔دفعتاً میرے منہ سے نکلا کہ مولا کتنے لاکھ حاجی ہیں اور کتنا زبردست شور مچا ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میرے قریب آؤ۔جب میں بالکل نزدیک ہوا،تو آپ نے میرے چہرہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا:''اب دیکھو''!جب میں نے پھر نظر کی تو مجھے ''لکھوکھا'' آدمیوں میں دس ہزار میں ایک کے تناسب سے انسان دکھائی دئے۔باقی سب کے سب بندر، کتے،سور،بھیڑ اور اسی طرح کے جانور نظر آئے یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔آپ نے فرمایا کہ سنو جو صحیح عقیدہ کے بغیر حج کرتے ہیں۔ان کا یہی حشر ہوتا ہے۔اے زہری نیک نیتی اور ہماری مؤدت ومحبت کے بغیر سارے اعمال بیکار ہیں۔(۱)

۵۔دونان اور ایک کرامت امام

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں زہری سے مروی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ میں امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کے اصحاب میں سے ایک مرد مومن آئے۔امام نے دریافت حال فرمایا۔

انہوں نے کہا:فرزند رسولؐ! کیا عرض حال کروں چار سو دینار کا مقروض ہو گیا ہوں جن کی ادئیگی کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔پھر یہ کہ عیال بھی زیادہ ہیں۔کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس سے کام چلا سکوں۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی امام کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہوگئی۔میں نے عرض کیا کہ فرزند رسولؐ!اس گریہ کا سبب کیا ہے؟فرمایا کہ مصائب وآلام کے سوا رونے کا اور کیا سبب ہوسکتا ہے؟

حاضرین کہنے لگے،بیشک حقیقت تو یہی ہے کہ مصیبت پر رویا جاتا ہے۔

پھر امام نے فرمایا کہ اس سے زیادہ سخت مصیبت کیا ہوگی کہ ایک شریف مومن بھائی کی مصیبت کو دیکھوں اور اسے دور نہ کرسکوں اس کے فاقوں کو سنوں اور اس کی پریشانی کو دفع نہ کرسکوں۔

راوی کا بیان ہے کہ پھر کچھ دیر کے بعد وہ لوگ جب وہاں سے اٹھ کر باہر آئے،تو ان میں سے ایک مخالف امام نے جو آپ پر طنز کر رہا تھا،کہا کہ یہ بھی عجیب لوگ ہیں کہ آسمان وزمین کی ہر شئے پر تصرف واطاعت

(۱)تفسیر امام حسن عسکری ودمعۃ ساکبہ،ج/۲،ص/۴۳۸

کا دعویٰ نیز اپنی دعاؤں کی قبولیت کا بھرم ہے، پھر بھی اپنے مخصوص مومن بھائی کی امداد اور حاجت روائی سے عاجزی اور بے بسی کا انہیں اعتراف ہے۔

یہ طعنہ اس مردمومن و مصیبت زدہ سے نہ سنا گیا اور اپنی مصیبت بھول گیا اور امام کی خدمت میں پہنچ کر اس مخالف کی شکایت کرنے لگا۔

امامؑ نے فرمایا مت گھبرا۔ خدا کی طرف سے تیری روزی کی کشادگی کا حکم ہو گیا ہے (اور اسی سے اس مخالف کے منہ پر اللہ کا طمانچہ لگے گا تا کہ اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ جائے) اور اپنی خادمہ سے فرمایا کہ ہمارے سحری اور افطار کے کھانے کی دو روٹیاں مردمومن و مصیبت زدہ کو عنایت فرما کر ارشاد فرمایا کہ بھائی ہمارے پاس ان روٹیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، انہیں لے لو خداوند عالم ان سے تمہاری مشکل کو آسان فرمائے گا اور تمہاری روزی میں وسعت دے گا۔

وہ مردمومن روٹیاں لے کر گھر کی راہ چل دیا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان دو روٹیوں کا کیا کرے۔ وہ اپنے عیال کی بدحالی اور اپنے قرض سے پریشان تو تھا ہی۔ ادھر شیطان نے اپنی کارگزاری شروع کر دی اور وسوسہ ڈالا کہ بھلا ان دو روٹیوں سے تیری حاجت روائی کس طرح ممکن ہے۔ معاً اس کو یہ خیال آیا کہ ایک روٹی دے کر مچھلی خریدی جائے اور وہ مچھلی فروش کے پاس پہنچ گیا جس کے پاس ایک ناقابل فروخت مچھلی تھی جس میں بدبو آ گئی تھی۔

اس مردمومن نے مچھلی فروش سے کہا۔ تیری یہ مچھلی بھی باسی ہے اور میری روٹی بھی سوکھ گئی ہے تو کیا تو میری ایک روٹی کے بدلے مجھے یہ مچھلی دے سکتا ہے۔

وہ بولا: ہاں کیوں نہیں۔ اس نے ایک مچھلی دے کر روٹی لے لی۔ پھر یہ مردمومن ایک نمک فروش کے پاس پہنچا۔ اس کا نمک بھی صاف ستھرا نہ تھا۔ اس نے کہا کہ کیا تم مجھے یہ نمک اس خشک روٹی کے عوض دے سکو گے؟

وہ بولا ہاں ہاں لے جاؤ۔

چنانچہ معاملہ طے ہو گیا اور وہ مچھلی اور نمک لے کر سیدھا گھر پہنچا اور مچھلی کا پیٹ چاک کیا تو کیا دیکھتا ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں دو قیمتی موتی ہیں۔ خاموشی سے ان کو نکال کر خدا کا شکر بجالایا۔ ابھی کچھ دیر نہ گذری

تھی کہ مچھلی والا اور نمک فروش گھر پر پہنچے اور اس مرد مومن کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ دروازہ پر گیا تو دیکھا کہ مچھلی والا اور نمک فروش موجود ہیں جن میں ہر ایک یہی کہتا تھا کہ اے بندۂ خدا! اپنی یہ روٹیاں واپس لے لو کیونکہ یہ تو اتنی سخت ہیں کہ ہم انہیں چبا نہیں سکتے دوسرے یہ کہ تم کچھ مصیبت زدہ معلوم ہوتے ہو اس لئے یہ روٹیاں بھی اپنے استعمال میں لاؤ اور وہ مچھلی اور نمک بھی۔

چنانچہ اس مرد مومن نے وہ روٹیاں شکریہ کے ساتھ لے لیں اور وہ دونوں آدمی واپس چلے گئے۔ کچھ دیر کے بعد پھر دق الباب ہوا۔ یہ شخص دروازہ پر گیا تو دیکھا امام علی ابن الحسینؑ کا قاصد کھڑا ہے اور کہہ رہا تھا کہ امام نے فرمایا ہے کہ خداوند عالم نے اب تیری روزی میں کشائش کا سامان کر دیا لہٰذا ہماری روٹیاں ہمیں واپس کر دو۔ انہیں ہمارے علاوہ کوئی نہیں کھا سکے گا۔

اس مرد مومن نے ان موتیوں کو زر کثیر کے بدلے فروخت کر کے اپنا قرض ادا کیا اور اپنے حالات درست کئے۔ کچھ مخالفوں نے پھر طعنہ زنی شروع کر دی کہ کتنی عجیب بات ہے کہ خود علی ابن الحسینؑ تو فاقہ کش ہیں بھلا دوسروں کو مالدار کس طرح کر سکتے ہیں وہ خود تو عاجز ہیں دوسروں کا عجز و مجبوری دور کرنے پر کس طرح قدرت رکھتے ہیں۔

جب امامؑ نے یہ سنا تو فرمایا کہ قریش نے بھی آنحضرتؐ کے بارے میں یہی کہا تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو شخص مکہ سے مدینہ کا راستہ تو بارہ دن میں طے کرے اور بیت المقدس تک ایک رات میں جا کر واپس آ جائے۔ انبیاؑء سے ملاقات بھی کرے اور یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب آنحضرتؐ نے مکہ سے ہجرت فرمائی تھی۔(۱)

۶۔عمر بن عبدالعزیز کی حکومت کی پیشین گوئی

عبداللہ بن عطاء تمیمی سے منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں امام علی بن الحسینؑ کے پاس مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز ادھر سے گذرے۔ ان کے جوتوں پر چاندی کا کام تھا۔ وہ خوش رو جوانوں میں شمار ہوتے تھے۔ امامؑ نے ان کی طرف دیکھا اور عبداللہ بن عطاء سے فرمایا کہ کیا تم نے اس عیش پسند کو دیکھ لیا۔ یہ اپنی موت سے پہلے لوگوں کا حاکم ہوگا، مگر یہ تھوڑے عرصے تک ہی زندہ رہے گا۔ جب یہ مر جائے گا تو

(۱) کمال الدین وتمام النعمۃ/ ۲۷۵۔امالی صدوق/۴۵۳

اہل زمین اس کے لئے خدا سے مغفرت طلب کریں گے۔(۱)

۷۔امام کو چڑیوں کی بولیوں کا علم تھا

ابوحمزۂ ثمالی سے منقول ہے کہ میں امام علی بن الحسینؑ کے ساتھ آپ کے خانۂ اقدس میں بیٹھا ہوا تھا۔وہاں ایک درخت تھا جس پر چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔امامؑ میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا: اے ابو حمزہ!تم جانتے ہو کہ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟

میں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا یہ اپنے پروردگار کی تسبیح کر رہی ہیں اور اس سے اپنے لئے آج کی روزی مانگ رہی ہیں۔پھر فرمایا:اے ابوحمزہ!ہمیں جانوروں کی بولیوں کا علم عطا ہوا ہے اور ہم ہر چیز کے عالم من عنداللہ ہیں۔(۲)

۸۔جانوروں سے ہمدردی

الاختصاص میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ امام علی بن الحسینؑ اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ کے راستہ میں تھے کہ ایک لومڑی آپ کے قریب سے گذری آپ کے ساتھی صبح کے ناشتے میں مصروف تھے تو امام نے فرمایا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ تم لوگ خدا سے عہد کرو کہ اس لومڑی کو پریشان نہ کرو گے یہاں تک کہ وہ میرے پاس آجائے۔

سب نے وعدہ کیا کہ ہم کچھ نہ کہیں گے۔

امام نے اس لومڑی کو اپنے قریب بلایا تو وہ آکر چلانے لگی۔آپ نے اس کے سامنے گوشت لگی ہڈی ڈالی اور اس کی طرف سے رخ پھیر لیا تا کہ وہ اسے کھالے اور امام نے پھر ان سب سے لومڑی کو پریشان نہ کرنے کا عہد لیا اور سب سے عہد کر لیا تاہم ایک شخص لومڑی پر جھپٹ پڑا۔

امام نے فرمایا:تم میں وہ کون ہے جس نے بدعہدی کی اور اپنے عہد کو توڑ کر اللہ کا گناہ گار ہوا۔وہ شخص خود ہی کہنے لگا کہ فرزند رسولؐ!مجھ سے یہ غلطی سرزد ہوئی تھی کہ میں نے اس کو پریشان کیا۔اب میں اللہ سے اپنے اس گناہ کی معافی کا طالب ہوں۔یہ سن کر امام خاموش ہو گئے۔(۳)

---

(۱)البصائر،حصہ/۴،باب/۲،دلائل الامامۃ/۸۸ (۲)مناقب شہر آشوب،ج/۲،ص/۲۷۶ (۳)مناقب،ج/۲،ص/۲۸۲

۹۔جانوروں سے شفقت

الخرائج والجرائح میں حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ میرے پدر بزرگوار اپنے اہل بیت اور اصحاب کے ساتھ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور دسترخوان بچھانے کا حکم دیا۔ جب دسترخوان بچھا دیا گیا اور سب لوگ چاہتے تھے کہ کھانا شروع کریں تو جنگل کا ایک ہرن آ گیا جو اپنی بولی میں کچھ کہنے لگا اور امام کے قریب پہنچ گیا۔ کسی نے کہا: فرزند رسولؐ یہ ہرن کیا کہہ رہا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ یہ اپنی بھوک کی شکایت کر رہا ہے کہ میں تین دن سے بھوکا ہوں۔ تم لوگ اس کو ہاتھ نہ لگانا، میں چاہتا ہوں کہ یہ ہم سب کے ساتھ کھانا کھائے

انھوں نے اقرار کیا کہ بیشک ہم کچھ نہ کہیں گے۔

آپ نے اسے بلایا تو وہ آ گیا اور سب کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گیا۔ اسی دوران میں ایک شخص نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیا تو وہ ڈر کر بھاگ کھڑا ہوا۔ امامؑ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم نے اس بات کی ضمانت نہیں دی تھی کہ تم اسے کچھ نہ کہو گے۔

اس شخص نے قسم کھا کر کہا کہ قطعاً کسی برائی کا ارادہ نہ تھا۔

امامؑ نے ہرن سے فرمایا کہ کوئی بات نہیں واپس آ جاؤ۔ وہ فوراً ہی لوٹ آیا اور کھانا کھانے لگا۔ یہاں تک کہ وہ شکم سیر ہو گیا۔ پھر اس نے کچھ کہا اور چلا گیا۔ جس پر وہ لوگ کہنے لگے: فرزند رسولؐ! اس نے کیا کہا۔

امام نے فرمایا کہ تمہارے حق میں دعائے خیر کرتا ہوا گیا ہے۔

۱۰۔ایک ہرنی کی فریاد

بسند جناب جابر حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ امام علی بن الحسینؑ اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک جنگلی ہرنی خدمت امام میں حاضر ہوئی اور آپ کے پاس آ کر اپنی زبان میں کچھ بولنے لگی۔

کسی نے عرض کیا کہ فرزند رسولؐ! یہ ہرنی کیا کہتی ہے؟

آپ نے فرمایا کہ یہ کہتی ہے کہ قریش کا فلاں آدمی کل میرے بچے کو پکڑ کر لے گیا ہے اور اس نے

کل سے دودھ بھی نہیں پیا ہے۔ یہ کہہ کر خاموش ہوگئی۔آپ نے اس شخص کے پاس پیغام بھیجا کہ اس کا بچہ میرے پاس لے آؤ۔اس کی جو قیمت چاہو مجھ سے لے لو۔

چنانچہ وہ بچہ لے کر آیا۔ ہرنی نے اپنے بچے کو دیکھا تو امام سے کچھ کہا اور ہاتھوں سے کچھ اشارہ بھی کیا اور اسے دودھ پلایا۔

حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ میرے پدر بزرگوار نے اس بچے کو ہرنی کے سپرد کر دیا اور اسی کی بولی میں کلام کیا۔ وہ دونوں چلے گئے ۔تو اصحاب نے عرض کیا کہ فرزند رسولؐ! یہ ہرنی کیا کہہ رہی تھی۔

امامؑ نے فرمایا کہ وہ تمہارے حق میں خدا سے دعا کر رہے تھی اور جزائے خیر کی طلب گار تھی۔(۱)

۱۱۔ارشادنبوی کا مذاق اڑانے پر سزا کا ملنا

جناب جابر سے مروی ہے کہ حضرت زین العابدینؑ نے فرمایا کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں کے ساتھ کون سا طرز عمل اختیار کریں۔اگر ہم ان سے آنحضرتؐ کی کوئی حدیث بیان کرتے ہیں تو وہ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں اور اگر ہم خاموشی اختیار کرتے ہیں تو یہ بات ہمارے لئے ممکن نہیں۔

یہ سن کر ضمرہ بن سعد نے کہا کہ آپ کچھ ارشاد تو فرمائیں۔

امامؑ نے ارشاد فرمایا کیا تم سمجھتے ہو کہ خدا کا دشمن جب اپنے تخت پر بیٹھتا ہے تو تخت کیا کہتا ہے۔

ضمرہ نے کہا: ہمیں تو معلوم نہیں۔

امامؑ نے فرمایا کہ وہ کہتا ہے ''میں اسے اٹھائے ہوئے ہوں'' کیا تم نہیں سنتے کہ میں تم سے اس دشمن خدا کی شکایت کر رہا ہوں جو مجھے دھوکا دیتا ہے اور میرا حوالہ دیتا ہے پھر بھی میری بات کو پیش نہیں کرتا اور میں تم سے اپنے ان بھائیوں کی شکایت کرتا ہوں جنہیں میں نے اپنا بھائی بنایا لیکن انہوں نے میری مدد چھوڑی اور میں تم سے اولاد کی شکایت کرتا ہوں جن کی میں نے حفاظت کی اور انہیں بچایا لیکن وہ مجھے چھوڑ بیٹھے اور میں تم سے اس گھر کی شکایت کرتا ہوں جس پر میں نے اپنا مال خرچ کیا۔لیکن اس کے رہنے والے مجھ سے بیگانہ ہو گئے ۔اب تم میرے رفیق بنو اور عجلت سے کام نہ لو۔

---

(۱)الاختصا/۲۹۹،بصائرالدرجات،باب/۱۵،حصہ/۷،مناقب ابن شہرآشوب،ج/۳،ص/۲۸۳

یہ سن کرضمرہ نے کہا اے ابوالحسنؑ !اگر وہ دشمن خدا ایسی بات کرتا ہے تو قریب ہے کہ وہ ان لوگوں کی گردنوں پر چڑھ بیٹھے جو اسے اکساتے ہوں۔

امامؑ نے فرمایا کہ پروردگارا! اے ضمرہ! تیرے رسول کی خدمت کا مذاق اڑا رہا ہے ۔لہٰذا اسے حسرت واندوہ کی گرفت میں لے۔

راوی کا بیان ہے کہ وہ چالیس دن زندہ رہا اور مرگیا۔اس کے دفن کے بعد اس کا آقا امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فلاں! کہاں سے آرہے ہو؟

اس نے کہا ضمرہ کے جنازے میں شرکت کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ جب اس کی تکفین وغیرہ ہو چکی تو میں نے اپنا منہ اس کی لاش پر رکھ دیا اور اس کی آواز سنی جو اس طرح کی تھی جیسے میں اس کی زندگی میں سنتا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اے ضمرہ بن معبد! تو ہلاک ہوا اور آج تیرے ہر دوست نے تیرا ساتھ چھوڑ دیا اور تیرا اٹھکانہ جہنم ٹھہر گیا جو تیرا ابدی مقام بن گیا ہے۔

یہ سن کر امامؑ نے فرمایا کہ میں خدا سے عافیت کا طالب ہوں۔ یہ اس شخص کے جرم کا بدلہ ہے جو حدیث رسولؐ کا مذاق اڑاتا تھا۔(۱)

۱۲۔ بھیڑیے کی امداد کرنا

منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام علی بن الحسینؑ اپنی ذاتی زمینوں کی طرف تشریف لے جارہے تھے کہ ایک بھیڑیا سامنے آیا جس کے جسم پر بال نہ تھے اور ڈراؤنی شکل کا تھا۔ وہ آنے جانے والوں کے لئے خوف وہراس کا باعث بنا ہوا تھا۔ وہ بھیڑیا امامؑ کے پاس جا پہنچا اور اس نے اپنی آواز میں آپ سے کچھ کہا۔

امامؑ نے فرمایا: تو واپس چلا جا انشاللہ میں تیرا کام کردوں گا۔

یہ سن کر وہ چلا گیا اور لوگوں نے پوچھا کہ حضور! اس بھیڑیے نے آپ سے کیا عرض کیا تھا اور اس کا کیا کام رکا ہوا ہے؟

(۱) الکافی، ج/۳، ص/۲۳۴

امامؑ نے فرمایا کہ وہ یہ کہتا تھا کہ میری مادہ پر زچگی دشوار ہورہی ہے لہٰذا میری اوراس کی مشکل حل فرمایئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے تا کہ جلد ہی مشکل آسان ہوجائے اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اور میری نسل کا کوئی بھیڑیا آپ کے کسی محبّ کو نقصان نہ پہنچائے گا۔

چنانچہ میں نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی ہے۔(۱)

۱۳۔قتل امامؑ سے گریز کرنا

مروی ہے کہ حجاج بن یوسف نے عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ اگر تو اپنی حکومت کو باقی اور قائم رکھنا چاہتا ہے تو امام زین العابدینؑ کو قتل کردے۔

عبدالملک نے جواب میں لکھا کہ مجھے بنی ہاشم کے خون بہانے سے دور ہی رکھو اور تم بھی اس کام سے گریز کرو۔ میں نے ابوسفیان کی اولاد کو دیکھ لیا ہے کہ جب وہ اس شوق میں آگے بڑھ گئے تو خداوند عالم نے بہت جلد ان کی حکومت کا خاتمہ کردیا۔

عبدالملک نے اس خط کو جناب امام زین العابدینؑ سے مخفی طور پر روانہ کیا۔ چنانچہ امامؑ نے بھی اسی وقت عبدالملک کو ایک خط تحریر فرمادیا جس وقت اس نے حجاج کو لکھا۔ امامؑ کے خط کا مضمون تھا کہ:

''مجھے معلوم ہے کہ جو کچھ تو نے حجاج کے خط کے جواب میں بنی ہاشم کے خون نہ بہانے کے بارے میں تحریر کیا ہے۔ خدا تجھے اس نیکی کا بدلہ دے اور تیری سلطنت کو مضبوط کرے اور عمر میں اضافہ فرمائے۔''

امامؑ نے وہ خط اپنے غلام کے ہاتھ روانہ فرمایا اور وہ ساعت اور وقت بھی درج فرمادیا جس میں عبدالملک نے اپنا خط حجاج کے پاس بھیجا تھا۔ جب غلام وہاں پہنچا اور اسے وہ خط دیا، تو عبدالملک نے خط کی تاریخ کو دیکھا اور اسے اپنے خط کی تاریخ کے مطابق پایا جس پر اسے امامؑ کی صداقت کا یقین ہوگیا اور ان سے خوش ہوا اور دیناروں سے بھری ہوئی ایک وزنی تھیلی آپ کی خدمت میں روانہ کی اور درخواست کی کہ آپ اپنی اور اپنے اہل خانہ اور دوستوں کی ضروریات سے مطلع فرماتے رہیں۔

امامؑ کے خط میں یہ بھی تحریر تھا کہ میں نے خواب میں اپنے جدامجد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ

---

(۱)الخرائج والجرائح/۲۲۸

وسلم کو دیکھا ہے اور آنحضرتؐ نے ہی مجھے سب بتا دیا ہے جو کچھ میں نے تجھے خط میں تحریر کیا ہے اور اس بات کا شکریہ بھی ادا کیا ہے۔(۱)

۱۴۔جنّات اور اطاعت حکم امام

ابوالصباح کنانی سے مروی ہے کہ میں نے امام محمد باقرؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ابوخالد کابلی ایک عرصے تک امام علی بن الحسینؑ کی خدمت گذاری میں رہے۔

ایک بار انہیں ان کی ماں کی یاد نے بے چین کیا، تو انہوں نے امام سے رخصت کی اجازت چاہی۔ امامؑ نے فرمایا کہ کل ملک شام کا ایک بڑا دولت مند یہاں آئے گا جس کی لڑکی آسیب زدہ ہے۔ اس کو معالج کی ضرورت ہے۔ جب وہ یہاں وارد ہو، تو تم اس کو اطمینان دلانا اور کہنا کہ تیری بیٹی کا علاج دس ہزار درہم پر ہوسکتا ہے۔ وہ اس شرط پر رضامند ہو جائے گا۔

جب دوسرا دن ہوا تو وہ شامی اپنی بیٹی کو لے کر مدینہ پہنچ گیا۔ ابوخالد نے بموجب حکم امام اس سے علاج کے بارے میں مطمئن کر کے بتایا کہ تیری بیٹی کا مکمل علاج دس ہزار درہم پر ہوسکتا ہے۔ میں تجھے اطمینان دلاتا ہوں کہ پھر کبھی اس کو یہ مرض لاحق نہ ہوگا۔

یہ سن کر وہ شامی راضی ہو گیا مگر درہم علاج کے بعد دینے کو کہا۔

ابوخالد نے ساری بات امام کو بتائی۔

امامؑ نے فرمایا کہ وہ تجھے دھوکہ دے گا رقم اگر پہلے لے سکے، تو ٹھیک ہے۔

ابوخالد نے کہا: اس سے پختہ عہد لے لیا ہے۔

امامؑ نے کہا تم جانو اور جاؤ لڑکی کا بایاں کان پکڑ کر کہنا کہ اے خبیث امام علیؑ بن الحسینؑ فرماتے ہیں کہ اس لڑکی کو پریشان نہ کر۔ اگر تو اپنی خیریت چاہتا ہے تو اس سے فوراً جدا ہو کر کہیں اور کا رخ کر اور پھر کبھی اس کے پاس آنے کا ارادہ بھی نہ کرنا۔

چنانچہ ابوخالد ہدایات امامؑ کے مطابق گئے اور لڑکی کا کان پکڑ کر کہا۔ لڑکی صحت مند ہو گئی۔ ابوخالد

---

(۱) الخرائج والجرائح/۱۹۴

نے اس شامی سے رقم طلب کی تو اس نے بہانا بنا کر رقم نہ دی۔ابو خالد خدمت امامؑ میں آیا اور رقم نہ ملنے پر افسوس ظاہر کیا۔

آپ نے فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ وہ شخص تمہیں دھوکا دے گا۔لہٰذا تم اب مزید تاسف نہ کرو۔وہ جن اس لڑکی کی طرف پھر لوٹے گا۔جب اس کا باپ تمہارے پاس آئے تو اس سے کہنا کہ تو نے وعدہ خلافی کی ہے۔اس لئے میں نے اس جن کو دوبارہ تیری لڑکی کی طرف پلٹا دیا۔اب اگر تو علاج کرانا چاہتا ہے تو دس ہزار درہم امام علیؑ بن الحسینؑ کے پاس لاکر رکھ دے تو میں تیرا علاج بھی مکمل کر دوں گا اور وہ جن پھر کبھی لوٹ کر نہ آئے گا۔وہ لڑکی پھر بیمار ہوئی تو اس مرد شامی سے ابو خالد امام کی بتائی ہوئی باتوں کو کہا۔

شامی نے حسب وعدہ وہ رقم امامؑ کے پاس جمع کرادی۔

ابو خالد نے پہلے کی طرح لڑکی کا بایاں کان پکڑ کر وہ سب دہرادیا۔

چنانچہ وہ جن چلا گیا۔لڑکی تندرست ہوگئی۔وہ جن پھر کبھی نہ لوٹا۔

امام نے وہ رقم ابو خالد کو دے کر رخصت کیا کہ جا اب اپنی ماں کے پاس وطن واپس جا۔(۱)

۱۵۔ائمہ اور ان کے شیعہ ملت ابراہیمی پر ہیں

ابوفضل شیبانی نے امالی شیخ صدوقؒ میں اور ابو اسحٰق العدل طبری نے مناقب میں روایت کی ہے کہ حبابہ والبیہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی جبکہ میرا چہرہ برص سے داغدار تھا۔تو امامؑ کا دست شفا میرے چہرے پر لگا اور نشانات یکسر جاتے رہے۔وہ مزید کہتی ہیں کہ پھر آپ نے ارشاد فرمایا اے حبابہ ہم اور! ہمارے شیعوں کے علاوہ ملت ابراہیمی پر کوئی قائم نہیں۔جتنے لوگ ہیں سب ہی اس سے بے تعلق ہیں۔(۲)

۱۶۔خدمت امامؑ میں فرشتے بھی حاضر ہوتے ہیں

ابوحمزہ ثمالی سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت امام زین العابدینؑ کی خدمت میں

---

(۱)الخرائج والجرائح/۱۹۵ (۲)مناقب بن شہر آشوب،ج/۳،ص/۲۷۶

حاضر ہوااور کچھ دیر تک بیت الشرف میں انتظار کے بعد امامؑ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ کچھ اٹھا رہے ہیں اور پردے کے پیچھے ہاتھ بڑھا کر کسی کو دے رہے ہیں۔

میں نے عرض کیا میں آپ کے قربان جاؤں یہ تو فرمائیے کہ جو کچھ میں نے آپ کو اٹھاتے ہوئے دیکھا ہے وہ کیا چیز ہے؟

امامؑ نے فرمایا اے ابوحمزہ! وہ فرشتوں کے بال و پروں کا رواں ہے۔

میں نے عرض کیا، کیا فرشتے آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا ان کا تو ہمارے گاؤ تکیہ کے پاس اجتماع رہتا ہے۔(۱)

۱۷۔کنکریوں کا یاقوت بن جانا

اُم سلیم سے مروی ہے وہ کہتی ہیں کہ میں ایک بار حضرت امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے فرمایا اے اُم سلیم! مجھے کچھ کنکریاں لا کر دو۔ میں نے حکم امامؑ کی تعمیل کی۔ آپ نے ان کنکریوں کو مسل کر مثل آٹے کے بنا دیا پھر اس آٹے کو گوندھ کر سرخ یاقوت بنا دیا۔

پھر آپ اپنے بیت الشرف کے صحن میں تشریف لے گئے اور مجھے بلایا، جب میں حاضر ہوئی تو میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنا دست راست اٹھایا ہی تھا کہ تمام در و دیوار شہر سڑکیں اور عمارتیں وغیرہ لرز کر شگافتہ ہو گئیں اور مجھے امامؑ کا دست مبارک نظر نہ آتا تھا اس کے بعد آپ نے مجھے ایک بٹوہ عنایت فرمایا جس میں بہت سے دینار اور سونے کے بندے تھے۔ میں نے بغور دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ تو میرے بندے ڈبیہ اور دینار اور بٹوہ ہے جو میرے مکان میں رکھے تھے۔(۲)

۱۸۔امام محمد باقرؑ کا کنویں میں گرنا

منقول ہے کہ ایک بار حضرت امام زین العابدینؑ نماز میں مصروف تھے اور آپ کے فرزند امام محمد باقرؑ کمسنی میں گھر کے کنویں میں گر گئے۔ جب آپ کی والدہ ماجدہ نے دیکھا تو گریہ وزاری میں مصروف ہو گئیں اور فریاد شروع کر دی کہ اے فرزند رسولؐ! آپ کے فرزند کنویں میں گر گئے۔

---

(۱) مناقب بن شہر آشوب، ج/۳، ص/۲۷۷، الکافی، ج/۱، ص/۳۹۳ (۲) مناقب بن شہر آشوب، ج/۳، ص/۲۷۷

جناب امام زین العابدینؑ نماز ہی میں مصروف رہے حالانکہ آہ وبکا کی آواز آپ تک پہنچ رہی ہوگی اور بیٹے کا معاملہ ہونے کے باوجود امامؑ مصلے سے نہیں اٹھے۔ کافی دیر گذرنے پر جب ان معظّمہ نے امامؑ کو آتے ہوئے نہ دیکھا تو خود آپ کے پاس پہنچ گئیں اور کہنے لگیں کہ اے اہل بیت رسول! آپ کے دل اولاد کی طرف سے کس قدر سخت ہوگئے ہیں کہ فرزند کنویں میں گر گیا اور آپ اس کی خبر نہیں لیتے اور نماز ہی میں مشغول ہیں۔

امامؑ اسی طرح نماز میں مصروف رہے۔ جب آپ نماز تمام کر چکے تو مصلے سے اٹھے اور کنویں پر بیٹھ کر اپنا ہاتھ کنویں میں ڈال دیا جبکہ کنواں کافی گہرا تھا اس کے باوجود آپ نے فرزند کا ہاتھ پکڑ کر نکال لیا (جو مسکراتے ہوئے کنویں سے برآمد ہوئے درآنحالیکہ آپ کے کپڑے تک نہ بھیگے) اور اپنی زوجۂ مکرمہ سے مخاطب ہوکر فرمایا اے کمزور یقین والی! یہ لو اپنے فرزند کو (کیا تمہیں اللہ پر اتنا یقین نہیں کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا جب کہ تمہارا یہ بیٹا امام بھی ہونے والا ہے) یہ سن کر آپ کی زوجۂ مکرمہ کبیدہ خاطر ہوکر رونے لگیں۔

امام نے ان کو سمجھانا شروع کیا اور فرمایا کہ اگر تم یہ سمجھ لیتیں کہ میں اس جبار و بے نیاز قادر مطلق کی بارگاہ میں حاضر تھا بھلا فرزند کی وجہ سے کس طرح اس مالک حقیقی سے اپنا منہ پھیر کر فرزند کی طرف متوجہ ہوجاتا تو وہ بھی مجھ سے بے رخی اختیار کر لیتا اس کے بعد تمہیں کوئی اور اس سے زیادہ رحیم وکریم مل سکتا ہے۔(۱)

۱۹۔امام ہی تبرکات انبیاء کا وارث ہوتا ہے

روضۃ الواعظین میں سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ ابوخالد کابلی کہتے ہیں کہ میں امام زین العابدینؑ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوا کہ امامؑ کی خدمت میں عرض پرداز ہوں کہ مولا! کیا آپ کے پاس آنحضرتؐ کے اسلحہ جات وغیرہ موجود ہیں؟ لیکن قبل از معروض آپ نے فرمایا: اے ابوخالد! تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں آنحضرتؐ کے اسلحہ جات دکھاؤں میں نے عرض کیا کہ فرزند رسولؐ! میں تو اسی غرض سے حاضر ہوا تھا۔ آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔

اس کے بعد امامؑ نے جامہ دان منگایا اور آنحضرتؐ کی انگوٹھی دکھائی پھر زرہ نکال کر دکھائی اور تلوار میرے سامنے رکھ دی اور فرمایا بخدا یہ وہ ذوالفقار ہے۔ پھر آنحضرتؐ کا عمامہ نکالا اور فرمایا یہ سحاب ہے اس کے

(۱) مناقب بن شہر آشوب، ج/۳، ص/۲۷۸

بعد آنحضرتؐ کا علم دکھایا اور فرمایا یہ عقاب ہے۔ پھر عصا نکال کر فرمایا یہ سب ہے اور نعلین مبارک دکھائیں، ردا نکال کر فرمایا اس ردا کو پہن کر آپؐ جمعہ کے دن خطبہ فرماتے تھے۔ الغرض امامؑ مجھے دوسرے تبرکات بھی دکھانے لگے۔ میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان ہو جاؤں یہی بہت کافی ہے۔

۲۰۔ تسبیح اعظم کے اوصاف

زہری نے سعد بن مسیّب سے روایت کی ہے حج کے بعد اس وقت تک لوگ مکہ سے باہر نہ جاتے تھے جب تک امام زین العابدینؑ وہاں سے روانہ نہ ہو جاتے تھے۔

ایک مرتبہ امامؑ مکے سے روانہ ہوئے تو میں بھی آپ کے ہمراہ ہو گیا۔ آپ نے ایک جگہ قیام فرمایا اور دو رکعت نماز پڑھی اور جب سجدہ میں تسبیح الٰہی کا ورد فرمایا تو کوئی درخت اور مٹی کا ڈھیلا یا پتھر کا ٹکڑا تک ایسا نہ تھا جو آپ کے ساتھ تسبیح میں شریک نہ ہو۔ چنانچہ یہ دیکھ کر میں خوف زدہ سا ہو گیا۔

کچھ دیر کے بعد جب امامؑ نے سجدے سے سر اٹھایا تو مجھ سے دریافت فرمایا کہ سعید کیا تم ڈر گئے؟

میں نے عرض کیا کہ فرزند رسولؐ! واقعی مجھ پر خوف طاری ہو گیا تھا۔

امامؑ نے فرمایا کہ یہ تسبیح اعظم ہے۔(۱)

۲۱۔ صحیفۂ سجادیہ کا اعجاز

بصرے کے ایک فصیح مقرر کے سامنے صحیفۂ کاملہ (صحیفۂ سجادیہ) کا ذکر آ گیا تو وہ کہنے لگا کہ یہ کیا بڑی بڑی بات ہے لاؤ مجھ سے سیکھ لو میں تمہیں ایسا ہی کلام لکھائے دیتا ہوں، یہ کہہ کر اس نے ہاتھ میں قلم لیا اور خاموشی سے سر جھکائے رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سر ہی نہ اٹھا سکا اور اسی حالت میں مر گیا۔(۲)

۲۲۔ امامؑ اور حضرت خضرؑ کی ملاقات

ابو نعیم نے حلیہ میں ذکر کیا ہے ابو حمزہ ثمالی اور منذر ثوری نے امام علی بن الحسینؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک دن میں مدینہ سے باہر نکلا تو ایک دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا اتنے میں دیکھا کہ

(۱۔۲) مناقب ابن شہر آشوب، ج/۳، ص/۲۷۹

ایک شخص دوسفید کپڑے پہنے ہوئے ہے اور میری طرف بہت غور سے دیکھ رہا ہے۔

وہ بولا اے علی ابن الحسینؑ کیا بات ہے کہ میں آپ کو افسردہ اور رنجیدہ دیکھ رہا ہوں کیا آپ کو دنیا کی کوئی فکر لاحق ہے اگر ایسا ہے تو خداوند عالم ہر نیک و بد کو رزق دیتا ہے؟

امامؑ نے فرمایا کہ میرے رنج وافسوس کی وجہ یہ نہیں ہے اور یہ بات بالکل درست ہے کہ خدا ہر ایک کا رازق ہے۔

اس شخص نے کہا کیا آپ کو آخرت کے بارے میں فکر دامن گیر ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو یہ بھی پریشانی کی بات نہیں۔ اس لئے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے وہی اس دن فیصلہ کرنے والا ہے جو سب پر غالب ہے۔ پھر کس بات کا غم ہے۔

میں نے کہا کہ مجھے ابن زبیر کے فتنہ کا خوف ہے۔

یہ سن کر وہ شخص مسکرایا اور کہنے لگا کہ اے علی ابن الحسینؑ کیا آپ نے کسی کو دیکھا ہے کہ اس نے خدا کی ذات پر بھروسہ کیا ہو اور خدا نے اس کی مدد نہ کی ہو؟

میں نے کہا کہ ضرور مدد کی ہے۔

اس شخص نے کہا کیا آپ نے کسی کو دیکھا ہے کہ اس نے خوف خدا کو دل میں جگہ دی ہو اور پھر خدا نے اس کو نجات نہ دی ہو۔

میں نے کہا ضرور نجات دی ہے۔

اس شخص نے کہا کیا کوئی ایسا ہے جس نے خدا سے کسی چیز کا سوال کیا ہو اور خدا نے اسے ناامید کیا ہو؟

میں نے کہا نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔

امامؑ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ وہ شخص نظروں ہی میں غائب ہو گیا اور وہ حضرت خضرؑ تھے۔(۱)

۲۳۔ امامؑ کا پاپیادہ حج

ابراہیم بن ادہم اور فتح الموصلی دونوں نے بیان کیا ہے جن میں ہر ایک نے یہ کہا ہے کہ میں ایک جنگل

(۱) مناقب ابن شہر آشوب، ج/۳، ص/ ۲۷۹

جنگل میں قافلہ کے ہمراہ سفر کر رہا تھا کسی ضرورت کے تحت مجھے قافلے سے الگ ہونا پڑا۔ میں نے دیکھا کہ ایک کمسن لڑکا اس لق ودق صحرا میں تن تنہا رواں دواں ہے جو دنیا ومافیہا کے ہر خوف وخطر سے بے نیار ہے۔ لہٰذا میں اس لڑکے کے قریب پہنچا اور اسے سلام کیا اس نے جواب سلام دیا۔

میں نے دریافت کیا کہ صاحبزادے! کہاں کا ارادہ ہے۔

اس نے کہا اپنے رب کے گھر جا رہا ہوں۔

میں نے (رب کا نام سنا تو دل میں احترام پیدا ہوا) عرض کیا کہ آپ تو ابھی بچے ہیں۔ ابھی آپ پر کوئی چیز فرض ہے نہ سنت۔

انہوں نے فرمایا اے شیخ! کیا تم نے مجھ سے بھی کمسن بچوں کو مرتے ہوئے نہیں دیکھا؟

میں نے اثبات مین سر ہلا کر کہا جی ہاں دیکھا ہے۔ اچھا تو یہ فرمائیے آپ کا زادراہ اور سواری کہاں ہے؟

انہوں نے جواب دیا میرا زادراہ تقویٰ وپرہیزگاری ہے اور میری سواری میرے دونوں پاؤں ہیں اور میرا قصد وارادہ اپنے مولا وآقا کی طرف ہے۔

میں نے بہت زیادہ متاثر ہوکر عرض کی آپ کے پاس کھانے پینے کی بھی کوئی چیز نہیں ہے؟

انہوں نے جواب دیا اے شیخ! یہ بھی کوئی اچھی بات ہے کہ کوئی آپ کی دعوت کرے اپنے گھر بلائے اور آپ اپنے ہمراہ کھانا بھی لے جائیں۔

میں نے عرض کیا جی نہیں یہ بات تو واقعی اچھی نہ ہوگی (یہ جواب سن کر تو میں بہت ہی تعجب خیز اندار سے اور تھصانہ نظروں سے دیکھنے لگا)

انہوں نے فرمایا کہ جس نے مجھے طلب فرمایا ہے وہی مجھے کھانے کو دے گا۔

میں نے عرض کیا اچھا اب قدم ذرا تیزی سے بڑھائیے تا کہ حج کی سعادت نصیب ہو سکے۔

انہوں نے جواب دیا میرا کام کوشش کرنا ہے اور منزل پر پہنچانا صاحب خانہ وصاحب منزل اور میزبان کا کام ہے۔

ابھی ان لوگوں میں گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک نہایت خوبصورت جوان سفید لباس میں ملبوس آیا اور

ان صاحبزادے کو گلے سے لگایا اور سلام کیا۔

میں اس نوجوان کے پاس گیا اور عرض کیا کہ میں آپ کو اس ذات کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جس نے آپ کو بہتر خلعت وجود عطا فرمایا ہے کہ یہ صاحبزادے کون ہیں؟

اس جوان نے کہا کیا تم انھیں نہیں پہچانتے۔ یہ تو علی بن الحسینؑ بن علی بن ابی طالبؑ ہیں۔

اس تعارف کے بعد میں ان حضرت کے پاس گیا اور عرض کیا یا حضرت! آپ کو آپ کے آبائے طاہرین کا واسطہ یہ فرمائے کہ یہ جوان کون ہیں۔

آپ نے فرمایا کیا تم انہیں نہیں پہچانتے؟ یہ میرے بھائی خضرؑ ہیں یہ ہمارے پاس روزانہ آ کر سلام کرتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ آپ کو آپ کے آباؤ اجداد طاہرین کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ آپ نے مجھ سے یہ نہیں فرمایا کہ اس بیابان جنگل میں زادراہ کیا ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے ساتھ زادراہ میں چار چیزیں ہیں۔

(۱) یہ کہ میں تمام دنیا کو خدائے تعالیٰ کی مملکت سمجھتا ہوں

(۲) ساری مخلوق کو خدا کے غلام و کنیزیں اور اسکے عیال

(۳) تمام اسباب اور رزق خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں

(۴) اسی کے حکم کو تمام روئے زمین پر نافذ جانتا ہوں

میں نے عرض کیا کہ آپ کا زادراہ کتنا بہترین ہے کہ اس زادراہ سے تو آپ میدان آخرت بھی بہ آسانی طے فرمالیں گے بھلا اس کے سامنے اس بیابان کی حقیقت ہی کیا ہے۔(۱)

۲۴۔ امام محمد باقرؑ کے نشر علوم کی پیشین گوئی

قاسم بن عوف کا بیان ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کیا ہے کہ سواری کو کجاوہ سے باندھ دیا جائے بلکہ علم کی طرف توجہ کرو۔ ہمارا تو مقصود ہی علم ہے۔ میری وفات کے بعد سات سال گذریں

(۱) مناقب ابن شہر آشوب، ج/۳، ص/۲۸۰

گے کہ خداوند عالم حضرت فاطمہ زہراؑ کی اولاد سے ایک لڑکے کو بھیجے گا کہ جس کے سینہ میں علوم وحکمت بھری ہوگی اور دنیا والے اس سے کشت زار کی طرح مستفیض ہوں گے۔

راوی کا بیان ہے کہ جب امامؑ رحلت فرما گئے تو ہم نے سال مہینے اور دنوں کو شمار کیا تو ایک دن کم ہوا نہ زیادہ کہ حضرت محمد باقرؑ نے علوم وحکمت کے دریا بہا دیئے۔(۱)

۲۵۔ چور کو عبرت ناک سزا

جناب ابوجعفر سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام علی بن الحسینؑ حج کے ارادے سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے اور مکہ ومدینہ کے درمیان ایک وادی میں پہنچے تھے کہ ایک ڈاکو نے آپ کا راستہ روک لیا اور امامؑ سے کہنے لگا کہ سواری سے نیچے اتر آیئے۔

آپ نے دریافت فرمایا کیوں؟

اس نے کہا آپ کو قتل کرنا چاہتا ہوں اور پھر آپ کا سب مال میں لے لوں گا۔

آپ نے جواب دیا میں تمہیں اپنے مال میں شریک کئے لیتا ہوں تا کہ یہ مال تمہارے لئے جائز ہو جائے۔

اس نے کہا جی نہیں مجھے آپ کا سارا مال چاہیئے ہے تا کہ میں اس سے مطمئن ہو کر تصرف میں لے آؤں۔

آپ نے اس بات سے انکار کیا اور دریافت فرمایا تیرا پروردگار کہاں ہے؟

اس نے کہا وہ سو رہا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ فوراً دو شیر نمودار ہوئے۔ ایک نے اس چور (ڈاکو) کا سر دبوچ لیا اور دوسرے نے اس کی ٹانگیں پکڑ لیں۔ تو امام علیہ السلام نے فرمایا تیرا تو یہ خیال تھا کہ تیرا پروردگار سو رہا ہے۔(۲)

۲۶۔ وسعت علم اور امام علیہ السلام

محمد بن علی صاحب کتاب الانبیاء والاولیاء میں آدم الی المہدیؑ نے حضرت امام علی بن الحسینؑ کے بارے

---

(۱) معرفۃ اخبار الرجال، ص/۸۳ (۱) امالی بن شیخ طوسی/ ۶۰۵، مطبوعہ ایران

میں تحریر کیا ہے کہ ایک شخص خدمت امامؑ میں حاضر ہوا۔اس وقت آپ کے پاس آپ کے اصحاب کا اجتماع تھا۔

امامؑ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟

اس نے عرض کیا میں ایک ماہر علم نجوم ہوں۔

آپ نے اس پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا کیا میں تجھے ایسے شخص کے بارے میں بتاؤں کہ جب سے تو یہاں آیا ہے اس نے چودہ ہزار عالموں کی سیر کر لی۔

اس نے کہا بتایئے وہ کون شخص ہے؟

آپ نے فرمایا اس کے بارے میں تجھے کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھتا البتہ اگر تو چاہے تو میں تجھے بتادوں کہ تو نے آج کیا کھایا ہے اور اپنے گھر میں کیا کیا اشیاء ذخیرہ کر رکھی ہے۔

اس نجومی نے کہا اچھا بتایئے۔

امامؑ نے فرمایا آج تو نے پنیر کھایا ہے اور تیرے گھر میں بیس (۲۰) دینار رکھے ہیں جن میں تین دینار وزن کے لحاظ سے پورے ہیں۔

یہ سن کر وہ کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کی طرف سے عظیم ترین حجت، اس کا اعلیٰ نمونہ اور کلمۂ تقویٰ ہیں۔

امامؑ نے فرمایا کہ میں بھی تیری صداقت کی گواہی دیتا ہوں۔خدا نے تیرے دل کا امتحان ایمان سے لیا اور اس کی تصدیق کر دی۔(۱)

۲۷۔وقت رحلت سے آگہی

محمد بن جریر طبری نے کتاب الامامتہ میں تحریر کیا ہے کہ جب حضرت امام علی بن الحسینؑ کی دنیا سے رحلت کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے فرزند حضرت امام محمد باقرؑ سے مخاطب ہو کر دریافت فرمایا۔

بیٹا آج کون سی رات ہے؟

امام محمد باقرؑ نے عرض کیا بابا جان آج فلاں شب ہے۔

---

(۱) فرج الہوم فی مصرفتہ الحلال والحرام من علم نجوم/ ۱۱۱، مطبوعہ نجف اشرف

آپؑ نے فرمایا مہینے کے کتنے دن گذر چکے ہیں؟

امام محمد باقرؑ نے بتایا کہ اتنے دن گذر چکے ہیں۔

آپ نے ارشاد فرما کر وضو کیلئے پانی طلب کیا جب پانی آ گیا تو فرمایا کہ اس میں چوہا پڑا ہوا ہے چنانچہ بعض لوگ کہنے لگے کہ شدید مرض کی شدت کی وجہ سے ایسا فرما رہے ہیں۔لیکن جب چراغ کی روشنی میں دیکھا تو واقعی اس میں چوہا پڑا ہوا تھا۔کنیز نے اس پانی کو پھینک کر دوسرا پانی لا کر دیا،آپؑ نے وضو فرما کر نماز پڑھی۔جب رات تمام ہونے لگی تو امامؑ نے رحلت فرمائی۔(۱)

---

(۱)فرج الہموم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

(باب ہفتم)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

☆ولادت　یکم رجب المرجب ۵۷ھ یوم جمعہ مدینہ منورہ

☆وفات　۷/ذی الحجہ ۱۱۴ھ یوم دوشنبہ مدینہ منورہ

☆والد　حضرت سید الساجدین زین العابدین علیہ السلام

☆والدہ　اُم عبداللہ فاطمہ، ام فروہ، ام حکیم، لیلیٰ، ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر جن کے بیٹے امام جعفر صادقؑ ہیں۔

☆ازواج　چار بیویاں تھیں۔

☆بیٹے　چھ۔ جن میں امام جعفر صادقؑ حیات رہے۔

☆بیٹی　ایک

حالات حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام رسولِ خدا محمد مصطفیٰؐ کے پانچویں جانشین اور انوار معصومین کی ساتویں کڑی ہیں ۔ آپ کے والد حضرت سید السّاجدین زین العابدین علیہ السلام امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادے تھے اور والدہ ام عبداللہ فاطمہؑ تھیں حضرت امام حسن علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں ۔ اس طرح امام محمد باقر علیہ السلام پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰؐ کے بلند کمالات اور علیؑ و فاطمہؑ کی نسل کے پاک خصوصیات کے وارث ہوئے ۔ آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، عالم زمانہ اور افضل کائنات تھے ۔

علماء کا اتفاق ہے کہ '' آپ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے علوی اور نجیب الطرفین ہاشمی تھے ۔ نسب کا یہ شرف کسی کو بھی نہیں ملا'' ۔(۱)

آپ کی ولادت باسعادت

آپ کی ولادت یکم رجب المرجب ۵۷ھ یوم جمعہ مدینہ منوّرہ میں ہوئی، بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد باقرؑ کی تاریخ ولادت ماہ صفر ۵۷ھ کی تیسری تاریخ ہے ۔

علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ '' جب آپ بطن مادر میں تشریف لائے تو آباء واجداد کی طرح آپ کے گھر میں آواز غیب آنے لگی اور جب نو ماہ کے ہوئے تو فرشتوں کی بے انتہاء آوازیں آنے لگیں ۔ شب ولادت ایک نور ساطع ہوا ۔ ولادت کے بعد قبلہ رو ہو کر آسمان کی طرف رخ فرمایا ۔ اور (آدم کی مانند) تین بار چھینکنے کے بعد حمد خدا بجا لائے ، ایک شبانہ روز دست مبارک سے نور ساطع رہا ۔ آپ مختون کردہ، ناف بریدہ، تمام آلائشوں سے پاک اور صاف متولد ہوئے تھے'' (۲)

نقش خاتم

امالی میں حسین بن خالد سے منقول ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ امام حسینؑ کی مہر

(۱) صواعق محرقہ، ص/ ۱۲۰، ومطالب السئول، ص/ ۲۶۹ (۲) جلاء العیون، ص/ ۲۵۹، چودہ ستارے، ص/ ۳۱۲

اور انگشتری کا نقش ''اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ '' تھا اور امام زین العابدینؑ اپنے پدر بزرگوار امام حسینؑ کی انگشتری پہنتے تھے اور امام محمد باقرؑ نے بھی اپنے جد بزرگوار امام حسینؑ کی انگوٹھی پہنی جس پر وہی نقش کنندہ تھا۔(۱)

مکارم الاخلاق کی کتاب اللباس میں امام جعفر صادقؑ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ امام محمد باقرؑ کی انگوٹھی کا نقش ''اَلْعِزَّۃُ لِلّٰہِ جَمِیْعاً '' تھا۔(۲)

اسم گرامی، کنیت و القاب

آپ کا اسم گرامی ''لوح محفوظ'' کے مطابق اور سرور کائنات کے نام پر ''محمد'' تھا اور کنیت ''ابو جعفر'' تھی آپ کے القاب بہت سے تھے جن میں باقر، شاکر، ہادی، زیادہ مشہور ہیں۔ اس لئے محمد باقر کے نام سے زیادہ مشہور ہوئے۔

لقب باقر کی توجیہ

کشف الغمہ میں مذکور ہے کہ حضرت امام کا سم مبارک محمد اور کنیت ابو جعفر تھی اور آپ کے تین القاب تھے ''باقر العلم'' شاکر اور ہادی جن میں باقر بہت زیادہ مشہور ہے جس کی یہ وجہ ہے کہ آپ نے علم کو شگافتہ کیا اور اسے وسعت دی''(۳)

''الارشاد میں جناب جابر بن عبداللہ سے منقول ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم زندہ رہو گے یہاں تک کہ تم میرے ایک فرزند سے ملو گے جو حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوگا اور جس کا نام محمد ہوگا وہ علم دین کو وسعت دے گا جب تم اس سے ملو تو اسے میرا اسلام کہنا۔''(۴)

''حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو اس لقب سے اس لیے ملقب کیا گیا تھا کہ آپ نے علوم و معارف کو نمایاں فرمایا اور حقائق احکام و حکمت و لطائف کے وہ سر بستہ خزانے ظاہر فرما دیئے جو لوگوں پر ظاہر و ہویدا نہ تھے''۔(۵)

---

(۱) امالی الصدوق، ص/ ۴۵۸ (۲) مکارم الاخلاق، ص/ ۱۰۲، بحار الانوار، جلد ۴، ص/ ۱۴

(۳) کشف الغمہ، جلد ۶، ص/ ۳۱۸ (۴) الارشاد، ص/ ۲۸۰

(۵) صواعق محرقہ، ص ۱۲۰۔ مطالب السؤل، ص ۲۶۹، شواہد النبوت، ص ۱۸۱

آپ کا حلیہ مبارک

فصول المہمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ''امام محمد باقر علیہ السلام کا چہرہ درمیانی گندمی رنگ کا تھا۔''(۱)

لوح محفوظ میں امام محمد باقرؑ کا اندراج

کفایۃ الاثر میں زہری سے منقول ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں میں اس بیماری کے دوران میں حاضر ہوا جس میں حضرت نے رحلت فرمائی۔

زہری کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ فرزند رسولؐ! باقر العلم کے کیا معنی ہیں تو فرمایا کہ میرے خالص دوست اور پیروی کرنے والے ان کی طرف رجوع کریں گے اور یہ علم کو شگافتہ اور وسیع کریں گے۔ اس کے بعد حضرت امام نے اپنے فرزند امام محمد علیہ السلام کو ایک کام کے لئے بازار کی طرف روانہ کیا۔ جب صاحبزادے واپس آئے تو میں نے عرض کیا کہ فرزند رسولؐ کیا آپ نے اپنی اولاد میں سے سب سے بڑے کو وصیت نہیں فرمائی تو جواب دیا کہ اے ابوعبداللہ امامت کے لیے چھوٹے اور بڑے کا کوئی فرق نہیں اور ہمیں یہی حکم رسولؐ ملا ہے اور ایسا ہی ہم نے لوح اور صحیفہ میں لکھا ہوا دیکھا ہے میں نے پھر دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عہد کتنے افراد کے بارے میں ہے جو ان کے بعد وصی و جانشین ہوں گے۔ امام نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے لوح و صحیفہ میں بارہ نام لکھے ہوئے دیکھے ہیں اور ان کے ماں باپ کے نام بھی ان میں درج ہیں۔ آخر میں ارشاد فرمایا کہ میرے فرزند محمد باقرؑ کی نسل سے سات وصی ہوں گے جن میں حضرت امام مہدی (عجل اللہ فرجہ) بھی شامل ہیں۔''(۲)

وارثِ امامت کے تبرکات کا ملنا

''عیسیٰ بن عبداللہ نے اپنے والد اور دادا سے روایت کی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام اپنی رحلت کے وقت اپنے فرزندوں کی طرف متوجہ ہوئے جو آپ کے پاس جمع تھے۔ پھر آپ نے اپنے فرزند امام محمد باقر علیہ السلام کی طرف رخ کر کے فرمایا اے محمدؑ یہ ایک صندوق ہے اسے اپنے گھر لے جاؤ اور یہ سمجھ لو کہ اس

(۱) الفصول المہمہ، ص ۱۹۷ (۲) کفایۃ الاثر ص/۳۱۹۔ بحار الانوار، ج ۴، ص ۳۴

میں نہ دینار ہیں نہ درہم بلکہ یہ صندوق خزانہ علم سے معمور ہے۔''(۱)

وہ صندوق کافی بھاری تھا اس لئے چار آدمیوں نے مل کر اٹھایا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس میں رسولِ خدا کے تبرکات نبوت، اسلحہ اور کتابیں اور تحائف تھے۔

خرائج میں ابو خالد سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام زین العابدین علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آپ کے بعد کون امام ہوں گے تو فرمایا کہ میرے فرزند محمدؑ ہوں گے جو ہر طرف علم کو پھیلائیں گے۔(۲)

وصیتِ امام زین العابدین علیہ السلام

کفایۃ الاثر میں عثمان بن خالد نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ ایک بار امام زین العابدینؑ ایسے سخت بیمار ہوئے۔ چنانچہ حضرت امام نے اپنے آخری وقت اپنے فرزندوں امام محمد باقر، حسن، عبداللہ، عمر، زید اور حسین کو جمع کیا اور اپنے فرزند امام محمد باقرؑ کو وصیت فرمائی اور انہیں باقر کا لقب عطا کیا اور سب لوگوں کے معاملات کو امام محمد باقرؑ کے سپرد فرمایا اور اس طرح وصیت فرمائی کہ۔

''بیٹا! علم عقل کا راہ نما ہے اور عقل علم کی ترجمان ہے اور یہ جان لو کہ علم ایک بہتر محافظ ہے اور زبان بہت زیادہ غلط بیانی کرنے والی چیز ہے۔

بیٹا دنیا کی پوری کی پوری اچھائی دو باتوں میں آگئی ہے۔ یہ سمجھو کہ معیشت و معاشرت کی نیکی اور اصلاح کے چار حصے ہیں جس کا دو تہائی سمجھ بوجھ اور دانائی و ہوشیاری ہے اور ایک تہائی حصّہ بے التفاتی اور تغافل ہے اور انسان اسی چیز سے غفلت برتتا ہے جس سے واقفیت رکھتا ہے۔ بیٹا یہ بھی جان لو کہ زندگی گزارنے والے لمحات تمہاری زندگی کو کم کر رہے ہیں اور تمہیں کوئی نعمت اس وقت تک نہیں ملتی جب تک دوسری چلی نہ جائے۔ لہٰذا بڑی بڑی امیدوں اور آرزوں سے بچتے رہو۔ کتنے ایسی آرزو رکھنے والے لوگ ہیں جن کی آرزو پوری نہیں ہوتی اور کتنے ایسے مال کے جمع کرنے والے ہیں جنہوں نے اس میں سے کچھ بھی نہیں کھایا اور کتنے ایسے لوگ ہیں جو دل میں رنج لئے ہوئے دولت کو یوں ہی چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ شاید انھوں نے وہ مال ناجائز طور پر جمع کیا ہو اور کسی کا حق مار لیا ہو اور وہ مال حرام کی کمائی ہو، پھر اسے

(۱) البصائر جلد ۴، باب ۱، ص/۴۴۔ اعلام الوریٰ ص ۲۶۰ (۲) الخرائج والجرائح ص/ ۳۱۵

وراثت میں چھوڑا ہوا ایسے آدمی اس کا بوجھ اٹھائیں گے اور خدا کی طرف یہ بار لے کر جائیں گے یقیناً یہ ایک کھلا ہوا گھاٹا ہوگا۔'' (۱)

میری گذارش ہے کہ کل شیعہ مومنین کو امام زین العابدین علیہ السلام کی اس وصیت کو بار بار پڑھنا چاہئے اور اپنی زندگی کے ہر اچھے برے دور میں اپنے نیک عمل سے ثابت قدم رہ کر زندگی گزارنا چاہئے۔

واقعہ کربلا کے جہاد کا ناظر و مشاہد

تین برس کی عمر تک محمد باقر علیہ السلام اپنے جد بزرگوار حضرت امام حسینؑ کے زیر سایہ رہے۔ جب آپ کا سن پورے تین برس کا ہوا تو امام حسینؑ نے مدینہ سے سفر کیا اس کمسنی میں راستہ کی تکلیفیں اور کربلا کے مصائب کو برداشت کیا۔ یہ مرضیٔ الٰہی تھی کہ روز عاشورہ آپ کو قربانی کے میدان میں نہیں لایا گیا جب کہ آپ سے کم سن جناب علی اصغرؑ نے بھی شہادت پائی۔ قدرت کو سلسلۂ امامت کو برقرار رکھنا منظور تھا تا کہ نظام کائنات باقی رہے۔

آپ نے سارے حالات کو اپنی تیز بیں نگاہوں سے دیکھا اور پھر اسیری میں کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام اور شام سے مدینہ کے سفر کے دوران اپنی شیر دل پھوپھی اور کربلا کی بہادر خاتون کی شجاعت و دلیری اور اپنے پدر عالی قدر حضرت سید الساجدینؑ کے خطبوں اور ارشادات و ہدایات کا مشاہدہ فرمایا تھا۔ اسی وقت سے آپ نے شہادت و شجاعت و حرّیت کا درس اہل بیت عصمت وطہارت کے مصلح مکتب میں حاصل کیا اور اس پرافتخار پرچم کو بھی علم و دانش کے پرچم کے ساتھ اپنے دوش مبارک پر بلند کیا، اور آپ کو اس کا موقع ملا کہ خاص روحانی شہادت و شجاعت کے ساتھ مکتبی، عقیدتی اور علمی انقلاب کے پرچم کو بھی عالم اسلام میں سر بلند کریں اور برحق و بجا طور پر ''باقری یعنی علوم اسلامی کے شگافتہ کرنے والے'' کو حاصل کریں۔

عبادت، زہد و تقویٰ

آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح بے پناہ عبادت کرتے تھے۔ ساری رات نماز پڑھنے میں گزارتے اور سارا دن روزہ سے رہتے۔

(۱) کفایۃ الاثر، ص ۳۱۹۔ بحار الانوار، ج ۴۶، ص/ ۲۳

آپ کی زندگی زاہدانہ تھی ۔ بوریئے پر بیٹھتے تھے ۔ ہدایا جو آتے تھے اسے فقراء ومساکین پر تقسیم کردیتے تھے ۔غریبوں پر بے حد شفقت فرماتے تھے ۔تواضع اور فروتنی ،صبر وشکر، غلام نوازی ،صلہ رحم وغیرہ میں اپنی آپ نظیر تھے ۔آپ کی تمام آمدنی فقراء پر صرف ہوتی تھی ۔آپ فقیروں کی بڑی عزت کرتے تھے اور انہیں اچھے نام سے یاد کرتے تھے ۔(۱)

''علامہ جامی تحریر فرماتے ہیں کہ راوی بیان کرتا ہے کہ میں حج کے لیے جارہا تھا ، راستہ پرخطر اور انتہائی تاریک تھا۔ جب میں لق ودق صحرا میں پہنچا تو ایک طرف سے کچھ روشنی کی کرن نظر آئی میں اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ناگاہ ایک سات سالہ لڑکا میرے قریب آپہنچا میں نے سلام کا جواب دینے کے بعد اس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں کا ارادہ ہے ، اور آپ کے پاس زادِراہ کیا ہے۔اس نے جواب دیا، سنو، میں خدا کی طرف سے آرہا ہوں اور خدا کی طرف جارہا ہوں ، میرا زادِ راہ ''تقویٰ ہے ۔ میں عربی النسل ،قریشی خاندان کا علوی نزاد ہوں ۔ میرا نام محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہے ۔ یہ کہہ کر وہ نظروں سے غائب ہوگئے اور مجھے پتہ نہ چل سکا کہ آسمان کی طرف پرواز کر گئے یا زمین میں سما گئے ۔(۲)

آپ کی علمی حیثیت

امام محمد باقر علیہ السلام کے دورِامامت میں جو تقریباً ۱۸/اٹھارہ سال قائم رہا بنی امیّہ کے حسب ذیل پانچ بادشاہ ہوئے ۔

(۱)ولید بن عبدالملک (۲)سلیمان عبدالملک (۳)عمر بن عبدالعزیز

(۴)یزید بن عبدالملک (۵)ہشام بن عبدالملک ۔

جن میں سے عمر بن عبدالعزیز نسبۃً انصاف پسند شخص تھا۔ باقی سب کے سب ظلم وستمگری واستبداد اور من مانی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے والے تھے اور ہمارے پانچویں امامؑ کے بارے میں برابر سخت گیر رویہ رکھتے تھے اور مشکلات کا باعث بنے رہے ۔لیکن امام محمد باقرؑ نے ان مشکلات اور حد سے زیادہ

(۱) کشف الغمہ ،ص/ ۹۵ (۲)الصواعق المحرقہ ،ص/ ۱۲۰۔ حجۃ الاسلام، عقیقی بخشائش،سوانح حیات اہلبیت اطہارؑ (ایران)ص/ ۱۶۰

سختیوں میں محصور ہونے کے باوجود علوم ومعارف کی نشر واشاعت اور حقائق اسلامی کی تشریح وتوضیح میں ذرّہ برابر بھی کوتاہی نہیں فرمائی۔ آپ کی جد وجہد نے عظیم اسلامی دانشگاہ کی تاسیس کیلئے زمین ہموار کی اور اسباب فراہم کئے۔ آپ کے بہت سے دانشمند شاگرد جیسے محمد بن مسلم، جابر بن یزید، جعفی، زرارہ بن اعین اور ان کے بھائی حمران اور دوسرے بہت سے دانشمندوں نے آپ کے تربیتی مکتب میں علم حاصل کیا اور پھر امت اسلامیہ کی علمی رہنمائی اور فکری توجیہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

مورخ ''ابن حجر عسقلانی'' اس بارے میں لکھتے ہیں:۔

> ''محمد باقرؑ نے علوم ومعارف کے اتنے رموز واسرار کو آشکار کیا اور احکام و لطائف علوم نے اتنے حقائق بیان فرمائے ہیں کہ سوائے دلوں اور بصیرت کے اندھوں کے کوئی شخص ان کا انکار نہیں کرسکتا، اسی وجہ سے آپ نے علمی مشکلات کے شگافتہ کرنے والے (باقر علوم) اور علم و دانش کے پرچم کو سر بلند کرنے والے کا ''لقب حاصل کیا''۔

امام باقر علیہ السلام کے زمانے میں جب حالات سازگار ہوئے تو انھوں نے اپنے علم سے سینکڑوں کی تعداد میں لوگوں کو سیراب کیا۔ ان میں ایسے افراد بھی تھے جو عقیدۃً شیعہ نہ تھے اور جماعت اہلِ سنّت میں بلند مرتبہ رکھتے تھے جیسے زہری، امام اوزاعی، عطار بن جریح، قاضی حفظ بن غیاث وغیرہ۔ یہ سب امام محمد باقرؑ کے شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔ ایک عالم اہل سنّت، ''عبداللہ بن عطا'' نامی جو امام کے ہمعصر تھے اس بارے میں لکھتے ہیں۔

> '' میں نے علماء ودانشمندانِ اسلام کو بھی کسی محفل میں کمتر وحقیر تر نہیں دیکھا سوائے محمدؑ بن علیؑ کی محفل کے (کہ اس محفل میں سب کی حیثیت طفل مکتب کی ہوجاتی تھی۔) میں نے حکم بن عینیہ کو جو اس زمانہ کے مشہور ومعروف فقہاء میں سے ایک تھا امام محمد باقرؑ کی بزم میں ایسا پایا جیسے ایک طفل خردسال استاد عالی مقام کے سامنے جو امامؑ کے علم ودانش کے بحر

بیکراں سے کسب وتحصیل علوم ومعارف کے لئے حضرت کے سامنے زمین
پر زانوئے ادب تہہ کئے ہوئے ہو اور آپ کے بے نظیر کلام اور بے مثال
شخصیت پر شیفتہ و دیوانہ ہو گیا ہے۔''(۱)

علامہ شہر آشوب لکھتے ہیں کہ حضرت کا خود ارشاد ہے کہ **علمنا منطق الطیر و اوتینا من کل شئیٍ** "ہمیں طائروں تک کی زبان سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز کا علم عطا کیا گیا ہے"۔(۲)

امام محمد باقرؑ علوم ومعارف اور اپنی اسلامی دریافتوں کو قرآن مجید سے بطور الہام حاصل فرماتے تھے اور اپنے ارشادات اور تقریروں میں قرآن مجید کی نورانی آیات سے مدد لیتے اور نھیں بطور استدلال پیش فرماتے تھے اور اس آسمانی کتاب سے استشہاد فرماتے تھے اور اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

''میں جو مطلب بھی بیان کروں اس کے بارے میں تم مجھ سے پوچھ لیا کرو کہ یہ بات قرآن مجید میں کہاں ہے تا کہ میں اس مطلب سے مربوط آیت تمہیں بتا دوں۔

آپ سے خلفاء وقت کی عداوت کا سبب

واقعہ کربلا کے بعد سلطنت شام کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔اس کا نتیجہ تھا کہ امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانۂ امامت کو حکومت کے ظلم وتشدد کی گرفت سے کچھ آزادی نصیب ہوئی جس سے آپ نے خلق خدا کی اصلاح وہدایت کا کام اپنے علوم وفنون سے کھل کر کیا۔جس کی وجہ سے جامعہ بشریت کے مختلف طبقات کے دلوں کی گہرائیوں میں ان حضرات کیغیر معمولی محبوبیت اور گہری ہر دل عزیزی تھی۔یہ بات خلفاء وقت کے رنج وغم، تکلیف پریشانی وبے چینی کا باعث بنی ہوئی تھی کہ یہ لوگ ائمہ معصومینؑ کی طرف لوگوں کی روحانی رغبت ومیلان کی وجہ سے یہ احساس کرتے تھے کہ ان کی حکومت ظاہری طاقت وقوّت کے سہارے قائم ہے،اسی بناء پر ان کی سعی وکوشش آخر کار اسی مقصد پر پہنچ جاتی تھی کہ اس خاندان عظمت وشرف کے زعیم وسربرآوردہ افراد کو اپنے راستہ سے ہٹا دیں، یا انہیں اپنے زیر نگرانی رکھیں۔امام محمد باقرؑ کے ہم وقت کے خلفاء وسلاطین بھی ہمیشہ امامؑ کی محبوبیت و ہر دلعزیزی کی وجہ سے خائف وہراساں رہتے تھے اور حضرت کے وجود کو اپنی حکومت کیلئے زبردست خطرہ سمجھتے تھے۔

---

(۱) تذکرہ خواص الامہ،ص/۳۳۹۔اہلبیت اطہارؑ کی مختصر سوانح حیات،ص۱۶۱(ایران)　　(۲) مناقب شہر آشوب،جلد،۵،ص/۱۱

اقوال امامِ محمد باقر علیہ السلام

امام عالی مقام علیہ السلام کے تربیتی وارشادی ہدایات وسیاسی موضوعات پر مشتمل ان نورانی کلمات وبیانات میں سے چند بطور نمونہ آپ حضرات کے سامنے پیش کررہی ہوں۔

امام فرماتے ہیں۔انسان کی زندگی میں بہترین اہم ترین تین باتیں ہیں۔

(۱) اسلامی بھائیوں کے ساتھ مالی امور میں تعاون وہمدردی کا لحاظ رکھنا۔

(۲) کردار وگفتار اور فیصلہ کرنے میں تعاون وہمدردی کا لحاظ رکھنا۔

(۳) ہرحال میں اور ہر ماحول وہر موقع پر خدا کو یاد کرتے رہنا۔

(۴) یتیم بچوں پر ماں باپ کی طرح مہربان رہنا۔

(۵) بدترین شخص وہ ہے جو اپنے کو بہترین شخص ظاہر کرے۔

(۶) دنیا میں زیادہ تر دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی مرتا ہے تو لوگ پوچھتے ہیں 'کیا چھوڑا؟' لیکن نیکیوں کے حساب کتاب میں فرشتے پوچھتے ہیں: 'کیا لائے'۔

(۷) سلام اور خوش گفتاری گناہوں سے بخشش کا باعث ہے۔

(۸) ماہ رمضان کے روزے عذاب الٰہی کے لئے ڈھال ہیں۔

(۹) بڑے گناہوں کا کفارہ بیکسوں کی مدد اور غریبوں کی دلجوئی میں ہے۔

(۱۰) سب سے بڑی طاقت خواہشات نفسانی پر غلبہ پالینا ہے۔

(۱۱) اپنے کو پہچان لینے سے بڑھ کر کوئی معرفت نہیں۔

(۱۲) کم عقلی سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں اور اعتقاد کی کمی سے بڑھ کر کوئی کم عقلی نہیں اور چھوٹے سے گناہ کو حقیر سمجھنے سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں۔

(۱۳) کاہلی سے بچو کیونکہ کاہل اپنے حقوق ادا نہیں کرسکتا۔

(۱۴) جس معاملے میں پوری واقفیت نہیں، اس میں دخل مت دو (ورنہ موقع کی تاک میں رہنے والے) برے اور بدکردار لوگ تم کو ملامت کا نشانہ بنائیں گے۔

(۱۵)   ناگہانی حادثات سے بچنے کے لئے خدائے تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اور قرآنی آیات جو بھی یاد ہوں ورد کرو۔

آپ کی اخلاقی خصوصیات

آپ کا اخلاق ایسا تھا کہ دشمن بھی قائل تھے، چنانچہ ایک شخص اہلِ شام میں سے مدینہ میں قیام رکھتا تھا اور اکثر آپ کے پاس آکر بیٹھا کرتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ مجھے اس گھرانے سے ہرگز کوئی خلوص ومحبت نہیں ہے مگر آپ کے اخلاق کی کشش کی وجہ سے میں آپ کے پاس آنے اور بیٹھنے پر مجبور ہوں۔

آپ کا امور سلطنت میں مشورہ

آپ کے زمانے تک حکومت کی طرف سے کوئی اپنا سکّہ نہیں بنایا گیا تھا۔ رومی سلطنت کے سکّے اسلامی حکومت میں رائج تھے۔ ولید بن عبدالملک کے دور میں سلطنت شام اور سلطنت روم کے درمیان اختلاف ہوگیا جس میں رومی سلطنت نے دھمکی دی کہ وہ اپنے سکّوں پر رسولؐ اسلام کی شان میں گستاخی کے الفاظ کندہ کرائے گا جس کو سن کر ولید سخت پریشان ہوا اور سمجھ نہ سکا کہ کیا کریں۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے ولید کو مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو خود اپنا سکہ ڈھالنا چاہیئے۔ امام کی اس تجویز کو مان لیا گیا۔ ولید نے ایک بہت بڑا جلسہ مشاورت کے لئے منعقد کیا جس میں عالم اسلام کے ممتاز افراد شریک تھے۔ محمد باقرؑ کی رائے سے سب نے اتفاق کیا کہ سکّہ کے ایک طرف ''لاالہ الاّ اللہ'' اور دوسری طرف ''محمد الرسول اللہ'' نقش ہو۔ امامؑ کی اس تجویز کے سامنے سر تسلیم خم کیا گیا اور اسلامی سکّہ اسی طور پر تیار کیا گیا۔

آپ کا غلاموں کے کام میں ہاتھ بٹانا

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے پدر بزرگوار غلاموں کو کسی کام کا حکم نہیں دیتے تھے بلکہ یوں فرماتے تھے کہ تم جیسے چاہو۔ مشکل اور بھاری کام ہو، تو بسم اللہ کہہ کر ان کے ساتھ لگ جاتے تھے اور اگر وہ کام سہل وآسان ہوتا تو ان سے علاحدہ رہتے اور اس کام کو انہیں پر چھوڑ دیتے۔''(۱)

---

(۱) بحارالانوار، جلد ۴، ص/۸۳

ناواقف افراد کو سلام اور مزاج پرسی کرنا

الکافی میں ابوعبیدہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں امام محمد باقرؑ کے ساتھ اکثر سفر میں رہا۔ میں ہمیشہ رکات تھامتا تھا پھر آپ سوار ہوتے تھے۔ جب ہم روانہ ہونے لگتے تھے تو حضرت امامؑ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ وہاں پر ناواقف موجود لوگوں کو بھی سلام کرتے، مزاج پرسی اور دریافت احوال کرتے اور مصافحہ کرنے کے لئے ہاتھ بڑھاتے تھے۔ جب کسی منزل پر اترتے تو سلام کرتے اور حالات کے بارے میں استفسار فرماتے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے خدمت امام میں عرض کیا کہ آپ تو وہ عجب عمل بجالاتے ہیں جو کوئی نہیں کرتا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا تمہیں مصافحہ کے بارے میں معلوم نہیں کہ جب دو مومن آپس میں ملیں اور ایک ساتھی دوسرے سے مصافحہ کرے تو ان دونوں کے سارے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے پتّے گرتے ہیں۔ خداوند عالم ان پر اس وقت تک رحمت کی نظر فرماتا ہے جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔(۱)

دوسروں کی امداد میں سب سے آگے

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے پدر بزرگوار اپنے گھر والوں میں مالی لحاظ سے بہت کمزور تھے لیکن دوسروں کے اخراجات برداشت کرنے میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ہر جمعہ کے دن راہ خدا میں دینار تصدق کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جمعہ کے دن خیرات میں دوگنی فضیلت ہے چونکہ جمعہ کو دوسرے دنوں پر فضیلت حاصل ہے۔(۲)

گستاخ عیسائی اور امام علیہ السلام

ایک نصرانی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا کہ آپ بقر (گائے) ہیں، تو حضرت نے فرمایا نہیں میں باقر ہوں۔ پھر وہ نصرانی کہنے لگا کہ آپ طباخہ (باورچن) کے بیٹے ہیں تو فرمایا کہ یہ تو ان کا پیشہ تھا۔ پھر بولا کہ کیا آپ حبشی عورت کے فرزند ہیں تو امام نے ارشاد فرمایا: اگر تو اپنے کہنے میں سچّا ہے تو خدا انہیں بخش دے اور اگر تو اپنے اس قول میں جھوٹا ہے تو خدا تجھے بخش دے۔ راوی کہتا ہے کہ امام کے اس بلند اخلاق سے

---

(۱) بحارالانوار، جلد۴، ص/۸۲ (۲) معصومین کے شب وروز (حسین حیدر رضوی) ص/۴۵

متاثر ہوکر وہ مسلمان ہوگیا۔‘‘(۱)

بھائیوں اور دوستوں سے سلوک

امام محمد باقر علیہ السلام کی کنیز سلمٰی بیان کرتی ہیں کہ جب بھی امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں آپ کے بھائی دوست اور احباب آتے تھے تو اس وقت تک واپس نہیں جاسکتے تھے جب تک حضرت انہیں بہتر کھانا نہ کھلا دیں، عمدہ لباس نہ دے دیں اور درہموں کے عطیہ سے ان کی خاطر مدارات نہ کرلیں۔ میں نے حضرت سے اس میں کمی کرنے کے لئے عرض کیا تو جواب میں فرمایا: اے سلمٰی بھائیوں اور ساتھیوں کو بخشش کرنا دنیا کی نیکی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ امامؑ پانچ چھ سو سے لے کر ہزار تک انہیں عطا فرماتے تھے اور ان لوگوں کی صحبت سے افسردہ دل نہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم اپنے کسی بھائی کے دل میں اپنی محبت کا اندازہ کرنا چاہو تو یہ دیکھو کہ تمہارے دل میں اس کی کتنی محبت ہے۔ آپ کے گھر سے سائل کے لئے یہ آواز کبھی نہیں سنی گئی کہ اے سائل یہ لیتا جا۔ حضرت فرماتے تھے کہ انھیں اچھے ناموں سے یاد کیا کرو‘‘(۲)

ذکر الٰہی میں وقت گزارنا

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار ذکر الٰہی میں زیادہ مشغول رہتے تھے۔ جب بھی میں آپ کے ساتھ چلتا تھا، تو آپ کی ذکر خداوندی میں مشغولیت رہتی تھی اور جب بھی میں آپ کے ساتھ کھانا کھاتا تھا تو آپ یادالٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ جب آپ لوگوں سے سے گفتگو فرماتے تو اس وقت بھی خدا کے ذکر سے غافل نہ ہوتے تھے۔ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ آپ کی زبان مبارک تالو سے لگ گئی ہے تو اس وقت بھی زبان سے لا الہ الا اللہ کا ورد تھا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ پدر بزرگوار ہم سب کو جمع کر کے حکم دیتے تھے کہ ہم ذکر الٰہی میں مشغول ہوں، یہاں تک کہ سورج نکل آئے اور ساتھ ہی ساتھ تلاوت قرآن کا حکم دیتے تھے‘‘۔(۳)

آپ کے بعض علمی ہدایات وارشادات

علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ جابر جعفی کا بیان ہے کہ میں ایک دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

(۱)معصومین کے شب وروز (حسین حیدر رضوی) ص/۴۵ (۲) بحار، ص/۳۷، جلد۴ (۳) بحار، ص/۸۷، جلد/۴

سے ملا، تو آپ نے فرمایا: اے جابر میں دنیا سے بالکل بےفکر ہوں، کیونکہ جس کے دل میں دین خالص ہو وہ دنیا کو کچھ نہیں سمجھتا اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا چھوڑی ہوئی سواری، اتارا ہوا کپڑا اور غیر باکرہ عورت ہے۔ مومن دنیا کی بقا سے مطمئن نہیں ہوتا اور اس کی دیکھی ہوئی چیزوں کی وجہ سے نور خدا اس سے پوشیدہ نہیں ہوتا۔ مومن کو تقویٰ اختیار کرنا چاہئے کہ وہ ہر وقت اسے متنبہ اور بیدار رکھتا ہے۔ سنو، دنیا ایک سرائے فانی ہے ''نزلت بہ وار تحلت منه' اس میں آنا جانا لگا رہتا ہے۔ آج آئے اور کل گئے۔ دنیا ایک خواب ہے جو کمال کی مانند دیکھی جاتی ہے اور جب جاگ اٹھے تو کچھ نہیں...... آپ نے فرمایا: تکبّر بہت بری چیز ہے، یہ جس قدر انسان میں پیدا ہوگا، اسی قدر اس کی عقل گھٹے گی۔ کمینے شخص کا حربہ گالیاں بکنا ہے۔ ایک عالم کی موت کو ابلیس نوے عابدوں کے مرنے سے بہتر سمجھتا ہے۔ ایک ہزار عابد سے وہ عالم بہتر ہے جو اپنے علم سے فائدہ پہنچا رہا ہو۔ میرے ماننے والے وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت کریں۔ آنسوؤں کی بڑی قیمت ہے رونے والا بخشا جاتا ہے اور جس رخسار پر آنسو جاری ہوں وہ ذلیل نہیں ہوتا۔ سستی اور زیادہ تیزی برائیوں کی کنجی ہے۔ خدا کے نزدیک بہترین عبادت پاک دامنی ہے۔ انسان کو چاہئے اپنے پیٹ اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔ دعا سے قضا بھی ٹل جاتی ہے۔ نیکی بہترین خیرات ہے۔ بدترین عیب یہ ہے کہ انسان کو اپنی آنکھ کا شہتیر دکھائی نہ دے اور دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آئے یعنی اپنے بڑے گناہ کی پرواہ نہ ہو، اور دوسروں کے چھوٹے عیوب اسے بڑے نظر آئیں اور خود عمل نہ کرے، صرف دوسروں کو تعلیم دے۔ جو خوشحالی میں ساتھ دے اور تنگ دستی میں دور رہے، وہ تمہارا بھائی اور دوست نہیں ہے۔''(۱)

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی نعمت ملے تو کہو۔ ''الحمد للّٰہ'' اور جب کوئی تکلیف پہنچے تو کہو''لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ''۔ اور جب روزی تنگ ہو تو کہو''استغفر الله'' دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، جتنی محبت تمہارے دل میں ہوگی۔ اتنی ہی تمہارے بھائی اور دوست کے دل میں بھی ہوگی۔ تین چیزیں خدا نے تین چیزوں میں پوشیدہ رکھی ہیں۔

(۱) اپنی رضا اپنی اطاعت میں، کسی فرمانبرداری کو حقیر نہ سمجھو۔ شاید اسی میں خدا کی رضا ہو۔

---

(۱) مطالب السئول، ص/۲۷۲، چودہ ستارے، ص/۳۱۲

(۲) اپنی ناراضی اپنی معصیت میں۔ کسی گناہ کو معمولی نہ جانو شاید خدا اسی سے ناراض ہو جائے۔

(۳) اپنی دوستی یا اپنے ولی مخلوقات میں سی شخص کو حقیر نہ سمجھو، شاید وہی ولی اللہ ہو۔''(۱)

آپ کے شاگردوں کی علمی تصانیف

امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانے میں علوم اہلبیتؑ کے تحفظ کا اہتمام ہوا جس سے ہزاروں مومنین فیضیاب ہوئے اور آپ کا لقب ''باقر'' مشہور ہوا۔ آپ نے اپنے علم سے بہت سے پوشیدہ مطالب کو ظاہر کیا۔ آپ کے شاگردوں نے مختلف علوم وفنون اور مذہب کے شعبوں میں کتابیں تصنیف کیں۔ ذیل میں حضرت کے کچھ شاگردوں کا ذکر اوران کے تصانیف کا نام درج کیا جاتا ہے جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ امام محمد باقرؑ سے اسلامی دنیا میں علم ومذہب نے کتنی ترقی کی۔

(۱) ابان ابن تغلب: یہ علم قرأت اور لغت کے امام مانے گئے ہیں۔ سب سے پہلے کتاب غریب القرآن یعنی قرآن مجید کے مشکل الفاظ کی تشریح تحریر کی انھوں نے ۱۴۱ھ میں وفات پائی۔

(۲) ابوجعفر محمد ابن حسن ابن ابی سارہ ردا کی: علم قرأت، نحو اور تفسیر کے مشہور عالم تھے۔ کتاب الفیصل معانی القرآن وغیرہ پانچ کتابوں کے مصنّف ہیں۔ ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔

(۳) عبداللہ ابن میمون اسود القداح: ان کے تصانیف سے ایک کتاب مبعث بنی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور تاریخ زندگی میں اور ایک کتاب حالات جنت ونار میں تھی۔ ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔

(۴) عطیہ ابن سعید عونی: پانچ جلدوں میں تفسیر قرآن لکھی ۱۱۱ھ میں وفات پائی۔

(۵) اسمٰعیل ابن عبدالرحمٰن سعدی الکبیر: یہ مشہور مفسر قرآن ہیں جن کے حوالے تمام مفسرین نے صدی کے نام دیئے ہیں۔ ۱۲۷ھ میں وفات پائی۔

(۶) جابر بن یزید جعفی: انھوں نے امام محمد باقرؑ سے پچاس ہزار حدیثیں سن کر یاد کیں۔ ایک روایت میں ستّر ہزار کی تعداد بتائی گئی ہے۔ اس کا ذکر صحیح مسلم میں موجود ہے۔ تفسیر، فقہ اور حدیث میں کئی

(۱) نور الابصار، ص/۱۳۱۔ واتحاف، ص/۹۳

کتابیں تصنیف کیں۔ ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔

(۷) عمار بن معاویہ دہنی: فقہ میں ایک کتاب تصنیف کی۔ ۱۳۳ھ میں وفات پائی۔

(۸) سالم بن ابی حفصہ ابو یونس کوفی: فقہ میں ایک کتاب لکھی۔ وفات ۱۳۷ھ میں ہوئی۔

(۹) عبدالمومن ابن قاسم ابوعبداللہ انصاری: یہ بھی فقہ میں ایک کتاب کے مصنّف ہیں۔ ۱۴۷ھ میں وفات پائی۔

(۱۰) ابوحمزہ ثمالی: تفسیر قرآن میں ایک کتاب لکھی۔ اس کے علاوہ 'کتاب النوادر' اور 'کتاب الزہد' بھی ان کے تصانیف میں سے ہیں۔ ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) زرارہ ابن اعین: بڑے بزرگ مرتبہ شیعہ عالم تھے۔ ان کی علم الکلام اور فقہ اور حدیث میں بہت سی کتابیں ہیں۔ وفات ۱۵۰ھ میں پائی۔

(۱۲) محمد بن مسلم: یہ بھی بڑے بلند پایہ بزرگ تھے۔ امام محمد باقرؑ سے تیس ہزار حدیثیں سنیں۔ بہت سی کتابوں کے مصنّف ہیں جن میں سے ایک کتاب تھی چہار صد مسئلہ در ابواب حلال وحرام۔ وفات ۱۵۰ھ میں پائی۔

(۱۳) یحییٰ بن قاسم ابوبصیر اسدی: جلیل المرتبہ بزرگ تھے۔ کتاب مناسک حج کتاب یوم ولیلہ تصنیف کی۔ ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۴) اسحٰق قمی: فقہ میں ایک کتاب کے مصنف ہیں۔

(۱۵) اسماعیل بن جابر خثعمی کوفی: احادیث کی کئی کتابیں تصنیف کیں اور ایک کتاب فقہ میں تصنیف کی۔

(۱۶) اسماعیل بن عبدالخالق: بلند مرتبہ فقیہ تھے، ان کی تصنیف ایک کتاب تھی۔

(۱۷) فروالاسکاف الازدی: فقہ میں ایک کتاب لکھی۔

(۱۸) حارث بن مغیرہ: یہ بھی مسائل فقہ میں ایک کتاب کے مصنّف ہیں۔

(۱۹) حذیفہ بن منصور خزاعی: ان کی بھی ایک کتاب فقہ میں تھی۔

(۲۰) حسن بن السری الکاتب: ایک کتاب تصنیف کی۔

(۲۱) حسین بن ثور ابن ابی فاختہ: کتاب النوؔر تحریر کی۔

(۲۲) حسین بن حماد عبدی کوفی: ایک کتاب کے مصنف ہیں۔

(۲۳) حسین بن مصعب بجلی: ان کی بھی ایک کتاب تھی۔

(۲۴) حماد بن ابی طلحہ: ایک کتاب تحریر کی۔

(۲۵) حمزہ بن حمران بن اعین: زرارہ کے بھتیجے تھے اور ایک کتاب کے مصنف تھے۔

یہ چند نام ہیں ان کثیر علماء وفقہاء ومحدثین میں سے جنھوں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے علوم اہلبیت کو حاصل کر کے کتابوں کی صورت میں محفوظ کیا۔ اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ الاسلام کے دور میں جو سیکڑوں کتابیں تصنیف ہوئیں یہی وہ سرمایہ تھا جس سے بعد میں کافؔی، مںؔ لایحضرہ الفقیہ، تہذیب، اور استبصاؔر ایسے بڑے حدیث کے خزانے جمع ہو سکے اور جن پر شیعیت کا آسمان دورہ کرتا رہا۔(۱)

آپ کی ازواج واولاد

الارشاد کے مطابق امام محمد باقر علیہ الاسلام کی اولاد میں منصب امامت ابوعبداللہ حضرت جعفر بن محمد علیہ السلام کو حاصل ہوا اور کسی دوسرے کو نہیں ملا امام جعفر صادق علیہ السلام کے بھائی عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ صاحب علم وفضل تھے اور یہ بھی مروی ہے کہ جناب عبداللہ بنی امیہ کے ایک حاکم کے سامنے پیش ہوئے۔ تو اسی حاکم نے آپ کو قتل کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے قتل نہ کرو۔ میں خدا کے یہاں تمہاری مدد کا ذمہ دار بنوں گا۔ مجھے چھوڑ دو میں خدا کے یہاں تمہاری مدد کا ضامن ہوں جس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو خداوند عالم سے سفارش کریں گے تو سفارش مان لی جائے گی۔ لیکن اس حاکم نے آپ کی بات کو نہ مانا اور کہا کہ تمہاری شفاعت کی ہمیں ضرورت نہیں چنانچہ اس نے آپ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔(۲)

آپ کی چار بیویاں تھیں اور انھیں سے اولادیں ہوئیں: امّ فروہ، امِّ حکیم، لیلیٰ اور ایک اور بیوی۔ امّ فروہ بنتِ قاسم بن محمد بن ابی بکر جن سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور عبداللہ افطح پیدا ہوئے۔ اور ام

(۱) رہنمایان اسلام (العلماء سید علی نقی) ص/ ۱۱۹۔۱۱۵ (۲) الارشاد، ص/ ۲۸۸۔ بحار الانوار، ج ۴، ص/ ۱۴۱

حکیم بنت اسد بن مضیرہ ثقفی سے ابراہیم وعبداللہ اور لیلیٰ سے علی اور زینب پیدا ہوئے۔ اور چوتھی بیوی سے امّ سلمیٰ متولد ہوئی۔(۱)

مناقب ابن شہر آشوب کی روایت کے پیش نظر امام محمد باقر علیہ السلام کی اولاد کی تعداد سات ہے جن میں ایک امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں اور انہی سے آپ کی کنیت ابوجعفر تھی۔

علامہ محمد باقر بہبہانی، علامہ محمد رضا آل کاشف الغطاء اور علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی نسل صرف امام جعفر صادق علیہ السلام سے بڑھی ہے ان کے علاوہ کسی کی اولاد زندہ اور باقی نہیں رہی۔''(۲)

آپ کی شہادت

اگر چہ ہشام بن عبدالملک کو پانچویں امام کی شان میں بہت زیادہ جسارت و گستاخی کا کوئی بہانہ نہیں ملتا تھا پھر بھی وہ اپنے خبیث ونجس اور گندے خیالات وافکار سے اپنے ذہن کو صاف نہیں رکھتا تھا، چنانچہ اس پرانی گندی سیاست کی پیروی کرتے ہوئے کہ سر برآوردہ افراد کو نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے راستہ سے ہٹادے، اس نے اپنے مددگاروں کے ذریعہ امام پنجمؑ کو زہر دلوادیا۔

آپ کی شہادت ہشام کے حکم سے ابراہیم بن ولید والیٔ مدینہ کی زہر خورانی کے ذریعہ واقع ہوئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ خلیفہ وقت ہشام بن عبدالملک کی بھیجی زہر آلود زین کے ذریعہ سے واقع ہوئی تھی۔''(۳)

''ہشام بن عبدالملک نے آپ کو زہر کے ذریعہ سے شہید کرادیا۔ آپ نے بتاریخ ۷؍ذی الحجہ ۱۱۴ھ یوم دوشنبہ مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اس وقت آپ کی عمر ۵۷ سال کی تھی۔ آپ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔''(۴)

شہادت سے قبل وصیتِ امامِ محمد باقرؑ

امام محمد باقر علیہ السلام نے اسلامی سماج میں ایک زبردست علمی انقلاب و بیداری کی بنیاد رکھی تھی۔

(۱) ارشاد مفید، ص/۲۹۴۔ مناقب جلد۵، ص/۱۹۔ ونور الابصار، ص/۱۳۲۔ چودہ ستارے، ص/۳۳۳

(۲) دمعہ ساکبہ، جلد۴، ص/۴۷۹۔ انوار الحسینیہ، جلد۲، ص/۴۸۔ روضۃ الشہداء، ص/۴۳۴۔ طبع لکھنؤ ۱۲۸۵ء

(۳) جناب الخلود، ص/۲۶، دمعۃ الساکبہ، جلد۲، ص/۴۷۸

(۴) کشف الغمہ، ص/۹۳۔ جلاء العیون، ص۲۶۴۔ شواہد النبوت، ص۱۸۱۔ روضۃ الشہداء، ص۴۳۴

توقع تھی کہ یہ عمارت اپنی ترقی وتکامل کے انتہائی عروج کی منزل تک پہنچ جاتی کہ ان کی رحلت ایک زبردست نا قابل تلافی نقصان تھی۔لیکن یہ مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ امام کے فرزند و جانشین گرامی قدر حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے پدر بزرگوار کی طرح علوم رسالت کے وارث اور امامت کے عہدۂ جلیلہ کے بدرجہ اتم لائق تھے۔انھوں نے اپنے پدر بزرگوار کی جگہ لے لی اور اسلامی سماج کی رہبری کا کام اپنے ذمہ لیا اور اپنی تمام تر کوششوں اور جدوجہد کے ذریعہ علمی وتعلیمی مشن کو پورا کیا۔

شہادت سے قبل آپ نے غسل وکفن کے متعلق کچھ وصیتیں کیں اور میراث امامت آپ کے حوالہ کرنے کے بعد شیعیان آلِ محمد کی حمایت وسرپرستی کے بارے میں بیحد تاکید فرمائی۔

امام جعفر صادقؑ نے عرض کیا کہ میں ہرگز اس کا موقع نہ آنے دوں گا کہ ہمارے ساتھی کسی دوسرے کے محتاج ودست نگر ہوں۔

امام جعفر صادقؑ نے آپ کی وصیت کے مطابق تین کپڑوں کا کفن دیا۔جس میں سے ایک وہ یمنی چادر تھی جسے اوڑھ کر آپ روز جمعہ نماز پڑھتے تھے۔ایک وہ پیراہن تھا جسے آپ ہمیشہ پہنے رہتے تھے جنت البقیع میں اسی قبہ میں کہ جہاں حضرت امام حسنؑ اور زین العابدینؑ دفن ہو چکے تھے حضرت بھی دفن کئے گئے۔

کافی میں حضرت امام علی رضاؑ سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت امام محمد باقرؑ کی رحلت کا وقت قریب آپہنچا تو فرمایا کہ جب میں دنیا سے انتقال کر جاؤں تو میری قبر کھودنا اور مجھے اس میں دفن کر دینا اگر تم سے کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی قبر تیار کرائی تھی تو کہنے والا سچّا ہے۔''(۱)

''علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنی وصیتوں میں یہ بھی کہا کہ ۸۰۰ درہم عزاداری اور میرے ماتم پر صرف کرنا اور ایسا انتظام کرنا کہ دس سال تک منیٰ میں بہ زمانہ حج میری مظلومیت کا ماتم کیا جائے۔''(۲)

علماء کا بیان ہے کہ وصیتوں میں یہ بھی تھا کہ میرے بند ہائے کفن قبر میں کھول دینا اور میری قبر چار انگل سے زیادہ اونچی نہ کرنا۔''(۳)

(۱) کافی جلد۳،ص/۱۶۹ (۲) جلاء العیون،ص/۲۶۴ (۳) جنات الخلود،ص/۲۷

آپ کے معجزات

''الاختصاص'' میں ہشام بن سالم سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جتنے فضائل میرے پدر بزرگوار کے ہیں اتنے کسی کے نہیں ۔اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جابر بن عبداللہ سے فرمایا تھا کہ جب تم میرے فرزند سے ملوتو انہیں میرا سلام کہنا۔ چنانچہ ایک دفعہ جناب جابرامام زین العابدینؑ کی خدمت میں آئے تو آپ نے ان سے امام محمد باقرؑ سے ملنے کی درخواست کی توامامؑ نے فرمایا کہ وہ باہر چلے گئے ہیں میں ابھی کسی کو بھیج کرانھیں بلاتا ہوں ۔ ہشام کہتے ہیں کہ امام زین العابدینؑ نے کسی کوانہیں بلانے کے لئے بھیجا۔ جب وہ تشریف لائے تو جناب جابر نے انہیں رسولِ خداؐ کا سلام پہنچایا اوران کے سرکو بوسہ دیا اور گلے سے لگالیا۔توامام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے جدمحترم پر اورتم پر بھی سلام ہواس کے بعد جابر نے امامؑ سے درخواست کی کہ بروز قیامت آپ میری شفاعت فرمائیں تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ اے جابر میں ضرورشفاعت کروں گا۔(۱)

اہل بیتؑ سے دشمنی رکھنے والا اصحاب میں شامل

امالی شیخ میں محمد بن سلیمان نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ایک شامی جس کی رہائش مدینہ میں تھی امام محمد باقرؑ کی خدمت میں آتا جاتا تھااورآپ کی صحبت میں بھی بیٹھا کرتا تھاایک دن آپ سے کہنے لگا کہ''اے محمد! مجھے آپ کی مجلس (بیٹھک) میں شرم آتی ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھ سے زیادہ آپ اہل بیتؑ سے دشمنی رکھنے والا روئے زمین پرکوئی اور دوسرا ہو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات کی دشمنی میں خدا اور رسولؐ اورامیرالمومنین کی اطاعت ہےلیکن میں یہ دیکھتا ہوں کہ آپ صاحب فصاحت وبلاغت ہیں ادب وحسن کلام میں ایک امتیازی شان رکھتے ہیں اور میرا یہ آنا جانا اسی وجہ سے ہوتا ہے۔''

حضرت امامؑ نے اس کے لئے اچھے الفاظ استعمال کئے اور فرمایا کہ خدا سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

کچھ دنوں کے بعد وہ شامی بیمار ہوگیا جب بیماری کی تکلیف بڑھ گئی تو اس نے اپنے ایک قریبی عزیز سے کہا کہ جب تم مجھ پر کپڑا ڈال دو۔توامام محمد باقرؑ کو بلانا اوران سے درخواست کرنا کہ وہ میرے جنازے کی

(۱)الاختصاص،ص/۶۲

نماز پڑھیں۔انہیں یہ بھی بتا دینا کہ میں نے تمہیں اس بات کا حکم دیا ہے۔جب آدھی رات ہوئی تو عزیزوں کو یقین ہوگیا کہ یہ ٹھنڈا ہے اور مر چکا ہے۔جب صبح ہوگئی تو اس کا وارث مسجد میں آیا جب امامؑ نماز سے فارغ ہو چکے تو اس نے امام کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شامی نے انتقال کیا اس کی آپ سے یہ درخواست تھی کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھیں،تو امام نے فرمایا ہرگز نہیں! شام کا علاقہ تو سرد اور ٹھنڈا ہے اور حجاز میں سخت گرمی پڑتی ہے۔لہٰذا جاؤ اور دیکھو دفن میں جلدی نہ کرنا،پھر امامؑ اپنی جگہ سے اٹھے اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور سجدہ میں چلے گئے یہاں تک کہ سورج نکل آیا پھر آپ کھڑے ہوئے اور اس شامی کے مکان پر تشریف لائے۔اسے آواز دی،تو اس نے جواب دیا۔حضرت امام اس کے پاس بیٹھے اور اسے سہارا دے کر بٹھایا اور ستّو منگا کر اسے پلایا اور اس کے اہل خانہ سے فرمایا کہ اسے شکم سیر کر و اور ٹھنڈی غذا سے اس کے سینہ کو ٹھنڈک پہنچاؤ۔اس کے بعد امام واپس تشریف لے آئے،ابھی کچھ وقت نہ گزرا تھا کہ وہ شامی تندرست ہوگیا اور خدمت امام میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں تنہائی میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔حضرت نے اس کا موقع دیا،تو شامی کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کی مخلوق پر اس کی حجت ہیں اور اس کا وہ دروازہ ہیں جو آنے کا صحیح راستہ ہے جو شخص آپ کے سوا کسی دوسرے دروازہ سے آیا وہ نامراد اور گھاٹے میں رہا اور گمراہ ہوگیا۔محمد بن سلیمان کہتے ہیں کہ پھر وہ شخص امام محمد باقرؑ کے سچے اصحاب میں داخل ہوگیا۔(۱)

امام کی معرفت اسم اعظم

نفس المصدر میں عمر بن حنظلہ سے منقول ہے کہ میں نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں یہ سمجھ لوں کہ آپ کی نگاہ میں میرا کوئی مقام ہے؟ تو حضرت امام نے فرمایا: ہاں ایسا ہے۔عمر بن حنظلہ کہتے ہیں کہ میں نے امام سے عرض کیا کہ حضور میری ایک حاجت ہے پوچھا وہ کیا حاجت ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے اسمِ اعظم تعلیم فرما دیں جس پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم میں اس کی برداشت کی طاقت وصلاحیت بھی ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں حضور! طاقت ہے۔تو امام نے فرمایا: اچھا اس مکان کے اندر تو آؤ۔عمر بن حنظلہ کہتے ہیں کہ امامؑ گھر میں داخل ہوئے اور زمین پر اپنا ہاتھ رکھا تو مکان میں اندھیرا چھا گیا۔یہ دیکھ کر عمر

(۱) امالی طوسی،ص/۲۶۱۔مناقب بن شہر آشوب،جلد۳،ص/۳۲۰۔بحار الانوار،جلد۴،ص ۲۶

بہت گھبرائے اور کپکپاہٹ طاری ہوگئی جس پر امام نے فرمایا اب کیا کہتے ہو کیا میں تمہیں اسی حالت میں اسمِ اعظم کی تعلیم دوں۔تو انھوں نے عرض کیا کہ نہیں۔امامؑ نے اپنے ہاتھ کو اس جگہ سے اٹھایا تو گھر سے اندھیرا جاتا رہا۔"(۱)

آپ دلوں کے حال کو سن لیتے تھے

بصائر میں ابوبصیرؒ سے منقول ہے کہ امام محمد باقرؑ کے ایک صحابی میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ نے آج تک امام محمد باقرؑ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل نہیں کیا۔یہ سننا تھا کہ میں نے جلدی سے ایک خط نکالا جو حضرت امام سے میری ملاقات کا ثبوت تھا جو حج سے پہلے زمانے کا تھا۔پھر میں مدینہ گیا اور حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا۔حضرت نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ تمہاری اس جھنجھلاہٹ کا سبب کیا ہے تو میں نے کہا:حضور فلاں شخص نے خواہ مخواہ مجھ سے یہ کہا کہ تم نے آج تک حضرت امام سے شرف ملاقات حاصل نہیں کیا۔(۲)

آدھی رات میں گھر آنے والے کا علم

البصائر میں عبداللہ بن عطاء مکی سے منقول ہے کہ ایک دفعہ مجھے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضری کا شوق ہوا اس وقت میں مکّہ میں تھا۔چنانچہ میں مدینہ پہونچا اور میں امامؑ کی زیارت کے شوق میں ہی مدینہ آیا تھا،لیکن اس رات میں شدید بارش ہوگئی اور سخت سردی تھی۔چنانچہ آدھی رات گئے حضرت امام کے دروازہ پر پہنچا اور اپنے دل میں کہا کہ اس وقت تو دروازے پر دستک نہیں دوں گا اور صبح ہونے کا انتظار کروں گا۔میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میں نے حضرت امام کی آواز سنی کہ کنیز سے فرمارہے تھے کہ ابن عطا کے لئے دروازہ کھول دو۔اس وقت وہ سردی اور تکلیف میں مبتلا ہیں چنانچہ اس کنیز نے دروازہ کھولا اور میں حضرت کی خدمت میں پہونچ گیا۔"(۳)

---

(۱)نفس المصدر،جلد۴،باب۱۲،ص/۳۲۲ (۲)البصائر جلد۵،باب۱۱،ص/۶۷۔بحار،جلد۴،ص/۲۷

(۳)البصائر،جلد/۵،باب/۱۱،ص/۷۰،کشف الغمہ،جلد/۲،ص/۳۴۹،مناقب،جلد/۲،ص/۳۲۱

اذنِ امامؑ سے کھجوریں گرنے لگیں

البصائر میں عبدالرحمٰن بن کثیر سے منقول ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ امام محمد باقرؑ کا ایک وادی سے گزر ہوا۔ آپ نے وہاں ایک خیمہ لگایا۔ پھر حضرت ایک درخت خرما کے قریب تشریف لائے۔ وہاں آپ نے کچھ اس طرح حمد الٰہی کی کہ میں کچھ نہ سمجھ سکا۔ پھر فرمایا اے درخت خرما! جو کچھ تجھے خدا نے دیا ہے، اس میں سے کھانے کے لئے مجھے بھی کچھ پھل دے۔ امام جعفر صادقؑ کا بیان ہے کہ اس میں سے سرخ و زرد کھجوریں گرنے لگیں۔ آپ نے انھیں تناول فرمایا اور ابوامیہ انصاری نے بھی جو آپ کے ساتھ تھے، ان میں سے کھجوریں کھائیں پھر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ آیۂ مبارکہ ''وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا'' (سورۂ مریم، آیت ۲۵)

(خرمے کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر پکّے پکّے تازہ خرمے جھڑ پڑیں گے) ہمارے لئے اسی طرح ہے جس طرح حضرت مریم کے لیے نازل ہوئی''۔(۱)

انسانی زندگی کے بدلاؤ کو سمجھتے ہوئے رائے دینا

البصائر میں جناب ابوبصیر سے منقول ہے کہ میں امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آنحضرتؐ تمام انبیاء کرام کے وارث ہیں اور ہر اس امر کے عالم ہیں، جس کا انھیں علم تھا۔ ارشاد فرمایا: ہاں! ایسا ہی ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ کیا آپ یہ قدرت رکھتے ہیں کہ مردوں کو زندہ کردیں اور پیدائشی نابینا اور جذام و برص میں مبتلا آدمی کو شفا عطا فرمائیں۔ فرمایا ہاں خداوند عالم کے اذن اور اس کی مرضی سے ہم اس کی قدرت رکھتے ہیں۔ پھر فرمایا ابومحمد! ذرا قریب آؤ۔ میں قریب ہوا تو آپ نے میری آنکھوں اور چہرہ پر ہاتھ پھیرا، تو میں بینا ہو گیا اور میں نے سورج، آسمان و زمین پورا گھر اور گھر کی ہر چیز کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ پھر حضرت نے ارشاد فرمایا۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اسی حالت میں رہ کر بروز قیامت عام لوگوں کی طرح امید و بیم میں رہو، یا جیسے پہلے تھے ویسے ہی ہو جاؤ اور جنت تمہارے لئے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں پہلی حالت میں رہنا چاہتا ہوں۔ تو حضرت نے پھر میری آنکھوں پر ہاتھ پھیرا، تو میں پہلے کی طرح نابینا ہو گیا۔

(۱) البصائر، جلد۵، باب۱۳، ص/۶۹

علی بن الحکم کہتے ہیں کہ میں نے اس واقعہ کا ابن عمیر سے ذکر کیا تو وہ کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ سب کچھ اسی طرح حق ہے۔ جیسے دن کا ہونا حق ہے۔''(۱)

حبابہ کے سر کے بالوں کی سفیدی کو سیاہ رنگ میں بدل دینا

البصائر میں علی بن معبّد سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حباب والبیہ امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت امام نے پوچھا: حبابہ کیا بات ہے کہ تم ایک عرصہ کے بعد یہاں آئی ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرے سر کے بالوں کی سفیدی کو بڑھاپے اور غموں کی زیادتی نے ایسا بنا دیا۔ امام نے ارشاد فرمایا کہ ذرا میں بھی تو دیکھوں حبابہ کہتی ہیں کہ میں حضرت کے قریب ہوئی، تو آپ نے میرے سر کے درمیان میں اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا ذرا آئینہ تو لاؤ میں نے آئینہ لیا اور اس میں دیکھا کہ میرے سر کے درمیان سارے بال سیاہ ہو گئے جس سے مجھے بہت خوشی ہوئی اور میری خوشی سے امامؑ بھی خوش ہوئے۔''(۲)

امام کا فرمانا قابیل پر عذاب الٰہی ہے

البصائر میں زرارہ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مدینہ میں ایک ایسا آدمی تھا جو اس مقام پر آیا جہاں آدم کا بیٹا قابیل تھا۔ اس نے اسے معقول آدمی سمجھا کہ اس کے ساتھ اس کے دس موکل تھے، جو موسم گرما میں اسے سورج کے سامنے کر دیتے اور اس کے گرد آگ روشن رکھتے تھے اور جب سردی کا موسم آتا تو اس پر ٹھنڈا پانی ڈالتے تھے۔ جب ان دس آدمیوں میں سے کوئی مر جاتا تو بستی والے کسی دوسرے آدمی کو اس کی جگہ لے آتے تھے چنانچہ ایک شخص نے دریافت کیا کہ اے بندہ خدا یہ تیرا کیا معاملہ ہے اور کس وجہ سے تو اس میں مبتلا ہے؟ تو آدم کے بیٹے نے کہا کہ تو نے مجھ سے وہ بات پوچھی ہے جو تجھ سے پہلے کسی نے نہیں پوچھی تو سب سے زیادہ بیوقوف ہے یا پھر تو بہت چالاک آدمی ہے۔ زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام سے دریافت کیا کہ کیا اسے آخرت میں عذاب دیا جائے گا تو ارشاد فرمایا کہ خداوند عالم اسے دنیا و آخرت دونوں میں عذاب دے گا۔(۳)

---

(۱) نفس المصدر، جلد ۶، باب ۳، ص/ ۱۹۶ (۲) البصائر، جلد ۶، باب ۳، ص/ ۷۵ (۳) البصائر، جلد ۸، باب ۱۲، ص/ ۱۱۶

امام کو مسجد میں لوگوں کو نظر نہ آنا

خرائج میں ابوبصیر سے مروی ہے کہ میں امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا اور دوسرے لوگ بھی وہاں آجا رہے تھے تو حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ ذرا ان لوگوں سے یہ تو دریافت کرو کہ وہ مجھے دیکھ رہے ہیں؟ ابوبصیر کا بیان ہے کہ جس شخص سے بھی میں ملا میں نے اس سے یہی پوچھا کہ کیا تم نے امام ابوجعفرؑ کو دیکھا ہے تو ہر ایک نے یہی کہا کہ نہیں۔ امام کھڑے تھے کہ ابو ہارون مکفوف داخل ہوئے تو حضرت نے ابوبصیر سے فرمایا کہ ان سے بھی پوچھ کے دیکھو۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے امام ابوجعفرؑ کو دیکھا ہے؟ تو وہ کہنے لگے کیا یہ کھڑے نہیں ہیں جس پر ابوبصیر نے کہا کہ یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا تو ابو ہارون نے جواب دیا کہ مجھے کیسے معلوم نہ ہوگا وہ تو ایک چمکتا ہوا نور ہیں۔"(۱)

اہل بیتؑ سے دشمنی کا انجام

خرائج میں ابوعتیبہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک بار امام باقرؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں شام کا رہنے والا ہوں اور آپ حضرات سے محبت رکھتا ہوں اور آپ کے دشمن سے بیزار ہوں اور میرے والد بنی امیہ سے محبت کرتے تھے اور مالدار بھی تھے۔ میرے علاوہ ان کا کوئی بیٹا بھی نہیں اور ان کی جائے رہائش رملہ میں تھی۔ (رملہ فلسطین کے ایک شہر کا نام ہے جس کے اور بیت المقدس کے درمیان اٹھارہ میل کا فاصلہ ہے۔) اس کا ایک باغ تھا جس میں وہ تنہائی میں اٹھتا بیٹھتا تھا۔ وہ مر گیا تو میں نے اس کے مال کو تلاش کیا لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی اور میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس نے اپنے مال کو زمین میں دبا دیا ہے اور مجھ سے چھپایا ہے امام نے سنا اور فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے باپ سے ملو اور معلوم کرو کہ مال کہاں رکھا ہوا ہے؟ اس شامی نے کہا کہ خدا کی قسم حضور میں ایک غریب محتاج ہوں اور یہی چاہتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت نے ایک خط لکھا اور اس پر اپنی مہر ثبت کی پھر فرمایا کہ آج رات اس خط کو لے کر بقیع کی طرف چلے جاؤ جب بقیع کے درمیان میں پہنچو تو درجان درجان کہہ کر آواز دینا تو تمہارے پاس ایک شخص آئیں گے جو عمامہ

---

(۱) الخرائج والجرائح، ص/۲۳۹

پہنے ہوں گے انہیں میرا یہ خط دینا اور کہنا کہ میں محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ کا قاصد ہوں۔ پھر تمہارا باپ تمہارے پاس آئے گا۔ تم اس سے اپنے معاملہ کے بارے میں دریافت کرنا۔ چنانچہ شامی وہ خط لے کر روانہ ہوگیا۔

ابوعتیبہ کا بیان ہے کہ جب دوسرا دن ہوا تو میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا تاکہ اس مرد شامی کا حال معلوم کروں دیکھا تو وہ دروازے پر اندر آنے کے لیے اجازت کا منتظر کھڑا ہے، چنانچہ اسے اجازت ملی اور ہم دونوں ساتھ ساتھ اندر پہنچے اور وہ شامی کہنے لگا کہ خدا ہی بہتر سمجھتا ہے کہ وہ کسے اپنے علم کا مقام قرار دے۔ ''حضور والا'' میں گذشتہ شب وہاں پہونچا اور آپ کے حکم کے مطابق میں نے عمل کیا تو میرے پاس ایک شخص آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ یہیں ٹھہرے رہو کہ میں اسے تمہارے پاس لے آؤں چنانچہ وہ ایک بہت کالے آدمی کو لے کر آئے اور کہنے لگے کہ یہ تمہارا باپ ہے میں نے دیکھ کر کہا کہ یہ تو میرے باپ نہیں ہیں تو وہ شخص بولے کہ دوزخ کی آگ کے شعلوں اور دھوئیں نے اس کی شکل کو بدل ڈالا ہے میں نے ان کالے آدمی سے کہا کہ کیا تم میرے باپ ہو تو جواب ملا کہ ہاں میں تیرا باپ ہوں۔ پھر میں نے پوچھا کہ تمہاری صورت اور شکل کیوں بدل گئی تو انھوں نے جواب دیا: بیٹا میں بنی امیہ سے محبت رکھتا تھا اور آنحضرتؐ کے بعد ان کے اہل بیتؑ پر انہیں فضیلت دیتا تھا تو خدائے تعالیٰ نے مجھے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ چونکہ تو اہل بیتؑ سے محبت رکھتا تھا، لہٰذا میں تجھ سے دشمنی رکھنے لگا اور میں نے اپنے مال سے تجھے محروم کر دیا اور اسے پوشیدہ کر دیا آج اپنے کئے پر شرمندہ ہوں۔ لہٰذا بیٹا میرے باغ میں جاؤ اور زیتون کے درخت کے نیچے کھدائی کرواور ایک لاکھ درہم نکال کر پچاس ہزار درہم امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنا اور باقی تیرے لئے ہیں۔ پھر بولا کہ میں خود چلتا ہوں تاکہ مال کو نکالوں اور تیرے حوالہ کردوں۔

ابوعتیبہ کہتے ہیں کہ جب پھر موقع ملا تو میں نے امام سے دریافت کیا کہ اس مال والے آدمی کے معاملہ کا کیا رہا۔ تو امام نے ارشاد فرمایا کہ وہ پچاس ہزار درہم لے کر میرے پاس آئے تھے، تو میں نے ان سے اپنا قرض ادا کیا اور خیبر کے اطراف میں ایک زمین خریدی اور کچھ رقم اپنے اہل بیت کے ضرورت مندلوگوں میں تقسیم کر دی۔(۱)

---

(۱) الخرائج والجرائح، ص/۲۳۰۔ بحار، جلد۴۶، ص/۳۷

دشمنِ اہل بیتؑ کا امام محمد باقرؑ کو تنبیہ کرنے کا انجام

خرائج میں عبداللہ بن معاویہ جعفری سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں تم سے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں کہ جسے میں نے اپنے کانوں سے سنا اور آنکھوں سے دیکھا کہ اولاد مروان میں سے ایک شخص مدینہ کا حاکم ہوا اس نے ایک دن مجھے بلا بھیجا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا اس وقت وہاں کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ اس نے کہا اے پسر معاویہ میں نے تمہیں قابل اعتماد آدمی سمجھ کر بلایا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے علاوہ میری بات کا کسی کو پتہ نہ چلے گا۔ میری خواہش ہے کہ تم اپنے دونوں چچاؤں حضرت محمد بن علی باقر اور زید بن امام حسن علیہ السلام سے ملو اور کہو کہ جو کچھ مجھے تمہاری طرف سے معلوم ہوا ہے، اس سے باز رہو یا پھر سزا کے لئے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ میں امام باقر علیہ السلام کے پاس پہنچنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ میں نے حضرت امام سے ملاقات کی جب کہ آپ مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ جب میں حضرت کے قریب پہنچا تو آپ مسکرائے اور فرمایا کہ اس ظالم نے تجھے ترغیب دی ہے اور تجھے بلایا تھا اور کہا تھا کہ اپنے چچاؤں سے ملاقات کرو اور ان سے ایسا ایسا کہو، چنانچہ حضرت نے وہ گفتگو اس طرح بتا دی جیسے حضرت وہاں موجود تھے۔ پھر امام نے ارشاد فرمایا: بھتیجے کل کے بعد اس کا معاملہ صاف ہو جائے گا۔ یہ معزول ہوگا اور مصر کے شہروں کی طرف جلاوطن ہو جائے گا۔ خدا کی قسم نہ میں جادو گر ہوں اور نہ کاہن۔ مجھے تو خدا کی طرف سے یہ سب کچھ بتایا گیا ہے۔ عبداللہ کا بیان ہے کہ دوسرا دن آنے بھی نہ پایا کہ وہ معزول ہوا اور مصر کی جانب شہر بدر کر دیا گیا اور ایک دوسرا شخص مدینہ کا حاکم مقرر ہوا۔(۱)

امام نے ایک خراسانی کے گھر کے حالات بتائے

خرائج میں ابوبصیرؒ سے منقول ہے کہ ایک خراسانی سے امام محمد باقر علیہ السلام نے پوچھا کہ تمہارے باپ کا کیا حال ہے تو اس نے جواب دیا کہ بالکل ٹھیک ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ جب تم خراسان سے روانہ ہوئے تھے اور جرجان کے راستہ میں تھے تو تمہارے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ پھر پوچھا: تمہارے بھائی کا کیا حال ہے؟ تو خراسانی نے جواب دیا کہ حضور! انہیں بخیر و عافیت چھوڑ کر چلا ہوں تو حضرت نے فرمایا کہ انہیں

---

(۱) الخرائج والجرائح، ص/۲۳۰۔ بحار، جلد ۴، ص/۳۷

ان کے پڑوسی نے قتل کرڈالا جس کا نام صالح ہے اور فلاں وقت اس کا انتقال ہوا تو وہ خراسانی رونے لگا اور کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن. حضرت امام نے فرمایا صبر کر، وہ جنت میں پہنچ گئے اور ان کے لئے جنت اس دنیا سے کہیں بہتر ہے۔ پھر خراسانی نے کہا کہ میں اپنے فرزند کو سخت درد میں مبتلا چھوڑ کر آیا ہوں لیکن حضور نے اس بارے میں مجھ سے کچھ نہ پوچھا، تو امام نے فرمایا وہ تندرست ہو گیا اور اس کے چچا نے اپنی بیٹی سے اس کا نکاح کر دیا۔ جب تم وہاں پہنچو گے تو اس کا لڑکا دیکھو گے جس کا نام علی ہوگا۔ وہ ہمارے شیعوں میں سے ہوگا لیکن تیرا بیٹا ہمارا شیعہ نہیں ہے بلکہ ہمارا دشمن ہے، تو خراسانی نے عرض کیا کہ حضور اس کی کوئی تدبیر ہو سکتی ہے تو فرمایا کہ وہ دشمن ہے اور دوزخ کا ایندھن ہے۔ ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضور یہ کون ہیں تو فرمایا یہ خراسان کے ایک شیعہ مرد مومن ہیں۔(۱)

قمری پرندہ کے لئے دعا کرنا

خرائج میں جناب جابر جعفی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوا اور سفر کے دوران میں ایک پرندہ قمری آپ کی محمل کے پہلو میں آ کر بیٹھ گیا اور کچھ بولنے لگا۔ میں نے اسے پکڑنا چاہا، لیکن حضرت امام نے روک دیا اور فرمایا: اے جابر! اس نے ہم اہل بیتؑ سے پناہ اور مدد طالب کی ہے، جس پر میں نے عرض کیا کہ اسے کیا شکایت ہے؟ تو فرمایا اس نے یہ شکایت کی ہے کہ یہ تین سال سے اس پہاڑ میں اپنے بچّے نکالتا ہے لیکن ایک سانپ وہاں آ کر انہیں کھا جاتا ہے تو اس قمری نے مجھ سے کہا ہے کہ میں بارگاہ الٰہی میں دعا کروں کہ اس سانپ کو مار ڈالے میں نے دعا کی تو خدا نے اس سانپ کو ہلاک کر دیا۔''

اس کے بعد ہم چل پڑے جب صبح ہونے لگی تو حضرت امام نے مجھ سے فرمایا کہ جابر اترو، تو میں اتر گیا اور اونٹ کی مہار کو پکڑا، حضرت امام اترے اور راستہ کو چھوڑ کر ہٹے اور زمین کے ایک ریتیلے حصّہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ جب وہاں آئے تو داہنے بائیں ریت ہی ریت نظر آیا۔ زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے کہ پالنے والے ہمیں سیراب فرما اور طہارت کے لئے پانی مہیا فرما۔ ناگہاں ریت کے درمیان ایک سفید و شفاف پتھر نمودار ہوا حضرت نے اس پتھر کو ہٹایا تو وہاں سے صاف شفاف پانی کا چشمہ نکلا حضرت نے

(۱) المصدر السابق، ص/۲۳۰۔ مناقب بن شہر آشوب، جلد۳، ص ۳۲۵

اس میں سے پانی پیا اور وضو فرمایا۔‘‘(۱)

وہ فرشتہ جو شیعوں کی پہچان کراتا ہے

خرائج میں جابرؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم پچاس آدمیوں کے قریب خدمت امام محمد باقرؑ میں حاضر تھے کہ کثیر النوا (کھجور کی گٹھلیاں بیچنے والا) وہاں آ گیا اور وہ مغیرہ بن سعید عجلی کے اصحاب میں سے تھا۔ اس نے سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ پھر کہنے لگا کہ کوفہ میں مغیرہ بن عمران کا یہ خیال ہے کہ آپ کے ساتھ ایک فرشتہ رہتا ہے جو آپ کو مومن سے کافر کی اور آپ کے دشمنوں سے آپ کے دوستوں کی پہچان کراتا ہے، تو حضرت نے پوچھا کہ تیرا پیشہ کیا ہے اس نے جواب دیا کہ گیہوں فروخت کرتا ہوں تو حضرت نے فرمایا کہ تو جھوٹ بولتا ہے جس پر وہ کہنے لگا کہ کبھی کبھی جو بھی بیچتا ہوں حضرت نے فرمایا: جو تو کہہ رہا ہے یہ بھی درست نہیں۔ تو گٹھلیوں کی تجارت کرتا ہے۔ تو وہ کہنے لگا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا تو فرمایا کہ اس فرشتے نے بتایا ہے جو میرے شیعوں کی میرے دشمنوں سے پہچان کراتا ہے اور تو سرگشتہ و گمراہ مرے گا۔

جابر کہتے ہیں کہ جب ہم کوفہ لوٹے تو میں کچھ لوگوں کے پاس گیا کہ پوچھوں تو انہوں نے ایک بڑھیا کا پتہ دیا اس نے بتایا کہ تین دن ہوئے وہ گمراہ اور پاگل ہو کر مر گیا۔(۲)

اژدہے کی شکل میں جن کا خانہ کعبہ کا طواف

مناقب شہر آشوب میں ابوحمزہ سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں حالت عمرہ میں تھا اور حجر اسود کے پاس بیٹھا تھا کہ ناگہاں ایک جن اژدہے کی شکل میں دکھائی دیا۔ وہ مشرق کی سمت سے آیا تھا اور حجر اسود کے قریب پہنچا۔ میں نے جو اس پر نگاہ ڈالی تو وہ دیر تک وہاں ٹھہرا رہا، پھر اس نے سات بار خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔ اس کے بعد مقام ابراہیم میں جا کر اپنی دم کے بل سیدھا کھڑا ہوا اور اس نے دو رکعت نماز پڑھی اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ زوال شمس ہو چکا تھا۔ چنانچہ عطا اور اس کے ساتھیوں نے اسے دیکھا۔ وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کیا آپ نے ایسا ایسا جن دیکھا، تو حضرت نے فرمایا کہ میں نے اسے بھی

---

(۱) الخرائج والجرائح، ص/۲۳۱ (۲) کشف الغمہ، جلد ۲، ص/۳۵۵

دیکھا اور جو کچھ اس نے کیا، اسے بھی حضرت فرماتے ہیں کہ پھر میں نے ان سے کہا کہ اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ محمدؑ بن علیؑ نے تجھے حکم دیا ہے کہ یہاں کعبہ کے اندر ہر طرح کے بندگان خدا آتے ہیں۔ لہٰذا تجھے اس وقت لوگوں کے پاس سے چلا جانا چاہیئے یہ کہ تو اپنی عبادت پوری کر چکا اور لوگ خائف ہیں۔ بہتر ہے کہ تو لوگوں کے آنے سے پہلے یہاں سے چلا جائے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اس نے مسجد کی نالی سے کنکریوں کا ڈھیر الگایا جس پر اس نے دم رکھی اور پھر ہوا میں غائب ہو گیا۔''(۱)

دائرہ علمِ امامت

الخرائج میں محمد بن مسلم سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم تمہیں نہیں دیکھتے اور تمہاری بات چیت نہیں سنتے تو یہ تمہارا گمان ہے۔ اگر تمہارا یہی خیال ہے کہ ہم تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتے تو پھر تم پر ہماری افضلیت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضور مجھے کچھ دکھائیں کہ میں اسے ایک دلیل بنا سکوں اور میرے یقین میں اضافہ ہو۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اور تمہارے ایک ساتھی کے درمیان زبدہ میں ایک واقعہ گزرا تھا اور اس نے ہمارے اور ہماری محبت و معرفت کے بارے میں تم پر طنز کیا تھا اور اندازہ لگایا تھا، بتاؤ کیا ایسا نہیں ہوا؟ تو میں نے عرض کیا بے شک خدا کی قسم ایسا ہوا تھا۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ تم نے دیکھ لیا کہ میں نے خدا کی طرف سے اطلاع ملنے پر ہی سب کچھ بتایا۔ میں نہ جادوگر ہوں نہ کاہن اور نہ دیوانہ۔ یہ سب کچھ علم نبوت کا نتیجہ ہے اور ہم جو کچھ ہونے والا ہے، اسے بھی بتا دیتے ہیں جس پر میں نے عرض کیا کہ حضور وہ کون ہے جو ہمارے بارے میں آپ کو بتا دیتا ہے کہ ہمارا ایسا ایسا حال ہے تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ وقتاً فوقتاً ایسی چیزیں ہمارے دلوں میں اترتی رہتی ہیں اور کانوں میں آواز کی صورت میں آتی رہتی ہیں اور اس کے ساتھ ایک بات یہ ہے کہ مومن جنات میں سے کچھ ہمارے خدمت گار بھی ہیں جو ہمارے شیعہ ہیں اور وہ تم سے زیادہ ہمارے فرمانبردار ہیں تو میں نے عرض کیا کہ حضور کیا ان میں سے ہر ایک کے ساتھ جن رہتا ہے تو ارشاد فرمایا ہاں وہ ہمیں تمہارے بارے میں ہر بات کی خبر دیتا رہتا ہے۔(۲)

(۱) مناقب شہر آشوب، جلد ۳۔ ص ۳۲۵ (۲) الخرائج والجرائح، ص/ ۱۹۷

امام کی اپنے شیعہ کی تکلیف میں بے چینی

مناقب ابن شہرآشوب میں نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے امام محمد باقرؑ سے کہا کہ محمد بن مسلم بیماری میں مبتلا ہیں۔ یہ سن کر جنابؑ نے غلام کے ہاتھ ان کے پاس ایک گلاس شربت بھجوایا۔ غلام نے ان سے کہا کہ حضرتؑ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس وقت تک وہاں سے نہ لوٹوں جب تک آپ اس شربت کو پی نہ لیں۔ یہ سن کر محمد بن مسلم کو بڑا تعجب ہوا اور ان کی کیفیت یہ تھی کہ ان میں کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی۔ جوں ہی انہوں نے وہ شربت پیا اور وہ معدہ میں پہنچا تو ایک دم ایسے تندرست ہو گئے جیسے کسی بندھن سے چھٹکارا پالیا ہو۔ فوراً دِرِامام پر حاضر ہوئے۔ اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اجازت ملی۔ جب اندر پہنچے تو حضرت کو روتے ہوئے سلام کیا اور ہاتھوں اور سر مبارک کے بوسے لیئے۔ حضرت امام نے فرمایا: تم تندرست ہو گئے ہو روتے کیوں ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور مجھے میری غربت، وطن سے دوری نے اور اتنی قدرت حاصل نہ ہونے پر کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف زیارت حاصل کروں رلا دیا۔ یہ سن کر جناب امام نے فرمایا کہ جہاں تک کم مائیگی کی بات ہے خدا نے ہمارے دوستوں اور عقیدت مندوں کو ایسا ہی قرار دیا ہے اور انہیں جلدی جلدی بلا وامتحان سے مخصوص کیا ہے اور تم نے جو وطن سے دوری کا ذکر کیا تو اس میں حضرت ابوعبداللہ الحسین صلواۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس تمہارے لئے ایک نمونہ ہے جو اس زمین میں آرام فرما رہے ہیں جو ہم سے دور فرات کے کنارے پر واقع ہے رہا۔ مسافت کی دوری کا معاملہ تو یہ سمجھو کہ اس دنیا میں ہر مومن غریب الوطن ہے اور اس مخلوق کے درمیان رہ کر بالکل تہ و بالا ہے، یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے نکل کر خدا کی رحمت سے ہم آغوش ہو۔ اب رہی تمہاری محبت کی وجہ سے ہماری قربت اور ہماری جانب تمہاری توجہ تو تم اس کے حق کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتے۔ کوئی بات نہیں۔ تمہارے دل میں ہماری جتنی بھی محبت ہے اس کی جزا تمہیں مل کر رہے گی۔(۱)

امام محمد باقرؑ نے کہا احترام کعبہ کر

مناقب ابن شہرآشوب میں ابوحمزہ ثمالی سے منقول ہے کہ ایک سال امام محمد باقر علیہ السلام حج کے لئے تشریف لائے اور ہشام بن عبدالملک بھی آیا تھا۔ حضرت امام کے گرد لوگوں کا بڑا مجمع تھا تو عکرمہ نے کہا:

(۱) المناقب، جلد ۳، ص/ ۳۱۶

یہ کون ہیں کہ جن کی پیشانی پر علم کی روشنی اور چمک ہے۔ میں ان کی تفتیش کروں گا۔ جب امامؑ سامنے تشریف لائے تو وہ کانپنے لگا اور حواس باختہ ہوگیا اور شرمندہ ہوا کہنے لگا کہ فرزند رسول میں ابن عباس وغیرہ جیسے لوگوں کی مجلسوں میں شریک ہوا ہوں لیکن ایسا رعب مجھ پر کبھی طاری نہیں ہوا یہ سن کر حضرت نے فرمایا وائے ہو تجھ پر اے اہل شام کے غلام تو ان بیوت کے سامنے ہے جن کے بارے میں خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان میں خدائے تعالیٰ کا نام لیا جائے۔''(۱)

امام محمد باقرؑ نے لوگوں کے مسائل حل کیئے

مناقب ابن شہر آشوب میں حبابہ والبیہ سے مروی ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے مکّہ میں ایک شخص کو دیکھا جو باب وحجر کے درمیان اونچائی پر دعا کر رہے تھے اور صوف کا عمامہ باندھے ہوئے تھے اور یہ شام کا وقت تھا کہ پہاڑ کی چوٹیوں پر سورج دکھائی دے رہا تھا۔ انھوں نے اپنی ہتھیلیاں آسمان کی طرف بلند کر رکھی تھیں اور دعا میں مصروف تھے۔ لوگ ان کے گرد جمع ہونا شروع ہوگئے اور مشکل سے مشکل سوالات کر رہے تھے اور وہ بے تامل جوابات دے رہے تھے۔ ہزاروں مسائل کے جوابات دے دیئے۔ جب وہ اپنی سواری کی طرف چلے تو کسی کہنے والے نے کہا کہ یہ ایک چمکتا ہوا حسین نور ہیں، نسیم رحمت ہیں، جو خوشبودار ہے اور یہ وہ حق ہے جو لوگوں میں حرکت پیدا کرے کچھ لوگوں نے پوچھا کہ آخر یہ کون بزرگ ہیں تو جواب ملا کہ یہ محمد بن علی باقر العلوم ہیں، یہ علم کا جھنڈا ہیں اور شعور وعقل سے بولنے والے ہیں یہ محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔''(۲)

امام سے ایک حاجی کی فریاد

نفس المصدر میں مفضل بن عمر سے مروی ہے کہ ایک بار امام محمد باقرؑ مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر میں تھے کہ آپ ایک قافلہ سے ملے کہ حاجیوں میں ایک شخص اس بات پر رو رہا تھا کہ اس کا گدھا مر گیا ہے۔ خداوند عالم سے دعا فرما دیجئے کہ اس گدھے کو زندہ کر دے۔ حضرت نے دعا فرمائی اور خدا نے اس گدھے کو زندہ کر دیا۔''(۳)

(۱) المناقب، جلد۳، ص/ ۳۱۷ (۲) المناقب، جلد۳، ص/ ۳۱۷ (۳) نفس المصدر، جلد۳، ص/ ۳۱۸

امام نے چڑیوں کی عبادت کے بارے میں بتایا

حلیۃ الاولیاء میں ابوحمزہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر تھا اور کچھ چڑیاں چہچہا رہی تھیں تو حضرت امام نے فرمایا: ابوحمزہ! تم سمجھتے ہو کہ یہ چڑیاں کیا کہہ رہی ہیں میں نے عرض کیا: مولا! میں نہیں جانتا۔ تو فرمایا: یہ خدا کی تسبیح بجالا رہی ہیں اور اپنی آج کی روزی کا سوال کر رہی ہیں۔"(۱)

امام محمد باقرؑ کی نظر سے کسی شخص کا کردار پوشیدہ نہ تھا

مناقب ابن شہر آشوب میں جابر بن یزید جعفی سے منقول ہے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ ہم ہر شخص کو دیکھ کر اس کے ایمان اور نفاق کی صورت کو پہچان لیتے ہیں چنانچہ ایک بار امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے عمر بن سحبۃ الکندی کا ذکر آ گیا لوگوں نے اس کے نفس کی پاکیزگی کی تعریف کی تو امام نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ تمہیں لوگوں کے بارے میں کچھ علم نہیں میں نے پہلی نظر میں پہچان لیا تھا کہ یہ خبیث ترین آدمی ہے۔ جابر کہتے ہیں کہ بعد میں ایسا ہی ثابت ہوا کہ اس نے کوئی حرام کام نہیں چھوڑا اور بدکردار نکلا۔(۲)

امامت قرآن مجید کے ذریعہ

مناقب ابن شہر آشوب میں جلسی سے منقول ہے کہ کچھ لوگ امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علامت امامت دریافت کی۔ آپ نے انہیں حضرات آئمہ کے نام بتائے اور جو وہ سوال کرنا چاہتے تھے اسے بھی بتا دیا کہ تم قرآن مجید کی اس آیت کے بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہو ﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا﴾ (سورۂ ابراہیم، آیت/۲۴، ۲۵)

(گویا ایک پاک و پاکیزہ درخت کہ اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی ٹہنیاں آسمان میں لگی ہوئی ہیں اور اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھلا پھولا رہتا ہے) تو وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ نے درست فرمایا ہم اس کے بارے میں سوال کرنا چاہتے تھے۔ پھر حضرت امام نے فرمایا کہ ہم ہی وہ درخت ہیں جس کے بارے میں خدا کا ارشاد ہے کہ اس کی جڑ مضبوط ہے۔(۳)

---

(۱) حلیۃ الاولیاء، جلد ۳، ص/ ۱۸۷۔ بحار، جلد ۴، ص/ ۴۹ (۲) المناقب، جلد ۳، ص/ ۳۲۱ (۳) المناقب، جلد ۳، ص/ ۳۲۱

''ابو لیلیٰ علی بن حمزہ'' کا مرتبہ امام کی نظر میں

علی بن ابی حمزہ اور ابو بصیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم آپس کے وعدہ کی صورت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے (یعنی ابو بصیر اور ابو لیلیٰ علی بن حمزہ) تو امام نے اپنی کنیز سکینہ سے فرمایا کہ ذرا چراغ تو لاؤ۔ وہ چراغ لے آئی۔ پھر فرمایا: جاؤ اور بقچہ یا ٹوکری جو فلاں جگہ رکھی ہے اٹھا لاؤ۔ وہ کنیز اس بقچہ یا ٹوکری کو جو ہندی یا سندھی تھی لے آئی۔ امام نے اس کی مہر توڑی اور اس میں سے زرد رنگ کا لکھا ہوا کاغذ نکالا۔ علی بن ابی حمزہ کہتے ہیں کہ امام نے اس کاغذ کو اوپر کی طرف سے تو تہہ کیا اور نیچے کے حصہ کو پھیلا دیا یہاں تک کہ آپ اس کے تہائی یا چوتھائی حصہ تک پہنچے، تو میری طرف نظر کی۔ میں خوف سے کانپنے لگا۔ جب حضرت نے میری یہ حالت دیکھی تو میرے سینہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم ڈر گئے۔ میں نے عرض کیا کہ میں آپ پر قربان ایسا ہی ہے تو حضرت فرمانے لگے کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ میرے قریب آؤ۔ میں قریب ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے اس میں کیا دیکھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اپنا اپنے باپ اور اولاد کے نام دیکھے ہیں جنہیں میں پہچانتا بھی نہیں۔ تو حضرت نے فرمایا کہ اے علی اگر میرے نزدیک تمہارا یہ مرتبہ نہ ہوتا جو کسی دوسرے کے لیے نہیں تو میں تمہیں یہ بات نہ بتاتا۔ علی بن ابی حمزہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں بیس سال تک زندہ رہا اور میری اتنی ہی اولادیں ہوئیں جتنی میں نے اس کاغذ پر دیکھی تھیں۔'' (۱)

امام کی پیشن گوئی کہ یہ محل گرایا جائے گا

کشف الغمہ میں یزید بن حازم سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں امام محمد باقر علیہ السلام کے ہمراہ ہشام بن عبدالملک کے محل کی طرف سے گزرا جو تعمیر ہو رہا تھا حضرت امام نے فرمایا کہ بخدا یہ گھر گرایا جائے گا اور اس کے ڈھیر کی مٹی بھی اٹھائی جائے گی اور یہ بھی سن لو کہ مقام حجاز ریت نظر آئے گا جو نفس زکیہ کے قتل کی جگہ ہے یزید بن حازم کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں تعجب میں رہ گیا اور کہنے لگا کہ بھلا ہشام کا محل کون ڈھائے گا لیکن میں نے دیکھ لیا کہ ولید نے اس محل کے ڈھانے کا حکم دیا اور اس کے ڈھیر کی مٹی دوسری جگہ منتقل کی گئی یہاں تک کہ پتھر صاف نظر آنے لگے تھے۔'' (۲)

---

(۱) المناقب، جلد۳، ص/ ۳۲۵ (۲) کشف الغمہ، جلد۲، ص/ ۳۴۶

صحف ائمہ میں اسماء شیعان کا اندراج

مشارق الانوار میں منقول ہے کہ جناب ابوبصیر نے کہا کہ مجھ سے میرے مولا وآقا امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم کوفہ لوٹ جاؤ گے، تمہارے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ تم اس کا نام عیسیٰ رکھو گے۔ پھر ایک دوسرا لڑکا پیدا ہوگا۔ اس کا نام محمد رکھو گے اور یہ دونوں ہمارے شیعوں میں سے ہوں گے اور ہمارے صحیفہ میں ان کے نام موجود ہیں، بلکہ ان شیعوں کے نام بھی ہیں جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا آپ کے شیعہ آپ کے ساتھ ہوں گے تو حضرت نے فرمایا: ہاں! جب کہ وہ خدا سے ڈرتے رہیں اور تقویٰ الٰہی اختیار کریں۔ ابوبصیر کہتے ہیں کہ ایک دن امام محمد باقر علیہ السلام مسجد میں داخل ہوئے تو ایک جوان آدمی کو مسجد میں ہنستے ہوئے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ تو مسجد میں ہنس رہا ہے اور تین دن کے بعد تو اہل قبور میں سے ہو جائے گا، چنانچہ وہ شخص تیسرے دن کے اوّل وقت ہی میں مر گیا اور شام کو اسے دفن کیا گیا۔"(۱)

ہشام کی حکومت اور امام کی پیشن گوئی

کافی میں جناب جابر سے منقول ہے کہ وہ امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس بیٹھے تھے کہ حکومت بنی امیہ کا ذکر آ گیا تو حضرت امام نے فرمایا کہ جو بھی ہشام پر خروج کرے گا، وہ اسے قتل کر دے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت نے اس کی حکومت کے بیس سال بتائے اور یہ سن کر کچھ مایوسی سی ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا جب خدا کسی قوم کے بادشاہ کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ رفتار فلک کو تیز کر دے اور جو وہ چاہتا ہے پورا ہو کر رہتا ہے۔ جابر کہتے ہیں کہ ہم نے زید سے جناب امام کا یہ قول بیان کیا تو وہ کہنے لگے کہ میں ہشام کے پاس موجود تھا اور وہاں اس کے سامنے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہو رہی تھی تو اس نے کسی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ خدا کی قسم اگر کوئی بھی سوائے میرے اور میرے بیٹے کے نہ ہو تو میں اس پر خروج کر کے رہوں گا۔(۲)

---

(۱) مشارق الانوار، ص/۱۱۰ (۲) الکافی، جلد، ۸، ص/۳۹۴، بحار، جلد، ۴، ص/۶۴

لوگوں نے امام سے کہا کہ آپ کا گھر جل گیا

کتاب عتیق عزدی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے حضرت فرماتے ہیں کہ میں اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر تھا، انصار کے لوگ بھی بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک آنے والے نے امام سے کہا: سچ کہتا ہوں کہ آپ کے گھر میں آگ لگ گئی ہے تو آپ نے فرمایا: بیٹا وہ نہیں جلا۔ وہ شخص چلا گیا ابھی کچھ دیر نہ گزری تھی کہ وہ لوٹ کر آیا اور پھر کہا کہ خدا کی قسم آپ کا گھر جل گیا تو حضرت نے فرمایا: بیٹا خدا کی قسم وہ نہیں جلا۔ یہ کہہ کر وہ پھر چلا گیا ابھی کچھ وقت نہ گزرا تھا کہ وہ پھر آیا اور اس کے ساتھ میرے گھر والوں اور دوستوں میں سے کچھ لوگ تھے جو رو رہے تھے اور کہہ رہتے تھے کہ آپ کا گھر جل گیا۔ امام نے سنا اور یہی فرمایا کہ ہرگز نہیں! خدا کی قسم میرا گھر نہیں جلا۔ میں تم سے جھوٹ نہیں کہتا اور نہ مجھ سے یہ بات غلط کہی گئی ہے جو کچھ میرے اور تمہارے سامنے ہے اس پر مجھے اعتماد ہے یہ فرما کر پدر بزرگوار کھڑے ہوئے اور میں بھی آپ کے ساتھ اٹھا۔ جب ہم اپنے گھروں کے قریب پہنچے تو آگ ہمارے گھروں کے دائیں بائیں بلکہ ہر طرف لگی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر امام مسجد کی طرف لوٹے اور سجدہ میں چلے گئے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا ''پالنے والے تجھے اپنے عزت وجلال کی قسم ہے میں اپنے سر کو سجدہ سے نہیں اٹھاؤں گا جب تک تو اس آگ کو نہ بجھا دے'' امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم جب تک آگ نہ بجھ گئی آپ نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا۔ ہمارے گھروں کے علاوہ آس پاس کے گھر جل گئے تھے لیکن ہمارے گھر محفوظ تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ یہ میرے پدر بزرگوار کی دعا کا اثر تھا جو ایسا ہوا۔''(۱)

---

(۱) بحار الانوار، جلد ۴، ص/ ۶۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(باب ہشتم)

امام جعفر صادق علیہ السلام

- ولادت: ۱۷؍ربیع الاوّل ۸۳ھ مطابق ۷۰۲ء یوم دوشنبہ مدینہ منورہ
- شہادت: ۱۵؍شوال ۱۴۸ھ مدفون بہ جنت البقیع
- والد : حضرت امام محمد باقر علیہ السلام
- والدہ: امّ فروہ
- ازواج: تعداد کا علم نہیں
- بیٹے: سات (۷)
- بیٹیاں: تین (۳)

امام جعفر صادقؑ کے حالات

امام جعفر صادقؑ رسول خداؐ کے چھٹے جانشین اور انوار معصومین کی آٹھویں کڑی ہیں۔آپ حضرت محمد باقرؑ کے بیٹے حضرت امام زین العابدینؑ کے پوتے اور شہید کربلا حضرت امام حسینؑ کے پر پوتے تھے۔آپ کی والدہ حضرت محمد ابن ابی بکر کی پوتی ام فروہ تھیں جن کے والد قاسم ابن محمد مدینہ کے سات مشہور فقہا میں سے تھے۔

آپ کی ولادت باسعادت

آپ بتاریخ ۱۷ربیع الاوّل ۸۳ہجری مطابق ۷۰۲ء یوم دوشنبہ مدینہ منورہ میں اپنے جد بزرگوار پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ کی ولادت کی تاریخ میں پیدا ہوئے۔اس وقت آپ کے دادا حضرت زین العابدین بھی زندہ تھے آپ کے والد بزرگوار حضرت امام محمد باقرؑ کی عمر اس وقت چھبیس (۲۶) برس کی تھی۔خاندان آلِ رسولؐ میں آپ کی پیدائش پر استقبال بہت جوش سے کیا گیا۔احادیث میں ہے کہ اس تاریخ کو روزہ رکھنا ایک سال کے روزہ کے برابر ہے۔علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں کہ جب آپ بطن مادر میں تھے تب کلام فرمایا کرتے تھے۔ ولادت کے بعد آپ نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری فرمایا آپ بھی ناف بریدہ اور ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔(۱)

نقش خاتم

حسین بن خالد سے روایت ہے۔اس کا بیان ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ امام جعفر بن محمد ''الصادق'' کی انگوٹھی (خاتم) پر یہ کندہ تھا۔''واللّٰہ ولیِّ وَعصمتی من خلقه''(۲)

کچھ علماء کا کہنا ہے'' آپ کی انگوٹھی کا نقشِ نگیں ''اللّٰہ خالق کل شیٔ'' تھا۔(۳)

(۱)جلاء العیون،ص/۲۶۵ (۲)امالی شیخ صدوق،ص/۴۵۸،بحار،جلد۴،ص/۳ (۳)مصباح کفعمی،ص/۵۲۲

مکارمِ اخلاق کتاب العباس میں حضرت ابوالحسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت ابوعبداللہؑ کی انگوٹھی کی قیمت لگائی گئی تو میرے پدرِ بزرگوار نے اس کو سات درہم میں لے لیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا: کیا سات درہم میں؟ آپ نے فرمایا سات دینار میں ۔(۱)

اسم گرامی، کنیت والقاب

محمد بن طلحہ کا بیان ہے کہ آپ کا اسم گرامی جعفرؑ، کنیت، ابوعبداللہ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابواسماعیل تھا۔ اور ''القاب'' بہت سے ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور ''صادق'' ہے صابر و فاضل و طاہر بھی آپ کے القاب ہیں۔'' (۲)

علامہ ابن خلکان کا کہنا ہے کہ صدق مقال کی وجہ سے آپ کے نامِ نامی کا جز ''صادق'' قرار پایا ہے۔(۳)

''جعفر'' کے متعلق علماء کا بیان ہے کہ جنت میں جعفر نامی ایک شیریں نہر ہے۔ اسی کی مناسبت سے آپ کا لقب رکھا گیا ہے۔ چونکہ آپ کا فیض عام نہر جاری کی طرح تھا۔ اسی لئے اس لقب سے ملقب ہوئے۔(۴)

آپ بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح معصوم اور محفوظ تھے۔ چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں۔ ''**نحن قوم معصومون**''، ہم ہیں وحی خدا کے ترجمان، ہم ہیں علمِ خدا کے خزینہ دار اور ہم ہی لوگ معصوم ہیں۔ خدا نے ہماری اطاعت کا حکم دیا ہے اور ہماری معصیت سے دنیا والوں کو روکا ہے۔(۵)

وجہ تسمیۂ لقب ''صادق''

ابوحمزہ ثمالی نے حضرت علیؑ بن الحسینؑ اور انھوں نے اپنے پدر و جدِ بزرگوار سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب میرا فرزند جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالبؑ پیدا ہو تو اس کا نام صادق رکھنا، اس لئے کہ اس سے آگے بڑھ کر میری ہی نسل میں سے ایک اور شخص کا نام جعفر رکھا جائے

(۱) مکارم الاخلاق، ص/ ۹۵ (۲) مطالب السؤل، ص ۸۱ (۳) وفیات الاعیان، جلد ا، ص/ ۱۰۵
(۴) ارجح المطالب، ص/ ۳۶۱، چودہ ستارے، ص/ ۳۳۷ (۵) اعلام الوریٰ، ص/ ۱۶۹

گا، جو ناحق دعویٰ امامت کرے گا اور اسے لوگ جعفر کذاب کہیں گے۔(۱)

''معانی الاخبار'' میں مرقوم ہے کہ آپ کا نام جعفرؑ صادق اس لئے ہے تا کہ آپ میں اور اس شخص میں جو آپ کا ہمنام ہوگا اور ناحق دعویٰ امامت کرے گا فرق ہو جائے اور وہ دوسرا شخص جعفر بن امام علی النقی ہوگا جو دوسرے فطحیہ امام ہے۔(۲)

آپ کا حلیہ مبارک

مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ میانہ قد، روشن چہرہ، سیاہ گیسو، ستواں اور کھڑی ناک، کشادہ پیشانی، دبلے پتلے اور سینے پر چھوٹے چھوٹے بال، چہرہ پر جابجا سرخ تل نمایاں تھے۔(۳)

آپ عہدہ امامت کے حق دار تھے

ابی نضرہ سے روایت ہے کہ جب حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا وقت وفات قریب آیا تو آپ نے اپنے فرزند امام جعفر صادقؑ کو بلایا تا کہ اب عہدہ امامت ان کے سپرد کر دیں تو ان کے بھائی جناب زید بن علیؑ بن الحسین بھی اس وقت موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ امامت ایک ایسا عہدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے طے شدہ امر ہے اور میرے بعد میرا فرزند جعفرؑ ہی حجّت خدا ہے۔ یہ امر الٰہی ہے جو پہلے ہی سے طے ہے۔(۴)

جابر بن یزید جعفی سے روایت ہے ان کا بیان ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے بعد آپ کا وصی کون ہوگا؟

آپ نے حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادقؑ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا بخدا میرا یہ فرزند میر وصی اور وارثِ محمد ہوگا۔(۵)

امام محمد باقر علیہ السلام کی وصیت

کتاب الارشاد میں ہے کہ امام محمد باقرؑ نے جعفر صادقؑ کو اپنا وصی بنایا ایک کھلی ہوئی وصیت میں

---

(۱) علل الشرائع، ص/۲۳۴ (۲) بحار، ج ۴، ص/۳، مناقب، جلد ۳، ص/۴۰۰ (۳) معانی الاخبار، ص/ ۶۵
(۴) عیون الاخبار الرضا، جلد ۱، ص/ ۵ (۵) بحار ج ۴، ص/۱۲

اوران کی امامت کے متعلق واضح اور روشن نص فرمائی۔ چنانچہ محمد بن ابی عمیر نے ہشام بن سالم سے اور انھوں نے حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا کہ جب میرے پدر بزرگوار کا وقتِ وفات قریب ہوا تو آپ نے فرمایا، اے جعفر! میں تم کو اپنے اصحاب کے ساتھ نیک سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔

میں نے عرض کیا، میں آپ پر قربان، خدا کی قسم میں آپ کے اصحاب کو ہرگز نہ چھوڑوں گا، سب کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤں گا۔ اگر ان میں سے کوئی شخص مصر میں بھی ہو تو اس کو کسی دوسرے سے سوال کی ضرورت نہ رہے گی۔(۱)

عبادت، زہد وتقویٰ

آپ کے متعلق امام مالک بن انس لکھتے ہیں۔''میری آنکھوں نے علم وفضل، ورع وتقویٰ اور عبادت میں امام جعفر صادقؑ سے بہتر دیکھا ہی نہیں جیسا کہ اوپر گذرا وہ بہت بڑے لوگوں میں سے تھے اور بہت بڑے زاہد تھے خدا سے بے پناہ ڈرتے تھے، بے انتہا حدیث بیان کرتے تھے، بڑی پاک مجلس والے اور کثیر الفوائد تھے۔ آپ سے مل کر بے انتہا فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی حیثیت

امام جعفر صادقؑ اسلام کی تبلیغ وترویج اور نشر واشاعت میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے، آپ نے پیغمبر اسلامؐ کے آئین کی اشاعت اور معارف اسلام کے بہت سے اصول وفروع کو دوبارہ ظاہر کیا۔ آپ کے گرانقدر بیانات، ارشادات، اور راہ نمائیوں نے جہالت ونادانی کے موٹے اور بھاری پردوں کو چاک کر دیا اور پیغمبر اسلامؐ کے پیش کردہ واقعی آئین ودستور کو لوگوں کے سامنے اس طرح پیش فرمایا کہ لوگ نئے سرے سے اسلامی تعلیمات سے آشنا ہوئے۔ آپ علم کے ان مدارج پر فائز تھے جن کے عرشۂ بلند کے پایہ کو پرندہ پر بھی نہیں مار سکتا تھا۔ آپ کی تصانیف کے بارے میں علماء کا بیان ہے کہ آپ نے بے شمار کتابیں ورسالے

(۱) الارشاد شیخ مفیدؒ، ص/ ۲۸۹۔ اعلام الوریٰ، ص/ ۲۶۷، الکافی، جلد ۱، ص/ ۳۰۶

(۲) مناقب ابن شہر آشوب، جلد ۵، ص/ ۵۲

اور مقالات کے ذریعہ لوگوں کو فیضیاب فرمایا۔ آپ کی کتابیں ہر علم میں ملتی ہیں۔ آپ نے علم دین، علم کیمیا، علم رجز، علم فال، علم فلسفہ، علم طبیعات، علم ہیئت، علم منطق، علم طب، علم سمیات، علم تشریح الاجسام وافعال الاعضاء علم الٰہیات، ومابعد الطبیعات وغیرہ پر خامہ فرسائی فرمائی۔ تمام عالم اسلامی میں آپ کی علمی جلالت کا شہرہ تھا دور دور سے لوگ تحصیل علم کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

آپ جب بارہ برس کے تھے کہ داداامام زین العابدینؑ کا سایہ سر سے اٹھا۔ اس کے بعد انیس برس آپ نے اپنے والدامام محمد باقرؑ کے دامان تربیت میں گذارے۔ یہ وہ وقت تھا جب سیاست بنی امیہ کی نبیادیں ہل چکی تھیں اور امام محمد باقرؑ کی طرف فیوض علمی حاصل کرنے کے لئے خلائق رجوع کر رہی تھی۔ اس وقت اپنے پدر بزرگوار کی مجلس درس میں حضرت امام جعفر صادقؑ ہی ایک وہ طالب علم تھے جو قدرت کی طرف سے علم کے سانچے میں ڈھال کر پیدا کئے گئے تھے۔ آپ سفر اور حضر دونوں میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ رہتے تھے۔

چنانچہ محمد بن مسلم سے روایت ہے کہ میں حضرت ابوجعفر امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اسی اثناء میں آپ کے فرزند جعفر بن محمدؑ آ گئے۔ آپ نے اپنے فرزند کو گلے سے لگایا اور مجھ سے فرمایا: ''اے محمد بن مسلم! میرے بعد یہ تمہارے امام ہوں گے۔ ان کی اقتداء کرنا اور ان کے علم سے فائدہ اٹھانا۔ خدا کی قسم رسول خداؐ کے ارشاد کے مطابق یہ ''صادق'' ہیں۔ ان کے شیعہ دنیا وآخرت میں کامیاب اور ان کے دشمن ہر نبی کے بقول ملعون ہیں۔

یہ سن کر امام جعفرؑ بن محمدؑ کا چہرہ خوشی ومسرت سے شادمان ہو گیا۔ امام محمد باقرؑ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یہ ابھی بچے ہیں لیکن ان سے کچھ سوالات کرو۔

میں نے عرض کیا، فرزند رسول! ہنسی کہاں سے آتی ہے؟

امام جعفرؑ بن محمدؑ نے ارشاد فرمایا، اے محمد بن مسلم سنو! عقل کا تعلق قلب سے ہے۔ حزن کا تعلق جگر سے ہے، تنفّس کا تعلق پھیپھڑے سے اور ہنسی کا تعلق طحال سے ہے۔

اسی کم سنی میں اس قدر جامع جواب سن کر میں نے اٹھ کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ (۱)

---

(۱) کفایۃ الاثر، ص/۳۲۱، بحار، جلد۴، ص/۱۴

جعفری دانشگاہ (یونیورسٹی) کی سر پرستی

امام جعفر صادقؑ مدینہ میں ایک عظیم حوزۂ علمیہ کے مؤسس و سر پرست تھے، جس کے مختلف مدرسوں میں ہزاروں افرادعلوم وفنون اسلامی کے گونا گوں شعبوں میں مشغول تعلیم وتحصیل علوم تھے،صرف فقہ ومعارف علوم اسلامی سے متعلق کوفہ کی مسجد میں چار ہزار سے زیادہ افراد اپنے استادامام جعفر صادقؑ کے بیانات کی تکرار کرتے اور پھران کے بارے میں تحقیق وتدقیق و بحث وتمحیص کرتے تھے۔ان سب کی گفتگوؤں اور بحثوں کا واحدسر چشمہ ومدرک ومستندانھیں امام جعفر صادقؑ اور آپ کے پدر بزرگوار محمد باقرؑ کے بیانات وارشادات اور علمی توجہات ہوتے تھے۔

آپ ہی علم حدیث وروایت کے مختلف شعبوں کی نبیادر کھنے والے اور منظّم کرنے والے ہیں جس کی وجہ سے احادیث اوران کے پرعظمت ومنزلت مراتب کے ساتھ ہی شیعیان آلِ محمدؐ کی قدرومنزلت اوران کے اعتبار و وثوق کو بھی بلندی ملی۔چار ہزار نفوس سے زیادہ نے ایک وقت اور ایک زمانہ میں حضرتؑ کی بارگاہ سے اس شعبہ میں کسب علم ودانش اور نقل روایت حاصل کیا ہے۔حدیث ومعارف اسلامی کے چار سو اصول جو ہماری چاروں معتبر کتابوں **کافی** ،شیخ ابوجعفر کلینیؒ ،**من لا یحضرہ الفقیہ** ابن بابویہؒ جناب شیخ طوسیؒ کی **تھذیب الاحکام** اور **استبصار**،کا واحدسر چشمہ ہیں،اور یہ چاروں اصول امام صادق علیہ السلام باصلاحیت واستعدادشاگردوں کا امامؑ سے براہ راست حاصل کیا ہوا خزانہ ہیں۔امام کے تربیتی مکتب ومرکز میں ابان بن تغلب،محمد بن مسلم اور زرارہ بن اعین (ابوبصیر،حمران بن اعین،محمد بن علی مومن طاق،ہشام بن حکم،ہشام بن حکم،کمیت بن یزید اسدی اور مفضل بن عمرو) وغیرہ شاگردوں نے پرورش پائی،ان میں سے ابان بن تغلب نے تیس ہزار سے زائد حدیثیں اور محمد بن مسلم نے ۱۶ ہزار حدیثیں امام جعفر صادقؑ سے اور تیس ہزار سے زائد حدیثیں آپ کے پدر بزرگوار حضرت امام محمد باقرؑ سے نقل کی ہیں اور دوسرے شعبوں جیسے فیزیالوجی (علم الاجسام) کیمیاء (کیمسٹری) اور علم کلام میں جابر بن حیان ثقفی اور ہشام بن حکم جیسے شاگردوں نے تربیت پائی اور یہ دونوں دنیائے علوم میں کیمیا وعلم کلام کے بانیوں میں شمار کئے جاتے ہیں(۱)

---

(۱)''اہل بیتؑ اطہار کی مختصر سوانح حیات''حجۃ الاسلام عقیقی بخشائش (ایران)

امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور میں حاکم وقت کا کردار

امام محمد باقرؑ کی شہادت کے بعد سلطنت شام میں ملکی و سیاسی خلفشار بہت زیادہ ہو چکا تھا۔ حکومتیں جلدی جلدی بدل رہی تھیں۔ مظالم بنی امیہ کے انتقام کا جذبہ تیز ہو رہا تھا اور بنی ہاشم میں بھی بعض افراد حکومت کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ ان میں امام زین العابدینؑ کے فرزند جناب زید بھی تھے (جن کی نسل سے زیدی سادات آج بھی پائے جاتے ہیں) جن کی عبادت، زہد و تقویٰ کا بھی ملک عرب میں شہرہ تھا، وہ مستند اور مسلم حافظ قرآن تھے۔ بنی امیہ کے مظالم سے تنگ آ کر انھوں نے بھی میدان جہاد میں قدم رکھا۔ امام کے لئے یہ موقع نہایت نازک تھا۔ مظالم بنی امیہ سے نفرت میں ظاہر ہے آپ زید کے ساتھ متفق تھے، پھر جناب زید آپ کے چچا بھی تھے۔ جن کا احترام آپ لازم سمجھ رہے تھے مگر آپ کی دور بین نگاہ دیکھ رہی تھی کہ یہ اقدام کسی مفید نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے علمی طور سے آپ ان کا ساتھ دینا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ آپ نے جناب زید کو سمجھایا کہ اس مقابلہ میں کامیابی نہ ہوگی لیکن اہل عراق کی ایک بڑی جماعت نے جناب زید کے ہاتھ پر بیعت کی جس کی وجہ سے آپ نے حکومت کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ آخر کار ۱۲۰ھ میں فوج شام سے تین روز تک مقابلہ کرنے کے بعد شہید ہوئے۔ دشمنوں نے دفن ہونے کے بعد لاش اطہر کو قبر سے نکال کر سر جدا کیا اور اس کو ہشام کے پاس بطور تحفہ بھیج دیا اور لاش کو کوفہ کے دروازے پر سولی دی دی گئی اور کئی برس تک اسی طرح رکھا گیا۔

ہشام بن عبدالملک بن مروان ۱۲۵ھ میں واصل جہنم ہوا اس کے مرنے کے بعد ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان خلیفۂ وقت بنایا گیا یہ خلیفہ اوباش اخلاقی اوصاف سے عاری بے شرم منہیات کا مرتکب، نہایت فاسق و فاجر اور عیاش تھا۔ مئے نوشی اور لواطت میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ نہایت جابر اور کینہ ور۔ جس ہانڈی میں کھاتا تھا اسی میں سوراخ کرتا تھا۔ یہ اپنے باپ کی کنیزوں کو بھی استعمال کیا کرتا تھا۔

ظاہر ہے جو دین ایمان، نماز مسجد اور قرآن مجید کا احترام نہ کرتا ہو وہ آلِ محمدؐ کا کیا احترام کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے مختصر سے عہد میں ان کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی۔ تاریخ میں ہے کہ حضرت زید شہیدؒ کے بیٹے جناب یحیٰ کو اسی کے عہد میں بری طرح شہید کیا گیا، اور ان کا سر ولید کے دربار میں لایا گیا اور جسم

خراسان میں سولی پر لٹکایا گیا(۱)ان واقعات کا امام جعفر صادقؑ کے دل پر گہرا اثر پڑا چنانچہ آپ بیمار ہو گئے۔

بنی عباس

اس سیاسی خلفشار کا فائدہ بنی عباس نے اٹھایا۔ 'رضائے آلِ محمدؐ' کا نعرہ لگا کر لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا اور حکومت پر قبضہ کر کے بنی امیہ کا قتل عام کیا۔ ان کی قبریں کھدوائیں،، ان کی لاشوں کے ساتھ عبرتناک سلوک کئے گئے۔ جب حکومت مضبوط ہو گئی تو بنی عباس کو ڈر ہوا کہ ہمارا فریب دنیا پر کھل نہ جائے اور یہ تحریک نہ پیدا ہو جائے کہ خلافت بنی عباس کے بجائے بنی فاطمہؑ کے سپرد ہونی چاہئے جو حقیقت میں آلِ رسولؐ ہیں جن کے نام سے حکومت پر قبضہ کیا گیا ہے۔ اس خطرے کے پیش نظر بنی عباس کے ظلم وستم کا رخ سادات کی طرف ہو گیا۔

مورخ ابوالفداء لکھتا ہے کہ ابوالعباس سفاح بن عبداللہ عباسی نے چار سال چھ ماہ حکومت کر کے ذی الحجہ ۱۳۶ھ مطابق ۷۵۴ھ میں انتقال کیا اور وقت وفات اپنے بھائی منصور کو اپنا ولی عہد قرار دیا۔ جس وقت سفاح نے انتقال کیا، منصور حج کو گیا ہوا تھا۔ ۱۳۷ھ میں اس نے واپس آ کر عنانِ حکومت سنبھال لی۔

منصور دوانیقی (عباسی) کا کردار

جسٹس امیر علی لکھتے ہیں کہ منصور بنی عباس کا وہ بادشاہ تھا جس کی عاقبت اندیشی اور دور بینی سے اس خاندان کو اتنا قیام اور اس قدر اقتدار حاصل ہوا کہ دنیاوی سلطنت جانے کے بعد بھی عرصہ تک خاندانی وقار باقی رہا۔

مورخ ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ منصور مدبر منتظم مگر دغاباز، بے رحم، شکی وسواسی اور سفاک تھا۔ جس پر اسے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ اس کی ذات خاندان یا حکومت کے لئے مضر ثابت ہوگا، اسے ہرگز زندہ نہ چھوڑتا۔ حضرت علیؑ کی اولاد کے ساتھ جو جو ظلم اس نے کئے ہیں، انھوں نے عباسی تاریخ کے صفحوں کو سب سے زیادہ سیاہ کیا ہے۔ اسی نے علویوں اور عباسیوں میں عداوت کا بیج بویا۔ بڑا کنجوس تھا۔ ایک ایک دانہ پر جان دیتا تھا۔ اسی لئے اسے دوانیقی کہتے ہیں۔ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد اگر چہ

(۱) تاریخ اسلام، جلد ۱، ص/ ۴۸۔ چودہ ستارے، ص ۳۴۱

جملہ دنیاوی امور سے کنارہ کش تھیں، لیکن ان کا روحانی اقتدار منصور کے لئے نہایت ہی تکلیف دہ تھا۔ خواہ مخواہ ان کی طرف سے اسے کھٹکا لگا رہتا تھا۔ وہ سادات سے پوری دشمنی کرتا تھا۔ اس نے بنی حسینؑ کی جائدادیں ضبط کیں اور بہت سے سادات قتل کئے بہت سے لوگوں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا۔ امام مالک کو اسی لئے تازیانے لگوائے کہ انھوں نے ایک موقع پر سادات کی حمایت میں بیعت کی تھی۔ امام ابوحنیفہ کو اسی لئے قید کیا کہ انھوں نے ابتداء میں زید شہید کی بیعت کر لی تھی۔ پھر ۱۵۰ھ میں انھیں زہر دلوایا۔ غرض کہ اس کے زمانے میں بے شمار سادات قتل ہوئے اور بہت سے قید خانوں میں سڑ گئے اور زندان کے زہریلے بخارات کی وجہ سے مر گئے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ بھی اس کا رویہ اسی انداز کا تھا۔(۱)

منصور عباسی کا سادات پر ظلم وستم

امام حسنؑ کی اولاد میں ان کے پوتے جناب عبداللہ محض بڑے نیک دل اور جوشیلے سید تھے۔ انھوں نے چاہا کہ سادات کو عباسیوں کے مظالم سے کسی طرح چھڑائیں۔ امام جعفر صادقؑ نے ان کو اس ارادہ سے روکنا چاہا۔ مگر ان کا جوش کم نہ ہوا۔ ان کے دو بیٹے محمد نفس زکیہ اور دوسرے ابراہیم تھے۔ ان دونوں نے بھی اپنے پدر بزرگوار کا ساتھ دیا۔ منصور کو جب ان کے ارادوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے سادات حسنی کی گرفتاری کے لئے فوج بھیجی۔ تقریباً ستر پچھتر آدمی جن میں کمسن بچے نوجوان اور بوڑھے سب شامل تھے گرفتار کر لئے گئے۔ لکھا ہے جب یہ ستم رسیدہ قافلہ مدینہ سے چلا تو ان کی بے کسی ومجبوری، بے گناہی وبے قصوری کا خیال کرکے ہر ایک اپنے مقام پر روتا اور بے چین نظر آتا تھا۔ آہ! وہ صاحبان فضل وکمال جو صورت وسیرت میں بے مثل وبے نظیر تھے، جن کا ایک ایک جوان ہمت و دلیری میں تمام عرب میں مشہور تھا، گلے میں طوق پہنے اور ہاتھوں میں دہری زنجیریں ڈالے، شرم وحیا سے گردنیں نیچی کئے، لاغر اونٹوں کی ننگی پیٹھوں پر بیٹھے ہوئے مدینۂ رسول سے نکل رہے تھے۔ تاریخ کامل میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے مسجد رسولؐ کے دروازے سے مظلوم سادات کا قافلہ گزرتا ہوا دیکھا تو آپ زار زار رونے لگے اور فرمایا خدا کی قسم آج کے بعد سے حرمت حرم خدا و رسولؐ محفوظ نہ رہے گی۔ خدا کی قسم، قوم انصار سے جو معاہدہ حضرت رسولؐ خدا نے لیا تھا وہ یہ بھول گئے۔ خداوندا تو

(۱) صواعق محرقہ، ص/۱۲۱۔ چودہ ستارے، ص/۳۶۱

انصار سے سخت مواخذہ کرنا۔اس واقعہ کا آپ پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ آپ اسی روز سے بیمار پڑ گئے اور تقریباً بیس روز تک تپ کی وہ شدید تکلیف اٹھائی کہ جان کے لالے پڑ گئے۔حضرت نے چاہا کہ اپنے چچا حضرت عبداللہ محض تک جائیں اور تسلی ودلاسہ دیں مگر ایک سنگدل نے وہاں تک جانے نہ دیا۔

محمد نفس زکیہ وابراہیم پسران حضرت عبداللہ محض اس زمانے میں روپوش ہو گئے تھے اور صحرائی عربوں کا بھیس بدل کر رہنے لگے تھے۔چنانچہ اسی بھیس میں وہ چھپ کر ایک جگہ جناب عبداللہ محض سے ملے۔انھوں نے بیٹوں سے کہا کہ اس ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔منصور اس زمانہ میں کوفہ میں تھا۔قیدی اس کے سامنے پیش ہوئے۔اس نے سب کو قید سخت کا حکم دیا، جہاں نہ روشنی کا گزر تھا، نہ تازہ ہوا کا۔چند روز بعد ہی یہ لوگ مرنے لگے۔قیامت یہ آئی کہ ان کے مردوں کو بھی قید خانہ سے باہر نہ نکالا گیا۔وہیں مرتے اور سڑتے رہے۔اس سے وہاں کی ہوا اور زیادہ گندی ہوگئی اور ایک ایسی وبا پھیلی کہ ہر روز دو چار افراد مرنے لگے۔حقیقت یہ ہے کہ سادات کشی میں بنی عباس کے مظالم بنی امیہ سے بھی کہیں زیادہ بڑھ گئے تھے، بہرحال غریب سادات نے اس قید خانے میں بڑی عبرت ناک حالت میں زندگی بسر کی۔لیکن اس حالت میں بھی خدا کی یاد سے غافل نہ رہے۔قید خانہ کی تاریکی میں دن کے اوقات کا پتہ نہ چلتا تھا۔اس لئے اپنی تلاوت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا اور انھیں سے اوقات نماز کا پتہ لگاتے تھے۔ان کو اس قید خانے میں کئی کئی وقت فاقہ سے گزر جاتے تھے اور کوئی پرسان حال نہ تھا۔بلکہ کھانے کا کیا ذکر پانی بھی بقدرِ ضرورت نہ ملتا تھا۔

ادھر محمد نفس ذکیہ نے بہت جلد ایک فوج فراہم کر کے منصور پر چڑھائی کی اور مدینہ پر قبضہ کر لیا۔مگر چند ہی روز بعد منصور کی فوجوں نے پھر کر گھیر لیا۔محمد ان کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔آخر شہید ہو گئے۔ان کا سر کاٹ کر منصور کے پاس بھیج دیا گیا۔اس ظالم نے اس سر کو ایک خوان میں رکھ کر قید خانہ میں ان کے بوڑھے باپ عبداللہ محض کے پاس بھجوا دیا۔جناب اس وقت نماز پڑھ رہے تھے سر مصلے کے پاس رکھا گیا۔نماز سے فارغ ہو کر جو دیکھا تو جوان بیٹے کا سر رکھا ہوا ہے۔بے ساختہ ایک آہ سینے سے نکلی، سر کو چھاتی سے لگایا اور کہنے لگے: بیٹا! شاباش تم بے شک ان ہی وعدہ وفا کرنے والوں میں سے ہو، جن کی تعریف خدا نے قرآن میں کی ہے۔بیٹا! تم ایسے جوان تھے کہ تمہاری تلوار نے تم کو ذلت سے بچا لیا اور تمہاری پرہیز گاری نے تم کو گناہوں

سے محفوظ رکھا۔ پھر سر لانے والے سے کہا کہ منصور سے کہہ دینا کہ ہم تو مقتول ہو ہی چکے۔ اب تمہاری باری ہے۔ اب ہمارا اور تمہارا انصاف خدا کے یہاں ہوگا۔ یہ کہہ کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور دم نکل گیا۔

دوسرے بھائی ابراہیم اپنے لشکر کو ساتھ لئے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مقام ''الحمراء'' میں خیمہ زن تھے کہ منصور کا لشکر وہاں پہونچ گیا۔ دونوں لشکروں میں سخت مقابلہ ہوا۔ سینکڑوں آدمی مارے گئے۔ ابراہیم کی فتح کے آثار نمایاں ہو چکے تھے کہ یکا یک معاملہ دگر گوں ہو گیا اور ابراہیم کی فوج نے بھاگتے ہوئے دشمن کا پیچھا کیا۔ مگر نیک دل ابراہیم کو ان کی تباہ حالت پر رحم آ گیا۔ اپنے سپاہیوں کو تعاقب سے روک دیا۔ منصور کے سردار ''عینی'' نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنی پراگندہ قوت کو جمع کر کے پھر یکا یک حملہ کر دیا۔ ابراہیم کی فوج کو اس بلائے ناگہانی کی کیا خبر تھی۔ وہ اپنی فتح دیکھ کر کمریں کھول چکے تھے کہ شکست خوردہ دشمن پھر لوٹا۔ اب ابراہیم کا مقابلہ کرنا دشوار ہو گیا۔ فوج تتر بتر ہو گئی۔ مجبوراً تلوار لے کر خود مقابلہ کرنے کو نکل پڑے۔ دیر تک ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ آخر کہاں تک؟ دشمن نے چاروں طرف سے گھیر کر شہید کر دیا۔ یہ واقعہ ۲۵ر ذی قعدہ ۱۴۵ھ کا ہے۔

منصور نے ایک خوبصورت جوان سید کو دیوار میں چنوایا

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ منصور کے زمانے میں بے شمار اولاد علیؑ شہید کئے گئے اور بہتوں کو دیوار میں چنوا دیا گیا۔ منصور اس زمانہ میں بغداد میں محل بنوا رہا تھا۔ اس میں جہاں اوروں کو اس نے زندہ چنوا دیا تھا۔ ایک حسنی نوجوان کو بھی چنوایا، وہ چونکہ بہت ہی خوبصورت تھا اس کے چہرہ پر جب معمار کی نظر پڑی تو بیساختہ اس کا دل رونے لگا۔ حکم سے مجبور تھا۔ دیوار میں چنتے چنتے اسے موقع مل گیا۔ بولا کہ اے فرزند رسولؐ آپ گھبرائے نہیں، میں سانس کے لیے سوراخ چھوڑے دیتا ہوں اور رات کو آ کر آپ کو رہا کر دوں گا۔ چنانچہ وہ رات کی تاریکی میں دیوار کے قریب آیا اور اینٹیں ہٹا کر اس نونہال باغِ رسالت کو دیوار سے نکال دیا اور کہا کہ آپ صرف اتنا کیجئے کہ اس طرح زندہ بچ کر کسی طرف چلے جائیے کہ آپ کا پتہ نشان نہ مل سکے اور اے فرزند رسولؐ آپ اپنے نانا محمد مصطفیٰؐ سے میری بخشش کی سفارش فرمائیے گا انہوں نے شکریہ ادا کیا اور کہا اے شیخ اگر تجھ سے ہو سکے تو میری زلفوں کو تراش لے اور کسی رات کو میری دکھیا ماں کے پاس فلاں محلّہ

میں جا کر انھیں میری زلفیں دے کر کہہ دے کہ میں زندہ ہوں اور عنقریب ملوں گا۔اس معمار کا بیان ہے کہ میں ان کی خواہش کے مطابق ان کے مکان پر پہنچا تو ان کی ماں بیٹھی رو رہی تھیں۔ میں نے انہیں ثبوت حیات کے لئے زلفیں دے کر نوید زندگی سنائی اور واپس چلا آیا(۱)

امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ ان کو قتل کرانے کے بعد منصور نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو طلب کیا اور ان کی سخت تہدید کی اور قتل کی کھلے الفاظ میں دھمکی دی۔(۲)

آپ سے خلفاءِ وقت کی عداوت کا سبب

ان تمام ناگوار حالات کے باوجود امام جعفر صادقؑ نہایت خاموشی کے ساتھ علوم اہلبیتؑ کی اشاعت میں مصروف رہے جس کی وجہ سے وہ لوگ جو آپ کی معرفت نہ رکھتے تھے وہ بھی آپ کی علمی عظمت کو مانتے ہوئے آپ کے حلقۂ درس میں داخل ہونے کو فخر سمجھتے تھے۔ یہ خبر منصور کو ہوئی کہ حضرت کی علمی عظمت کا اثر بڑھتا جا رہا ہے۔اس نے آپ کی عظمت کو کم کرنے کے لئے ایک ایسے شخص کو بحیثیت فقیہ اور عالم کے کھڑا کر دیا جو آپ کے شاگردوں کے سامنے بھی زبان کھولنے کی قدرت نہ رکھتا تھا اور پھر وہ خود اقرار کرتا تھا کہ ہمیں جو کچھ آیا امام جعفر صادقؑ کی بارگاہ سے حاصل ہوا مگر حاکم وقت اس کو نہیں مانتا اور اس کو بڑھاوا دیتا تھا۔اس طرح امام کی مرجعیت کو ختم کرنے کی کوشش جاری تھی۔ جب اس میں ناکامی ہوئی تو حضرت کی ایذا رسانی اور قتل یا گرفتاری کی تدبیریں کی جانے لگیں اس کے لئے تمام شہر اور قصبوں میں جاسوس مقرر کئے گئے جو شیعوں کے حالات پر نظر رکھیں اور جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ امام جعفر صادقؑ کی محبت کا دم بھرتا ہے، اسے گرفتار کیا جائے۔

چنانچہ معلیٰ ابن حسنین ان ہی شیعوں میں سے تھے جو گرفتار کئے گئے اور ظلم و ستم کے ساتھ شہید کئے گئے۔خود امام جعفر صادقؑ کو تقریباً پانچ مرتبہ مدینہ سے دربار شاہی میں طلب کیا گیا جو آپ کے لئے سخت روحانی تکلیف کا باعث تھا۔ یہ اور بات ہے کہ پھر بھی منصور کو کوئی بہانہ ایسا نہ مل سکا کہ وہ آپ کو قید یا قتل کا حکم دیتا۔

اسی طرح عراق کے اندر ایک مدت تک کے قیام سے علوم اہلبیتؑ کی اشاعت کا حلقہ وسیع ہوا جس کو محسوس کر کے منصور نے آپ کو مدینہ بھجوا دیا۔اس کے بعد بھی آپ ایذا رسانی سے محفوظ نہ تھے۔ایک مرتبہ آپ

---

(۱) جابر العیون، ص/ ۲۶۹ طبع ایران و سوانح عمری چہاردہ معصومین، حصہ ۲، ص/ ۷ (۲) نور الابصار، ص ۱۳۳

کے گھر میں آگ لگادی گئی۔قدرت خدا سے وہ آگ بجھ گئی اور آپ کے متعلقین اور اصحاب کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔

تاریخ حبیب السیر میں ہے کہ ۱۴۴ھ میں منصور عباسی حج کے لئے گیا۔منصور نے حج سے فراغت کی تو ایک شخص نے اس سے کہا کہ امام جعفر صادقؑ تمہارے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے اور اکساتے ہیں۔اس نے امام علیہ السلام کو بلا کر ان سے کہا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا ہے کہ آپ میری حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے اور لوگوں کو اکساتے اور بھڑکاتے ہیں۔آپ نے ارشاد فرمایا: اے بادشاہ! یہ بالکل غلط ہے۔اگر تجھے میرے کہنے پر یقین نہ آئے تو اس شخص کو میرے سامنے طلب کر منصور نے اسے بلایا۔آپؑ نے فرمایا کہ تو نے مجھ پر کیوں بہتان باندھا ہے۔اس نے کہا کہ میں نے سچ کہا ہے۔امام علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تو قسم کھا کر کہہ سکتا ہے اس نے کہا: ہاں! پھر اس نے خدا کی قسم کھائی۔آپ نے کہا اس طرح نہیں جس طرح میں کہوں، اس طرح قسم کھا۔چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان سے یہ کہہ کر قسم کھا کہ ''بَـرِئـتُ مِنْ حَوْلِ اللّٰه'' میں خدا کی قوت وطاقت سے دور ہٹ کر اپنے بھروسہ پر قسم کھاتا ہوں۔اس نے پہلے تو ہلکا سا انکار کیا پھر وہ قسم کھا گیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسی جگہ گر کر ہلاک ہو گیا۔(۱)

یہی اسباب تھے کہ امامؑ نے ''صادق'' کا لقب حاصل کیا تا کہ جھوٹے چہروں کی نقاب پارہ پارہ ہو جائے اور باطل کے مقابلہ میں حق پہچانا جاسکے۔سیاسی لحاظ سے بھی امام صادقؑ کا زمانہ مسلمان رضا کاروں اور علوی سادات کیلئے استبداد، گھٹن، بندشوں، پابندیوں اور قتل وغارت، مشقتوں اور شکنجوں کا زمانہ تھا ظالم وجلاد خلفاء نے لوگوں کے دلوں امام حسینؑ کی تاریخی شہادت بھلانے کے لئے مسلم انقلابیوں کو یہ سکھاتے تھے کہ اس یادگار کی استبدادی کی تجدید واشاعت کو امامؑ کی کوششوں کو آگے بڑھنے سے روکا جائے۔

لیکن امام اپنے دوستوں کو انحرافات سے مقابلہ اور امامت وولایت کے مکتبی نبیادوں کی تقویت کی راہ میں برابر وصیت فرماتے رہتے تھے کہ ہرگز ستمگروں کی امداد اوران سے تعاون نہ کریں اور برابر یہ بھی سفارش فرماتے رہتے تھے کہ اپنے معاملات کو (فیصلہ کیلئے) ظالموں اور ستمگروں کی (نام نہاد) عدالت میں نہ لے جائیں، اس بارے میں صاف صاف فرماتے ہیں:۔

---

(۱) صواعق محرقہ، ص/۱۲۰۔ طبع مصر

''میں ہرگز اس امر کو دوست نہیں رکھتا اور پسند نہیں کرتا ہوں کہ ستمگروں کی منفعت کیلئے ایک گرہ بھی کھولوں یا کوئی گرہ باندھوں یا قلم کو تر کروں۔ تمام ستمگر اور ان کے اعوان و مددگار قیامت کے دن عذاب الٰہی میں مبتلا ہوں گے یہاں تک کہ خداوند عالم تمام بندوں کے درمیان فیصلہ سے فارغ ہو۔''(۱)

اقوال امام جعفر صادق علیہ السلام

۱۔ حق کے راستے پر چلنے کے لئے صبر کا شیوہ اختیار کرو۔

۲۔ ظلم فوری عذاب کا باعث ہے۔

۳۔ علم حاصل کرو تا کہ لوگ تمہیں پہچانیں اور اس پر عمل کرو تا کہ تمہارا شمار علماء میں ہو۔

۴۔ عبادت الٰہی کا خاص خیال رکھو، اعمال خیر میں جلدی کرو، برائیوں سے اجتناب کرو۔

۵۔ عجلت ہر کام میں ناپسندیدہ ہے مگر رفع شر میں نہیں۔

۶ لوگوں سے معاشرت (ملنا، جلنا، رہن سہن) نصف ایمان ہے اور ان سے نرم برتاؤ آدھی زندگی۔

۷ خداوند عالم مظلوموں کی فریاد سنتا ہے اور ستمگاروں کی تاک میں ہے۔

۸ ہمیشہ لوگوں سے سچ بولو تا کہ سچ سنو (یاد رکھو) سچائی تلوار سے بھی زیادہ تیز ہے۔

۹ عقلمند وہ ہے جس کا کردار اس کی گفتار کی تصدیق کرے اور وہ لوگوں سے نیکی کا برتاؤ کرے۔

۱۰ جو خود ستائی کرتا ہے، اپنے کو خوار کرتا ہے۔

۱۱ انسان اپنی زبان کے نیچے پوشیدہ ہے، جب بات کرتا ہے تو پہچانا جاتا ہے۔

۱۲ اول وقت نماز ادا کرو، اپنے دین کے ستون کو مضبوط کرو۔

۱۳ موت کی یاد بے تکی خواہشات کو دل سے نکال دیتی ہے۔

۱۴ غصّہ ہر برائی کا پیش خیمہ ہے۔

۱۵ اپنے والدین سے نیکی کرو تا کہ تمہاری اولاد تم سے نیکی کرے۔

۱۶ شرابیوں سے دوستی مت کرو۔

---

(۱) اہلبیت اطہارؑ کی مختصر سوانح حیات (ایران) حجۃ الاسلام عقیقی بخشائش، ص/۱۷۲

۱۷ خداوند عالم کی خوشنودی ماں باپ کی خوشنودی کے ساتھ ہے۔

۱۸ نیک کام انسان کو مصیبتوں سے بچاتے ہیں۔

۱۹ جس طرح زیادہ پانی سے سبزہ پژمردہ ہو جاتا ہے، اسی طرح زیادہ کھانے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

۲۰ نیک باتیں تحریر میں لاؤ اور ان کو اپنے بھائیوں میں تقسیم کرو۔

۲۱ مجھے وہ شخص ناپسند ہے جو اپنے کام میں سستی کرے۔

۲۲ جو شخص برائی سے دوری اختیار کرتا ہے، اسے عزّت ملتی ہے۔

۲۳ جو غرور سے دوری اختیار کرتا ہے، کرامت و بزرگی اس کے قدم چومتی ہے۔

۲۴ جو شخص ان تین باتوں پر عمل کرتا ہے اس کے دین دنیا دونوں تباہ ہو جاتے ہیں:۔

(۱) بدگمانی کرتا ہو،

(۲) ہر شخص کی بات پر کان دھرتا ہو،

(۳) اور اپنے اختیارات اپنی بیوی کے ہاتھ میں دے دیتا ہو۔

۲۵ جن کاموں کے لئے بعد میں معذرت کرنا پڑے، ان سے پرہیز کرو۔

۲۶ اگر کوئی تم پر احسان کرے تو اس کے احسان کو چکاؤ اور اگر یہ نہیں کر سکتے ہو تو اس کے لئے دعا کرو۔

۲۷ خداوند عالم اس شخص پر رحمت کرے جو علم کو زندہ رکھے۔

۲۸ خاموشی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔

۲۹ معدہ تمام بیماریوں کا خزانہ ہے اور پرہیز ہر علاج کا پیش خیمہ ہے۔

۳۰ جس گھر یا نشست میں محمدؐ کا نام موجود ہو وہ بابرکت و مبارک ہے۔

۳۱ بدترین لغزش یہ ہے کہ انسان اپنے عیوب کی طرف متوجہ نہ ہو۔

۳۲ میری امت میں کچھ لوگوں کی دعائیں قبول نہ ہوں گی:

❁ ایک وہ شخص جو اپنے والدین کے خلاف دعا کرے (بد دعا کرے)

❁ دوسرے وہ شخص جو اپنے قرضدار کے لیے بد دعاء کرے اور اس نے قرض دے کر نہ کوئی تحریر

لکھوائی ہواور نہ کوئی گواہ بنایا ہو۔

❁ تیسرے وہ شخص جو اپنی زوجہ کے لئے بد دعا کرے، جب کہ اللہ نے اس کو چھوڑ دینے کا پورا اختیار اس کو دیدیا ہے۔

❁ چوتھے وہ شخص جو اپنے گھر میں بیٹھا بیٹھا خدا سے دعا کرے کہ پروردگار مجھے روزی دے، اور گھر سے باہر نہ نکلے تا کہ روزی تلاش کرے، ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے! کیا میں نے روزی تلاش کرنے کے لئے تجھ پر راہیں نہیں کھولی ہیں؟ اور کیا تو اپنے صحیح اور صحت مند اعضاء کے ساتھ روئے زمین پر چل پھر کر تلاش معاش نہیں کرسکتا؟ تا کہ تیرے اس عمل سے یہ سمجھا جائے کہ تو نے میرا حکم مانا، اور دوڑ دھوپ کی، تو نے اپنا کام انجام دیا، تو نے سعی وکوشش کر کے حق ادا کیا، اپنے اہل خانہ پر بار بن کر نہ رہا، اس تیری کوشش کے بعد روزی کا مہیا کرنا میرا کام ہے۔

❁ پانچویں وہ شخص جس کو اللہ نے مالِ کثیر سے نوازا تھا اور اس نے سب خرچ کر دیا اور اب اللہ سے دعا گو ہے کہ مجھے روزی عطا فرما، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بتا کیا میں نے تجھے بہت سی روزی نہیں دی تھی؟ تو نے اعتدال سے کام نہ لیا، کفایت شعاری سے کام نہ لیا، میرے حکم کی مخالفت کی، میں نے اسراف سے منع کیا تھا، تو نے حکم عدولی سے کام لیا۔ یہ تیرا قصور ہی ہے۔ میری عطا میں کوئی کمی نہ تھی۔

❁ چھٹے وہ شخص جو اپنے اعزاء کے حقوق ادا نہ کرے اور دعا کرے۔"(۱)

آپ کی اخلاقی خصوصیات

امام جعفر صادق علیہ السلام انوار معصومینؑ کی آٹھویں کڑی ہیں جن کو خداوند عالم نے نوع انسانی کے لئے نمونہ کامل بنا کر پیدا کیا تھا۔ ان کے اخلاق واوصاف زندگی کے ہر شعبہ میں معیاری حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی اخلاقی خصوصیات کے لئے مورخین نے کچھ واقعات نقل کئے ہیں: جیسے مہمان نوازی، خیر وخیرات، مخفی طریقہ پر غرباء کی خبر گیری، عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک، عفو، ، جرائم، صبر وتحمل، وغیرہ جس کی کچھ مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) بحار الانوار، جلد ۴، ص ۲۶۱

۱۔حاجی کا ایک ہزار دینار کا نہ ملنا

ایک مرتبہ ایک حاجی جس کے پاس ایک ہزار دینار تھے، مسجد رسولؐ میں اپنے سامان کے ساتھ سو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ دینار کی تھیلی جو موجود نہ تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ کسی کو نہ پایا۔ ایک گوشہ میں امام جعفر صادقؑ نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ آپ کو بالکل نہ پہچانتا تھا۔ آپ کے پاس آکر کہنے لگا کہ میری تھیلی تم نے لی ہے ۔ حضرت نے فرمایا:''اس میں کیا تھا؟''اس نے کہا: ''ایک ہزار دینار۔'' حضرت نے کہا:''میرے ساتھ میرے مکان تک آؤ۔'' وہ آپ کے ساتھ ہولیا۔ آپ نے بیت الشرف پر تشریف لاکر ایک ہزار دینار اس کے حوالے کر دیئے۔ وہ مسجد میں واپس گیا اور اپنا اسباب اٹھانے لگا تو خود اس کے دیناروں کی تھیلی اسباب میں نظر آئی۔ یہ دیکھ کر وہ بہت شرمندہ ہوا۔ دوڑتا ہوا پھر امام کی خدمت میں آیا اور عذر خواہی کرتے ہوئے وہ ہزار دینار واپس کرنا چاہے۔ حضرت نے فرمایا:''ہم جو کچھ دیتے ہیں، واپس نہیں لیتے۔''(۱)

۲۔ایک کنیز کو خوف زدہ دیکھ کر اسے آزاد کر دینا

کتاب مجانی الادب میں ہے کہ حضرت کے یہاں کچھ مہمان آئے تھے۔ حضرت نے کھانے کے موقع پر اپنی کنیز کو کھانا لانے کا حکم دیا۔ وہ سالن کا بڑا پیالہ لے کر جب دسترخوان کے قریب پہنچی، تو اتفاقاً پیالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ اس کے گرنے سے امام علیہ السلام اور دیگر مہمانوں کے کپڑے خراب ہو گئے۔ کنیز خوف سے کانپنے لگی۔ آپ نے غصّہ کے بجائے اسے راہ خدا میں یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ تو جو میرے خوف سے کانپتی ہے، شاید یہی آزاد کرنا کفارہ ہو جائے۔''(۲)

۳۔فقراء و مساکین کے ساتھ سلوک

معلّٰی بن خنیس سے روایت ہے کہ ایک شب حضرت ابوعبداللہؑ اپنے گھر سے نکلے۔ پانی برس رہا تھا۔ آپ کا رخ بنی سادہ کے سائبان کی طرف تھا۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ اتنے میں آپ کی کوئی چیز پیچھے گر گئی۔ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر کہا:''پروردگارا جو چیز ہے، وہ مجھ تک پلٹا دے۔'' اتنے میں، میں نے بڑھ

(۱) بحار، جلد۴، ص/۶۲ (۲) کتاب مجانی الادب، جلد۱، ص ۶۷

کر سلام عرض کیا، آپ نے جواب سلام کے بعد فرمایا:۔

''کون؟ تم معلیٰ ہو؟''

میں نے عرض کیا: ''جی ہاں، میں آپؑ پر قربان۔''

آپ نے فرمایا: ''اپنے ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھو، جو چیز تمہیں ملے، وہ مجھے لاکر دو۔''

راوی کا بیان ہے کہ میں نے ٹٹول کر دیکھا تو چند روٹیاں بکھری ہوئی ملیں۔ چنانچہ ایک ایک کر کے جو ملتی رہی، میں آپ کو دیتا رہا۔ یہاں تک کہ روٹیوں سے بھرا ہوا ایک تھیلہ ملا۔ میں نے عرض کیا: میں آپ پر قربان، کیا یہ سب اٹھا کر لے چلوں؟

آپ نے فرمایا: نہیں، تم سے زیادہ اس کا حق مجھے پہنچتا ہے۔ مگر تم بھی میرے ساتھ چلو۔

جب ہم بنی ساعدہ کے سائبان میں پہنچے تو دیکھا کہ کچھ لوگ وہاں سو رہے ہیں۔ آپؑ ایک ایک، دو دو روٹیاں ہر ایک کے کپڑے کے اندر چھپا کر رکھنے لگے، یہاں تک کہ آخری شخص تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد ہم واپس ہوئے۔ میں نے عرض کیا: ''میں آپؑ پر قربان، کیا یہ لوگ حق کو پہچانتے ہیں؟''

آپ نے فرمایا: اگر یہ لوگ حق کو پہچانتے تو میں ان روٹیوں کے ساتھ نمک بھی انہیں دیتا۔(۱)

۴۔ آپ کی مہمان نوازی

ابن بکیر نے آپ کے بعض اصحاب سے روایت کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت جعفر صادقؑ کبھی ہمیں گھی میں ڈوبی ہوئی روٹیاں اور مختلف قسم کے حلوے کھلایا کرتے تھے اور کبھی صرف سادی روٹی اور روغن زیتون۔

آپ سے کہا گیا کہ ایسی تدبیر کیجئے کہ غذا میں اعتدال قائم ہو۔

آپ نے فرمایا: ہماری تو تمام تر تدبیر اللہ ہی کرتا ہے۔ جب وہ کشادگی دیتا ہے تو ہم بھی کشادگی سے کام لیتے ہیں اور جب وہ تنگی پسند کرتا ہے تو ہم بھی تنگی اختیار کر لیتے ہیں۔(۲)

---

(۱) ثواب الاعمال، ص/ ۱۲۹۔ کافی جلد۴، ص/ ۸ (۲) المحاسن، ص/ ۴۰۰، کافی، جلد۴، ص/ ۲۷۹

۵۔آپ کی روزمرہ کی غذا

عبدالاعلیٰ کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کے ساتھ مرغِ مسلم جس میں تمر وزیت بھرا ہوا تھا کھایا۔
امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: یہ فاطمہ کے لئے کسی نے تحفۃً بھیجا تھا۔ اس کے بعد فرمایا:۔
اے کنیزو! روزمرہ کا کھانا لاؤ۔ تو وہ ثرید اور سرکہ اور روزیت لائی۔(۱)

۶۔احباب کو تحفہ

یونس بن یعقوب کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے ایک مرتبہ میرے پاس عمدہ اور موٹی کھجوروں کا ایک پورا بورا بھیج دیا۔ میں نے عرض کیا: اتنی کھجوروں کا میں کیا کروں گا؟ آپ نے فرمایا، خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔(۲)

۷۔آپ کا پوشیدہ سلوک

ابوجعفر خثعمی کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے مجھے ایک تھیلی دی اور کہا کہ اسے بنی ہاشم میں سے فلاں شخص کو دے دو، مگر اسے یہ پتہ نہ چلے کہ میں نے تم کو یہ دیا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں اس کو دینے گیا تو اس نے کہا اللہ اس بھیجنے والے کو جزائے خیر دے۔ وہ ہمیشہ ہمیں اسی طرح برابر بھیجتا رہتا ہے جس سے ہمارا خرچ چلتا ہے مگر دیکھو کہ جعفرؑ بن محمدؑ کے پاس مالِ کثیر ہے۔ پھر بھی وہ میرے ساتھ ایک درہم کا سلوک نہیں کرتے۔(۳)

۸۔آپ کی خداترسی

''کتاب الروضہ'' میں ہے کہ ایک مرتبہ سفیانِ ثوری حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں آیا، دیکھا کہ آپؑ کا چہرۂ انور متغیر ہے۔ اس نے عرض کیا: کیا بات ہے؟

آپؑ نے فرمایا: میں نے اپنے گھر والوں کو مکان کی چھت پر چڑھنے کے لیے منع کیا ہوا ہے۔ مگر ابھی ابھی جب میں گھر میں گیا تو ایک کنیز میرے بچّے کو گود میں لیے ہوئے سیڑھی پر چڑھ رہی تھی۔ جب اس

---

(۱) المحاسن، ص/۴۰۰، (۲) المحاسن، ص ۴۰۱ (۳) بحار، جلد ۴، ص/۲۶۳

نے مجھے دیکھا تو کانپنے لگی اوراس کی گود سے بچہ زمین پر گر کر مر گیا۔ اب میرا چہرہ اس بات پر متغیر ہے کہ اس کے دل پر میرا رعب اور خوف اتنا کیوں بیٹھ گیا۔

آپ نے اس کنیز سے فرمایا کہ یہ تیرا قصور نہیں ہے، جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا۔(۱)

۹۔گرم کھانے سے احتیاط برتنا

محمد بن راشد کا بیان ہے کہ میں موسم گرما میں ایک بار عشاء کے وقت حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں تھا کہ اتنے میں ایک خوان آیا، جس میں روٹیاں، ایک پیالہ ثرید اور ہرن کا گوشت آیا۔ آپ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو محسوس کیا کہ گرم ہے، ہاتھ اٹھالیا اور فرمایا: میں جہنم سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، ہمیں اللہ تعالیٰ جہنم سے بچائے۔''جب ہم اس گرم سالن کی گرمی کو برداشت نہیں کر سکتے تو جہنم کی گرمی تو 'الامان والحفیظ' آپ بار بار یہی فرماتے رہے، یہاں تک کہ پیالہ ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر ہم سب نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا۔ اس کے بعد خوان اٹھالیا گیا۔ آپ نے فرمایا: اے غلام کچھ اور چیز لاؤ۔ وہ ایک طبق میں کھجور لایا۔ میں نے ہاتھ بڑھایا تو دیکھا کہ کھجور ہے۔ میں نے عرض کیا اللہ آپ کا بھلا کرے، یہ زمانہ تو انگور وا اور دوسرے پھلوں کا ہے۔

آپ نے فرمایا: ہاں یہ کھجور ہے۔ پھر غلام سے فرمایا: اسے لے جاؤ اور کچھ اس کے علاوہ لے آؤ۔

وہ اسے اٹھا کر لے گیا اور دوسرے طبق میں پھر کھجور لے آیا۔ میں نے ہاتھ بڑھایا تو کہا: یہ بھی تو کھجور ہی ہے۔

آپؑ نے فرمایا، مگر اس سے اچھی ہے۔(۲)

۱۰۔صدقہ کی برکت

ہارون بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے فرزند سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس فلاں خرچ سے کتنی رقم بچی ہے؟ انھوں نے فرمایا چالیس (۴۰) دینار۔ آپ نے فرمایا: اسے نکالو اور تصدق کر دو۔ محمد نے کہا، مگر اس کے سوا تو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا: تصدق کر دو، اللہ دے گا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہر شی کی ایک کنجی ہوتی ہے اور رزق

(۱) بحار، جلد/۴، ص/۲۶۵ (۲) کافی، جلد/۸، ص/۱۶۴

کی کنجی صدقہ ہے۔لہٰذااس کوتصدق کردو۔

چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور ابھی تصدق کئے ہوئے صرف دس ہی دن گذرے تھے کہ حضرت جعفر صادقؑ کے پاس ایک جگہ سے چار ہزار دینار آ گئے۔آپ نے فرمایا، اے فرزند! دیکھو ہم نے اللہ کی راہ میں چالیس دینار دیئے تھے اور اللہ نے ہمیں چار ہزار دینا عطا کردیئے۔

دوسرا واقعہ

علی بن اسباط نے کسی سے روایت کی ہے۔اس کا بیان ہے کہ حضرت جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ میرے اور ایک دوسرے شخص کے درمیان زمین کی تقسیم کا معاملہ تھا۔وہ نجومی تھا اور علم نجوم کے حساب سے نیک ساعت دیکھ کر گھر سے نکلا،لیکن نحس ساعت میں پہنچا۔جب زمین کے دو حصّے ہوئے اور قرعہ اندازی کی گئی تو زمین کا اچھا حصّہ میرے نام نکلا۔ یہ دیکھ کر وہ نجومی ہاتھ مل کر رہ گیا اور بولا کہ آج کے دن جیسا تو نیک دن میں نے کوئی نہیں دیکھا، پھر یہ کیا ہو گیا؟ میں نے کہا: اس کے متعلق میں تمہیں بتاؤں؟

اس نے کہا: میں نجومی ہوں، میں نے آپؑ کو نحس ساعت میں گھر سے بلایا، اور خود اچھی ساعت دیکھ کر گھر سے نکلا تھا، مگر جب تقسیم ہوئی تو اچھا حصّہ آپ کے نام نکل آیا۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار نے مجھے ایک حدیث سنائی تھی کہ جناب رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ ’جو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس دن کی نحوست دور کردے گا۔اور جو چاہتا ہے کہ اس کے لیے اس رات کی نحوست کو اللہ دور کردے تو اسے چاہئے کہ وہ رات کا افتتاح صدقہ سے کرے۔اللہ اس رات کی نحوست اس سے دور کردے گا۔لہٰذا میں نے اپنے نکلنے کے وقت صدقہ دے کر نحوست کو دفع کردیا اور یہ چیز (یہ عمل) تمہارے علم نجوم سے بہتر ہے۔(۱)

۱۱۔آپ کا لوگوں کی طلب حاجت کا پورا کرنا

بندار بن عاصم سے روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو مجھ سے طلب حاجت کرنا چاہتے ہیں، ان کے لئے سب سے بڑا وسیلہ اور ذریعہ یہ سمجھنا چاہئے کہ جس شخص کو میں پہلے ہی سے کچھ نہ کچھ دیتا آیا ہوں اس کے لئے اپنے داد و دہش کو جاری رکھتا ہوں بلکہ اس کا اور زیادہ لحاظ کرتا ہوں۔

(۱) کافی، جلد۴، ص/۶

اس لئے میں نے دیکھا ہے کہ جس کو دس مرتبہ دے چکے ہو اور گیارہویں بار نہ دو، تو وہ گذشتہ دس مرتبہ کے دیئے ہوئے (احسان) کو بھول جاتا ہے اور ایک مرتبہ نہ دینے کو یاد رکھتا ہے۔ نیز میں نئے حاجت مندوں کی حاجت کو بھی کبھی رد نہیں کرتا۔(۱)

۱۲۔آپ کے اصحاب کے دعوت اللہ تعالیٰ کی نظر میں

ابوحمزہ سے روایت ہے کہ ہماری ایک جماعت اصحاب حضرت جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھی۔ آپؑ نے کھانا منگوایا، جو اتنا عمدہ اور لذیذ تھا کہ ویسا ہم نے کبھی کھایا ہی نہ تھا۔ پھر کھجوریں لائی گئیں جو اتنی صاف و شفّاف کہ دیکھنے کے لائق۔

پھر ہم میں سے ایک شخص نے کہا: تم لوگوں نے فرزند رسولؐ کے پاس جو نعمتیں کھائی ہیں، اللہ کی بارگارہ میں ان کا سوال ہوگا۔

امام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے کہ تم لوگوں کو کھانا کھلائے اور پھر اس کا تم سے جواب بھی طلب کرے۔ لہٰذا مطمئن رہو، اس کا سوال نہ ہوگا۔ بلکہ اللہ نے جو تمہیں محمدؐ وآلِ محمد جیسی نعمت دی ہے، اس کا سوال ہوگا۔(۲)

۱۳۔آپ کے ملبوسات

محمد بن حسین بن کثیر خزاز نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت جعفر صادقؑ کو دیکھا کہ آپ اپنے کپڑوں کے نیچے ایک سخت اور موٹے کپڑے کی قمیص پہنے ہوئے ہیں اور اس پر صوف کا جبّہ ہے اور پھر اس کے اوپر ایک موٹی قمیص ہے۔ میں نے اسے ٹٹول کر دیکھا اور کہا: میں آپؑ پر قربان! لوگ صوف کے لباس کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، یہ ہرگز بری چیز نہیں۔ میرے پدر بزرگوار اور حضرت علیؑ ابن الحسینؑ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنا موٹے سے موٹا لباس پہنا کرتے تھے اور ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔(۳)

دوسرا واقعہ لباس سے متعلق

فصل بن مدائنی سے ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے پاس آپؑ کے اصحاب

(۱) الکافی، جلد۴، ص۲۴ (۲) کافی، جلد/۶، ص/۲۷۹ (۳) الکافی، جلد۶، ص۴۵۰

میں سے کوئی آیا، اس نے دیکھا کہ آپ کی قمیص کے کالر میں پیوند لگا ہوا ہے۔ وہ اسے مسلسل دیکھتا رہا۔ آپ نے دریافت کیا: کیا دیکھ رہے ہو؟

اس نے کہا، آپ کی قمیص کا کالر دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا، اچھا وہ کتاب اٹھالاؤ اور دیکھو اس میں کیا لکھا ہے؟ اس نے کتاب اٹھا کر دیکھا تو اس میں یہ لکھا تھا۔

جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں، جس کے پاس آمدنی وخرچ کا حساب نہیں اس کے پاس مال و دولت نہیں، جس کے پاس پرانا لباس نہیں اس کے پاس نیا لباس بھی نہیں ہوگا۔ (۱)

۱۴۔ آپ کا پا برہنہ تعزیت کو جانا

یعقوب سراج سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام جعفر صادقؑ اپنے کسی قرابتدار کے بچّے کی موت پر تعزیت کے لئے تشریف لے جا رہے تھے ہم بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اتفاقاً آپ کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ آپ نے جوتا پاؤں سے، ہرطرف کیا اور پا برہنہ چل دیئے۔

ابن ابی یعقوب نے دیکھا تو اس نے اپنے پاؤں کا جوتا اتار کر امام کو دینے لگا۔ آپ نے غصّہ کی نظر سے دیکھا اور لینے سے انکار کر دیا، اور فرمایا، نہیں مصیبت زدہ کو زیادہ سزاوار ہے کہ وہ پا برہنہ ہو۔ چنانچہ آپؑ اسی طرح پا برہنہ تعزیت کے لئے تشریف لے گئے۔ (۲)

۱۵۔ آپ کا غلام کو پنکھا جھلنا

حفص بن ابی عائشہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام جعفر صادقؑ نے اپنے ایک غلام کو کسی کام سے بھیجا۔ اس کے آنے میں تاخیر ہوئی تو خود اس کی تلاش میں نکلے۔ دیکھا کہ وہ ایک جگہ پڑا سو رہا ہے۔ آپ اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور پنکھا جھلنے لگے۔ جب اس کو غیر معمولی ہوا محسوس ہوئی تو وہ جاگ اٹھا اور آپ کو دیکھ کر بیحد شرمندہ ہوا۔

آپ نے فرمایا: بخدا تجھے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ تو رات میں بھی سوئے اور دن میں بھی۔ تیرے سونے کے لئے رات بہت کافی ہے اور تیری وجہ سے ہمیں دن میں قدرے آرام ملنا چاہئے۔ (۳)

---

(۱) الکافی، جلد ۶، ص ۴۶۰ (۲) الکافی، جلد/ ۶، ص/ ۵۰۰ (۳) الکافی، جلد ۵، ص/ ۴۷

۱۶۔ پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دینا

حنان بن شعیب سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے باغ میں کام کرنے کے لئے ہمارے ایک گروہ کو روزانہ کی مزدوری پر رکھا گیا اور کام کا وقت عصر تک تھا۔ جب سب لوگ کام کر کے فارغ ہو گئے تو آپؑ نے متعب سے فرمایا: ان کا پسینہ خشک ہونے سے قبل ان کی مزدوری ادا کر دو۔(۱)

۱۷۔ آپ کا اپنے اصحاب کے جھگڑے کو دور کرنے کا طریقہ

امیر حجاج ابو حنیفہ کا بیان ہے کہ میرے اور میرے داماد کے درمیان ایک میراث کے سلسلے میں اختلاف تھا، ادھر سے مفضّل کا گذر ہوا تو وہ کچھ دیر ہمارے پاس کھڑے رہے۔ پھر کہا: دیکھو جھگڑا نہ کرو، میرے گھر آؤ۔ ہم لوگ ان کے گھر پہنچے تو چار سو درہم پر انھوں نے ہماری صلح کرادی اور یہ رقم بھی اپنے پاس سے ادا کی۔ پھر ہم دونوں ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے تو انھوں نے کہا کہ سنو، یہ رقم میری نہیں ہے بلکہ حضرت امام جعفر صادقؑ کا حکم ہے کہ اگر ہمارے اصحاب میں سے دو آدمیوں میں کوئی مالی تنازعہ ہو تو میرے مال میں سے دے کر ان کا جھگڑا چکا دو۔ یہ رقم دراصل حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام کی ہے۔(۲)

۱۸۔ اپنا سرمایہ مختلف مقامات پر رکھنا چاہیئے

معمر بن خلاد کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام ابوالحسنؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک شخص امام جعفر صادقؑ کے پاس ناصح بن کر آیا اور بولا: اے ابا عبد اللہ! آپ اپنی رقوم کو ایک جگہ کیوں نہیں رکھتے؟ مختلف مقامات پر منتشر کر کے کیوں رکھتے ہیں، اگر یہ سب رقوم ایک جگہ پر رکھتے تو ان کا استعمال آسان ہوتا اور منفعت بھی زیادہ ہوتی۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا: اگر ایک جگہ کی رقم پر کوئی آفت آئے تو دوسری جگہ کی رقم تو سلامت رہے اور تھیلی تو سب کو ایک جگہ جمع کر ہی لیتی ہے۔(۳)

---

(۱) الکافی، جلد ۵، ص/ ۸۹ (۲) الکافی، جلد ۲، ص ۲۰۹ (۳) الکافی، جلد ۵، ص/ ۹۱

۱۹۔آپ کا کسی کو رقم دینے کا اصول

عمر بن یزید کا بیان ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے پاس ایک شخص کچھ رقم مانگنے کے لیے آیا۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔آپؑ نے فرمایا: آج تو میرے پاس کچھ نہیں ہے البتہ کچھ خطر ارؤ وسیمہ آنے والا ہے وہ فروخت کر کے تمہیں کچھ دے دوں گا،انشاءاللہ۔

اس شخص نے کہا: پھر آپ مجھ سے وعدہ کریں۔

آپؑ نے فرمایا: میں تم سے اس چیز کا کیسے وعدہ کرلوں جو میرے قبضہ وتصرف میں نہ ہو۔جس قدر مجھے امید ہے اتنی ہی مجھ سے بھی امید رکھو۔(۱)

۲۰۔تجارت میں رزق حلال کے لئے رقم کیا ہو

ابوجعفر فرازی کا بیان ہے کہ امام نے اپنے غلام مصارف کو طلب کیا اور اسے ایک ہزار دینار دیے اور فرمایا اس کا سامان تجارت خریدو اور مصر لے جاؤ۔ اس لیے کہ (بغیر اس کے معیشت میں اضافہ نہ ہوگا۔) میرے عیال اور متعلقین زیادہ ہوگئے ہیں۔

لہٰذا اس نے سامان تجارت خریدا اور دوسرے تاجروں کے ہمراہ سفر پر گیا۔جب مصر کے قریب پہنچا تو ایک قافلہ جو مصر سے باہر ٹھہرا ہوا تھا،اس سے پوچھا کہ ہمارے پاس جو سامانِ تجارت ہے اس کا اس شہر میں کیا حال ہے؟

انھوں نے بتایا کہ یہ سامان تو مصر میں نایاب ہے، چنانچہ انہوں نے آپس میں ایک حلفیہ معاہدہ کیا کہ ہم لوگ اپنا سامان سو فیصد منافع سے کم پر فروخت نہ کریں گے۔

جب یہ لوگ سامان فروخت کر کے اس کی قیمت سو فیصد نفع کے ساتھ وصول کر چکے تو مدینہ واپس آئے اور مصارف وہ رقم لے کر امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں آئے۔اس کے پاس ہزار ہزار کی دو تھیلیاں تھیں۔عرض کیا، میں آپؑ پر قربان اس ایک تھیلی میں تو آپؑ کا راس المال ہے اور دوسری تھیلی میں اس کا نفع ہے۔

---

(۱) الکافی، جلد ۵، ص ۹۵

آپؑ نے فرمایا، یہ نفع تو بہت زیادہ ہے، یہ بتاؤ کہ تم لوگوں نے اس قدر کثیر منافع کس طرح حاصل کیا؟

تب مصارف نے حلفیہ معاہدے وغیرہ کے بارے میں بتایا۔

آپؑ نے فرمایا، سبحان اللہ! تم لوگوں نے ایک مسلمان قوم سے اس قدر کثیر منافع حاصل کرلیا جو ہر گز جائز نہیں۔ پھر آپ نے اس میں سے ایک تھیلی لے کر فرمایا، یہ میرا راس المال ہے (اصل رقم) مگر اس کا نفع مجھے نہیں چاہیئے۔ اسے مصارف غور سے سنو! حلال روزی کمانے سے آسان تلوار سے جہاد کرنا ہے۔(۱)

۲۱۔اناج کی ذخیرہ اندوزی نہ کرو

جہم بن جہم کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے غلام معتب سے کہا: مدینہ میں اشیاء کے نرخ بہت بڑھ گئے ہیں۔ ہمارے پاس کھانے کا سامان کتنا ہے؟

معتب نے کہا اتنا ہے کہ کئی مہینے کے لئے کافی ہے۔آپ نے فرمایا: اسے نکالو اور فروخت کردو۔

معتب کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا، مگر مدینہ میں سامانِ خوراک بالکل نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا: نہ ہو۔ اسے فروخت کردو۔ جب میں نے سب فروخت کردیا، تو فرمایا: اے معتب! تم بھی اب اورلوگوں کی طرح روز کا سامان روز خریدا کرو۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ ایسا کرو کہ میرے عیال کی خوراک میں نصف جو اور نصف گیہوں کردو۔ اللہ جانتا ہے کہ میں اتنا رکھتا ہوں کہ اپنے عیال کو گیہوں کھلا دوں لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ یہ بھی دیکھ لے کہ میں معیشت میں کفایت شعاری سے کام لے رہا ہوں اور اس میں توازن پیدا کررہا ہوں۔(۲)

۲۲۔آپ نے نماز کے ذریعہ شفاعت بتائی

ابوبصیر سے روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ کی وفات پر تعزیت کے لئے ام حمید کے پاس گیا۔ وہ رونے لگیں اور فرمایا: اگر تم وقت احتضار دیکھتے تو تمہیں تعجب ہوتا۔ انھوں نے اسی عالم احتضار میں آنکھیں کھولیں اور فرمایا۔ ”ہر اس شخص کو جس کے اور میرے درمیان قرابت ہے، میرے پاس بلالاؤ۔ ہم نے ایک ایک کرکے

(۱) الکافی جلد،۵،ص/۱۶۱ (۲) الکافی، جلد،۵،ص/۱۶۶

سب ہی کو جمع کیا اور ان کے پاس پہونچے۔آپ نے ایک سرسری نظر سب پر ڈالی، پھر فرمایا: سنو! ہماری شفاعت اس کو نصیب نہ ہوگی جو نماز کا استخفاف کرے گا۔(یعنی جو نماز کو سبک جان کر پڑھے گا۔اس کو آئمہ کی شفاعت نصیب نہ ہوگی)۔(۱)

۲۳۔آپ کی ازواج واولاد

آپ کی مختلف بیویوں سے دس اولادیں تھیں۔جن میں سے سات لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔

لڑکوں کے نام یہ ہیں

(۱)جناب اسمٰعیل (۲) حضرت امام موسیٰ کاظمؑ (۳) عبداللہ (۴) اسحاق (۵) محمد (۶) عباس (۷) علی

اور لڑکیوں کے نام یہ ہیں:

(۱)ام فروہ۔(۲) اسماء۔(۳) فاطمہ (ارشاد و جنات الخلود) علامہ شبلنجی نے سات اولاد تحریر کی ہے۔جن میں صرف ایک لڑکی کا حوالہ دیا ہے جن کا نام ''ام فروہ'' تھا۔

مؤلف کتاب قاموس الاعلام مسٹرش۔سامی اپنی کتاب دائرۃ العارف، جلد۳، ص/ ۱۸۲۱۔ میں حضرت امام صادقؑ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''آپ کے سات فرزند اور تین صاحبزادیاں تھیں۔۱۴۸ھ میں مدینہ کے اندر تقریباً ۶۵ سال کی عمر میں دنیا سے رحلت فرمائی، اور اپنے جد و پدر کے جوار میں مدفون ہوئے آپ مذہب شیعہ کے امام و پیشوا ہیں اور آپ کے پیرو جعفری نام سے پکارے جاتے ہیں۔''(۲)

آپ ہی کی اولاد سے خلفاء فاطمیہ گزرے ہیں جن کی سلطنت ۲۹۷ھ سے ۵۶۷ھ تک دو سوستر (۲۷۰) سال قائم رہی، ان کی تعداد چودہ تھی، ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)جناب ابو محمد عبیداللہ المھدی باللہ۔ (۲) جناب القاسم محمد نزار قائم بامراللہ بن مہدی (۳) جناب ابوطاہر اسمٰعیلی منصور باللہ بن القائم۔(۴) جناب ابوتمیم معزاللہ لدین بن المنصور۔(۵) جناب

(۱) نورالابصار، ص ۱۳۳، چودہ ستارے، ص/۳۷۲ (۲) اہلبیتؑ اطہارؑ کی مختصر سوانح حیات، (ایران)

ابومنصورنزارعزیزباللہ بن معز(۶)ابوعلی منصورحاکم بامراللہ بن عزیز۔(۷)جناب ابوالحسن علی ظاہرلاعزاز دین اللہ بن حاکم ۔(۸)جناب ابوتمیم معد مستنصر بامراللہ بن ظاہر(۹)جناب ابوالقاسم احمد مستعلیٰ باللہ بن مستنصر (۱۰)ابوعلی منصورامر باحکام اللہ بن مستعلی (۱۱)جناب عبدالمجید میمون حافظ لدین اللہ۔(۱۲)جناب ابومنصور اسماعیل ظافر بامراللہ بن حافظ۔(۱۳)جناب ابوالقاسم عیسیٰ فائز بنصراللہ بن ظافر(۱۴)ابومحمد عبداللہ عاضد لدین اللہ بن یوسف بن حافظ۔

مورخ عباسی لکھتے ہیں کہ اس کے عہد میں اہل فرنگ ساحل شرقی وغربی سے آتے آتے مصر تک پہنچ گئے ،اورمصر پر قابض ہوگئے ۔غیر مسلموں کا مصر پر قابض ہونا''نورالدین محمود'' والیٔ شام کو بہت گراں گزرا، اس نے مصریوں کی مدد کے لئے فوج بھیجی جو اہل فرنگ پر غالب آئی ۔شامیوں نے اہل فرنگ کومصر سے نکال باہر کردیا۔لیکن خطبہ میں عاضد کے بجائے۔''مستضی باللہ'' عباسی کا نام داخل کردیا۔اسی زمانے میں ''عاضد'' بھی مر گیا اوراس کے ساتھ ہی سلاطین علویہ اسماعیلیہ کا خاتمہ ہوگیا۔بنومہدی کا نام بھی مٹ گیا۔(۱)

امام جعفرصادق علیہ السلام کی شہادت

علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ امام جعفرصادقؑ کی شہادت ۱۵/ماہِ شوال ۱۴۸ھ کومنصورخلیفہ عباسی کی حکومت کے دور میں واقع ہوئی ۔ ایسے زمانہ میں کہ جب ملک کے امور و حالات مضطرب تھے ،فتنوں اور ہنگاموں کی بہتات تھی ،نہ خون کا کوئی احترام باقی رہ گیا تھا اور نہ دین کی کوئی قدر و قیمت تھی اور نہ عوام پر کسی قانون کی حکومت تھی ،حکام وقت مکمل استبداد و مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کرتے تھے،جلادوں کے ہاتھ میں رعیت کی حیثیت ایک کھلونے سے زیادہ نہیں تھی۔

پیروان علیؑ اور دوستداران اہل بیتؑ انتہائی عسرت وتنگدستی میں زندگی بسر کررہے تھے۔امیرالمومنین حضرت علیؑ اور آپ کے خاندان گرامی کی شان میں بدگوئی اور گستاخانہ کلمات کہنا، بزرگان دین کی شان میں اہانت و ناسزا گوئی پرانی عادت بن چکی تھی جو اکثر مجلس واجتماعات ،مسجدوں ،گلیوں ،دروازوں ،دینی اور درس کی مجلسوں میں اورتمام جگہوں پر سنی جاتی تھی ،سرکاری داستان سرا وقصہ گوانہی گستاخیوں اور بے ادبیوں سے

(۱) تاریخ اسلام،ص/۴۲۷ چودہ ستارے،ص/۳۸۲

اپنے قصّوں کا آغاز کرتے تھے، اہل بیتؑ رسالت اس قسم کی یاوہ گوئیوں اور ہرزہ سرائیوں کے سننے اور اس قسم کی مصیبتوں اور مشقتوں کو برداشت کرنے کے ساتھ ہی انتظار فرج میں اور صابروں کیلئے وعدۂ الٰہی پر اطمینان کے ساتھ بسر کر رہے تھے۔(۱)

علماء اہل تشیع کا اتفاق ہے کہ آپ کو منصور دوانیقی نے زہر سے شہید کرایا تھا۔ نماز حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے پڑھائی تھی۔ علامہ کلینی اور علامہ مجلسی کا ارشاد ہے کہ آپ کو نہایت قیمتی کفن دیا گیا اور آپ کے مقام وفات پر ہر شب چراغ جلایا جاتا رہا۔(۲)

آپ کو جنت البقیع میں امام حسنؑ، امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ کے قریب دفن کیا گیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے معجزات

رسولِ خدا محمد مصطفیؐ فرماتے ہیں کہ میرے اہلبیت میرے علاوہ تمام انبیاء سے بہتر ہیں۔ اس سلسلے میں مختصر معجزات مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ پرندوں کو زندہ کرنا

ملا جامی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ سے پوچھا کہ مولا حضرت ابراہیم نے جن پرندوں کو زندہ کیا تھا، وہ جانور (پرندے) ہم جنس تھے یا مختلف اجناس کے تھے۔ حضرت نے اس تعجبانہ سوال کو سن کر فرمایا: دیکھو! حضرت ابراہیمؑ نے اس طرح زندہ کیا تھا۔ یہ فرما کر آپ نے آواز دی: طاؤس! یہاں آ، غراب! یہاں آ، باز! یہاں آ، کبوتر! یہاں آ، یہ تمام پرندے حضرت کے پاس آ گئے۔ آپ نے حکم دیا: انہیں ذبح کر کے ان کے گوشت کو خوب پیس ڈالو۔ اس کے بعد آپ نے سر ہاتھ میں لے کر ایک ایک کو آواز دی۔ آواز کے ساتھ گوشت اڑا اور اپنے اپنے سر سے جا لگا اور پرندے پھر مکمل ہو گئے۔ یہ دیکھ کر سائل حیران رہ گیا۔(۳)

---

(۱) اہلبیت اطہارؑ کی مختصر سوانح حیات، حجۃ الاسلام عقیقی بخشائش، ایران، ص/ ۱۷۸

(۲) کتاب کافی اور جلاء العیون مجلسی، ص/ ۲۶۹

(۳) شواہد النبوت، ص/ ۱۹۱۔ طبع لکھنؤ ۱۹۰۵ء

۲۔آپ کی دعا سے عورت کا زخم ٹھیک ہوگیا

سدصیر فی کا بیان ہے کہ حضرت ابوعبداللہ کی خدمت میں ایک عورت نے حاضر ہوکر کہا: مولا میں آپؑ پر قربان، میرے ماں باپ بلکہ میرا پورا خاندان آپؑ حضرات (اہلبیتؑ سے تولاّ اور دوستی کا دم بھرتا ہے۔)

آپ نے ارشاد فرمایا: تو سچ کہتی ہے۔ مگر یہ بتا، تو چاہتی کیا ہے۔

اس عورت نے عرض کیا: میرے بازو میں ایک زخم ہوگیا ہے۔ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اسے اچھا کردے۔

آپ نے دعا فرمائی کہ پروردگار! تو گونگے اور ابرص تک کو اچھا کر دیتا ہے۔ تو بوسیدہ ہڈیوں میں بھی دوبارہ جان ڈال دیتا ہے تو اس کے مرض کو دفع فرما کر صحت اور عافیت کا لباس اس طرح پہنا دے کہ وہ میری دعاء کے اثر کو دیکھ لے۔ اس عورت کا بیان ہے کہ وہاں سے اٹھی تو زخم بالکل ہی اچھا ہوگیا تھا۔(۱)

۳۔آپ کا اپنے جد کے برابر دینا

راوی کہتا ہے کہ میں نے ابی سدیر کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں نے ایک مرتبہ خواب میں جناب رسولِ خداؐ کو دیکھا کہ آپ کے سامنے ایک طبق رکھا ہوا ہے۔ جو ایک رومال سے ڈھکا ہوا ہے، میں نے قریب جا کر آنحضرتؐ کو سلام کیا۔ آپ نے جواب سلام دیا۔ پھر آپ نے طبق کے اوپر سے رومال اٹھایا۔ دیکھا کہ اس میں رطب ہیں۔ آپ نے تناول فرمانا شروع کیا۔ میں نے آپ کے قریب پہنچ کر عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! ایک رطب مجھے بھی عنایت ہو۔ آپ نے اس میں سے ایک رطب عنایت فرمایا۔ میں نے اسے کھایا اور اس کے بعد پھر عرض کیا: یارسول اللہ! ایک رطب اور عنایت فرمادیں۔ آپ نے ایک رطب اور عنایت فرمادیا۔ میں نے اس کو بھی کھالیا اور اسی طرح ایک ایک کر کے آٹھ رطب دیئے اور میں نے کھالیئے۔ میں نے مزید مانگا، تو آپؑ نے فرمایا: بس اتنا ہی تیرے لیے کافی ہے۔ یہ دیکھ کر میری آنکھ کھل گئی۔

دوسرے دن میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ کے سامنے ایک طبق رومال سے ڈھکا رکھا ہے اور بالکل ویسا ہی جیسا کہ جناب رسول اللہؐ کے سامنے میں نے رکھا ہوا دیکھا تھا۔ میں نے بڑھ کر آپؑ کو سلام کیا۔ آپؑ نے جواب سلام دیا اور طبق سے رومال اٹھایا تو اس میں رطب

(۱) امالی شیخ طوسیؒ، ص/۲۵۹

تھے۔ آپؑ اسے تناول فرمانے لگے۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا۔ اورعرض کیا: میں آپؑ پر قربان، ایک رطب مجھے عنایت فرما دیجئے۔ آپ نے ایک رطب عطا فرمایا۔ میں نے اسے کھالیا پھر عرض کیا: ایک رطب اور عطا فرما دیجئے۔ آپ نے ایک رطب اور عنایت فرما دیا۔ اسی طرح ایک ایک کر کے میں نے آٹھ رطب آپؑ سے لے لئے۔ اس کے بعد پھر عرض کیا کہ ایک رطب اور عنایت فرما دیجئے آپؑ نے فرمایا اگر میرے جد نے اس سے زیادہ دیا ہوتا تو میں بھی دے دیتا۔‘‘(۱)

۴۔ آپ کی اطاعت جن بھی کرتے تھے

مفضّل بن عمر کا بیان ہے کہ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں کچھ رقم خراسان سے آپؑ کے اصحاب میں سے دو آدمیوں کی معرفت بھیجی گئی۔ وہ دونوں مسلسل اس رقم کی نگرانی کرتے ہوئے مقام رے سے گذرے تو ان دونوں کے ہمراہیوں میں سے کسی نے دو ہزار درہموں کی ایک تھیلی اوران کے حوالے کر دی کہ اسے بھی امام تک پہنچا دیں۔ وہ دونوں اس تھیلی کو روزانہ سامان کھول کر دیکھ لیا کرتے کہ کہیں گم نہ ہو جائے۔ اسی طرح وہ مدینہ کے قریب پہنچے تو ان دونوں میں سے ایک نے کہا: آؤ، ذرا پھر ایک مرتبہ اس تھیلی کو دیکھ لیں۔ اب جو دیکھا تو وہی تھیلی غائب ہے۔ باقی تمام رقوم موجود ہیں۔ ایک شخص کہنے لگا کہ اب ہم امام جعفر صادقؑ کو کیا جواب دیں گے۔ وہ تو ایک امانت تھی۔ دوسرے نے جواب دیا کہ مولا کریم ہیں۔ مجھے امید ہے کہ جو کچھ ہم کہیں گے اس کا ان کو خود بھی علم ہوگا۔

الغرض یہ دونوں جب مدینہ پہونچے اور کل رقم آپ کی خدمت میں پیش کیں تو آپؑ نے ازخود دریافت فرمایا کہ وہ رے والے شخص کی تھیلی کہاں ہے؟ انھوں نے سارا قصّہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اگر تم اس تھیلی کو دیکھو گے تو پہچان لوگے؟ انھوں نے کہا، جی ہاں۔ آپ نے آواز دی، اے کنیز ذرا فلاں رنگ کی تھیلی تو لے آؤ۔ کنیز وہ تھیلی نکال لائی، اور آپؑ نے ان کو وہ تھیلی دکھائی اور فرمایا: پہچان لو یہ ہے وہ تھیلی؟ انھوں نے فوراً پہچان کر کہا: جی ہاں، یہی وہ گم شدہ تھیلی ہے۔

آپؑ نے فرمایا کہ اس میں تمہارا قصور نہیں ہے مجھے ایک رقم کی ضرورت ہوئی تو میں نے گذشتہ شب

(۱) امالی شیخ طوسیؒ، ص/۷۰

کو ایک جن سے رقم مہیا کرنے کے لئے کہا تو وہ تمہارے سامان میں سے یہ تھیلی نکال کر لے آیا۔(۱)

۵۔دشمن کے لئے آپ کی بددعا

ابن سنان سے روایت ہے کہ جس وقت داؤد بن علی نے آدمی بھیج کر معلیٰ بن خنیس کو قتل کرادیا۔اس وقت ہم لوگ مدینہ میں تھے۔اس واقعہ کے بعد امام جعفر صادقؑ اپنے بیت الشرف سے باہر ایک مہینے تک نہ نکلے۔داؤد بن علی نے آدمی بھیجا کہ اس سے ملیں لیکن آپؑ نے ملنے سے انکار کردیا۔اس نے اپنے کچھ سپاہی بھیجے کہ انھیں جبراً لے آؤ،ورنہ ان کا سر لے آؤ۔

سپاہی آپ کے پاس اس وقت پہنچے جب آپؑ ہمارے ساتھ ظہر کی نماز میں مشغول تھے۔انہوں نے آپؑ سے کہا کہ چلئے،آپؑ کو داؤد بن علی نے بلایا ہے۔

آپ نے فرمایا،اگر میں نہ جاؤں؟انھوں نے کہا:اگر آپؑ نہ جائیں گے تو ہمیں حکم ملا ہے کہ آپؑ کا سر کاٹ کر لے جائیں۔آپؑ نے فرمایا:تم لوگوں سے یہ امید نہ تھی کہ اپنے رسولؐ کے فرزند کو قتل کردو گے۔

انھوں نے جواب دیا:ہمیں نہیں معلوم آپؑ کیا کہتے ہیں،بس ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہمیں حکم ملا ہے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔

آپ نے فرمایا کہ بہتر یہی ہے کہ میری بات مان لو اور واپس ہو جاؤ،اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

انھوں نے جواب دیا:خدا کی قسم ہم آپ کو لیے بغیر واپس نہ جائیں گے یا آپ کا سر لے کر جائیں گے۔

جب آپ نے دیکھا یہ نہ مانیں گے اور مجھے ہلاک کرنے پر آمادہ ہیں تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے اپنے کاندھوں پر رکھے پھر انہیں پھیلا کر انگشتِ شہادت سے اس طرح اشارہ کیا جیسے کسی کو بلا کر فرمایا ہو''السّاعة السّاعة''(ابھی ابھی)یہ کہنا تھا کہ ایک شور بلند ہوا۔ان سپاہیوں نے کہا اٹھیئے اور ہمارے ساتھ چلئے۔

آپ نے فرمایا:تمہارا حاکم تو مر چکا ہے۔(اب کس کے پاس لے جاؤ گے؟)

راوی کا بیان ہے کہ ان سپاہیوں نے تصدیق کے لئے ایک شخص کو بھیجا تو معلوم ہوا کہ حاکم واقعاً مر چکا ہے اور یہ شور وغل اسی کی موت پر ہوا تھا۔یہ سن کر وہ سپاہی واپس ہو گئے۔(۲)

---

(۱)بصائر الدرجات،جلد۲،باب ۱۸،ص/۲۷،بحار،ج۴،ص۶۹

(۲)بصائر الدرجات،جلد۵،باب ۲،ص/۵۸۔الخرائج والجرائح ص/۶۴۲،بحار،ج۴،ص/۷۷

۶۔ مافی الضمیر کا علم

عمر بن یزید سے روایت ہے کہ میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے اپنے دونوں پائے مبارک میری طرف بڑھا دیئے اور فرمایا، اے عمر! ذرا انہیں دباؤ۔

معاً میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں دریافت کروں گا کہ آپؑ کے بعد امام کون ہوگا؟ (مگر ابھی یہ بات میرے دل ہی میں تھی) آپ نے فرمایا: اے عمر! میں تمہیں یہ نہ بتاؤں گا کہ میرے بعد امام کون ہوگا۔(۱)

۷۔ آپ کو لوگوں کے افعال و اعمال کا علم ہونا

عمار سجستانی سے روایت ہے کہ عبداللہ نجاشی عبداللہ بن الحسین کا متبع اور زیدیہ فرقہ سے تعلق تھا۔ اتفاقاً ہم اور وہ دونوں مکہ گئے۔ وہ عبداللہ بن حسن سے ملنے گیا اور میں حضرت ابوعبداللہ جعفر صادقؑ کے پاس آیا۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ تم اپنے امام سے مجھے ملنے کی اجازت دلا دو۔

میں نے اس کی یہ گذارش امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں جا کر پیش کی۔

آپ نے فرمایا: اس کو بلا لو۔

جب وہ آیا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا: بتاؤ، تم نے ایسا کیوں کیا، یاد کرو کہ فلاں دن تم ایک شخص کے مکان کے قریب سے گذر رہے تھے کہ مکان کے پرنالہ سے پانی گرا، تم نے صاحب خانہ سے پوچھا، یہ پانی کیسا تھا؟ انھوں نے کہا: نجس تھا۔ تم اونی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ یہ سن کر تم مع اپنے لباس کے نہر میں کود پڑے، تمہیں اس حال میں دیکھ کر ہر طرف سے بچّے جمع ہو گئے اور تم پر ہنسنے اور تمہارا مذاق اڑانے لگے۔

عمار کا بیان ہے کہ یہ سن کر وہ شخص میری طرف متوجہ ہوا اور بولا: تم نے میرا یہ واقعہ حضرت ابوعبداللہ کو کیوں بتا دیا۔

میں نے کہا: واللہ میں نے ان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

جب ہم لوگ آپؑ کے پاس سے نکلے تو اس نے کہا: اے عمّار! یہی اب میرے بھی امام ہیں، اور کوئی امام نہیں ہے ان کے علاوہ۔''(۲)

---

(۱) بصائر الدرجات، جلد۵، باب۱۰، ص/۶۳۔ کشف الغمہ، جلد۲، ص۴۲۲

(۲) بصائر الدرجات، جلد۵، باب۱۱، ص/۶۶

۸۔آپ کی فضیلت کو پرکھنا چاہتا تھا

شعیب سے روایت ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں ایک ہزار درہم بھیجے۔تو میں نے کہا، میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ حضرت ابوعبداللہ کوان کے دیگر اہل خاندان پر کیا فوقیت اور فضیلت حاصل ہے؟

اس نے کہا اگر یہ چاہتے ہو تو اس میں سے پانچ درہم نکال کر اپنی اندرونی جیب میں رکھ لینا اور اپنے پانچ درہم اس میں ملا دینا، تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ان میں کیا فضیلت اور فوقیت ہے۔

الغرض میں نے پانچ درہم اس میں سے نکال کر اپنے پانچ درہم ملا دیئے اور لے کر امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں آیا۔آپ نے وہ ساری رقم پھیلا دی اور اس میں سے وہ پانچ درہم نکال کر کہا: یہ پانچ درہم تیرے ہیں۔انھیں واپس لے اور میرے پانچ درہم جیب سے نکال۔"(۱)

۹۔آپ نے فرمایا کہ آلِ محمد کو دھوکا نہ دو

صفوان نے جعفر بن محمد بن اشعث سے روایت کی ہے کہ "تم جانتے ہو میں امام جعفر صادقؑ کی امامت کا قائل کیوں ہوا اور مجھے ان کی معرفت کیسے حاصل ہوئی؟

راوی کا بیان ہے میں نے پوچھا: وہ کیسے؟

ابوجعفر یعنی ابودوانیق نے میرے والد محمد بن اشعث سے کہا: اے محمد! میں ایک ایسا آدمی چاہتا ہوں جو ذرا عقل رکھتا ہو تا کہ وہ میرا ایک کام کر دے۔میرے والد نے جواب دیا: ہاں ہاں! ایسے آدمی میرے ماموں ابن مہاجر ہی ہیں جو بہت ہوشیار آدمی ہیں۔اس نے ابن مہاجر کو بلا کر کہا: یہ رقم لو، اور یہ کہہ کر ہزاروں دینار دیئے۔بولا: مدینہ جاؤ اور یہ ساری رقم عبداللہ بن حسن اور ان کے چند اہل بیت جن میں جعفر بن محمد بھی ہوں، کو دو، اور کہو کہ میں ایک مردِ مسافر ہوں، خراسان سے آیا ہوں، وہاں آپ کے شیعوں میں سے کچھ لوگوں نے یہ رقم آپ کے لیے بھیجی ہے اور کہا ہے کہ ان لوگوں میں سے ہر شخص کو ان شرائط پر رقم دینا۔جب وہ رقم لے لیں تو کہنا کہ میں ایک مسافر ہوں اس لئے اس رقم کی وصول یابی کی رسید بھی چاہتا ہوں تا کہ سند رہے۔

راوی کا بیان ہے کہ ان ہدایت کے ساتھ ابن مہاجر رقم لے کر مدینہ پہنچا اور یہاں سے جب واپس

---

(۱) بصائر الدرجات، جلد۵، باب۱۱، ص۶۲۔مناقب، جلد۳، ص/۳۵۴۔کشف الغمہ، جلد۲، ص/۴۲۵۔بحار جلد۴، ص/۸۷

واپس ابوجعفر کے پاس پہنچا تو وہاں محمد بن اشعث بھی بیٹھا ہوا تھا۔ ابوجعفر نے پوچھا: بولو کیا کر آئے۔

اس نے کہا میں ان لوگوں کے پاس گیا اور آپ کی ہدایت پر پوری طرح عمل کیا اور یہ رسیدیں ہیں۔ اس رقم کی جو انھوں نے مجھ سے وصول کی، لیکن جب جعفر بن محمدؑ کے پاس پہنچا تو وہ مسجدِ رسولؐ میں مشغولِ نماز تھے۔ میں نماز ختم ہونے کے انتظار میں وہیں ایک طرف جا بیٹھا اور دل میں کہا کہ جب یہ نماز سے فارغ ہوکر واپس ہوں گے تو ان سے بھی وہی کہوں گا جو کچھ دوسروں سے کہا تھا۔

الغرض جعفر صادقؑ نے جلد ہی نماز تمام کی، پھر پلٹ کر مجھے دیکھا اور فرمایا:

''اے شخص اللہ سے خوف کر اور ہم آلِ محمدؑ کو دھوکہ نہ دے اور اپنے حاکم سے جا کر کہہ دے کہ اللہ سے ڈرتا رہے اور اہل بیتِ محمدؑ کو دھوکہ نہ دے۔

میں نے عرض کیا: خدا آپؑ کا بھلا کرے۔ اس میں دھوکہ ہی کیا؟

آپؑ نے فرمایا: اچھا میرے قریب آ جاؤ، میں تمھیں بتاتا ہوں۔

میں آپ کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ آپؑ نے وہ سب کچھ بتا دیا جو گفتگو میرے اور تمہارے درمیان ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ ہماری اور تمہاری گفتگو میں موجود تھے۔

ابوجعفر نے کہا: اے ابن مہاجر! تمھیں معلوم ہونا چاہئے کہ اہل بیتؑ محمدؐ کے اندر ہر دور میں کوئی نہ کوئی محدث ضرور ہوتا ہے اور آج کل جعفر بن محمدؑ محدث ہیں۔ اس واقعہ کے بعد میں جعفر بن محمدؑ کی امامت کا قائل ہوگیا۔''(۱)

۱۰۔ ابوبصیر کا ایک شامی سے وعدۂ جنت

ابوبصیر سے روایت ہے کہ ایک مردِ شامی ہمارے پاس آیا۔ میں نے اس کو جعفر بن محمدؑ کی امامت کی طرف دعوت دی۔ اس نے دعوت قبول کر لی۔ پھر میں اس مردِ شامی کے پاس اس وقت گیا جب وہ سکرات کے عالم میں تھا۔

اس نے مجھ سے کہا: اے ابوبصیر! تم نے جو کہا میں نے قبول کیا، مگر اب میرے لئے جنت کا کیا ہوگا؟

---

(۱) بصائر الدرجات، جلد۵، باب۱۱، ص/ ۶۶، مناقب، جلد۳، ص/ ۲۴۸، کافی جلد۱، ص/ ۴۷۵، الخرائج والجرائح، ص/ ۲۴۲

میں نے کہا: گھبراتا کیوں ہے، میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی طرف سے تیرے لئے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔اس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔پھر میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔تو آپؑ نے بغیر میرے کچھ کہے ہوئے از خود فرمایا،تم نے جس آدمی سے جنّت کا وعدہ کیا تھا وہ ہم نے پورا کر دیا۔(۱)

۱۱۔آپ کی دعا سے ایک شخص کی زوجہ زندہ ہوگئی

داؤد ابن کثیر رقی کا بیان ہے کہ ہمارے اصحاب میں سے ایک شخص حج پر گیا، واپسی پر حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا،مولا! آپؑ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، میری زوجہ کا انتقال ہوگیا اور اب میں تنہا رہ گیا۔

آپ نے فرمایا: کیا تم اس سے محبت کرتے تھے؟

اس نے کہا: جی ہاں، میں آپؑ پر قربان۔آپ نے فرمایا: اچھا اپنے گھر واپس جاؤ، وہ بھی عنقریب پلٹ آئے گی۔جب تم پہنچو گے تو وہ کھانا کھا رہی ہوگی۔

راوی کا بیان ہے کہ جب میں اپنے گھر پہنچا،داخل خانہ ہوا تو دیکھا کہ وہ واقعاً بیٹھی ہوئی کھانا کھا رہی تھی۔(۲)

۱۲۔آپ کا زید کو موت کی خبر دینا

ابو اسامہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مجھ سے حضرت ابوعبداللہ نے دریافت فرمایا: اے زید! تمہاری عمر کیا ہوگی؟

میں نے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان،اس وقت میری عمر یہ ہے۔

آپ نے فرمایا: اے ابو اسامہ! جو کچھ عبادت کرنا ہے کرلو اور از سرنو توبہ بھی کرلو۔

یہ سن کر میں رونے لگا۔آپؑ سے عرض کیا: آپ نے میرے مرنے کی خبر دیدی، آپ نے فرمایا، اے زید خوش ہو جاؤ کہ تمہارا شمار شیعوں میں ہے اور تمہارا مقام جنّت میں ہے۔(۳)

---

(۱)بصائرالدرجات،جلد۵،باب۱۲،ص/۶۸ (۲)بصائرالدرجات،جلد۶،باب۴،ص۶۷ (۳)بصائرالدرجات،جلد۴،باب۱،ص/۴۷

۱۳۔آپ کی دعا سے بینائی کا واپس آنا

ابوبصیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت امام جعفر صادقؑ کے جسد مبارک اور کاندھے کو اپنے ہاتھوں سے ٹٹول رہا تھا۔

آپؑ نے فرمایا: ''اے ابوبصیر! کیا تم مجھے دیکھنا چاہتے ہو؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں میں آپ پر قربان۔ آپؑ نے اپنا دست مبارک میری آنکھوں پر پھیرا اور میں آپؑ کو دیکھنے لگا۔ پھر فرمایا: اے ابوبصیر! اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہو جائے گی تو میں تمہیں اسی حال پر چھوڑ دیتا۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ پھر آپ نے میری آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور میں جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔''(۱)

۱۴۔آپ کا مردہ بچہ کو زندہ کرنا

جمیل کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت ابوعبداللہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک عورت آئی، اس نے بیان کیا کہ مولا! میں اپنے مردہ بچّے کو لحاف میں ڈھانپ کر چھوڑ آئی ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: مگر شائد وہ مردہ نہیں ہے۔ اپنے گھر واپس جا کر غسل کر کے دو رکعت نماز ادا کر، پھر دعا کر اور دعاء میں یہ کہہ ''اے وہ ذات جس نے مجھے اس بچّے کو اس وقت عطا کیا تھا جب وہ کچھ نہ تھا، اب دوبارہ یہ بچّہ مجھے، عطا فرمادے۔'' پھر اس بچّے کو حرکت دے اور دیکھ کسی کو یہ بات نہ بتانا۔ وہ عورت کہتی ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا، نماز و دعاء کے بعد اس بچّے کو حرکت دی تو وہ رونے لگا۔(۲)

۱۵۔آپ کے پاس زمین کے خزانوں کی کنجی کا ہونا

یونس بن ظبیان، مفضّل بن عمر، ابوسلمہ سراج اور حسین بن ثویر بن ابی فاختہ، ان سب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت ابوعبداللہ کی خدمت میں تھے۔ آپؑ نے فرمایا: سنو! زمین کے خزانے اور ان کی

---

(۱) بصائر الدرجات، جلد ۶، باب ۳، ص/ ۷۶۔ مناقب، جلد ۳، ص/ ۳۶۴

(۲) بصائر الدرجات، جلد ۶، باب ۴، ص ۷۶۔ مناقب، جلد ۳، ص ۴۷۴

کنجیاں ہمارے پاس ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اپنے ایک پاؤں سے ٹھوکر لگائیں اور زمین سے خزانے اگلنے کے لئے کہیں، تو وہ اپنے خزانے ہمارے حکم سے اگل دے گی۔

راوی کا بیان ہے کہ پھر آپؑ نے اپنے پاؤں سے زمین پر ٹھوکر لگائی۔ زمین شق ہوگئی۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کے اندر سے تقریباً ایک بالشت کی سونے کی ایک اینٹ نکالی اور فرمایا: تم لوگ خوب اچھی طرح اس کو دیکھ لو تاکہ تمہیں کوئی شک نہ رہے۔ ہم نے اس شگاف میں جھانک کر دیکھا تو اس میں سونے کی بہت سی اینٹیں ایک کے اوپر ایک چنی ہوئی تھیں۔ یہ دیکھ کر ہم میں سے کسی نے کہا: میں آپ پر قربان، آپ کے شیعہ مفلس و محتاج ہیں۔ یہ آپ انھیں عطا فرمادیں۔

آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے شیعوں کو دنیا و آخرت میں ایک ساتھ رکھے گا۔ انھیں جنتِ نعیم میں داخل کرے گا اور ان کے دشمنوں کو جہنم میں۔ یہ اینٹیں جہنم کا ایندھن ہیں۔(۱)

۱۶۔انحرافِ حکم امام کا انجام

حفص ابیض تمار سے روایت ہے کہ جس زمانے میں معلیٰ بن خنیس سولی پر لٹکایا گیا تھا میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا: اے ابو حفص! میں نے معلیٰ بن خنیس کو ایک کام کا حکم دیا، مگر اس نے اس کے خلاف کیا، بالآخر قتل ہوا۔ صورتِ امر یہ ہوئی کہ ایک دن میں نے اس کو دیکھا کہ وہ بہت پژمردہ اور محزون ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ اے معلیٰ کیا بات ہے کیوں غمزدہ نظر آرہے ہو؟ کیا تمہیں اپنے بال بچے وغیرہ یاد آرہے ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں۔

میں نے کہا: اچھا میرے قریب آؤ۔ جب وہ قریب آیا، تو میں نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور پوچھا: اب تم خود کو کہاں دیکھ رہے ہو؟ اس نے کہا: میں خود کو اپنے گھر میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ میری زوجہ ہے، یہ میرا بچہ ہے۔ میں نے اس کو اسی حالت میں چھوڑ دیا، اور خود وہاں سے ہٹ گیا، وہ اپنی زوجہ سے تخلیہ میں مل لیا۔ اس کے بعد میں نے کہا: قریب آؤ، وہ قریب آیا، تو میں نے پھر اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور پوچھا:

(۱) بصائر الدرجات، جلد ۷، باب ۲، ص/۱۰۹۔ مناقب، جلد ۳، ص/۴۶۹

اب تم خود کو کہاں دیکھ رہے ہو؟

اس نے کہا، اب میں آپؑ کے ساتھ مدینہ میں ہوں۔ یہ آپؑ کا مکان ہے۔

میں نے کہا: اے معلیٰ! ہماری چند احادیث ایسی ہیں جو انہیں محفوظ رکھے گا، اللہ اس کے دین و دنیا دونوں کی حفاظت کرے گا۔ اے معلیٰ! دیکھو ہماری حدیثیں (جن کے اظہار پر عوام الناس سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو) بیان نہ کرو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اس کی وجہ سے تم کو قتل کر دیں۔

اے معلیٰ! جو ہماری مشکل احادیث کو اپنے سینہ تک ہی محفوظ اور پوشیدہ رکھے گا، اس کا راستہ روشن کرنے کے لئے اس کے سامنے ایک نور پیدا کر دے گا، اور لوگوں کے درمیان اسے عزّت و وقار عطا کرے گا، مگر جو ہماری مشکل احادیث کو ہر طرف پھیلائے گا اور ہر کس و ناکس سے کہتا پھرے گا، وہ انجام بہ کار یا تو قید ہو کر مرے گا، ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ اے معلیٰ سنو! تم قتل کیئے جاؤ گے اس کے لیے تیار ہو جاؤ۔(۱)

۱۷۔ دشمنِ اہلبیتؑ کو ایک ناگ نے ڈسا

ابوالصباح کنانی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوعبداللہ سے عرض کیا کہ ہمدان میں میرا ایک پڑوسی ہے جس کا نام جعد بن عبداللہ ہے وہ حضرت امیرالمومنینؑ پر سبّ وشتم کرتا ہے آپؑ کی اجازت ہے کہ میں اس خبیث کو قتل کر دوں؟

آپ نے ارشاد فرمایا: اسلام نے اس طرح کے قتل کو روک دیا ہے۔ لہٰذا تم اسے یونہی چھوڑ دو، وہ خود ہی اپنے کیفرکردار کی سزا بھگت لے گا۔

راوی کا بیان ہے جب میں کوفہ واپس پہنچا اور نماز صبح کی ادائیگی کے لئے مسجد پہنچا تو کسی نے کہا کہ جعد اپنے بستر پر پھولی ہوئی مشک کی طرح مردہ پڑا ہوا پایا گیا۔ لوگ اس کو اٹھانے کے لیے گئے، تو اس کے جسم کا گوشت گل سڑ گیا تھا اور ہڈیوں سے جدا ہو کر گرنے لگا۔ لوگوں نے اس کے جسم کے ٹکڑوں کو ایک چمڑے کی چادر پر جمع کیا اور جب اٹھا کر چلنے لگے تو دیکھا کہ اس کی چارپائی کے ایک طرف کالا ناگ موجود تھا۔ الغرض اس کو اسی حالت میں دفن کر دیا گیا۔(۲)

---

(۱) بصائرالدرجات، جلد۸، باب۱۳، ص/۱۱۸۔ رجال کشی، ص/۲۴۰ (۲) مناقب، جلد۳، ص/۳۶۴

۱۸۔آپ کا بنی امیہ کے کاتب کو جنت کی بشارت دینا

علی بن ابی حمزہ کا بیان ہے کہ میرا ایک دوست بنی امیہ کے کاتبوں میں سے تھا۔ایک دن اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادقؑ سے ملاقات کی اجازت دلا دو۔

میں نے اس کے لیے ملاقات کی اجازت لے لی۔اس کو امام کی بارگاہ میں لے آیا۔وہ آیا سلام کیا اور بیٹھ گیا اور عرض کرنے لگا۔میں آپؑ پر قربان، میں اس قوم (بنی امیہ) کے دیوان میں ملازم تھا۔وہاں سے میں نے زرِ کثیر کمایا اور اس میں حق ناحق (حلال وحرام) کی قطعاً تمیز نہ کی۔

آپؑ نے فرمایا: سچ ہے۔اگر بنی امیہ کو ایسے آدمی نہ ملتے جوان کے کاتب بنیں اور ان کے لیے مالِ غنیمت لائیں اور ان کی طرف سے جنگ کریں تو وہ ہمارے حقوق کو کبھی ہم سے چھین ہی نہیں سکتے تھے۔واقعاً اگر لوگ بنی امیہ کو اپنے اموال سے خراج دینا چھوڑ دیتے تو ان کے پاس اتنا ہی مال ہوتا جتنا ان کے پاس تھا۔

اس نے کہا: میں آپ پر قربان کیا اس سے نکلنے اور عہدہ برآ ہونے کی بھی کوئی صورت ہوسکتی ہے۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا: اگر میں بتادوں تو کیا تو اس پر عمل کرے گا۔؟

اس نے عرض کیا: ضرور کروں گا۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا: پھر، اب تک جو مال وہاں سے کمایا ہے سب نکالو اور اس میں سے جس مال کا مالک معلوم ہو وہ اسی تک پہنچا دو اور جس کا مالک معلوم نہ ہوسکے وہ اس کے مالک کی طرف سے تصدق کر دو، پھر میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔

راوی کا بیان ہے کہ وہ جوان دیر تک گردن جھکائے سوچتا رہا، پھر بولا: میں آپؑ پر قربان، میں آپؑ کے حکم پر عمل کروں گا۔اس کے بعد وہ جوان ہمارے ساتھ کوفہ آیا اور اپنا تمام مال واسباب حتیٰ کہ اپنے جسم کا لباس بھی تصدق کر دیا۔پھر ہم لوگوں نے چندہ جمع کر کے اس کے لیے لباس خریدا اور اس کے اخراجات کے لئے کچھ رقم اسے دی۔

راوی کا بیان ہے کہ چند ہی مہینوں کے بعد وہ بیمار ہوا، ہم اس کی عیادت کے لئے جاتے رہے۔ایک دن پہنچے تو وہ غشی کے عالم میں تھا۔جب اس نے آنکھ کھولی اور مجھے دیکھا تو بولا: اے علی! واللہ تمہارے

امام نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔

اس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کی، یہاں سے فارغ ہو کر میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں پہنچا۔ آپؑ نے مجھے نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا: اے علی! میں نے تمہارے دوست سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا۔

میں نے کہا: آپؑ نے سچ فرمایا، میں آپؑ پر قربان، اس نے بھی اپنی موت سے قبل اس کی تصدیق کر دی تھی۔(۱)

۱۹۔آپؑ کے عطا کردہ سنگریزے جواہرات بن گئے

مروی ہے کہ ایک دن منصور نے آپؑ کو بلایا اور آپؑ کے ساتھ سوار ہو کر بیرونِ شہر گیا وہاں ایک ٹیلے پر بیٹھ گیا اور امام جعفر صادقؑ کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ اتنے میں وہاں ایک شخص آیا۔ پہلے تو اس نے یہ چاہا کہ منصور سے سوال کرے، مگر فوراً اس نے اپنا رخ اس کی طرف سے موڑ کر امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا۔ آپؑ نے وہاں پڑے ہوئے سنگریزوں میں سے تین مٹھی سنگریزے اٹھا کر اسے دئے اور فرمایا: ''لے جاؤ اور ان کو تالے میں بند کر کے رکھو۔''

منصور کے مصاحبین میں سے کسی نے کہا، تو نے بادشاہ کو چھوڑ کر ایک فقیر سے سوال کیا، جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

آپؑ نے اس کو جو سنگریزے اٹھا کر دیئے تو وہ شرمندہ سا ہونے لگا اور اس کے چہرے پر ندامت کا پسینہ آیا۔ مگر اس کے باوجود اس نے جواب دیا کہ میں نے اس سے سوال کیا جس کی عطا پر مجھے بھر پور وثوق ہے۔ یہ سنگریزے مجھے بحر کرم و بخشش سے ملے ہیں، اس لیے قابل قدر ہیں۔

وہ ان سنگریزوں کو لئے ہوئے اپنے گھر آیا، اور اپنی زوجہ کے سامنے رکھ دیئے۔

زوجہ نے کہا، یہ سنگریزے تجھے بھیک میں کس نے دے دئے؟ اس نے کہا: حضرت امام جعفر صادقؑ نے عطا فرمائے ہیں۔ آلِ محمدؐ سے اگر بھیک میں سنگریزوں کے بجائے خس و خاشاک مل جاتا تو وہ بھی باعث تونگری بن سکتا تھا۔ زوجہ نے کہا: اور کچھ بھی فرمایا ہے ان حضرت نے؟

---

(۱) المناقب، جلد۳، ص/۳۶۵

اس نے کہا، ہاں یہ کہا تھا کہ ان کو لے جا کر تالے میں بند کر کے رکھ دینا۔ زوجہ نے کہا: آنحضرت نے جو کچھ فرمایا ہے صحیح فرمایا ہے۔ ان میں سے کچھ لے جا کر کسی جوہری کو دکھا دینا چاہئے تا کہ پتہ چلے کہ ان سنگریزوں کی کیا قدر و قیمت ہے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور تھوڑے سے سنگریزوں کو ایک یہودی کے پاس لے گیا اور کہا کہ بتاؤ ان کی کیا قیمت ادا کر سکتے ہو؟

یہودی نے دیکھ کر کہا کہ یہ دس ہزار درہم کی قیمت کے جواہرات ہیں۔ اگر تمہارے پاس اور بھی ہوں تو وہ بھی لے آؤ۔ میں سب کی قیمت یکمشت ادا کر دوں گا۔

یہ سن کر وہ شخص دل میں سوچنے لگا: بھلا بادشاہ اس قدر کثیر رقم مجھے کیسے دے سکتا تھا۔ واقعی اہل بیتِ رسولؐ سے جو کچھ بھی ملتا ہے وہ کم نہیں ہوتا ہے۔(۱)

۲۰۔صالحین کے ساتھ کھانا کھانے سے کبھی بیمار نہ ہو گے

مسمع کروین بصری سے روایت ہے کہ میں کبھی دن رات میں ایک مرتبہ کے علاوہ مزید کچھ نہیں کھاتا تھا۔ جب کبھی میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں جاتا تو دیکھتا کہ دسترخوان اٹھ چکا ہے۔ شاید یہ خیال اس لیے ہوا کہ آپؑ کے سامنے دسترخوان نہ ہوتا۔ مگر مجھے دیکھ کر آپ دسترخوان منگواتے اور ہم سب ہی آپؑ کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور اس کھانے کے بعد مجھے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ مگر جب کسی دوسرے کے پاس کھانا ہوتا تو اوّل تو یہ کہ میرا پیٹ ہی نہ بھرتا تھا، دوسرے یہ کہ پیٹ میں ایسا نفخ ہوتا کہ رات کی نیند حرام ہو جاتی تھی۔

میں نے اس بات کی شکایت آپؑ سے کی اور عرض کیا کہ جب آپؑ کے ساتھ کھانا کھاتا ہوں تو مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

آپؑ نے فرمایا: اے ابوسیّار! یہاں تم ایسے صالحین کے ساتھ کھانا کھاتے ہو جن سے ملائکہ آ کر مصافحہ کرتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ وہ صالحین کون ہیں جن کے ساتھ ملائکہ مصافحہ کرتے ہیں۔

یہ سن کر آپؑ نے اپنے بچّے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، ملائکہ میرے ان بچّوں کے ساتھ مجھ سے بھی زیادہ

(۱) مشارق الانوار، ص/۱۱۲

لطف ومہربانی سے پیش آتے ہیں۔(۱)

۲۱۔آپ کی دعا سے اعرابی کتے کی شکل میں بدل گیا۔

علی بن ابی حمزہ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ امام جعفر صادقؑ کے ساتھ حج کے لیے گیا۔ درمیان راہ ہم ایک خشک کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔آپؑ نے اپنے لبہائے مبارک کو جنبش دی اور کوئی دعا پڑھی۔ پھر فرمایا: اے درخت! اللہ نے تیرے اندر اپنے بندوں کے لیے جو رزق فراہم کیا ہے، اس میں سے ہمیں بھی کچھ کھلا دے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ وہ درخت حسب الارشاد امامؑ کی طرف جھک گیا جس پر پتے اور رطب سب کچھ موجود تھے۔ پھر مجھ سے فرمایا: قریب آجاؤ۔ بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ ہم نے اس میں سے بہترین اور شیریں رطب کھائے۔ اسی دوران ایک اعرابی (بدّو) سامنے آیا اور بولا، میں نے آج سے زیادہ بڑا جادو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

آپ نے فرمایا: ہم گروہ آئمہ انبیاء ماسبق کے وارث ہیں۔ ہم میں کوئی ساحر اور کاہن نہیں ہوتا۔ ہم لوگ اللہ سے دعا کرتے ہیں اللہ ہماری دعا قبول فرماتا ہے۔ اگر تو چاہے تو میں تیرے لئے بھی دعا کروں تو اللہ تجھے کتے کی شکل میں مسخ کردے گا اور تو اسی شکل میں گھر جائے گا اور اپنے اہل خانہ پر بھونکے گا۔

اس اعرابی نے اپنی جہالت کی بناء پر کہہ دیا: ہاں دعاء کر کے دکھاؤ۔

اس کا یہ کہنا تھا کہ وہ فوراً ہی کتا بن گیا اور الٹے منھ واپس ہوا۔

آپ نے مجھ سے فرمایا: اس کے پیچھے پیچھے جا کر دیکھو کہ یہ کہاں جاتا ہے۔ میں نے اس کا تعاقب کیا اور دیکھا تو وہ سیدھا اپنے گھر گیا اور اپنے اہل خانہ کے سامنے بھونکنے لگا۔ انہوں نے ڈنڈا اٹھایا اور اس کا مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا۔ اب وہ سیدھا امامؑ کی طرف واپس آیا۔ میں نے آپ کو سارا قصہ سنا دیا۔ ابھی ہم مصروف گفتگو تھے کہ وہ بھی منہ لٹکائے ہوئے آپہنچا۔ یہ دیکھ کر آپ کو اس پر رحم آگیا کہ وہ آپ کے سامنے پہنچ کر زمین میں لوٹنے اور عوعو کرنے لگا آنکھوں میں اس کے آنسو تھے۔

آپ نے دعا فرمائی اور وہ اپنی اصلی حالت پر پلٹ آیا۔

---

(۱) الکافی، جلد/۱، ص/۳۹۳

آپؑ نے فرمایا: کیوں اعرابی! اب تو ایمان لائے گا؟

اس نے کہا، جی ہاں، مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے معاف فرمادیجئے۔ میں آپؑ پر ایمان لاتا ہوں کہ آپؑ واقعاً وارثِ انبیاء ہیں۔، ساحر نہیں ہیں۔(۱)

۲۲۔گم شدہ اونٹ کی بازیابی

طیالسی سے روایت ہے اس کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ مکّہ سے مدینہ جا رہا تھا کہ راستہ میں میری سواری کا اونٹ گم ہوگا جس پر میرا زادِسفر، دیگر سامان اور لوگوں کی امانتیں بھی تھیں۔ میں نے حضرت ابوعبداللہ کی خدمت میں آکر اس پریشانی کی شکایت کی۔

آپؑ نے فرمایا: مسجدِ رسولؐ میں جاؤ اور یہ دعا کرو۔ ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتَیْتُکَ زَائِراً لَّبیّک الحرام وَاِنَّ رَاحِلَتِیْ قَدْ ذَهَبَتْ فَرَدَّهَا عَلَیَّ ۔''(پروردگارا! میں تیرے بیت الحرام کی زیارت کے لئے آرہا تھا کہ میری سواری کا اونٹ کہیں چلا گیا تو اسے میرے پاس پلٹا دے) میں گیا اور دعاء کی۔ ابھی میں دعا کر ہی رہا تھا کہ دروازہ مسجد پر ایک شخص نے پکار کر کہا اے شخص باہر نکل اور اپنی سواری کا اونٹ لے جا، تو نے ہمیں تمام رات بھر پریشان کیا ہے۔

میں نے مسجد سے نکل کر وہ اونٹ لے لیا اور سامان وغیرہ دیکھا تو بالکل صحیح تھا۔(۲)

۲۳۔آپ نے ایک شخص کے لئے سرداری کی پیشینگوئی کی

بشیر نبال سے روایت ہے کہ میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اتنے میں ایک شخص نے آکر ملاقات کی اجازت چاہی۔ اس کے بعد مسجد میں گیا۔ امام نے اس سے فرمایا: تمہارا لباس صاف ستھرا نہیں ہے۔

اس نے کہا کہ جی ہاں۔ یہ میرے مالک کا لباس ہے پھر بولا: میں آپؑ کے لئے ہدیہ لایا ہوں۔ اسی دوران ایک غلام تھیلے میں کچھ ملبوسات لایا اور وہ تھیلا سامنے رکھ دیا۔ اس نے آپؑ سے تھوڑی دیر بات کی اس کے بعد اٹھ گیا۔

---

(۱) الخرائج والجرائح، ص/ ۱۹۸ (۲) الخرائج والجرائح ص/۲۳۴، بحار، جلد۴، ص۱۱۴

آپؑ نے فرمایا، اگر وقت آ گیا ہے اور تمام علامات صحیح ہیں تو یہی شخص خراسان سے سیاہ جھنڈے والے لشکر کا سردار ہوگا۔ پھر ایک غلام سے جو آپؑ کے پیچھے کھڑا تھا، کہا کہ جا کر اس شخص کا نام معلوم کرو۔

غلام نے بڑھ کر اس کا نام معلوم کیا تو اس نے اپنا نام عبدالرحمٰن بتایا۔

امام جعفر صادقؑ نے تین بار فرمایا: واللہ عبدالرحمٰن ربِّ کعبہ کی قسم یہی وہ ہے۔

بشیر کا بیان ہے کہ جب ابومسلم خراسانی نے لشکر کشی کی تو میں اس کے پاس گیا اور دیکھا تو یہ وہی شخص تھا جو اس وقت ہمارے پاس آیا تھا۔(۱)

۲۴۔آپ نے بھائیوں سے پریشان شخص کو صبر کرنے کو کہا

عثمان بن عیسیٰ سے روایت ہے کہ ایک شخص امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں آیا اور اس نے فریاد کی کہ میرے بھائیوں اور میرے چچا کے لڑکوں نے مجھے گھر میں رہنا دشوار کر رکھا ہے، آپؑ انہیں سمجھا دیجئے۔

آپؑ نے فرمایا: تھوڑا صبر کرو اسی میں بہتری ہے۔ اس بات کو ایک سال گذر گیا۔ وہ شخص کہتا ہے کہ دوسرے سال میں پھر حاضر خدمت ہوا اور ان لوگوں کی شکایت کی۔

آپ نے فرمایا: ابھی صبر کرو۔

پھر تیسرے سال سفر میں آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی شکایت کی۔

آپؑ نے پھر صبر کی تلقین فرماتے ہوئے کہا: اب عنقریب تمہارے مصائب دور ہونے والے ہیں۔ تم مطمئن رہو۔ ابھی چند دن ہی گذرے ہوں گے کہ کسی وباء کی وجہ سے وہ سب مر گئے۔

اب پھر میں حاضر خدمت ہوا۔ آپؑ نے دریافت فرمایا۔ کیا حال ہے اب تمہارے گھر والوں کا؟

میں نے عرض کیا، وہ تو سب ہی مر گئے۔

آپؑ نے فرمایا، یہ اس لیے ہوا کہ ان لوگوں نے تمہارے ساتھ بدسلوکی کی تھی اور ان کا یہ عمل جاری رہا، نیز حقِ اخوت کو ادا نہیں کیا قطع رحم کیا۔(۲)

---

(۱)الخرائج والجرائح،ص/۲۳۵ (۲)الخرائج والجرائح،ص/۲۳۶

۲۵۔آپؑ کی فضیلت کوسب کے برابر کہتے کچھ لوگ

محمد بن مسلم سے روایت ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ معلّٰی بن خنیس آپؑ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے۔

آپؑ نے ان سے سبب گریہ دریافت فرمایا۔

معلّٰی نے جواب میں عرض کیا کہ مولا! کچھ لوگ باہر کھڑے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ فضیلت میں ہم سے افضل کوئی نہیں ہے بلکہ ہم سب برابر ہیں۔

یہ سن کر آپؑ نے قدرے سکوت فرمایا، پھر آپؑ نے کھجوروں کا ایک طبق منگوایا۔اس میں سے ایک کھجور اٹھا کر اس کے دوٹکڑے کیے۔کھجور تناول فرمائی اور اس کی گٹھلی کو زمین پر ڈال دیا، وہ فوراً درخت بن گئی۔دیکھتے ہی دیکھتے اس میں پھل بھی آ گئے۔آپ نے اس میں سے ایک پھل توڑا۔اس کو درمیان سے دو ٹکڑوں میں تقسیم کیا تو اس کے اندر سے ایک رقعہ برآمد ہوا وہ رقعہ آپؑ نے معلّٰی کو دیا اور فرمایا، اس کو پڑھ لو۔ معلّٰی نے پڑھا تو اس میں لکھا تھا۔''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌرَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِیّ الْمُرْتضیٰ، الحَسَنُ والْحُسَیْنُ وعلی ابن الحسین'' اور اسی طرح ترتیب سے امام آخر الزمان علیہم السلام تک اسماء مذکور تھے۔(۱)

۲۶۔آپؑ کی بددعا کا اثر

میثمی کا بیان ہے کہ ایک شخص نے مجھے بتایا کہ میں حضرت جعفر صادقؑ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ آپؑ نے اپنے غلام سے فرمایا، جاؤ اور زمزم کے کنویں سے پانی لے آؤ۔

غلام گیا اور تھوڑی دیر میں ہی بغیر پانی لیے واپس آیا اور کہنے لگا کہ چاہِ زمزم پر مقرر غلاموں میں سے ایک غلام نے پانی دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تم عراق کے خدا کے لیے پانی لے جا رہے ہو۔اس لئے تمہیں پانی نہیں دیا جائے گا۔

یہ سن کر آپؑ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔آپؑ نے کھانے سے ہاتھ روک لیا اور اپنے لبوں کو ذرا

(۱)الخرائج والجرائح،ص/۶۳۳

حرکت دی، پھر غلام سے فرمایا، اب جاؤ اور پانی لے آؤ۔ کوئی منع نہ کرے گا۔ یہ کہہ کر پھر آپؑ کھانا تناول فرمانے لگے۔ کچھ دیر کے بعد غلام نے آکر اطلاع دی کہ مولا! جس غلام نے مجھے پانی دینے سے منع کیا تھا وہ چاہِ زمزم میں گر کر مر گیا اور لوگ اس کو نکالنے میں مصروف ہیں۔ یہ سن کر آپؑ نے خدا کا شکر ادا کیا۔(۱)

۲۷۔آپؑ کی تقریر کو ہر قوم نے اپنی زبان میں سنا

ابان بن تغلب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں اپنے گھر سے مدینہ امام جعفر صادقؑ کی قدم بوسی کے لئے گیا۔ جب دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ کچھ لوگ آپؑ سے ملاقات کر کے باہر نکل رہے ہیں جن سے میں واقف نہ تھا جو شکل وصورت میں بہت ہی خوبصورت اور خوش رو تھے کہ میری نظر سے نہ گزرے تھے، بالکل خاموش طبع جیسے بولنا ہی نہ جانتے ہوں۔ جب میں اندر بیت الشرف میں داخل ہوا تو دیکھا کہ آپؑ سامعین سے ایک حدیث بیان فرمارہے ہیں۔ اس کے بعد جملہ حضراتِ سامعین بیت الشرف سے باہر آئے جن میں کچھ لوگ مختلف زبانوں اور مختلف ملکوں اور علاقوں کے نظر آئے، سب نے وہ حدیث سنی اور سمجھی۔ جب ان میں سے کسی سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا کہ حضرت نے تو میری فارسی میں ہی وہ حدیث بیان کی، عرب یہ کہتا تھا کہ نہیں، بلکہ آپؑ نے عربی زبان میں حدیث بیان کی، حبشی بولا کہ نہیں جناب آپؑ نے تو میری زبان میں حدیث فرمائی، نبطی اور سقلبی کہنے لگے کہ آپؑ نے وہ حدیث ہماری زبانوں میں بیان فرمائی تھی۔

الغرض یہ لوگ پھر پلٹ کر آپؑ کی خدمت میں پہنچے اور سب نے اختلافِ زبان اور حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس حدیث کو تم میں سے ہر شخص نے سنا اور سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اعجاز ہمیں عطا فرمایا ہے (کہ ہم کسی زبان میں گفتگو کریں سامع اس کو اپنی زبان میں سمجھ لیتا ہے۔ علاوہ ازیں ہم ہر زبان سے واقف ہیں۔)(۲)

۲۸۔علم امامت سے تحفہ کی حقیقت کو بتا دینا

سعد اسکاف سے روایت ہے کہ میں ایک دن امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اہل جبل

---

(۱) بحارالانوار، جلد ۴۷، ص/۱۰۲ (۲) بحارالانوار، جلد ۴۷، ص/۱۰۳

میں سے ایک شخص بہت سے ہدیے اور تحفے لے کر آیا۔ جن میں ایک تھیلے میں جنگلی جانور کا خشک کیا ہوا گوشت بھی تھا۔

آپؑ نے اسے کھولا اور فرمایا: یہ واپس لے جاؤ اس کو کتے نے کھایا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے یہ گوشت ایک مسلمان سے خریدا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ یہ حلال ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اچھا ٹھہرو! ابھی تم کو اس کے بارے میں علم ہو جائے گا۔ یہ فرما کر گوشت کو تھیلے میں رکھ دیا اور کچھ کلمات جاری کیے۔ پھر اس مردِ جبلی سے فرمایا: یہ اٹھا کر اس حجرے میں چلے جاؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا اور جب حجرے میں پہنچا تو اس نے سنا کہ سوکھے ہوئے گوشت سے آواز آ رہی تھی: اے بندہ خدا! ہمارے جیسا گوشت نہ امام کے لیے حلال ہے اور نہ اولادِ انبیاء کھائے گی، اس لئے کہ میں حلال اور پاک نہیں ہوں۔

یہ سن کر وہ شخص اس تھیلے کو اٹھا کر باہر نکلا۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے اس سے پوچھا: بتاؤ اس گوشت نے تم سے کیا کہا۔

اس شخص نے کہا کہ اس گوشت نے بھی یہی کہا جو آپؑ نے ارشاد فرمایا تھا یعنی یہ کہ وہ حلال اور پاک نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اے ابو ہارون! تم کیا سمجھے؟ سنو! ہم وہ سب کچھ جانتے ہیں جس کا دوسروں کو علم نہیں۔

راوی کا بیان ہے، پھر وہ شخص وہ تھیلا لے کر باہر نکلا اور وہ تمام گوشت کتے کے سامنے ڈال دیا۔(۱)

---

(۱) الخرائج والجرائح، ص۲۱۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(باب نہم)

امام موسیٰ کاظم –

- ولادت: ۷/صفر المظفر ۱۲۸ھ مطابق ۱۰/نومبر ۷۴۵ء یوم دوشنبہ مقام ابواء
- شہادت: ۲۵/رجب المرجب ۱۸۳ء ہجری یوم جمعہ
- والد : امام جعفر صادق علیہ السلام
- والدہ : حمیدہ خاتون
- ازواج: کنیزان چار (۴)
- بیٹے : اٹھارہ (۱۸)
- بیٹیاں: انیس (۱۹)

امام موسیٰ کاظمؑ کے حالات

امام موسیٰ کاظمؑ پیغمبر اسلامؐ کے درِ بے بہا انوار معصومین کی نویں کڑی اور برج امامت کے ساتویں درخشاں ستارے ہیں امام جعفر صادقؑ کے خانوادہ امامت میں دنیا میں آنکھیں کھولیں۔ آپ کی والدہ گرامی ام ولد تھیں، جو کبھی حمیدہ بربریہ اور کبھی حمیدہ مصفاۃ کے نام سے جانی جاتی تھی۔ (جناب حمیدہ خاتون ملک بربر کی رہنے والی تھیں) جن کے متعلق ''امام محمد باقرؑ نے فرمایا تھا کہ آپ دنیا میں حمیدہ اور آخرت میں محمودہ ہیں۔ (۱)

''علامہ محمد رضا'' لکھتے ہیں کہ آپ صاحبِ جمال وکمال اور نہایت دیانت دار تھیں۔ (۲)

علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ جناب حمیدہ کے والد ماجد عدیریمی تھے حمیدہ خاتون کی کنیت لولوء (موتی) تھی۔ (۳)

آپؑ کی ولادت باسعادت

امام موسیٰ کاظمؑ کی پیدائش بتاریخ ۷رصفر المظفر ۱۲۸ھ مطابق ۱۰رنومبر ۷۴۵ء یوم دوشنبہ مقام ابواء جو مکہ اور مدینہ کے درمیان پر واقع ہے، میں ہوئی۔ (۴)

آپؑ سے پہلے آپ کے دو بڑے بھائی اسماعیل اور عبداللہ پیدا ہو چکے تھے لیکن آپ کی پیدائش پر جو خوشی ہوئی وہ اس سے پہلے محسوس نہیں کی گئی۔ آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، عالم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ یعنی جملہ صفاتِ حسنہ کے مالک تھے۔ آپ دیگر ائمہ کی طرح مختون اور ناف بریدہ متولد ہوئے۔ علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ ''پیدا ہوتے ہی آپ نے ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر آسمان کی طرف رخ کیا اور کلمۂ شہادتین زبان پر جاری فرمایا۔ آپؑ نے یہ عمل اسی طرح کیا۔ جس طرح حضرت رسولؐ خدا نے ولادت کے بعد کیا تھا۔ آپ کے داہنے بازو پر کلمۂ ''تمت کلمة ربک صدقا وعدلا'' لکھا ہوا تھا۔ آپ علم اولین وآخرین سے

---

(۱) شواہد النبوت، ص/۱۸۶ (۲) جنات الخلود، ص/۲۹ (۳) مناقب، جلد ۵، ص/۶۷

(۴) انوار نعمانیہ، ص/۱۲۶ واعلام الوریٰ، ص/۱۷۱، جلاء العیون، ص/۲۶۹، وشواہد النبوت، ص/۱۹۲، چودہ ستارے، ص/۳۸۶

بہرہ ور متولد ہوئے۔ آپ کی ولادت سے حضرت جعفر صادقؑ کو بے حد مسرت ہوئی اور آپ نے مدینہ جا کر اہل مدینہ کو دعوتِ طعام دی۔''(۱)

منہال قصّاب کا بیان ہے کہ میں مکہ مکرمہ سے مدینہ جار ہا تھا تو مقام ابواء سے گذرا، اس وقت امام جعفر صادقؑ کے یہ صاحبزادے پیدا ہو چکے تھے۔ میں آپؑ سے پہلے مدینہ پہنچ گیا اور امامؑ ایک دن بعد مدینہ پہنچے، تو آپ نے تین دن تک لوگوں کی دعوتِ عام کی اور میں بھی دعوت کے کھانے والوں میں سے تھا اور پہلے دن اتنا کھالیا کہ دوسرے دن تک پھر کھانے کی حاجت نہ ہوئی۔ اور پھر دوسرے دن کھایا تو اتنا کہ تیسرے دن تک کھانے کی خواہش نہ ہوئی۔ اور اس طرح میں تین دن تک اس دعوت میں شریک رہا اور خوب سیر ہو کر کھایا''۔(۲)

حمیدہ مصفاۃ (والدہ امام موسیٰ کاظمؑ) کی خریداری

عیسیٰ بن عبدالرحمٰن نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ابن عکاشہ ابن محض اسدی نے حضرت ابوجعفر امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ انگور پیش کیے۔ اس وقت وہاں آپؑ کے صاحبزادے امام جعفر صادقؑ بھی موجود تھے۔ تو ابن عکاشہ نے امام محمد باقر سے عرض کیا کہ آپؑ اپنے ان صاحبزادے کی شادی کیوں نہیں کرتے۔ ماشاءاللہ اب تو شادی کے قابل بھی ہو گئے ہیں اس وقت آپ کے سامنے ایک سربمہر (رقم کی) تھیلی رکھی ہوئی تھی، آپؑ نے فرمایا ہاں عنقریب ایک بردہ فروش اہل بربر میں سے آنے والا ہے اور وہ دار میمون میں قیام کرے گا۔ تو میں ان کے لیے اس رقم کی تھیلی سے ایک کنیز خرید دوں گا۔

راوی کا بیان ہے کہ اس بات کو چند دن گزرے کہ میں ایک دن پھر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؑ نے فرمایا۔ وہ بردہ فروش جس کا میں نے ذکر کیا تھا، وہ آ گیا ہے۔ تم جاؤ اور اس سے ایک کنیز خرید کر لے آؤ یہ کہہ کر آپ نے رقم کی تھیلی مجھے دے دی۔ الغرض ہم اس تھیلی کو لیے ہوئے بردہ فروش کے پاس پہنچے۔ اس نے بتایا کہ ہم ساری کنیزیں فروخت کر چکے ہیں، علاوہ دو کنیزوں کے جو بیمار ہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ہم نے دونوں کو دیکھنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ وہ انھیں لایا۔ ہم نے ایک کنیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کی کیا قیمت لو گے؟ اس نے جواب دیا، ستر ۷۰ دینار، ہم نے کہا، کیا یہ

(۱) جلاء العیون، ص/۲۷۰، (۲) محاسن برقی، جلد ۲، ص/۴۱۸ طبع ایران

قیمت بہت زیادہ نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں ستر ۷۰ سے ایک دینار بھی کم نہ کروں گا، اس پر ہم نے کہا اچھا، اس تھیلی میں جس قدر رقم ہے اس پوری رقم کے عوض اسے خریدنے کے لیے تیار ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس میں کتنی رقم ہے؟ بولو کیا تمہیں یہ سودا منظور ہے؟

اس وقت اس بردہ فروش کے پاس ایک بوڑھا شخص جس کی داڑھی اور سر کے بال دونوں سفید تھے، بولا ''تھیلی کھول کر دیکھو تو کہ کتنی رقم ہے''۔ بردہ فروش نے کہا نہیں تھیلی مت کھولو۔ اگر اس میں ستر سے ایک بھی کم ہوا تو میں اسے فروخت نہ کروں گا۔ اس بزرگ نے کہا ذرا کھولنے تو دو، اس کے کہنے پر ہم نے وہ تھیلی کھولی اور رقم شمار کی تو پورے ستّر ہی دینار تھے۔ (۱)

چنانچہ ہم اس کنیز کو لے کر امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت امام جعفر صادقؑ آپ کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ ہم لوگوں نے اس کی خریداری کا سارا قصہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ادا کیا اور اس کنیز سے دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے اس نے کہا حمیدہ آپ نے ''تو دنیا میں حمیدہ ہے اور آخرت میں محمودہ ہے''۔ آپ نے مزید دریافت فرمایا کہ، آیا وہ شادی شدہ ہے؟ اس نے جواب دیا غیر شادی شدہ، آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ بردہ فروشوں کے ہاتھ تو جو چیز لگتی ہے وہ اس کو خراب کر دیتے ہیں۔ حمیدہ نے کہا، ہاں، یہ بردہ فروش ہمارے پاس بری نیت سے جب بھی آتا تو ایک مردِ پیر سال جس کے داڑھی اور سر کے بال دونوں سفید تھے ،اس کو طمانچے مار مار کر نکال دیا کرتے تھے اور وہ بردہ فروش ہمارے پاس بھی نہ آسکتا تھا اور ایسا کئی بار ہوا اور خصوصاً میں تو اس سے بالکل ہی محفوظ رہی۔

اس کے بعد آپ نے اپنے صاحبزادے امام جعفر صادقؑ سے فرمایا، یہ کنیز تم لے لو۔ کیونکہ اس کے بطن سے موسیٰ بن جعفرؑ پیدا ہوں گے جو روئے زمین پر سب سے بہتر ہوں گے۔

عیسیٰ ابن عبدالرحمٰن سے بھی اسی کے مثل روایت ہے (۲)

''بزنطی'' نے حضرت امام رضاؑ سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابوالحسن موسیٰ بن جعفرؑ کی انگوٹھی پر ''حسبی اللہ'' کندہ تھا اور اس کے اوپر ایک گلاب کا پھول اور ہلال کا نشان بنا ہوا تھا۔ (۳)

---

(۱) الخرائج والجرائح راوندی، ص/ ۱۹۷ (۲) کافی، جلد ۱، ص/ ۴۷۶، بہار الانوار، جلد ۸، ص/ ۱۵) (۳) الکافی، جلد ۶، ص/ ۴۷۳

اسم گرامی، کنیت، القاب

امام جعفر صادقؑ کے نومولود مسعود بچہ کے لئے جو نام منتخب ہوئے وہ ''موسیٰؑ'' تھا کہ اس وقت تک خاندان رسالت میں اس نام سے کوئی موسوم نہیں تھا۔ البتہ تاریخ انبیاء سابقین کی طویل فہرست میں یہ نام موجود ہے، یہ نام حضرت موسیٰ ابن عمران (علی انبیاء علیہ السلام) کے مجاہدات، جدو جہد اور بت شکنیوں کی یاد دلانے والا بلکہ اس کی تجدید کرنے والا تھا، وہ پیغمبر عظیم الشان جن کے فرائض ولائحہ عمل کا سرنامہ طاغوت عصر (فرعون) اور گروہ ظالمین سے مبارزہ جہاد تھا اور آپؑ اس ذریعہ سے ایک امت کو ضلالت وگمراہی سے نجات دلا سکے۔

علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ ''موسیٰ، قبطی لفظ ہے اور ''مو'' اور ''سی'' سے مرکب ہے۔ مو کے معنی پانی اور سی کے معنی درخت کے ہیں۔ اس نام سے سب سے پہلے حضرت کلیم اللہ موسوم کئے گئے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ خوفِ فرعون سے مادرِ موسیٰ نے آپ کو اس صندوق میں رکھ کر دریا میں بہایا تھا جو ''حبیب نجار'' کا بنایا ہوا تھا اور بعد میں ''تابوت سکینہ'' قرار پایا، تو وہ صندوق بہہ کر فرعون اور جناب آسیہ تک پانی کے ذریعہ سے ان درختوں سے ٹکراتا ہو جو خاص باغ میں تھے پہنچا تھا لہٰذا پانی اور درخت کے سبب سے ان کا نام موسیٰ قرار پایا تھا۔''(۱)

علماء کرام تحریر کرتے ہیں۔ ''آپ کی کنیت ابوالحسن، ابوابراہیم، ابوعلی، ابوعبداللہ تھی۔ اور آپ کے القاب کاظم، عبد صالح، نفس زکیہ، صابر، امین، باب الحوائج وغیرہ تھے۔ ''شہرتِ عامہ کاظمؑ'' کو ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ بدسلوک کے ساتھ احسان کرتے اور ستانے والے کو معاف فرماتے اور غصّہ کو پی جاتے تھے۔ بڑے حلیم، بردبار اور اپنے پر ظلم کرنے والے کو معاف کر دیا کرتے تھے۔(۲)

لقب ''کاظمؑ'' کی وجہ تسمیہ

ربیع بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ خدا کی قسم امام موسیٰ بن جعفرؑ بڑے صاحب فراست تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ان کی وفات کے بعد ان کی امامت پر توقف کون کرے گا اور ان کے بعد امام رضاؑ کی

(۱) جنات الخلود، ص۲۹

(۲) مطالب السئول، ص/۲۷۶، شواہد النبوت، ص/۱۹۲، روضۃ الشہداء، ص/۴۳۲، تاریخ خمیس، جلد۲، ص/۳۲، چودہ ستارے، ص/۳۸۷

امامت (من اللہ) سے انکار کون کرے گا، مگر اس کے باوجود ان لوگوں پر اپنا غصّہ ضبط کیے ہوئے تھے اور ان پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے کہ ہمیں ان کا حال معلوم ہے۔ اس کظم وضبط کی وجہ سے آپؑ کاظم کے لقب سے یاد کئے جانے لگے۔(۱)

آپؑ کا حلیہ مبارک

امام موسیٰ کاظمؑ کا قد وقامت معتدل، اعضاء متناسب وخوشنما، آپؑ کی شکل نورانی، رنگ گندم گوں، آپؑ کے موئے مبارک گھنے، ان کا رنگ مشکی، چہرہ مبارک روشن اور ملکوتی تھا دندانہائے مبارک کے درمیانی شگاف کشادہ، شانے کشادہ اور چوڑے تھے، جسم اقدس لاغر وباریک تھا، چہرہ مبارک کے گرد رعب وجلال کا ایک ہالہ تھا جس کی وجہ سے حضرت کی روحانیت، درخشندگی اور معنویت کا جلوہ آپ کے چہرۂ نورانی سے ساطع ومتجلی رہتا تھا۔'' (۲)

نقشِ خاتم

حسین بن خالد سے روایت ہے کہ امام رضاؑ نے فرمایا کہ امام ابوالحسن موسیٰ بن جعفرؑ کا نقشِ خاتم ''حسبی اللہ'' تھا۔ راوی کا بیان ہے حضرت امام رضاؑ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو آپؑ کی انگشت مبارک میں آپ کے پدرِ بزرگوار کی انگوٹھی تھی اور آپؑ نے اس انگوٹھی کا نقش مجھے دکھایا۔(۳)

امامت کی گواہی

صفوان جمّال سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے امامت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ امام کسی لہو ولعب میں مشغول نہیں ہوتا۔ ابھی آپؑ نے یہ فرمایا ہی تھا کہ حضرت ابوالحسن موسیٰؑ بن جعفرؑ جو ابھی بہت کمسن تھے سامنے آئے ان کے پاس ایک مکّی نسل کی بکری کا بچہ تھا اور وہ اس بکری کے بچے سے کہہ رہے تھے ''اپنے رب کو سجدہ کر'' یہ سن کر حضرت ابوعبداللہ نے انھیں اپنی آغوشِ مبارک میں لے لیا

---

(۱) علل الشرائع، ص/ ۲۳۵، عیون اخبار الرضا، جلد ۱، ص ۱۱۲

(۲) اہلبیت اطہارؑ کی مختصر سوانح حیات، حجۃ الاسلام عقیقی بخشائش، ص ۱۸۲ (۳) امالی شیخ صدوقؒ، ص/ ۴۵۱

اور گلے لگا کر فرمایا،تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں،تم وہ ہو جولہو ولعب میں مشغول نہیں ہوتے۔(۱)

یحییٰ بن اسحاق نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ کے بعد امام اور صاحب امر کون ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا وہ صاحب امر ہوگا۔جس کے پاس اس وقت ایک بکری کا بچہ ہے اور حضرت موسیٰؑ ابن جعفرؑ جو ابھی بہت کمسن تھے۔وہ گھر کے ایک گوشہ میں تھے اور ان کے پاس ایک مکی نسل کی بکری کا بچہ تھا اور آپؑ اس بکری کے بچے سے کہہ رہے تھے ''اس اللہ کو سجدہ کر جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔(۲)

محمد بن ولید کا بیان ہے کہ میں نے علی بن جعفر بن محمد کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے پدر بزرگوار کو اپنے اصحابِ خاص سے فرماتے ہوئے سنا کہ تم لوگ میرے فرزند موسیٰ سے ہدایت لیا کرو۔یہ میری اولاد میں اور جس جس کو میں اپنے بعد چھوڑ جاؤں گا ان میں سب سے افضل ہے۔یہ میرا قائم مقام ہے اور میرے بعد ساری مخلوقات پر اللہ کی طرف سے حجت ہے۔(۳)

وصیت امام جعفر صادق علیہ السلام

آپؑ اپنے آخری وقت جب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے ان حالات میں جب آپؑ کو اپنے جانشین کے متعلق یہ قطعی اندیشہ تھا کہ حکومت وقت اسے زندہ نہ رہنے دے گی اس لئے آپؑ نے ایک اخلاقی بوجھ حکومت کے کاندھوں پر رکھ دینے کے لئے یہ صورت اختیار فرمائی کہ اپنی جائداداور گھر بار کے انتظام کے لئے پانچ اشخاص کی ایک جماعت مقرر فرمائی جن میں پہلا شخص خود خلیفہ وقت منصور عباسی تھا۔اس کے علاوہ محمد بن سلیمان حاکم مدینہ اور عبداللہ افطح جو امام موسیٰ کاظمؑ کے بڑے بھائی تھے اور حضرت امام موسیٰؑ اور ان کی والدہ حمیدہ خاتون تھیں۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ جب خلیفۂ منصور کو ان کی وفات کی خبر پہونچی تو اس نے دریافت کیا کہ اب جعفر صادقؑ نے کسی شخص کو اپنا وصی مقرر کیا ہے اس کا سر قلم کر کے لاؤ۔حاکم مدینہ نے جواب میں لکھا کہ انھوں

---

(۱)الارشاد،ص/۳۰۹ (۲)غیبت نعمانی،ص/۱۷۸،بحار،جلد۸،ص/۳۳

(۳)غیبت نعمانی،ص/۱۷۸،بحار،جلد۸،ص/۳۳

نے تو پانچ وصی مقرر کئے ہیں جن میں سے پہلے آپ خود ہیں۔ یہ جواب پڑھ کر منصور دیر تک سوچتا رہا کہ اس صورت میں تو یہ لوگ قتل نہیں کئے جا سکتے۔ اس کے بعد دس برس منصور زندہ رہا لیکن امام موسیٰ کاظمؑ سے کوئی تعرض نہیں کیا اور آپ فرائضِ امامت کی انجام دہی میں مصروف رہے۔

عبادت، زہد اور تقویٰ

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپؑ امام جعفر صادقؑ کے علم، معرفت، کمال اور فضیلت میں وارث و جانشین تھے۔ آپؑ دنیا کے عابدوں میں سب سے بڑے عبادت گذار سب سے بڑے عالم، اور سب سے بڑے سخی تھے۔(۱)

علامہ ابن صباغ مالکی لکھتے ہیں کہ ''آپؑ اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ عابد اور سب سے زیادہ علم والے اور سب سے زیادہ سخی اور بزرگ نفس تھے۔''(۲)

ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ بہت بڑی عزّت و قدر کے مالک امام اور انتہائی شان و شوکت کے مجتہد تھے آپ کا اجتہاد میں نظیر نہ تھا آپ عبادات و طاعات میں مشہور زمانہ اور کرامات میں مشہور کائنات تھے۔ ان چیزوں میں آپؑ کی کوئی مثال نہ تھی۔ آپؑ ساری رات رکوع، وسجود اور قیام وقعود میں گزارتے اور سارا دن صدقہ اور روزے میں بسر کرتے تھے۔(۳)

آپؑ کی علمی خدمات

سید العلماء علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ آپ کی عمر کے بیس برس اپنے والد بزرگوار امام جعفر صادقؑ کے سایۂ تربیت میں گزرے ایک طرف خدا کے دیئے ہوئے فطری کمال کے جوہر اور دوسری طرف اس باپ کی تربیت جس نے پیغمبر کے بتائے ہوئے مکارم الاخلاق کی یاد کو بھولی ہوئی دنیا میں ایسا تازہ کر دیا کہ انھیں ایک طرح سے اپنا بنا لیا اور جس کی بنا پر ''ملت جعفری'' ہو گیا، امام موسیٰ کاظمؑ نے بچپنا اور جوانی کا کافی حصہ اسی مقدس آغوش میں گزارا۔ یہاں تک کہ تمام دنیا کے سامنے آپ کے ذاتی کمالات و فضائل روشن ہو گئے اور امام جعفر صادقؑ نے اپنا جانشین مقرر فرما دیا۔

---

(۱) صواعق محرقہ، ص/۱۲۱ (۲) فصول المہمہ وارجح المطالب، ص/۲۵۱ (۳) مطالب السؤل، ص/۳۰۸، چودہ ستارے، ص/۳۸۵

باوجودیکہ آپ کے بڑے بھائی بھی موجود تھے۔مگر خدا کی طرف کا منصب میراث کا ترکہ نہیں ہے بلکہ ذاتی کمال کو ڈھونڈتا ہے۔سلسلۂ معصومین میں امام حسن کے بعد بجائے ان کی اولاد کے امام حسینؑ کا امام ہونا اور اولادِ امام جعفر صادقؑ میں بجائے فرزندِ اکبر کے امام موسیٰ کاظمؑ کی طرف امامت کا منتقل ہونا اس کا ثبوت ہے کہ معیارِ امامت میں نسبی وراثت کو مدِ نظر نہیں رکھا گیا ہے۔(۱)

امام موسیٰ کاظمؑ تمام علمی صلاحیتوں سے بھرپور متولد ہوئے تھے،آپؑ کے بچپن کے بہت سے علمی واقعات ہیں جن کا ذکر علماء کرام نے مختلف تصانیف میں لکھے ہیں۔پیش ہیں کچھ واقعات جیسے۔علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ ایک دن امام جعفر صادقؑ سے مسائل دینیہ دریافت کرنے کے لئے حسب دستور حاضر ہوئے۔اتفاقاً آپؑ آرام فرمارہے تھے۔موصوف اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ آپؑ بیدار ہوں تو عرض مدعا کروں۔اتنے میں امام موسیٰ کاظمؑ جن کی عمر اس وقت پانچ سال کی تھی برآمد ہوئے امام ابوحنیفہ نے انھیں سلام کرکے کہا:۔اے صاحبزادے یہ بتاؤ کہ انسان فاعل مختار ہے یا ان کے فعل کا خدا فاعل ہے؟ یہ سن کر آپؑ زمین پر دوزانو بیٹھ گئے اور فرمانے لگے۔سنو!بندوں کے افعال تین حالتوں سے خالی نہیں،یا ان کے افعال کا فاعل صرف خدا ہے یا صرف بندہ ہے یا دونوں کی شرکت سے افعال واقع ہوتے ہیں اگر پہلی صورت ہے کہ بندہ کو سزا دے اور اپنے کو بچالے کیونکہ ارتکاب دونوں کی شرکت سے ہوا ہے۔اب لامحالہ دوسری صورت ہوگی وہ یہ کہ بندہ خود فاعل ہو اور ارتکابِ قبیح پر خدا اسے سزا دے۔(۲)

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن عبداللہ ابن مسلم اور ابوحنیفہ دونوں واردِ مدینہ ہوئے،عبداللہ نے کہا، چلو امام جعفر صادقؑ سے ملاقات کریں اور ان سے کچھ استفادہ کریں،یہ دونوں حضرت کے درِ دولت پر حاضر ہوئے یہاں پہونچ کر دیکھا کہ حضرت کے ماننے والوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔اتنے میں امام جعفر صادقؑ کے بجائے امام موسیٰ کاظمؑ برآمد ہوئے۔لوگوں نے سروقد تعظیم کی،اگرچہ آپؑ اس وقت بہت ہی کم سن تھے لیکن آپؑ نے علوم کے دریا بہانا شروع کئے۔عبداللہ وغیرہ نے جو قدرے آپؑ سے دور تھے آپؑ کے قریب جاتے ہوئے آپؑ کی عزّت ومنزلت کا آپس میں تذکرہ کیا،آخر میں امام ابوحنیفہ نے کہا کہ چلو میں انھیں ان کے

---

(۱) سوانح موسیٰ کاظمؑ،ص/۴ (۲) بحارالانوار،جلد،۸،ص۱۸۵

شیعوں کے سامنے رسوا اور ذلیل کرتا ہوں، میں ان سے ایسے سوالات کروں گا کہ یہ جواب نہ دے سکیں گے۔ عبداللہ نے کہا۔ یہ تمہارا خیال خام ہے، وہ فرزندِ رسول ہیں، الغرض دونوں حاضر خدمت ہوئے، امام ابوحنیفہ نے امام موسیٰ کاظمؑ سے پوچھا۔ صاحبزادے یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے شہر میں کوئی مسافر آ جائے اور اسے رفع حاجت کرنی ہو تو کیا کرے اور اس کے لیے کونسی جگہ مناسب ہوگی؟

حضرت نے برجستہ فرمایا۔ مسافر کو چاہئے کہ مکانوں کی دیواروں کے پیچھے چھپے، ہمسایوں کی نگاہ سے بچے، نہروں کے کناروں سے پرہیز کرے۔ جن مقامات پر درختوں کے پھل گرتے ہوں۔ ان سے حذر کرے۔

مکانوں کے صحن سے علیحدہ، شاہراہوں اور راستوں سے الگ مسجدوں کو چھوڑ کر، نہ قبلہ کی جانب منہ کرے نہ پیٹھ۔ پھر اپنے کپڑوں کو بچا کر جہاں چاہے رفع حاجت کرے۔ یہ سن کر امام ابوحنیفہ حیران رہ گئے اور عبداللہ کہنے لگے کہ میں نہ کہتا تھا کہ یہ فرزندِ رسولؐ ہیں انہیں بچپن ہی میں ہر قسم کا علم ہوا کرتا ہے۔(۱)

امام موسیٰ کاظمؑ کو قدرت کی طرف سے علم حاصل تھا جب ہی تو آپ کے شیعوں کے ساتویں امام کی فضیلت حاصل ہوئی۔ بچپن سے ہی آپؑ اپنے پدر بزرگوار کی زیرنگرانی وتربیت خاص اور مادرِ گرامی کی محبتوں اور مہربانیوں کے سائے میں نشو ونما ورشد وکمال کی منزلوں کو طے کرتے ہوئے روزانہ یہ مثل، توحید، تشبیہ، قضا، وقدر، امامت ونبوت کے موضوعات پر مباحثے ومناظرے بھی ہوتے تھے اور یہ ساری باتیں اس بچّے کے قلب پاک میں نقش ہوتی جا رہی تھیں۔

آپؑ اپنے پدر بزرگوار کے کمالات، حکمتوں اور علوم ومعارف سے بہرہ ور ہوتے تھے اور اس طرح اپنے آپ کو عظیم مسئولیت والٰہی ذمہ داری کو قبول کرنے کے واسطے مستعد ہو رہے تھے، جب والد بزرگوار امام جعفر صادقؑ کی وفات ہوئی اس وقت سے امام موسیٰؑ کاظمؑ بذات خود فرائض امامت کے ذمہ دار ہوئے اس وقت سلطنت عباسیہ کے تخت پر منصور دوانقی بادشاہ تھا جس کے ہاتھوں لاتعداد سادات مظالم کا نشانہ بن چکے تھے اس زمانہ میں وہ بغداد میں محل تعمیر کرا رہا تھا اپنی موت سے ایک سال پہلے اسے فراغت ہوئی اس لئے وہ امام موسیٰ کاظمؑ کے متعلق کسی ایذا رسانی کی طرف متوجہ نہیں ہوا اور یہی وہ وقت تھا جب امام موسیٰ کاظمؑ نے اپنے

---

(۱) بحار ومناقب واحتجاج جلد/۱۱، ص/۳۶۶

پدرِعالی قدر کے لائحۂ عمل کی تکمیل وترقی وپیشروی کی سعی میں مصروف ہوگئے اورعلماء ومحدثین ومفسرین کی ایک بڑی جماعت کی اپنے گہوارۂ تعلیم وتربیت میں پرورش کی اوراپنے علوم ومعارف کے سرچشمۂ فیاض سے انھیں سیراب کیا اوراسلامی مبسوط وشائع ورائج فقہ کو اپنے نئے نظریات اور نئے زاویوں سے مالا مال وثمردار کیا اورعلم کے فروغ میں دوسوسینتالیس، ۲۴۷ شاخوں کا اضافہ فرمایا۔ فقہی فرعین جوخود بھی دوسری فقہی وقانونی فروع میں تغیروتبدل کا مبداءقرار پائے۔

امام موسیٰ کاظمؑ نے بہت بڑی ذمہ داری سنبھالی جوانھوں نے ہزاروں طالب علموں کو جومختلف شعبوں میں تربیت کے خواہاں تھے کے لئے شعبوں کا انتظام کیا یہ معمولی اورآسان کام نہ تھا اوران شعبوں میں تعلیم خداوندی کورائج کیا جس سے طالبان کے دماغ روشن ہوئے۔ یہ علمی عمل جن سے عہدہ برآ ہونا سوائے مردان خدا کے دوسرے افراد کے امکان سے باہر تھا۔

۱۵۸ھ کے آخر میں منصور دوانقی دنیا سے رخصت ہوا اوراس کا بیٹا مہدی تخت سلطنت پر بیٹھا شروع میں تو اس نے بھی امام موسیٰ کاظمؑ کی عزت واحترام کے خلاف کوئی برتاؤ نہ کیا مگر چند سال کے بعد پھر بنی فاطمہ کی مخالفت کا جذبہ ابھرا۔ چنانچہ امام موسیٰ کاظمؑ ان مخرب ومفاسد انگریز افکار سے مبارزو مقابلہ محکم دلیلوں اوراصولی طریقوں سے کرتے رہے۔ البتہ ان مشکلات کے پیش نظر مسلمانوں میں نظریاتی اختلافات پیدا ہونے لگے جس کی وجہ سے ان کی صفوں کی وحدت پارہ پارہ ہونے لگی اور حاکم وقت عوام کے افکار کو ان مسائل میں الجھا کر صحیح راستہ اختیار کرنے اوراس پر چلنے اوراپنے اصلی فرائض میں مشغول رہنے سے بازرہنے کی مسلسل کوشش کررہا تھا وہ دوسرے مختلف مسائل میں الجھائے ہوئے تھا۔ مثلاً الفاظ قرآن کے قدیم ہونے کی رائیں یا اشاعرہ ومعتزلہ فرقوں کا پیدا ہونا، اورصرف چارفقہی فرقوں (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کو سرکاری طور پر تسلیم کرنا وغیرہ تاکہ عوام حقیقت حال سے بیگانہ رہیں۔

۱۶۴ھ میں جب مہدی حج کے نام سے حجاز کی طرف آیا تو امام موسیٰ کاظمؑ کو اپنے ساتھ مکہ سے بغداد لے گیا اور قید کردیا۔ ایک سال کے بعد جب ان کے خلاف کوئی ثبوت نہ ملا تو مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔

آپؑ کی تصنیفات

آپؑ کو اگر چہ زیادہ تصنیفات کا موقع نہ مل سکا پھر بھی آپ کی ایک تصنیف جس کا ذکر علامہ چلپی نے بحوالہ حافظ ابونعیم اصفہانی کیا ہے وہ مسند امام موسیٰ کاظم ہے۔(۱)

آپؑ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں جن میں کی دو مشہور حدیثیں یہ ہیں۔

۱۔"**نظر الولد الی والدیه عبادة**"یعنی"لڑکے کا اپنے والدین کے چہروں پر نظر کرنا عبادت ہے"۔

۲۔"**کل خصلة یطوی المومن علیها لیس الکذب و الخیانة**"یعنی"جھوٹ اور خیانت کے علاوہ مومن ہر عادت اختیار کر سکتا ہے۔"(۲)

آپؑ کے دور کے حاکم وقت اوران کی زیادتیاں

منصور دوانقی کے بعد اس کا بیٹا مہدی حاکم ہوا جس کا ذکر کیا جاچکا ہے مہدی کے بعد اس کا بھائی ہادی ۱۶۹ھ میں حاکم ہوا جو صرف ایک سال ایک مہینہ تک حاکم رہا اس کے بعد ہارون الرشید حاکم وقت ہوا جس میں موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بہت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔پیش ہے اس کی حکومت کی داستان ظلم امام پر۔

ہارون الرشید عباسی کا ظلم امام موسیٰ کاظمؑ پر

۱۵ ربیع الاوّل ۱۷۰ھ کو مہدی کا بیٹا ابوجعفر ہارون رشید عباسی خلیفہ وقت بنایا گیا۔اس نے وزیر اعظم یحییٰ بن خالد برمکی کو بنایا اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد ابو یوسف کو قاضی قضاۃ کا درجہ دیا۔

ابن خلدون کا کہنا ہے کہ یہ اپنے دادا منصور دوانقی کے نقش قدم پر چلتا تھا۔فرق اتنا تھا کہ وہ بخیل تھا اور یہ سخی۔یہ پہلا خلیفہ تھا جس نے راگ راگنی اور موسیقی کو شریف پیشہ قرار دیا تھا۔اس کی پیشانی پر سادات کشی کا نمایاں داغ تھا۔علم موسیقی کا ماہر ابواسحاق ابراہیم موصلی اس کا درباری تھا۔حبیب السیر میں ہے کہ یہ پہلا اسلامی بادشاہ تھا جس نے میدان میں گیند بازی کی اور شطرنج کے کھیل کا شوقین تھا۔

تاریخ الخلفاء سیوطی میں ہے کہ ہارون رشید اپنے باپ کی مدخولہ لونڈیوں پر عاشق ہوگیا۔اس نے کہا

---

(۱) کشف الظنون،ص/۴۳۳،وارجح المطالب،ص/۴۵۴۔ (۲) نورالابصار،ص ۱۳۴

میں تمہارے باپ کے پاس رہ چکی ہوں، تمہارے لئے حلال نہیں ہوں۔ ہارون نے قاضی ابو یوسف سے فتویٰ طلب کیا انھوں نے کہا آپ اس کی بات کیوں مانتے ہیں۔ یہ جھوٹ بھی بول سکتی ہے۔ اس فتویٰ کے سہارے سے اس نے اس کے ساتھ بدفعلی کی۔ علامہ سیوطی یہ بھی لکھتے ہیں کہ بادشاہ ہارون نے ایک لونڈی خرید کر اس کے ساتھ اسی رات استبراء جماع کرنا چاہا۔ قاضی ابو یوسف نے کہا کہ اسے اپنے کسی لڑکے کو ہبہ کر کے استعمال کر لیجئے۔ علامہ سیوطی کا کہنا ہے کہ اس فتویٰ کی اجرت امام ابو یوسف نے ایک لاکھ درہم لی تھی۔ علامہ ابن خلکان کا کہنا ہے کہ ابوحنیفہ کے شاگردوں میں ابو یوسف کی نظیر نہ تھی اگر یہ نہ ہوتے تو امام حنفیہ کا ذکر بھی نہ ہوتا۔(۱)

۱۔ ہارون رشید عباسی باپ کی حکومت کے حالات دیکھ چکا تھا اس لئے ان کی وفات کے بعد اپنے اقتدار کو مضبوط رکھنے کے لئے سب سے پہلے یہ ہی تصور پیدا ہوا کہ اس روحانیت کے مرکز کو جو مدینہ کے محلّہ بنی ہاشم میں قائم ہے توڑنے کی کوشش کی جائے۔ مگر امام موسیٰ کاظمؑ کا محتاط اور خاموش طرز عمل اور دوسری طرف سلطنت کے اندرونی مشکلات ان کی وجہ سے نو برس تک تشدد کا موقع نہ مل سکا۔

۲۔ اس دوران میں عبداللہ ابن حسن کے فرزند یحییٰ کا واقعہ درپیش ہوا اور وہ امان دیئے جانے کے بعد تمام عہد و پیمان کو توڑ کر دردناک طریقے پر پہلے قید رکھے گئے اور پھر قتل کیے گئے۔ امام موسیٰ کاظمؑ ان کو حکومت وقت کی مخالفت سے منع فرماتے تھے۔ مگر عداوت بنی فاطمہ کا جذبہ جو یحییٰ ابن عبداللہ کی مخالفت کے بہانے سے ابھر گیا تھا۔ ہارون الرشید کے وزیر اعظم نے جعفر ابن محمد اشعث کی رقابت میں اس کے خلاف یہ الزام قائم کیا کہ یہ امام موسیٰ کاظمؑ کے شیعوں میں سے ہے اور ان کے اقتدار کا خواہاں ہے۔

براہ راست اس کا مقصد ہارونؔ کو جعفر سے برگشتہ کرنا تھا لیکن بالواسطہ اس کا تعلق حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ بھی تھا۔ اس لئے ہارون کو حضرت کی ضرر رسانی کی فکر پیدا ہوگئی۔ اسی دوران میں یہ واقعہ ہوا کہ ہارون رشید حج کے ارادہ سے مکہ معظّمہ میں آیا۔ اتفاق سے اسی سال امام موسیٰ کاظمؑ بھی حج کو تشریف لائے ہوئے تھے ہارون نے اپنی آنکھ سے ان کی اس عظمت اور مرجعیت کا مشاہدہ کیا جو مسلمانوں میں امام موسیٰ کاظمؑ کے متعلق پائی جاتی تھی۔ اس سے اس کے حسد کی آگ اور بھڑک اٹھی اس کے بعد اس میں محمد بن اسمٰعیل کی

(۱) چودہ ستارے، ص/۴۰۰

مخالفت نے اور اضافہ کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ اسمٰعیل امام جعفر صادقؑ کے بڑے فرزند تھے۔ اس لیے ان کی زندگی میں عام طور پر لوگوں کا خیال یہ تھا کہ وہ امام جعفر صادقؑ کے قائم مقام ہوں گے۔ مگر ان کا انتقال امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں ہو گیا اور لوگوں کا یہ خیال غلط ثابت ہوا پھر بھی بعض سادہ لوح اصحاب اس خیال پر قائم رہے کہ جانشینی کا حق اسمٰعیل اور اولاد اسمٰعیل میں منحصر ہے۔ انھوں نے امام موسیٰ کاظمؑ کی امامت کو تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ اسماعیلہ فرقہ مختصر تعداد میں سہی اب بھی دنیا میں موجود ہے۔ محمد ان ہی اسمٰعیل کے فرزند تھے اور اس لیے امام موسیٰ کاظمؑ سے ایک طرح کی مخالفت پہلے سے رکھتے تھے مگر چونکہ ان کے ماننے والوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ افراد کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتے تھے اس لئے ظاہری طور پر امام موسیٰ کاظمؑ کے یہاں آمد و رفت رکھتے تھے اور ظاہری طور پر قرابت داری کے تعلقات قائم کیئے ہوئے تھے۔

ہارون رشید نے امام موسیٰ کاظمؑ کی مخالفت کی صورتوں پر غور کرتے ہوئے یحییٰ برمکی سے مشورہ لیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اولاد ابو طالب میں سے کسی کو بلا کر اس سے موسیٰ بن جعفر کے پورے حالات دریافت کروں۔ یحییٰ جو خود عداوت بنی فاطمہ میں ہارون سے کم نہ تھا اس نے محمد بن اسمٰعیل کا پتہ دیا کہ آپ ان کو بلا کر دریافت کریں تو صحیح حالات معلوم ہو سکیں گے۔ چنانچہ اسی وقت محمد بن اسمعیل کے نام خط لکھا۔

شہنشاہ وقت کا خط جو محمد ابن اسمعیل کو پہونچا تو انھوں نے اپنی دنیاوی کامیابی کا بہترین ذریعہ سمجھ کر فوراً بغداد جانے کا ارادہ کر لیا مگر ان دنوں ہاتھ بالکل خالی تھا۔ اتنا روپیہ پاس موجود نہ تھا کہ سامان سفر کرتے مجبوراً اسی ڈیوڑھی پر آنا پڑا جہاں کرم و عطا میں دوست اور دشمن کی تفریق نہ تھی۔ امام موسیٰ کاظمؑ کے پاس آ کر بغداد جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت خوب سمجھتے تھے کہ اس بغداد کے سفر کی نبیاد کیا ہے۔ حجت تمام کرنے کی غرض سے آپ نے سفر کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے اپنی پریشان حالی بیان کرتے ہوئے کہا کہ قرضدار بہت ہو گیا ہوں۔ خیال کرتا ہوں کہ شاید وہاں جا کر کوئی صورت بسر اوقات کی نکلے اور میرا قرضہ ادا ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا تمام قرضہ ادا کر دوں گا اور جہاں تک ہو گا تمہارے ضروریات زندگی بھی پورے کرتا رہوں گا۔

افسوس کہ محمد نے اس کے بعد بھی بغداد جانے کا ارادہ نہیں بدلا چلتے وقت حضرت سے رخصت ہونے لگے عرض کیا کہ مجھے وہاں کے متعلق ہدایت فرمائی جائے حضرت نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ جب انھوں نے کئی مرتبہ اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ''بس اتنا خیال رکھنا کہ میرے'' خون میں شریک نہ ہونا اور میرے بچوں کی یتیمی کے باعث نہ ہونا''۔ محمد نے اس کے بعد کہا بھلا یہ کون سی بات ہے جو مجھ سے کہی جاتی ہے، کچھ اور ہدایت فرمایئے حضرت نے اس کے علاوہ کچھ کہنے سے انکار کیا جب وہ چلنے لگے تو حضرتؑ نے ساڑھے چار سو دینار اور پندرہ سو درہم انھیں مصارف سفر کے لئے عطا فرمائے۔ نتیجہ وہی ہوا جو حضرت کے پیش نظر تھا۔ محمد ابن اسمٰعیل بغداد پہونچے اور وزیر اعظم یحییٰ برمکی کے مہمان ہوئے اس کے بعد یحییٰ کے ساتھ ہارون کے دربار میں پہنچے۔ مصلحت وقت کی بنا پر بہت تعظیم وتکریم کی گئی۔

اثنائے گفتگو میں ہارون نے مدینہ کے حالات دریافت کئے محمد نے انتہائی غلط بیانیوں کے ساتھ وہاں کے حالات کا تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ ''میں نے آج تک نہیں دیکھا اور نہ سنا کہ ایک ملک میں دو بادشاہ ہوں''اس نے کہا اس کا کیا مطلب؟

محمد نے کہا کہ بالکل اسی طرح جیسے آپ بغداد میں سلطنت کر رہے ہیں۔ موسیٰ کاظمؑ مدینہ میں اپنی سلطنت قائم کیے ہوئے ہیں۔ اطراف ملک سے ان کے پاس خراج پہنچتا ہے اور وہ آپ کے مقابلے کے دعویدار ہیں۔

یہی وہ باتیں تھیں جن کے کہنے کیلئے یحییٰ برمکی نے محمد کو منتخب کیا تھا ہارون کا غیظ وغضب انتہائی اشتعال کے درجہ تک پہنچ گیا اس نے محمد کو دس ہزار دینار عطا کر کے رخصت کیا۔ خدا کا کرنا یہ کہ محمد کو اس رقم سے فائدہ اٹھانے کا ایک دن کا بھی موقع نہیں ملا اسی شب کو ان کے حلق میں درد پیدا ہوا صبح ہوتے ہوتے وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ہارون کو یہ خبر پہنچی تو اس نے اشرفیوں کے توڑے واپس منگوا لیے۔ مگر محمد کی باتوں کا اثر اس کے دل پر ایسا جم گیا تھا کہ اس نے یہ طے کر لیا کہ امام موسیٰ کاظمؑ کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ چنانچہ ۱۷۹ھ میں پھر ہارون رشید نے مکہ معظّمہ کا سفر کیا اور وہاں سے مدینہ منورہ گیا دو ایک روز قیام کے بعد کچھ لوگوں کو امام موسیٰ

کاظمؑ کو گرفتار کرنے کے لئے روانہ کیا جب یہ لوگ امام کے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت روضۂ رسولؐ پر ہیں۔ ان لوگوں نے روضۂ پیغمبرؐ کی عزّت کا بھی خیال نہ کیا۔ حضرت اس وقت قبر رسولؐ کے نزدیک نماز میں مشغول تھے بے رحم دشمنوں نے آپؑ کو نماز کی حالت ہی میں قید کر لیا اور ہارون کے پاس لے گئے۔ مدینہ رسولؐ کے رہنے والوں کی بے حسی اس کے پہلے بھی بہت دفعہ دیکھی جا چکی تھی۔ یہ بھی اس کی ایک مثال تھی کہ رسولؐ کا فرزند روضۂ رسولؐ سے اس طرح گرفتار کر کے لے جایا جا رہا تھا۔ مگر نام نہاد مسلمانوں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو کسی طرح کی آواز احتجاج بلند کرتا۔

یہ واقعہ بیس (۲۰) شوال ۱۷۹ھ کا تھا ہارون نے اس اندیشہ سے کہ کوئی جماعت امام موسیٰ کاظمؑ کو رہا کرانے کی کوشش نہ کرے دو محملیں تیار کرائیں ایک میں امامؑ کو سوار کیا اور اس کو بڑی فوجی جمعیت کے حلقہ میں بصرہ روانہ کیا اور دوسری محمل جو خالی تھی اسے بھی اتنی ہی جمعیت کی حفاظت میں بغداد روانہ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ محل قیام اور قید کی جگہ کو بھی مشکوک بنا دیا جائے۔ یہ نہایت حسرت ناک واقعہ تھا کہ امام کے اہل حرم اور بچّے وقت رخصت آپ کو دیکھ بھی نہ سکے اور اچانک محل سرا میں یہ اطلاع پہونچی کہ حضرت سلطنت وقت کی طرف سے قید کر لیے گئے۔ اس سے بیبیوں اور بچوں میں کہرام برپا ہو گیا اور یقیناً امام کے دل پر بھی بہت صدمہ ہوا ہوگا۔

معلوم نہیں کتنے ہیر پھیر سے یہ راستہ طے کیا گیا تھا کہ پورے ایک مہینہ سترہ (۱۷) روز کے بعد سات ذی الحجہ کو آپؑ بصرہ پہنچائے گئے وہاں ایک سال تک آپؑ قید میں رہے۔ یہاں کا حاکم ہارون کا چچازاد بھائی عیسیٰ ابن جعفر تھا۔ شروع میں تو اسے صرف بادشاہ کی حکم تعمیل مدنظر تھی بعد میں اس نے غور کرنا شروع کیا کہ آخر ان کے قید کیئے جانے کا سبب کیا ہے اس سلسلے میں اس کو امام کے حالات اور سیرت زندگی، اخلاق و اوصاف کی جستجو کا موقع بھی ملا اور جتنا اس نے امام کی سیرت کا مطالعہ کیا اتنا اس کے دل پر آپؑ کی بلندی اخلاق اور حسن کردار کا اثر قائم ہوتا گیا اپنے ان تاثرات سے اس نے ہارون کو مطلع بھی کر دیا۔ اس لئے کہ اس نے امام موسیٰ کاظمؑ کو بغداد میں بلا بھیجا اور فضل ابن ربیع کی حراست میں سپرد کر دیا اور پھر فضل کا رجحان شیعت کی طرف محسوس کر کے یحییٰ برمکی کو اس کے لیے مقرر کیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ امام کے اخلاق و اوصاف کی کشش ہر ایک پر اپنا اثر ڈالتی تھی۔ اس لئے ظالم بادشاہ کو نگرانوں کی تبدیلی کی ضرورت پڑتی گئی سب سے آخر میں امام

سندیؔ ابن شاہکؔ کی قید میں رکھے گئے۔

اقوالِ امام موسیٰ کاظمؑ

امام موسیٰ کاظمؑ کے مختلف اجتماعی وفکری فلسفی اور نظریاتی، ذمہ داریاں بحیثیت ایک سچے الٰہی پیشوا ہونے کے ان اعتقادی خطرات اور آفتوں کے مقابلہ میں بے حد حساس اور بہت عظیم تھیں۔ چنانچہ حضرتؑ اپنی دلیلوں اور اصولی طریقوں سے لوگوں کو صحیح راستہ اختیار کرنے کے لئے اپنے اقوال زریں سے فیضیاب کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے پیش ہیں ان کے کچھ اقوال جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) کارِ خیر میں جلدی کرو ورنہ کسی دوسرے کام میں لگ جاؤ گے۔

(۲) جھوٹ بد ترین بیماری ہے

(۳) کبھی کسی کو دھوکہ مت دو کیونکہ یہ کام بہت پست لوگوں کا ہے

(۴) زکوٰۃ کے ذریعہ اپنے مال کی حفاظت کرو اور صدقے کے ذریعہ بیماری کا علاج کرو۔

(۵) جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

(۶) دوست کی لغزشوں سے چشم پوشی کرو اور اسے دشمنوں کے حملے سے محفوظ رکھو۔

(۷) جس نے میانہ روی کو اپنایا اس کے لئے نعمت پر زوال آجاتا ہے۔

(۸) خداوند عالم کاہل اور سست بندے کو پسند نہیں کرتا۔

(۹) جو اسراف اور فضول خرچی کرتا ہے اس کے یہاں نعمت پر زوال آجاتا ہے۔

(۱۰) جو شخص خود بین و خود پسند ہوا وہ ہلاک ہوا۔

(۱۱) بہترین ہمسایہ ہونے کا مظاہرہ پڑوسی کے آزار پہنچانے پر صبر کرنا بھی ہے۔

(۱۲) ناتوانوں اور مجبوروں کی مدد بہترین صدقہ ہے۔

امام موسیٰ کاظمؑ کی ازواج واولاد

امام موسیٰ کاظمؑ کی ازواج مختلف تھیں جن کے بارے میں بحار الانوار کے ذریعہ جن کے نام ملے وہ مندرجہ ذیل ہیں اور جس اولاد کو آپؑ کے بعد امامت کا درجہ ملا وہ حضرت امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام تھے جن کی

والدہ ماجدہ جناب ام البنین عرف نجمہ تھیں اورحمیدہ خاتون اورحمیدہ مصفاۃ کے نام سے بھی جانی جاتی تھیں۔

حضرت امام ابوالحسن موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی اولاد میں فرزندان و دختران سب مل کر سینتیس ۳۷ اولادیں تھیں جن کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) فرزندان،حمیدہ خاتون کے بطن سے:

(۱) حضرت امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام

(۲) ابراہیم (۳)عباس (۴) قاسم

(۲) امہات اولاد کے بطن سے:

(۵) اسماعیل (۶)جعفر (۷)ہارون (۸)حسن

(۳) ام ولد کے بطن سے:

(۹) احمد (۱۰)محمد (۱۱)حمزہ

(۴) ام ولد کے بطن سے:

(۱۲)عبداللہ (۱۳)اسحاق (۱۴)عبیداللہ (۱۵)زید

(۱۶)حسین (۱۷)فضل (۱۸)سلیمان

دختران،امہات اولاد کے بطن سے

(۱)فاطمہ کبریٰ (۲)فاطمہ صغریٰ (۳)رقیہ (۴)حکیمہ

(۵)ام ابیہا (۶)رقیہ صغریٰ (۷)کلثوم (۸)ام جعفر

(۹)لبانہ (۱۰)زینب (۱۱)خدیجہ (۱۲)علیہ

(۱۳)آمنہ (۱۴)حسنہ (۱۵)بریہہ (۱۶)عائشہ

(۱۷)ام سلمہ (۱۸)میمونہ (۱۹)ام کلثوم

مگر ان تمام اولادوں میں سب سے افضل حضرت امام ابوالحسن علی ابن موسیٰ رضا علیہ السلام تھے۔ آپ سب سے زیادہ صاحب علم وفہم،سب سے زیادہ عظیم القدر اور تمام فضائل کے جامع تھے اور آپؑ کی اولاد

میں احمد بن موسیٰ صاحب کرامت وجلالت اور صاحب ورع وتقویٰ تھے۔حضرت موسیٰ بن جعفرؑ ان کو بہت چاہتے تھے اور سب پر ترجیح دیتے تھے آپؑ نے اپنی ایک جاگیر جو یسیریہ کے نام سے مشہور تھی ان کو ہبہ کردی تھی۔یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ احمد بن موسیٰؑ نے ایک ہزار غلام خرید کر آزاد کئے تھے۔(۱)

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت

آپؑ کی وفات حسرت آیات بتاریخ ۲۵/رجب المرجب ۱۸۳ھ یوم جمعہ واقع ہوئی،آپؑ کی عمر اس وقت ۵۵،پچپن سال کی تھی۔

وہ ۱۷۶ھ تھا جب ہارون نے مراسم حج ادا کرنے کے بعد ان بعض چغل خوریوں اور غلط خبروں کی بناء پر جو اسے امامؑ سے روحانی مشاغل کے بارے میں لوگوں نے پہنچائی تھیں۔امام کو مدینہ سے شہر بدر کر کے قید ونظر بند کردیا۔

جبکہ ہارون رشید اپنے سفر حج کے سلسلے میں مدینہ وارد ہوا تو امامؑ مدینہ کی ایک جمعیت کے ساتھ اس کے استقبال کو تشریف لے گئے،اس سے ملاقات کے بعد حضرت مسجد رسولؐ میں واپس آئے جس وقت ہارون قبر رسولؐ کی زیارت کیلئے مسجد النبیؐ میں گیا تو اپنی گفتگو کے ضمن میں قبر رسولؐ کی طرف خطاب کر کے یہ کہا:۔''**یارسول اللّٰہ انی اعتذر الیک من شیئی اریدان افعلہٗ اریدانا حبس موسی بن جعفر فانه یرید التشتت بین امتک و سفک دمائها۔**''(۲)

(اے پیغمبر خدا! میں ایک چیز کے بارے میں آپ سے عذر خواہی کرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ آپ کے فرزند موسیٰؑ بن جعفر کو مقید کردوں کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ آپ کی امت (مسلمانوں) کے درمیان اختلافات وتفرقے پیدا ہوں جو ان کی خونریزی کا باعث ہوں)اس کے بعد امام کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔حکم پاتے ہی امام کو لوگوں نے مسجد رسولؐ ہی میں گرفتار کرلیا اور ہارون کے سامنے لائے اس کے بعد ہارون نے دو محملوں کے ذریعہ(جس کا ذکر کیا جاچکا ہے) آپ بصرہ عیسیٰ بن جعفر کے زیر نگرانی ایک سال مقید رہے۔

---

(۱) مطالب السئول،ص۲۸۲،اعلام الوریٰ،ص۱۷۱،شواہد النبوت،ص/۱۹۲،نور الابصار،ص/۱۳۷

(۲) بحار الانوار،جلد۸،ص/۳۲۳،المناقب،جلد۳،ص۴۳۸،کشف الغمہ،جلد۳،ص/۴۱،الارشاد،ص/۳۲۳

امام ہمیشہ حالت نماز میں فرماتے تھے،''خدایا میں ہمیشہ تجھ سے عبادت کیلئے فرصت واطمینان کی دعا کیا کرتا تھا، تو نے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائی لہٰذا میں تیرا شکر گذار ہوں''۔

ہارون نے حاکم بصرہ کو امامؑ کے قتل کر دینے کے سلسلے میں ایک خط بھیجا۔ حاکم بصرہ نے ہارون کے خط کا جواب ان الفاظ میں دیا جو مندرجہ ذیل ہے۔

''موسیٰؑ بن جعفرؑ کے قید و بند کی مدت طولانی ہو چکی ہے لیکن میں نے اس طولانی مدت میں مختلف وسیلوں سے لوگوں کو طرح طرح سے ان حضرت کے ساتھ ہم نشین رہنے پر مقرر کیا تاکہ ان کی دعاؤں، مناجاتوں اور گفتگو کے مضمون سے اطلاع و آگاہی حاصل کریں، مگر سب نے بیک زبان یہی بیان کیا کہ وہ حضرتؑ ایک ایسے شخص ہیں جو عبادت خدا او ردعاؤں سے تھکتے نہیں، اور ہمیشہ اور امرِ الٰہی کی بجا آوری میں مشغول رہتے ہیں، اور ابھی تک مجھے ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت اپنی دعاؤں اور مناجاتوں میں تیرے خلاف یا میرے خلاف دعائے بد فرماتے ہوں یا لعن ونفرین کرتے ہوں، آپؑ کی تمام دعاؤں اور مناجاتوں کا مضمون، طلب مغفرت و بخشش اور مسلمانوں کی حالت کی عمومی اصلاح کی دعا ہوتا ہے۔

اگر تم کسی دوسرے شخص کو حکم دیدو کہ وہ حضرت کو مجھ سے لے کر اپنی نگرانی میں رکھے تو بہتر ومناسب تر ہوگا، ورنہ میں اس سے زیادہ حضرت کو اپنے پاس مقید نہیں رکھ سکتا اور انھیں آزاد کر دوں گا، کیونکہ حقیقت یہ ہے میں حضرت کی نگہداشت سے خود بیحد رنج ولعب میں مبتلا رہتا ہوں میں اپنے ضمیر و وجدان سے بے حد بیچین ومتاثر ہوں۔(۱)

ہارون نے عیسیٰ کا خط پڑھنے کے بعد حضرت کو بصرہ سے بغداد بلا کر خود اپنی نگرانی میں رکھنے کے لئے اپنے خاص باڈی گاڈ کے افسر اعلیٰ فضل بن ربیع کے سپرد کیا۔ فضل نے حضرت کو اپنے مکان کے ایک حجرہ میں جگہ دی اور خاص افراد کو حضرت کے روحانی حالات و کیفیات کی دریافت وتحقیق اور جاسوسی اور جملہ امور سے آگاہی واطلاع حاصل کرنے کے لئے معین کیا تاکہ وہ سب حضرت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ دقت وباریکی کے ساتھ سراغ حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف رہیں۔

---

(۱) اہلبیت اطہارؑ کی سوانح حیات (طبع ایران) ص/ ۱۵۵، ارشاد شیخ مفیدؒ ص/ ۲۵۱، طبع نجف اشرف، نورالابصار، شبلنجی ص/ ۱۰۴، اسعاف الراغبین ص/ ۱۴۸

لیکن امام ان تمام مسائل سے لاپرواہ ہوکر صرف اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہے۔ فضل بھی امامؑ کے ان اعمال وعبادت کا مشاہدہ کرنے کے بعد اپنے ضمیر ووجدان سے شرمندہ ومتاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور اس نے امام کی قید و بند میں قدرے کشائش دی، اور حضرت کی تعظیم وتکریم واحترام وتحصیل رضا مندی کی کوشش کرنے لگا۔

ہارون کے جاسوسوں نے اس کو امام کے ساتھ فضل کے محبت واحترام آمیز برتاؤ کی خبر پہنچائی، وہ فضل کے اس عمل سے بہت رنجیدہ ہوا اور اس کو ایک خط لکھا۔

''تیرا یہ عمل مجھے سخت ناگوار گذرا ہے، تجھے حکم دیا جاتا ہے کہ یہ خط پانے اور پڑھنے کے بعد حضرت کو قتل کردے''۔

فضل نے خط پڑھا لیکن حکم پر عمل کرنے سے احتراز کیا اور یہ خبر بھی ہارون تک پہونچادی گئی، چنانچہ اس نے ایک خط عباس بن محمد کو لکھا کہ تم لوگ موسیٰ بن جعفرؑ کے حالات پر کڑی اور گہری نظر رکھو اور اگر وہ فضل کی تحویل میں آرام وآسائش کے ساتھ زندگی بسر کررہے ہوں تو تم لوگ انہیں فضل سے لیکر اپنی نگرانی میں رکھو۔''

دوسرا خط ہارون نے سندی بن شاہک کو لکھا جو رذالت وکمینہ پن اور شقاوت وسنگدلی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا، اس خط کے پہنچتے ہی وہ محمد بن عباس کے اوامر واحکام کے مطابق مکمل طور سے عمل کرے۔''

قاصد نے دونوں خطوط دونوں مقامات پر پہنچادیئے اور ہارون کا جاسوسی شعبہ اپنے کام میں مشغول ہوگیا اور حقیقت کو آشکار کردیا، ہارون نے فضل بن یحییٰ کے حاضر ہونے کا حکم صادر کیا اور پھر اس کو سندی بن شاہک کے سامنے لوگوں نے برہنہ کیا اور اس کے برہنہ جسم پر سو (۱۰۰) تازیانے لگائے اور ہارون کو تعمیل حکم کی اطلاع دے دی۔

ہارون نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ فضل نے خلیفہ کی اطاعت سے سرتابی کی ہے اس لئے اس کو لعنت ونفرت کا سزاوار قرار دیا جاتا ہے یہ خبر جب فضل کے باپ یحییٰ بن خالد کو ملی تو وہ فوراً خلیفہ کے پاس حاضر ہوا اور فضل کے بارے میں سعی وسفارش، صفائی ورفع اشتباہ کی کوشش میں مصروف ہوگیا اور کہا: ''ابھی وہ

جوان ہے اور کافی تجربہ نہیں رکھتا، اس کے ذمہ جو خدمت تھی میں اسے خواہش کے ساتھ قبول کرتا ہوں، اور تمہاری خوشدلی کا سامان فراہم کر دوں گا۔"

ہارون خوش ہو گیا اور فضل کی تقصیر وکوتاہی سے درگذر کی اور لوگوں کے سامنے اعلان کیا کہ۔ "فضل ایک امر میں مخالفت وسرتابی کا مرتکب ہوا تھا، لیکن اب اس نے توبہ کر لی ہے، لہٰذا میں نے اسے معاف کیا تم سب بھی اس کو معاف کر دو۔"

"یحییٰ بن خالد بلند مرتبہ افسران کے ساتھ رقہ کی طرف روانہ ہوا وہاں پہونچ کر چند روز کے بعد سندی بن شاہک کو اپنے پاس بلوایا اور امام موسیٰ بن جعفرؑ کے قتل کے بارے میں ہارون کے مخصوص حکم سے اس کو آگاہ کیا اور اس نے بھی اسے قبول کر لیا اور پھر ایک روز حضرت کے کھانے میں زہر ملا دیا اور اسے حضرت کو کھلایا، بعض مورخین کی رائے یہ ہے کہ زہر خرما میں ملایا تھا، بہر طور جیسے بھی زہر دیا گیا ہو، دیا گیا اور امامؑ اس زہر کے اثر سے ایسے تپ شدید میں مبتلا ہو گئے کہ فقط تین دن زندہ رہ سکے اور تیسرے روز جان کو آفرین کے سپرد کیا، اور احکام خداوندی کی تبلیغ کی راہ میں درجہ عالیہ شہادت حاصل کیا۔"(۱)

(داستان مسمومیت امامؑ کو علماء و مورخین اہل سنت میں سے علامہ ابن صباغ مالکی نے الفصول المہمہ، ص/ ۲۲۰، شبلنجی نے نورالابصار، ص/ ۴۹۱، میں'ابن صباغ مالکی نے اسعاف الراغبین، ص/ ۱۴۸، میں، ابن حجر، ہیثمی نے الصواعق المحرقہ، ص/ ۱۹۱ میں سید محمد عبدالغفار نے آئمہ الہدیٰ، ص/ ۱۱۱ میں، مسعودی نے فروج الذہب، جلد ۳، ص/ ۳۶۵ میں نقل کیا ہے۔ مسعودی نے اپنی کتاب میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ: موسیٰؑ بن جعفرؑ نے ہارون کی حکومت کے پندرہویں سال ۵۴ سال کے سن میں بغداد میں مسموم ہو کر دنیا سے رحلت فرمائی۔)(۲)

وفات کے بعد آپ کی نعش مبارک قید خانہ سے ہتھکڑی اور بیڑی سمیت نکال کر بغداد کے پل پر ڈال دی گئی اور نہایت توہین آمیز الفاظ میں آپ کو اور آپ کے ماننے والوں کو یاد کیا گیا لوگ اگر چہ بادشاہ کے

---

(۱) اہل بیت اطہارؑ کی مختصر سوانح حیات (ایران) ص/ ۱۹۹

(۲) اعلام الوریٰ، ص/ ۱۷۰، انوار نعمانیہ، ص/ ۱۲۷، جنات الخلود، ص/ ۱۳۰، جلاء العیون، ص/ ۲۷۵، چودہ ستارے، ص/ ۴۱۵

خوف سے نمایاں طور پر مزاحمت جرأت نہ کرتے تھے۔ تاہم ایک گروہ نے جس کے سردار سلیمان بن جعفر ابن ابی جعفر تھے۔ ہمت کی اور نعش مبارک دشمنوں سے چھین کر غسل وکفن کا بندوبست کیا۔ ایسا قیمتی کفن دیا، جس پر پورا قرآن مجید لکھا ہوا تھا۔ نہایت تزک واحتشام سے جنازہ لے کر چلے۔ ان لوگوں کے گریبان غم امام مظلوم سے چاک تھے یہ انتہائی غم والم کے ساتھ جنازہ کو لے کر مقبرہ قریش میں پہنچے۔ حضرت امام رضاؑ نماز دفن کے لئے مدینہ سے باعجاز پہنچ چکے تھے۔ آپ نے نماز پڑھائی اور اپنے والد ماجد کو سپرد خاک فرمایا۔''

امام موسیٰ کاظمؑ کی اخلاقی فضیلت

امام موسیٰ کاظمؑ مقدس سلسلۂ انوار معصومین کی نویں، فرد تھے، جس کو خالق نے نوع انسان کیلئے معیار کمال قرار دیا تھا۔ آپؑ میں تحمل وبرداشت اور غصّہ کو ضبط کرنے کی صفت اتنی نمایاں تھی کہ آپؑ کا لقب ''کاظمؑ'' قرار پا گیا۔ جس کے معنی ہی ہیں غصّے کو پینے والا۔ آپؑ کو کبھی کسی نے ترش روئی اور سختی کے ساتھ بات کرتے نہیں دیکھا اور انتہائی ناگوار حالات میں بھی مسکراتے ہوئے نظر آئے۔ مدینہ کے ایک حاکم سے آپؑ کو سخت تکلیفیں پہنچیں یہاں تک کہ وہ امیر المومنینؑ کی شان میں بھی نازیبا الفاظ استعمال کیا کرتا تھا مگر حضرت نے اپنے اصحاب کو ہمیشہ اس کے جواب دینے سے روکا۔

جب اصحاب نے اس کی گستاخیوں کی بہت شکایت کی اور یہ کہا کہ اب ہمیں ضبط کی تاب نہیں ہے۔ ہمیں اس سے انتقام لینے کی اجازت دی جائے تو حضرت نے فرمایا کہ ''میں خود اس کا تدارک کروں گا'' اس طرح ان کے جذبات میں سکون پیدا کرنے کے بعد حضرت خود اس شخص کے پاس اس کی زراعت پر تشریف لے گئے اور کچھ ایسا احسان اور سلوک فرمایا کہ وہ اپنی گستاخیوں پر نادم ہوا اور اپنے طرز عمل کو بدل دیا۔

حضرت نے اپنے اصحاب سے صورت حال بیان فرما کر پوچھا کہ جو میں نے اس کے ساتھ کیا وہ اچھا تھا یا جس طرح تم لوگ اس کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔ سب نے کہا یقیناً حضور نے جو طرز اختیار فرمایا وہی بہتر تھا اس طرح آپؑ نے اپنے جد بزرگوار حضرت علیؑ کے اس ارشاد کو عمل میں لا کر دکھایا جو آج تک نہج البلاغہ میں موجود ہے کہ دشمن پر احسان کے ساتھ فتح حاصل کرو۔ کیونکہ یہ دو قسم کی فتح میں زیادہ پر لطف کامیابی ہے بے شک اس کے لئے فریق مخالف کے ظرف کا صحیح اندازہ ضروری ہے اور اسی لئے حضرت علیؑ نے ان الفاظ

کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ ''خبردار یہ عدم تشدد کا طریقہ نااہل کے ساتھ اختیار نہ کرنا ورنہ اس کے تشدد میں اضافہ ہوجائے گا۔

امام موسیٰ کاظمؑ کا دورِحیات حوادث و مصائب کے مقابلہ میں ارادہ محکم وعزم مصمم، شجاعت و پامردی، استقامت و پائیداری اور ایثاروقربانی سے معمور تھا۔ پیش ہیں کچھ مثالیں۔

۱۔کسان کی فصل کو''ٹڈی دَل سے نقصان'' کو پورا کیا

حافظ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ عیسیٰ بن محمد بن مغیث نے جن کا سن نوے سال کا تھا مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا کہ میں نے مدینہ منورہ کے اطراف کے ایک قریہ میں جوانیہ کے کنویں کے پاس تھا جس کا نام ام عظام ہے، خربوزے، تربوز، ککڑی اور کدّو کی کاشت کی۔ جب کھیتی تیار ہوگئی اور پھل توڑنے کا وقت آیا تو ٹڈی دل کا حملہ ہوا اور ٹڈیاں ساری کھیتی چاٹ گئیں اور تخمیناً مجھے اس کاشت میں دو اونٹوں کی قیمت اور ایک سو بیس دینار کا نقصان ہوا۔ ہم ابھی اس افسوس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دیکھا کہ حضرت ابوالحسن موسیٰ بن جعفرؑ تشریف لا رہے ہیں۔ آپؑ نے بعد سلام میرا حال دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا، کہ مولا وآقا! امسال میری کاشت ٹڈیاں کھا گئیں جس کی وجہ سے کافی نقصان ہوگیا۔ آپؑ نے دریافت فرمایا کہ کتنا نقصان ہوگیا؟ میں نے اپنا نقصان بتایا۔ آپؑ نے فرمایا، اے عرفہ! برسات کی فصل ایک سو پچاس دینار اور دو اونٹوں کی قیمت دے گی۔ تیس دینار کا تمہیں مزید فائدہ ہوگا۔ میں نے کہا اللہ آپؑ کی زبان پاک سے نکلی ہوئی دعا کو یقیناً قبول فرمائے آپ میرے لئے مزید برکت کی دعا فرما دیں۔ چنانچہ آپؑ کھیت کے اندر تشریف لے گئے اور دعا فرمائی اور رسولؐ مقبول کی ایک حدیث بھی بیان فرمائی کہ مصیبت میں انسان کو اللہ سے لو لگانی چاہئے۔

بہرحال میں نے دو اونٹ لے کر زراعت کی اور اس کی آبپاشی بھی کی تو اللہ نے اس میں اتنی برکت دی اور اتنے زیادہ پھل آئے کہ میں نے انھیں دس ہزار دینار پر فروخت کئے۔(۱)

۲۔آپؑ کی دعا سے دریا کی سطح کا اوپر آجانا

دلائل حمیری میں حضرت امام جعفر صادقؑ کے غلام سے روایت ہے کہ جس وقت امام موسیٰ کاظمؑ

(۱) کشف الغمہ، جلد۲،ص/۱۰۱، بحارالانوار، جلد۸،ص/۴۶

بصرہ تشریف لے گئے تو میں آپؑ کے ساتھ تھا۔ جب ہم مدائن کے قریب پہونچے تو دریا کی نہروں میں تموج زیادہ ہونے لگا۔ ہمارے پیچھے ایک کشتی اور آرہی تھی اس میں ایک دولہا دلہن بھی تھے ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ایک چیخ کی آواز سنائی دی۔ آپؑ نے دریافت فرمایا، یہ چیخ کی آواز کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ دلہن نے ایک چلو پانی لینے کے دریا میں ہاتھ ڈالا کہ اچانک اس کے ہاتھ سے سونے کا کنگن دریا میں گر گیا اور وہ چیخ رہی تھی۔ آپؑ نے فرمایا۔ اچھا کشتی روکو اور اس کشتی کے ملاح سے کہو کہ کشتی روک لے۔ دونوں ہی کشتیاں رک گئیں آپ نے کشتی پر ذرا سہارا لیا اور آہستہ آہستہ کچھ پڑھا پھر فرمایا، اس کشتی کے ملاح سے کہو کہ وہ دریا میں اتر جائے کنگن مل جائے گا۔ ہم نے دیکھا تو وہ کنگن پانی میں دریا کی تہہ پر پڑا ہوا صاف نظر آرہا تھا اور دریا کی تہہ تھی جو اتنی اوپر آگئی تھی کہ سطح دریا سے بالکل ہی قریب ہوگئی۔ چنانچہ دریا کی تہہ قریب دیکھ کر ملاح دریا میں اتر گیا اور وہ کنگن اٹھالیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ یہ اس عروس کو دیدو اور کہہ دو کہ وہ اپنے رب کا شکریہ ادا کرے۔ (۱)

۳۔ بدکردار زانی کا انجام بتایا

علی بن سری کے وصی کا بیان ہے کہ میں نے امام موسیٰ کاظمؑ سے عرض کیا کہ علی بن سری نے وفات پائی اور اس نے مجھے اپنا وصی بنایا۔ آپؑ نے فرمایا، اللہ اس پر رحم کرے۔ میں نے عرض کیا کہ اور اس کے لڑکے جعفر نے اپنے باپ کی ام ولد کنیز سے منھ کالا کیا تھا اس لئے علی بن سری نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں جعفر کو انکی وراثت سے خارج کردوں۔ آپؑ نے فرمایا پھر اسے خارج کردو اور اگر یہ بات صحیح ہے تو عنقریب وہ لنج اور فالج میں مبتلا ہوجائے گا۔

الغرض میں امامؑ کی خدمت میں واپس ہوا تو مجھے قاضی ابو یوسف کی عدالت میں بلوایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ قاضی صاحب! اللہ آپ کا بھلا کرے، میں جعفر بن علی سرّی ہوں اور یہ میرے ماں باپ کے وصی ہیں انھیں حکم دیجئے کہ یہ میرے باپ کی میراث مجھے دے دیں۔ قاضی ابو یوسف نے مجھ سے کہا بولو تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا یہ درست ہے کہ یہ جعفر ہے اور میں اس کے باپ کا وصی ہوں۔ قاضی ابو یوسف نے کہا،

(۱) بحارالانوار، جلد ۸، ص/ ۴۷

پھر میراث اس کے باپ کی ہے اس کو دے دو۔ میں نے کہا میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں، انھوں نے مجھے قریب بلایا۔ تب میں نے رازدارانہ اور خفیہ طور پر جعفر کے بارے میں بتایا۔ اس لئے اس کے باپ نے اسے میراث سے محروم کرنے کی وصیت کی کہ اسے کچھ نہ دیا جائے۔ اس مسئلہ کو مدینہ جا کر میں نے حضرت موسیٰ کاظمؑ سے دریافت کیا تو انھوں نے بھی یہ حکم دیا کہ اس کو میراث سے خارج کر دو اور کچھ نہ دو۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر قاضی ابو یوسف نے کہا۔ اللہ اللہ کیا یہ حکم تمہیں موسیٰ بن جعفرؑ نے دیا ہے۔ اس پر عمل کرو ان کا حکم اصل حکم ہے۔ علی بن سرّی کے وصی کا بیان ہے کہ اس کے بعد جعفر بن علی بن سرّی واقعاً لنج اور فالج میں مبتلا ہو گیا۔ (۱)

۴۔ آپؑ نے دعائے خیر کا حکم دیا

خالد کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت ابوالحسنؑ کی ملاقات کے لئے گیا جب وہاں پہونچا تو دیکھا کہ آپؑ اپنے گھر کے صحن میں تشریف فرما تھے۔ میں بھی سلام کر کے وہیں بیٹھ گیا۔ دراصل میں نے ایک شخص سے ایک کام کے لئے کہا تھا مگر اس نے وہ کام نہیں کیا تو میں اس کے متعلق شکایت کرنے کے لئے آپؑ کے پاس گیا تھا۔ آپؑ نے فرمایا۔ تم سب کو چاہئے کہ جب کبھی نیا لباس پہنو تو اس پر ہاتھ پھیرو اور کہو۔ ''الحمدللّٰہِ الذی کسانی ما اواری به عورتی واتجمّل به بین الناس ''اور جب کوئی نئی شئے تم کو بہت پسند ہو تو اس کا ذکر بار بار نہ کرو، ورنہ یہ اس کی بربادی کا ایک سبب ہوگا اور جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے پاس کوئی حاجت لے کر جائے مگر اس کا پورا کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہو تو اس کی برائی نہ کرو بلکہ اسے اچھے الفاظ سے یاد کرو۔ اس طرح اللہ خود اس کے دل میں نیکی ڈال دے گا اور وہ اس حاجت کو پورا کر دے گا۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر میں نے اپنا سر اٹھایا اور کہا ''لاَ الٰه الّا اللّٰه ''تو آپؑ نے ارشاد فرمایا، اے خالد! میں نے تم سے جو کچھ کہا اس پر عمل کرو۔ (۲)

۵۔ ایک کنیز کے لئے آپؑ کی پیشینگوئی

ہشام بن حکم کا بیان ہے کہ میں نے منیٰ میں ایک کنیز خریدنے کا ارادہ کیا اور حضرت ابوالحسنؑ کو

(۱) بحارالانوار، جلد ۸، ص/ ۴۸
(۲) کشف الغمہ، جلد ۳، ص/ ۴۶

مشورے کے لئے خط لکھا مگر آپؑ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسرے دن آپؑ اپنی سواری پر تشریف لائے۔ مجھے دیکھا اور اس کنیز کو دیکھا جو دوسری کنیزوں کے درمیان کھڑی تھی جس کا میں سودا کرنے والا تھا۔ تو آپؑ کا خط آیا کہ اس کنیز کے خریدنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس کی مدّتِ حیات قلیل نہ ہو۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا، نہیں۔ قسم خدا کی آپؑ نے جو یہ الفاظ مجھے تحریر کئے ہیں۔ اس کا یقیناً کوئی نہ کوئی مطلب ضرور ہے۔ اب میں اس کنیز کو نہیں خریدوں گا۔ راوی کا بیان ہے کہ ابھی میرا قیام مکّے ہی میں تھا کہ وہ کنیز دفن کر دی گئی۔ (۱)

۶۔ آپؑ کی دعا سے بیٹا پیدا ہوا

حسن بن علی الوشّاء کا بیان ہے کہ میں اور میرے ماموں اسماعیل بن الیاس حج کو گئے تو میں نے اور میرے ماموں نے امام موسیٰ کاظمؑ کو خط لکھا کہ ہماری لڑکیاں کئی ایک ہیں۔ کوئی لڑکا نہیں ہے ہمارے سارے مرد قتل کر دئے گئے۔ میں اپنی زوجہ کو حاملہ چھوڑ آیا ہوں آپؑ دعا فرمائیں کہ اس کے یہاں لڑکا پیدا ہو اور آپؑ اس کا نام بھی تجویز فرما دیں۔ آپؑ نے خط کا جواب دیا۔ ''اللہ نے تمہاری حاجت پوری کی اس کا نام محمّد رکھو'' پھر جب ہم حج سے واپس ہوئے اور کوفے پہنچے تو ہمارے پہنچنے سے چھ روز پہلے ہی اس کے یہاں لڑکا پیدا ہو چکا تھا۔ ابو محمد کا بیان ہے کہ وہ اب پورا مرد ہے اور اس کی اولادیں ہیں۔ (۲)

۷۔ آپؑ کا اونٹ کی خریداری میں مشورہ

ہشام بن حکم کا بیان ہے کہ میں سفر مکہ میں تھا اور ایک اونٹ خریدنا چاہتا تھا۔ کہ ادھر سے حضرت موسیٰ کاظمؑ گذرے جب میں نے آپؑ کو دیکھا تو فوراً ایک پرچہ کاغذ کا لیا اور اس پر تحریر کیا کہ میں آپؑ پر قربان میں یہ اونٹ خریدنا چاہتا ہوں۔ آپؑ کا کیا مشورہ ہے آپؑ نے ارشاد فرمایا، اس کے خریدنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر ہاں! جب تم اس کو دیکھو کہ بیچارہ بے جان ہو رہا ہے تو اس کو چند لقمے کھلا دینا۔

الغرض میں نے اس کو خریدا اور اس پر سامان لاد دیا اور اس میں کوئی عیب نہیں پایا مگر جب کوفہ کے قریب ایک منزل پر پہنچا تو چونکہ اس کے اوپر بھاری بوجھ لدا ہوا تھا، وہ سارا بوجھ لے کر بیٹھ گیا اور اس طرح تڑپنے لگا جیسے اب مرا۔ ملازمین فوراً دوڑے اور اس سے بوجھ وغیرہ اتارنے لگے۔ تو مجھے حضرت ابوالحسنؑ کی بات

(۱) کشف الغمہ، جلد ۳، ص/ ۴۷۔ بصائر الدرجات، ج ۶، باب ۱، ص/ ۲۷
(۲) کشف الغمہ، جلد ۳، ص/ ۱۸

بات یاد آ گئی۔ میں نے فوراً چند لقمے اس کا چارہ منگوایا اور اس کو دیا۔ ابھی سات لقمے ہی دیئے تھے کہ وہ مع اپنے بوجھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔(۱)

۸۔آپؑ کی دعا سے پانی آبِ شفا بن گیا

ابن بطائنی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ جب میں مدینہ منورہ پہونچا تو سخت بیمار تھا۔ حد یہ تھی کہ میرے دوست احباب میرے پاس میری عیادت کے لئے آتے تھے تو میں ان کو پہچانتا بھی نہ تھا۔ وجہ یہ تھی کہ مجھے سخت بخار آیا جس سے میری عقل زائل ہوگئی تھی اور اسحاق بن عمار کا تو یہ بیان تھا کہ انھوں نے میری ہی وجہ سے تین دن مدینہ میں قیام بھی کیا اور ان کو یقین تھا کہ اس دوران وہ ہمیں دفن کر کے اور میری نماز جنازہ پڑھ کر جائیں گے مگر تین دن کے بعد ادھر اسحاق بن عمّار مدینہ سے نکلے ادھر مجھے کچھ افاقہ ہوا۔ تو میں نے اپنے احباب سے کہا، میرا کیسہ کھولو اور اس میں سے ایک سو دینار نکالو اور اس کو میرے احباب میں تقسیم کر دو اور حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے پاس ایک پیالہ پانی بھیجو (تاکہ وہ اس پر دعا دم کر دیں) لے جانے والے نے آ کر کہا کہ امامؑ نے فرمایا کہ یہ پانی پی لو، انشاءاللہ اسی سے تم کو شفا ہو جائے گی میں نے وہ پانی پی لیا تو ایک اسہال (دست) ہوا اور میرے پیٹ میں جو فاسد مادّے تھے وہ سب نکل گئے (اور میں روبصحت ہوگیا) اس کے بعد میں حضرت ابوالحسنؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے فرمایا، اے علی! تمہاری اجل ایک مرتبہ آنے کے بعد پھر آئی تھی۔

الغرض میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا اور اسحاق بن عمار سے ملاقات ہوئی۔ انھیں بڑی (حیرت ہوئی کہ تم اچھے ہو گئے) تب میں نے اپنا سارا قصہ بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا کہ تم دو مرتبہ مر کے زندہ ہوئے ہو۔ پھر میں نے کہا اے اسحاق یہ امام ابن امام ہیں اور امام کی پہچان ان ہی قسم کی باتوں سے ہوتی ہے۔(۲)

۹۔آپؑ کا فرمانا ہے کہ شیشے پر سجدہ جائز نہیں

محمد بن حسین کا بیان ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے حضرت موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں عریضہ لکھکر

(۱) رجال کشی، ص/۱۷۵ (۲) رجال کشی، ص/۲۷۹

یہ دریافت کیا کہ کیا شیشے پر نماز ہو سکتی ہے؟

راوی کا بیان ہے کہ جب میں آپؑ کو خط لکھ چکا تو اس مسئلے پر غور کیا اور دل میں کہا کہ آخر یہ بھی تو زمین کی پیداوار ہے۔ مجھے اس مسئلے کو آپ سے پوچھنے کی کیا ضرورت۔ راوی کا بیان ہے کہ ان جناب نے میرے خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ سنو، شیشے پر نماز نہ پڑھنا اگر چہ تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ بھی زمین ہی کی پیداوارا ہے۔ مگر یہ نمک اور ریت سے تیار ہوتا ہے اور یہ دونوں مسخ شدہ چیزیں ہیں۔(۱)

۱۰۔آپؑ نے ایک بیوہ عورت کی مدد کی

علی بن مغیرہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ کاظمؑ مقام منیٰ میں ایک عورت کی طرف سے گزرے تو دیکھا کہ وہ بیچاری رو رہی ہے اور اس کے اردگرد اس کے سارے بچّے بھی رو رہے ہیں اور اس کی گائے سامنے مری ہوئی پڑی ہے۔ آپؑ اس عورت کے قریب گئے اور پوچھا، اے کنیز خدا کیوں رو رہی ہے؟ اس نے جواب دیا اے بندۂ خدا میرے بچے یتیم ہیں میرے پاس یہی ایک گائے تھی اور اسی سے میرا اور میرے بچوں کا گزارہ ہوتا تھا۔ اب یہ مرگئی اور ہمارے پاس اپنا ذریعۂ معاش بھی کوئی نہیں رہ گیا۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا، اے کنیز خدا! کیا تو چاہتی ہے کہ میں اسے زندہ کر دوں؟ اس نے کہا، اے بندۂ خدا! میرے لئے اس سے بہتر اور کیا ہے کہ یہ زندہ ہو جائے۔ اس کے بعد آپ ایک طرف تشریف لے گئے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور دونوں ہاتھ دعا کے لئے بلند کئے لبہائے مبارک کو کچھ حرکت دی۔ پھر اٹھے اور آگے بڑھ کر اس گائے کو لکڑی چبھو کر اٹھایا اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگائی۔ وہ سیدھی زمین پر کھڑی ہو گئی۔ جب اس عورت نے دیکھا کہ میری گائے زندہ ہوگئی تو چلا اٹھی، ارے لوگوں! ربّ کعبہ کی قسم یہ تو عیسیٰ ابن مریم ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپؑ لوگوں کی بھیڑ میں مل جل گئے تا کہ آپؑ کو کوئی پہچان نہ سکے۔ اللہ ان پر اوران کے آبائے طاہرین پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔(۲)

۱۱۔آپؑ نے شیر کی فریاد سن کر اس کے لئے دعا کی

بطائنی کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت موسیٰؑ مدینہ سے باہر اپنی زراعت پر تشریف لے گئے۔

---

(۱) الکافی، جلد/۳، ص/۳۴۲، مناقب، جلد/۳، ص/۴۲۱ (۲) بصائر الدرجات، جلد۶، باب۴، ص/۹۷، الکافی، جلد۱، ص/۴۸۴

میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ آپ اپنے گھوڑے پر سوار تھے اور میں اپنے گدھے پر۔ ابھی ہم راستہ ہی میں تھے کہ ناگاہ ایک شیر سامنے آ گیا۔ میں خوف زدہ ہو کر ٹھٹک گیا اور امام موسیٰ کاظمؑ بلا خوف وخطر آگے بڑھے۔ میں نے دیکھا وہ شیر، ہمہمہ بھرتا ہوا آپ سے اظہار اطاعت کر رہا تھا۔ آپ کھڑے ہو گئے اور اس کے ہمہمہ کو بغور سننے لگے۔ شیر آپ کے گھوڑے کی ران پر اپنا ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ اور حضرت قبلہ رو ہو کر دعا فرمانے لگے۔ پھر آپ نے شیر کو اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ واپس جاؤ۔ میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان اس شیر کا کیا معاملہ ہے۔

آپ نے فرمایا کہ وہ اس لئے آیا تھا کہ اس کی شیرنی کو دردزہ عارض تھا۔ ولادت میں مشکل درپیش تھی۔ مجھ سے گذارش کر رہا تھا کہ آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ مشکل آسان ہو۔ میں نے اس کے لئے دعا کیا اور مجھے بذریعہ الہام معلوم ہو گیا کہ اس شیرنی کے ایک نر بچہ پیدا ہو گیا ہے۔ میں نے اس کو خوشخبری سنا دی۔

اس نے کہا ''اب آپ جہاں تشریف لے جا رہے تھے تشریف لے جائیں، اللہ تعالیٰ آپ پر آپ کی ذرّیت پر اور آپ کے شیعوں پر کسی درندے کو مسلّط نہ فرمائے۔ میں نے کہا آمین''۔(۱)

۱۲۔آپؑ کا فرمانا اللہ پر بھروسہ کرو

احمد بن عمر حلال کا بیان ہے کہ میں نے سنا کہ احزس حضرت موسیٰ کاظمؑ کو برا بھلا کہتا ہے تو میں نے ایک چھری خریدی اور دل میں کہا کہ خدا کی قسم! میں اس کو قتل کر دوں گا۔ ذرا یہ مسجد سے نکلے تو سہی یہ سوچ کر میں اٹھا اور جا کر اس کے آنے کا انتظار کرنے لگا کہ اچانک حضرت ابوالحسن موسیٰؑ کا ایک رقعہ میرے پاس پہونچا جس میں تحریر تھا کہ تجھے میرے حق کی قسم احزس سے اپنا ہاتھ روک لے۔ بس اللہ ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ چنانچہ چند ہی دنوں میں احزس مر گیا۔(۲)

۱۳۔آپؑ نے آندھی کی پیشینگوئی کی

اسماعیل بن عیسیٰ سے روایت ہے اس کا بیان ہے کہ ہم حضرت موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ ایک مرتبہ عمرہ میں تھے اور ہمارا قیام ایک امیر کے قصر میں تھا۔ اس نے کوچ کو حکم دیا تو ہم نے محملیں باندھنی شروع کر دیں اور

(۱)الخرائج والجرائح، ص/۲۳۴، مناقب، جلد۳، ص/۴۱۶، الارشاد، ص/۳۱۵ (۲)الخرائج والجرائح، ص/۶۳۵

اس میں کچھ اہل وعیال بھی سوار ہو گئے ۔حضرت امامؑ اس وقت ایک مکان میں تھے آپ برآمد ہوئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی۔ کہ تم لوگ اپنی اپنی محملوں سے اتر جاؤ دیر نہ لگاؤ کیونکہ ابھی ابھی ایک سیاہ آندھی آنے والی ہے جو اونٹوں کو بھی اڑا دے گی۔ چنانچہ آپؑ کے ارشاد کے مطابق تھوڑی ہی دیر میں ایک سیاہ آندھی آئی اور میں گواہ ہوں کہ میں نے اپنے اونٹوں کو دیکھا جن پر ہودج تھے اور ہم اور ہمارے بھائی ان پر سوار تھے کہ وہ اونٹ چلتے چلتے کھڑا ہو گیا اور مع ہودج کے ایک طرف گر پڑا۔(۱)

۱۴۔آپؑ نے علم غیب سے ابن یقطین کی عزت بچائی

ابن یقطین سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں ہارون رشید کے پاس کھڑا تھا کہ اتنے میں شاہِ روم کی طرف سے تحفے اور ہدیے آئے اوران میں سیاہ ریشمی جبّے تھے جوسونے کے تاروں سے بنے ہوئے تھے اور اس قدر عمدہ تھے کہ میں نے کبھی دیکھے نہ تھے۔ہارون الرشید نے مجھے ان جبوں میں سے ایک جبّہ بخش دیا اور میں نے اس جبّہ کو امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اس واقعہ کو تقریباً نو ماہ کا عرصہ گذر گیا۔ ایک دن میں ہارون الرشید کے پاس سے کھانا کھا کر گھر واپس ہوا،تو میرا وہ خادم جو کپڑے وغیرہ رکھتا تھا آ کر کھڑا ہو گیا۔اس کے ہاتھ میں ایک رومال اور ایک خط تھا جس پر تازہ مہر لگی ہوئی تھی اس نے کہا، ابھی ابھی ایک شخص آیا تھا اور وہ کہہ گیا ہے کہ جیسے ہی تمہارا مالک گھر آئے یہ خط اور یہ سامان فوراً اس کو دے دینا۔

میں نے خط لے کر کھولا تو وہ حضرت موسیٰ کاظمؑ کا تھا اور اس میں تحریر تھا کہ اے علی بن یقطین اس وقت تمہیں اس جبّے کی ضرورت ہے اس لئے تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔اب میں نے رومال کھول کر دیکھا تو اس میں وہی جبّہ تھا جو میں نے آنجناب کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ میں نے اس کو بحفاظت رکھ لیا۔تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ہارون رشید کا خادم پہونچا اور بغیر اجازت اندر آ گیا اور بولا کہ چلو تم کو امیر المومنین نے طلب کیا ہے۔ میں نے کہا کہ ابھی تو میں وہیں سے آ رہا ہوں۔ بات کیا ہے؟ کیوں بلایا ہے؟

اس نے کہا ہمیں نہیں معلوم۔ میں نے اپنی سواری لی اور ہارون کے پاس پہونچا تو دیکھا کہ ہارون کے سامنے عمر بن بزیع کھڑا ہو تھا۔ ہارون نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم نے وہ جبّہ کیا کیا؟ جو میں نے

(۱)الخرائج والجرائح،ص/۶۳۶،کشف الغمہ،جلد۳،ص/۴۸

تم کو دیا تھا میں نے کہا، امیر المومنین نے تو مجھے بہت سے جبے وغیرہ عطا فرمائے ہیں۔ اس وقت آپ کس جبّہ کے متعلق دریافت فرمارہے ہیں؟ ہارون نے کہا، وہ کالا ریشمی رومی جبّہ، جو سونے کے تاروں والا تھا۔ میں نے کہا، یا امیر المومنین! میں اس کو اور کیا کروں گا، اسے تو اکثر و بیشتر میں پہنتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور ابھی ابھی تو میں نے اس جبّے کو پہننے کے لئے منگوایا تھا۔ ہارون نے عمر بن بزیع کی طرف دیکھا، اس نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو ان سے کہئے کہ ابھی ابھی حاضر کریں۔ میں نے فوراً ایک خادم کو بھیجا اور وہ جا کر جبّہ لے آیا۔ جب ہارون الرشید نے وہ جبّہ دیکھا تو بولا، اے عمر! اب خبردار علی بن یقطین کے خلاف میرے سامنے کبھی ایک لفظ منھ سے نہ نکالنا۔

علی بن یقطین کا بیان ہے کہ پھر ہارون الرشید نے وہ جبّہ اور اس کے ساتھ پچاس ہزار درہم دیئے میں اسکو لے کر اپنے گھر آیا۔ وہ چغلخور خود میرا چچازاد بھائی تھا۔ اللہ نے اسکا منھ کالا کیا اور اس کا جھوٹ ثابت ہوگیا۔ خدا کا شکر ہے۔(۱)

۱۵۔ آپؑ نے ایک شخص کو ایک بڑی مصیبت سے بچایا

ابن ابی حمزہ سے روایت ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ کا ایک عقیدت مند میرا دوست تھا، اس کا بیان ہے کہ ایک دن میں اپنے گھر سے نکلا تو ایک نہایت حسین وجمیل عورت نظر آئی اور اس کے ساتھ ایک دوسری عورت بھی تھی۔ میں اس کے پیچھے ہولیا اور موقع پا کر پوچھا۔ کیا تم مجھ سے متعہ کے لیے راضی ہو؟ یہ سن کر وہ میری طرف متوجہ ہوئی اور بولی، اگر تمہارے پاس کوئی ہماری جنس ہے تو ہمیں نامنظور ہے ورنہ آؤ ہمارے ساتھ، میں نے کہا، میرے پاس کوئی زوجہ نہیں ہے۔ یہ سن کر وہ میرے ہی ساتھ چل دی اور میرے مکان میں داخل ہوئی، اور ابھی اس نے اپنے پاؤں کا ایک ہی موزہ اتارا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ موفق ہے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا، حضرتؑ نے فرمایا ہے کہ وہ عورت جو تمہارے ساتھ اس وقت گھر میں ہے اسے باہر نکال دو اور ہاتھ بھی نہ لگانا۔

یہ سن کر میں اندر گیا اور اس عورت سے کہا، محترمہ اپنے موزے پہنو اور باہر جاؤ۔ اس نے اپنا موزہ

(۱) الخرائج والجرائح، ص/۲۰۳، عیون المعجزات، ص۸۹

پہنا اور باہر نکل گئی۔ موفق نے مجھ سے کہا کہ اندر سے دروازہ بند کرلو۔ میں نے دروازہ بند کرلیا۔ پھر خدا قسم ابھی اس عورت کو گئے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی میں دروازہ پر کان لگائے ہوئے کھڑا تھا کہ ایک فتنہ پرداز شخص آ کر اس عورت سے ملا اور بولا، تو اتنی جلد باہر کیوں نکل آئی؟ کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ ہرگز باہر نہ نکلنا۔ اس عورت نے جواب دیا۔ کیا بتاؤں، اس ساحر و جادوگر کا قاصد آ گیا اور اس نے حکم دیا کہ اس عورت کو نکال دو، اس لیے اس نے نکال دیا۔

راوی کہتا ہے کہ عشاء کے وقت میں حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا، وہ عورت بنی امیہ کے ایک لعنتی گھرانے کی تھی، اس کے پاس پھر نہ جانا۔ لوگوں نے اسے بھیجا تھا اور چاہا تھا کہ اسے تمہارے مکان سے برآمد کریں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اس عورت کو باہر نکال دیا۔ (۱)

۱۶۔ آپؑ نے بکّار قمی کے گھر چوری ہونے کے بعد مدد کی

بکّار قمّی کا بیان ہے کہ میں نے چالیس حج کئے۔ جب آخری کرنے لگا تو آخراجات کے لئے رقم ختم ہوگئی۔ میں مکہ آیا، وہاں قیام کیا۔ میرا ارادہ تھا کہ جب سب لوگ مدینہ سے نکل جائیں تو مدینہ جاؤں، قبر رسولؐ کی زیارت کروں اور اپنے مولا حضرت موسیٰؑ کی زیارت کروں اور ممکن ہے کوئی کام وغیرہ مل جائے تو اس سے رقم کما کر راہِ کوفہ کے اخراجات پورے کروں۔

الغرض میں مدینہ گیا۔ روضہ رسولؐ پر پہنچ کر سلام بجالایا۔ پھر مصلّی (ایک مقام کا نام ہے) کی طرف آیا جہاں مزدور، مزدوری کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں میں بھی ان ہی میں جا کر کھڑا ہوگیا۔ کہ اللہ مزدوری دلا دے تو کام بنے۔ کہ ایک شخص آیا اور چند مزدوروں کو لے کر چلا میں اس کے پیچھے پیچھے ہولیا اور کہا، اے اللہ کے بندے! میں ایک مسافر ہوں اگر مناسب ہو تو مجھے بھی ساتھ لے چلو اور جو چاہو مزدوری کرالینا۔ اس شخص نے پوچھا کیا تم کوفے کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا، جی ہاں، اس نے کہا اچھا تم بھی چلو، چنانچہ میں مزدوروں کے ہمراہ چلدیا۔ وہاں ایک بہت بڑا مکان تھا جو جدید طرز پر تعمیر ہو رہا تھا۔ اس میں میں نے کام شروع کردیا چند دنوں کام کیا وہاں مزدوری صرف ہفتہ میں ایک دن ملتی تھی۔ راوی کا بیان ہے کہ ایک

(۱) الخرائج والجرائح، ص/۲۰۴

دن میں سیڑھی پر کھڑا تھا کہ دیکھا حضرت موسیٰؑ تشریف لا رہے ہیں آپ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا، اے بکّار! تم نیچے اترو۔ میں نیچے اترا تو آپؑ نے دریافت فرمایا، تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان میرا سارا سفر خرچ ختم ہو گیا اس لئے یہاں مزدوری کر رہا ہوں ۔ دوسرے دن جب مزدوروں کو مزدوری تقسیم ہونے لگی ۔ جب سب مزدوروں کو مزدوری مل چکی تو آپ نے مجھ سے فرمایا ادھر آؤ۔ میں قریب گیا تو آپ نے رقم کی ایک تھیلی دی جس میں پندرہ دینار تھے اور فرمایا، لو یہ تمہارا کوفے کا خرچ ہے۔ کل ہی چلے جاؤ۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا۔ اس کے بعد آپ تشریف لے گئے اور اپنے ایک آدمی کو بھیجا کہ جانے سے قبل میرے پاس آنا۔ دوسرے دن جب میں آپ کی خدمت میں گیا۔ آپ نے فرمایا ابھی نکل جاؤ تا کہ مقام فدک پر پہنچ جاؤ۔

رات کے وقت کوفہ میں داخل ہوا۔ دل میں کہا کہ اس وقت اپنے گھر چلتا ہوں آج رات آرام سے سو جاؤ کل مولا کا خط علی ابن ابی حمزہ کو پہونچا دوں گا۔ یہ سوچ کر میں اپنے گھر آیا تو لوگوں نے بتایا کہ میرے آنے سے چند دن پہلے میری دوکان میں چور گھسے تھے۔ جب صبح ہوگئی تو میں نے نماز پڑھی اور بیٹھا سوچ ہی رہا تھا کہ میری دکان میں کیا کیا چوری ہو گیا ہوگا کہ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ علی بن ابی حمزہ ہیں۔ میں نے ان سے معانقہ کیا۔ بعد سلام انھوں نے مجھ سے کہا اے بکّار! آقا کا خط مجھے دو۔ میں نے کہا، ہاں ہاں میں تو خود ہی لے کر آنے والا تھا۔ انھوں نے کہا اچھا لاؤ اب تو میں خود ہی آ گیا ہوں ۔ چنانچہ میں نے خط نکال کر دیا۔ انھوں نے خط لیا، اس کو بوسہ دیا آنکھوں سے لگایا اور آبدیدہ ہو گئے میں نے کہا آپ کیوں گریہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا آقا کی ملاقات کا شوق۔ پھر خط پڑھا پھر بولے تمہاری دکان میں چوری ہوگئی ہے۔ میرے مولا نے اس خط میں مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارا نقصان پورا کر دوں اور اس لیے چالیس دینار مجھے دیے ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے اپنی دکان پھر سجائی اور نقصان کا اندازہ کیا معلوم ہوا کہ چالیس دینار کا مال چوری ہوا تھا۔(۱)

---

(۱) الخرائج والجرائح، ص/۲۰۱

۱۷۔آپؑ نے مزدور کی چوری کو معاف کر دیا

معتب کا بیان ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اپنے باغ میں تھے اور درختوں سے پھل اتارے جارہے تھے۔اسی اثناء میں میں نے دیکھا کہ ایک غلام نے کھجوروں کی ایک گٹھری اٹھا کر باغ کی چہار دیواری کے باہر پھینک دی تو میں فوراً آ گیا اور وہ گٹھری اٹھا کر آپؑ کے سامنے پیش کی اور کہا مولا آپ پر قربان یہ کھجوروں کی گٹھری مجھے باغ کے باہر ملی ہے (جو آپ کے اس غلام نے پھینکی ہے) آپ نے آواز دی اے غلام اس نے کہا لبیک فرمایا کیا تم بھوکے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔فرمایا ننگے ہو؟ کہا نہیں فرمایا پھر تم نے یہ کیوں لی؟ اس نے کہا بس میرا جی چاہا تھا آپؑ نے فرمایا اچھا جی چاہا تھا تو یہی سہی اب تیری ہے لے جا۔ یہ کہہ کر کھجوروں کی گٹھری اس کو دیدی۔'' (۱)

۱۸۔آپؑ نے کچھ لوگوں کے طنز کا جواب دیا

علی بن ابراہیم یا کسی دوسرے راوی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عبدالصمد بن علی بن عبداللہ بن عباس چند لوگوں کے ساتھ کہیں جانے کے لیے نکلا تو دیکھا کہ امام موسیٰ کاظمؑ اپنے بغلہ (خچر) پر سوار چلے آرہے ہیں۔تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا ذرا یہیں ٹھہرو میں موسیٰ بن جعفر کو چھیڑ کر تم لوگوں کو ہنساتا ہوں۔جب آپ اس کے قریب پہنچے تو اس نے آپ کو مخاطب کر کے کہا۔صاحب آپ نے یہ سواری اختیار کی ہے کہ نہ سفر کیلئے مناسب ہے نہ حضر کیلئے۔آپ نے فرمایا بات یہ ہے کہ اس کا قد گھوڑے سے ذرا چھوٹا ہے اور گدھے سے بڑا ہے۔(اور تجھے معلوم ہے کہ) درمیانی چیز سب سے بہتر ہوتی ہے۔ یہ سن کر عبدالصمد لاجواب ہو گیا اور آگے کچھ نہ کہہ سکا۔(۲)

۱۹۔آپؑ نے خچر کے جھوٹے مدّعی کے جھوٹ کو ثابت کیا

حماد بن عثمان کا بیان ہے کہ میں موسیٰ بن عیسیٰ کے اس گھر میں موجود تھا جو مقام سعی کے بالمقابل واقع تھا اور جہاں سے مقام سعی نظر آتا تھا ناگاہ اس نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ کاظمؑ اپنے خچر پر سوار مروہ سے چلے

---

(۱) بحار، جلد ۸، ص/ ۱۳۷ (۲) الکافی، جلد ۶، ص/ ۵۴

آرہے ہیں یہ دیکھ کراس نے اپنے ایک مصاحب خاص ابن ھیّاج سے کہا۔ جاؤان کے خچر کی لگام پکڑلواور دعویٰ کرو کہ یہ خچر ہمارا ہے۔ ابن ھیّاج نے فوراً بڑھ کر آپ کے خچر کی لگام تھام لی اور کہا یہ خچر تو میرا ہے۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ بن جعفرؑ اپنے خچر سے اترے اوراپنے غلام سے فرمایا زین اتارلو یہ خچراس کے حوالہ کردوابن ہیّاج نے کہا یہ زین بھی تو ہماری ہی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو جھوٹ کہتا ہے ہمارے پاس اس کا ثبوت ہے کہ یہ زین محمد بن علی کی ہے۔ رہ گیا خچر تو (اس کے لئے ہم نہیں کہہ سکتے اسلئے کہ) اسے ہم نے ابھی خریدا ہے۔ اسلئے تو نے جو دعویٰ کیا ہے اس کا علم تجھے ہے۔(۱)

۲۰۔ آپؑ کا حسن سلوک

محمد بن عبداللہ بکری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں مدینہ گیا تا کہ کسی سے کچھ قرض لوں مگر نا کام رہا۔ تو دل میں کہا کاش میں حضرت ابوالحسن موسیٰؑ کے پاس گیا ہوتا اوران سے اپنی تکلیف بیان کرتا۔ یہ خیال آتے ہی میں آپؑ کی خدمت میں گیا آپ اپنی زراعت پر تھے۔ مجھ کو دیکھ کر آپؑ نکلے آپ کے ساتھ آپ کا غلام تھا جس کے پاس ایک چھاج تھا جس میں خشک گوشت تھا جو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا تھا آپ کے ساتھ کوئی اور نہ تھا۔ آپ نے اسے کھایا اور میں نے بھی آپ کے ساتھ کھایا۔ آپ نے میری حاجت دریافت کی میں نے سارا قصّہ بیان کیا۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر میں باہر آئے غلام سے کہا یہاں سے جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے میری طرف ہاتھ بڑھایا اور تھیلی دی جس میں تین سو دینار تھے پھر آپ اٹھ کر چلے گئے اور میں بھی اپنی سواری پر سوار ہو کر واپس ہوا۔(۲)

آپؑ کے اخلاقی صفات پڑھ کر اس کو لکھنا مشکل ہے کہ آپ کا اخلاق اتنا بلند تھا کہ جو مصیبتیں آپ کو درپیش ہوتی تھیں ان کو صبر و بردباری کے ساتھ برداشت کرتے تھے آپ اپنے آرام وارادے کے پکّے تھے آپ کے عمل میں ذرا بھی خلل نہ پڑتا تھا آپ نے کبھی لبہائے مبارک شکایت کے لئے نہ کھولے تا کہ وہ آپ کی ذلت ورسوائی کا سبب بنے۔ آپ کا حاجتمندوں کی حاجت کو پورا کرنا اہلبیت رسالت کی صفت ہے جو آپ کو اپنے بزرگوں کی طرح قدرت کے عطا کردہ علمی وروحانی اعجاز سے منتقل ہوئی جو زندگی کا بلند ترین نمونہ اور

(۱) الکافی، جلد ۸، ص ۸۶ (۲) الارشاد، ص ۳۱۷

بیش بہا تمغہ ہے اور کسی بہادر و دلیر اور روحانی اقتدار کی سند ہے جس نے سنگدل حاکم وقت کو بھی آپؑ کی امامت کے اعتراف پر مجبور کر دیا تھا۔

امام موسیٰ کاظمؑ کے معجزات

علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپؑ کے کرامات ایسے ہیں کہ ''**تحار منها العقول** ''ان کو دیکھ کر عقلیں چکرا جاتی ہیں۔

۱۔ امامؑ لوگوں کے دلوں کے حال جان لیتے تھے

۱۴۹ھ میں شقیق بلخی حج کے لیئے گئے۔ان کا بیان ہے کہ جب میں مقام قادسیہ میں پہونچا تو میں نے دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت جوان جن کا رنگ سانولہ تھا۔ وہ ایک عظیم مجمع میں تشریف فرما ہیں۔جسم ان کا ضعیف ہے وہ اپنے کپڑوں کے اوپر ایک کمبل ڈالے ہوئے ہیں اور پیروں میں جوتیاں پہنے ہوئے ہیں۔تھوڑی دیر کے بعد وہ مجمع سے ہٹ کر ایک علیحدہ مقام پر جا کر بیٹھ گئے، میں نے دل میں سوچا کہ یہ صوفی ہے اور لوگوں پر زادِ راہ کے لئے بار بننا چاہتا ہے، میں ابھی اس کی ایسی تنبیہ کروں گا کہ یہ بھی یاد کرے گا، غرض یہ کہ میں ان کے قریب گیا۔ جیسے ہی میں ان کے قریب پہونچا ہوں، وہ بولے۔''اے شقیق بدگمانی مت کیا کرو یہ اچھا شیوہ نہیں ہے، اس کے بعد وہ فوراً اٹھ کر روانہ ہو گئے، میں نے خیال کیا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔انھوں نے میرا نام لے کر مجھے مخاطب کیا اور میرے دل کی بات جان لی، اس واقعہ سے میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ ہو نہ ہو یہ کوئی عبد صالح ہوں۔بس یہی سوچ کر میں ان کی تلاش میں نکلا اور ان کا پیچھا کیا، خیال تھا کہ وہ مل جائیں تو میں ان سے کچھ سوالات کروں، لیکن نہ مل سکے۔ان کے چلے جانے کے بعد ہم لوگ بھی روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے جب ہم ''وادیٔ فضہ'' میں پہونچے تو ہمنے دیکھا کہ وہی جوان صالح یہاں نماز میں مشغول ہیں اور ان کے اعضاء و جوارح بید کی مانند کانپ رہے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں یہ سوچ کر ان کے قریب گیا کہ اب ان سے معافی طلب کروں گا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو بولے اے شقیق! خدا کا قول ہے کہ جو توبہ کرتا ہے میں اسے بخش دیتا ہوں اس کے بعد پھر روانہ ہو گئے۔اب میرے دل میں یہ آیا کہ یقیناً یہ بندۂ عابد کوئی ابدال ہے، کیوں کہ دو بار یہ میرے ارادہ سے واقفیت ظاہر کر چکا ہے۔ میں نے ہر چند اس سے پھر ملنے کی سعی

کی ۔لیکن وہ نہ مل سکے۔ جب میں منزل زبالہ پر پہونچا تو دیکھا کہ وہی جوان ایک کنوئیں کی جگت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔اس کے بعد انھوں نے ایک کوزہ نکال کر کنوئیں سے پانی لینا چاہا۔ ناگاہ ان کے ہاتھ سے کوزہ چھوٹ کر کوئیں میں گر گیا۔ میں نے دیکھا کہ پھر انھوں نے آسمان کی طرف منھ کر کے بارگاہ احدیت میں کہا ''میرے پالنے والے جب میں پیاسا ہوتا ہوں تو ہی سیراب کرتا ہے اور جب بھوکا ہوتا ہوں ،تو ہی کھانا دیتا ہے۔خدایا! اس کوزہ کے علاوہ میرے پاس اور کوئی برتن نہیں ہے۔میرے مالک۔میرا کوزہ پر آب برآمد کردے۔اس جوان صالح کا یہ کہنا تھا کہ کنوئیں کا پانی بلند ہوا اور اوپر تک آ گیا۔آپ نے ہاتھ بڑھا کر اپنا کوزہ پانی سے بھرا پھر وضو کر کے چار رکعت نماز پڑھی۔اس کے بعد آپ نے ریت کی ایک مٹھی اٹھائی اور پانی میں ڈال کر کھانا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر میں عرض پرواز ہوا۔ جنابِ والا! مجھے بھی کچھ عنایت ہو میں بھوکا ہوں۔آپ نے وہی کوزہ میرے حوالے کر دیا۔جس میں ریت بھری تھی۔خدا کی قسم جب میں نے اس میں سے کھایا تو ایسا لذیذ ستو پایا جیسا میں نے کبھی کھایا ہی نہ تھا پھر اس ستو میں خاص بات یہ تھی کہ میں جب تک سفر میں رہا بھوکا ہی نہ ہوا۔اس کے بعد آپ نظروں سے غائب ہو گئے ۔ جب میں مکہ معظّمہ پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک بالو (ریت) کے ٹیلے کے کنارے مشغولِ نماز ہیں اور حالت آپ کی یہ ہے ۔کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور بدن پر خشوع و خضوع کے آثار نمایاں ہیں۔آپ نماز ہی میں مشغول تھے کہ صبح ہو گئی،آپ نے نماز صبح ادا فرمائی اور اس کے بعد اٹھ کر طواف سات بار کرنے کے بعد ایک مقام پر ٹھہرے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے گرد بے شمار حضرات ہیں اور سب بے انتہا تعظیم وتکریم کر رہے ہیں ۔میں چونکہ ایک ہی سفر میں کرامات دیکھ چکا تھا اس لئے مجھے بہت زیادہ فکر تھی کہ یہ معلوم کروں کہ یہ بزرگ ہیں کون؟ چنانچہ میں ان کے گرد جو لوگ جمع تھے ان کے قریب گیا اور میں نے پوچھا کہ یہ صاحبِ کرامات کون ہیں؟ انھوں نے کہا یہ فرزندِ رسول حضرت موسیٰ کاظمؑ ہیں۔ میں نے کہا بے شک ایسے کرامات جو میں نے دیکھے وہ اسی گھرانے کے لئے سزاوار ہیں۔''(۱)

۲۔امام موسیٰؑ نے والد بزرگوار کی وہ رازدارانہ بات بتائی

علی بن ابی حمزہ کا بیان ہے کہ میں حضرت موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں اس سن میں حاضر ہوا جس میں

(۱) مطالب السؤل ،ص/ ۲۷۹،نورالابصار،ص/ ۱۳۵،شواہدالنبوت ،ص ۱۹۳،صواعق محرقہ ،ص ۱۲۱،ارجح المطالب ،ص ۴۵۲، چودہ ستارے ،ص ۳۹۲

حضرت جعفر صادقؑ نے انتقال فرمایا تھا، تو میں نے عرض کیا۔ آپؑ کا سن کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، انیس/۱۹سال، میں نے عرض کیا، آپ کے پدرِ بزرگوار نے مجھ سے ایک راز کی بات کہی تھی اور ایک حدیث بیان فرمائی تھی، آپ بتائیں کہ انھوں نے مجھ سے کیا کہا تھا؟

تو حضرت ابوالحسنؑ نے فرمایا، تم سے میرے والد نے یہ یہ باتیں فرمائی تھیں، اور پھر آپؑ نے سب کچھ بیان فرما دیا۔(۱)

۳۔خط پڑھنے سے پہلے خطوط کے جواب بھیجے

اسماعیل بن سلام اور فلاں بن حمید کا بیان ہے کہ علی بن یقطین نے ہم دونوں کے پاس اپنا آدمی بھیجا اور کہلایا کہ تم لوگ دو سواریاں خرید لو اور مشہور راستہ سے ہٹ کر سفر کرو۔ پھر ہمیں کچھ رقم اور کچھ خطوط دیئے اور کہلایا کہ اسے حضرت موسیٰ بن جعفرؑ تک اس طرح پہونچاؤ کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ان راویوں کا بیان ہے کہ ہم کوفہ آئے اور دو سواریاں خریدیں اور سامانِ سفر لے لیا اور مشہور راستوں کو چھوڑ کر غیر معروف راستے سے چلے یہاں تک کہ بطن رمّہ پہنچے۔ وہاں اپنی سواریوں کو باندھا اور ان کے سامنے چارہ وغیرہ ڈال دیا۔ پھر خود کھانے کے لئے بیٹھ گئے ۔مگر ابھی ہم بیٹھے ہی تھے کہ دیکھا ایک سوار مع اپنے ملازم کے آرہا ہے۔ جب قریب آیا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت موسیٰ کاظمؑ ہیں۔ یہ دیکھ کر ہم سب تعظیماً کھڑے ہوگئے اور سلام کیا اور سارے خطوط اور رقم ان کی خدمت میں پیش کی۔ادھر آپؑ نے اپنی آستین سے بھی کچھ خطوط نکالے اور فرمایا لو، یہ تمہارے ان خطوط کے جواب ہیں۔ پھر ہم نے فرمایا ہمارا سامانِ سفر ختم ہو چکا ہے اگر آپ اجازت دیں تو مدینہ میں داخل ہوں وہاں روضۂ رسولؐ کی زیارت بھی کر لیں گے اور سامانِ سفر بھی لے لیں گے۔

آپ نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ کہ تمہارے پاس کتنا سامانِ سفر موجود ہے؟ ہم نے آپ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے الٹ پلٹ کر اسے دیکھا اور فرمایا، یہ اتنا سامان ہے کہ تم لوگ اس سے کوفہ تک بخوبی پہنچ جاؤ گے۔اب رہ گئی بات قبرِ رسولؐ کی تو زیارت ہو چکی۔ میں نے صبح کی نماز بھی انھیں لوگوں کے ساتھ پڑھی ہے اور اب ظہر کی نماز بھی انھیں لوگوں کے ساتھ پڑھوں گا۔لہٰذا تم لوگ یہیں سے واپس جاؤ۔(فی امان اللہ)(۲)

(۱) کشف الغمہ، جلد۳،ص/۴۲ (۲) رجال کشی،ص/۲۷۳

۴۔موت کی پیشینگوئی کے ساتھ جنت کی بشارت دی

عبداللہ بن یحییٰ کاہلی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نے حج کیا تو امام موسیٰؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا۔ اس سال جو عملِ خیر کرنا ہو کرلو، اس لیے کہ تمہاری موت قریب ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر میں رونے لگا، آپ نے فرمایا، کیا بات ہے کیوں رو رہے ہو؟ میں نے عرض کیا اس لیے کہ مجھے موت کی خبر دی گئی ہے، آپ نے فرمایا، اچھا تو یہ خوشخبری بھی سن لو کہ تم ہمارے شیعوں میں سے ہو اور خیر پر ہو۔

انطل کاہلی کا بیان ہے کہ پھر عبداللہ بن یحییٰ کاہلی تھوڑے دنوں کے بعد رحلت کرگیا۔(۱)

۵۔امامؑ نے عورت کے گھومے چہرہ کو سیدھا کیا

راوی کہتا ہے کہ سلیمان بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوالحسنؑ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ کچھ لوگ ایک عورت کو لائے کہ جس کا منھ پیچھے کی طرف پھر گیا تھا۔ آپؑ نے اپنا دایاں ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھا اور بایاں ہاتھ اس کے سر کے پیچھے رکھا۔ پھر دائیں طرف سے اس کے سر کو دبایا اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ﴿اِنَّ اللّٰـہ لایُغَیِّرُ مَابِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ﴾ (سورۂ رعد آیت:۱۱) تو اس عورت کا چہرہ پیچھے کی طرف سے آگے کی طرف پھر آیا۔ آپؑ نے اس عورت سے فرمایا۔ دیکھ جیسا تو نے کیا تھا۔ اب پھر ویسا کام نہ کرنا۔ لوگوں نے پوچھا فرزند رسولؐ! اس نے کیا کیا تھا؟ آپؑ نے فرمایا، اس کی بات پردہ میں ہی رہے گی جب تک یہ خود نہ بتانا چاہے۔ چنانچہ لوگوں نے اس سے پوچھا۔ ارے تو نے کیا کیا تھا۔ جو تیرا منھ پھر گیا تھا؟ اس نے کہا، بات یہ تھی کہ میری ایک سوت ہے ایک دن جب میں نماز کے لئے کھڑی ہوئی تو اسی اثناء میں مجھے خیال ہوا کہ شاید میرا شوہر میری سوت کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو میری سوت تنہا بیٹھی ہوئی تھی، میرا شوہر اس کے ساتھ نہ تھا۔ اس دن سے میرا منھ ویسے ہی مڑا کا مڑا رہ گیا۔(۲)

۶۔امام موسیٰ کاظمؑ کی جگہ امامت کا دعویٰ غلط ثابت ہوا

مفصل بن عمر سے روایت ہے کہ جب حضرت جعفر صادقؑ نے وفات فرمائی تو امامت کے لئے آپ

---

(۱) رجال کشی، ص/۲۸۰ (۱) تفسیر عیاشی، جلد۲، ص/۲۰۵۔ بحارالانوار، جلد۸، ص/۵۸

کی وصیّت اپنے فرزند حضرت موسیٰ کاظمؑ کے لئے تھی۔ مگر ان کے بھائی عبداللہ نے امامت کا دعویٰ کر دیا۔ وہ اس وقت امام جعفر صادقؑ کی اولادوں میں سب سے بڑے تھے اور افطح کے نام سے مشہور تھے۔ اس پر امام موسیٰ کاظمؑ نے حکم دیا کہ بہت سی لکڑیاں جمع کرو اور اپنے بھائی عبداللہ کو بلوایا اور امامیہ فرقے کے متدین اور ذی وقار اشخاص کو بھی مدعو کیا۔ ان سب حضرات کی موجودگی میں لکڑیوں میں آگ لگائی گئی۔ جب تمام لکڑیاں جل کر انگاروں کی شکل میں ہوگئیں تو حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اپنے مقام سے اٹھے اور ان انگاروں کے درمیان جا کر تشریف فرما ہوئے اور کچھ دیر تک وہیں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے پھر اٹھے اور اپنے لباس سے راکھ کو جھاڑتے ہوئے سامعین اور مدعوین حضرات کے ساتھ آ کر تشریف فرما ہوگئے۔ اس کے بعد اپنے بھائی سے فرمایا، کہ اے برادر اگر آپ کا گمان ہے کہ آپ امام ہیں تو آپ بھی آگ کے ان شعلوں اور انگاروں میں بیٹھ کر اپنی صداقت کا مظاہرہ کریں۔

لوگوں کا بیان ہے کہ یہ سن کر عبداللہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہاں سے اٹھے اور اپنی ردا سنبھالتے ہوئے امام موسیٰ کاظمؑ کے مکان سے چلے گئے۔(۱)

۷۔ امامؑ کو علم غیب سے لوگوں کی زندگی کا علم تھا

اسحاق بن منصور کے باپ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جب امام موسیٰ بن جعفرؑ اپنے ایک شیعہ کو اس کی موت کی خبر دے رہے تھے تو میں نے اپنے دل میں کہا، اچھا ان کو یہاں تک معلوم ہے کہ ان کا کون سا شیعہ کب مرے گا۔ میرے دل میں یہ خیال آتے ہی وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا جو کچھ کرنا ہو کر ڈالو تمہاری زندگی بھی ختم ہوا چاہتی ہے اور اب اس میں دو سال سے بھی کم رہ گئے ہیں اور اسی طرح تمہارا بھائی بھی۔ وہ تمہارے ایک ماہ کے بعد مرے گا اور تمہارے خاندان کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا دشمن طعنہ زنی کریں گے اور وہ لوگ اپنے بھائیوں کے رحم و کرم پر رہیں گے۔ بتاؤ کیا یہ تمہارے دل میں تھا؟ میں نے کہا استغفر اللہ۔

پھر منصور کو دو سال بھی پورے نہیں ہوئے کہ وہ مر گیا۔ اس کے بعد ایک ماہ گذرا تھا کہ اس کا بھائی مر

(۱) الخرائج والجرائح، ص/۲۰۰

گیا۔ پھراس کے خاندان کے بہت سے لوگ مر گئے اور جو باقی رہ گئے وہ افلاس اور تنگدستی میں مبتلا ہو گئے اور واقعی اس کے خاندان کا شیرازہ بکھر گیا نوبت یہاں تک پہنچی کہ صدقات پر بسر اوقات کرنے لگے۔(۱)

۸۔دشمنانِ اہلبیت پر عذاب کو دکھایا

داؤد رقی کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا کہ دشمنانِ اہلبیت کا مرنے کے بعد کیا حال ہوتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، سننا چاہتے ہو یا دیکھنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا، دیکھنا چاہتا ہوں، آپؑ نے موسیٰ کاظمؑ سے فرمایا، ذرا میرا عصا لے آؤ۔ وہ جا کر عصا لے آئے، تو فرمایا اے موسیٰؑ اس عصا کو زمین پر مارو اور انھیں دشمنانِ اہلبیت کا حال دکھاؤ انھوں نے عصا کو زمین پر مارا تو زمین شق ہو گئی اور ایک سیاہ سمندر نظر آیا اور سیاہ سمندر پر عصا مارا تو سمندر پھٹ گیا اور ایک سیاہ چٹان نمودار ہوئی پھر اس چٹان پر عصا مارا تو ایک دروازہ نمودار ہوا۔ اس دروازے میں دیکھا تو بے شمار لوگ نظر آئے جن کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی تھیں ان میں سے ہر ایک اس چٹان کے کنارے سے بندھا ہوا تھا اور وہ لوگ چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے۔ یا محمّد اور جہنم کے شعلے ان کے چہروں پر مارے جاتے تھے، وہ چیختے اور یا محمد! کہتے تھے تو جواب میں کہا جاتا تھا۔ ''جھوٹ بولتے ہو'' نہ محمّد تمہارے ہیں اور نہ تم محمّد کے ہو۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ میں آپؑ پر قربان، یہ کون لوگ ہیں؟ آپؑ نے فرمایا یہ لوگ جبت وطاغوت اور نجس اور لعین ابن لعین ہیں اور آپؑ ایک ایک کو بتاتے جا رہے تھے یہاں تک کہ اصحاب سقیفہ، اصحاب فتنہ، بنی ازرق، بنی اوزاع اور بنی امیہ، وغیرہ کی نشاندہی بھی کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر ہر صبح وشام تجدید عذاب کرتا رہے۔

پھر آپؑ نے چٹان کو حکم دیا انہیں وقتِ معلوم تک کے لئے ڈھانپ کر رکھو۔''(۲)

۹۔اصحاب احقاف کی نشاندہی

ایک مرتبہ خلیفہ مہدی حج کے لئے روانہ ہوا جب مقام فتق العبادی پر پہنچا تو لوگ پیاس سے بے چین ہو گئے۔ اس نے حکم دیا کہ کنواں کھودا جائے۔ جب لوگ پانی کے قریب پہونچے تو کنویں سے ایسی ہوا نکلی کہ

---

(۱) بصائر الدرجات، جلد۲، ص/۲۷۔ الخرائج والجرائح ص/۲۰۰۔ بحار الانوار، جلد۸، ص/۹۱ (۲) عیون المعجزات، ص/۸۶

ڈول اندر گر گیا اور لوگ کام سے معطل ہوگئے۔کام کرنے والے باہر نکل آئے کہ جان سے ہاتھ دھونا نہ پڑے۔علی بن یقطین نے دو آدمیوں کو رقم کثیر دی کہ اس کنویں کو مزید کھودیں وہ اندر اترے تھوڑی دیر اندر رہے اور دہشت زدہ ہوکر باہر نکل آئے۔ان کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا ان دونوں سے پوچھا کہ واقعہ کیا ہوا؟ تو ان دونوں نے کہا اس میں تو ہمیں بہت سے کھنڈر اور ساز وسامان نظر آئے نیز اس میں بہت سے مرد اور عورتیں دیکھیں جب ہم ان کی چیز کو ہاتھ لگاتے وہ پاش پاش اور ذرّہ ذرّہ ہوجاتیں۔

خلیفہ مہدی نے اس کے متعلق لوگوں سے پوچھا مگر کوئی کچھ نہ بتاسکا۔حضرت موسیٰ بن جعفرؑ نے فرمایا یہ اصحاب احقاف ہیں۔اللہ نے ان پر عذاب نازل کیا ہے ان کی پوری آبادی اور پورے اموال سب مسخ ہوکر رہ گئے۔(۱)

۱۰۔امام موسیٰؑ کو درندوں کے کٹہرے میں ڈلوایا

فضل بن ربیع کا بیان ہے ایک دن صبح کے وقت ہارون رشید نے اپنے حاجب کو بلایا اور کہا کہ جاؤ علی بن موسیٰ جعفرؑ کو قید خانہ سے نکال کر درندوں کے کٹہرے میں ڈال دو۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ نرم ہوجائے مگر اس کا غصّہ اور بڑھ گیا اور اس نے کہا کہ اگر تم نے ان کو درندوں کے کٹہرے میں نہ ڈالا تو ان کے عوض میں تم کو ڈال دوں گا۔

پھر میں حضرت علی بن موسیٰؑ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ امیر المومنین کا یہ حکم ہے۔آپؑ نے فرمایا جو تم کو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کرو میں اللہ سے مدد کا طالب ہوں۔ یہ کہہ کر آپ اس تعویذ کو لے کر آگے بڑھے اور میرے ساتھ ساتھ چلے یہاں تک کہ کٹہرے تک پہنچے میں نے بڑھ کر کٹہرے کا دروازہ کھولا اور اس میں آپ کو داخل کردیا اس میں چالیس درندے تھے۔مگر مجھے انتہائی غم اور قلق تھا کہ میرے ہاتھ سے ایسے بزرگ کا قتل ہورہا ہے اس کے بعد میں اپنے گھر واپس آگیا (یہ واقعہ دن کا تھا) اب جب آدھی رات گزری تو ہارون کا خادم میرے پاس آیا اور کہا کہ امیر المومنین تم کو بلا رہے ہیں۔میں فوراً پہنچا تو ہارون نے مجھ سے کہا کہ پرسوں شب مجھ سے کوئی خطا اور بڑا گناہ سرزد ہوا۔میں نے اس شب کو ایک ہولناک خواب دیکھا اور یہ دیکھا کہ کچھ لوگ میرے پاس آئے جو ہر طرح اسلحوں سے آراستہ تھے اور ان کے درمیان ایک مرد تھا جس کا

(۱) مناقب ابن شہر آشوب، جلد۳،ص/ ۴۲۶،الخرائج الحوائج،ص/۲۵۳

چہرہ چاند کی طرح نورانی تھا۔ یہ دیکھ کر میرے اوپر اس کی ہیبت طاری ہوگئی۔ کسی نے کہا یہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب صلوٰۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ سن کر میں آگے بڑھا کہ ان کے قدم کے بوسے لوں۔ انہوں نے منہ پھیر لیا اورفرمایا:۔﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾

(سورۂ محمد، آیت ۲۲)

اور یہ فرما کر رخ موڑا اور ایک دروازے میں داخل ہوگئے۔ یہ خواب دیکھ کر میں بیدار ہوا تو مجھے بیحد خوف محسوس ہوا۔ میں نے کہا یا امیر المومنین آپ نے حکم دیا تھا کہ علی ابن موسیٰ کو درندوں کے کٹہرے میں ڈال دو۔ ہارون نے کہا وائے ہو تجھ پر کیا تو نے ان کو ڈال دیا؟ میں نے کہا جی ہاں! قسم خدا کی، اس نے کہا مگر اب جا کر دیکھ تو کہ ان کا کیا حال ہے۔ تو فوراً میں نے اپنے ہاتھ میں ایک شمع لی اور جا کر دیکھا وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور سارے درندے آپؑ کے اردگرد ہیں۔ یہ دیکھ کر میں واپس ہوا اور ہارون کو اطلاع دی مگر اس کو یقین نہ آیا اور جا کر خود دیکھا تو ان کو اسی حال میں پایا اور فوراً بولا مجھے معاف کردو میں معذرت خواہ ہوں آپؑ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے مجھے بچایا میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔ پھر حکم دیا کہ علی بن موسیٰ کو باہر نکال لیا جائے۔

راوی کا بیان ہے خدا کی قسم ایک درندے نے بھی ان کا پیچھا نہیں کیا۔ آپؑ کٹہرے سے باہر نکل کر جب ہارون رشید کے پاس پہونچے تو اس نے گلے لگایا اور انھیں اٹھا کر اپنے تخت پر بٹھایا۔ اور کہا اے ابن عم اگر تم یہاں ہم لوگوں کے پاس رہنا چاہو تو یہاں بھی تمہارے لئے بہت وسیع جگہ ہے اور میں نے تمہارے اور تمہارے اہل وعیال کے لئے مال اور لباس دئے جانے کا حکم دے دیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا مجھے نہ تیرے مال کی ضرورت ہے اور نہ لباس کی ہاں قریش میں چند مستحق ہیں یہ سب ان پر تقسیم کردو اس کے بعد آپؑ نے چند آدمیوں کے نام بتائے۔ ہارون نے ان لوگوں کو مال اور لباس دیئے جانے کا حکم دے دیا۔(۱)

۱۱۔ امامؑ کی نشر الموت

مسافر سے روایت ہے۔ اس کا بیان ہے کہ جب حضرت موسیٰ بن جعفرؑ کو آخری بار گرفتار کر کے لے جایا گیا تو آپ نے حضرت ابوالحسن امام رضاؑ کو ہدایت فرمائی کہ جب تک تمہارے پاس میری موت کی کوئی خبر نہ

(۱) مہج الدعوات، ص/ ۲۴۸

آئے تو تم روزانہ شب کو میرے دروازے پر سویا کرنا۔ مسافر کا بیان ہے کہ میں ہر شب کو حضرت ابوالحسن رضاؑ کے لئے ڈیوڑھی پر بستر لگا دیا کرتا تھا۔ آپؑ بعد عشاء کے تشریف لاتے اور وہیں آرام فرماتے اور صبح کو اپنے گھر واپس جاتے تھے۔ یہ سلسلہ چار سال جاری رہا۔ ایک شب آپؑ کے آنے میں تاخیر ہوئی، بستر لگا دیا گیا تھا مگر آپ اپنے معمول کے مطابق تشریف نہیں لائے۔ جس کی وجہ سے گھر والے بہت پریشان ہوئے اور ان کے دل میں کوئی بڑا خطرہ محسوس ہونے لگا۔

آپ دوسرے روز تشریف لائے، گھر میں تشریف لے گئے، ام احمد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، میرے پدر بزرگوار نے جو امانتیں تیرے حوالے کی تھیں وہ مجھے لا کر دیدے۔ یہ سن کر وہ چیخنے لگی اور اپنا منہ پیٹا اور گریبان چاک کیا اور کہا ہائے میرے سید و آقا نے وفات پائی۔ آپ نے اس کو منع کیا اور فرمایا کہ جب تک والئ مدینہ کے پاس اس کی خبر نہ آجائے تم لوگ اپنے منھ سے کچھ نہ نکالو اور نہ کسی پر اس کا اظہار کرو جس پر ام احمد خاموش ہو گئی اور اس نے ایک ٹوکری اور دو ہزار یا چار ہزار دینار نکالے اور سب حضرت ابوالحسنؑ کو دے دیئے۔

ام احمد کا بیان ہے کہ حضرت ابو ابراہیم موسیٰ بن جعفرؑ کا مجھ پر خاص کرم تھا۔ آپؑ نے چلتے وقت تنہائی میں فرمایا تھا کہ اے ام احمد! ان امانتوں کو حفاظت سے رکھنا۔ میری موت سے پہلے کسی کو نہ بتانا۔ میری وفات کے بعد میری اولاد میں سے کوئی تمہارے پاس آکر یہ امانت طلب کرے اس کو دینا اور یہ سمجھ لینا کہ میری وفات یقیناً ہو چکی ہے پھر میرے آقا نے جو علامات بتائی تھیں وہ سب میرے سامنے آئیں۔

الغرض امام رضاؑ نے وہ امانتیں لے لیں اور اہل خانہ کو مزید ہدایت فرمائی کہ جب تک وفات کی خبر نہ آئے خاموشی اختیار کریں۔ اس کے بعد آپؑ دروازے پر سونے کے لئے نہیں آئے۔ ادھر ہم لوگ چند دن خاموش رہے کہ آپؑ کی موت کی اطلاع نامہ آیا۔ میں نے دن شمار کیے اور وقت بھی یاد رکھا تو وہی دن اور وقت تھا جس دن امام رضاؑ نے امِ احمد سے وہ امانتیں طلب فرمائی تھیں اور دروازے پر سونا موقوف کیا تھا۔(۱)

۱۲۔ امام موسیٰ کاظمؑ کی زہر خوانی

علی بن محمّد بن زیاد صمیری سے، نیز دیگر جہات صحیحہ سے روایت ہے کہ امام موسیٰ بن جعفرؑ کے سامنے

(۱) الکافی، جلد۱، ص/۳۸۱

زہر آلود رطب رکھے ہوئے تھے جن میں سے آپ نے دس رطب کھا لئے تھے کہ سندی بن شاہک سامنے آیا اور پوچھا کچھ اور چاہیے ہے؟

آپؑ نے فرمایا، بس کافی ہیں۔ میں نے حسب ضرورت کھا لیے اس کے بعد اس نے آپ کی وفات سے قبل قاضیوں اور عادلوں کو بلا کر انھیں دکھایا اور کہا، لوگ کہتے ہیں کہ ابوالحسن بہت سختی اور اذیت میں ہیں۔ اب تم لوگ دیکھ لو کہ یہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں نہ انھیں کوئی مرض ہے نہ ان پر سختی کی گئی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوالحسنؑ ان لوگوں کی طرف ملتفت ہوئے اور فرمایا، تم لوگ گواہ رہو مجھے مسلسل تین دن سے زہر دے کر قتل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے میں بظاہر صحیح نظر آتا ہوں لیکن مجھے زہر دیا جا چکا ہے۔ جس کے اثر سے آج شام کو میرا جسم بے حد سرخ ہو جائے اور کل بے حد زرد، پھر پرسوں بے حد سفید ہو جائے گا اور اس کے بعد میں جوارِ رحمت الٰہی میں چلا جاؤں گا۔ پھر آپ نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ تیسرے دن آپ نے انتقال فرمایا۔

آپؑ کا انتقال ۱۸۳ھ میں ہوا۔ اس وقت آپ کا سن چون/۵۴، سال کا تھا۔ آپؑ نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ بیس/۲۰، سال گزارے اور ان کے بعد تنہا اپنی امامت کے عہد میں چونتیس/۳۴ سال بسر کئے''۔(۱)

۱۳۔ امام کے روضۂ اقدس کا معجزہ

صاحب کشف الغمّہ نے ان ہی سے روایت کی ہے کہ بعض صدور عراق سے یہ عظیم واقعہ سنا گیا ہے جو حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کے شرف ومنقبت وعلوئے مرتبت اور عنداللہ تقرب ومنزلت کی واضح دلیل ہے اور یہ واقعہ آپؑ کی وفات کے بعد رونما ہوا اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ زندگی میں جو کرامت ظاہر ہوتی ہے اس سے زیادہ اہم وہ کرامت ہے جو بعد وفات ظاہر ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ خلفائے بغداد میں سے کسی خلیفہ کا کوئی وزیر اعظم تھا جو بڑی شان وشوکت اور سطوف و جبروت رکھتا تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کی عظمت کے پیش نظر خلیفہ نے یہ چاہا کہ اسے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی ضریح کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ آپؑ کے روضہ کا ایک مہتم تھا جو بڑا امر دِ صالح تھا جو روضہ کی دیکھ بھال

(۱) عیون المعجزات، ص/۹۵۔ بحارالانوار، جلد ۸، ص/۲۸۷

بھال اور خدمت بہت اچھی طرح کیا کرتا تھا۔

اس مہتمم کا بیان ہے کہ اس وزیر اعظم کے دفن کے بعد وہ (مہتم) روضہ پر ہی شب کو سو گیا۔ تو اس نے خواب میں دیکھا کہ اس وزیر اعظم کی قبر شگافتہ ہوئی اور اس میں سے آگ کے شعلے بلند ہوئے جس کا دھواں اور بدبو ہر طرف پھیل گئی۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت امام موسیٰ کاظم بن جعفرؑ ایک طرف کھڑے ہوئے اس خدام و مہتمم کا نام با آواز بلند لے کر فرما رہے ہیں کہ اے فلاں تو اس خلیفہ سے کہہ دے کہ تو نے اس ظالم کو میرے پہلو میں دفن کر کے مجھے سخت اذیت دی ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کو بہت سخت وسست کہا۔

یہ خواب دیکھ کر خدام بیدار ہوا اور مارے خوف کے کانپنے لگا۔ اس نے خلیفہ کو ایک عرضی لکھی جس میں اپنا تمام خواب بھی تحریر کیا۔ شب کے وقت خلیفہ اس روضۂ مطہّر پر آیا، خدام کو بلایا اور اس کے ساتھ روضۂ اقدس میں داخل ہوا اور اس وزیر کی قبر کو کھودنے کا حکم دیا۔ قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ اس کی قبر میں لاش کے بجائے جلی ہوئی سیاہ رنگ کی ہڈیوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ چنانچہ وہ ہڈیاں وہاں سے نکال کر دوسری جگہ منتقل کر دی گئیں۔(۱)

---

(۱) کشف الغمۃ، جلد ۳، ص/ ۷۔ بحار الانوار، جلد ۸، ص/ ۱۰۷

بسم الله الرحمن الرحیم

(باب دہم)

امام علی رضا –

''ابوالحسن''

- ولادت: ۱۱/ذی قعدہ، ۱۵۳ھ یوم پنجشنبہ بمقام مدینہ منورہ
- شہادت: ۲۳/ذی قعدہ، ۲۰۳ھ یوم جمعہ بمقام طوس
- والد : امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
- والدہ: ام البنین عرف نجمہ
- زوجہ: جناب خیزران عرف سکینہ
- بیٹے : امام محمد تقی علیہ السلام اور دوسرے بیٹے
- بیٹیاں: زیادہ تر علماء کرام کہتے ہیں کہ کوئی بیٹی نہ تھی

امام علی رضاؑ کے حالات

امام علی رضاؑ رسولؐ خدا کے آٹھویں جانشین اور انوارِ معصومینؑ کی دسویں کڑی تھے۔آپؑ کے والد ماجد حضرت امام موسیٰ کاظمؑ تھے اور والدہ ماجدہ جناب ام البنین عرف نجمہ تھیں۔جناب نجمہ کے متعلق علماء کا بیان ہے کہ آپ کا شمار اشرافِ عجم میں تھا اور آپ عقل و دیانت کے لحاظ سے افضل النساء تھیں۔(حمیدہ خاتون) یعنی امام موسیٰ کاظمؑ کی والدہ کا فرمانا تھا کہ میں نے ام البنین سے بہتر کسی عورت کو نہیں پایا۔

''علی بن میثم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ جب امام موسیٰ بن جعفرؑ کی والدہ حضرت حمیدہ نے حضرت امام رضاؑ کی والدہ نجمہ کو خریدا تو حمیدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ حضرت رسولِ اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

> اے حمیدہ! یہ تیری کنیز نجمہ تیرے فرزند موسیٰ کے لئے مخصوص ہے۔اس کے بطن سے ایک ایسا بچّہ پیدا ہوگا جو تمام اہل زمین میں سب سے بہتر ہوگا۔تو حسبِ ہدایت رسولِ اکرمؐ میں نے نجمہ کو اپنے فرزند موسیٰؑ کو ہبہ کر دیا اور جب اس کے بطن سے امام رضا علیہ السلام پیدا ہوئے تو نجمہ کا نام طاہرہ رکھ دیا گیا۔الغرض ان کے بہت سے نام ہیں جن میں نجمہ۔اردی،سکن ،سمان اور تکتم بھی ہیں۔

علی بن میثم کا بیان ہے کہ میں نے اپنی ماں کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب جناب حمیدہ نے جناب نجمہ کو خریدا تو نجمہ باکرہ تھیں۔(۱)

آپؑ کی ولادت باسعادت

علماء و مؤرخین کا بیان ہے کہ آپ بتاریخ ۱۱/ذی قعدہ ۱۵۳ھ یوم پنجشنبہ مقام مدینہ منوّرہ میں متولد ہوئے۔(۱)

---

(۱) عیون اخبار الرضا،ص/۱۶۔۱۷

(۲) اعلام الوریٰ،ص/۱۸۲۔جلاء العیون،ص/۲۸۰۔روضۃ الصفا،جلد۳،ص/۱۳۔انوار نعمانیہ،ص/۱۲۷۔چودہ ستارے،ص/۱۹

حضرت امام رضاؑ اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص ''معصوم'' علم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ علاّمہ ابن حجر مکّی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں میں جلیل القدر اور عظیم المرتبت تھے۔(۱)

آپ کی ولادت کے متعلق علامہ مجلسی اور علامہ محمد پارسا تحریر فرماتے ہیں کہ جناب ام البنین کا کہنا ہے کہ جب تک امام علی رضا میرے بطن میں رہے (مجھے حمل کی گرانباری مطلقاً محسوس نہیں ہوئی) میں اکثر خواب میں تسبیح وتہلیل اور تحمید وتمجید کی آوازیں سنا کرتی تھی۔ جب امام رضاؑ پیدا ہوئے تو آپ نے زمین پر تشریف لاتے ہی اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے اور اپنا فرق مبارک آسمان کی طرف بلند کردیا۔ آپ کے لبہائے مبارک جنبش کرنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے آپ خدا سے کچھ باتیں کررہے ہیں، اسی اثناء میں امام موسیٰ کاظمؑ تشریف لائے اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تمھیں خداوند عالم کی یہ عنایت وکرامت مبارک ہو۔ پھر میں نے مولود مسعود کو آپ کی آغوش میں دے دیا۔ آپ نے اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ اس کے بعد آپؑ نے ارشاد کیا کہ اسے لے لو یہ زمین پر خدا کی نشانی ہے اور میرے بعد حجت اللہ کے فرائض کا ذمّہ دار ہے۔ ابن بابویہ فرماتے ہیں کہ آپؑ دیگر آئمہؑ کی طرح مختون اور ناف بریدہ متولد ہوئے تھے۔(۲)

مورخین کا بیان ہے کہ امام رضاؑ نے ۱۴۸ھ میں اپنے جد بزرگوار امام جعفر صادقؑ کی رحلت کے ٹھیک ۱۶/روز بعد میدان حیات میں قدم رکھا اور دنیائے علم ومعرفت اور عالم فضیلت وتقویٰ کو اپنے قدم مبارک سے زینت وافتخار بخشا۔ 'رہنمایان اسلام' میں آپؑ کی ولادت امام جعفر صادقؑ کی وفات کے تقریباً ایک ماہ کے بعد ہوئی تھی۔

نقش خاتم

آپؑ کے رواۃ میں سے یونس کا بیان ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے مجھ سے خود فرمایا کہ میری انگوٹھی کے نگینہ پر ''ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ'' کندہ ہے۔(۳)

کچھ علماء کا کہنا ہے کہ ''حضرت امام رضا علیہ السلام کا نقشِ خاتم ''ولی اللہ'' تھا۔(۴)

---

(۱) صواعق محرقہ، ص/۱۲۲ (۲) نعل الخطاب وجلاء العیون، ص/۲۷۹ (۳) الکافی، جلد۶، ص/۴۷۳ (۴) بحار الانوار، جلد۵، ص/۵

اسم گرامی، کنیت والقاب

آپؑ کے والد ماجد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے لوح محفوظ کے مطابق اور تعیین رسولؐ کے موافق آپؑ کو ''اسم علی'' میں موسوم فرمایا، آپ آلِ محمدؐ میں کے تیسرے ''علی'' ہیں۔(۱)

آپؑ کی کنیت ''ابوالحسن'' تھی اور آپ کے القاب رضا، صابر، زکی، ولی، رضی، وصی تھے۔

''واشھر الرضاء'' اور مشہور ترین لقب رضا تھا۔(۲)

آپ کو پورے نام ولقب کے ساتھ یاد کیا جائے تو امام ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کہا جائے گا۔

لقب رضاء کی توجیہ

سلیمان بن حفص کا بیان ہے کہ حضرت امام موسیٰؑ بھی اپنے فرزند علیؑ کو ''رضا'' کے نام ہی سے پکارتے تھے اور فرمایا کرتے کہ میرے فرزند رضا کو بلاؤ یا، میں نے اپنے فرزند رضا سے یہ کہا، یا میرے فرزند رضا نے مجھ سے یہ کہا اور جب آپ اپنے فرزند کو مخاطب کرتے تو فرماتے یاابوالحسن!(۳)

علاّمہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کو رضا اس لیے کہتے تھے کہ آسمان وزمین میں خداوند عالم، رسول اکرمؐ اور آئمہ طاہرینؑ نیز تمام مخالفین وموافقین آپ سے راضی تھے۔(۴)

وارث امامت کی گواہی

حسین بن یسار کا بیان ہے کہ ابن قیاما واسطی نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو ایک خط لکھا اور اس میں تحریر کیا کہ آپ کیسے امام ہو سکتے ہیں۔ آپ کے تو کوئی فرزند ہی نہیں (جو آگے اس سلسلہ کو بڑھائے) حضرت امام رضاؑ نے اس کو جواب میں تحریر کیا۔ تجھے کیسے معلوم کہ میرے کوئی فرزند نہ ہوگا؟ خدا کی قسم چند ہی دنوں میں اللہ مجھے ایسا فرزند دینے والا ہے جو حق و باطل میں فرق پیدا کر دے گا۔''(۵)

ابو یحییٰ صنعانی کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوالحسن امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے اپنے

---

(۱) اعلام الوریٰ، ص/ ۲۲۵، مطالب السؤول، ص/ ۲۸۲ (۲) نور الابصار، ص/ ۱۲۸، وتذکرہ خواص الامۃ، ص/ ۱۸۸

(۳) عیون اخبار الرضا، جلد ۱، ص/ ۱۴ (۴) اعلام الوریٰ، ص ۱۸۲ (۵) ارشاد، ص/ ۲۹۸۔ کافی، ص/ ۳۲۰

اپنے فرزند ابوجعفرکو بلایا، وہ اس وقت بچّے تھے۔آپ نے فرمایا دیکھو! یہ وہ بچہ ہے کہ اس سے زیادہ بابرکت کوئی اور بچہ ہمارے شیعوں کے لئے نہیں ہے۔(۱)

محمد بن اسماعیل بن فضل ہاشمی کا بیان ہے کہ میں حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی خدمت میں بغرض عیادت گیا، آپ شدید بیمار تھے۔ میں نے عرض کیا: ''مولا! یہ فرمائیے کہ خدانخواستہ اگر وہ امر واقع ہوجائے جس کے نہ ہونے کی ہم لوگ اللہ سے دعا کرتے ہیں، تو پھر اس کے بعد ہم کس کی طرف رجوع کریں؟ آپؑ نے ارشاد فرمایا ''میرے فرزند علیؑ کی طرف۔ ان کا لکھا، میرا لکھا ہے۔ وہ میرے بعد میرے جانشین اور وصی ہیں۔''(۲)

داؤد بن زربی کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں کچھ مال لے کر حاضر ہوا، تو آپؑ نے اس میں سے کچھ لے لیا، اور کچھ چھوڑ دیا، میں نے عرض کیا: ''خدا آپؑ کو سلامت رکھے، یہ آپؑ نے میرے پاس کیوں چھوڑ دیا؟'' آپؑ نے ارشاد فرمایا: اس کو امرِ امامت کا مالک تم سے خود ہی طلب کرے گا۔ پس جب آپؑ کی وفات کی خبر آئی تو حضرت ابوالحسن علی الرضاؑ نے میرے پاس آدمی بھیجا اور وہ مال مجھ سے طلب فرمایا جو میں نے انھیں دے دیا۔(۳)

حسن بن حسن کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوالحسن موسیٰؑ سے عرض کیا کہ کیا میں آپ سے کچھ دریافت کروں؟ آپ نے فرمایا: اپنے امام سے دریافت کرو۔ میں نے عرض کیا: آپ کا مقصود کون ہیں، میں تو آپؑ کے سوا کسی دوسرے کو امام نہیں جانتا۔ آپؑ نے فرمایا کہ وہ میرے فرزند علیؑ ہیں، میں نے انھیں اپنی کنیت بھی دے دی ہے۔ میں نے عرض کیا مولا، مجھے جہنم سے نجات دلائیے۔ آپ کے پدرِ عالی قدر حضرت ابوعبداللہ (جعفر صادقؑ) نے فرمایا تھا کہ آپ اس امر امامت کے قائم ہیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ (انھوں نے ٹھیک ہی فرمایا ہے) کیا میں قائم نہیں رہا؟۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے حسن سنو! ہر امام جب تک اپنی امت میں رہتا ہے وہ اپنی امت میں قائم رہتا ہے اور جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کے بعد آنے

---

(۱) ارشاد، ص/ ۲۹۸۔ کافی، جلد ۱، ص ۳۲۰ (۲) عیون الاخبار الرضا، جلد ۱، ص ۲۰

(۳) ارشاد، ص/ ۲۸۶۔ کافی، جلد/ ص/ ۳۱۳، غنیۃ طوسی، ص/ ۲۹، رجال کشی، ص/ ۲۶۵

آنے والا امام قائم اور حجّتِ خدا بن جاتا ہے اور اپنی وفات تک قائم رہتا ہے۔ اس طرح ہم میں سے ہر امام قائم ہے۔ لہٰذا آج تک وہ تمام معاملات جو تم ہم سے کرتے تھے وہ اب میرے فرزند علیؑ سے کرنا۔

خدا کی قسم، میں نے یہ کام خود سے نہیں کیا ہے بلکہ اللہ نے یہ بر بنائے محبت کیا ہے(۱)

وصیت امام موسیٰ کاظمؑ

امام موسیٰ کاظمؑ کو معلوم تھا کہ حکومتِ وقت کی باگ ڈور اس وقت ہارون رشید عباسی کے ہاتھوں میں ہے جو آپ کو آزادی کی سانس نہ لینے دے گی اور ایسے حالات پیش آسکتے ہیں کہ عمر کے آخری حصّے میں اور دنیا کو چھوڑنے کے موقع پر دوستان اہل بیتؑ کا آپ سے ملنا یا بعد کے لیے راہنما کا دریافت کرنا غیر ممکن ہو جائے گا۔ اس لئے آپؑ نے انہیں آزادی کے دنوں میں اور سکون کے اوقات میں جب کہ آپ مدینہ میں تھے پیروانِ اہلبیتؑ کو اپنے بعد ہونے والے امام سے روشناس کرانے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ چنانچہ اولادِ علیؑ و فاطمہؑ میں سے سترہ (۱۷) آدمی جو ممتاز حیثیت رکھتے تھے انھیں جمع فرما کر اپنے فرزند حضرت علی رضاؑ کی وصایت اور جانشینی کا اعلان فرما دیا اور ایک وصیت نامہ تحریراً بھی مکمّل فرمایا، جس پر مدینہ کے معززین میں سے ساٹھ (۶۰) آدمیوں کی گواہی لکھی گئی۔ یہ اہتمام دوسرے ائمہ کے یہاں نظر نہیں آیا۔ صرف ان خصوصی حالات کی بناء پر جن سے دوسرے ائمہ اپنی وفات کے موقع پر دوچار نہیں ہونے والے تھے۔(۲)

عبادت، زہد، تقویٰ

امام علی رضاؑ کی عبادت کی یہ حالت تھی کہ راتوں کو بہت کم سوتے اور اکثر راتوں میں صبح تک بیداری کرتے تھے۔ دن کے اوقات میں روزے رکھتے تھے۔ مہینہ کے تین روز تو آپ کے کبھی قضا نہیں ہوئے۔ آپ کثرت سے خیرات کیا کرتے تھے اور اکثر رات کے تاریک پردہ میں استحباب کو ادا کرتے تھے۔ موسم گرما میں آپؑ کھجور کی چٹائی پر بیٹھ کر فتویٰ دیتے یا مسائل بیان فرماتے تھے اور موسم سرما میں بھیڑ کے بالوں کے کمبل کا استعمال کرتے تھے۔

---

(۱) غنیۃ طوسی، ص/۳۰، ۲۹۰ (۲) رہنمایانِ اسلام (سید علی نقی)، ص/۱۵۲

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ آپؑ کے سامنے جب بھی کوئی آتا تھا آپؑ پہچان لیتے تھے کہ مومن ہے یامنافق۔(۱)

امام علی رضاؑ کی علمی خدمات

آپؑ کی نشو ونما اور تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت موسیٰ کاظمؑ کے زیرِ سایہ ہوئی۔ان کے اسی مقدس ماحول میں آپ نے بچپنے اور جوانی کی متعدد منزلیں طے کیں اور اس طرح پینتیس ر۳۵ برس کی عمر پوری ہوگئی۔اگر چہ آخری چند سال اس مدّت کے وہ تھے جب امام موسیٰ کاظمؑ عراق میں قید وظلم کی سختیاں برداشت کررہے تھے۔ پہلے ہی آپ نے خزانہ لدنی سے تمام علوم حاصل کرلئے تھے۔امام جعفر صادقؑ کے بعد اگر کسی کو علمی فیوض پھیلانے کا زیادہ موقع ملا تو وہ امام رضاؑ تھے۔

جب آپ امامت کے منصب پر نہیں پہنچے تھے،اس وقت حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اپنے تمام فرزندوں اور خاندان کے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ''تمہارے بھائی علی رضاؑ عالم آل محمدؐ ہیں۔اپنے دینی مسائل کو ان سے دریافت کرلیا کرو اور جو کچھ وہ کہیں اسے یاد رکھو۔ پھر حضرت موسیٰ کاظمؑ کی وفات ہوگئی تو اس کے بعد آپ نے امام وقت کی ذمّہ داری سنبھالی۔اس وقت آپ مدینہ میں تھے اور روضۂ رسولؐ پر تشریف فرمارہتے تھے تو علمائے کرام مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

محمد ابن عیسیٰ یقطینی کا بیان ہے کہ میں نے ان تحریری مسائل کو جو حضرت امام رضاؑ سے پوچھے گئے تھے اور آپؑ نے ان کا جواب تحریر فرمایا تھا۔اکٹھا کیا تو وہ اٹھارہ ہزار کی تعداد میں تھے۔

علامہ ابن حجر مکی 'صواعقِ محرقہ' میں لکھتے ہیں کہ آپؑ جلالت قدر عزت وشرافت میں موصوف و مذکور ہیں۔اسی وجہ سے مامون آپؑ کو بمنزلہ اپنی روح وجان جانتا تھا۔اس نے اپنی دختر کا نکاح آنحضرتؐ سے کیا اور ملک وولایت میں اپنا شریک گردانا۔ مامون برابر علماء ادیان وفقہائے شریعت کو جناب امام رضاؑ کے مقابلہ میں بلاتا اور مناظرہ کراتا مگر آپؑ ہمیشہ ان لوگوں پر غالب آتے تھے۔خود ارشاد فرماتے تھے کہ میں مدینہ میں روضہ حضرت رسولؐ خدا میں بیٹھتا تھا۔وہاں کے علمائے کثیر جب کسی علمی مسئلہ میں عاجز آجاتے تو

(۱)اعلام الوریٰ،تحفۂ رضویہ،کشف الغمہ،ص/۱۱۲

بالاتفاق میری طرف رجوع کرتے اور میں جواب ہائے شافی دے کران کی تشفی وتسکین کر دیتا۔

والد بزرگوار کے بعد آپ کی زندگی اور امامت کا زمانہ جو فقط بیس/۲۰ سال تک رہا، اس زمانہ کو علوم اور افکار وعقائد کے ٹکراؤ اور ان کو دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کے اور یونان واسکندریہ کے تصنیفات ومعارف کے عربی زبان میں ترجمہ کا دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں لوگوں کے طرح طرح کے نظریات وعقائد اسلامی سماج میں پھیلتے جارہے تھے اور اسی ضمن میں عقائد زمانہ میں تضاد اور ٹکراؤ کی صورتیں بھی سامنے آتی تھیں، جس کے پیش نظر لوگوں کو ایک ہی مقام ایسا نظر آتا تھا جہاں انہیں امام معصومؑ کا فیض رساں وجود حاصل تھا۔

آپؑ علم ودانش کی ترقی اور معارف اسلامی کی ترویج کی طرف بہت زیادہ توجہ مبذول فرماتے تھے، اس انداز سے کہ آپ کی ہر پرفیض و پرکشش مجلس شاگردوں اور طالبان علوم کی کثرت سے ہمیشہ موجزن رہتی تھی اور مختلف مذاہب وعقائد کے پیشواؤں اور مختلف جماعتوں کے فکری رہبروں سے امامؑ کے مناظروں اور مباحثوں کے پرجوش جلسے مشہور ومعروف تھے۔ خلافت اسلامی کے خاص مرکز میں خلیفہ کے روبرو امام عالی مقام اور ادیان و مذاہب کے مشہور و نامور علماء جو دنیا کے ہر خطہ اور ہر علاقہ سے اس مرکز کی طرف آتے تھے، ان کے درمیان بحث ومباحثہ ہوا کرتے تھے اور ہمارے آٹھویں امامؑ ان بحثوں کے ضمن میں مذاہب و ادیان کے علماء وصاحبان نظر کے سامنے دین اسلام کے حقائق کی تشریح وتوضیح فرمایا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ مناظرے اور مباحثے اسلام کی تبلیغ واشاعت کے سلسلہ میں گہرے اثرات کے حامل ہوتے تھے۔ امام عالی مقام کی تاریخ زندگی میں ثنویہ (دو خداؤں کا اعتقاد رکھنے والے) کے ساتھ اجتماعات، دہریوں اور طبیعتیوں کے ساتھ مباحثے، کیتھولک عیسائیوں (جاثلیق) کے ساتھ مناظرے، یہودیوں (راس الجالوت) کے ساتھ مقابلے اور زندیقوں و بے دینوں سے بحث وتمحیص کے واقعات لکھے ہوئے ہیں جن کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص امام رضا علیہ السلام کی علمی وروحانی وہدایتی مقام ومنزلت کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر:۔

نیشاپور میں امام علی رضاؑ کا کلام

تمام علوم کی تعلیم آپ نے جگہ جگہ لوگوں کو دی انہیں میں نیشاپور ایک قابل توجہ حوزۂ علمی رکھتا تھا جو

اس زمانے کے علماء ودانشمندوں کا فکری وعلمی مرکز تھا۔امام رضاؑ طوس جاتے ہوئے ایک روز جب اس شہر سے گذر رہے تھے تو یہاں کے علماء نے امامؑ سے درخواست کی کہ حضرتؑ اپنے جد بزرگوار کی کوئی حدیث تبرکاً و تمیناً بیان فرمائیں تاکہ ان کے دلوں کے صفحات پر بطور یادگار باقی رہے۔

امام نے اس حالت میں کہ سادہ لباس زیب تن فرمائے ہوئے تھے،اپنا نورانی چہرۂ مبارک حاضرین کے سامنے کیا جن میں ہر طبقہ کے لوگ تھے اور مکمل سکوت وخاموشی کا پہرہ ہوگیا تھا۔اس وقت حضرت وہ حدیث جو''حدیث سلسلۃ الذہب'' کے نام سے مشہور ہے بیان فرمائی۔(جس کا مفہوم یہ ہے)

''اسلام کی نبیاد توحیدی جہاں بینی پر رکھی گئی ہے کلمۂ توحید ایک مضبوط ومستحکم الٰہی قلعہ ہے، جو افراد اس قلعہ میں داخل ہوجائیں گے وہ عذاب الٰہی سے نجات پائیں گے۔''

امام نے یہ حدیث بیان فرما کر تھوڑی دیر توقف فرمایا، پھر سر مبارک کو دوبارہ ہودج سے باہر نکالا، اس حالت میں کہ یہ اندازہ ہورہا تھا کہ حضرتؑ کچھ اور فرمانا چاہتے ہیں۔آپ نے حدیث مذکورہ میں ان کلمات کا اضافہ فرمایا۔''لکن بشرطھا وشروطھا وانا من شروطھا ''(لیکن اس کے لئے کچھ شرائط ہیں اور میں اس کی شروط میں سے ایک ہوں)یعنی عذاب سے نجات وبے خوفی وآسائش ولایت کی شرط کے ساتھ جو اپنے صحیح معنی ومفہوم میں مکمل ہو توحیدی نظام ہے۔

امام کا فرمانا ہے کہ ولایت وسرپرستی اور عادلانہ انصاف زمانہ کی رہبری ہی خدا کی وحدانیت کو ظاہر کرتی ہے۔اگر لائق اور سچّے رہبر،مصروف کار نہ ہوں تو ظالم ومفاد پرست بجائے خدا کے حاکم بن بیٹھیں گے اور حکمرانی کرنے لگیں گے اور کلام خدا کی تاثیر اور توحیدی نظام کے بے نظیر احکام ختم ہوجائیں گے۔

میں کہتی ہوں،ولایت فقیہ اور فقہائے ربّانی کی دینی تعلیم انوار معصومین کی عصمت وولایت کے عہدہ کی نیابت کرتے ہوئے سرپرستی ورہبری اسی توحیدی سمندر سے پھوٹا ہوا سرچشمہ ہے۔

آپ کی تصانیف

علماء نے آپ کی تصانیف میں صحیفۃ الرضاء۔صحیفۃ الرضویہ۔طب الرضا اور مسند امام رضا کا حوالہ دیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ آپ کی تصانیف ہیں۔صحیفۃ الرضا کا ذکر علامہ مجلسیؒ،علامہ طبرسی اور علامہ زمخشری نے کیا

ہے۔اس کا اردو ترجمہ حکیم اکرام الرضا لکھنوی نے طبع کرایا تھا،اب جو تقریباً ناپید ہے۔صحیفۃ الرضویہ کا ترجمہ مولوی شریف حسین صاحب بریلوی نے کیا ہے۔طب الرضا کا ذکر علامہ مجلسی شیخ منتخب الدّین نے کیا ہے اور مسند امام رضا کا ذکر علاّمہ چلپی نے کتاب کشف الظنون میں کیا ہے۔(۱)

اقوال امام علی رضاؑ

حضرت امام رضاؑ سے بے شمار احادیث مروی ہیں جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) لوگ جس قدر نئے نئے گناہ ایجاد کرتے ہیں خداوند عالم اسی قدر ان پر ایسی نئی نئی مصیبتیں نازل کرتا ہے جو ان کے خواب وخیال میں نہیں آسکتی تھیں۔

(۲) خبردار! راہِ خدا میں مال خرچ کرنے سے دریغ نہ کرو، ورنہ خدا کی نافرمانی میں اس سے دوگنا خرچ کروگے۔

(۳) اے ہشام! دنیا سمندر کے پانی کے مانند ہے، جیسے پیاسا جس قدر پیتا ہے اس کی پیاس بڑھتی ہی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ پینے والے کا خاتمہ ہی کر دیتا ہے۔

(۴) ستمگر پر سختی کر کے مظلوم کے حق کو اس سے دلواؤ۔

(۵) اگر تم میں سے کوئی کسی برادر مومن کو دوست رکھّے تو آگاہ کر دے جیسے:۔

(الف) وہ عزت جو تکبر سے حاصل ہو، ذلّت ہے۔

(ب) موت آنے سے پہلے اس کے لئے تیار ہو جاؤ۔

(پ) ہرگز اپنے عزیزوں سے چشم پوشی نہ کرو اور بے گانے کو آشنا پر ترجیح نہ دو۔

(ت) دنیا خواب ہے اور آخرت بیداری اور اس درمیان زندگی ایک خواب پریشاں ہے۔

(ٹ) علم تمام خوبیوں کا باعث اور جہل تمام برائیوں کا موجب ہے۔

(۶) کبھی اپنے دینی بھائی سے جدال یا (حد سے زیادہ) مزاح نہ کرو اور ان سے جھوٹے وعدے مت کرو۔

(۷) ماں باپ کو محبت بھری نگاہ سے دیکھنا عبادت ہے۔ماں باپ کو ناراض کرنے سے عمر کم ہو جاتی ہے۔

(۸) جو کسی حاجت مند کی حاجت روائی کرے، خداوند عالم اس کی دنیا وآخرت دونوں آسان کر دے گا۔

---

(۱) چودہ ستارے، ص/ ۴۵۷۔۴۵۸

(۹) جو بزرگوں کا احترام اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے، وہ مجھ سے نہیں۔

(۱۰) کسی بھی کام کے لئے اوّل وقت نماز ترک نہ کرو۔

(۱۱) بیماروں کو جب ان کا دل مائل نہ ہو، زبردستی غذا نہ دو۔

(۱۲) مسرّت وشادمانی تین چیزوں سے حاصل ہوتی ہے:۔

(۱) موافق شریک حیات

(۲) نیک اولاد۔

(۳) اچھے دوست

(۱۳) لوگوں سے اظہار دوستی کرنا آدھی عقل ہے۔

(۱۴) برے کاموں سے بچنا نیک کاموں کی انجام دہی سے بہتر ہے۔

(۱۵) خداوند عالم زیادہ بات کرنے والے، مال کو ضائع و برباد کرنے والے اور زیادہ سوال کرنے والے کو دشمن رکھتا ہے۔

(۱۶) مومن اس وقت تک مومن نہیں کہا جائے گا جب تک کہ وہ اپنے میں تین باتیں نہ پیدا کرلے:

(۱) اپنے پروردگار کی سنت (۲) اپنے پیغمبر کی سنت (۳) اپنے امام کی سنت۔

پروردگار کی سنّت راز کی پردہ پوشی، پیغمبر کی سنت لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا اور امام کی سنت تنگی وسختی میں صبر وضبط کا مظاہرہ کرنا ہے۔

(۱۷) نیک کام انجام دو تاکہ قیامت کے دن نیک جزاء ملے۔

(۱۸) دنیا کی گذرگاہ سے اپنے دائمی گھر (آخرت) کے لئے توشہ لیتے چلو۔

(۱۹) جس کے دل میں مفلسی و ناداری کا خیال پیدا ہوجاتا ہے، وہ بخیل ہوجاتا ہے اور جس کے دل میں طویل عمر کا خیال پیدا ہوجاتا ہے وہ حریص ولالچی ہوجاتا ہے۔

(۲۰) جو شخص اپنے نفس کا محاسبہ کرے گا، وہ نفع میں رہے گا اور جو شخص اس سے غفلت برتے گا وہ گھاٹے میں رہے گا، جو شخص (خدا) سے ڈرے گا وہ بے خوف رہے گا اور جو شخص نصیحت حاصل کرے گا وہ

بینا ہوجائے گا وہ سمجھ جائے گا اور جو سمجھ جائے گا وہ دانا وصاحب علم ہوجائے گا۔

(۲۱) بہترین مال وہ ہے جس سے آبرو کی حفاظت کی جائے، اور بہترین عقل انسان کا اپنے آپ کو پہچاننا ہے۔

(۲۲) مرد مومن جب غضبناک ہوتا ہے تو اس کا غضب اسے حق سے خارج نہیں ہونے دیتا، اور جب وہ خوشنود ہوتا ہے تو اس کی خوشی اس کو باطل میں نہیں ڈال دیتی اور جب اسے قدرت حاصل ہوتی ہے، تو اس قدرت کی وجہ سے اپنے حق سے زیادہ نہیں لیتا۔

(۲۳) جو صرف اپنی زبان سے مغفرت کا طالب ہو اور اپنے دل میں شرمندہ و پشیمان نہ ہو، تو وہ خود اپنا مذاق اڑا رہا ہے۔

(۲۴) نادان وجاہل کا دوست ہمیشہ رنج میں رہے گا''۔(۱)

آپؑ کے دورِ امامت میں خلفاءِ وقت کا کردار

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے بعد دس برس ہارونؔ رشید کا دور رہا۔ یقیناً وہ امام رضاؑ کے وجود کو بھی دنیا میں اسی طرح برداشت نہ کرتا جس طرح آپؑ کے والد بزرگوار کا رہنا اس نے گوارہ نہ کیا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس نے امام موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ جو کافی عرصہ تک ظلم وتشدّد بر پا کیا اور جس کے نتیجہ میں وہ قید خانہ ہی کے اندر اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اس سے حکومت وقت کی بہت بدنامی ہوئی۔ یا پھر اس کو اپنے ظلم وستم اور بدسلوکیوں کا احساس ہوا اور اس کا ضمیر اس کو ملامت کرنے لگا جس کی وجہ سے امام رضاؑ کے خلاف اس کے دور میں کوئی کاروائی نہیں کی گئی۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ایک دن یحییٰ ابن خالد برمکی نے اپنے اثر ورسوخ کے بڑھانے کے لیے یہ کہا کہ علیؑ ابن موسیٰؑ بھی اب اپنے باپ کے بعد امامت کے اسی طرح دعویدار ہیں۔

تو ہارون نے جواب دیا کہ جو کچھ ہم نے ان کے باپ کے ساتھ کیا وہی کیا کم ہے، جواب تم چاہتے ہو کہ میں اس نسل ہی کا خاتمہ کردوں۔

امام موسیٰؑ کاظمؑ کے ساتھ ہارون رشید کا جو رویّہ تھا، اس کی بنا پر عام طور سے لوگ حکومت کو راضی رکھنے کے لئے اہل بیتؑ اطہار کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے تھے۔ اسی وجہ سے امام علی رضاؑ کے پاس استفادہ

(۱) اہلبیت اطہارؑ کی مختصر سوانح حیات۔ طبع ایران، ص/۲۱۲، ۲۱۱

کے لئے لوگ نہ آسکتے تھے اور نہ حضرت کو سچے اسلامی احکام کی اشاعت کے مواقع حاصل تھے۔

ہارون کا آخری زمانہ اپنے دونوں بیٹوں امینؔ اور مامونؔ کی باہمی رقابتوں سے بہت بے لطفی میں گذرا۔ امینؔ پہلی بیوی سے تھا جو خاندان شاہی سے منصورؔ دوانیقی کی پوتی تھی اور اس لیے عرب سردار سب اس کے طرفدار تھے اور مامون ایک عجمی کنیز کے پیٹ سے تھا۔ اس لیے دربار کا عجمی طبقہ اس سے محبت رکھتا تھا۔ دونوں کی آپس کی رسّہ کشی ہارون کے لیے سوہان روح بنی رہتی تھی۔ اس لئے اس نے اپنے خیال میں اس کا تصفیہ مملکت کی تقسیم کے ساتھ یوں کر دیا کہ دارالسلطنت بغداد اور اس کے چاروں طرف کے عربی حصّے جیسے شامؔ، حجازؔ، یمنؔ وغیرہ محمد امینؔ کے نام کیے گئے اور مشرقی ممالک جیسے ایرانؔ، خراسانؔ، ترکستان وغیرہ مامونؔ کے لیے مقرّر کیے مگر یہ تصفیہ تو جب ہی کارگر ہوتا جب دونوں فریق مطمئن ہو جاتے۔ یہاں تو اقتدار کی ہوس کارفرما تھی۔

جس طرح بنی عباس بنی فاطمہ کے خلاف ظلم و زیادتی کر سکتے تھے، اسی طرح خود بنی عباس میں ایک گھر کے اندر دو سگے بھائی کے مدّ مقابل اختلافات پیدا تھے اور وہ ایک دوسرے کے خلاف کاروائیاں کرنے پر تیار نظر آتے تھے۔ جب ہارون کی آنکھ بند ہوگئی، تو دونوں بھائیوں میں خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھے۔ آخر چار برس کی مسلسل کشمکش اور طویل خوں ریزی کے بعد مامونؔ کو کامیابی حاصل ہوگئی۔ اس کا مدمقابل اس کا بھائی امینؔ محرم ۱۹۸ھ میں تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا اور مامون کی خلافت تمام بنی عباس کے حدود سلطنت پر قائم ہوگئی۔

دور خلیفہ مامون الرشید عباسی

امین کے قتل ہونے کے بعد سلطنت مامون کے پائے نام تو ہوگئی، مگر عراق کی عرب قوم اور ارکان سلطنت کے دل مامونؔ کی طرف سے صاف نہیں ہو سکتے تھے۔ بلکہ ایک غم و غصہ کی کیفیت محسوس کرتے تھے۔ دوسری طرف خود بنی عباس میں سے ایک بڑی جماعت جو امین کی طرفدار تھی، اس سے بھی مامون کو ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا اور اولاد فاطمہ میں سے بھی بہت سے لوگ جو وقتاً فوقتاً بنی عباس کے مقابل میں کھڑے ہوتے رہتے تھے، وہ خواہ قتل کر دیئے گئے ہوں یا جلاوطن کیے گئے ہوں یا قید رکھے گئے ہوں، ان کے بھی موافق ایک

جماعت تھی جو اگر حکومت کا کچھ بگاڑ نہ بھی سکتی، تب بھی دل ہی دل میں حکومت بنی عباس سے بیزار ضرور تھی۔

ایرانؔ میں ابومسلم خراسانی نے بنی امیّہ کے خلاف جو اشتعال پیدا کیا تھا وہ ان مظالم ہی کی یاد دلا کر جو بنی امیہ کے ہاتھوں حضرت امام حسینؑ اور دوسرے بنی فاطمہ کے ساتھ ہوئے تھے۔اس سے ایران میں اس خاندان کے ساتھ ہمدردی کا پیدا ہونا فطری تھا۔درمیان میں بنی عباس نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا۔مگر اتنی مدّت میں کچھ نہ کچھ ایرانیوں کی آنکھیں بھی کھلی ہوں گی کہ ہم سے کہا گیا تھا اور اقتدار کن لوگوں نے حاصل کیا۔ممکن ہے کہ ایرانی قوم کے ان رجحانات کا چرچہ مامونؔ کے کانوں تک بھی پہنچا ہو۔اب جس وقت کہ امین کے قتل کے بعد وہ عرب قوم پر اور بنی عباس کے خاندان پر بھروسہ نہیں کرسکتا تھا اور اسے ہر وقت اس حلقہ سے بغاوت کا اندیشہ تھا، تو اسے سیاسی مصلحت اسی میں معلوم ہوئی کہ عرب کے خلاف عجم اور بنی عباسؔ کے خلاف بنی فاطمہؔ کو اپنا بنایا جائے۔چونکہ طرز عمل میں خلوص سمجھا نہیں جاسکتا اور وہ عالم طبائع پر اثر نہیں ڈال سکتا اگر یہ نمایاں ہو جائے کہ وہ سیاسی مصلحتوں کی بناء پر ہے۔اس لیے ضرورت ہوئی کہ مامون مذہبی حیثیت سے اپنی شیعت اور ولائے اہلبیتؑ کے چرچے عوام کے حلقوں میں پھیلائے اور یہ دکھلائے کہ وہ انتہائی نیک نیتی سے اب ''حق بحق دار رسید'' کے مقالہ کو سچّا بنانا چاہتا ہے۔

اس سلسلے میں جیسا کہ جناب شیخ صدوق اعلی اللہ مقامہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس نے اپنی نذر کی حکایت بھی نشر کی کہ جب امینؔ کا اور میرا مقابلہ تھا اور بہت نازک حالت تھی اور عین اسی وقت میرے خلاف سیستان اور کرمان میں بھی بغاوت ہوگئی، خراسان میں بھی بے چینی پھیلی ہوئی تھی، میری مالی حالت بھی ابتر تھی اور فوج کی طرف سے بھی اطمینان نہ تھا تو اس سخت اور دشوار ماحول میں میں نے خدا سے التجا کی اور منت مانی کہ اگر یہ سب جھگڑے ختم ہو جائیں اور میں خلافت تک پہنچوں تو اس کو اس کے اصلی حقدار یعنی اولاد فاطمہؑ میں سے جو اس کا اہل ہے اس تک پہنچا دوں گا۔اسی نذر کے بعد سے میرے سب کام بننے لگے اور آخر تمام دشمنوں پر مجھے فتح حاصل ہوئی۔''(۱)

مامون کی طرف سے اس واقعہ کو بیان کرنے کا مطلب تھا کہ وہ اس طرز عمل کو خلوص نیت کے ساتھ

(۱) رہنمایانِ اسلام ''سید العلماء سید علی نقی صاحب''، ص/۱۵۷

ادا کرنا چاہتا ہے۔ یوں تو سب ہی سمجھتے تھے کہ یہ بنی عباسی اہل بیتؑ کے دشمن ہیں۔مگر مامون کے طرزعمل سے یہ ظاہر ہے کہ وہ اس دعوائے شیعیت اور محبت اہل بیتؑ کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود خود امام کی اطاعت نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ امام کو اپنے منشاء کے مطابق چلانے کی کوشش تھی۔

مامون رشید کی مجلس مشاورت

اس مجلس میں مامون نے تمام علماء، فضلاء، زعماء اور امراء کو مدعو کیا۔ جب سب لوگ جمع ہوگئے، تو اس نے کہا کہ شہر خراسان میں ہماری طرف سے کوئی حاکم نہیں ہے اور میں سمجھتا ہوں امام علی رضاؑ سے زیادہ بہتر اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ان کو بلا کر وہاں کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دوں۔ جس پر حسن بن سہل اور وزیر اعظم فضل بن سہل اس پر راضی نہ ہوئے اور یہ کہا کہ اس طرح خلافت بنی عباس سے آلِ محمدؐ کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ مامون نے کہا میں نے جو کچھ سوچا ہے اس پر عمل کروں گا۔ یہ سن کر وہ لوگ خاموش ہوگئے۔ اتنے میں حضرت علی بن ابی طالبؑ کے ایک معزّز صحابی کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے: ''اے مامون! تو سچ کہتا ہے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ تو کہیں ان کے ساتھ وہی سلوک نہ کرے، جو کوفیوں نے امام حسینؑ کے ساتھ کیا تھا۔''

مامون رشید نے کہا: اے سلیمان تم یہ سوچ رہے ہو، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میں ان کی عظمت سے واقف ہوں۔ جو انھیں ستائے گا قیامت میں حضرت رسول کریمؐ اور حضرت علیؑ حکیم کو کیوں کر منہ دکھائے گا تم مطمئن رہو۔ انشاءاللہ ان کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر اولادِ پیغمبرؐ پر کوئی ظلم نہ کروں گا۔ اس کے بعد سلیمان نے تمام لوگوں کو قسم دے کر بیعت لے لی۔ پھر ایک بیعت نامہ تیار کیا اور اس پر اہل خراسان کے دستخط لیے۔ دستخط کرنے والوں کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ وہ بیعت نامہ مامون نے سلیمان کو دے کر مدینہ بھیج دیا۔

سلیمان مدینہ پہنچے اور امامؑ کی خدمت میں مامون کا پیغام پہنچایا اور مجلس مشاورت کے سارے واقعات بیان کئے اور بیعت نامہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے جونہی اس کو کھولا اور اس کا سرنامہ دیکھا، سرِ مبارک ہلا کر فرمایا۔ کہ یہ میرے لیے کسی طرح مفید نہیں ہے۔ اس وقت آپؑ آبدیدہ تھے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے جدّ نامدار نے خواب میں نتائج وعواقب سے آگاہ کر دیا ہے۔ سلیمان نے کہا کہ

مولا یہ تو خوشی کا موقع ہے۔ آپ اس درجہ پریشان کیوں ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ میں اس دعوت میں اپنی موت دیکھ رہا ہوں۔ سلیمان نے کہا: مولا میں نے سب سے بیعت لے لی ہے۔ کہا: درست ہے، لیکن جدِ نامدار نے جو فرمایا ہے وہ غلط نہیں ہوسکتا، میں ماموں کے ہاتھوں شہید کیا جاؤں گا۔ جب آپ کے عزیزوں اور وطن والوں کو آپ کی روانگی کا حال معلوم ہوا تو سب بے پناہ روئے۔

غرض کہ آپؑ روانہ ہوگئے۔ راستے میں ایک چشمۂ آب کے کنارے چند آہوؤں کو دیکھا جو بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؑ کو دیکھ کر دوڑ پڑے اور بچشم تر کہنے لگے کہ حضور خراسان نہ جائیں کہ دشمن بہ لباس دوستی آپ کی تاک میں ہے اور ملک الموت استقبال کے لیے تیار ہیں۔ حضرت نے فرمایا اگر موت آنی ہے، تو وہ ہر حال میں آئے گی۔''(۱)

امام علی رضاؑ کی روضۂ رسولؐ پر فریاد

محول شیبانی کا بیان ہے کہ جب وہ ناگوار وقت پہنچ گیا کہ حضرت امام علی رضاؑ اپنے جدِ بزرگوار کے روضۂ اقدس سے ہمیشہ کے لئے وداع ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آپ بے تابانہ اندر جاتے اور بانالہ وآہ باہر آتے ہیں اور ظلم امت کی شکایت کرتے ہیں یا باہر آ کر گریہ و بکا فرماتے ہیں اور پھر اندر واپس چلے جاتے ہیں آپؑ نے چند بار ایسا ہی کیا اور مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے حاضر ہو کر عرض کی: مولا اضطراب کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: اے محول! میں اپنے نانا کے روضہ سے جبراً جدا کیا جا رہا ہوں۔ مجھے اس کے بعد اب یہاں آنا نصیب نہ ہوگا۔ میں اسی مسافرت اور غریب الوطنی میں شہید کر دیا جاؤں گا اور ہارون رشید کے مقبرہ میں مدفون ہوں گا۔ اس کے بعد آپؑ دولت سرا میں تشریف لائے اور سب کو جمع کر کے فرمایا کہ میں تم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہا ہوں۔ یہ سن کر گھر میں ایک عظیم کہرام برپا ہوگیا اور سب چھوٹے بڑے رونے لگے۔ آپؑ نے سب کو تسلی دی اور کچھ دینار اعزاء میں تقسیم کر کے راہِ سفر اختیار فرمالیا۔ ایک روایت کے مطابق آپؑ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ معظّمہ پہنچے اور وہاں طواف کر کے خانۂ کعبہ سے رخصت فرمایا۔(۲)

جب اس سفر میں چلتے چلتے آپؑ خراسان پہنچے تو دن ڈھل چکا تھا۔ آپؑ فریضۂ ظہر ادا کرنے کے لئے

(۱) کنز الانساب ابومخنف، ص/۸۷، طبع ممبئی (۲) چودہ ستارے، ص/۴۴۳

سواری سے اترے اور آپؑ نے تجدید وضو کے لئے پانی طلب فرمایا عرض کیا گیا: مولا اس وقت یہاں پانی نہیں ہے۔ یہ سن کر آپؑ نے زمین پر پڑے ہوئے ایک پتّھر کے نیچے سے چشمہ جاری فرمایا اور وضو کر کے نماز ادا فرمائی۔ جناب شیخ صدوق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس چشمہ کا ہنوز اثر باقی ہے۔

اس کے بعد سفر جاری کیا۔ ایک مقام پر دیکھا کہ ایک پہاڑ سے لوگ پتّھر تراش کر ہانڈی وغیرہ بناتے ہیں۔ آپؑ اس سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوگئے اور آپؑ نے اس کے نرم ہونے کی دعا کی۔ وہاں کے باشندوں کا کہنا ہے کہ اس پہاڑ کا پتھر بالکل نرم ہوگیا اور بڑی آسانی سے برتن بننے لگے۔

سفر طوس سے روانہ ہوکر آپؑ قریہ سناباد پہنچے اور آپؑ نے فرمایا محلّہ نوخاں میں قیام فرمایا اور لباس اتار کر دھلنے کے لئے دے دیا۔ حمید بن قحطبہ کا بیان ہے کہ آپ کی جیب میں ایک دعا کا پرچہ کنیز نے پایا۔ اس نے مجھے دیا میں نے اسے حضرت تک پہنچاتے ہوئے دریافت کیا کہ اس دعا کا فائدہ کیا ہے۔ فرمایا یہ شیروں کے شر سے حفاظت کا حرز ہے۔ پھر آپؑ قبہ ہارون میں تشریف لے گئے اور آپؑ نے قبلہ کی طرف خط کھینچ کر فرمایا کہ میں اس جگہ دفن کیا جاؤں گا اور یہ جگہ میری زیارت گاہ ہوگی۔ اس کے بعد آپؑ نے نماز ادا فرمائی اور وہاں سے چلنے کے بعد آپ مرو پہنچے جسے سکندر ذوالقرنین نے بروایت معجم البلدان آباد کیا تھا اور جو اس وقت دارالسلطنت تھا۔ تو مامون نے چند روز ضیافت وتکریم کے مراسم ادا کرنے کے بعد قبولِ خلافت کا سوال پیش کیا۔ حضرت نے اس سے اسی طرح انکار کیا جس طرح امیرالمومنینؑ، چوتھے موقعہ پر خلافت پیش کئے جانے کے وقت انکار فرمارہے تھے۔

مامون کو خلافت سے دستبردار ہونا، درحقیقت منظور نہ تھا ورنہ وہ امام کو اسی پر مجبور کرتا۔ چنانچہ جب حضرت نے خلافت کے قبول کرنے سے انکار فرمایا تو اس نے ولی عہدی کا سوال پیش کیا۔ حضرت نے اس سے بھی انکار فرمایا۔ مگر اس پر مامون کا اصرار جبر کی حدتک پہونچ گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ ''لابـر مـن قبولک''، اگر آپ اس کو منظور نہیں کرسکتے تو اس وقت آپؑ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

آپ نے سوچا جان کا خطرہ قبول کیا جاسکتا ہے، جب مذہبی مفاد کا قیام جان دینے پر موقوف ہو۔ ورنہ حفاظتِ جان شریعت اسلام کا نبیادی حکم ہے۔ امامؑ نے فرمایا، یہ ہے تو میں مجبوراً قبول کرتا ہوں۔ مگر

کاروبارِسلطنت میں بالکل دخل نہ دوں گا۔ ہاں اگر کسی بات میں مجھ سے مشورہ لیا جائے گا تو نیک مشورہ ضرور دوں گا۔اس کے بعد یہ ولی عہدی صرف برائے نام سلطنتِ وقت کے ایک ڈھکوسلہ سے زیادہ کوئی وقعت نہ رکھتی تھی۔جس سے ممکن ہے کچھ عرصہ تک سیاسی مقصد میں کامیابی حاصل کر لی گئی ہو۔مگر امام کی حیثیت اپنے فرائض کے انجام دینے میں بالکل وہ تھی جوان کے پیش رو حضرت علیِ مرتضیٰؑ اپنے زمانے کے بااقتدار طاقتوں کے ساتھ اختیار کر چکے تھے۔

تواریخ میں ہے کہ مامون نے حضرت امام رضاؑ سے کہا کہ شرطیں قبول کرلیں۔اس کے بعد آپؑ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور بارگاہِ احدیت میں عرض کی: پروردگارا تو جانتا ہے کہ اس امر کو میں نے بہ مجبوری و ناچاری اور خوف قتل کی وجہ سے قبول کرلیا ہے۔خداوندا تو میرے اس فعل پر اسی طرح مواخذہ نہ کرنا جس طرح جناب یوسفؑ اور جناب دانیالؑ سے باز پرس نہیں فرمائی۔اس کے بعد کہا: میرے پالنے والے تیرے عہد کے سوا کوئی عہد نہیں اور تیری عطا کی ہوئی حیثیت کے سوا کوئی عزّت نہیں۔خدایا تو مجھے اپنے دین پر قائم رہنے کی توفیق عنایت فرما۔''خواجہ محمد پارسا'' کا کہنا ہے کہ ولی عہدی کے وقت آپ رو رہے تھے۔''ملاّ حسین'' لکھتے ہیں کہ مامون کی طرف سے اصرار اور حضرت کی طرف سے انکار کا سلسلہ دو ماہ جاری رہا۔اس کے بعد ولی عہدی قبول کی گئی۔(۱)

مامون کے ذریعہ ولی عہدی کا انعقاد

یکم رمضان ۲۰۱ھ بروز پنجشنبہ بڑی شان وشوکت اور تزک واحتشام کے ساتھ یہ تقریب عمل میں لائی گئی۔سب سے پہلے مامون نے اپنے بیٹے عباس کو اشارہ کیا اور اس نے بیعت کی، پھر اور لوگ بیعت سے شرفیاب ہوئے۔سونے اور چاندی کے سکّے سر مبارک پر نثار کئے گئے اور تمام ارکانِ سلطنت اور ملازمین کو انعامات تقسیم ہوئے۔ (مامون کے حکم سے درہم ودینار پر حضرت کے نام کا نقش ہوا) اور تمام قلمرو میں وہ سکہ چلایا گیا۔جمعہ کے خطبہ میں حضرت کا نام نامی داخل کیا گیا۔حضرت کے نامِ مبارک کا سکّہ عقیدت مندوں کے لئے تبرک اور ضمانت کی حیثیت رکھتا تھا۔اس کو سفر میں ساتھ رکھنا جان کے تحفظ کے لئے ضروری امر ہو گیا۔

---

(۱) چودہ ستارے

اسی کی یادگار میں بطور ضمانت بعقیدہ تحفظ ہم اب بھی سفر میں بازو پر امام ضامن کا پیسہ باندھتے ہیں۔ جو امام علی رضا علیہ السلام کے نام کا ہوتا ہے۔

علاّمہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ ۳۳ ہزار عباسی مرد و زن وغیرہ کی موجودگی میں آپ کو ولیعہد خلافت بنا دیا گیا۔ اس کے بعد اس نے تمام حاضرین سے حضرت امام علی رضاؑ کے لئے بیعت لی اور دربار خلافت بنا دیا گیا۔ اس کے بعد اس نے تمام حاضرین سے حضرت امام علی رضاؑ کے لئے بیعت لی اور دربار کا لباس بجائے سیاہ کے سبز قرار دیا گیا۔ جو سادات کا امتیازی لباس تھا۔ فوج کی وردی بھی بدل دی گئی۔ تمام ملک میں احکام شاہی نافذ ہوئے کہ مامون کے بعد علی رضاؑ تخت و تاج کے مالک ہیں اور ان کا لقب ہے ''الرضا من آلِ محمّد''، حسن بن سہل کے نام بھی فرمان گیا۔ کہ ان کیلئے بیعت عام لی جائے اور عموماً اہل فوج و عمائد بنی ہاشم سبز رنگ کے پھرہرے اور سبز قلاوہ اور قبائیں استعمال کریں۔

علاّمہ شریف جرجانی نے لکھا ہے کہ قبول ولیعہدی کے متعلق جو تحریر حضرت امام علی رضاؑ نے مامون کو لکھی تھی اس کا مضمون یہ تھا کہ ''چونکہ مامون نے ہمارے ان حقوق کو تسلیم کرلیا ہے جن کو ان کے آباؤ اجداد نے نہیں پہچانا تھا۔ لہٰذا میں نے اس کی درخواست ولیعہدی قبول کرلی۔ اگرچہ جفر و جامعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام انجام کو نہ پہنچے گا۔''(۱)

حضرت امام علی رضاؑ کی ولیعہدی کا دشمنوں پر اثر

شمس العلماء شبلی نعمانی حضرت امام رضاؑ کی بیعت ولیعہدی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس انوکھے حکم نے بغداد میں ایک قیامت انگیز ہل چل مچادی اور مامون سے مخالفت کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ بعض نے (سبز رنگ) وغیرہ کے اختیار کرنے کے حکم کی بہ جبر تعمیل کی۔ مگر عام صدا یہی تھی کہ خلافت خاندان عباس کے دائرہ سے باہر نہیں جاسکتی۔(۲)

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حضرت امام علی رضاؑ جب ولی عہدِ خلافت مقرر کئے جانے لگے، مامون کے

---

(۱) صواعق محرقہ، ص/۱۲۲، مطالب السئول، ص/۲۸۲، نورالابصار، ص/۱۴۲، تاریخ طبری۔ شراح مواقف، تاریخ ائمہ، ص/۴۷۲، تاریخ احمدی، ص/۳۵۴، چودہ ستارے، ص/۴۴۸ (۲) المامون، ص/۸۲

حاشیہ نشین سخت بدظن اور دل تنگ ہو گئے اور ان پر یہ خوف چھا گیا کہ اب خلافت بنی عباس سے نکل کر بنی فاطمہ کی طرف چلی جائے گی اور اسی تصور نے انہیں امام رضاؑ سے سخت متنفر کر دیا۔(۱)

تاریخ اسلام میں ہے کہ امام رضاؑ کی ولیعہدی کی خبر سن کر بغداد کے عباسی یہ خیال کر کے کہ خلافت ہمارے خاندان سے نکل چکی، کمال دل سوختہ ہوئے اور انھوں نے ابراہیم بن مہدی کو بغداد کے تخت پر بٹھا دیا لچے غنڈے دن دھاڑے لوٹ مار کرنے لگے۔ جنوبی عراق اور حجاز میں بھی معاملات کی حالت ایسی ہی خراب ہو رہی تھی۔ فضل وزیر اعظم سب خبروں کو بادشاہ سے پوشیدہ رکھتا تھا۔ مگر امام رضاؑ نے اسے خبردار کر دیا۔ بادشاہ وزیر کی طرف سے بدظن ہو گیا۔ مامون کو جب ان شورشوں کی خبر ہوئی تو بغداد روانہ ہو گیا۔ سرخس میں پہونچ کر اس نے فضل بن سہل وزیر سلطنت کو حمام میں قتل کرا دیا۔(۲)

مامون نے سیاست کے تحت بہن ام حبیبہ کا عقد امام سے کیا

مامون رشید نے امام علی رضاؑ کو بڑھاوا دینے کے لئے علمی مظاہرے جیسے مناظرے، مباحثے وغیرہ بڑے بڑے علماء کو بلا کر کروائے اور اگر اس کو کوئی پریشانی ملکی یا غیر ملکی سیاسی ہوتی تھی تو امام علی رضاؑ سے صلاح لیتا تھا۔ جیسے ایک دفعہ شدید ترین قحط پڑا۔ تو مامون نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی مولا کوئی تدبیر کیجئے کہ خداوند عالم نزول باراں کرے۔ اس وقت ملک کی بہت بری حالت ہے۔ تو امامؑ نے دعا فرمائی اور بارش ہو گئی۔ اسی طرح کی مشکلات کو آپ دور فرماتے رہتے تھے۔

مامون رشید عباسی خاندان سے تھا لہٰذا اس کے دل میں کدورت تو بھری ہوئی تھی ہی اس لئے وہ جو بھی قدم اٹھاتا تھا سوچ سمجھ کر اٹھاتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ آپؑ کی ولیعہدی کی آڑ میں سیاسی الجھنیں دور ہو جائیں۔ علوی سرنگوں رہیں اور علم خروج بلند نہ کریں یا یہ ہو کہ عباسیوں پر حجّت قائم ہو جائے اور حضرت کی اہلیت و قابلیت سے مرعوب ہو کر وہ لوگ مخالفت و سرکشی کا قصد نہ کریں اور امام رضاؑ کے ماننے والوں کے دل صاف ہو جائیں۔ اور کسی کو آنے والے واقعات میں کوئی شبہ نہ ہو۔ بہر حال مامون نے اپنے خفیہ مقصد کی تکمیل کیلئے عراق کا سفر کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اس سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ ہر شبہ کی گنجائش کو ختم کر دینے

(۱) نورالابصار، ص/۱۴۳ (۲) تاریخ اسلام، جلد۱، ص/۶۱

کے لئے اپنی بہن کی شادی امام علی رضاؑ سے کردے۔ چنانچہ اس نے اعلیٰ روس الاشہاد برسرِ دربار مجلس عقد منعقد کر کے اپنی بیٹی ام حبیب کی شادی امام علی رضاؑ سے کردی۔

علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ ام حبیب کو آپ کے تصرف میں نہیں دیا گیا۔(۱)

امام علی رضاؑ نے عزائے حسینؑ کو فروغ دیا

مامون کے ذریعہ ولی عہد بننے کے بعد امام رضاؑ کو تبلیغ حق کے لئے نام حسینؑ کی اشاعت کے کام کو فروغ دینے کا بھی پورا موقع حاصل ہو گیا تھا۔ چنانچہ آپ کے جدِ بزرگوار امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ جس کی نبیاد ڈال چکے تھے مگر وہ زمانہ ایسا تھا کہ امام کی خدمت میں وہی لوگ حاضر ہوتے تھے جو بحیثیت عالم دین آپ کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ لیکن اب امام رضاؑ روحانی بھی تھے اور ولی عہد سلطنت بھی۔ اس لیے آپ کے دربار میں حاضر ہونے والوں کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔

مرو کا مقام وہ مقام ہے جو ایران کے تقریباً وسط میں واقع ہے جہاں ہر طرف کے لوگ آتے تھے اور آپ کے ساتھ بیٹھ کر غم حسینؑ پر گریہ کرتے تھے۔ یہاں محرم کا چاند نکلا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور لوگ دوسروں کو بھی ترغیب دیتے کہ ان دنوں میں آلِ محمدؐ کے مصائب کو یاد کرو اور تاثرات غم کو ظاہر کرو۔ اور یہ بھی ارشاد ہونے لگا کہ ''جو اس مجلس میں بیٹھے جہاں ہماری باتیں زندہ کی جاتی ہیں۔ اس کا دل مردہ نہ ہوگا اس دن کہ جب سب کے دل مردہ ہوں گے۔''

تذکرہ امام حسینؑ کے لیے جو مجمع ہو اس کا نام اصطلاحی طور پر ''مجلس'' اسی امام رضاؑ کی حدیث ہی سے ماخوذ ہے۔ آپ نے عملی طور پر بھی خود مجلسیں کرنا شروع کر دیں۔ جن میں کبھی خود ذاکر ہوئے اور دوسرے سامعین جیسے زیّان بن شیب کی حاضری کے موقع پر جو آپ نے مصائب امام حسینؑ بیان فرمائے اور کبھی عبداللہ بن ثابت یا دعبل خزاعی ایسے کسی شاعر کی حاضری کے موقع پر اس شاعر کو حکم ہوا کہ تم ذکرِ حسینؑ میں اشعار پڑھو وہ ذاکر ہوا اور حضرت سامعین میں داخل ہوئے۔

دعبلؔ کو حضرت نے بعد مجلس ایک قیمتی حلّہ بھی مرحمت فرمایا جس کے لینے میں دعبل نے یہ کہہ کر عذر

(۱) جنات الخلود، ص/۳۲

کیا کہ مجھے قیمتی حلّہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے جسم کا اترا ہوا لباس مرحمت فرمایئے تو حضرت نے ان کی خوشی پوری کی۔ وہ حلّہ تو انھیں دیا ہی۔ اس کے علاوہ ایک جبّہ اپنے پہننے کا بھی مرحمت فرمایا۔

اس سے ذاکر کا بلند طریقۂ کار کہ اسے کسی دنیاوی انعام کی خاطر یا معاذ اللہ اجرت طے کر کے ذاکری نہیں کرنا چاہیئے اور بانی مجلس کا طریقۂ کار کہ وہ بغیر طے کیے ہوئے کچھ بطور پیش کش ذاکر کی خدمت میں پیش کرے دونوں امر ثابت ہیں مگر ان مجالس میں سامعین کے اندر کسی حصّہ کی تقسیم ہرگز کسی معتبر کتاب سے ثابت نہیں ہوتی۔(۱)

آپ کی ازواج واولاد

محمد بن طلحہ کا بیان ہے کہ آپ کی چھ اولادیں تھیں جن میں پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) محمد القانع۔ (۲) حسن۔ (۳) ابراہیم۔ (۴) جعفر۔ (۵) حسین۔ (۶) عائشہ

عبدالعزیز اخضر کا بیان ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔

(۱) امام محمد تقیؑ (۲) ابو محمد حسن (۳) جعفر (۴) ابراہیم (۵) حسین (۶) عائشہ

دلائل حمیری میں حنان بن سدیر سے روایت ہے۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام رضاؑ سے کہا۔ کیا کوئی لاولد شخص امام ہوسکتا ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ میرے صرف ایک لڑکا ہوگا اور اسی سے اللہ میری نسل کو بہت پھیلائے گا۔ ابو خداش کا بیان ہے کہ میں نے اس حدیث کو تیس سال پہلے سنا تھا۔(۲)

مجلس ثانی علاّمہ شیخ عباس قمی تحریر فرماتے ہیں۔ ''**کان للرضا من الولو ابنه ابو جعفر محمد لا غیر**'' امام رضا علیہ السلام کے امام محمد تقی علیہ السلام کے علاوہ کوئی فرزند نہ تھا۔(۳)

علماء نے امام رضاؑ کی اولاد کے بارے میں امام محمد تقی کے علاوہ کسی کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ بعض نے تو امام محمد تقیؑ میں حصر کر دیا۔ یہی کچھ علاّمہ محمد بن شہر آشوب نے بھی لکھا ہے کہ آپ کے فرزند صرف امام محمد تقیؑ ہیں۔(۴)

خلاصہ یہ کہ فحول علما وشیعہ جیسے علامہ شیخ مفید علامہ طبرسی علامہ ابن شہر آشوب، علامہ شیخ عباس قمی نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امام رضاؑ کے فرزند (نرینہ) حضرت محمد تقیؑ کے علاوہ کوئی نہ تھا اور جن علماء نے ایک

(۱) رہنمایانِ اسلام (سید العلماء سید علی نقی صاحب) ص/ ۱۶۵، ۱۶۴ (۲) عیون اخبار الرضا، جلد ۳، ص/ ۱۳۶۔ بحار الانوار، جلد ۵، ص/ ۲۴۶

(۳) سفینۃ البحار، جلد ۲، ص/ ۲۳۹ (۴) مناقب ابن شہر آشوب، جلد ۳، ص/ ۲۰۶

سے زیادہ اولاد تسلیم کی ہے ان میں بھی علامہ محمد رضا علاّمہ واعظ کاشفی نے لکھا ہے کہ ان کی نسل صرف امام محمد تقی سے بڑھی ہے۔

بعض علماء ایک لڑکی کا وجود بھی تسلیم کرتے ہیں، جیسے علاّمہ شیخ صدوق، علاّمہ مجلسی لڑکی کا نام فاطمہؑ تھا۔ انھوں نے اپنے پدرِ بزرگوار سے روایت بھی کی ہے۔ ان کے شوہر کا نام محمد بن جعفر بن قاسم ابن الحاق بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب تھا۔ وہ والدہ تھیں حسن بن محمد بن جعفر ابن قاسم کی ان کے متعلق نور الابصار شبلنجی میں کرامات مذکورہ بھی مرقوم ہے۔(۱)

آپ کی زوجہ جناب خیزران عرف......سکینہ تھیں۔

امام علی رضاؑ کی شہادت

حضرت امام رضاؑ کی شہادت ۲۳ رذیقعدہ ۲۰۳ھ مطابق ۸۱۸ء یوم جمعہ کو بمقام طوس واقع ہوئی ہے۔(۲)

محمد بن ستان سے روایت ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے انچاس ۴۹ر سال چند ماہ کی عمر میں ۲۰۳ھ میں وفات پائی اپنے پدر بزرگوار کے بعد آپ دو یا تین ماہ کم بیس سال زندہ رہے۔(۳)

حضرت امام محمد تقی کا با اعجاز خراسان پہنچنا

دلائیل حمیری میں منقول ہے کہ حضرت امام ابوجعفر (محمد تقیؑ) نے معمر بن خلاد سے (مدینہ میں) کہا: اے معمر اپنی سواری لے لو اور میرے ساتھ چلو۔ میں نے کہا: کہاں چلوں؟ فرمایا: جہاں تم سے کہا جائے وہاں چلو۔ میں اپنی سواری پر سوار ہو کر چلا جب ایک وادی یا ایک نشیب میں پہنچا۔ تو مجھ سے فرمایا تم یہیں ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے۔ جب واپس آئے تو میں نے پوچھا: میں آپ پر قربان کہاں تشریف لے گئے تھے؟ فرمایا کہ میں ابھی ابھی اپنے پدر بزرگوار کو خراسان میں دفن کر کے آرہا ہوں۔(۴)

ہرثمہ کو ہدایات امام برائے تجہیز و تکفین

ہرثمہ بن اعین سے روایت ہے کہ ایک شب مامون کے پاس تھا جب رات کی چار ساعات گزر

---

(۱) منتہی الآمال فی تاریخ النبی واالآل، جلد ۲، ص ۳۱۳، طبع طہران، چودہ ستارے، ص/ ۴۶۸

(۲) جلاء العیون، ص/ ۲۸۰۔ انوار نعمانیہ، ص/ ۱۲۷۔ جنات الخلود، ص/ ۳۱ (۳) الکافی، جلد ۱، ص/ ۴۹۳ (۴) الکافی، جلد/ ۱، ص/ ۴۸۶

گئیں، تو مجھے گھر واپسی کی اجازت ملی۔ جب میں گھر واپس آیا تو نصف شب کے قریب کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میرا ایک غلام دروازے پر پہنچا آنے والے نے کہا کہ جا کر ہرثمہ سے کہہ دو کہ تمہارے آقا تم کو یاد کرتے ہیں۔ یہ پیغام سن کر میں فوراً اٹھا، کپڑے پہنے اور تیزی کے ساتھ اپنے آقا حضرت امام رضاؑ کے پاس روانہ ہوا۔ آپ کا فرستادہ غلام آگے آگے تھا۔ وہ پہلے اندر داخل ہوا اور اس کے پیچھے میں گھر کے اندر گیا تو دیکھا کہ میرے آقا اپنے گھر کے صحن میں تشریف فرما ہیں۔

آپ نے مجھ کو دیکھتے ہی فرمایا: اے ہرثمہ! میں نے کہا: لبیک فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا فرمایا: سنو اور غور سے سنو اور اچھی طرح یاد رکھو کہ وہ وقت آ پہنچا ہے کہ میں رحلت کر کے اپنے آباؤ اجداد سے ملحق ہو جاؤں۔ کاتب تقدیر کا لکھا پورا ہوگا۔ اس سرکش (مامون) نے ارادہ کر لیا ہے کہ مجھے انگور اور انار میں زہر پیوست کر کے کھلائے۔ انگور میں زہر اس طرح پیوست کرے گا زہر آلود دھاگے کو اس میں سے گذار دے گا اور انار میں یہ ترکیب کرے گا کہ اپنے کسی غلام کے ہاتھوں میں زہر ملوائے گا اور اس کے انہیں زہر آلود ہاتھ سے وہ اس انار کو تڑوائے گا تا کہ زہر تمام دانوں میں پیوست ہو جائے۔

اور اب وہ آئندہ دن (کل) مجھے بلائے گا اور میرے سامنے وہ انگور اور انار پیش کرے گا اور مجھ سے اس کے کھانے پر اصرار کرے گا اور مجھے کھانا پڑے گا۔ پھر میری مدت حیات ختم ہو جائے گی اور قضا آ پہنچے گی۔ جب میں انتقال کر جاؤں گا تو وہ کہے گا کہ میں اپنے ہاتھ سے ان کو غسل دوں گا۔ جب وہ یہ کہے تو تم اس سے کہنا کہ تم درمیان سے ہٹ جاؤ اس لئے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام تیرے لئے فرما گئے ہیں کہ تو میرے غسل و کفن اور دفن سے دور رہ اور ہاتھ نہ لگا۔ اگر تو نے ایسا کیا تو وہ عذاب جو آخرت پر ٹال دیا گیا ہے، وہ ابھی تجھ پر نازل ہو جائے اور تجھے فوراً اپنے کئے کی سزا مل جائے گی۔

ہرثمہ کا بیان ہے کہ میں نے کہا: میرے مولا و آقا بہتر ایسا ہی کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ یہ سن کر میرے غسل میں دخل نہ دے گا اور یہ کام تیرے حوالہ کر دے گا مگر اپنے مکان کی بلند چھت پر بیٹھ جائے گا۔ تا کہ دیکھ سکے کہ غسل کون دے رہا ہے اور کیسے دے رہا ہے۔

اے ہرثمہ تم بھی میرے غسل میں ہاتھ نہ لگانا، اس لئے کہ تھوڑی ہی دیر میں تم خود دیکھو گے کہ

میری مکان کے ایک گوشہ میں ایک خیمہ خود بہ خود نصب ہو گیا۔ جب تم یہ دیکھو تو میری میّت کو مع لباس وغیرہ اس کے اندر پہنچا دینا۔ پھر تم باہر نکل کر خیمے کے پیچھے کھڑے ہو جانا اور جو لوگ تمہارے ساتھ میت اٹھانے والے ہوں انہیں بھی ہٹا لینا۔ کوئی شخص خیمے کے اندر جھانک کر بھی نہ دیکھے کہ کیا ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ جو اندر جھانک کر دیکھے گا، وہ ہلاک ہو جائے گا۔ بہر حال اس کے بعد مامون خود آ کر تجھ سے کہے گا:

اے ہرثمہ کیا تم لوگوں کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ امام ہی امام کو غسل دیتا ہے، دوسرا نہیں دیتا۔ اب بتاؤ کہ ابوالحسن علی بن موسیٰ رضا کو کس نے غسل دیا۔ ان کے بیٹے محمد تقی تو مدینہ میں ہیں جو ملک حجاز میں واقع ہے اور ہم لوگ اس وقت طوس میں ہیں؟

جب وہ یہ کہے تو تم اس کا جواب دینا کہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ کسی امام کے لیے یہ واجب نہیں کہ جب اس کا انتقال ہو تو اس کو کوئی امام ہی غسل دے (ورنہ میّت پڑی رہے) اب اگر زبردستی کوئی دوسرا شخص اس کو غسل دیتا ہے تو اس سے امام کی امامت باطل نہیں ہوتی اور نہ اس امام کی امامت باطل ہوگی جو اس کے بعد امام ہوگا۔ محض اس بناء پر کہ اس کے باپ کو کسی دوسرے نے غسل دیا ہو۔ اگر موسیٰ رضاؑ ہوتے تو سب کے سامنے غسل دیتے۔ لیکن اب انہوں نے غسل دیا مگر در پردہ دیا۔ غرض اب جب تم خیمہ کا پردہ اٹھاؤ گے تو دیکھو گے کہ میری میّت کو غسل دے کر کفن وغیرہ سب پہنا دیا گیا ہے۔ اب تم میری میّت کو اٹھا کر تابوت میں رکھنا اور دفن کے لئے لے جانا۔ جب میری قبر کھودنے کا موقع ہوگا، تو وہ چاہے گا کہ اپنے باپ ہارون رشید کی قبر کو میری قبر کا قبلہ بنائے مگر یہ اس سے تا ابد ممکن نہ ہوگا۔ جب بھی کودال چلے گی زمین سے اچٹ جائے گی۔ اور ذرا بھی زمین نہ کھودے گی بلکہ ناخون برابر بھی نہیں ترشے گی۔ جب قبر کھودنے والے اپنی پوری کوشش کر لیں اور پھر بھی ان سے ممکن نہ ہو تو تم ان سے کہنا کہ تم لوگ دور ہٹو میرے مولا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم اس کے باپ ہارون کی قبر کے قبلہ کی جانب ایک کدال چلانا۔ جب ایسا کرو گے تو فوراً ایک قبر بالکل کھدی ہوئی تیار ظاہر ہوگی اور مجھے قبر میں اس وقت نہ اتارنا جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ اس قبر کی ضریح سے صاف وشفاف و سفید براق پانی ابلا ہے اور پوری قبر پانی سے بھر گئی اور پانی زمین کی سطح تک آ گیا ہے اور اس پانی پر ایک مچھلی طول قبر میں تڑپ رہی ہے۔ اس وقت تک ٹھہرے رہنا اور جب یہ دیکھ لینا کہ مچھلی غائب ہو گئی ہے اور پانی

بھی زمین جذب کرگئی تو میری میّت کو قبر میں اتارنا اور ضریح میں رکھ دینا اور میری قبر پر لوگوں کو مٹی نہ ڈالنے دینا۔ اس لئے کہ میری قبر خود بخود مٹی سے پر ہو جائے گی۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا: میرے مولا و آقا بہتر ایسا ہی کروں گا۔ آپ نے فرمایا: میری باتوں کو خوب یاد رکھنا، بھول نہ جانا، اس پر عمل کرنا اور اس کے خلاف نہ کرنا۔ میں نے عرض کیا: جی ایسا ہی ہوگا۔ خدا کی پناہ بھلا میں اپنے آقا کے حکم کے خلاف کرسکتا ہوں؟ میری کیا مجال۔

ہرثمہ کہتا ہے کہ پھر میں آپ کی بارگاہ سے روتا ہوا نکلا اور اس طرح تڑپ رہا تھا۔ جیسے جلتے ہوئے توے پر مچھلی۔ اس وقت میرے دل کا کیا حال تھا اس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

ہرثمہ کہتا ہے کہ دوسرے دن صبح کو مجھے مامون نے بلایا۔ میں گیا اور اس کے پاس ظہر تک رہا۔ دوپہر کے بعد مامون نے مجھ سے کہا اے ہرثمہ ابوالحسن بن موسیٰ رضاؑ کے پاس جاؤ، میرا سلام کہو اور میری طرف سے یہ کہو کہ آپ میرے پاس آئیں گے یا میں ہی آپ کے پاس آجاؤں؟ اور جب وہ کہیں میں آؤں گا تو کہنا کہ پھر تشریف لائیں۔

ہرثمہ کہتا ہے کہ میں امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور جوں ہی سامنے پہنچا آپؑ نے فرمایا: اے ہرثمہ میں نے جتنی باتیں کہی ہیں، وہ سب یاد ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: میری نعلین لاؤ۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہیں مامون نے کیوں بھیجا ہے میں نے بڑھ کر آپ کی نعلین آپ کے سامنے پیش کی اور آپ مامون کے پاس تشریف لے گئے۔ جب آپ اس کی مجلس میں پہنچے تو مامون کھڑا ہوگیا، بڑھ کر معانقہ کیا پیشانی پر بوسہ دیا اور اپنے قریب تخت پر اپنے پہلو میں بٹھایا اور تقریباً ایک ساعت آپ سے مختلف باتیں کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے اپنے کسی غلام سے کہا کہ انگور اور انار لاؤ۔

ہرثمہ کا بیان ہے کہ جب میں نے انگور و انار کا نام سنا تو مجھ سے برداشت نہ ہوسکا اور میرا پورا جسم کانپنے لگا اور میں نے مناسب نہ سمجھا کہ میرے جسم کی کپکپاہٹ کسی پر ظاہر ہو اس لئے میں باہر نکل آیا اور وہیں ایک گوشہ میں جاکر گر پڑا۔ جب زوال کا وقت آیا تو میں نے محسوس کیا کہ میرے آقا مامون کے پاس سے نکلے اور اپنے گھر واپس پہنچے۔ پھر میں نے دیکھا کہ مامون نے حکم دیا کہ اطباء اور معالجین کو بلاؤ میں نے مامون

سے پوچھا کہ یہ اطباء اور معالجین کیا ہوں گے؟ اس نے کہا: ابوالحسنؑ یک بیک بیمار ہو گئے ہیں۔ جو نہیں جانتا تھا اسے تو اس میں شک تھا مگر چونکہ مجھے معلوم تھا کہ اصل معاملہ کیا ہے اس لئے مجھے یقین تھا۔

جب صبح نمودار ہوئی تو مامون کے گھر سے ایک شور بلند ہوا اور لوگوں کے ساتھ میں بھی دوڑا ہوا پہنچا تو دیکھا کہ مامون سر برہنہ گریبان چاک کھڑا ہوا ہائے وائے کر رہا ہے اور رو رہا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہاں پہنچا جہاں آقا کی میّت تھی اور کہا جائے غسل تیار کرو۔ چاہتا ہوں کہ میں خود اپنے ہاتھوں سے انہیں غسل دوں۔ جب میں نے یہ سنا تو قریب گیا اور جو کچھ آقا نے غسل و تکفین کے لئے کہا تھا وہ کہہ دیا۔ مامون نے جواب دیا: اچھا اگر ان کی وصیت ہے کہ تم غسل کا اہتمام کرو مجھے! اعتراض نہیں۔ جاؤ، تمہیں اہتمام کرو۔

ہرثمہ کا بیان ہے کہ میں مسلسل کھڑا رہا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ ایک شامیانہ خود بخود نصب ہو گیا۔ میں جا کر اس شامیانہ کے باہر کھڑا ہو گیا اور سارے گھر والے میرے پیچھے کھڑے تھے۔ میں سن رہا تھا کہ شامیانہ کے اندر سے تکبیر و تہلیل و تسبیح کی آوازیں اور برتنوں کی کھڑ کھڑاہٹ اور پانی گرنے کی مسلسل صدائیں آ رہی تھیں۔ الغرض اس کے بعد خیمہ کا پردہ اٹھا تو میں نے دیکھا کہ آقا کی میّت کفن میں لپٹی ہوئی ہے۔ میں نے بڑھ کر آپ کی میّت کو تابوت میں رکھا اور آپ کا جنازہ لے چلے۔ مامون اور تمام حاضرین نے آپ کی نماز میّت پڑھی۔ اس کے بعد ہم لوگ جنازے کو لے کر مقام قبر تک آئے تو دیکھا کہ لوگ اپنے کدال لئے ہوئے ہارون کی قبر کے پیچھے قبر کھود رہے ہیں تا کہ ہارون کی قبر امام کی قبر کے قبلہ میں ہو۔ مگر کدال چلانے والے تھک کر چور ہو گئے اور زمین ذرہ برابر بھی نہ کھد سکی۔ تو مامون نے مجھ سے کہا اے ہرثمہ تم نے دیکھا کہ زمین بھی اس کی قبر کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ میں نے کہا: یا امیر المومنین حضرت ابوالحسنؑ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ آپ کے والد ہارون کے قبلہ کی جانب صرف ایک کدال مارا جائے لہٰذا میں ایک کدال ماروں گا۔ مامون نے پوچھا اگر تم نے ایک کدال مارا تو کیا ہوگا۔ میں نے کہا کھدی کھدائی ایک قبر نمودار ہوگی اور اس کے درمیان ضریح ہوگی۔ مامون نے کہا۔ سبحان اللہ کتنی تعجب کی بات ہے مگر ابوالحسنؑ کے معاملہ میں یہ تعجب کی بات بھی نہیں ہے۔ اچھا اے ہرثمہ وہاں کدال مارو میں بھی تو دیکھوں کہ واقعی سچ ہے۔

ہرثمہ کا بیان ہے کہ میں نے کدال لیا اور ہارون کی قبر کے قبلہ کے جانب ایک مرتبہ کدال مارا اور فوراً

ایک کھدی ہوئی قبر نمودار ہوگئی اور اس قبر کے درمیان ضریح بنی ہوئی تھی اور لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔ مامون نے کہا اچھا اب ان کی میّت قبر میں اتار دو۔ میں نے کہا: میرے آقا نے فرمایا تھا کہ انتظار کرنا جب قبر کے اندر سے پانی پھوٹ نکلے اور پوری قبر پانی سے لبالب ہوجائے۔ اس میں ایک مچھلی نمودار ہو پھر وہ مچھلی غائب ہوجائے اور سارا پانی زمین میں واپس چلا جائے تب ان کی میّت کو قبر میں اتاروں۔ مامون نے کہا اچھا جیسا انھوں نے کہا تھا ویسا ہی کرو۔

ہرثمہ کا بیان ہے کہ سب اسی طرح ہوا۔ پھر میں نے آپ کی میّت کو قبر کے پہلو میں رکھا اور اس پر اور قبر پر ایک سفید چادر ڈال دی۔ میّت بغیر میرے یا کسی اور کے ہاتھ لگائے قبر میں اتر گئی۔ مامون نے لوگوں سے کہا کہ آؤ اب قبر پر مٹی ڈالو۔ میں نے کہا: یا امیر المومنین ایسا نہ کریں۔ مامون نے کہا پھر کیا قبر ایسی کھلی رہے گی پر کیسے ہوگی۔ میں نے کہا: مولا نے فرمایا تھا کہ میری قبر پر کوئی مٹی نہ ڈالے۔ بلکہ قبر خود بخود مٹی سے پر ہوکر چوکور اور زمین کے برابر ہوجائے گی۔ تو مامون نے لوگوں سے کہا: اچھا تو پھر مٹی نہ ڈالو۔ کچھ دیر میں قبر خود بخود مٹی سے پر ہوگئی اور زمین کی سطح کے برابر ہوکر چوکور ہوگئی۔

مامون نے مجھے تنہائی میں بلایا اور کہا بتا کہ جو کچھ تجھ سے سنا ہے کیا یہی باتیں سچ ہیں۔ میں نے کہا میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا۔ جو انھوں نے بتایا تھا کہا۔ مامون نے کہا میرا مطلب ہے اس کے علاوہ اور تو کچھ نہیں کہا تھا؟ میں نے کہا جی ہاں وہ انگور اور انار والی بات بتائی تھی۔ یہ سنتے ہی مامون کا رنگ کبھی زرد ہوجاتا کبھی سرخ اور کبھی بالکل سیاہ اور بالآخر وہ غش کھا کر گر پڑا اور اسی غشی کے عالم میں وہ بڑ بڑانے لگا۔ مامون پر اللہ کی نفرین مامون پر رسول اللہ کی نفرین۔ مامون پر علی کی نفرین۔ مامون پر فاطمہ زہرا کی نفرین۔ مامون پر حسنؑ وحسینؑ کی نفرین۔ اس طرح اس نے سب اماموں کے نام لے کر اپنے لئے نفرین کہا۔ پھر کہا خدا کی قسم یہ کھلا ہوا صاف صاف خسارہ اور گھاٹا ہوا۔(۱)

آپ کے پاس اس وقت عزیز واقربا اولاد وغیرہ میں سے کوئی نہ تھا۔ ایک تو آپ خود مدینہ سے غریب الوطن ہوکر آئے۔ دوسرے یہ کہ دار السلطنت مرو میں بھی آپ نے وفات نہیں پائی۔ بلکہ آپ سفر کی

---

(۱) بحار الانوار، جلد۵، ص/ ۳۰۵۔۳۰۰

حالت میں بعالم غربت فوت ہوئے۔اسی لئے آپ کو غریب الغرباء کہتے ہیں۔

جہاں مشہد مقدس میں حضرت کا روضہ آج تاجداران عالم کی جبیں سائی کا مرکز بنا ہوا ہے وہیں اپنے وقت کا بزرگ ترین شہنشاہ ہارونؔ رشید بھی دفن تھا۔جس کا نام ونشان تک وہاں جانے والوں کو معلوم نہیں ہوتا۔

امام علی رضاؑ کی اخلاقی فضیلت

امام علی رضاؑ بہت سادہ ومعمولی طرز زندگی فرماتے تھے اس قدر بلند مرتبہ وعظیم المنز لت ہونے کے باوجود آپ اپنے خادموں کے ساتھ دسترخوان پر تشریف فرما ہوتے تھے اوران کے ساتھ ہی کھانا تناول فرماتے تھے۔کھانا کھانے کے وقت جب تک تمام غلام وخدمت گار دسترخوان پر بیٹھ نہ جاتے آپ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے۔کئی بارلوگوں (عباسی دربار کے بعض متکبّرین) کی طرف سے اس کی تاکید کی گئی اور اس پر اصرار کیا گیا کہ امامؑ کے واسطے خاص غذا تیار کی جائے یا علیٰحدہ دسترخواں بچھایا جائے،لیکن امامؑ نے کبھی اس کی اجازت نہیں دی اوران توقعات کے جواب میں فرماتے تھے کہ ''مہ ان الرّب تبارک وتعالیٰ واحد والاب واحدولام واحدو لجناتر بالاعمال ''۔(خاموش رہو!اس قسم کی بات نہ کرو! کیونکہ ہم سب کا خالق و پروردگار ایک ہے،ہم سب کے ماں باپ ایک ہیں اور جزائیں اعمال وکردار کے اعتبار سے دی جائیں گی،ایسی صورت میں کیسے میں اپنے کو الگ اور ممتاز کرسکتا ہوں)۔

(۱) مستحقین وپسماندہ محتاج افراد کا خیال

امام کھانا کھانے کے وقت ایک بڑا پیالہ اپنے پاس رکھتے تھے اور ہر کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا سا نکال کراس پیالہ میں رکھتے اور پھر حکم دیتے کہ اسے ان فقراء اور محتاجوں کے درمیان تقسیم کردیا جائے جو معمولاً شہر کے کنارے اور گوشوں میں رہتے تھے اور سخت تاکید فرماتے کہ خبردار!نیکی کو ظاہر نہ ہونے دیں،اور فرماتے تھے کہ ''جو شخص کسی کے ساتھ احسان کرتا ہے اور اسے پوشیدہ رکھتا ہے تو اس کا ثواب کئی بار حج بجالانے کے برابر ہوگا۔''(۱)

---

(۱)اہلبیت اطہارؑ کی مختصر سوانح حیات،ص/۲۰۷،۲۰۶

حضرت امام رضاؑ کا اس سلطنت کی ولی عہدی پر فائز ہونا دنیا کے سامنے ایک نمونہ تھا کہ دین والے اگر دنیا کو پا جائیں تو انکا روّیہ کیا ہوگا۔ یہاں امام رضاؑ کو اپنی دینی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ضرورت تھی کہ زاہد اور ترک دنیا کے مظاہرے اتنے ہی نمایاں تر بنا دیں جتنے تزک و احتشام کے دنیاوی تقاضے زیادہ ہیں۔ چنانچہ تاریخ نے اپنے کو دہرا دیا اور علی رضاؑ کے لباس میں علی مرتضیٰؑ کی سیرت دنیا کی نگاہوں کے سامنے آ گئی آپ نے اپنی دولت سرا میں قیمتی قالین بچھوانا پسند نہیں کیئے بلکہ جاڑے میں بالوں کا کمبل اور گرمی میں چٹائی کا فرش ہوا کرتا تھا۔

آپ کے گہر بار کلاموں میں سے جو متواتر طور پر نقل کئے گئے ہیں ایک مشہور و معروف حدیث (حدیث سلسلۃ الذہب) کے نام سے ہے جو حضرت نے خراسان کے سفر میں مقام مرو (نیشاپور) پر ہزاروں استقبال کرنے والوں کے سامنے ارشاد فرمائی تھی، اس حدیث کا نام ''سلسلۃ الذہب'' رکھنے کا سبب یہ ہے کہ اس کی روایت سلسلہ وار جبرئیل امین تک پہنچتی ہے اور جبرئیل نے زبان قدرت سے اسے اس طرح سنا کہ: ''**کلمة لا اله الا لله حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی**'' یعنی کلمۂ لا الہ الا اللہ اور اس فلسفہ پر اعتقاد الٰہی محکم قلعہ ہے پس جو شخص اس کا اعتقاد رکھے گا اور اس کی راہ میں دفاع کرے گا وہ عذاب الٰہی سے محفوظ و بے خوف ہوگا۔

اس حدیث نے آج اپنی پوری تجلی اور پورا مقام پالیا ہے، مقصد توحید اور عظیم توحیدی نظام بہت بلند اور بے حد مستحکم الٰہی قلعہ ہے، جو لوگ توحید والٰہی نظام کے پرچم کے سایہ میں قدم بڑھائیں گے وہ روحانی اضطراب سے محفوظ اور وجدان اور اندرونی و بیرونی بے چینیوں اور عذاب سے آسودہ و نجات یافتہ ہوں گے، وہی توحیدی نظام جو جامعہ بشریت کی مادی و روحانی زندگیوں کا واقعی تکمیل کرنے والا ہے''۔

چنانچہ امام رضاؑ کی سیرت میں اس کے مختلف شواہد ہیں۔ جب یہ کہا جانے لگا کہ بنی عباس ظلم وستم اور فسق و فجور میں بنی امیہ سے کم نہ رہے تھے بلکہ بعض باتوں میں ان سے آگے بڑھ گئے اور اس کے ساتھ پھر بھی قرابت رسولؐ پر افتخار تھا۔ جس پر علی رضاؑ کا فرمانا کہ ''قرابت کوئی چیز نہیں اصل انسان کا عمل ہے'' اسی طرح ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ ''خدا کی قسم آبا وَاجداد کے اعتبار سے کوئی شخص آپ سے

افضل نہیں۔'' حضرت نے فرمایا۔''میرے آباؤاجداد کو جو شرف حاصل ہوا وہ بھی صرف تقویٰ، پرہیزگاری اور اطاعت خدا سے'' ایک شخص نے کہا کہ ''واللہ آپ بہترین خلق ہیں۔''

امامؑ نے فرمایا''اے شخص حلف نہ اٹھا جس کا تقویٰ و پرہیزگاری مجھ سے زیادہ ہو وہ مجھ سے افضل ہے۔''

امام رضا علیہ السلام کے خاموش افعال اور اس طرح کے اقوال سے مامون کے خاندانی نظام سلطنت پر برابر اثر پڑ رہا تھا۔اس نے تو آپ کو ولی عہد اس لئے بنایا تھا کہ سلطنت کا نظام مستحکم ہو جائے۔مگر اس کا اثر الٹا ہو رہا تھا۔اب آپ کے زندہ رہنے سے عوام کی ذہنیت میں یک لخت انقلاب پیدا ہو جائے گا اور عباسی سلطنت کا تختہ ہمیشہ کے لئے الٹ جائے گا۔پیش ہیں امام رضاؑ کی کچھ اخلاقی مثالیں۔

(۲) آپؑ ہر سوال کا جواب قرآن سے دیتے تھے

صولی نے ابی ذکوان سے روایت کی ہے کہ میں نے ابراہیم بن عباس کو کہتے سنا کہ میں نے حضرت امام رضاؑ کو کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ ان سے کسی نے کوئی سوال کیا ہو اور آپ کو اس کا علم نہ ہو۔میں نے آنحضرتؐ کے زمانے میں آپ سے بڑا عالم کسی اور کو نہیں پایا۔مامون نے بارہا آپ کی آزمائش کی اور ہر طرح کے سوالات آپ سے دریافت کیے جن کا جواب آپ فوراً ہی دیدیتے تھے۔آپ کی ساری گفتگو اور جوابات قرآن مجید سے ماخوذ ہوتے تھے۔آپ پورا قرآن مجید تین دن میں ختم کیا کرتے اور فرمایا کرتے کہ اگر چاہوں تو تین دن سے کم میں بھی ختم کر سکتا ہوں لیکن جب بھی کوئی آیت پڑھتا ہوں تو غور کرتا ہوں کہ یہ آیت کس چیز کے بارے میں نازل ہوئی اور کس وقت نازل ہوئی اس لئے تین دن میں ختم کرتا ہوں۔(۱)

(۳) آپؑ قیدخانے میں بھی ہر وقت عبادت کرتے تھے

ہروی کا بیان ہے کہ میں مقامِ سرخس میں اس گھر کے دروازے پر پہنچا جہاں امام رضاؑ نظر بند اور قید تھے۔میں نے قید خانہ کے داروغہ سے آپ سے ملاقات کی اجازت چاہی، اس نے کہا کہ آپ سے ملنے کی کوئی صورت نہیں۔میں نے دریافت کیا: کیوں؟ اس نے جواب دیا: وقت ہی کہاں ہے۔وہ دن رات میں ایک

---

(۱) عیون اخبار الرضا، جلد ۶، ص/۱۸۰

ہزار رکعت نمازیں پڑھتے ہیں۔صرف دن کے ابتدائی حصّے میں ذرا دم لیتے ہیں پھر زوال سے پہلے اور غروبِ آفتاب سے قبل نماز میں مشغول نہیں رہتے مگر اپنے مصلّے پر بیٹھے رہتے ہیں اور اپنے رب سے مناجات میں مصروف رہتے ہیں، میں نے کہا: اچھا تو ان ہی اوقات میں سے کسی وقت ملاقات کی اجازت حاصل کرو، اس نے میرے لئے اجازت مانگی۔میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ آپ اپنے مصلّے پر بیٹھے ہوئے کچھ سوچ رہے ہیں۔(۱)

(۴) آپ نے کتاب جفر کا مطالعہ کیا

نصر بن قاموس کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوالحسن (موسیٰ بن جعفر) کے بیت الشّرف پر آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔کہ دفعتاً آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور ایک حجرے کی طرف لے گئے، جیسے ہی آپ نے دروازہ کھولا تو ناگاہ میں نے دیکھا کہ آپ کے صاحبزادے علی رضاؑ اس کے اندر تشریف فرما ہیں اور ایک کتاب کا مطالعہ فرمارہے ہیں۔حضرت نے مجھ سے فرمایا: اے نصر! جانتے ہو یہ کون سی کتاب ہے جس کا یہ مطالعہ کررہے ہیں؟..........میں نے عرض کیا: نہیں.....فرمایا: یہ وہ کتابِ جفر ہے جس کو نبی یا وصیِّ نبی کے ماسوا کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔(۲)

(۵) آپ فصل الخطاب تھے

ہروی کا بیان ہے کہ حضرت امام رضاؑ ہر شخص سے اس کی ہی زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے اور خدا کی قسم آپ ہر زبان کو اہل زبان سے بہتر جانتے تھے اور اس سے زیادہ فصیح لہجہ میں گفتگو فرماتے تھے۔ایک دن میں نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! یہ ساری زبانیں آپس میں مختلف ہیں اور آپ ہر زبان جانتے ہیں! مجھے بڑی حیرت ہے! آپ نے ارشاد فرمایا: اے ابوصلت! میں اللہ کی طرف سے اس کی مخلوق پر حجّت ہوں۔اللہ تعالیٰ یہ کبھی نہیں کرتا کہ وہ کسی قوم پر ایسے شخص کو حجّت بنائے جو اس قوم کی زبان نہ جانتا ہو۔کیا تم نے حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کا یہ ارشادِ گرامی نہیں سنا کہ ہم کو فصل الخطاب عطا کیا گیا ہے۔تو فصل الخطاب اور کیا ہے؟ یہی تمام زبانوں کا جاننا تو ہے۔(۳)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، جلد۲، ص/۱۸۴ (۲) عیون الاخبار الرضا، جلد۲، ص/۲۶۴ (۳) عیون اخبار الرضا، جلد۲، ص/۲۶۸

(۶) آپؑ نے ایک چڑیا کی فریاد سنی

سلیمان جو اولادِ حضرت جعفرؑ بن ابی طالب میں تھے، کا بیان ہے کہ میں حضرت امام رضاؑ کے باغ میں تھا کہ ناگاہ ایک عصفور (چڑیا) آئی اور آپ کے سامنے آکر بیٹھ گئی اور چلّانے لگی۔ وہ بہت مضطرب تھی اور اپنی زبان میں کچھ کہہ رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: جانتے ہو یہ چڑیا کیا کہہ رہی ہے؟ میں نے جواب دیا: اللہ اور اللہ کے رسولؐ اور فرزندِ رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ کہہ رہی ہے کہ گھر میں ایک سانپ ہے جو میرے بچّوں کو کھانا چاہتا ہے۔ آپ اٹھیے، اپنا عصا لیجئے اور اسے مار دیجئے۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ نے فوراً عصا لیا اور گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک سانپ گھر میں چکّر لگا رہا ہے۔ آپ نے اسے مار دیا۔(۱)

(۷) آپؑ کے روضۂ اقدس پر سب کی دعا قبول ہوتی ہے

ابوطالب الحسین بن عبداللہ بن نبان طائی سے روایت ہے کہ ابومنصور بن عبدالرزاق نے حاکم طوس بیوری سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے کوئی لڑکا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ ابومنصور نے کہا: پھر تم مشہد مقدس روضہ امام رضاؑ پر جا کر اللہ سے کیوں دعا نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ لڑکا عنایت کرے؟ میں نے تو آپ کے روضہ پر جو دعا مانگی وہ قبول ہوئی۔ حاکم طوس کا بیان ہے کہ ابومنصور کے مشورہ پر میں روضہ اقدس حضرت امام رضاؑ پر حاضر ہوا اور اللہ سے دعا مانگی کہ مجھے لڑکا عطا کرے، تو خدا نے مجھے فرزند عطا فرمایا۔ پھر میں ابومنصور بن عبدالرزّاق کے پاس گیا اور اس سے بتایا کہ میں نے روضۂ اقدس پر جا کر دعا مانگی تھی، میری دعا قبول ہوئی۔ اللہ نے کرم کیا اور مجھے فرزند عنایت فرمایا۔(۲)

(۸) آپؑ نے ایک خارجی شخص کی دعا کو قبول فرمایا

مجھ سے ابونصر احمد بن حسین ضبعی نے بیان کیا اور یہ وہ شخص ہے کہ اس سے بڑا خارجی اور دشمن اہلبیتؑ آج تک مجھے نہیں ملا۔ اس کی خارجیت کا یہ حال تھا کہ وہ درود میں صرف ''اللّھم صلّی علیٰ محمد'' کہتا تھا ''وعلیٰ آله'' نہیں کہتا تھا۔

---

(۱) بصائر الدرجات، جزء ۷، باب ۱۴، جلد ۱۹ (مناقبِ آلِ ابی طالب)　　(۲) عیون اخبار الرضا، جلد ۲، ص ۲۷۹

بہر حال اس کا بیان ہے کہ مجھ سے ابوبکر حمامی الفرّ اء نے سکّۂ حرب نیشا پور میں یہ واقعہ بیان کیا (اس کا شمار بھی اصحاب حدیث میں ہوتا تھا۔) وہ کہتا تھا کہ ایک شخص نے اپنی ایک امانت میرے سپرد کی۔ میں نے اسے زمین میں دفن کر دیا اور اب بھول گیا کہ کہاں دفن کی ہے۔ جب ایک مدّت گزر گئی تو وہ شخص آیا اور اس نے اپنی امانت واپس مانگی۔ میں دفن کی جگہ بھول گیا تھا۔ اس لئے میں بہت پریشان تھا۔ وہ مجھ پر بد دیانتی کا الزام لگا رہا تھا۔ اس پریشانی میں میں مغموم و رنجیدہ اپنے گھر سے نکلا دیکھا کہ ایک قافلہ روضہ امام رضاؑ کی زیارت کے لئے مشہد جا رہا ہے۔ میں بھی اس کے ساتھ مشہد کے لئے روانہ ہو گیا وہاں پہنچ کر زیارت کی اور اللہ سے دعا کی کہ اس شخص کی امانت کے دفن کی جگہ کا کسی طرح پتہ چل جائے۔

رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ تم نے وہ امانت فلاں مقام پر دفن کی ہے۔ بہر حال جب زیارت سے واپس آیا تو میں نے صاحب امانت سے خواب میں جو کچھ تھا بیان کر دیا۔ مگر خود مجھے اپنے خواب پر اعتبار نہ تھا (اس لئے میں تو وہاں گیا نہیں۔) صاحب امانت خود گیا اور اس نے اس جگہ کو کھودا تو اس کی امانت مہر شدہ اس مقام پر مدفون مل گئی۔ اس کے بعد وہ شخص اپنے اس واقعہ کو سب سے بیان کرتا اور مشہد مقدس کی زیارت کا لوگوں کو شوق دلایا کرتا تھا۔ (۱)

(۹) آپ نے دکھ درد کو دور کیا

حکیمہ بنت موسیٰ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام رضاؑ کو دیکھا کہ آپ بیت حطب کے دروازے پر کھڑے ہوئے آہستہ آہستہ کسی سے باتیں کر رہے تھے، مگر مجھے وہاں کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آیا۔ تو میں نے عرض کیا: آپ کس سے مصروف گفتگو تھے؟ آپ نے فرمایا: یہ ایک زہرائی باشندہ ہے۔ میرے پاس آیا ہے اس نے کچھ دریافت کیا ہے اور مجھ سے اپنا دکھ درد بیان کیا ہے۔ میں نے عرض کیا: آقا! میں بھی چاہتی ہوں کہ اس کی آواز سنوں۔ آپ نے فرمایا: اگر تم اس کی آواز سنو گی، تو ایک سال تک بخار میں مبتلا ہو گی، میں نے عرض کیا جو بھی ہو مگر میں سننا چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: اچھا لو سنو! میں نے ایک سیٹی کی آواز سنی، پھر مجھے بخار آ گیا جو ایک سال تک رہا۔ (۲)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، جلد۲، ص/ ۲۸۰۔۲۷۹ (۲) کافی، جلد۱، ص ۳۹۵، مناقب آلِ ابی طالب، جلد۴، ص ۳۴۴

(۱۰) آپ کے ایک غلام کے مرنے پر یمنی چادر منگوانا

حسن بن علی الوشاء کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ خراسان گیا۔ میرے پاس تجارت کیلئے بیل بوٹے والے حلّے تھے۔ وہاں سے شہر مرو پہنچا۔ رات کا وقت تھا۔ (عقیدۃً موسیٰ بن جعفر پر توقف کا قائل تھا) میں نے وہیں قیام کیا۔ وہاں مجھے ایک حبشی غلام ملا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مدینہ کا باشندہ ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میرے آقا نے تم سے کہلایا ہے کہ میرا ایک غلام مر گیا ہے لہٰذا وہ یمنی چادر جو تمہارے پاس ہے بھیج دو تا کہ میں اس کو کفن دے دوں۔ میں نے پوچھا: تمہارا آقا کون ہے؟ اس نے جواب دیا: حضرت علی بن موسیٰ رضاؑ۔ میں نے کہا: میرے پاس نہ کوئی چادر ہے اور نہ کوئی حلّہ۔ سب میں نے راستے ہی میں فروخت کر دیئے۔ وہ غلام چلا گیا پھر واپس آ کر بولا کہ چادر تو تمہارے پاس موجود ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ میرے پاس کوئی چادر بھی ہے۔ وہ پھر واپس چلا گیا لیکن کچھ دیر کے بعد واپس آیا اور کہا: وہ فلاں ٹوکری میں رکھی ہوئی ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر واقعاً یہ سچ ہے تو پھر یہ بات آپ کے علم امامت کی دلیل ہے۔

بات یہ تھی کہ چلتے وقت میری لڑکی نے مجھے ایک یمنی چادر برائے فروخت دی تھی۔ اس کی قیمت سے خراسان سے فیروزہ اور منکا سیاہ (ایک قسم کا پتھر) خریدنے کی فرمائش کی تھی، مگر میں بھول گیا تھا۔ میں نے اس غلام سے کہا: اچھا جس ٹوکری کے لئے آپ نے فرمایا ہے، اسے تم ہی اٹھا لاؤ۔ وہ میرے سامان میں سے وہی ٹوکری نکال کر لے آیا۔ میں نے اسے کھولا تو کپڑوں کی تہہ میں وہ چادر مل گئی۔ میں نے چادر اس کے حوالہ کر دی اور کہا کہ اپنے آقا سے کہہ دینا کہ میں اس کی کوئی قیمت نہ لوں گا۔ وہ چلا گیا اور پھر واپس آیا۔ تم وہ چیز ہدیہ کر رہے ہو جو تمہاری نہیں ہے۔ یہ تو تمہاری فلاں لڑکی نے تم کو برائے فروخت دی تھی جس کی قیمت سے فیروزہ اور سیاہ منکا خریدنے کی فرمائش کی تھی۔ لہٰذا جو چیز اس نے منگائی تھی وہ خرید لو۔ خراسان میں اس چادر کی جو قیمت ہے وہ بھیج دی ہے۔(۱)

(۱۱) آپ نے تحائف لانے والے کو ڈاکوؤں سے بچایا

راوی کا بیان ہے کہ جس وقت امام رضاؑ خراسان تشریف لائے، تو تمام اطراف کے شیعہ جوق در جوق

(۱) مناقب آل ابیطالب، ج/۴، ص/۳۳۶

جوق آپ کے پاس پہنچنے لگے۔ چنانچہ علی بن اسباط بہت سے تحائف لے کر روانہ ہو، اگر راستے ہی میں ڈاکہ پڑ گیا اور سب کچھ لوٹ لیا گیا۔ خود اس کے منہ پر بھی چوٹ آئی جس کی وجہ سے اس کے دانت داڑھیں وغیرہ بھی ٹوٹ گئے۔ وہ غریب پاس کے ایک قریہ میں چلا گیا۔ رات کو سویا تو خواب میں حضرت امام رضاؑ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ تم غم نہ کرو۔ تمہارے تمام مال اور تحائف ہم تک پہونچ گئے ہیں، لیکن رہ گئی تمہارے دانتوں کی فکر، تو اس کے لئے سعد کو سفوف بنا کر منہ میں بھر لو۔ علی بن اسباط کا بیان ہے کہ یہ خواب دیکھ کر میں خوش خوش بیدار ہوا۔ فوراً سعد کو سفوف کیا اور اسے اپنے منہ میں بھر لیا اور اللہ تعالیٰ نے دوبارہ دانت اگا دیئے۔

راوی کا بیان ہے کہ جب امام رضاؑ کی خدمت میں پہنچا اور اذنِ باریابی پائی تو آپ نے فرمایا کہ سعد کے بارے میں جو کچھ میں نے ہدایت کی تھی وہ تو تم نے سچ پایا۔ اب تم اپنا مال واسباب، اور تحائف بھی دیکھ لو، جب وہ مال خانہ میں داخل ہوا تو تمام سامان نیز تحائف موجود پائے سب کچھ قاعدہ سے رکھے ہوئے تھے۔(۱)

(۱۲) آپؑ کا پوشیدہ طور پر خیرات دینا

الیسع بن جمرہ کا بیان ہے کہ میں حضرت امام رضاؑ کی مجلس میں آپ سے محوِ گفتگو تھا اور بھی بہت سے حضرات مسائل حرام وحلال دریافت کرنے کے لئے جمع تھے کہ اسی اثناء ایک طویل القامت شخص آیا اور عرض کرنے لگا: فرزندِ رسولؐ آپ پر میرا سلام ہو۔ میں آپ کے آباء واجداد کے دوستوں میں سے ہوں حج سے واپس آ رہا ہوں۔ میرا زادِراہ ختم ہو گیا ہے۔ اتنا بھی نہیں ہے کہ اپنی منزل تک پہنچ سکوں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے لیے کچھ زادِراہ مہیّا فرما دیں تا کہ میں اپنے شہر تک پہنچ جاؤں۔ ویسے تو اللہ نے مجھے بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ وطن پہنچ کر اتنی ہی رقم آپ کی طرف سے تصدّق کر دوں گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اچھا بیٹھو، اللہ تم پر رحم فرمائے۔ اس کے بعد آپ کچھ دیر مزید ہم سب سے گفتگو کرتے رہے تھوڑی دیر کے بعد سب لوگ چلے گئے۔ اب وہ شخص اور میں سلیمان جعفری اور خثیمہ رہ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ناگوار نہ ہو تو میں ذرا اندر ہو آؤں؟ سلیمان نے عرض کیا: جی ہاں، بسم اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کے کام انجام دلائے۔ حضرت کھڑے ہوئے اور حجرے میں داخل ہوئے، ایک ساعت کے بعد دروازہ بند کیا اور کواڑ (دروازے) کے اوپر سے (کواڑوں

(۱) بحارالانوار، جلد ۵، ص/۶۴

کے درمیان سے)ہاتھ باہر نکالا اور مردِ خراسانی کو بلایا اور فرمایا: لے یہ دوسو دینار اور خرچ کر ان کو میری طرف سے تبرّک جان کر۔ تجھے یہ رقم میری طرف سے تصدّق کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب یہاں سے چلا جا تا کہ ہم ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔

وہ شخص رقم لے کر چلا گیا تو سلیمان نے کہا: مولا میں آپ پر قربان، آپ نے تو اس پر مہربانی فرمائی اور اسے ایک بڑی خطیر رقم عنایت فرمادی، مگر آپ نے اس سے اپنا چہرہ کیوں چھپایا؟ فرمایا: اس ڈر سے کہ میں اس کے چہرے پر سوال کی وجہ سے ندامت کے آثار نہ دیکھوں۔ کیا تو نے رسول مقبولؐ کی یہ حدیث نہیں سنی، کہ در پردہ نیکی کرنے والے کو ستر حج کے برابر ثواب ملتا ہے اور بالاعلان گناہ کرنے والا مخذول ہے اور چھپا کر گناہ کرنے والا مغفور ہے۔ کیا تو نے اگلے لوگوں کا یہ قول نہیں سنا ہے کہ 'میں ایک دن اس کے پاس طلب حاجت کے لیے گیا مگر جب وہاں سے اپنے گھر والوں میں واپس آیا تو میرے چہرہ پر آب باقی تھی'۔(۱)

(۱۳) آپ اپنے مہمانوں سے خدمت نہیں لیتے

عبید بن ابی عبداللہ بغدادی سے روایت ہے کہ اس سے ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت امام رضاؑ کے یہاں ایک مہمان آیا۔ وہ رات کے وقت بیٹھا ہوا آپ سے باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں چراغ کی لو دھیمی پڑ گئی۔ مہمان نے ہاتھ بڑھایا کہ اس کی لو تیز کر دے۔ امام رضاؑ نے اسے روکا اور خود بڑھ کر چراغ کی لو کو درست کر دیا۔ پھر فرمایا: ہم اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنے مہمانوں سے خدمت نہیں لیتے۔(۲)

(۱۴) آپ نے غلاموں کو بچے ہوئے پھل پھینکنے کو منع کیا

امام رضاؑ کے غلام یاسر کا بیان ہے کہ ایک دن آپ کے غلاموں نے پھل کھائے جو بچ گئے وہ پھینک دیئے۔ جب حضرت امام رضاؑ نے دیکھا تو فرمایا: سبحان اللہ یہ بھی خوب رہی۔ بھائی، اگر تم کو ان کی ضرورت نہیں تھی تو بہت سے اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جن کو یہ میسّر نہیں ہیں۔ انھیں لے جاؤ اور ضرورت مندوں کو دے دو۔(۳)

---

(۱) کافی، جلد۴، ص/۲۳، ۲۴، کتاب مناقب، جلد۴، ص/۳۶۱ (۲) الکافی، جلد۶، ص۲۸۳ (۳) الکافی، جلد۶، ص/۲۹۷

(۱۵) آپؑ نے فرمایا کھانے کا احترام کرو

حضرت امام رضاؑ کے غلام یاسر اور نادر کا بیان ہے کہ ہم سے امام رضاؑ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کھانا کھا رہے ہو اور میں پہنچ جاؤں تو کھڑے نہ ہوا کرو، جب تک کہ کھانے سے فارغ نہ ہو جاؤ۔ اس کے بعد کبھی کبھی جب آپ ہم میں سے کسی کو طلب فرماتے اور ہم لوگ کھانا کھا رہے ہوتے تو کہہ دیا جاتا کہ سب کھانا کھا رہے ہیں۔ تو آپ فرما دیتے تھے، اچھا انہیں کھا لینے دو۔(۱)

(۱۶) جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

بزنطی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام رضاؑ سے اپنی کچھ تکلیفیں بیان کیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا: صبر کرو۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تمہارے سارے کام بنا دے گا۔ (انشاء اللہ) اس کے بعد فرمایا: اس دنیا سے مومنین کا بھیجا ہوا ذخیرہ اللہ جمع کر دیتا ہے۔ وہ اس سے بہتر ہے جو یہاں فوراً ان کو ملتا ہے۔ پھر آپ نے اس دنیا کو حقیر بتایا اور فرمایا کہ اس کی حقیقت ہی کیا ہے، کہ اس دنیا میں اللہ نے جن کو نعمتیں عطا فرما دی ہیں وہ خطرہ میں ہیں اس لیے کہ ان نعمتوں میں سے انھیں حقوقِ الٰہی ادا کرنا واجب ہے۔ خدا کی قسم مجھے جو نعمتیں اللہ نے عطا فرمائی ہیں ان کی وجہ سے ہمیشہ ڈرتا ہی رہتا ہوں کہ اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ ہو اور اس سے عہدہ برآ ہو جاؤں۔ میں نے عرض کیا: میں آپ پر قربان، اس قدر و منزلت کے باوجود آپ پر اس قدر خوف حقوق الٰہی طاری ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، ڈرتا ہوں اور اللہ کا شکر بھی ادا کرتا ہوں کہ اس نے نعمتیں مجھے عطا فرمائی ہیں۔(۲)

(۱۷) عیدین کی حیثیتوں میں فرق

محمد بن فضل نے حضرت امام رضاؑ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے عید الفطر کے موقع پر اپنے ایک غلام کو پکار کر فرمایا، اے فلاں، اللہ تعالیٰ تمہارے اور ہمارے عمل کو قبول فرمائے۔ پھر آپ نے عید قربان کے موقع پر فرمایا: اے فلاں، اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے عمل کو قبول فرمائے۔

---

(۱) الکافی، جلد ۶، ص/ ۲۹۸ (۲) کافی، جلد ۳، ص/ ۵۳

راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر میں نے عرض کیا: فرزند رسولؐ آپ نے عیدالفطر کے موقع پر تو کچھ اور ہی فرمایا تھا اور آج عید قرباں کے موقع پر کچھ اور فرما رہے ہیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں میں نے عیدالفطر کے موقع پر کہا تھا کہ اللہ تمہارے اور ہمارے عمل کو قبول فرمائے، اسلئے کہ اس کا عمل بھی وہی تھا جو میرا عمل تھا۔ (یعنی روزہ) ہم دونوں نے ایک ہی طرح کا کام انجام دیا تھا۔ مگر عید قربان کے موقع پر میں نے کہا، اللہ میرے اور تیرے عمل کو قبول فرمائے اسلئے کہ ممکن ہے ہم جانور کی قربانی کرسکیں اور وہ نہ کرسکے۔ اس لئے ہمارے اور اسکے عمل میں فرق ہوگا۔(۱)

(۱) روضۂ اقدس سے نور بلند ہونا اور مقفّل دروازے کا کھلنا

عبداللہ بن بنان طائی کی روایت ہے کہ میں نے محمد بن عمر نوقانی کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ ایک مرتبہ میں شب تاریک میں اپنے بالا خانہ پر سویا ہوا تھا کہ اتفاقیہ میری آنکھ کھل گئی اور مشہد مقدس حضرت امام رضاؑ (سناباد) کی طرف جو نظر گئی تو دیکھا کہ آپ کے روضۂ اقدس سے ایک نور بلند ہو رہا ہے، جس سے سارا مشہد مقدس اس طرح روشن ہے جیسے دن ہے۔ اس سے پہلے مجھے آپ کی امامت کے بارے میں شک رہتا تھا اور میری ماں بھی مخالف تھی۔ اس نے پوچھا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے مشہد مقدس سے ایک نور بلند ہوتے ہوئے دیکھا میری ماں نے کہا: یہ کچھ نہیں شیطانی خیالات ہیں۔

پھر دوسری شب کو جو پہلی شب سے بھی زیادہ تاریک تھی، اس میں بھی میں نے ویسا ہی نور بلند ہوتے ہوئے دیکھا جس سے سارا مشہدِ مقدس منور ہو رہا تھا۔ میں نے جا کر اپنی ماں کو بتایا اور اس کو لے کر اس بالا خانہ پر آیا جہاں سے مجھے وہ نور بلند ہوتا ہوا نظر آیا تھا۔ یہ دیکھ کر اسے بے حد تعجب ہوا وہ الحمداللہ کی تسبیح پڑھنے لگی۔ حالانکہ وہ بھی میری طرح ان پر ایمان نہیں رکھتی تھی۔ بہرحال میں اسی وقت دوڑا ہوا مشہد پہنچا تو دیکھا کہ روضہ کا دروازہ بند ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا پروردگارا اگر حضرت امام رضاؑ کی امامت واقعاً حق ہے تو میرے لئے اس روضہ کا دروازہ کھول دے، یہ کہہ کر میں نے اپنے ہاتھ سے دروازہ کو دھکا دیا تو دروازہ کھل گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: 'معلوم ہوتا ہے اچھی طرح سے بند نہیں تھا، اس لئے کھل گیا ہے، یہ سوچ کر

(۱) الکافی، جلد/۴، ص/۱۸۱

میں نے دروازہ کوخوب اچھی طرح بند کر دیا اور پورا اطمینان کر لیا اب یہ بغیر کنجی کے نہیں کھل سکتا تھا۔اس کے بعد میں نے پھر کہا کہ پروردگار، اگر حضرت امام رضاؑ کی امامت حق ہے تو میرے لئے اس دروازے کو کھول دے یہ کہہ کر میں نے دروازے کو پھر اپنے ہاتھوں سے دھکّا دیا اور وہ دروازہ کھل گیا۔ میں اندر گیا زیارت کی۔ وہیں نماز پڑھی اور حضرت امام علی رضاؑ کی امامت کا قائل ہوگیا۔اس کے بعد اب تک میں ہر جمعہ کو نوقان سے مشہد مقدس زیارت کے لئے آتا ہوں اور وہاں نماز پڑھتا ہوں۔(۱)

(۲) مالِ کثیر دینے والے کے دل کا حال معلوم تھا

علی بن محمد قاشانی کا بیان ہے کہ مجھ سے ایک صاحب نے یہ بیان کیا کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں مالِ کثیر پیش کیا۔مگر میں نے دیکھا کہ اس سے آپ کو کوئی مسرّت نہیں ہوئی کہ اسی اثناء آپ نے غلام کو آواز دی کہ پانی اور طشت لاؤ اور آپ کرسی پر بیٹھ گئے اور غلام سے فرمایا: میرے ہاتھوں پر پانی ڈالو۔اس نے پانی ڈالنا شروع کیا تو آپ کی انگلیوں سے پانی کے بدلے خالص سونا بہہ بہہ کر طشت میں گرنے لگا۔پھر آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: دیکھو جو شخص ایسا ہے وہ تمہارے اس مالِ کثیر کی کیا پروا کرے گا۔(۲)

(۳) عیادت کو آئے بھائی کے لئے موت کی خبر دی

یحییٰ بن محمد بن جعفر نے بیان کیا کہ میرے والد شدید بیمار ہوئے تو حضرت ابوالحسن الرضاؑ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں میرے چچا اسحاق بیٹھے ہوئے گریہ کر رہے تھے۔آنحضرت میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تمہارے چچا کیوں گریہ کر رہے ہیں؟......میں نے عرض کیا: ان کو محمد بن جعفر کی موت کا ڈر ہے اور ان کا جو حال ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔حضرت امام رضاؑ نے فرمایا: غم نہ کرو، محمد بچ جائیں گے اور اسحاق ان سے قبل عنقریب ہی انتقال کر جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میرے والد تو رو بصحت ہو گئے اور اسحاق انتقال کر گئے۔(۳)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، جلد۲، ص ۲۷۸ (۲) کشف الغمہ، جلد۳، ص ۱۳۷ (۳) عیون اخبار الرضا، جلد۲، ص/ ۲۰۶

(۴) اپنے صحابی کی پیاس بجھائی

محمد بن عبید اللہ قمّی کا بیان ہے کہ میں حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر تھا اور سخت پیاسا تھا لیکن میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ پانی مانگوں۔ تاہم آپ نے از خود پانی منگوا کر پہلے خود چکھ لیا۔ اس کے بعد مجھے دیا اور فرمایا: اے محمد! لو یہ ٹھنڈا پانی ہے۔ میں نے بخوشی پی لیا۔(۱)

(۵) ریّان کے دل کی بات زبانِ امامت پر

ریّان بن صلت کا بیان ہے کہ میں خراسان میں حضرت امام رضاؑ کے بیت الشرف پر حاضر ہوا اور معمر سے کہا: اگر تم مناسب سمجھو تو میرے آقا تک میری یہ درخواست پہنچا دو کہ آنجنابؑ مجھے اپنے ملبوسات میں سے کوئی لباس اور آپؑ کے درہم میں سے (جو آنجناب کے نام نامی سے جاری ہوتے ہیں) چند درہم عطا فرما دیں۔ چنانچہ معمر نے مجھے بتایا کہ میں جب آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور ابھی کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ خود حضرت ابوالحسنؑ نے ارشاد فرمایا: اے معمر! کیا ریّان نے اس خواہش کا اظہار نہیں کیا ہے کہ میں اسے اپنے ملبوسات میں سے کوئی ملبوس اور اپنے نام والے درہموں میں سے چند درہم اس کو دے دوں؟...... معمر کہتا ہے کہ یہ سن کر میں نے عرض کیا سبحان اللہ، ابھی ابھی درِ دولت پر وہ یہی تو کہہ رہا تھا........راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر آنجناب مسکرائے، پھر فرمایا: مومن با توفیق ہوتا ہے......اچھا اس کو بلا لاؤ........معمر نے مجھے آنجناب کے پاس حاضر ہونے کی خوش خبری سنائی........میں نے حاضر ہو کر سلام عرض کیا........آنجناب نے جواب سلام دیا۔ پھر اپنے ملبوسات میں سے دو لباس منگوا کر مجھے عطا فرمائے اور جب میں چلنے کے لئے اٹھا تو آپ نے تیس درہم میرے ہاتھ پر رکھ دیئے۔(۲)

(۶) مامون رشید کو بیٹے کی بشارت

عبداللہ محمد ہاشمی کا بیان ہے کہ میں ایک دن مامون رشید کے پاس گیا۔ اس نے مجھے کھانا کھلایا اور مجھ سے دلجوئی کی باتیں کیں، پھر سامنے پردہ کھینچنے کا حکم دیا، جب پردہ کھینچ دیا گیا تو آگے بڑھا اور پس پردہ جو

---

(۱) عیون اخبار الرضا، جلد۲، ص/۲۰۴ (۲) قرب الاسناد، ص/ ۱۹۸، کشف الغمۃ جلد۳، ص/۱۳۲ اور رجال کشی، ص/ ۴۵۷، بحار، جلد۵، ص/ ۲۷

مستورات تھیں، ان میں سے کسی ایک سے کہا: ''برائے خدا وہ طوس والا سفر سنانا''۔ تو اس نے وہ شعر پڑھنا شروع کر دیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ ''اللہ طوس کو سدا شاد و آباد رکھے اور عترتِ رسولؐ میں سے اس ذات کو بھی جس نے ہمیں غمگین چھوڑا اور یہاں آ کر مقیم ہو گیا۔''

راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر مامون رویا اور مجھ سے کہا، اے عبداللہ کیا ہمارے اور تمہارے خاندان والے ہمیں اس پر برا بھلا کہتے ہیں کہ ہم نے ابوالحسنؑ الرضا کو اپنا ولی عہد مقرّر کر دیا؟......... اچھا سنو خدا کی قسم میں تمہیں اپنا ایک واقعہ سناتا ہوں جس سے تمہیں بھی حیرت ہوگی اور وہ یہ کہ میں ایک دن ان کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ فرزند رسولؐ! میں آپ پر قربان۔ آپ کے آباء واجداد موسیٰؑ و جعفرؑ و محمدؑ و علیؑ ابن الحسینؑ کے ساتھ قیامت تک جو کچھ ہوا یا، جو کچھ ہونے والا ہے ان سب کا علم تھا۔ آپ بھی انہیں حضرات کے وصی اور وارث ہیں اور آپ کے پاس ان کا علم ہے۔ آج مجھے آپ سے ایک ضرورت درپیش ہے۔

آپؑ نے فرمایا: بتاؤ وہ کیا ضرورت ہے؟....... میں نے کہا: یہ ایک میری بہت پسندیدہ کنیز ہے اور میں اپنی تمام کنیزوں میں سے کسی کو اس پر ترجیح نہیں دیتا۔ صورت یہ ہے کہ وہ کئی مرتبہ حاملہ ہوئی مگر اس کا حمل ہر بار ساقط ہو گیا۔ اب بھی وہ حاملہ ہے آپ اس کے لئے کوئی ایسا علاج بتائیں جس سے اس کا حمل سلامت رہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اسقاط سے نہ ڈرو، حمل سلامت رہے گا اور اس کے بطن سے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو اپنی ماں سے مشابہ ہوگا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ایک زائد انگلی ہوگی جو خود سے اٹھ نہ سکے گی (جھولتی لٹکتی ہوئی ہوگی)۔ تو میں نے اپنے دل میں کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہر شئی پر قادر ہے۔

چنانچہ وقتِ حمل پورا ہونے پر اس کنیز کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو واقعاً اپنی ماں سے مشابہ تھا اور حضرت علی رضاؑ کے ارشاد کے مطابق اس کے زائد چھٹی انگلیاں موجود تھیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اس ولیعہدی کی تقرری پر مجھے کون ملامت کرے گا۔(۱)

(کتاب بحارالانوار سے یہ حدیث لکھی گئی ہے اس میں لکھا ہے کہ یہ طویل حدیث ہے جس کا کچھ حصّہ حذف کیا گیا ہے۔)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، جلد۲، ص/۲۲۴۔ بحارالانوار، جلد۵، ص۲۸

(۷) غریب جعفر بن علوی کو تونگری کی بشارت دی

حسین بن موسیٰؑ بن جعفرؑ بن محمدؑ کا بیان ہے کہ ہم بنی ہاشم کے چند نوجوان حضرت علی ابن موسیٰ الرضاؑ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اتنے میں اس طرف سے جعفر بن عمر علوی کا گذر ہوا اور وہ بیچارے بے حد بوسیدہ لباس میں اور بری ہیئت میں تھے۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر ہم میں سے ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا اور ہنسنے لگے .... حضرت امام رضاؑ نے ارشاد فرمایا (آج تم لوگ ان کی حالت کو دیکھ کر ہنس رہے ہو مگر) عنقریب دیکھو گے کہ یہ بہت مالدار، حشم و خدم والے ہو جائیں گے۔

چنانچہ آنحضرت کو یہ فرمائے ہوئے ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ والیٔ مدینہ بن گئے اور ان کی حالت بہت اچھی ہوگئی....... جب وہ ہماری طرف سے گذرتے تو ان کے ہمراہ دو خواجہ سرا اور بہت سے نوکر چاکر ہوتے۔ (اور یہ جعفر بن حسین بن علی بن عمر بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب تھے)۔(۱)

(۸) جناب رسالت مآبؐ کے موئے مبارک کی شناخت

انصار کی اولاد میں سے ایک شخص آیا۔ اس کے پاس ایک چاندی کی ڈبیہ تھی جس پر قفل لگا ہوا تھا۔ اس نے کہا لیجئے ایسا تحفہ آپ کو کسی نے نہ دیا ہوگا۔ یہ کہہ کر اس نے ڈبیہ کھولی اور اس میں سے سات عدد بال نکالے اور کہا کہ یہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ کے موئے مبارک ہیں۔ امام رضاؑ نے انھیں الٹ پلٹ کر دیکھا اور ان میں سے چار بال چن لیے اور فرمایا، یہ آنحضرت کے موئے مبارک ہیں اور پھر آپ نے ان کو بوسہ دیا۔ آپ نے اس کے دل کے شبہ کو دور کرنے کے لیے ان تین بالوں کو آگ پر ڈال دیا وہ جل گئے۔ پھر ان چاروں کو بھی آگ پر ڈالا، وہ نہیں جلے بلکہ سونے کی طرح دمک اٹھے۔(۲)

۹۔ آپ کے ہاتھوں کی انگلیاں شمع کی طرح روشن تھیں

حسین بن منصور نے اپنے بھائی سے روایت کی ہے کہ میں حضرت امام علی رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رات کا وقت تھا۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند فرمائے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا دس شمعیں روشن ہو گئیں

---

(۱) عیون اخبار، جلد/۲، ص/ ۲۰۸، مناقب، جلد/۴، ص/ ۳۳۵ (۲) مناقب، جلد۴، ص/ ۳۴۸

ہوں۔اسی دوران ایک شخص نے آ کر حاضر خدمت ہونے کی اجازت چاہی۔آپ نے اپنے ہاتھ نیچے کر لئے اوراسے اجازت دی۔(۱)

۱۰۔امامؑ کے معجزات پر شک کیا گیا

مفید بن جنید شامی کا بیان ہے کہ میں حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوااورعرض کیا کہ کچھ لوگ آپ کی ذات اورآپ کے معجزات کے متعلق بہت بحث کرتے ہیں۔اگراجازت ہوتو اس کے بارے میں بیان کرکے آپ سے گفتگو کروں،آپ نے ارشادفرمایا: آخرتو چاہتا کیا ہے؟ اپنا مطلب بیان کر۔میں نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے باپ اور ماں کوزندہ کردیں۔آپ نے فرمایا: اپنے گھر جا کر دیکھ دونوں زندہ ہوگئے۔اب جو میں گھر واپس آ کر دیکھتا ہوں تو وہ دونوں زندہ تھے۔اس کے بعدوہ میرے ساتھ دس روز اورزندہ رہےاوراس کے بعداللہ نے ان دونوں کی روحیں قبض کرلیں۔(۲)

۱۱۔امامؑ نے ابراہیم کی مشکل کو کہنے سے پہلے آسان کیا

کتاب''روضہ''میں عبداللہ بن ابراہیم غفاری کی ایک طویل روایت ہے۔اس میں عبداللہ بن ابراہیم بیان کرتا ہے کہ میرے قرض خواہ نے اپنی رقم کا بےحدتقاضا کیااور بہت پریشان کیا۔جب وہ چلا گیا تو میں فوراً مقامِ صریا پہونچا(یہ ایک قریہ ہے جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے جس کوحضرت امام موسیٰ بن جعفر نے بسایا تھا) تاکہ امام علی رضاؑ سے اپنے اس قرض خواہ کے بارے میں درخواست کروں۔آپ اس کو سمجھادیں، جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ کے سامنے دسترخوان بچھا ہوا تھا۔آپ نے فرمایا: آؤ کھانا کھالو۔میں نے کھانا کھایا، جب دسترخوان اٹھالیا گیا تو آپ مجھ سے مصروف گفتگو ہوگئے۔اس کے بعدآپ نے فرمایا،اس مصلّے کے نیچے جو کچھ ہے وہ اٹھالو، میں نے اٹھا کر گنا تو وہ تین سو دینار بلکہ کچھ زائد تھے۔ان میں ایک دینار پر یہ عبارت کندہ تھی(**لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ وعلی اھل بیتہ**)اوردوسری جانب یہ عبارت تحریر تھی کہ''یہ تمام دینار لےکراپنا قرض اداکرواور جو بچ جائیں ان کواپنے اہل وعیال پرخرچ کرو۔''(۳)

---

(۱)مناقب،ص/ ۴۴۸ (۲) کتاب النجوم بحوالہ ابن جریرطبری، بحارالانوار، جلد۵،ص/ ۵۵ (۳) کتاب مناقب آلِ ابی طالب،ص/ ۳۳۸

۱۲۔ دعبلؔ کو انعام عطا فرما کر ہدایت فرمائی

روایت میں ہے کہ دعبلِ خزاعی نے آپ کی مدح میں قصیدہ پڑھا، تو آپ نے اپنے نام کے ڈھلے ہوئے کچھ درہم اس کے پاس بطور انعام بھیجے۔ اس نے وہ درہم واپس کر دیئے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ انہیں اپنے پاس رکھ لو تمہیں ان کی ضرورت پیش آئے گی۔ دعبلؔ کا بیان ہے کہ جب میں اپنے گھر واپس آیا تو دیکھا کہ میرا سارا اثاثہ چوری ہو گیا ہے۔ مومنین کو جب یہ علم ہوا کہ میرے پاس متبرّک درہم ہیں تو انھوں نے ان متبرک درہموں کو تبرّکاً ایک ایک درہم کے عوض مجھے ایک ایک دینار دیا، اس طرح میں پھر مالدار ہو گیا۔ (اور امام کا قول سچ ہو گیا)۔(۱)

۱۳۔ ہارون الرشید کے بارے میں پیشینگوئی

امام علی رضاؑ کے بعض اصحاب کا بیان ہے کہ جس سال ہارون رشید نے حج کیا، اسی سال امام علی رضاؑ بھی حج کے ارادے سے روانہ ہوئے اور کوہِ فاران تک پہنچے جو راستے کے بائیں جانب واقع ہے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے اس پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا کہ فارع پر تعمیر کرنے والا اور اس کو (عمارت کو) مسمار کرنے والا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا۔ اس وقت تو ہماری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اس سے آپ کا مطلب کیا ہے۔ مگر جب ہارون رشید اس مقام پر پہنچا اور وہاں قیام کیا۔ یحییٰ بن جعفر کے ساتھ اس پہاڑ پر چڑھ گیا اور حکم دیا کہ اس پہاڑ پر ایک نشست گاہ تعمیر کی جائے۔ پھر حج کر کے مکہ سے واپس اس مقام پر آیا تو (اس عمارت کو جو اس کے حکم سے تعمیر ہوئی تھی) مسمار کر دینے کا حکم جاری کر دیا۔ وہاں سے پلٹ کر عراق گیا تو وہاں اس کے (ہارون الرشید) کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔(۲)

۱۴۔ امام کا گھوڑا بھی احترام کرتا تھا

ہارون بن موسیٰ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں امام رضاؑ کے ساتھ ایک صحرا میں تھا کہ یک بیک آپ کا گھوڑا اہنہنایا اور اس نے آپ کے ہاتھ سے لگام چھڑا لی، چند قدم دور ہٹا وہاں بول و براز کیا اور پھر واپس آ گیا،

---

(۱) الخرائج والجرائح، ص/ ۲۴۵

(۲) ارشاد، شیخ مفید، ص/ ۲۹۵، کافی، جلد ۱، ص/ ۴۹۱، مناقب، جلد ۴، ص/ ۳۳۹، الخرائج والجرائح، ص/ ۲۰۷

امام رضاؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت داوَدکو جوشرف دیا، اس سے کہیں زیادہ محمدؐ وآلِ محمدؐ کوعطا فرمایا ہے۔(۱)

۱۵۔امامؑ نے فرمایا موت کا وقت مقرر ہوتا ہے

احمد بن عمر حلاّل بیان کرتا ہے کہ میں نے امام رضاؑ سے عرض کیا کہ مجھے آپ کے متعلق اس خطّہ زمین کے حاکم سے خطرہ محسوس ہورہا ہے، آپ نے فرمایا: اس کا کوئی خوف نہیں۔ اللہ کا ایک ملک ایسا بھی ہے جہاں سونا پیدا ہوتا ہے اور اللہ نے اس کی حفاظت کے لئے اپنی ایک کمزور مخلوق چیونٹی کو مقرر کیا ہوا ہے۔ اگر ہاتھی بھی وہاں جانا چاہے تو وہ بھی زندہ واپس نہیں آسکتا۔ وشّاء کا بیان ہے کہ میں نے آپ سے اس ملک کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے، آپ نے فرمایا وہ بلخ اور تبّت کے درمیان ہے۔ وہاں پر اس سونے کی حفاظت کے لیے کتّے کی شکل کی بڑی بڑی چیونٹیاں ہیں۔ اس وادی کے تنگ راستے پر شہد کی مکھیاں ہیں۔ جہاں سے کوئی چڑیا بھی نہیں گذر سکتی اور وہ چیونٹیاں رات کو اپنے سوراخوں میں رہتی ہیں۔ کبھی کبھی لوگ اس مقام پر حملہ آور بھی ہوتے ہیں اور ایسی سواریوں پر سوار ہوکر راستہ طے کرتے ہیں جو ایک رات میں تیس فرسخ سفر طے کرتی ہیں اور ان سواریوں کی قوت برداشت بھی بہت ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اپنے بوجھ لاد کر نکل پڑتے ہیں اور جب وہاں پہنچتے ہیں تو یہ ان چیونٹیوں کے لئے گوشت کے ٹکڑے رکھتے ہیں اور راستے میں ان کو ڈالتے جاتے ہیں تاکہ وہ کھانے میں مشغول ہوجائیں۔ ورنہ وہ کسی سوار یا سواری کو بھی باقی نہ چھوڑیں۔ ان چیونٹیوں کی رفتار میں ہوا جیسی تیزی ہوتی ہے۔(۲)

۱۶۔امامؑ کی ایک خارجی سے گفتگو

محمد بن زید رازی، راوی ہے کہ جس وقت مامون رشید نے امام علی رضاؑ کو اپنا ولی عہد بنایا، تو اس روز میں خدمت امام میں حاضر تھا۔ وہاں خوارج میں سے ایک شخص اپنے ساتھیوں سے بولا: خدا کی قسم! میں اس شخص کے لیے آیا ہوں جو اس امر کا دعویدار ہے کہ میں فرزندِ رسولؐ ہوں اور پھر اس نے مامون جیسے طاغی اور نافرمان کی ولیعہدی قبول کررکھی ہے۔ میں اس سے اس کی حقانیت کی دلیل پوچھوں گا۔ اگر اس نے کوئی معقول دلیل پیش کی تو خیر ورنہ یہ چھرا جو میں نے آستین سے چھپایا ہوا ہے اسی کے ذریعے سے لوگوں کو اس سے چھٹکارا دلا دوں گا۔

(۱) مناقبِ آلِ ابی طالب، جلد۴، ص/۳۳۴ (۲) الخرائج والجرائح، ص/۲۰۷

یہ کہہ کر وہ آیا اور ملاقات کی اجازت چاہی۔آپ نے اجازت دے دی۔جب وہ سامنے آیا، تو آپ نے فرمایا، دیکھ میں تیرے سوال کا جواب دینے کے لیے ایک شرط پر تیار ہوں، اس نے پوچھا کہ وہ شرط کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر میں تیرے سوال کا ایسا جواب دے دوں جس سے تو واقعاً مطمئن ہو جائے اور اسے تسلیم کر لے تو پھر یقیناً یہ بھی ہوگا کہ جو چیز تو نے اپنی آستین میں چھپا رکھی ہے اسے توڑ کر پھینک دے گا۔ یہ سن کر اس خارجی کو بڑی حیرت ہوئی، اس نے فوراً اپنی آستین سے چھرا نکال کر توڑ دیا۔اور بولا، اچھا بتایئے کہ آپ اس طاغی کی حکومت میں کیوں شامل ہوئے؟ جب کہ آپ کے نزدیک اس کا شمار کفّار میں ہے۔آپ فرزندِ رسولؐ ہیں۔آخر اس کا سبب کیا ہے؟ امام نے فرمایا کہ تیری رائے میں یہ زیادہ کافر ہے یا عزیزِ مصر اور اس کے ملک والے؟ کیا ان لوگوں کا یہ حال نہیں ہے کہ یہ موحّد ہونے کے دعویدار ہیں جب کہ وہ لوگ نہ اپنے کو موحّد کہتے اور نہ اللہ کو جانتے تھے؟ مگر اس کے باوجود حضرت یوسف بن یعقوبؑ جو خود بھی نبی تھے اور نبی کے فرزند بھی تھے اور عزیزِ مصر باوجودیکہ کافر تھا، اس نے کہا کہ:۔

﴿قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيم﴾ (سورۂ یوسف، آیت ۵۵، پارہ ۱۲)

ترجمہ: ''مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کردے میں اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کروں گا۔''

پھر آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت یوسف کا اٹھنا بیٹھنا بھی فراعنہ کے ساتھ تھا۔اور میں تو رسول اللہؐ کی ایک اولاد کا ایک فرد ہوں۔مجھے اس ولی عہدی کے لیے مجبور کیا گیا اور زبردستی ولی عہد بنایا گیا۔پھر تو مجھ پر کیوں ناراض اور غصّہ ہو رہا ہے؟ یہ سن کر اس نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا، اب میں آپ سے خفا نہیں ہوں بلکہ گواہی دیتا ہوں کہ آپ فرزندِ رسولؐ ہیں اور جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا وہ سچ ہے۔(۱)

۱۷۔آپ کے بلانے پر صحرا کا ہرن آ گیا

عبداللہ بن شبرمہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام علی رضاؑ ہماری طرف سے گذرے۔لوگوں میں آپ کی امامت پر بحث ہونے لگی۔مگر جب آپ آبادی سے باہر پہونچے تو میں اور تمیم بن یعقوب سرّاج جو اہل برمہ سے تھا، بھی آپ کے ہمراہ ہو لیے۔ہم لوگ آپ کے مخالفین میں سے تھے اور زیدیہ مسلک سے

(۱) الخرائج والجرائح، ص/۲۴۵

تعلق رکھتے تھے۔ جب ہم صحرا میں پہونچے تو ہمیں ایک چمک سی نظر آئی۔آپ نے اس طرف اشارہ فرمایا تو دیکھا کہ ایک ہرن چلا آ رہا ہے اور وہ آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہوگیا۔آپ اس کے سر پر ہاتھ پھیر نے لگے۔ پھر اسے اپنے غلام کی طرف بڑھا دیا۔ ہرن اپنی چارہ گاہ کی طرف جانے کے لئے بیقرار ہوگیا۔تو حضرت نے اس سے کچھ فرمایا جس کو ہم نہ سمجھ سکے۔لیکن ہرن کی بیقراری دور ہوگئی۔اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: اے عبداللہ کیا اب بھی تم ایمان نہیں لائے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں میں ایمان لے آیا کہ آپ اللہ کی مخلوقات پر اللہ کی حجّت ہیں اور اب میں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ پھر آپ نے اس ہرن سے واپس جانے کے لئے فرمایا۔ یہ سن کر ہرن کے آنسو بہنے لگے۔آپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے تسلّی دی، اس کے بعد امامؑ نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے یہ ہرن کیا کہہ رہا تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسولؐ اور فرزند رسول ہی اس کو خوب جانتے ہیں۔ ہمیں کیا معلوم؟ آپ نے فرمایا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ آپ نے مجھے بلایا تو مجھے امید تھی کہ آپ میرا گوشت کھانا پسند فرمائیں گے۔اسی لئے میں حاضر خدمت ہوگیا۔اب جب آپ نے فرمایا کہ واپس جاؤ تو مجھے بڑا رنج ہوا۔(۱)

۱۸۔ امامؑ نے خواب میں ہدایت فرمائی

حسن بن علی الوشاءّ کا بیان ہے کہ مقامِ مرو میں ایک واقفی سے میں نے کہا کہ: اے بندۂ خدا، اللہ سے ڈرو اور اپنے دل کو نورِ ایمان سے پر کر لے اور اپنے اس عقیدے کو ترک کر دے اور امام رضاؑ پر ایمان لے آ۔ میں بھی تیری ہی طرح واقفی تھا مگر اللہ نے میرے دل کو نورِ ایمان سے بھر دیا، تم چہارشنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ کو روزے رکھو اور اللہ سے دعا کرو کہ وہ تمہاری رہنمائی کرے اور بذریعہ خواب تم کو ہدایت نصیب ہو۔اس کے بعد جب میں گھر آیا تو۔ حضرت امام رضاؑ کا حکم نامہ مجھے ملا۔اس میں تحریر تھا کہ اس شخص کو میری امامت کی طرف دعوت دو۔لہٰذا میں پھر اس کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ سو مرتبہ سورۂ الحمد پڑھو اور استخارہ کرلو۔ میں نے اس کو امامؑ کے حکم نامے کے بارے میں بھی سب کچھ بتا دیا تھا۔لہٰذا اب تمہارے لیے ضروری ہے کہ حسبِ ہدایت عمل کرو۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو نورِ ایمان سے مملو کر دے گا۔

---

(۱) الخرائج والجرائح، ص/۲۰۷

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور شنبہ کو علی الصباح میرے پاس آیا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت امام رضاؑ امام ہیں۔ آپ کی اطاعت فرض ہے، میں نے پوچھا یہ تبدیلی کیسے رونما ہوئی۔ اس نے بتایا کہ حضرت امام رضاؑ کل شب خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: اے ابراہیم، تجھے خدا کی قسم، تجھے حق کی طرف پلٹنا ہے۔ نیز اس نے کہا کہ اللہ کے سوا کسی کو بھی میرے متعلق کچھ خبر نہ تھی۔(۱)

۱۹۔ میری اور ہارون رشید کی قبر برابر برابر ہوگی

مسافر کا بیان ہے کہ میں حضرت امام علی رضاؑ کے پاس مقامِ منیٰ میں تھا کہ ادھر سے یحییٰ بن خالد کا گذر ہوا اور اس نے اپنی ناک گردوغبار سے بچنے کے لئے چھپا رکھی تھی۔ تو امامؑ نے فرمایا کہ ان بیچاروں کو معلوم نہیں کہ اس سال ان پر کیا گذرے گی؟ پھر فرمایا: اور اس سے زیادہ تعجب خیز امر تو یہ ہے کہ ہم اور ہارون رشید دونوں اس طرح برابر برابر رہیں گے اور یہ فرما کر آپ نے اپنی دو انگلیاں ملا کر بتایا۔(۲)

۲۰۔ زمین نے سونا اگل دیا

ابراہیم بن موسیٰ بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضاؑ سے کچھ رقم مانگی، آپ نے وعدہ فرما لیا۔ میں نے پھر درخواست کی۔ آپ اس وقت والئ مدینہ سے ملاقات کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہولیا۔ اس وقت ہم دونوں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ آپ ایک شخص کے مکان کے قریب سے گذر کر درختوں کے سائے میں ٹھہر گئے۔ اس وقت میں نے بیقراری میں پھر عرض کیا: مولا! میں آپ پر قربان! عید سر پر ہے اور بخدا میرے پاس ایک درہم بھی نہیں ہے، آپ نے یہ سن کر اپنا کوڑا زمین پر بہت زور سے رگڑا، پھر وہاں ہاتھ بڑھایا تو ایک سونے کا ڈلا اٹھا کر مجھے مرحمت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ فی الحال اس سے اپنا کام چلاؤ مگر، خبردار! جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس کو کسی پر ظاہر نہ کرنا۔(۳)

کتاب الخرائج والجرائح میں راوندی نے ص/۲۰۳ (ب۲۔ ج۲) پر یہ روایت تحریر کی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ راوی کہتا ہے کہ اس میں بڑی برکت ہوئی میں نے خراسان میں ستر ہزار کا مال خریدا اور اپنے

(۱) الخرائج والجرائح، ص/۲۰۷ (۲) مناقب آلِ ابی طالب، ص/۳۴۰، کافی، جلد۱، ص/۴۹۱

(۳) اختصاص، ص/۲۷۰، بصائر الدرجات، جزء، ص/۸

ہمعصروں میں سب سے زیادہ دولتمند ہو گیا۔

۲۱۔بغیر دریافت کیے ہر مسئلہ کا جواب

حسن بن علی الوشاّء کا بیان ہے کہ حضرت امام رضاؑ کی امامت پر یقین کرنے سے قبل میں نے بہت سے مسائل جو آپ کے آباءِ کرام سے مروی تھے انھیں لکھ کر ایک کتاب کی شکل میں جمع کر لئے تھے اور چاہتا تھا کہ ان مسائل کے ذریعے سے آپ کی امامت کو آزمالوں تا کہ یکسوئی حاصل ہو سکے۔

چنانچہ میں نے اپنی کتاب کو آستین میں چھپایا اور درِ دولت پر حاضر ہوا۔ چاہتا تھا کہ آپ سے تخلیہ کا کوئی وقت مقرّر کروں اور یہ کتاب آپ کو دے دوں۔ یہ سوچ کر ایک طرف جا بیٹھا۔ مگر فکر دامن گیر تھی کہ کسی طرح باریابی ہو۔ کیونکہ آپ کے در دولت پر بہت افراد موجود تھے۔ اسی اثناء ایک غلام بیت الشرف سے باہر آیا جس کے ہاتھ میں ایک تحریر تھی۔ اس نے بآواز بلند پکار کر کہا کہ تم میں الیاس بغدادی کا نواسہ حسن بن علی الوشاّء کون ہے؟ میں اٹھکر اس کے قریب پہنچا اور کہا: میں حسن بن علی الوشاّء ہوں، تمھیں مجھ سے کیا کام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ ایک تحریر ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ یہ میں تمھیں دے دوں لہٰذا یہ لے لے۔ میں نے اس تحریر کو لیا اور ایک طرف جا کر اسے پڑھا۔ بخدا، میں نے دیکھا کہ اس میں ایک ایک مسئلہ کا جواب تحریر تھا۔ بس فوراً ہی میں نے آپ کی امامت کا یقین کر لیا، اور اپنے واقفیّہ عقیدے کو ترک کر دیا۔(۱)

۲۲۔سفر میں پیاسوں کو اپنے اعجاز سے سیراب کیا

محمد بن حفص کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت موسیٰؑ کے ایک غلام نے بتایا کہ ایک دفعہ ہم چند آدمی ایک صحرا میں حضرت امام رضاؑ کے ساتھ تھے کہ ہمیں اور ہماری سواریوں کو سخت پیاس کا سامنا ہوا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہمیں اپنی جانوں کا خطرہ لاحق ہوا۔ تب ہم سے امام رضاؑ نے فرمایا: آؤ ہم تمھیں ایک جگہ بتائیں جہاں سے تمھیں پانی دستیاب ہو جائے گا۔

راوی کا بیان ہے کہ ہم لوگ اس مقام پر گئے۔ وہاں سے ہمیں وافر مقدار میں پانی بہم ہو گیا یہاں

(۱) عیون اخبار الرضا، جلد۲، ص/۲۵۰

تک ہم سب مع سواریوں کے سیراب ہوگئے۔لیکن وہاں سے روانہ ہونے سے قبل جب دوبارہ اسی مقام پر اس چشمہ کو تلاش کرنا چاہا تو دیکھا کہ اس مقام پر اونٹوں کی مینگنیوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا....اس کا ذکر میں نے قنبر کی اولاد میں سے ایک سے کیا جس کا خیال تھا کہ اس کا سن ایک سو بیس سال کا ہے تو اس قنبری نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی اور کہا کہ میں بھی اس قافلہ میں موجود تھا۔نیز اس قنبری نے یہ بھی کہا کہ یہ واقعہ خراسان جاتے ہوئے پیش آیا تھا۔(۱)

۲۳۔امام میرے قرض کو ادا کریں گے

ابومحمد غفاری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھ پر قرض کا بھاری بوجھ تھا۔میں نے سوچا کہ اس قرض کو ادا کرنے والا، سوائے میرے مولا و آقا حضرت امام رضاؑ کے اور کوئی نہیں ہے۔جب صبح ہوئی تو میں اپنے مولا کے بیت الشّرف پر زیارت کے لیے حاضر ہوا۔اجازت کے بعد داخل بیت الشرف ہوا آپ نے میرے کچھ عرض کرنے سے قبل خود ہی ارشاد فرمایا: ''اے ابومحمد تمہاری حاجت کا علم مجھے ہوگیا ہے۔فکر نہ کرو، میں تمہارے قرض کو ادا کردوں گا'' پھر جب شام ہوگئی تو افطار کے لئے کھانا آیا اور ہم نے کھانا کھایا اس کے بعد آپ نے فرمایا، اے ابومحمد رات کو یہیں قیام کروگے یا واپس جاؤ گے میں نے عرض کیا، مولا اگر میری حاجت پوری ہوجائے تو میں واپس ہی جانا چاہوں گا۔

راوی کا بیان ہے کہ آپ نے فرش کے نیچے سے ایک مٹھی رقم نکالی اور مجھے عنایت فرمائی۔وہ لے کر میں باہر نکلا اور چراغ کے سامنے جا کر دیکھا، تو وہ دینارِ سرخ تھے۔پہلا دینار جس پر میرا ہاتھ پڑا تھا، میں نے اس کے نقش کو دیکھا تو اس پر یہ کندہ تھا'اے ابومحمد یہ پچاس دینار ہیں۔چھبیس، ۲۶ دینار سے اپنا قرض ادا کرو اور چوبیس، ۲۴ دینار اپنے اہل وعیال کے خرچ کے لئے رکھنا۔'جب صبح ہوئی تو میں نے وہ دینار جس پر میرے لئے ہدایت کندہ تھی، دوبارہ تلاش کیا مگر نہیں ملا، جب کہ دیناروں کی تعداد میں کمی بھی نہیں تھی۔(یعنی پورے پچاس کے پچاس تھے)۔(۲)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، جلد۲، ص/ ۲۱۷

(۱) عیون اخبار الرضا، جلد۲، ص/ ۲۱۸

۲۴۔اولادِ نرینہ کی خواہش

حسن ابن موسیٰ بن بزیع کا بیان ہے کہ میرے پاس دو کنیزیں تھیں اور دونوں ہی حاملہ تھیں ۔ میں نے بذریعہ خط حضرت امام رضاؑ کو اس کی اطلاع دی اور درخواست کی کہ آپ دعا فرمائیں ان دونوں کے بطن سے اولادِ نرینہ پیدا ہو، اللہ ہمیں لڑکوں سے نوازے آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں انشاء اللہ دعا کروں گا........پھر اس کے بعد خود ہی خط تحریر فرمایا:''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری دنیا و آخرت بخیر فرمائے اور اپنی مہربانی کے زیر سایہ رکھے۔ یہ تمام امور اللہ کے دستِ قدرت میں ہیں۔ وہ جس کی قسمت میں جو چاہتا ہے مقدّر کر دیتا ہے۔ تیرے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا اور ایک لڑکی (انشاء اللہ) لڑکے کا نام محمد رکھنا، اور لڑکی کا نام فاطمہ، اس لیے کہ یہ اللہ کی عطا کردہ برکت ہے......راوی کہتا ہے کہ جیسا آپ نے ارشاد فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ یعنی ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی ۔(۱)

۲۵۔امام علی رضاؑ اور شیر قالین

علامہ محمد تقی ابن محمد باقر حضرت امام حسن عسکریؑ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام رضاؑ کی ولی عہدی کے زمانے میں ایک دفعہ شدید ترین قحط پڑا۔ مامون نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی:'' مولا! کوئی تدبیر کیجئے۔ کسی صورت سے دعا فرمائیے کہ خداوندِ عالم نزولِ باراں کر دے۔ اب ملک کی بری حالت ہوگئی ہے ۔بھوک اور پیاس سے لوگوں کے جان بحق ہونے کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔'' آپ نے ارشاد فرمایا: اے بادشاہ گھبرا نہیں میں دوشنبہ کے دن طلب باراں کے لیے نکلوں گا۔ مجھے اپنے پروردگار سے بڑی توقع ہے۔ انشاء اللہ نزولِ باراں ہوگا اور خلق خدا کی پریشانی دور ہوگی۔'' غرض یہ کہ وقت مقرّرہ آیا اور امامؑ صحرا کی طرف برآمد ہوئے۔ آپ نے مصلّیٰ بچھایا اور دستِ دعا بارگاہِ احدیت میں بلند کر کے دعا فرمائی۔ ابھی دعا کے جملے تمام نہ ہونے پائے تھے کہ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چلنے لگے۔ بادل چھا گئے' بوندیں پڑنے لگیں اور اس قدر بارش ہوئی کہ جل تھل ہوگیا۔ بادشاہ بھی خوش ہوا اور عوام بھی مطمئن اور آسودہ ہوئے۔ اس کرامت خاص

(۱) عیون الاخبار الرضا، جلد ۲، ص ۲۱۸۔۲۱۹

اور استجابت دعا کی وجہ سے بہت سے حاسد جل بھن گئے ۔ایک دن جب دربار آراستہ تھا۔انہیں حاسدوں میں سے ایک نے کہا: لوگ آپ کے بارے میں بہت خرافات نشر کرتے ہیں اور آپ کو بڑھانے کی سعی میں منہمک ہیں۔سب چاہتے ہیں کہ آپ کا پایہ بادشاہ سلامت کے پایہ سے بلند کردیں اور سنئے سب سے بڑی کرامت جو آپ کی اس وقت مشہور کی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے بارش کرادی ہے۔میں کہتا ہوں کہ جب کہ بارش عرصہ سے نہیں ہوئی تھی ۔وہ آپ دعا کرتے یا نہ کرتے ،اسے تو ہونا ہی تھا۔لہٰذا میری نظر میں آپ کی یہ کرامت کوئی حیثیت نہیں رکھتی ۔ہاں کرامت اور معجزہ تو یہ ہے کہ پیش نظر قالین اور مسند پر جو شیر کی تصویر بنی ہوئی ہے اسے جسم کردیجئے اور حکم دیجئے کہ مجھے پھاڑ کھائے۔

حضرت علی رضاؑ نے فرمایا کہ دیکھ میں نے کسی سے نہیں کہا کہ میری کرامت بیان کرے اور نہ یہ کہا ہے کہ مجھے بڑھانے کی کوشش کرے۔اب رہ گیا آب بارانی کا واقعہ، وہ خدا کی مہربانی وعنایت سے عمل میں آیا ہے اور اسے دنیا نے دیکھا ہے۔میں اس میں بھی اپنی کوئی تعریف نہیں چاہتا۔یہ سب خدا کی عنایت ہے، البتّہ جو تجھے یہ حوصلہ ہے کہ شیر قالین ومسند مجسّم ہوجائے اور تجھے پھاڑ کھائے تو لے یہ کئے دیتا ہوں۔

یہ فرما کر آپ شیر کی تصویروں کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے فرمایا اس فاسق وفاجر کو چیر پھاڑ کر اس طرح کھا جاؤ کہ اس کا نشان تک باقی نہ رہے۔

امامؑ کا یہ فرمانا تھا کہ دونوں شیر کی تصویریں مجسّم ہوگئیں اور انھوں نے ہمہمہ بھر کر کا فرازلی پر حملہ کردیا جس کا نام حمید بن مہران تھا اور اسے پارہ پارہ کر کے کھا ڈالا۔اس ہنگامہ کو دیکھ کر مامون بے ہوش ہوگیا۔امامؑ نے اسے ہوش میں لاکر شیروں کو حکم دیا کہ اپنی اصلی حالت وصورت میں ہوجاؤ۔ چنانچہ وہ پھر قالین ومسند کی تصویر بن گئے ۔(۱)

---

(۱) کاشف النقاب شرح عیون اخبار الرضا،ص/۲۱۶، چودہ ستارے، ص۴۵۹

بسم الله الرحمن الرحیم

(باب یازدہم)

حضرت امام محمد تقی -

''ابو جعفر''

- ولادت: ۱۰؍رجب المرجّب ۱۹۵ھ بمطابق ۸۱۱ء یوم جمعہ، بمقام مدینۂ منورہ
- شہادت: ۲۹؍ذی قعدہ ۲۲۰ھ کچھ علماء کا کہنا ہے ۵؍ذی الحجہ ۲۲۰ھ بروز سہ شنبہ
- والد: حضرت امام علی رضا علیہ السلام
- والدہ: جناب خیزران عرف سکینہ
- ازواج: آپ کی چند بیویاں تھیں جن میں ام الفضل بنتِ مامون اور سمانہ خاتون یاسری خاص تھیں۔
- بیٹے: امام علی نقیؑ اور موسیٰ مبرقع
- بیٹیاں: جناب فاطمہ اور جناب امامہ

امام محمد تقیؑ کے حالات

امام محمد تقیؑ رسولِ خداؐ کے نویں جانشین اور انوارِ معصومین کی گیارہویں قندیل تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام علی رضاؑ تھے والدہ ماجدہ۔ جناب خیزران عرف سکینہ تھیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ ام المومنین جناب ماریہ قبطیہ یعنی والدۂ جناب ابراہیم بن رسول کریمؐ کی نسل سے تھیں۔(۱)

کہا جاتا ہے، آپ امام رضاؑ کے اکلوتے فرزند تھے۔ بہرحال علمائے انساب کا اتفاق ہے کہ آپ کی اولاد سے ہی امام رضاؑ کی نسل (سید رضوی) چلی ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت

علماء کرام کا فرمانا ہے کہ امام المتقین محمد تقیؑ بتاریخ ۱۰ رجب المرجب ۱۹۵ھ بمطابق ۸۱۱ء یوم جمعہ بمقام مدینہ منورہ پیدا ہوئے تھے۔(۲)

آپ کی ولادت کے متعلق تواریخ میں لکھا ہے کہ امام رضا علیہ السلام کی بہن جناب حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے بھائی نے بلا کر مجھ سے کہا کہ آج تم میرے گھر میں قیام کرو، کیونکہ خیزران کے بطن سے آج رات کو خدا مجھے ایک فرزند عطا فرمائے گا۔ میں نے خوشی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔ جب رات آئی تو ہمسایہ کی اور چند عورتیں بھی بلائی گئیں، نصف شب سے زیادہ گزرنے پر یکا یک وضع حمل کے آثار نمودار ہوئے، یہ حال دیکھ کر میں خیزران کو حجرہ میں لے گئی اور میں نے چراغ روشن کر دیا۔ تھوڑی دیر میں امام محمد تقیؑ پیدا ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ مختون اور ناف بریدہ ہیں۔ ولادت کے بعد میں نے انہیں نہلانے کے لئے طشت میں بٹھایا، اس وقت جو چراغ روشن تھا گل ہو گیا۔ مگر پھر بھی اس حجرہ میں روشنی بدستور رہی اور اتنی روشنی رہی کہ میں نے آسانی سے بچّہ کو نہلا دیا۔ تھوڑی دیر میں میرے بھائی امام رضاؑ بھی وہاں تشریف لے

(۱) شواہد النبوت، ص/۲۰۴، روضۃ الصفا، جلد۳، ص ۱۶

(۲) روضۃ الصفا، جلد۳، ص/ ۱۶۔ وشواہد النبوۃ، ص/۲۰۴، وانوار نعمانیہ، ص/ ۱۲۷، چودہ ستارے، ص/ ۴۷۴

آئے۔ میں نے نہایت عجلت کے ساتھ صاحبزادے کو کپڑے میں لپیٹ کر حضرت کی آغوش میں دے دیا۔ آپ نے سر اور آنکھوں پر بوسہ دے کر پھر مجھے واپس کر دیا۔ دو، دن تک امام محمد تقی علیہ السلام کی آنکھیں بند رہیں۔ تیسرے دن جب آنکھیں کھلیں تو آپ نے سب سے پہلے آسمان کی طرف نظر کی۔ پھر داہنے بائیں دیکھ کر کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کیا۔ میں یہ دیکھ کر سخت متعجب ہوئی اور میں نے سارا ماجرا اپنے بھائی سے بیان کیا، آپؑ نے فرمایا تعجب نہ کرو، یہ میرا فرزند حجتِ خدا اور وصی رسول ہدیٰ ہے۔ اس سے جو عجائبات ظہور پذیر ہوں، ان میں تعجب کیا؟

محمد بن علی ناقل ہیں کہ حضرت امام محمد تقیؑ کے دونوں کندھوں کے درمیان اسی طرح مہر امامت تھی جس طرح دیگر آئمہ علیہم السلام کے دونوں کندھوں کے درمیان مہریں ہوا کرتی تھیں۔''(۱)

اسم گرامی، کنیت و القاب

آپ کا اسم گرامی محمدؑ تھا جو اس لئے رکھا گیا کیونکہ آپ اپنے جد بزرگوار پیغمبر اکرمؐ کے نظریات و مجاہدات پر عمل کرنے والے تھے۔ اس کے بعد زہد و تقویٰ کی بنا پر جو آپ کی ذات میں نمایاں طور سے مشاہدہ کئے گئے ''تقیؑ'' کے لقب سے ملقب ہوئے اور اس سخاوت و بخشش کی بناء پر جو آپ راہِ خدا میں فرماتے تھے ''جوادؑ'' سے بھی مشہور و معروف ہوئے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ ''آپ کا اسم گرامی، لوح محفوظ کے مطابق ان کے والد ماجد حضرت امام رضاؑ نے ''محمدؑ'' رکھا۔ آپ کی کنیت ''ابو جعفرؑ'' اور آپ کے القاب جواد، قانع، مرتضیٰ تھے اور مشہور ترین لقب تقیؑ تھا۔(۲)

لقب ''تقیؑ'' کی توجیہ

''امام محمد بن علی یعنی تقیؑ جواد کا لقب تقی اس لئے رکھا گیا کہ آپ اللہ سے بہت زیادہ ڈرتے تھے۔

علاوہ بریں ایک مرتبہ مامون رات کے وقت نشہ میں چور آپ کے پاس آیا اور اپنی تلوار سے آپ پر وار کیا اور سمجھ لیا کہ میں نے ان کو قتل کر دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مامون کے شر سے بچا لیا۔''(۳)

---

(۱) مناقب، ص/۳۹۴ (۲) روضۃ الصفا، جلد۳، ص/۱۶، شواہد النبوت، ص/۲۰۲، علام الوریٰ، ص/ ۱۹۹ (۳) بحار الانوار، جلد۹، ص/ ۱۹

مناقب میں مذکور ہے کہ آپ کا اصلی نام ''محمدؑ'' تھا کنیت ''ابوجعفر'' اور کنیت خاص ''ابوعلی'' تھی۔ آپ کے القاب مختار مرتضیٰ، متوکل، متّقی، زکی، تقی، منتخب، قانع جواد اور عالم ہیں۔(۱)

آپ کا حلیہ مبارک

آپ کے جسمانی اوصاف وخصوصیات کو مورخین نے اس طرح بیان کیا ہے،

''معتدل مائل بہ بلندی قد وقامت، چہرۂ مبارک کا رنگ گندمی مائل بہ سبزی، دندان ہائے مبارک سفید اور چھوٹے چھوٹے، ابرو باریک اور ملے ہوئے، آنکھیں سیاہ اور بڑی بڑی، ناک اونچی اور باریک تھی۔''(۲)

وارثِ امامت کی گواہی

جعفر بن محمد نوفلی سے روایت ہے کہ جس وقت امام رضاؑ قنطرہ ابریق میں تشریف فرما تھے، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں آپ پر قربان آئندہ کے متعلق میرے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا: تم میرے بعد میرے فرزند محمد کے دامن سے متمسک رہنا۔ اب رہ گیا میں تو میں ایسی جگہ جا رہا ہوں جہاں سے واپس نہ آؤں گا۔(۳)

محمد بن ابی عباد جس کو فضل بن سہل نے امام رضاؑ کا کاتب مقرر کیا تھا، اس کا بیان ہے کہ امام رضاؑ جب اپنے فرزند ابوجعفر کا تذکرہ کرتے تو گریہ فرماتے اور کہتے کہ میرے فرزند ابوجعفر نے مجھے یہ خط لکھا اور میں نے اپنے فرزند ابوجعفر کو یہ خط لکھا جب کہ وہ بالکل کمسن تھے اور مدینہ میں تھے۔ آپ اپنے فرزند کو اپنے خط میں بھی تعظیم کے ساتھ خطاب کرتے اور ابوجعفر امام محمد تقیؑ کا خط بھی آپ کے نام انتہائی فصیح وبلیغ ہوا کرتا تھا۔ میں نے حضرت امام رضاؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ابوجعفر میرے بعد میرے وصی اور میرے اہل خاندان میں میرے نائب وخلیفہ ہیں۔(۴)

بزنطی سے روایت ہے کہ ابن نجاشی نے مجھ سے پوچھا بتاؤ تمہارے امام کے بعد پھر کون امام ہوگا؟

---

(۱) بحار الانوار، جلد۹، ص/ ۱۹، (مناقب) (۲) اہل بیت اطہار کی مختصر سوانح حیات، (ایران) ص/ ۲۱۶

(۳) غیبت الشیخ ص/ ۵۲، مناقب، جلد۴، ص/ ۳۳۶، بحار، جلد۹، ص/ ۲۸

(۴) غیبت الشیخ ص/ ۵۲، مناقب، جلد۴، ص/ ۳۳۶، بحار، جلد۹، ص/ ۲۸

یہ سن کر میں ابوالحسن رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ابن نجاشی کا یہ سوال آپ کے سامنے پیش کیا: آپ نے فرمایا: میرے بعد میرا فرزند امام ہوگا۔ پھر فرمایا: کیا کسی میں اتنی جرائت ہے جو یہ کہہ سکے کہ میرا فرزند ہوگا۔ جبکہ اس کا کوئی فرزند نہ ہو۔ اور واقعاً ابھی حضرت ابوجعفرؑ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے مگر چند ہی دن گذرے تھے کہ پیدا ہوئے۔(۱)

زکریا بن یحییٰ بن نعمان بصری سے روایت ہے اس کا بیان ہے کہ میں نے علی بن جعفر بن محمد کو حسن بن حسین بن علی بن الحسن سے گفتگو کرتے ہوئے سنا۔ اثنائے گفتگو میں انہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے امام علی رضاؑ کی اس وقت مدد کی جب ان کے بھائیوں اور چچاؤں نے آپ کی مخالفت کی اور اس کے بعد ایک طویل حدیث بیان کی جس کے آخر میں یہ تھا کہ رسولِؐ خدا نے فرمایا: میرے ماں باپ قربان ہوں قبیلہ نوبیہ کی اس منتخب اور پاک کنیز کے فرزند پر جس کی نسل سے وہ فرزند پیدا ہوگا جو آوارہ وطن ہونے کے علاوہ دشمنان سے اپنے آباؤ اجداد کے خون کا انتقام لے گا، صاحب غیب ہوگا۔ لوگ یہ سمجھیں گے کہ وہ مر چکا ہے یا اس وادی میں ہلاک ہوگیا ہوگا جہاں وہ وطن چھوڑ کر گیا تھا۔ میں نے عرض کیا آپ نے سچ فرمایا اور یہ سن کر میں اٹھا اور امام محمد تقی جوادؑ کا ہاتھ پکڑ کر کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ میرے امام ہیں۔ میرے اس جملے پر امام رضا علیہ السلام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔(۲)

وصیت امام علی رضا علیہ السلام

ابومخنف کا بیان ہے کہ جب حضرت امام علی رضاؑ کو خراسان میں زہر دے دیا اور آپ بستر علالت پر کروٹیں لینے لگے، تو خداوندِ عالم نے امام محمد تقی کو وہاں بھیجنے کا بندوبست کیا۔ چنانچہ امام محمد تقی جب کہ مسجدِ مدینہ میں مشغولِ عبادت تھے، ایک ہاتف غیبی نے آواز دی کہ اگر آپ اپنے والد بزرگوار سے ان کی زندگی میں ملنا چاہتے ہیں تو فوراً خراسان کے لئے روانہ ہو جائیں۔ یہ آواز سننا تھا کہ آپ مسجد سے برآمد ہو کر داخل خانہ ہوئے اور آپ نے اپنے اعزاز و اقرباء کو شہادتِ پدر بزرگوار سے آگاہ کیا، گھر میں کہرام برپا ہوگیا۔ اس کے بعد آپ وہاں سے روانہ ہو کر ایک ساعت میں خراسان پہنچے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ دربان نے دروازہ بند

(۱) کافی، جلد ا، ص/۳۲۰، ارشاد، ص ۲۹۸ (۲) الارشاد، ص ۲۹۷، کافی، جلد ا، ص/۳۲۲

کرر کھا ہے۔آپ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو۔میں اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمت میں جانا چاہتا ہوں۔آپ کی آواز سنتے ہی امامؑ خود اپنے بستر سے اٹھے اور دروازہ کھول کر امام محمد تقیؑ کو اپنے گلے سے لگایا اور بے پناہ گریہ فرمایا۔امام محمد تقیؑ پدر بزرگوار کی بے بسی، بے کسی اور غربت پر آنسو بہانے لگے۔پھر امامؑ تبرکاتِ امامت فرزند کے سپرد کر کے راہی ملکِ بقا ہو گئے۔انا للہ و انا الیہ راجعون''(۱)

عبادت،زہد وتقویٰ

امام محمد تقیؑ عبادتِ خداوندی و پرہیزگاری،علم وتقویٰ،سخاوت میں بالکل اپنے والد بزرگوار کے مثل اور آپ ہی کے ہم قدم تھے،آپ مرتضٰی و قانع کے القاب سے ملقب تھے۔اس لحاظ سے انوارِ معصومینؑ کی طرح عبادت وزہد وتقویٰ میں مشہور تھے۔

چنانچہ وہ حدیث جو امام موسیٰ بن جعفرؑ سے منقول ہے اس میں امامؑ نے آپ کو اپنی خاص عنایات و توجہات سے نوازا ہے اور اپنے دوستداروں میں سے ایک شخص کو یہ وصیّت فرماتے تھے کہ''اگر تمہارے لئے ان سے ملاقات ممکن ہو تو انھیں میرا اسلام پہنچانا۔''

امام محمد تقیؑ عبادت میں رات رات بھر نمازیں پڑھتے تھے اور دن کے وقت زیادہ تر روزے رکھتے تھے اور حاجتمندوں کو پہنچاننے کے سلسلہ میں بصیرت کامل رکھتے تھے،سخاوت و کرامت کے مصداق کامل تھے اور تقویٰ میں''تقی'' کے معنی کے لحاظ سے نگہدار، پرہیزگار اور راہِ اصلاح وسداد وعفت کے سکھانے والے تھے،جن کے بارے میں دوست ودشمن سب متفق الرائے تھے۔

امام محمد تقیؑ کی علمی خدمات

امام محمد تقی علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کے سایۂ محبت وشفقت وتربیت میں چار سال اور کچھ ماہ ہی رہے جب آپ کی عمر کا پانچواں سال تھا تو امام علی رضاؑ کو مامون کی طرف سے مدینہ سے خراسان کی طرف سفر کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔آپ اس وقت سے جو اپنے باپ سے جدا ہوئے تو پھر زندگی میں ملاقات کا موقع نہ

---

(۱) کنز الانساب،ص/۹۵

ملا۔امام محمد تقی علیہ السلام سے جدا ہونے کے تیسرے سال امام رضاؑ کی وفات ہوگئی۔دنیا سمجھتی ہوگی کہ امام محمد تقیؑ کے لیے علمی اور عملی بلندیوں تک پہونچنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔اس لئے اب امام جعفرصادقؑ کی علمی مسند شاید خالی نظر آئے مگر خلق خدا کی حیرت کی انتہاء نہ رہی۔جب اس کمسن بچّے کو تھوڑے دن بعد ماموں کے پہلو میں بیٹھ کر بڑے بڑے علماء سے فقہ وحدیث، تفسیر اور کلام پر مناظرے کرتے اور ان سب کو قائل ہوجاتے دیکھا گیا۔ان کی حیرت اس وقت تک دور ہونا ممکن نہ تھی جب تک وہ مادّی اسباب کے آگے ایک مخصوص خداوندی مدرسہ تعلیم وتربیت کے قائل نہ ہوتے جس کے بغیر یہ معمّہ نہ حل ہوا اور نہ کبھی حل ہوسکتا ہے۔مامون کا ارادہ تھا کہ وہ امام محمد تقی کو اپنا داماد بنائے جو بنی عباس کے لوگوں کے لئے پھر تشویش کا باعث بنا۔اس حد تک کہ وہ اپنے دلی رجحان کو دل میں نہ رکھ سکے اور ایک وفد کی شکل میں مامون کے پاس آکر اپنے جذبات کا اظہار کردیا۔انھوں نے صاف صاف کہا کہ امام رضاؑ کے ساتھ جو آپ نے طریقۂ کار اختیار کیا وہی ہم کو ناپسند تھا مگر خیر وہ کم ازکم اپنی عمر اور اوصاف وکمالات کے لحاظ سے قابل عزّت سمجھے بھی جاسکتے تھے۔مگر یہ ان کے بیٹے محمدؑ تو ابھی بالکل کم سن ہیں، ایک بچّے کو بڑے بڑے علماء اور معززین پر ترجیح دینا اور اس قدر اس کی عزّت کرنا ہرگز خلیفہ کے لئے زیبا نہیں دیتا ہے۔پھر ام حبیبہ کا نکاح جو امام رضاؑ کے ساتھ کیا گیا تھا اس سے ہم کو کیا فائدہ پہنچا جو اب ام الفضل کا نکاح محمد ابن علیؑ کے ساتھ کیا جارہا ہے۔

مامون نے اس تمام تقریر کا یہ جوب دیا کہ محمد کمسن ضرور ہیں مگر میں نے خوب اندازہ کرلیا ہے کہ اوصاف کو کمالات میں وہ اپنے باپ کے پورے جانشین ہیں اور عالم اسلام کے بڑے علماء جن کا تم حوالہ دے رہے ہو، علم میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔اگر تم چاہو تو امتحان لے کر دیکھ لو۔پھر تمہیں بھی میرے فیصلے سے متفق ہونا پڑے گا۔یہ صرف منصفانہ جواب ہی نہیں بلکہ ایک طرح کا چیلنج تھا جس پر مجبوراً ان لوگوں کو مناظرے کی دعوت منظور کرنا پڑی۔حالانکہ خود مامون تمام سلاطین بنی عباس میں یہ خصوصیت رکھتا تھا کہ مؤرخین اس کے لئے یہ الفاظ لکھ دیتے تھے''کان بعدمن کبارا الفقهاء''یعنی اس کا شمار بڑے فقیہوں میں ہے۔اس لئے اس کا فیصلہ خود کچھ کم وقعت نہ رکھتا تھا مگر ان لوگوں نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بغداد کے سب سے بڑے عالم یحییٰ ابن اکثم کو امام محمد تقیؑ سے بحث کے لئے منتخب کیا۔

بغداد کے سب سے بڑے عالم یحییٰ ابن اکثم سے مناظرہ

مامون نے ایک عظیم الشان جلسہ اس مناظرہ کے لئے منعقد کیا اور عام اعلان کروادیا۔ ہر شخص اس عجیب اور بظاہر غیر متوازی مقابلے کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا جس میں ایک طرف ایک آٹھ برس کا بچّہ تھا اور دوسری طرف ایک آزمودہ کار اور شہرۂ آفاق قاضی القضاۃ۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہر طرف سے خلائق کا ہجوم ہو گیا تھا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ ارکان و دولت اور معزّزین کے علاوہ اس جلسے میں نو سو، ۹۰۰ کرسیاں فقط علماء و فضلاء کے لئے مخصوص تھیں۔ اس میں کوئی تعجب بھی نہیں اس لئے کہ یہ زمانہ عباسی سلطنت کے شباب اور بالخصوص علمی ترقی کے اعتبار سے زرّین دور تھا اور بغداد دارالسلطنت تھا جہاں تمام اطراف سے مختلف علوم و فنون کے ماہرین کھینچ کر جمع ہو گئے تھے اس اعتبار سے یہ تعداد کسی مبالغہ پر مبنی معلوم نہیں ہوتی۔

مامون نے حضرت امام محمد تقیؑ کے لئے اپنے پہلو میں مسند بچھوائی تھی اور حضرت کے سامنے یحییٰ ابن اکثم کے لئے بیٹھنے کی جگہ تھی ہر طرف کامل سنّاٹا تھا، مجمع ہمہ تن چشم و گوش بنا ہوا گفتگو شروع ہونے کا منتظر ہی تھا کہ اس خاموشی کو یحییٰ کے اس سوال نے توڑ دیا جو اس نے مامون کی طرف مخاطب ہو کر کیا تھا: ''حضور کیا مجھے اجازت ہے کہ میں ابو جعفرؑ سے کوئی مسئلہ دریافت کروں''۔

مامون نے کہا: تم کو خود ان ہی سے اجازت طلب کرنا چاہیئے۔

یحییٰ امام کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ''کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ سے کچھ دریافت کروں؟''

فرمایا: ''تم جو پوچھنا چاہو پوچھ سکتے ہو۔''

یحییٰ نے پوچھا: ''حالت احرام میں اگر کوئی شخص شکار کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟'' (اس سوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ یحییٰ حضرت امام محمد تقیؑ کی علمی بلندی سے بالکل واقف نہ تھا وہ اپنے غرور علم اور جہالت سے یہ سمجھتا تھا کہ یہ کم سن صاحبزادے تو ہیں ہی روزمرّہ کے روزے نماز کے مسائل سے واقف ہوں تو ہوں مگر حج وغیرہ کے احکام اور حالت احرام میں جن چیزوں کی ممانعت ہے ان کے کفاروں سے بھلا کہاں واقف ہوں گے؟) امامؑ نے اس کے جواب میں اس طرح سوال کے گوشوں کی الگ الگ تحلیل فرمائی جس سے اصل

مسئلے کا کوئی جواب دیئے بغیر ہی آپ کے علم کی گہرائیوں کا یحییٰ اور تمام اہل محفل کو اندازہ ہو گیا۔ یحییٰ خود بھی اپنے کو سبک پانے لگا اور تمام مجمع بھی اس کا سبک ہونا محسوس کرنے لگا: آپ نے جواب میں فرمایا: ''تمہارا سوال مبہم اور مہمل ہے۔ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شکار حل میں تھا یا حرم میں، شکار کرنے والا مسئلے سے واقف تھا یا ناواقف؟ اس نے عمداً اس جانور کو مار ڈالا یا دھوکے سے قتل ہو گیا۔ وہ شخص آزاد تھا یا غلام، کمسن تھا یا بالغ، پہلی مرتبہ ایسا کیا تھا یا اس کے پہلے بھی ایسا کر چکا تھا۔ شکار پرند تھا یا کوئی اور، چھوٹا تھا یا بڑا؟ وہ اپنے فعل پر اصرار رکھتا ہے یا پشیمان ہے؟ رات کو یا پوشیدہ طریقہ پر اس نے شکار کیا یا دن دہاڑے اور علانیہ؟ احرام عمرہ کا تھا یا حج کا؟ جب تک یہ تمام تفصیلات نہ بتائی جائیں اس مسئلے کا کوئی ایک معیّن حکم نہیں بتایا جا سکتا۔

یحییٰ کتنا ہی ناقص کیوں نہ ہوتا، بہرحال فقہی مسائل پر کچھ نہ کچھ اس کی نظر تھی، وہ ان کثیر التعداد شقوں کے پیدا کرنے ہی سے خوب سمجھ گیا کہ ان کا مقابلہ میرے لئے آسان نہیں ہے اس کے چہرے پر ایسی شکستگی کے آثار پیدا ہوئے جن کا تمام دیکھنے والوں نے اندازہ کر لیا اب اس کی زبان خاموش تھی اور وہ کچھ جواب نہ دیتا تھا۔ مامون نے اس کی کیفیت کا صحیح اندازہ کر کے اس سے کچھ کہنا بیکار سمجھا اور حضرت سے عرض کیا کہ پھر آپ ان تمام شقوں کے احکام بیان فرما دیجئے تا کہ ہم سب کو استفادہ کا موقع مل سکے۔

امامؑ نے تفصیل کے ساتھ تمام صورتوں کے جداگانہ جو احکام تھے بیان فرما دیئے۔ آپ نے فرمایا کہ ''اگر احرام باندھنے کے بعد ''حل'' میں شکار کرے اور وہ شکار پرندہ ہو اور بڑا بھی ہو تو اس کا کفّارہ ایک بکری ہے اور اگر ایسا شکار حرم میں کیا ہے تو دو بکریاں ہیں اور اگر کسی چھوٹے پرندے کو ''حل'' میں شکار کیا تو دنبے کا ایک بچّہ جو اپنی ماں کا دودھ چھوڑ چکا ہو، کفّارہ دے گا اور اگر حرم میں شکار کیا ہو تو اس پرندے کی قیمت اور ایک دنبہ کفارہ دے گا اور اگر وہ شکار چوپایہ ہو تو اس کی کئی قسمیں ہیں، اگر وہ وحشی گدھا ہے تو ایک گائے اور اگر شتر مرغ ہے تو ایک اونٹ، اور اگر ہرن ہے تو ایک بکری کفارہ دے گا۔ یہ کفارہ تو جب ہے کہ حل میں شکار کیا ہو۔ لیکن اگر حرم میں کئے ہوں تو یہی کفارے دگنے ہوں گے اور ان جانوروں کو جنہیں کفارے میں دے گا۔ اگر احرام عمرہ کا تھا، تو خانہ کعبہ تک پہنچائے گا اور مکّہ میں قربانی کرے گا اور اگر احرام حج کا تھا تو منیٰ میں قربانی کرے گا اور ان کفاروں میں عالم و جاہل دونوں برابر ہیں اور ارادے سے

شکار کرنے میں کفارہ دینے کے علاوہ گناہگار بھی ہوگا، ہاں بھولے سے شکار کرنے میں گناہ نہیں ہے اور آزاد اپنا کفارہ خود دے گا اور غلام کا کفارہ اس کا مالک دے گا۔ چھوٹے بچّے پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ بالغ پر کفارہ دینا واجب ہے اور جو شخص اپنے اس فعل پر نادم ہو، آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا۔ لیکن اگر اس فعل پر اصرار کرے گا تو آخرت میں بھی اس پر عذاب ہوگا۔''

یہ تفصیلات سن کر یحییٰ ہکّا بکّا رہ گیا۔ سارے مجمع سے احسنت احسنت کی آواز بلند ہونے لگی۔ مامون کو بھی کد تھی کہ وہ یحییٰ کی رسوائی کو انتہائی درجہ تک پہنچا دے۔ اس نے امام سے عرض کی کہ اگر مناسب معلوم ہو، تو آپ بھی یحییٰ سے کوئی سوال فرمائیں۔ حضرت نے اخلاق یحییٰ سے دریافت فرمایا کہ کیا میں بھی تم سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟ یحییٰ اب اپنے متعلق کسی دھوکہ میں مبتلا نہ تھا، اس نے کہا کہ حضور دریافت فرمائیں۔ اگر مجھے معلوم ہوگا تو عرض کروں گا، ورنہ خود ہی حضور سے معلوم کرلوں گا۔ حضرت نے سوال کیا:

''اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے صبح کو ایک عورت کی طرف نظر کی، تو وہ اس پر حرام تھی، دن چڑھے حلال ہوگئی، پھر ظہر کے وقت حرام ہوگئی، عصر کے وقت پھر حلال ہوگئی۔ غروب آفتاب پر پھر حرام ہوگئی۔ عشاء کے وقت پھر حلال ہوگئی۔ آدھی رات کو حرام ہوگئی، صبح کے وقت پھر حلال ہوگئی، بتاؤ ایک ہی دن میں اتنی دفعہ وہ عورت اس شخص پر کس طرح حرام و حلال ہوتی رہی؟

امامؑ کی زبان معجز بیان سے اس سوال کو سن کر قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم مبہوت ہوگئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ بالآخر انتہائی عاجزی کے ساتھ کہا: فرزندِ رسول آپ ہی اس کی وضاحت فرمادیں اور مسئلہ کو حل کردیں۔

امامؑ نے فرمایا! سنو وہ عورت کسی کی لونڈی تھی۔ اس کی طرف صبح کے وقت ایک اجنبی شخص نے نظر کی، تو وہ اس کیلئے حرام تھی۔ دن چڑھے اس نے وہ لونڈی خرید لی، حلال ہوگئی۔ ظہر کے وقت اس کو آزاد کردیا، وہ حرام ہوگئی۔ عصر کے وقت اس نے نکاح کرلیا پھر حلال ہوگئی۔ مغرب کے وقت اس سے ظہار کیا تو پھر حرام ہوگئی۔ عشاء کے وقت ظہار کا کفّارہ دے دیا تو پھر حلال ہوگئی۔ آدھی رات کو اس شخص نے اس عورت کو طلاق رجعی دی، جس سے پھر حرام ہوگئی اور صبح کے وقت اس طلاق سے رجوع کرلیا، حلال ہوگئی۔''

مسئلہ کا حل سن کر صرف یحییٰ ہی نہیں بلکہ سارا مجمع حیران رہ گیا اور سب میں مسرّت کی لہر دوڑ گئی۔ مامون کو اپنی بات کے اونچا رہنے کی خوشی تھی، اس نے مجمع کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ یہ وہ گھرانا ہے جو قدرت کی طرف سے علم کا مالک قرار دیا گیا ہے۔ یہاں کے بچوں کا بھی کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

مجمع میں جوش و خروش تھا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ بے شک جو آپ کی رائے ہے، وہ بالکل ٹھیک ہے۔ یقیناً ابو جعفر محمدؑ بن علیؑ کا کوئی مثل نہیں ہے۔(۱)

امام محمد تقیؑ کے ساتھ مامون کی بیٹی ام الفضل کا عقد

اس عظیم الشان مناظرہ میں حضرت امام محمد تقیؑ کی شاندار کامیابی نے مامون کو آپ کا گرویدہ بنا دیا۔ اور اس کی منزل اعتراف میں انتہائی بلندی پیدا ہو گئی، اس کے ہر قسم کے حسنِ ظن میں یقین کی روح دوڑ گئی۔ علماء لکھتے ہیں کہ مامون نے اس کے بعد فوراً ہی اپنی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کا تہیہ کر لیا اور ذرا بھی تاخیر مناسب نہ سمجھتے ہوئے، اسی جلسہ میں امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ اپنی بیٹی ام الفضل کا عقد کر دیا۔ حضرت امام محمد تقیؑ نے خطبہ نکاح پڑھا۔ یہ تقریب پوری شان و شوکت کے ساتھ انجام پذیر ہوئی۔ مامون نے خوشی میں بڑی فیاضی سے کام لیا، لاکھوں روپئے خیر و خیرات میں تقسیم کئے گئے اور تمام رعایا کو انعامات وعطایا کے ساتھ مالا مال کیا گیا''۔(۲)

علامہ شیخ مفید اور علاّمہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقیؑ نے جو خطبۂ نکاح پڑھا وہ یہ تھا۔

''**الحمدللّٰہ اقراراً بنعمته ولآ اله الا اللّٰہ اخلاصاً لو حدانیة .....** ''جو مہر مقرر کیا وہ مہر فاطمی مبلغ پانچ سو درہم تھا۔(۳)

جو خطبہ نکاح امام محمد تقیؑ نے اپنی زبان مبارک پر جاری کیا تھا وہ آج بھی شیعہ حضرات میں پڑھا جاتا ہے۔ تقریباً ایک سال تک امام محمد تقیؑ بغداد میں مقیم رہے۔ اس دورانِ قیام مامون نے آپ کی عزت و توقیر میں کوئی کمی نہیں کی۔ اس کے بعد اپنی زوجہ سمیت مدینہ مشرف تشریف لے آئے۔

---

(۱) رہنمایان اسلام (سید علی نقی صاحب) ص/۱۷۰۔۱۷۲، چودہ ستارے، ص/۴۷۹۔۴۸۱، صواعق محرقہ، ص/۱۲۲

(۲) سفر نامۂ حج و زیارات، ص/۴۳۴، طبع پشاور، ص/۱۹۷۲ء (۳) ارشاد مفید، ص ۴۷۷۔ نورالابصار، ص/۱۴۶

اقوالِ زریں امام محمد تقیؑ

امام محمد تقیؑ کے مختصر حکیمانہ مقولوں کا بھی ایک ذخیرہ ہے۔ بہت سے بزرگ مرتبہ علماء نے آپ سے علوم اہل بیت کی تعلیم حاصل کی۔ بعض علماء نے آپ کے مقولوں کی تعداد کئی ہزار بتائی ہے۔ پیش ہیں کچھ اقوالِ زریں:۔

(۱) آپس میں اتحاد قائم کرنے کے لئے جھوٹ بھی ناپسندیدہ نہیں ہے۔

(۲) نیکی کرو تا کہ دوسرے تم سے نیکی کریں۔ دوسروں پر رحم کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

(۳) خدا کی راہ میں کام کرتے وقت لوگوں کی (ملامت کی) پرواہ مت کرو۔

(۴) مصافحہ کرو، اس سے دل کے کینے دور ہوتے ہیں۔

(۵) بری عادتیں جاہلوں کی ہم نشینی کی دین ہیں۔

(۶) جو شخص ایسا کام کرے جس سے میاں بیوی میں جدائی ہو جائے، اس پر دنیا و آخرت میں غضب خدا رہے گا۔

(۷) سب سے بڑا ظلم و ستم وہ ہے جو انسان اپنے اعزاء پر کرے۔

(۸) کسی چیز کو استحکام اور مضبوطی سے پہلے ظاہر کر دینا تباہی کا باعث ہے۔

(۹) توبہ میں دیر کرنا دھوکا کھانا ہے۔ جھوٹا وعدہ پریشانی ہے۔

(۱۰) ایک دوسرے کو تحفہ دے کر محبت بڑھاؤ۔ جو تمہیں تحفہ دے تم بھی اسے ہدیہ دو۔

(۱۱) ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمایئے۔ آپؑ نے فرمایا قبول کرو گے؟ عرض کیا بے شک! حضرت نے فرمایا: صبر کو تکیہ قرار دو، فقر و احتیاج کا استقبال کرو، شہوانی خواہشات کو دور کرو، نفسیاتی خواہشات کی مخالفت کرو اور جان لو کہ تو خدا کی نظروں کے سامنے ہے اور دیکھ کہ (تیرا اعمال نامہ) کیسا ہے۔

(۱۲) وعدہ کی وفا کرنا اور معاہدہ کا احترام کرنا ایمان کا جزء ہے۔

(۱۳) اگر کسی کو کوئی چیز نہیں معلوم، تو معلوم کرنے میں شرم محسوس نہ کرے۔ کیونکہ ہر انسان کی قیمت اس کی

معلومات پر ہے۔

(۱۴) کبھی بھی امورِ خیر کو جتا کر ضائع مت کرو۔

(۱۵) اپنی زندگی کے دوران ہمیشہ امورِ خیر میں مشغول رہو اور دریائے رحمت سے سیراب ہوتے رہو۔

(۱۶) پست افراد کے پاس سوائے یادہ سرائی اور ناسزا کلمات کے اور کوئی حربہ نہیں۔

(۱۷) آزاد وہ ہے جو اپنے کو خواہشاتِ نفس سے آزاد رکھے۔

(۱۸) اپنے دشمن سے اچھے اخلاق کا برتاؤ کرو، جلدی کامیاب ہوگے۔

(۱۹) جو کوئی اپنے بھائی کے لئے کنواں کھودے گا، خود اس کا شکار ہوگا۔

(۲۰) سب سے خطرناک مرض ہوا و ہوس کی پیروی ہے۔

(۲۱) جو شخص دوسروں کے عیوب سے پردہ اٹھائے گا، ناگاہ خود اس کے عیوب بے پردہ ہو جائیں گے۔

(۲۲) تحصیل علم میں اگر کوئی لقمۂ اجل ہو جائے تو گویا وہ شہید ہے۔

(۲۳) علم بہترین میراث ہے اور اچھے اخلاق کا بہترین زیور۔

(۲۴) نیک اخلاق عقلمندوں کی ہم نشینی سے حاصل ہوتا ہے۔

(۲۵) ایمان والا ہمیشہ کینہ و شقاوت سے دور رہتا ہے۔

(۲۶) اللہ سے نزدیک ہونے کی علامت یہ ہے کہ ہمیشہ اس سے مانگے اور لوگوں سے نزدیک ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان سے نہ مانگے۔

(۲۷) مشکلات پر صبر کے ذریعہ قابو حاصل کرو کیونکہ بے تابی سے اجر بھی ضائع ہوتا ہے اور مصیبت بھی بڑھ جاتی ہے۔

(۲۸) ہرگز لوگوں کی خوشنودی کیلئے اللہ کو غضبناک نہ کرنا اور لوگوں سے قربت کیلئے اللہ سے دور مت ہونا۔

(۲۹) پاک دامنی ہوس کو کم کرتی ہے اور صدقات رحمت خداوندی کا باعث ہوتے ہیں۔

(۳۰) جب مستحب کام واجب امور میں رکاوٹ کا باعث ہوں انہیں ترک کردو۔

آپ کے دورِ امامت میں خلفاء وقت کا کردار

امام محمد تقیؑ کی ولادت کے وقت بغداد کے دارالسلطنت میں ہارون رشید کا بیٹا امین تختِ حکومت پر تھا۔لیکن جب اقتدار کی ہوس زیادہ کارفرما ہوئی تو دونوں بھائیوں امین اور مامون میں خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھے، امین قتل ہوا۔مامون کی خلافت تمام بنی عباس کے حدود سلطنت پر قائم ہوگئی۔

مامون نے اپنے سیاسی ہتھکنڈے اپناتے ہوئے امام علی رضاؑ کی شہادت کے بعد امام محمد تقیؑ کو اپنا داماد بنا لیا۔ مامون آپ کے بلندی نفس کا پورا اندازہ نہ رکھتا تھا۔اس کا تصوّر تھا کہ ایک کمسن بچّے کا عظیم الشان سلطنت کے شہنشاہ کا داماد ہو جانا یقیناً اس کے چال ڈھال طور طریقے کو بدل دے گا اور اس کی زندگی دوسرے سانچے میں ڈھل جائے گی۔حقیقت میں یہ ایک بہت بڑا مقصد ہوسکتا ہے جو مامون کی کوتاہ نگاہ کے سامنے بھی تھا۔بنی امیہ یا بنی عباس کے بادشاہوں کو آلِ رسولؐ کی ذات سے اتنا اختلاف نہ تھا (جتنا ان کے صفات سے) وہ ہمیشہ اس کے در پئے رہتے تھے کہ بلندی اخلاق اور معراج انسانیت کا وہ مرکز جو مدینہ میں قائم ہے اور جو سلطنت کے مادّی اقتدار کے مقابلے میں ایک مثال روحانیت کا مرکز بنا ہوا ہے، یہ کسی طرح ٹوٹ جائے۔اسی کیلئے وہ گھبرا گھبرا کر مختلف تدبیریں کرتے تھے۔حسینؑ سے بیعت طلب کرنا اسی کی ایک شکل تھی، پھر امام علی رضاؑ کو ولی عہد بنانا بھی اسی کا دوسرا طریقہ تھا، جو فقط ظاہری شکل وصورت میں ایک غیر معاندانہ طریقہ اور ارادت مندی کے روپ میں تھا اور باطن میں مخاصمانہ ومعاندانہ تھا۔مگر اصل حقیقت دونوں صورتوں میں ایک تھی۔جس طرح امام حسینؑ نے بیعت نہ کی، تو وہ شہید کر ڈالے گئے، اسی طرح امام رضاؑ ولی عہد ہونے کے باوجود حکومت کے مادّی مقاصد کے ساتھ نہ چل سکے تو آپ کو زہر کے ذریعے سے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا گیا۔

اب مامون کے نقطۂ نظر سے یہ موقع انتہائی قیمتی تھا کہ امام رضاؑ کا جانشین تقریباً آٹھ برس کا بچّہ ہے جو تین برس پہلے ہی باپ سے چھڑا لیا جا چکا تھا حکومت وقت کی سیاسی سوجھ بوجھ کہہ رہی تھی کہ اس بچّہ کو اپنے طریقے پر لانا نہایت آسان ہے اور اس کے بعد وہ مرکز جو حکومتِ وقت کے خلاف ساکن اور خاموش مگر انتہائی خطرناک قائم ہے ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔

امام محمد تقیؑ نے شادی کے ایک سال بعد مامون سے حجاز جانے کی اجازت لی جو انھوں نے بڑی

مشکل سے دی آپ ام الفضل کو مدینہ لے گئے۔ مدینہ میں تشریف لانے کے بعد ڈیوڑھی کا وہی انداز رہا جو اس کے پہلے تھا۔ نہ پہریدار، نہ کوئی خاص روک ٹوک، نہ تزک نہ احتشام، نہ اوقات ملاقات، نہ ملاقاتیوں کے ساتھ برتاؤ میں کوئی تفریق۔ زیادہ تر نشست مسجد نبویؐ میں رہتی تھی جہاں مسلمان حضرت کے وعظ ونصیحت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ راویانِ حدیث احادیث دریافت کرتے تھے اور طلباء علمی مسائل پوچھتے تھے۔ جس سے صاف ظاہر تھا کہ جعفر صادقؑ ہی کا جانشین ہے جو اسی مسند علم پر بیٹھا ہوا ہدایت کا کام انجام دے رہا ہے۔

امور خانہ داری اور ازدواجی زندگی میں آپ کے بزرگوں نے اپنی بیویوں کو جن حدود میں رکھا تھا ان ہی حدود میں آپ نے ام الفضل کو بھی رکھا۔ آپ نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی کہ آپ کی بیوی ایک شہنشاہ وقت کی بیٹی ہے۔ چنانچہ ام الفضل کے ہوتے ہوئے آپ نے حضرت عمار یاسر کی نسل سے ایک محترم خاتون کے ساتھ عقد بھی فرمایا اور قدرت کو نسل امامت اسی خاندان سے باقی رکھنا منظور تھی۔ یہی امام علیؑ نقی کی ماں ہوئیں۔ ام الفضل نے اس کی شکایت اپنے باپ کے پاس لکھ کر بھیجی۔ مامون کے دل کے لئے بھی یہ کچھ کم تکلیف دہ امر نہ تھا۔ مگر اسے اب اپنے کئے کو نباہنا تھا۔ اس نے ام الفضل کو جواب لکھا کہ میں نے تمہارا عقد ابوجعفرؑ کے ساتھ اس لیے نہیں کیا ہے کہ ان پر کسی حلال خدا کو حرام کر دوں۔ مجھ سے اب اس قسم کی شکایت نہ کرنا۔ ۲۱۸ھ میں مامون نے دنیا کو خیرباد کہا۔ اس کے بعد مامون کا بھائی اور ام الفضل کا چچا مؤتمن جو امام رضاؑ کے بعد ولی عہد بنایا جا چکا تھا، تخت سلطنت پر بیٹھا اور 'معتصم باللہ عباسی' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے بیٹھتے ہی امام محمد تقیؑ سے متعلق ام الفضل کے اسی طرح کے شکایتی خطوط کی رفتار بڑھ گئی، جس طرح کے اس نے اپنے باپ مامون کو خط بھیجے تھے، وہ اب چچا معتصم کو بھیجنے لگی۔ معتصم جو امام علی رضاؑ کی ولی عہدی کا داغ اپنے سینہ پر اٹھائے ہوئے تھا اور امام محمد تقیؑ کو داماد بنائے جانے سے تمام بنی عباس کے نمائندے کی حیثیت سے پہلے ہی اختلاف کرنے والوں میں پیش پیش رہ چکا تھا، اب ام الفضل کے شکایتی خطوط کو اہمیت دے کر اپنے اس اختلاف کو جو اس نکاح سے تھا حق بجانب ثابت کرنا تھا۔ پھر سب سے زیادہ امام محمد تقیؑ کی علمی مرجعیت آپ کے اخلاقی اثر کا شہرہ جو حجاز سے بڑھ کر عراق تک پہونچا ہوا تھا، وہ بنائے مخاصمت جو معتصم کے بزرگوں کو امام محمد تقیؑ کے بزرگوں سے رہ چکی تھی اور پھر اس سیاست کی ناکامی اور منصوبے کی شکست کا محسوس ہو جانا جو

اس عقد کا محرک ہوا تھا۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے معتصم مخالفت پر آمادہ ہوگیا۔ اپنی سلطنت کے دوسرے ہی سال امام محمد تقیؑ کو مع ام الفضل بغداد بلوا بھیجا۔ آپ مجبوراً اپنے فرزند امام علی نقیؑ اور ان کی والدہ کو مدینہ میں چھوڑ کر بغداد کی طرف روانہ ہو گئے۔

امام محمد تقیؑ کی ازواج واولاد

علماء نے لکھا ہے کہ امام محمد تقیؑ کی چند بیویاں تھیں، جن میں ام الفضل بنتِ مامون رشید عباسی اور سمانہ خاتون یاسری نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔ جنابِ سمانہ خاتون جو کہ حضرت عمار یاسر کی نسل سے تھیں، کے علاوہ کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، آپ کی اولاد کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ دو نرینہ اور دو غیر نرینہ تھیں جن کے اسماء یہ ہیں۔

(۱) حضرت امام علی نقیؑ (۲) جناب موسیٰ مبرقع علیہ الرحمۃ (۳) جناب فاطمہ (۴) جناب امامہ (۱)

سلسلۂ سادات رضویہ

حضرت امام علی رضاؑ کے ایک ارجمند فرزند حضرت امام محمد تقیؑ تھے۔ اس لئے امام علی رضاؑ کی نسل صرف امام محمد تقیؑ سے بڑھی جن کی اولاد کو ''رضوی'' کہا جاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جتنے سادات ''رضوی'' کہلاتے ہیں وہ دراصل تقوی ہیں یعنی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اگر حضرت امام رضا علیہ السلام کی اولاد امام محمد تقیؑ کے علاوہ کسی اور فرزند کے ذریعہ سے بھی ہوتی تو امتیاز کے لیے وہ اپنے کو ''رضوی'' کہتی اور امام محمد تقیؑ کی اولاد اپنے کو تقوی کہتی، مگر چونکہ امام رضاؑ کی نسل امام محمد تقیؑ سے چلی۔ سلطنتِ عباسیہ کے ولی عہد ہونے کی وجہ سے حضرت امام رضاؑ کی شخصی شہرت جمہور مسلمین میں بہت ہو چکی تھی، اس لئے تمام اولاد کا حضرت امام رضاؑ کی طرف منسوب کر کے تعارف کیا جانے لگا اور ''رضوی'' کے نام سے مشہور ہوئے اور امام علی نقیؑ کی اولاد نقوی کہلائی۔

حضرت امام محمد تقیؑ کی نسل دو بیٹوں سے بڑھی، ایک امام علی نقیؑ دوسرے موسیٰ مبرقع علیہ الرحمۃ۔ امام علی نقیؑ کی اولاد اپنے کو نقوی اور موسیٰ مبرقع کی اولاد مذکورہ وجہ کی بناء پر اپنے کو رضوی کہتی ہے۔ (۲)

---

(۱) ارشاد مفید، ص/۴۹۳، سواعق محرقہ، ص۱۲۳، روضۃ الشہداء، ص/ ۴۳۸، نور الابصار، ص/ ۱۴۷، انوار نعمانیہ، ص/ ۱۲۷، کشف الغمہ، ص/ ۱۱۶، اعلامہ الوریٰ، ص/ ۲۰۵، چودہ ستارے، ص/۴۹۴ (۲) کتاب رحمۃ اللعالمین، جلد۲، ص/ ۱۴۵

امام محمد تقی علیہ السلام کی شہادت

بغداد میں تشریف لانے کے بعد تقریباً ایک سال تک معتصم نے بظاہر آپ کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی مگر آپ کا یہاں کا قیام خود ہی ایک جبری حیثیت رکھتا تھا، جسے نظر بندی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اسی خاموش حربے سے جو اکثر اس خاندان کے بزرگوں کے خلاف استعمال کیا جا چکا تھا، آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا۔ ۲۹؍ذی قعدہ ۲۲۰ھ کو زہر سے آپ کی شہادت ہوئی اور اپنے جد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے پاس دفن ہوئے۔ آپ ہی کی شرکت کا لحاظ کر کے عربی کے قاعدے کے مطابق اس شہر کا نام کاظمین (دو کاظم: یعنی غصہ کو ضبط کرنے والے) مشہور ہوا ہے۔

رحلت کے وقت آپ کا سنِ مبارک ۲۵ سال کا تھا، آپ کی زوجہ (ام الفضل) معتصم کے محل میں رہنے والی عورتوں کا حصہ بن کر اسی محل میں رہنے لگی۔ امام محمد تقیؑ کی شہادت کے سلسلہ میں علماء کرام کے دو نظریہ پیش کئے گئے ہیں۔

پہلا نظریہ

امام کی فوق العادۃ محبوبیت اور ہر دلعزیزی لوگوں کے دلوں میں ہر روز بڑھتی جا رہی تھی۔ بہت سے گروہ حضرت کے کلام کے زیر اثر اور پابند تھے اور حضرت کے گرویدہ تھے۔ یہی سبب تھا کہ تمام عباسی حضرات ''جوادؑ'' کی شخصیت آپ کے اوصاف و خصائل اور تاثیر و نفوذ کلام کی وجہ سے وحشت اور گھبراہٹ سے دوچار ہو گئے اور سازشوں و سیاہ کاریوں میں مصروف ہو گئے اور حضرت کے قتل پر کمر باندھ لی۔ جو حربے وہ آپ کے بزرگوں کے ساتھ اپناتے آئے تھے، یہاں بھی استعمال کئے گئے اور آپ کی زوجہ (ام الفضل) جو معتصم کی بھتیجی تھی، اس کو بھی ہمیشہ امام محمد تقیؑ سے شکایت رہتی تھی، اس لئے معتصم نے اس کے ذریعے زہر آلود انگور کھلا کر حضرت کو مسموم کیا، اور پھر وہی ام الفضل خلیفہ کے حرم اور اہل بیت میں پہنچ ہو گئی۔

امامؑ کی شہادت کے اس حادثۂ عظیم اور ناقابل تلافی خسارہ نے دلوں میں گہرے رنج و غم کی لہر دوڑا دی۔ پایہ تخت اور دوسرے صوبے اور شہر سب ایک دم سے معطل ہو گئے۔ لوگوں کو بڑی حیرت تھی۔

دوسرا سبب

امامؑ کی شہادت کا جو پہلا سبب ہم نے بیان کیا ہے، اسی کے موافق اکثر مؤرخین کی رائے زیادہ ہے لیکن ''جناب عیاشیؒ'' صاحب کی مشہور تفسیر میں ایک دوسرا نکتہ کا بیان ہوا ہے جو کہ اہمیت و اعتبار سے خالی نہیں ہے خصوصاً اس لئے کہ متاخرین میں سے چند علماء نے اس نظریہ کو قبول کیا ہے۔ عیاشیؒ لکھتے ہیں کہ ''امام عالی مقام کی مسمومیت کا سبب خشک و بے جا مذہبی تعصّبات تھے جو اس زمانہ کے بعض دین فروش عالم نماؤں کی طرف سے ظہور پذیر ہوئے اور اس کا قصہ حسب ذیل ہے۔

ذرقان جو احمد بن ابی داؤد (قاضی القضاۃ بغداد بزمان معتصم) کا مصاحب و ندیم تھا نقل کرتا ہے کہ ایک روز قاضی القضاۃ معتصم کے دربار سے واپس آیا تو بہت بے چین اور غصّہ میں بھرا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے جو میں آپ کو اس قدر متأثر دیکھ رہا ہوں؟

اس نے کہا۔ میں ان ابوجعفر فرزند علی بن موسیٰ الرضاؑ کے ہاتھوں بہت پریشان ہوں۔ اے کاش آج سے ۲۰ سال قبل ہی رخصت ہو گیا ہوتا اور ایسے حالات نہ دیکھتا جو اب دیکھ رہا ہوں۔ لوگوں نے ایک چور کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا جس نے خود چوری کا اقرار کیا۔ خلیفہ نے فقہاء سے اس پر حد جاری کرنے کا طریقہ دریافت کیا۔ ان میں محمد بن علیؑ بھی موجود تھے۔ میں نے جواب میں کہا کہ اس کا ہاتھ گٹے سے کاٹنا چاہئے۔ معتصم نے پوچھا کہ اس کی دلیل کیا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاتھ کا اطلاق ہتھیلی اور انگلیوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے، قرآن مجید تیمّم کے موقع پر آواز دے رہا ہے کہ چہرہ اور ہاتھوں پر مسح کرو، تو وہاں پر یہی پورا ہاتھ (ہتھیلی مع انگلیوں کے) مقصود ہے۔ علماء کی ایک بڑی اکثریت بھی میری ہی ہم خیال و ہم زبان تھی۔ لیکن دوسرے بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا کہ چور کا ہاتھ کہنیوں تک کاٹنا چاہئے کیونکہ آیۂ وضو میں خدا فرماتا ہے! ''فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ ''یعنی کہنیوں کی حد تک دھویا جائے تو یہ حد بندی بتاتی ہے کہ ہاتھ کا اطلاق کہنیوں سے انگلیوں تک ہے اور چور کا ہاتھ بھی کہنیوں تک کاٹنا چاہیئے۔

چونکہ اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف واقع ہو گیا اس لئے خلیفہ نے محمد بن علی کی طرف رخ کیا اور کہا: اے اباجعفر! آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

حضرت نے فرمایا کہ چونکہ علماء اس مسئلہ میں بحث کررہے ہیں، اس لئے مجھے آپ معاف رکھیں۔ معتصم نے کہا: آپ کو خدا کی قسم کہ آپ بھی اس بحث میں اپنا نظریہ ظاہر فرمائیں۔ ابوجعفرؑ نے کہا کہ اب جبکہ تم نے مجھے قسم دی ہے تو کہتا ہوں کہ یہ حدیں جو علماء مجلس نے بیان کیں یہ سب اشتباہ و خطا ہیں۔ چور کے ہاتھ کی صرف انگلیاں بغیر انگوٹھے کاٹی جائیں۔

خلیفہ نے پوچھا کہ آپ کی دلیل کیا ہے؟

تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ سجدہ بدن کے سات اعضاء پر ہوتا ہے ، پیشانی ، دونوں ہاتھ ، دونوں پاؤں کے انگوٹھے اور دونوں گھٹنے۔ پس اگر ہاتھ کو گٹے سے کاٹ دیا جائے گا تو اعضاء سجدہ میں ایک عضو کی کمی واقع ہوجائے گی ، حالانکہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ سجدہ گاہیں (اعضاء سجدہ) مالِ خدا ہیں اور مال و امر خدا میں کوئی شریک و سہیم قرار نہ دو۔ لہٰذا جو عضو خدا کیلئے مخصوص ہوگیا، اسے کاٹنا نہیں چاہئے (اور آیۂ وضو میں دھونے کی حد کا تعیین مقصود ہے، نہ کہ محدود کی حد اور اس کی تعیین)۔

معتصم امامؑ کی اس تعبیر سے بہت خوش ہوا، اور امامؑ کے بیان کے مطابق حکم دیا کہ چور پر حد جاری کریں، ذرقان کہتا ہے کہ ابن ابی داؤد بہت زیادہ پریشان تھا، اس خیال سے کہ امامؑ کا نظریہ کیوں مان لیا گیا۔

اس واقعہ کے تین روز کے بعد (قاضی القضاۃ) خلیفہ کے پاس گیا اور کہا: اے امیر! میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ کو نصیحت کروں اور یہ نصیحت آپ کی اس محبت کا جو آپ ہم سے رکھتے ہیں شکرانہ ہے۔ میں ڈرتا آیا ہوں کہ اگر نہ کہوں تو کفران نعمت کا مرتکب ہوں گا اور عطاب الٰہی کا مستوجب قرار پاؤں گا، وہ میری نصیحت یہ ہے کہ:

جس وقت آپ علماء وفقہاء کی مجلس تشکیل دیں تا کہ کسی اہم دینی مسئلہ کا حل تلاش کریں تو یہ صحیح ہے کہ یہ امر مجلس بند کمروں میں ہوا کرتی ہے لیکن اس مجلس کے باہر فوجی افسران، وزراء، وامراء اور منشیان دروازوں پر موجود رہتے ہیں اور شاہد و ناظر رہتے ہیں، اس مجلس کے مذاکرات اس کے باہر بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ جب سننے والے یہ دیکھیں گے کہ آپ علماء فقہاء کی اکثریت کی رائے کو ایک فرد واحد کی رائے کے تحت الشعاع میں ڈال دیتے ہیں اور ایک ایسے فرد واحد کی رائے کو قبول کرلیتے ہیں جس کی امامت کی لوگوں کی ایک

جماعت قائل و معتقد ہے اور وہ جماعت اس بات کی بھی معتقد ہے کہ وہی ایک شخصیت اسلامی حکومت کی فرماں روائی کے لئے شائستہ ہے، تو یہ امر اس بات کا موجب ہوگا کہ آہستہ آہستہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہوتے جائیں گے اور بنی عباس سے روگرداں ہو جائیں گے اور پھر آپ کی اور بنی عباس کی حکومت و سلطنت تباہ ہو جائے گی اور امامت وخلافت آپ کے ہاتھوں سے لے کر ان کے حوالہ کر دیں گے۔

معتصم اس کی ان بدگوئیوں اور مکاریوں سے بہت زیادہ متاثر ہوا اس سے کہا: خدا تجھے اس ضروری نصیحت کے عوض جزائے خیر عطا کرے۔ چوتھے روز اس نے حکم دیا اور اس کے مطابق دربار کے ایک منشی نے وزیروں کی ایک جماعت کی دعوت کی۔ محمد بن علی التقیؑ کو بھی مدعو کیا۔ جس وقت حضرت کے پاس دعوت کہنے کیلئے آدمی گیا تو حضرت نے قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ کیا تمہیں نہیں معلوم ہے کہ میں اس طرح کی مجلس میں شرکت نہیں کرتا ہوں۔

دعوت دینے والے نے اصرار کیا۔ یہ دعوت صرف کھانے کی ہے۔ اس میں خلیفہ کے وزیروں کی ایک جماعت بھی مدعو ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی تبرکاً ہی سہی قدم رنجہ فرما کر ہمیں مفتخر فرمائیں۔ اس شخص کے بار بار آمد ورفت اور بے حد اصرار و تاکید کی بناء پر مجبوراً حضرت نے قبول کیا اور مہمانی میں شرکت فرمائی۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد ہی فوراً امام نے زہر کا احساس فرمایا اور فوراً ہی اپنی سواری کو چاہا کہ آگے بڑھائیں، صاحب خانہ نے اخلاق کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ابھی تو بہت جلدی ہے! ابھی ہماری خواہش ہے کہ آپ کچھ دیر اور تشریف رکھیں۔

امامؑ نے فرمایا تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ میں جتنی جلدی ممکن ہو، یہاں سے چلا جاؤں۔ اس کے بعد صرف ایک شب و روز کے بعد مسموم امام جوادؑ نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ مقابر قریش میں اپنے جد بزرگوار کی قبر کے پہلو میں مدفون ہوئے۔(۱)

دلائل حمیری میں محمد بن سنان سے روایت ہے کہ امام محمد تقیؑ کا سن وفات کے وقت پچیس سال تین ماہ بارہ دن کا تھا۔ آپ کی وفات بروز سہ شنبہ ۶/ذی الحجہ ۲۲۰ھ میں ہوئی۔ اپنے والد کے بعد آپ صرف پچیس

(۱) اہل بیتؑ اطہار کی مختصر سوانح حیات (طبع ایران)

دن کم سترہ سال زندہ رہے۔(۱)

عیون المعجزات میں مرقوم ہے کہ جب حضرت ابوجعفر امام محمد تقیؑ اپنی زوجہ ام الفضل بنت مامون کے ساتھ حج کے ارادے سے چلے تو آپ کے فرزند امام ابوالحسن علی نقیؑ بھی ساتھ تھے، وہ ابھی بہت کمسن تھے۔ آپ نے ان کو مدینہ میں ہی چھوڑا۔ بزرگوں کے تبرکات، اسلحے وغیرہ ان کے حوالے کئے اور اپنے مؤثق اصحاب کے سامنے ان کی نیابت وامامت پر نص فرمائی اور پھر اپنی زوجہ ام الفضل بنت مامون کو ساتھ لئے ہوئے عراق واپس آئے۔ ادھر مامون روم کی طرف گیا ہوا تھا وہاں مقام بدیروں میں ماہِ رجب ۲۱۸ھ میں انتقال کر گیا۔ یہ حضرت امام محمد تقیؑ کی امامت کا سترہواں سال تھا اور معتصم ابواسحاق محمد بن ہارون کی شعبان ۲۱۸ھ میں بیعت کی گئی۔

پھر معتصم حضرت امام محمد تقیؑ کے قتل کے لئے مختلف تدبیریں کرنے لگا۔ چنانچہ اس نے آپ کی زوجہ ام الفضل کو اپنے اعتماد میں لے لیا اور کہا کہ انہیں زہر دے دو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ معتصم جانتا تھا کہ ام الفضل امام محمد تقیؑ سے خوش نہیں ہے۔ کیونکہ آپ امام علی نقیؑ کی والدہ کو اس پر فضیلت دیتے تھے اور دوسری وجہ یہ کہ ام الفضل کے کوئی اولاد نہ تھی۔ یہ بھی اس کے حسد کا سبب تھا۔ بہرحال اس نے معتصم کی بات مان لی اور رازقی انگوروں میں زہر پیوست کر کے آپ کے سامنے رکھا۔ جب آپ نے انگور کھا لئے تو ام الفضل کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور رونے لگی۔ آپ نے فرمایا: کیوں روتی ہے؟ اللہ تعالیٰ تجھے ایسے عذاب اور ایسی بلا میں مبتلا کرے گا کہ جس سے تجھے نجات نہ ملے گی۔ آپ کی بددعا سے اس کی شرمگاہ کے مقام پر ناسور ہو گیا۔ اس کے علاج میں اس نے اپنی ساری دولت صرف کر دی یہاں تک کہ دوسروں سے مدد چاہنے لگی۔ مگر اسی مرض میں اس کا انتقال ہو گیا۔

امام محمد تقی علیہ السلام نے روز سہ شنبہ ۵/ ذی الحجہ ۲۲۰ھ کو رحلت فرمائی۔ اس وقت آپ کی عمر چوبیس سال چند ماہ تھی۔ اس لئے کہ آپ کی ولادت ۱۹۵ھ میں ہے۔(۲)

مختصر یہ کہ شہادت کے بعد حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے آپ کی تجہیز وتکفین میں شرکت فرمائی اور

---

(۱) کشف الغمہ، جلد ۲، ص/ ۲۱۷ (۲) مناقب آل ابی طالب ص/ ۳۹۱، بحارالانوار، جلد ۵، ص/ ۲۲، ۲۳

نماز جنازہ پڑھائی۔اس کے بعد آپ مقابر قریش میں اپنے جدِ نامدار حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ چونکہ آپ کے دادا کا لقب کاظم اور آپ کا لقب جواد بھی تھا،اس لئے اس شہر کو آپ کی شرکت سے ''کاظمین''اور وہاں کے اسٹیشن کو آپ کے دادا کی شرکت کی رعایت سے ''جوادین'' کہا جاتا ہے۔

امام محمد تقیؑ کی اخلاقی خصوصیات

انوارِ معصومینؑ کے روحانی اور سماجی رہبروں کے عظیم اور اہم امتیازات میں سے ایک امتیازی صفت ان حضرات کا کمال عقل و ادراک ہے جو تمام لوگوں کے عادی و اجتماعی ادراک سے بلند و بالاتر رہا ہے۔ یہ حضرات عقل و فکر و ہوش و فراست کے مراتب کے اعتبار سے اپنی خاص خصوصیات کے حامل تھے۔ان حضرات کا بچپن بھی اس ذاتی صلاحیت و قابلیت اور دیگر خصوصیات سے مانع نہیں تھا۔ان بزرگوار کے علم و دانش کی برتری اور عقلی ادراکات کے بلند مراتب کے سلسلے میں بہت کافی تاریخی شواہد موجود ہیں۔امام محمد تقیؑ اخلاق و اوصاف میں انسانیت کی اس بلندی پر فائز تھے جس کی تکمیل رسولؐ اور آلِ رسولؐ کا طرۂ امتیاز تھی ہر ایک سے جھک کر ملنا،ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرنا،مساوات اور سادگی کو ہر حال میں پیش نظر رکھنا، غرباء کی پوشیدہ طور پر خبر لینا، دوستوں کے علاوہ دشمنوں تک سے اچھا سلوک کرتے رہنا،مہمانوں کی خاطر داری میں انہماک اور علمی اور مذہبی پیاسوں کے لیے فیض کے چشموں کا جاری رکھنا آپ کی سیرت زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔ان میں سے بطور نمونہ چند مثالیں پیش کر رہی ہوں:

ا۔آپ کا پچیس ماہ کے سن میں خطبۂ اول

حضرت امام محمد تقی جواد علیہ السلام کا رنگ بے حد گندمی تھا۔جس وقت آپ کا سن صرف پچیس ماہ کا تھا۔آپ مکّہ میں تھے۔لوگ پہچان نہ سکے کہ یہ کس خاندان کے ہیں،تو قیافہ شناسوں کے پاس لے گئے۔ قیافہ شناس آپ کو دیکھتے ہی سجدہ میں گر پڑے اور بول اٹھے وائے ہو تم لوگوں پر! اسے نہیں پہچانتے؟ اس چمکدار ستارے اور نور روشن کو ہم لوگوں کے پاس پہچاننے کے لئے لائے ہو؟ یہ تو خدا کی قسم ایک پاک و طاہر حسب نسب والا بچّہ ہے۔ یہ روشن ستاروں کے صلب اور پاک و طاہر رحم سے پیدا ہوا ہے۔

خدا کی قسم یہ بچّہ ذریت نبیؐ اور نسل علیؑ کے علاوہ کسی دوسری نسل کا ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر چہ اس کمسنی میں بھی آپ کی تیز زبان تھی آپ یوں گویا ہوئے:

''اس خدا کا شکر جس نے ہمیں اپنے نور سے پیدا کیا۔ اپنی ساری مخلوقات میں سے ہمیں منتخب فرمایا اور ساری مخلوق میں اپنی وحی کا امین بنایا۔ ایہا الناس! سنو، میں محمد بن علی رضا ابن موسیٰ کاظمؑ ابن جعفر صادقؑ ابن محمد باقرؑ بن علی سیّدالعابدینؑ ابن حسینؑ شہید ابن امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ ہوں۔ میں نسل فاطمہ زہرا بنتِ محمد مصطفیٰؐ سے ہوں۔ میرے حسب نسب کو تم نے نہیں پہچانا اللہ تعالیٰ اور میرے جد بزرگوار کے متعلق تم نے شک کیا اور مجھے پہچنوانے کے لئے قیافہ شناس کے پاس لائے۔ خدا کی قسم مجھے ان قیافہ شناسوں سے زیادہ اسرار و رموز کو جانتا ہوں۔ خدا کی قسم میں تمام انسانوں میں سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ میں حق کہتا اور سچ بولتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ علم ہم لوگوں کو تمام مخلوقات کی خلقت سے پہلے اور آسمان اور زمینوں کے بنانے سے پہلے ہی عنایت کر دیا۔''

''خدا کی قسم اگر اس بات کا خطرہ نہ ہوتا کہ اہل باطل اور گمراہ نسل کفر ہم پر حملہ آور ہو جائے گی اور اہل شرک و شک و نفاق ہم پر ٹوٹ پڑیں گے تو میں ایسی ایسی باتیں بتاتا جسے سن کر اوّلین و آخرین حیرت میں پڑ جاتے۔''

اس کے بعد خود آپ نے اپنا ہاتھ اپنے منھ پر رکھ دیا اور فرمایا: ''اے محمد! تم بھی خاموش رہو جس طرح تمہارے آبائے کرام خاموش رہے۔ تم بھی صبر کرو جس طرح رسولان اولوالعزم نے صبر کیا۔ جلدی نہ کرو ان لوگوں سے جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ عنقریب دیکھ لیں گے اور اس میں ایک پہر دن سے زیادہ وقت نہیں لگے گا اور اس وقت سوائے فاسق قوم کے کوئی اور ہلاک نہ ہوگا۔''

اس کے بعد آپ کے پہلو میں ایک شخص تھا، اس کی طرف بڑھے اس کا ہاتھ پکڑا۔ مجمع آپؑ کو راستہ دینے کے لئے پھٹتا گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے اس مجمع میں بڑے جلیل القدر بزرگوں کو دیکھا کہ وہ آپ کو حیرت سے دیکھ رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ ''واللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ'' (خدا خوب جانتا ہے کہ وہ اپنے پیغام کا امین کس کو بنائے) راوی کا بیان ہے کہ میں نے ان بزرگوں کے متعلق پوچھا کہ یہ

کون ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ اولا دعبدالمطلب اور بنی ہاشم کے اکابر و بزرگ میں ہیں۔

جب اس واقعہ کی خبر خراسان میں حضرت امام رضا علیہ السلام کو پہنچی، تو آپ نے فرمایا ''الحمد للّٰہ'' پھر ماریہ قبطیہ کا تذکرہ کیا اور فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے فرزند میں محمد مصطفیؐ اور آپ کے فرزند میں ابراہیم کا اسوہ پیدا کیا''۔(۱)

۲۔آپ نے خدائے برحق کی طرف سے صدقے کا صلہ دیا

قاسم بن محسن کا بیان ہے کہ میں مکّہ اور مدینہ کے درمیان سفر میں تھا کہ ایک ضعیف الحال اعرابی میری طرف سے ہوکر گزرا اور مجھ سے سوال کیا۔ مجھے اس پر ترس آیا۔ میں نے ایک روٹی نکال کر اس کو دی۔ وہ چلا گیا، تو ایک بگولہ آیا اور میرے سر سے میرا عمامہ اڑا لے گیا۔ مجھے معلوم نہ ہوا کہ وہ کیسے اڑا اور کہاں گیا۔ اب جب میں مدینہ پہنچا تو حضرت محمد تقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؑ نے فرمایا: اے ابوالقاسم راستہ میں تمہارا عمامہ اڑ گیا؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے غلام کو آواز دی: اے غلام! وہ عمامہ نکال لاؤ۔ وہ غلام گیا اور میرا وہ عمامہ نکال لایا۔ میں نے عرض کیا فرزند رسول یہ عمامہ آپ تک کیسے پہنچ گیا؟ آپ نے فرمایا تم نے اس اعرابی پر تصدق کیا تھا، اس کے شکریہ میں اللہ نے تمہارا عمامہ واپس کر دیا۔ اللہ کبھی کسی نیکی کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔(۲)

۳۔آپ لوگوں کے دلوں کا حال جانتے تھے

محمد بن علی ہاشمی سے روایت ہے کہ جس شب میں حضرت ابوجعفر محمد تقیؑ کا عقد بنت مامون سے ہوا، اس کی صبح کو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے اس شب کے ابتدائی حصہ میں ایک دوا کھائی تھی۔ صبح کے وقت سب سے پہلے آپ کی خدمت میں پہنچا۔ مجھے پیاس لگی ہوئی تھی۔ پانی مانگنا مجھے اچھا نہ معلوم ہوا۔ آپ نے ایک نظر میری طرف دیکھا اور فرمایا میرا خیال ہے کہ تم پیاسے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: اے غلام! پانی لاؤ۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ اس وقت پانی میں زہر ڈال کر آپ کو پلائیں۔ اس سے مجھے بڑی تشویش لاحق ہوئی۔ ادھر غلام پانی لے کر آیا۔ آپ مسکرائے۔ آپ نے پانی پیا، پھر مجھے دیا اور

(۱) مناقب آل ابی طالب جلد۴، ص/۳۸۷، بحار الانوار، جلد۵، ص/۲۴۔۲۵ (۲) الخرائج والجرائح

میں نے بھی پیا۔ میں دیر تک آپ کے پاس رہا۔ پھر پیاس محسوس ہوئی آپ نے پھر پانی طلب کیا۔ غلام پھر پانی لایا۔ آپ نے پانی نوش فرمایا پھر مجھے دیا اور مسکرائے۔

محمد بن حمزہ کا بیان ہے کہ مجھ سے محمد بن ہاشمی نے کہا کہ واللہ اس وقت مجھے خیال ہوا کہ رافضیوں کے قول کے مطابق یقیناً حضرت ابوجعفرؑ لوگوں کے دل کی بات جانتے تھے۔(۱)

۴۔آپ نے اپنے والد بزرگوار کے قرض کو ادا کیا

اہل مدینہ میں سے ایک شخص نے مطرفی سے روایت کی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ حضرت علی ابن موسیٰ رضاؑ کا انتقال ہو گیا۔ میرے ان پر چار ہزار درہم قرض تھے۔ یہ بات میرے اور ان کے علاوہ کسی اور کو معلوم نہ تھی۔ حضرت ابوجعفر محمد تقیؑ نے میرے پاس آدمی بھیجا کہ کل تم مجھ سے آکر ملو۔ میں حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت علی ابن موسیٰ رضاؑ نے وفات پائی اور تمہارے ان پر چار ہزار درہم قرض ہیں۔ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے اپنے مصلّے کا گوشہ اٹھایا تو اس کے نیچے بہت سے دینار رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے وہ سب مجھے دے دیئے۔ ان سب دیناروں کی قیمت اس وقت چار ہزار درہم تھی۔(۲)

۵۔آپ نے ایک خبیث باپ کی دلجوئی کرنے کو فرمایا

بکر بن صالح سے روایت ہے۔ اس کا بیان ہے کہ میرے ایک داماد نے حضرت امام محمد تقیؑ کو خط لکھا کہ میرا باپ بہت خبیث اور ناصبی ہے۔ میں اس کی طرف سے بہت سختیاں برداشت کر رہا ہوں۔ میں آپ پر قربان اگر مناسب ہو، تو میرے لئے دعا فرمائیں۔ علاوہ ازیں آپ کی کیا رائے ہے، میں اس کے سامنے کھل جاؤں یا اس کی دلجوئی میں لگا رہوں؟ آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ جو کچھ تم نے اپنے خط میں اپنے باپ کے متعلق لکھا اس سے مطلع ہوا۔ میں انشاء اللہ تمہارے حق میں دعا کرنا نہ چھوڑوں گا۔ اس کے سامنے کھل جانے سے بہتر یہ ہے کہ تم اس کی دلجوئی سے کام لو۔ اس لئے کہ سختی کے بعد آسانی ہوتی ہے۔ صبر کرو پرہیزگاروں کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ جس سے تم تولا رکھتے ہو، اللہ تمہیں اس پر ثابت قدم رکھے۔ ہم لوگ اور تم لوگ سب کے سب اللہ کی امانت ہیں۔ وہ اس کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ بکر کا کہنا ہے کہ پھر اللہ نے اس کے باپ کے

(۱) ارشاد مفید، ص/۳۰۶۔۳۰۵ (۲) ارشاد مفید، ص/۳۱۶

دل کو نرم کر دیا۔ اب وہ کسی معاملہ میں مخالفت نہیں کرتا۔(۱)

۶۔آپ کے مشورہ سے حمیری نے کنیز خریدی

حمیری نے کتاب الدلائل میں صالح بن عقبہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ میں نے حج کا فریضہ ادا کیا اور حضرت ابوجعفر جوادؑ سے اپنی مجرد زندگی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: جب تم حرم سے نکلو گے تو ایک کنیز خرید لینا۔ اس سے اللہ تم کو ایک لڑکا عطا فرمائے گا۔ میں نے عرض کیا: میں آپ پر قربان کیا۔ آپ اس کی خریداری میں مجھے مشورہ دیں گے۔ فرمایا: ہاں! جب تم کو کوئی کنیز پسند آئے تو مجھے اطلاع دینا۔ غرض میں ایک کنیز پسند کر کے آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: میں آپ پر قربان! میں نے ایک کنیز پسند کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا: اچھا تم چلو اور اس کنیز کے قریب کھڑے ہو جاؤ۔ میں آتا ہوں۔ میں بردہ فروش کی دکان پر پہنچا۔ آپ ادھر سے گذرے اس کنیز پر ایک نظر ڈالی اور آگے بڑھ گئے۔ میں آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے فرمایا: میں نے دیکھ لیا۔ اگر تمہیں پسند ہو تو ضرور خرید لو مگر اس کی عمر بہت کم رہ گئی ہے۔ میں نے عرض کیا پھر میں کیا کروں؟ آپؑ نے فرمایا اگر پسند ہے تو خرید لو۔ دوسرے دن میں پھر اس بردہ فروش کی دوکان پر پہنچا۔ اس نے کہا کنیز کو بخار ہے۔ میں تیسرے دن پھر گیا اور پوچھا اس نے کہا: وہ آج مر گئی اور میں نے اس کو دفن بھی کر دیا۔ میں نے آ کر آپ سے اس کے مرنے کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا: اب کوئی اور دیکھو۔ میں نے ایک کنیز کو پھر دیکھ کر آپ کو اطلاع دی۔ آپ اپنی سواری پر میرے ساتھ چلے میں اس کنیز کے قریب پہنچا۔ آپ ادھر سے ہو کر گذرے۔ میں وہاں سے پھر آپ کے پاس آیا: آپ نے فرمایا: ہاں اسے خرید لو۔ میں نے دیکھ لیا ہے۔ آپ کے مشورے پر میں نے اسے خرید لیا پھر اسی کنیز سے میرا فرزند محمد پیدا ہوا۔(۲)

۷۔سامان کس سے خریدا جائے

ابوہاشم سے روایت ہے کہ حضرت محمد تقیؑ نے مجھے تین سو دینار اور ایک تھیلی دی اور حکم دیا کہ یہ میرے فلاں چچا زاد بھائی کے پاس لے جاؤ اور اسے دے دو۔ وہ تم سے یہ کہے گا کہ تم ہی بتاؤ میں سامان کس سے خریدوں۔ تم اسے بتا دینا۔ ابوہاشم کا بیان ہے کہ میں وہ دینار کی تھیلی پہنچانے گیا تو انہوں نے کہا: اے ابوہاشم!

(۱) بحارالانوار، جلد۵، ص/۴۹ (۲) بحارالانوار، جلد۵، ص/۶۰

یہ بتاؤ میں سامان کس سے خریدوں؟ میں نے اسی طرح بتا دیا جیسا کہ امامؑ نے فرمایا تھا۔(۱)

۸۔آپ نے فرمایا ہمارے شیعہ ہمارے ساتھ ہوں گے

محمد بن ولید کرمانی سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ امام محمد تقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ بہت بڑا مجمع ہے جو صحرا کی طرف کھلنے والے دروازے پر موجود ہے۔ میں پلٹ کر ایک مسافر کے پاس بیٹھ گیا، یہاں تک کہ زوال کا وقت آ گیا۔ پھر ہم لوگوں نے اٹھ کر نماز پڑھی۔ ناگاہ اپنے پیچھے کسی کے آنے کی آہٹ سنی پلٹ کر دیکھا تو حضرت محمد تقیؑ تھے۔ میں نے بڑھ کر آپ کے ہاتھوں کا بوسہ دیا۔ آپ بیٹھ گئے اور آنے کی وجہ دریافت کی۔ پھر فرمایا: تسلیم کرو۔ میں نے عرض کیا: میں نے تسلیم کیا۔ آپ نے یہ تین بار فرمایا اور ہر مرتبہ میں نے یہی عرض کیا کہ میں نے تسلیم کیا اور فرزند رسولؐ میں اس پر خوش اور راضی ہوں۔ میرے دل میں جو شک وشکوک تھے، وہ اللہ نے دور کردیئے یہاں تک کہ میں شک پیدا کرنے کی کوشش بھی کروں تو نہیں کرسکتا۔ دوسرے دن پھر پہنچا۔ دروازے سے آگے بڑھ کر اصطبل تک پہنچا۔ وہاں کوئی ایسا نہ تھا جسے میرے آنے کی اطلاع ہو۔ مجھے امید تھی کہ اس طرح میں آپ تک پہنچ جاؤں گا، مگر کوئی ایسا نہ ملا جسے اپنا وسیلہ بناؤں۔ ادھر دھوپ سخت ہوگئی اور مجھے بھوک بھی لگی۔ میں پانی پی پی کر اپنی پیاس بجھاتا اور بھوک کو تسکین دیتا رہا۔ ابھی میں اسی حالت میں تھا کہ ایک غلام ایک خوان لے کر آیا جس میں طرح طرح کے کھانے تھے اور دوسرے غلام کے ہاتھ طشت اور لوٹا تھا۔ دونوں نے یہ سب چیزیں میرے سامنے لاکر رکھ دیں اور کہا مولا نے حکم دیا ہے کھانا کھالو۔ میں کھانا کھانے لگا۔ جب اس سے فارغ ہوگیا، تو مولا خود تشریف لائے۔ میں کھڑا ہوگیا۔ حکم دیا بیٹھ جاؤ۔ پھر فرمایا: کچھ پوچھنا ہے۔ میں نے عرض کیا: میں آپ پر قربان۔ یہ فرمائیں کہ آپ کے دوستوں کو آپ لوگوں کی دوستی میں کیا ملے گا؟

آپ نے فرمایا سنو! حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادقؑ کا ایک غلام تھا جو آپ کی سواری کی لگام تھامتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ مسجد رسول میں تشریف لائے اور باہر آپ کا غلام آپ کی سواری لئے کھڑا ہوا تھا کہ اسی اثناء میں خراسان سے آپ کے چند دوست دار آئے۔ ان میں سے ایک دوست نے اس غلام سے کہا: ذرا اپنے آقا

---

(۱) کافی، جلد ا، ص ۳۰۶

سے جا کر پوچھو، اگر وہ اجازت دیں تو جو خدمت تم انجام دے رہے ہو، وہ میں انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔ میں ان کا غلام بن جاؤں گا۔تم اس کے عوض میرا سارا مال لے لو۔ ویسے میں کوئی غریب نہیں۔ اللہ کے فضل سے میں بہت دولت مند ہوں۔ ہر طرح کا ساز وسامان مال و دولت میرے پاس ہے۔تم خراسان جا کر سب کچھ لے لو۔ اور میں یہاں تمہاری جگہ تمہارے آقا کی غلامی کروں گا۔ غلام نے کہا: اچھا! میں ابھی جا کر پوچھتا ہوں۔

وہ غلام مسجد میں آپ کے پاس گیا اور عرض کیا مولا آپ کو معلوم ہے کہ میں کتنے عرصہ سے آپ کی خدمت کر رہا ہوں۔ اس وقت اللہ نے مجھے ایک بہت اچھا موقع دیا ہے۔ کیا آپ مجھے اس موقع سے فائدہ اٹھانے دیں گے؟ آپ نے فرمایا: میں خود اپنے پاس سے تمہیں دوں گا۔ دوسرے کے پاس نہ جانے دوں گا۔ اس غلام نے اس مردِ خراسانی کا واقعہ بتایا۔ آپ نے فرمایا: اچھا اگر تمہیں ہماری خدمت پسند نہیں ہے اور وہ مرد خراسانی ہماری خدمت کرنا چاہتا ہے تو ہمیں منظور ہے تم جا سکتے ہو۔ وہ خادم آپ کے پاس سے واپس ہوا تو آپ نے آواز دی: ذرا ایک بات سنتے جاؤ۔ ویسے جانے نہ جانے کا تمہیں پورا اختیار ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ جب قیامت کا دن آئے گا تو رسول اللہؐ کا تعلق نور خدا سے ہوگا اور امیر المومنینؑ کا تعلق رسول اللہؐ سے ہوگا اور ان کے بعد آئمہ کا تعلق امیر المومنینؑ سے ہوگا اور ہمارے شیعوں کا تعلق ہم لوگوں سے ہوگا۔ ہمارے ساتھ وہ لوگ بھی جنت میں اسی درجہ میں ہوں گے جس درجہ میں ہم لوگ ہوں گے۔ جہاں ہم لوگ وارد ہوں گے وہاں یہ لوگ بھی وارد ہوں گے۔

غلام نے کہا: اب نہیں جاؤں گا۔ یہیں رہوں گا اور آپ لوگوں کی خدمت کروں گا اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ مسجد سے نکلا اور اس مرد خراسانی کے پاس آیا۔ مرد خراسانی نے کہا: کیا بات ہے؟ جاتے وقت تمہارے چہرے کا رنگ کچھ اور تھا۔ اب اس وقت رنگ کچھ اور ہے۔ اس غلام نے اس سے اپنی ساری گفتگو بیان کی جسے سن کر وہ حضرت ابوعبداللہؑ کی خدمت میں آیا غلام کو ایک ہزار دینار دیئے پھر کھڑا ہوا امام سے رخصت چاہی اور دعا کی درخواست کی آپ نے اس کے لئے دعا کی۔

راوی کا بیان ہے کہ پھر میں نے امام محمد تقیؑ سے عرض کیا: مولا اگر میرے اہل وعیال مکّہ میں نہ

ہوتے تو جی چاہتا تھا، آپ کی ڈیوڑھی پر کچھ دنوں قیام کروں، مگر اب تو اجازت دیں۔ آپ کے سامنے ایک نقد کا ڈبّہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: اسے تم لے لو۔ میں نے تکلّف کا اظہار کیا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا لے جاؤ تمہیں اس کی ضرورت پڑے گی۔ میں اسے لے کر اپنی قیام گاہ پر آیا۔ اب دیکھا تو واقعاً جس وقت مکّہ آنے لگا تو خرچ کے لئے رقم کم تھی اور مجھے اس کی ضرورت پڑی۔ (۱)

۹۔ آپ کا برادر ایمانی سے سلوک

احمد بن زکریا صیدلانی نے اہل سنت کے قبیلہ بنی حنفیہ کے ایک شخص سے روایت کی ہے کہ ایک سال امام محمد تقیؑ نے حج ادا کیا۔ میں بھی آپ کے ساتھ تھا اور یہ معتصم کی خلافت کا ابتدائی دور تھا۔ میں آپ کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں بہت سے والیان خلافت بھی موجود تھے۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ میں آپ پر قربان، ہمارے علاقہ کا والی ایک ایسا شخص ہے جو آپ اہل بیت کا دوست دار اور محبّ ہے اور مجھ پر اس کی تحصیل کا خراج باقی ہے۔ میں آپ پر قربان، اگر مناسب سمجھیں تو اسے ایک پرچہ پر تحریر کر دیں کہ وہ مجھ پر کرم کرے۔ آپ نے فرمایا: میرا اس کا تعارف نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا: میں آپ پر قربان یقین کیجئے۔ وہ ویسا ہی ہے جیسا میں نے عرض کیا یعنی وہ آپ اہل بیت کا محبّ ہے اور آپ کے ایک پرچہ سے مجھے بڑا فائدہ ہو جائے گا۔ آپ نے کاغذ لیا اور ایک پرچہ لکھ دیا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اما بعد حامل رقعہ ہذا نے بتایا ہے کہ تم ایک اچھے مذہب کے پیرو ہو تم اپنے برادران مومن کے ساتھ حسن سلوک کرو اور یہ جان لو اللہ تعالٰی ایک ایک ذرّہ اور ایک ایک رائی کا تم سے سوال کرے گا۔''

راوی کا بیان ہے کہ جب میں وہ پرچہ لے کر بحستان پہنچا تو مجھ سے پہلے اس کی خبر حسین بن عبداللہ نیشاپوری کو جو اس وقت وہاں کا والی تھا پہنچ چکی تھی۔ اس نے شہر سے دو فرسخ آگے بڑھ کر میرا استقبال کیا میں نے وہ پرچہ اس کو دیا۔ اس نے اس کو بوسہ دیا، آنکھوں سے لگایا اور مجھ سے پوچھا: تمہاری حاجت کیا ہے؟ میں نے کہا: آپ کی تحصیل میں مجھ پر مالگذاری باقی ہے۔ اس نے حکم دیا کہ اس کی بقایا مالگذاری معاف کی جائے

(۱) بحار الانوار، جلد ۵، ص ۹۴۔۹۵

اور جب تک میں یہاں کا عامل ہوں تم کوئی مالگذاری نہ دو گے پھر پوچھا تمہارے متعلقین کتنے ہیں؟ میں نے بتایا تو اس نے میرے اور میرے متعلقین کا راتب بھی مقرر کر دیا۔ چنانچہ جب تک وہ زندہ رہا، میں نے کوئی مال گذاری ادا نہیں کی۔ مرتے دم تک وہ ہم سے حسن سلوک کرتا رہا۔(۱)

۱۰۔ روافض کی پختہ اعتقادی

محمد بن مسعود نے محمودی سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں علی بن داؤد کے پاس گیا۔ وہ اپنے اصحاب میں بیٹھے ہوئے تھے۔ علی بن داؤد نے اپنے مصاحبوں سے کہا یہ بتاؤ کہ کل شب خلیفہ نے جو بات کہی تھی، اس کے متعلق تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟ لوگوں نے پوچھا: خلیفہ نے کیا کہا تھا؟ اس نے کہا: خلیفہ نے یہ کہا کہ اگر ہم لوگ حضرت ابو جعفرؑ کو زبردستی شراب پلا کر اور خوشبوؤں میں بسا کر ان کے سامنے لائیں تو ان رافضیوں کی ساری دلیلیں اور ساری بحثیں ختم ہو جائیں گی۔ میں نے کہا مگر رافضیوں کا میرے پاس بہت آنا جانا ہے۔ میں ان لوگوں کے پوشیدہ معتقدات سے واقف ہوں۔ اس کا ان لوگوں پر اثر ہی نہ ہوگا۔ خلیفہ نے کہا: یہ بات تم نے کیسے کہہ دی۔؟ کوئی نہ کوئی حجت خدا ہوتا کہ اللہ کی حجت بندوں پر تمام ہو جائے۔ پس اگر اس حجت خدا کے دور میں کوئی اس جیسا یا اس سے بھی بہتر و افضل ہوا تو پھر وہ اپنے اہل اور اپنی قوم میں حجت قرار پانے کا زیادہ اہل ہوگا۔ راوی کا بیان ہے کہ ابن ابی داؤد نے یہ کہہ کر خلیفہ کی بات پر اعتراض کیا۔ تو خلیفہ نے کہا: واقعاً اس قوم پر کوئی مکر و حیلہ نہیں چل سکتا، لہٰذا ابو جعفر محمد تقیؑ کو تکلیف نہ دو۔(۲)

۱۱۔ آپ نے زلزلوں سے نجات کا طریقہ بتایا

علی بن مہزیار سے روایت ہے کہ میں امام ابو جعفر محمد تقیؑ کی خدمت میں جاتا مگر پھر میں نے خط لکھا کہ اہواز میں زلزلے بہت آتے ہیں۔ اگر آپ کی رائے ہو تو میں وہ شہر چھوڑ دوں۔ آپ نے جواب میں لکھا: نہیں، شہر چھوڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ چہار شنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ کو تین دن روزے رکھو، جمعہ کو غسل کرو، اپنے لباس پاک کرو پھر اللہ سے دعا کرو۔ یہ کیفیت جاتی رہے گی۔ ہم لوگوں نے ایسا ہی کیا اور زلزلوں سے نجات ملی۔(۳)

(۱) الکافی، جلد ۵، ص/ ۱۱۱۔۱۱۲ (۲) رجال کشی، ص/ ۴۲۹ (۳) بحار الانوار، جلد ۵، ص/ ۱۰۵

۱۲۔ائمہ طاہرینؑ کی طرف طواف کعبہ بجالانا نیک عمل

موسیٰ بن قاسم کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوجعفر محمد تقیؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا ارادہ ہوا: میں آپ کی طرف سے اور آپ کے پدر بزرگوار کی طرف سے طواف بجالاؤں مگر لوگوں نے کہا کہ اولیا کی طرف سے طواف نہیں کیا جاتا۔آپ نے فرمایا: جتنا بھی ممکن ہو طواف کرو۔ یہ جائز ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ پھر میں نے تین سال بعد آپ سے عرض کیا کہ آپ نے مجھے اجازت دی تھی کہ آپ کی طرف سے طواف کروں اور آپ کے پدر بزرگوار کی طرف سے طواف بجالاؤں۔ میں نے جس قدر بھی ممکن ہوا۔آپ دونوں کی طرف سے طواف کیا، پھر میرے دل میں ایک اور بات آئی میں نے اس پر عمل کیا۔ آپ نے فرمایا: وہ کیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے ایک دن رسول اللہؐ کی طرف سے بھی طواف کیا (آپ نے تین بار کہا صلی اللہ رسول اللہ) دوسرے دن امیر المومنینؑ کی طرف سے، تیسرے دن امام حسنؑ کی طرف سے، چوتھے دن امام حسینؑ کی طرف سے، پانچویں دن امام علی بن الحسینؑ کی طرف سے، چھٹے دن امام محمد باقرؑ کی طرف سے، ساتویں دن امام جعفر بن محمدؑ کی طرف سے، آٹھویں دن حضرت موسیٰ بن جعفرؑ کی طرف سے، نویں دن آپ کے والد بزرگوار کی طرف سے اور دسویں دن آپ کی طرف سے طواف کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ولایت اللہ نے جزو دین قرار دی ہے۔آپ نے فرمایا پھر تو تم واللہ دین خدا پر عامل ہو، اس لئے کہ بغیر ان کی ولایت کے اللہ دین کو قبول نہیں کرتا۔ میں نے عرض کیا: اور کبھی کبھی میں آپ کی جدہ ماجدہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی طرف سے بھی طواف کر لیتا ہوں اور کبھی نہیں بھی کرتا ہوں۔آپ نے فرمایا ان کی طرف سے طواف اور زیادہ کرو اس لئے کہ اب تم نے جو عمل کیا یہ ان میں سب سے افضل ہے۔انشاءاللہ تعالیٰ۔(۱)

۱۳۔آپ نے فرمایا ہدیہ کسی کا ہو واپس نہیں کیا جاتا

علی بن مہزیار سے روایت ہے کہ خیر اس نے مجھے خط لکھا کہ ''میں نے آٹھ درہم آپ کے پاس بھیجے ہیں جسے طرطوس سے ایک شخص نے مجھے بھیجے تھے، مگر اس میں سے بعض درہم ان لوگوں کے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ بغیر آپ کے حکم کے میں ان درہموں کو ان کے مالک کو واپس کروں۔ کیا آپ کی اجازت ہے کہ میں

(۱) الکافی، جلد/۴، ص/۳۱۴

میں اس طرح کے دراہم قبول کرلیا کروں۔ مجھے آپ کے حکم کا انتظار ہے''۔

امام محمد تقیؑ نے جواب میں تحریر کیا کہ اگران لوگوں میں سے کوئی شخص درہم یا کوئی اور چیز بطور ہدیہ پیش کرتا ہے تو اسے قبول کرلو، اس لئے کہ رسول اللہؐ کسی یہودی اور نصرانی تک کا ہدیہ واپس نہیں فرماتے تھے۔(۱)

۱۴۔ گھر سے نکلو تو بڑے دروازے سے

بزنطی سے روایت ہے اس کا بیان ہے کہ میں نے وہ خط پڑھا جو حضرت ابوالحسن رضاؑ نے امام محمد تقیؑ کو تحریر کیا تھا۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جب تم کہیں جانے کے لئے تیار ہوتے ہو، تو ملازمین تم کو چھوٹے دروازے سے نکالتے ہیں۔ مگر یہ بھی ایک طرح کا بخل ہے تاکہ کوئی تم سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔ تمہیں میرے حق کی قسم، تم نکلو تو بڑے دروازے سے اور داخل ہو، تو بڑے دروازہ سے جب نکلو تو اپنے ساتھ بہت سے درہم و دینار لے کر نکلو تاکہ جو مانگے اس کو فوراً دو۔ اگر تمہارے چچاؤں میں سے کوئی مانگے تو اسے پچاس دینار سے کبھی کم نہ دینا زیادہ کا تمہیں اختیار ہے اور اگر تمہاری پھوپھیوں میں سے کوئی مانگے تو انہیں پچیس دینار سے کم نہ دینا زیادہ کا تمہیں اختیار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تمہارا رتبہ بلند کرے۔ خوب بخشش کرو اور اس سے نہ ڈرو کہ وہ عرش والا تم کو مفلس کردے گا۔(۲)

۱۵۔ آپ نے کمسنی میں تیس ہزار مسائل کا جواب دیا

علی بن ابراہیم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ جب امام رضاؑ نے وفات پائی تو ہم لوگ حج کے لئے گئے تو امام محمد تقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں مختلف شہروں سے آئے ہوئے شیعوں کا ایک بہت بڑا مجمع تھا۔ جو حضرت ابی جعفرؑ محمد تقیؑ کی زیارت کی تمنا میں جمع تھا۔ اسی اثناء میں آپ کے چچا عبداللہ بن موسیٰ وہاں آ گئے۔ یہ ایک سن رسیدہ بزرگ تھے۔ موٹے جھوٹے لباس میں ملبوس پیشانی پر سجدے کا نشان، وہ بھی آ کر وہاں بیٹھ گئے۔ اتنے میں امام محمد تقیؑ اپنے حجرے سے برآمد ہوئے۔ قصبی قمیض چادر میں ملبوس پاؤں میں سفید رنگ کی پاپوش۔ آپ کو آتے دیکھ کر عبداللہ ابن موسیٰ کھڑے ہو گئے اور ان کے ساتھ تمام شیعہ بھی تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ عبداللہ بن موسیٰ نے آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا، پیشانی کو بوسہ دیا۔ آپ ایک کرسی

(۱) رجال کشی، ص/ ۵۰۸-۵۰۵ (۲) عیون اخبار الرضا، جلد۲، ص/ ۸، کافی، جلد۴، ص/ ۴۳

پرآ کرتشریف فرما ہوئے۔آپ کی کم سنی کو دیکھ کر سارا مجمع مارے حیرت کے ایک دوسرے کو تکنے لگا۔

مجمع میں سے ایک شخص نے آپ کے چچا سے پوچھا: اللہ آپ کا بھلا کرے، یہ بتائیں کہ اگر کوئی شخص جانور سے فعل بد کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

عبداللہ بن موسیٰ نے کہا اس کا داہنا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور کوڑے بھی لگائے جائیں گے۔ یہ سن کر امام محمد تقیؑ کو طیش آ گیا۔ان کی طرف غصہ کی نظر سے دیکھا اور فرمایا چچا خوف خدا کیجئے، ورنہ قیامت کے دن وہ منزل بہت سخت ہوگی، جب آپ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور آپ سے پوچھا جائے گا کہ جس مسئلہ کا تمہیں علم نہ تھا، اس کے متعلق تم نے لوگوں کو فتویٰ کیوں دیا؟ عبداللہ بن موسیٰ نے کہا: مولا! کیا آپ کے پدر بزرگوار نے یہ فتویٰ نہیں دیا تھا؟ آپ نے فرمایا: وہاں یہ مسئلہ نہیں تھا بلکہ اس شخص نے ایک عورت کی قبر کھودی اور اس سے زنا کیا۔اس پر میرے پدر بزرگوار نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ اس کا داہنا ہاتھ قبر کھودنے کے جرم میں کاٹا جائے گا اور زنا کے جرم میں کوڑے بھی لگائے جائیں گے، اس لئے کہ میت کی عزّت وحرمت بھی اتنی ہی ہے جتنی اس کی زندگی میں تھی۔عبداللہ بن موسیٰ نے کہا: مولا آپ نے سچ ارشاد فرمایا۔ مجھے یاد آ گیا اب میں اللہ سے توبہ کرتا ہوں۔لوگوں کو اس گفتگو سے بڑی حیرت ہوئی اور ہر طرف سے آواز آئی: میرے مولا اجازت ہو تو ہم لوگ بھی آپ سے اپنے مسائل دریافت کریں! آپ نے اجازت دی اور لوگوں نے اس ایک نشست میں آپ سے تیس، ۳۰ ہزار مسائل دریافت کئے اور آپ نے ان مسائل کے جوابات فرمائے۔ حالانکہ اس وقت آپ کا سن فقط نو، ۹ سال کا تھا۔(۱)

۱۶۔آپ نے سفر کرنے کو منع کیا

امیہ ابن علی قیس سے روایت ہے کہ ہم اور حماد بن عیسیٰ مدینہ میں حضرت امام محمد تقیؑ کی خدمت میں آپ سے رخصت ہونے کیلئے حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: آج نہ جاؤ، کل جانا۔ جب ہم لوگ آپ کی خدمت سے نکلے تو حماد نے کہا: میں تو آج ہی جاؤں گا، اسلئے کہ میرا سامان روانہ ہو چکا ہے۔ میں نے کہا کہ مگر میں ٹھہروں گا۔حماد نہیں مانا۔روانہ ہو گیا اسی شب کو وادی میں زبردست طوفان آیا جس میں وہ ڈوب کر

(۱) اختصاص، ص/۱۰۲

مر گیااور اس کی قبر اسی وادی میں ہے۔

کشف الغمہ میں اور دلائل حمیری میں امیہ سے اسی کے مثل روایت ہے۔(۱)

امام رضاؑ کے زمانے میں ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جو امام موسیٰ کاظمؑ پر توقف کرتا تھا یعنی آپ کے بعد امام رضا علیہ السلام کی امامت کا قائل نہیں تھا اور اسی لیے واقفیہ کہلاتا تھا۔ امام محمد تقیؑ نے اپنے دور میں اس گروہ میں ایسی کامیاب تبلیغ فرمائی کہ سب اپنے عقیدہ سے تائب ہو گئے اور آپ کے زمانہ ہی میں کوئی ایک شخص ایسا باقی نہ رہ گیا جو اس مسلک کا حامی ہو۔(یعنی امام رضاؑ کی امامت کے قائل ہو گئے۔)

امام محمد تقیؑ کے معجزات

ا۔امام کا یہ اعجاز کہ سوکھا درخت ہرا ہو گیا

جب حضرت امام محمد تقیؑ مامون سے رخصت ہو کر بغداد سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ ام الفضل بھی تھی۔ جب آپ کوفہ پہنچے تو ایک مجمع آپ کے ساتھ ہولیا۔ قریب بہ غروب آفتاب آپ دار مسیّب پر آئے وہاں شب کو قیام فرمایا۔ نماز کے لئے مسجد میں آئے۔ اس کے صحن میں کھجور کا ایک درخت بالکل خشک کھڑا تھا۔ آپ نے وضو کے لئے پانی منگوایا اور اس درخت کی جڑ میں بیٹھ کر وضو کیا۔ لوگوں کے ساتھ باجماعت نماز مغرب ادا کی پہلی رکعت میں سورہ الحمد کے بعد اذا جاء نصر اللہ کی قرائت فرمائی۔ دوسری رکعت میں سورۂ الحمد اور سورۂ قل ھو اللہ احد کی تلاوت کی۔ رکوع سے پہلے قنوت پڑھا اور تیسری رکعت میں تشہد و سلام پھر تھوڑی دیر بیٹھے تسبیح پڑھی اور بغیر تعقیبات پڑھے کھڑے ہوئے چار رکعت نوافل پڑھی اور اس کے بعد تعقیبات پڑھیں، سجدہ شکر بجالائے اور باہر نکلے۔ جب اس درخت کے پاس پہنچے تو لوگوں نے دیکھا وہ خوب سرسبز و شاداب ہو گیا۔ اس میں خوب پھل آئے ہوئے ہیں۔ لوگوں کو سخت تعجب ہوا بڑھ کر کھجور توڑ کر کھائی تو بہت لذیذ تھی جس میں گٹھلی کا نام بھی نہیں تھا۔(۲)

---

(۱) کشف الغمہ، جلد۳،ص/ ۲۱۸، بحار الانوار، جلد۵،ص/۶۲ (۲) ارشاد، ص۳۰۴

۲۔فضا میں دریا اور دریا میں مچھلی

محمد بن طلحہ کا بیان ہے کہ امام محمد تقیؑ کے پدر بزرگوار کی وفات کے ایک سال کے بعد خلیفہ وقت بغداد آیا۔ اتفاق کی بات کہ ایک دن وہ شکار کے لئے نکلا۔ اس کا گزر شہر کی ایک گلی سے ہوا۔ وہاں بہت سے لڑکے کھیل رہے تھے، امام محمد تقیؑ بھی کھڑے تھے۔ اس وقت آپ کا سن تقریباً گیارہ سال کا تھا۔

خلیفہ مامون کو دیکھ کر سارے لڑکے تو بھاگ گئے مگر امام ابو جعفر محمد تقیؑ اپنی جگہ پر کھڑے رہے خلیفہ مامون آپ کے قریب آیا۔ اس نے پوچھا صاحبزادے تمام لڑکے تو مجھ کو دیکھ کر بھاگ گئے تم کیوں نہیں بھاگے؟ آپ نے برجستہ جواب دیا راستہ تنگ نہ تھا کہ آپ کے جانے میں دشواری ہوتی اور نہ میں نے کوئی جرم کیا تھا کہ آپ کو دیکھ کر بھاگتا اور آپ کے متعلق مجھے یہ گمان تھا کہ بلا جرم کسی کو نہیں ستائیں گے۔ اس لئے میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔

یہ جواب سن کر وہ حیرت زدہ ہوگیا۔ پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ فرمایا: محمدؑ۔ پوچھا: تم کس کے صاحبزادے ہو؟ فرمایا: میں علی ابن موسیٰ رضاؑ کا فرزند ہوں۔ اس نے ان کے والد کیلئے اللہ سے طلب رحمت کی اور اپنی سواری آگے بڑھا دی۔ اس کے پاس کچھ شکاری باز تھے۔ جب آبادی سے دور نکل گیا تو اس نے ایک باز لیا اور شکار کے لئے ایک تیتر پر چھوڑا۔ وہ باز اڑا اور نگاہوں سے غائب ہوگیا اور دیر تک غائب رہا مگر جب فضا سے واپس آیا تو اس کے منقار میں ایک زندہ چھوٹی سی مچھلی تھی۔ خلیفہ مامون کو بڑا تعجب ہوا، یہ باز فضا سے مچھلی کیسے پکڑ لایا۔ اس نے مچھلی کو اپنی مٹھی میں میں چھپا لیا۔ گھر واپس ہوتے ہوئے اسی گلی سے گزرا جس سے آیا تھا۔ جب اس مقام پر پہنچا تو لڑکے پھر اسے دیکھ کر بھاگے لیکن حضرت اپنی جگہ کھڑے رہے۔ مامون آپ کے قریب آیا اور بولا اے محمد بتاؤ میری مٹھی میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے فضاؤں میں دریا پیدا کئے ہیں جن میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں ہیں۔ سلاطین کے باز جن کا شکار کرکے لاتے ہیں اور خلفاء اس سے اہل بیتِ نبوت کی نسل کا امتحان لیتے ہیں۔

مامون نے جب یہ سنا تو بڑی حیرت ہوئی۔ وہ تا دیر آپ کو بغور دیکھتا رہا پھر بولا: حق ہے کہ تم ابوالحسن رضا کے فرزند ہو۔ اس کے بعد آپ کے ساتھ حسن سلوک میں اور اضافہ کر دیا۔(۱)

---

(۱) کشف الغمہ، جلد۴، ص۱۸۷

۳۔ابو ہاشم کے کہنے سے پہلے جمال کو کام پر لگا دیا

ابو ہاشم سے روایت ہے کہ میرے حمال نے اصرار کیا کہ میں حضرت ابوجعفر محمد تقیؑ سے سفارش کردوں کہ وہ اسے بھی اپنے کاموں پر لگا دیں۔ جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ آپ کے ساتھ بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، بات کرنا ممکن نہ تھا۔ آپ کے سامنے دستر خوان لگا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: اے ابو ہاشم! کھانا کھاؤ۔ پھر آپ نے میرے بغیر کچھ کہے ہوئے اپنے غلام سے کہا: اے غلام ابو ہاشم۔ جو حمال کو لایا ہے اس حمال کو اپنے یہاں کسی کام میں لگا دو۔(۱)

اعلام الوری میں اور کتاب ارشاد میں بھی ابو ہاشم کی یہ روایت مرقوم ہے۔

۴۔امام نے الحکم کو قتل کے بعد پھر زندہ کردیا

احمد بن علی بن مکتوم سرخی سے روایت ہے کہ میں نے اپنے اصحاب میں سے ایک شخص کو دیکھا جوابی زینبیہ کے نام سے مشہور تھا اس نے مجھ سے الحکم بن یثار مروزی کے اور اس کے قصّہ کے متعلق دریافت کیا اور یہ بھی پوچھا کہ اس کے گلے پر نشان کیسا ہے؟ اور میں نے الحکم بن یثار مروزی کی گردن پر نشان دیکھا جیسے معلوم ہوتا تھا کسی نے اس کو ذبح کردیا ہو۔ میں نے جواب دیا کہ میں نے الحکم سے اس نشان کے متعلق پوچھا تھا مگر اس نے کچھ نہیں بتایا۔

راوی کا بیان ہے کہ ہم سات آدمی بغداد کے اندر ایک ہی حجرہ میں رہا کرتے تھے۔ یہ حضرت ابوجعفر محمد تقیؑ کا زمانہ تھا۔ ایک دن عصر کے وقت الحکم غائب ہوگیا اور رات گئے تک واپس نہیں آیا۔ نصف شب کو حضرت ابوجعفرؑ کی ایک تحریر ہم لوگوں کے پاس آئی کہ تمہارا ساتھی ذبح کیا ہوا اور ایک چٹائی میں لپٹا ہوا فلاں کوڑے خانہ پر پڑا ہوا ہے۔ جاؤ اسے اٹھا کر فلاں فلاں دوا لگاؤ۔ ہم لوگ گئے اور دیکھا کہ واقعاً جیسا آپ نے تحریر فرمایا تھا، وہ ذبح کیا ہوا پڑا تھا۔ اسے اٹھا لائے اور آپ کے ارشاد کے مطابق دوا کی وہ اچھا ہوگیا۔ احمد بن علی کا بیان ہے کہ الحکم اغیار کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ انھوں نے اس کو ذبح کر کے ایک مزبلہ پر ڈال دیا تھا۔(۲)

---

(۱) کافی، جلد ۱، ص/ ۴۹۵، ارشاد، ص/ ۳۰۶ (۲) رجال کشی، ص/ ۴۹

۵۔حسن ورباب سے نفرت

محمد بن زیان کا بیان ہے کہ مامون نے حضرت امام محمد تقیؑ کے خلاف ہر چال چل کر دیکھ لی۔ جب کوئی چال کارگر نہ ہوئی تو بالآخر اس نے ایک سو حسین وجمیل خادمائیں طلب کیں جن کے ہاتھوں میں ساغر اور ان ساغر میں جواہرات جڑے ہوئے تھے تاکہ یہ کنیزیں امام محمد تقیؑ جہاں بیٹھیں ان کے سامنے کھڑی رہیں، مگر آپ ان میں سے کسی کی طرف ملتفت نہیں ہوئے۔ ایک شخص جس کا نام مخارق تھا بہت اچھا گاتا بجاتا تھا۔ اس کی لمبی سی داڑھی تھی۔ مامون نے اسے بلایا۔ اس نے کہا: یا امیر المومنین اگر کوئی دنیاوی کام ہو، تو بتائیں میں اسے انجام دینے کے لئے کافی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ حضرت محمد تقیؑ کے سامنے بیٹھ گیا اور ایک ایسی زوردار تان لگائی کہ سب گھر والے جمع ہوگئے اور اسی کے ساتھ وہ عود بجانے اور گانے لگا۔ اسے گاتے ہوئے ایک ساعت گزر گئی، امام محمد تقیؑ گردن جھکائے بیٹھے رہے اس کی طرف ملتفت نہیں ہوئے نہ داہنے دیکھا نہ بائیں۔ یکایک آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا: اے لمبی داڑھی والے! اللہ سے ڈر۔ یہ سنتے ہی مضراب اور عود اس کے ہاتھوں سے گر پڑا۔ پھر مرتے دم تک اس کے ہاتھ عود ومضراب اٹھانے کے قابل نہ ہوئے۔ مامون نے پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: جس وقت سے حضرت محمد تقیؑ نے مجھے ڈانٹا ہے۔ میں ایسا ڈرا ہوں کہ وہ خوف تا قیامت میرے دل سے نہ نکلے گا۔(۱)

۷۔امام نے مٹی کھانے کی بری عادت چھڑادی

ابو ہاشم سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ مقام سنان پر امام محمد تقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں آپ پر قربان، مجھے مٹی کھانے کی بری عادت پڑ گئی ہے۔ آپ دعا فرمائیں کہ یہ چھوٹ جائے۔ یہ سن کر آپ خاموش رہے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد آپ نے فرمایا اے ابو ہاشم اللہ نے تمہاری مٹی کھانے کی عادت چھڑادی۔ میں نے عرض کیا جی ہاں اب تو سب سے زیادہ مجھے اس سے نفرت ہے۔(۲)

اعلام الوریٰ میں ابو ہاشم کی یہ روایت مرقوم ہے۔

---

(۱) بحار الانوار، جلد ۵، ص/ ۶۰۔ ۵۹ (۲) الخرائج والجرائح ص/ ۲۳۶، کافی، جلد ۱، ص ۴۹۵، ارشاد ص/ ۳۷

۸۔امامؑ نے فرمایا کہ درود کے ذریعہ دعا کرو

ابو ہاشم سے روایت ہے کہ ایک شخص امام محمد تقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: فرزند رسول میرے باپ کا انتقال ہوگیا ہے۔اس کے پاس بہت رقم تھی، مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ یہ رقم کہاں رکھ کر مرا ہے میں کثیر العیال ہوں اور آپ لوگوں کا دوست دار ہوں میری مدد فرمائیں۔حضرت محمد تقیؑ نے فرمایا: جب تم نماز عشاء سے فارغ ہو تو محمد وآل محمد پر درود بھیجو۔تمہارا باپ خواب میں آکر تمہیں بتا جائے گا کہ رقم کہاں رکھی ہے۔اس شخص نے ایسا ہی کیا اور اپنے باپ کو خواب میں دیکھا۔باپ نے کہا: بیٹے وہ رقم فلاں جگہ رکھی ہوئی ہے۔اسے لے لو اور فرزند رسولؐ سے جا کر بتا دو کہ میں نے خواب میں اس رقم کی نشاندہی کردی ہے۔ باپ کی نشاندہی پر اس شخص نے وہ رقم لی اور امام محمد تقیؑ کی خدمت میں آکر بتایا کہ میرے باپ نے خواب میں مجھے اس رقم کی نشاندہی کردی اور کہا ہے کہ اس خدا کا شکر جس نے آپ کو اتنا مکرم بنایا اور آپ کو امامت کے لئے منتخب فرمایا۔(۱)

۹۔قدرتِ امامت کا ایک نمونہ

عمارہ بن زید سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرت محمد بن علی محمد تقیؑ کے سامنے ایک چینی کا پیالہ رکھا ہوا تھا۔آپ نے فرمایا اے عمارہ میں تمہیں اس سے ایک چیز دکھاؤں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے اس پیالہ پر اپنا ہاتھ رکھا وہ پگھل کر پانی ہوگیا۔آپ نے اس کو پھر ایک پیالے میں جمع کیا اور پھر اسے اپنے ہاتھ سے مس کیا وہ پیالہ جیسا تھا ویسا ہی ہوگیا۔آپ نے فرمایا دیکھو قدرتِ امام ایسی ہونی چاہئے۔(۲)

۱۰۔ابومسلمہ کا بہرا پن جاتا رہا

ابومسلمہ کا بیان ہے کہ میں حضرت امام محمد تقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔میں بہت گراں گوش اور بہرہ تھا۔میں نے آپ سے اپنا حال بیان کیا: آپ نے مجھے قریب بلایا اور اپنا دست مبارک میرے کانوں پر مس کر کے فرمایا: اب سنو اور اچھی طرح سنو۔راوی کا بیان ہے کہ جب سے آپ نے دعا فرمائی میں لوگوں کی

---

(۱) مختار الخرائج والجرائح، ص/۲۳۷ (۲) بحار الانوار، جلد ۵، ص ۵۳

خفیف سے خفیف تر آواز بھی سننے لگا۔(۱)

۱۱۔اس کی بصارت پلٹ آئی

محمد بن میمون کا بیان ہے کہ وہ امام رضاؑ کے ساتھ مکّہ میں آپ کے خراسان تشریف لے جانے سے پہلے موجود تھا۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ میرا ارادہ مدینہ جانے کا ہے۔ اگر آپ کو کوئی خط اپنے فرزند حضرت ابوجعفر کو دینا ہوتو مجھے دیں میں پہنچادوں گا۔ یہ سن کر آپ نے تبسّم فرمایا اور خط لکھا۔ میں اسے لے کر مدینہ پہنچا اور دروازے پر پہنچ کر دستک دی حضرت ابوجعفر محمد تقیؑ کا خادم باہر نکلا اور آپ کے گہوارے کے پاس لے گیا میں نے وہ خط آپ کو پیش کیا۔ آپ نے موفق خادم سے فرمایا: لفافہ چاک کرو اور خط نکالو۔ اس نے لفافہ چاک کر کے خط نکالا۔ آپ نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر مجھ سے فرمایا اے محمد تمہاری آنکھ کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا: فرزند رسول میری آنکھ جاتی رہی ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔

راوی کا بیان ہے۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا اور میری آنکھوں پر مسح کر دیا اور میری بصارت پلٹ آئی میں نے آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور واپس ہوا۔(۲)

۱۲۔امامؑ نے تنگی معاش کی شکایت کو دور کیا

اسماعیل بن عباس ہاشمی سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ عید کے دن حضرت ابوجعفرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے تنگی معاش کی شکایت کی، تو آپ نے اپنے مصلیٰ کا ایک گوشہ اٹھایا اور مٹی کے اندر سے سونے کی ایک ڈلی نکالی اور مجھے دی۔ میں اسے بازار میں لے کر گیا تو وہ وزن میں سولہ مثقال تھی۔(۳)

۱۳۔عصا کی گواہی

محمد بن ابی العلا سے روایت ہے کہ جب میں یحییٰ بن اکثم قاضی سامرہ سے علوم آل محمدؐ کے متعلق خوب بحث و مناظرہ اور گفتگو کر چکا تو اس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک دن میں قبر نبیؐ کے طواف کے لئے پہنچا تو دیکھا کہ محمد بن علی الرضا بھی قبر نبی کا طواف فرما رہے ہیں۔ میرے ذہن میں چند مسائل تھے۔ میں نے آپ

---

(۱) بحار الانوار، جلد ۵، ص/۵۲ (۲) مختار الخرائج والجرائح، ص/۲۰۷ (۳) مختار الخرائج والجرائح، ص/۲۰۹

سے اس کے متعلق بحث کی۔ اس کے بعد کہا: میں آپ سے صرف ایک بات اور پوچھنا چاہتا ہوں اور اس کے پوچھنے میں مجھے کوئی شرم نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: میں تمہارے پوچھنے سے پہلے ہی بتا دوں کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ تم یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ امام زمانہ کون ہے؟ میں نے کہا قسم بخدا میں یہی پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: وہ امام زمانہ میں ہوں۔ میں نے کہا علامت کیا ہے؟ آپ کے ہاتھ میں اس وقت ایک عصا تھا۔ وہ عصا بول اٹھا کہ میرا یہ آقا ہی امام زمانہ ہے اور یہی حجۃ اللہ ہے۔(۱)

۱۴۔ انسانی رگوں کی معلومات

کتاب ''معرفت ترکیب جسد'' میں حسین بن احمد تمیمی سے روایت ہے کہ حضرت امام محمد تقیؑ نے دورِ مامون میں ایک فصد کھولنے والے کو بلایا اور اس سے کہا کہ رگِ ظاہر میں فصد کھول دے۔ اس نے کہا: مولا! یہ رگ تو مجھے معلوم نہیں کہ وہ کہاں کون سی ہے اور نہ اس رگ کا کبھی میں نے نام سنا ہے۔ آپ نے اس رگ کی نشاندہی فرمائی اور اس نے فصد کھولی تو اسمیں سے زرد رنگ کا پانی نکلا اور اتنا نکلا کہ پورا طشت بھر گیا۔ پھر آپ نے فرمایا: اب اس کو بند کر دو اور اس طشت کو خالی کر دو۔ پھر دوسری رگ سے خون نکلوایا پھر فرمایا: اب اس کو بھی باندھ دو۔ جب اس نے رگ کو باندھ دیا تو آپ نے اس کو ایک دینار دینے کا حکم دیا۔ اس فصاد نے ایک دینار لے لیا اور یوحنا بختشوع کے پاس آیا اور سارا قصہ بیان کیا۔ اس نے کہا: خدا کی قسم جب سے میں نے علم طب حاصل کیا اس رگ کا تو کبھی نام ہی نہیں سنا تھا لیکن یہاں فلاں نام کا اسقف ہے وہ بہت بوڑھا ہے۔ چلو اس کے پاس چلتے ہیں۔ شاید اس کو معلوم ہو۔ یہ دونوں اسقف کے پاس گئے اور سارا قصّہ بیان کیا۔ بیان کیا۔ وہ تھوڑی دیر گردن جھکا کر پوچھتا رہا اس کے بعد بولا: ہوسکتا ہے کہ وہ شخص جس کی فصد تو نے کھولی ہے وہ نبیؐ یا ذریت نبی سے ہو۔(۲)

۱۵۔ امام کو لوگوں کے دلوں کا حال معلوم ہوتا ہے

قاسم بن عبدالرحمٰن جوزیدی مذہب کا تھا اس کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ بغداد گیا اور ابھی وہیں قیام

(۱) الکافی، جلد ۱، ص/۳۵۳، مناقب، جلد ۴، ص ۳۹۳ (۲) بحار الانوار، جلد ۵، ص ۴۰

تھا کہ ایک دن دیکھا کہ لوگ کسی کے استقبال کے لئے راستوں پر کھڑے ہوئے ہیں میں نے پوچھا کون آرہا ہے؟ لوگوں نے کہا ابن رضاؑ تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے کہا اگر وہ آرہے ہیں تو خدا کی قسم میں بھی انہیں دیکھوں گا۔ (تھوڑی دیر میں) وہ ایک گھوڑے پر سوار نمودار ہوئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ ''گروہ امامیہ پر اللہ کی لعنت جو یہ کہتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کی اطاعت فرض ہے۔'' ابھی میرے دل میں یہ بات آئی ہی تھی کہ حضرت ابوجعفر محمد تقی میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا اے قاسم بن عبدالرحمٰن ''أَبَشَرًا مِنَّا وَاحِدًا نَتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَفِي ضَلاَلٍ وَسُعُر''(سورہ القمر آیت ۲۴)

میں نے کہا بخدا یہ جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔ جونہی میرے دل میں یہ خیال آیا آپ متوجہ ہوئے اور فرمایا ''أَؤُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِر''(سورہ القمر آیت ۲۵)

راوی کا بیان ہے پھر میں بغداد سے نکلا تو اس حالت میں کہ ان کی امامت کا قائل تھا گواہی دیتا تھا کہ واقعاً یہ اللہ کی مخلوق پر اللہ کی طرف سے حجت ہیں اور میں آپ کا معتقد ہو گیا۔

بسم الله الرحمن الرحیم

(باب دوازدہم)

امام علی نقی -

- ولادت: ۵؍رجب المرجب ۲۱۴ھ یوم سہ شنبہ مدینہ منورہ بمقام ''صریا''
- شہادت: ۳؍رجب المرجب ۲۵۴ھ یوم دوشنبہ بمقام ''سامرہ''
- والد: حضرت امام محمد تقی علیہ السلام
- والدہ: جناب سمانہ مغربیہ (عرف) سیّدہ ام الفضل
- ازواج: کئی بیویاں تھیں
- بیٹے: چار بیٹے امام حسن عسکریؑ، حسین، محمد، جعفر کذّاب
- بیٹیاں: ایک بیٹی عائشہ بنتِ علی

امام علی نقیؑ کے حالات

امام علی نقیؑ رسولِ خدا حضرت محمد مصطفیؐ کے دسویں جانشین اور سلسلہ انوار معصومین کی بارہویں کڑی ہیں۔ آپ کے والدِ ماجد حضرت امام محمد تقیؑ تھے اور والدۂ گرامی قدر امِ ولد تھیں جن کا اسم گرامی سمانہ مغربیہ تھا۔ ''یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپؑ کی والدہ سیّدہ ام الفضل کے نام سے مشہور تھیں۔''(۱)

''آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم اعلم زمانہ اور فضل کائنات تھے، آپ علم سخاوت طہارت نفس، بلندیٔ کردار اور جملہ صفات حسنہ میں اپنے والدِ ماجد کی جیتی جاگتی تصویر تھے''۔(۲)

آپ کی ولادت باسعادت

آپ بتاریخِ ۵/رجب المرجب ۲۱۴ھ یوم سہ شنبہ بمقام مقدس ونورانی شہر مدینۂ منورہ کے ایک محلّہ میں اس مقام پر جس کا نام ''صریا'' تھا دنیا میں آنکھیں کھولیں۔(۳)

کتاب اعلام الوریٰ میں مرقوم ہے کہ امام علی نقیؑ مقام ''صریا'' میں جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے اور جسے امام موسیٰ بن جعفرؑ نے آباد کیا تھا، وہاں ۱۵/ذی الحجّہ ۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔

ابن عیاشی کا قول ہے کہ میرے گھر والوں کو شیخ کبیر ابوالقاسم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ دعا ملی:

''پروردگارا! میں تجھ سے ان دو مولودین کے واسطے سے دعا کرتا ہوں جو ماہِ رجب میں تولد ہوئے ایک محمدؑ بن علیؑ (امام محمد تقیؑ) اور دوسرے ان کے فرزند علی بن محمد (امام علی نقیؑ)۔ ابن عیاشی کا قول یہ ہے کہ حضرت ابوالحسن ثالث (امام علی نقیؑ) ۲/رجب کو تولّد ہوئے اور یہ بھی کہا ہے کہ آپ ۵/رجب کو تولّد ہوئے۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ ''ابراہیم بن ہاشم قمی'' کی روایت ہے اس کا بیان ہے کہ حضرت ابوالحسن عسکری (امام علی نقیؑ) ۱۴/رجب روزِ سہ شنبہ ۲۱۴ھ کو تولّد ہوئے۔ مگر ابنِ عیاشی کے قول کی بناء پر آپ کی تاریخ ولادت ۵/رجب ۲۱۴ھ ہے۔(۴)

(۱) مناقب جلد ۵، ص/ ۱۱۶ (۲) صواعق محرقہ، ص ۱۲۳، مطالب السؤل ص ۲۹۱، نور الابصار ص ۱۴۹، چودہ ستارہ، ص/ ۵۰۰

(۳) نور الابصار، ص/ ۱۴۹، چودہ ستارے، ص/ ۵۰۰ (۴) بحار الانوار، جلد ۹، ص/ ۱۱۷

نقشِ خاتم

فصول المہمہ میں تحریر ہے کہ آپ کا رنگ گندمی تھا اور آپؑ کا نقشِ خاتم:

''**اللہ ربی وھو عصمتی من خلقہ**''تھا۔

مصباح کفعمی میں ہے کہ آپ کا نقشِ خاتم: ''**حفظا لعھود من اخلاق المعبود**'' تھا۔

اسم گرامی، کنیت والقاب

آپ کا اسم گرامی ''علیؑ'' آپ کے والدِ ماجد حضرت امام محمد تقیؑ نے رکھا۔ اسے یوں سمجھنا چاہئے کہ سرور کائناتؐ نے اپنے بارہ جانشین اپنی ظاہری حیات کے زمانہ میں معیّن فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک آپ کی ذات گرامی بھی تھی۔ آپ کے والدِ ماجد نے اسی معین اسم سے موسوم کردیا۔

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ چہاردہ معصومین کے اسماءِ لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔ سرور کائناتؐ نے اسی کے مطابق سب کے نام معین فرمائے ہیں اور ہر ایک کے والد نے اسی کی روشنی میں اپنے فرزند کو موسوم کیا ہے۔ (۱)

آپ انوارِ معصومین میں چوتھے اسم گرامی ''علیؑ'' سے موسوم ہوئے۔

صاحب معانی الاخبار بیان کرتے ہیں: میں نے اپنے مشائخ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ سرمن رائے کا وہ محلّہ جس میں امام علی نقیؑ اور حضرت حسن عسکریؑ سکونت پذیر تھے اس کا نام عسکر تھا، اس لئے دونوں میں سے ہر ایک کو عسکری (عسکر کے رہنے والے) کہتے ہیں۔ (۲)

آپ بھی اپنے جد بزرگوار ہی کی طرح خدا کی طرف سے مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی پر ماموریت رکھتے تھے۔ لہٰذا اپنے لئے وہی اپنے جد بزرگوار کی کنّیت سے موسوم ہوئے، اس لئے کہ امام رضاؑ کی کنیت 'ابوالحسن' تھی اور خاندان امامت کے پہلے ''ابوالحسن'' حضرت علی بن ابی طالبؑ تھے۔ لہٰذا آپ کی کنیت بھی ''ابوالحسن'' تھی۔

''ابن الرضا'' آپ کا مشہور ترین لقب تھا۔ دوسرے القاب میں سے ہادی، ناصح، عالم، فقیہ، امین، عسکری، دلیل، فتاح، متوکل، اور مرتضٰی کے نام سے بھی جانے جاتے تھے۔ جس طرح کہ آج بیشتر دوستداران

---

(۱) اعلام الوریٰ، ص/ ۲۲۵ (۲) معانی الاخبار، ص (۶۵)

وشیعیان آلِ محمدؐ آپ کوآپ کے مشہور لقب 'نقی' اور'ہادی' سے پہچانتے ہیں۔(۱)

''ابن عیاشی کی روایت کے مطابق آپؑ کے القاب نقی، قائم ،فقیہ، امین اور طیّب تھے آپ کوابوالحسن ثالث بھی کہتے ہیں۔''(۲)

آپ کا حلیہ مبارک

امام ابوالحسن ثالث علی بن محمد النّقی علیہ السلام امام محمد بن علی تقی الجوادؑ کے فرزند ارجمند تھے۔آپؑ کی روح سب سے زیادہ پاک وطیّب ، لہجہ سب سے زیادہ نرم وخوشگوار، قریب سے دیکھو نہایت حسین وجمیل، دور سے دیکھوتو سب سے زیادہ کامل۔خاموش رہیں،تو چہرے پر رعب وجلال اورعزّ وقار نمایاں، گفتگو فرمائیں تو گل افشانی کے ساتھ فصاحت وبلاغت میں اپنے جد کی مثال۔آپؑ خاندانِ نبّوت کے ایک فردِ منفرد، خلافت ووصایت کے لئے جائے قرار، شجرۂ طیّبۂ محمدیہ کی ایک پسندیدہ شاخ اور بارآور درخت کے ایک چیدہ اور پسندیدہ ثمر تھے۔(۳)

وارثِ امامت کی گواہی

امام محمد تقی نے بھی جد بزرگوار آئمہ معصومیں کی طرح اپنے فرزند صالح امام علی ہادیؑ کی امامت و پیشوائی کے بارے میں تصریح فرمادی تھی۔اپنی مقدس زندگی کے آخری لمحات میں آپ نے اس اہم موضوع کے متعلق یہ ہدایت فرمائی۔آپ کے بیت الشرف کے دربان جیرانی کا بیان ہے کہ:

> ''میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ میرے مولا امام جوادؑ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں احمد اشعری کو پیغام بھیجا کہ میں اس دنیا سے اب رخصت ہوجاؤں گا اور اپنی جگہ پر اپنے فرزند علیؑ کو مقرر کرتا ہوں۔پس میرے جو حقوق تمہارے ذمّہ ہیں، وہ سب حقوق ان کے ہیں۔احمد نے بھی حضرت کے پیغام کو لکھ لیا اور اس کے دس نسخے اعیان وسربرآوردہ دس افراد کے پاس بھیج دیئے کہ

---

(۱)اہل بیت اطہار کی مختصر سوانح حیات،ص/۲۳۱ (۲)اعلام الوریٰ،ص/۲۳۹ (۳)بحارالانوار،جلد۹،ص/۱۱۶

اگر میری موت واقع ہوجائے تو وہ لوگ اسے کھول کر پڑھ لیں (اور اس کے مطابق عمل کریں)

امامؑ کی رحلت کے بعد (جب خط کھولا گیا تو) معلوم ہوا کہ وہ امام علی ہادیؑ کی امامت و جانشینی سے متعلق تھا۔(۱)

عبادت، زہد وتقویٰ

امام علی نقیؑ کی سیرت زندگی اور اخلاق وکمالات وہی تھے جو اس سلسلۂ عصمت وطہارت کی ہر فرد کے اپنے اپنے دور میں امتیازی طور پر مشاہدہ میں آتے رہے تھے۔آپ بھی رات رات بھر نمازیں پڑھتے اور دن میں زیادہ تر روزہ رکھتے تھے۔قید خانہ اور نظر بندی کا عالم ہو یا آزادی کا زمانہ ہر وقت ہر حال میں یادِ الٰہی، عبادت، خلق خدا سے استغناء، ثباتِ قدم، صبر واستقلال، مصائب کے ہجوم میں ماتھے پر شکن کا نہ ہونا۔دشمنوں کے ساتھ حلم ومروت سے کام لینا۔محتاجوں اور ضرورتمندوں کی امداد کرنا۔یہی وہ اوصاف ہیں جو امام علی نقیؑ کی سیرتِ زندگی میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

قید کے زمانہ میں جہاں بھی آپ رہے۔آپ کے مصلّے کے سامنے ایک قبر کھدی تیّار رہتی تھی۔دیکھنے والوں نے جب اس پر حیرت اور دہشت کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا میں اپنے دل میں موت کا خیال رکھنے کے لئے یہ قبر اپنی نگاہوں کے سامنے تیار رکھتا ہوں۔

حقیقت میں یہ ظالم طاقت کو اس کے باطل مطالبۂ اطاعت اور اسلام کے حقیقی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے ترک کر دینے کی خواہش کا ایک عملی جواب تھا۔یعنی زیادہ سے زیادہ سلاطین وقت کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ جان کا لے لینا۔مگر جو شخص موت کے لیے اتنا تیار ہو کہ ہر وقت کھدی ہوئی قبر اپنے سامنے رکھے، وہ ظالم حکومت سے ڈر کر سرِ تسلیم خم کرنے پر کیسے مجبور کیا جا سکتا ہے۔

امام علی نقیؑ کی علمی خدمات

آپ نے صرف چھ(۶) سال اپنے والد بزرگوار کے زیر سایہ زندگی بسر کی۔اس کے بعد آپ کے

(۱) اہل بیت اطہارؑ کی مختصر سوانح حیات، ص/ ۲۲۸

والد امام محمد تقیؑ کو عراق کا سفر در پیش ہوا اور وہیں ۲۹/ذیقعدہ ۲۲۰ھ میں حضرت کی شہادت ہوگئی، جس کے بعد امامت کی ذمہ داری امام علی نقیؑ کے کاندھوں پر آ گئی۔ اس صورت میں سوا قدرت کی آغوش تربیت کے اور کون سا گہوارہ تھا جسے آپ کے علمی اور عملی کمال کی بلندیوں کا مرکز سمجھا جا سکے۔

ہمارے مسلمات میں سے ہے کہ ہمارے آئمہ کو علمِ لدنی ہوتا ہے۔ یہ خدا کی بارگاہ سے علم وحکمت لے کر کامل اور مکمل دنیا میں تشریف لاتے رہے ہیں۔ ذاتی علم وحکمت کے علاوہ مزید شرفِ کمال کی تحصیل اپنے آباؤ اجداد سے حاصل کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ انتہائی کمسنی میں بھی یہ دنیا کے بڑے سے بڑے عالموں کو علمی شکست دینے میں ہمیشہ کامیاب رہے ہیں۔ اگر کسی نے اپنے کو ان کی کسی فرد سے مافوق سمجھا تو وہ ذلیل ہو کر رہ گیا، یا پھر سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ پیش ہے ایک مثال:۔

حاکم وقت نے سب سے بڑے عالم سے تعلیم دینے کو کہا جو آپ کے سامنے بے بس ہو گیا۔

علامہ مسعودی کا بیان ہے کہ حضرت امام محمد تقیؑ کی وفات کے بعد امام علی نقیؑ جن کی عمر اس وقت ۷۔۶ سال کی تھی جو مدینہ میں مرجع خلائق بن گئے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ جو آلِ محمدؐ سے دلی دشمنی رکھتے تھے، یہ سوچنے لگے کہ کسی طرح ان کی مرکزیت کو ختم کیا جائے اور کوئی ایسا معلم ان کے ساتھ لگا دیا جائے جو انہیں تعلیم بھی دے اور ان کی اپنے اصول پر تربیت کرنے کے ساتھ، ان کے پاس لوگوں کے پہنچنے کا سدّ باب کرے، یہ لوگ اسی خیال میں تھے کہ عمر بن فرج رُخجی فراغت حج کے بعد مدینہ پہنچا۔ لوگوں نے اس سے اپنا مدعا کہا۔ بالآخر حکومت کے دباؤ سے ایسا انتظام ہو گیا کہ امام علی نقیؑ کو تعلیم دینے کے لیے عراق کا سب سے بڑا عالم، ادیب عبیداللہ جنیدی معقول مشاہرہ پر لگایا گیا۔ یہ جنیدی آلِ محمدؐ کی دشمنی میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ الغرض جنیدی کے پاس حکومت نے امام علی نقیؑ کو رکھ دیا۔ جنیدی کو خاص طور پر اس امر کی ہدایت کر دی کہ ان کے پاس روافض نہ پہنچنے پائیں۔ جنیدی نے آپ کو قصر بابیں اپنے پاس رکھا۔ وہاں ہوتا یہ تھا کہ جب رات ہوتی تھی، تو دروازہ بند کر دیا جاتا تھا اور دن میں بھی شیعوں کے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ اس طرح آپ کے ماننے والوں کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور آپ کا فیض علم جو جاری تھا بند ہو گیا۔ لوگ آپ کی زیارت اور آپ سے استفادہ سے محروم ہو گئے۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن جنیدی سے کہا۔ ہاشمی بچے کا کیا حال ہے۔ اس نے نہایت بری صورت بنا کر کہا۔ انھیں ہاشمی بچہ نہ کہو، وہ رئیس ہاشمی ہیں۔ خدا کی قسم وہ اس کمسنی میں مجھ سے کہیں زیادہ علم رکھتے ہیں۔ سنو! میں اپنی پوری کوشش کے بعد جب ادب کا کوئی باب ان کے سامنے پیش کرتا ہوں تو وہ اس کے متعلق ایسے ابواب کھول دیتے ہیں کہ میں حیران رہ جاتا ہوں۔ ''**یظن الناس انی اعلمه وانا والله اتعلم منهه** (لوگ سمجھ رہے ہیں کہ میں انھیں تعلیم دے رہا ہوں۔ لیکن خدا کی قسم میں ان سے تعلیم حاصل کر رہا ہوں۔) میرے بس میں یہ نہیں کہ میں انھیں پڑھا سکوں۔ ''**هذا والله خیر اهل الارض وافضل من بغاالله** '' (خدا کی قسم وہ حافظِ قرآن ہی نہیں) وہ اس کی تاویل وتنزیل کو بھی جانتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ وہ زمین پر بسنے والوں میں سب سے بہتر اور کائنات میں سب سے افضل ہیں۔ (۱)

امام علی نقیؑ نے اپنے دور کے حاکموں کے انتہائی دباؤ اور گھٹن کے باوجود آئین ودستور اسلام کی توسیع و اشاعت کا اہم کام انجام دیا۔ اسلامی تعلیمات کی حقیقت کو عام کیا علوی انقلابی رہنماؤں کو حوادث وآفات کے گزند سے محفوظ رکھا۔ آپ نے اس وقت کی ذہنی الجھنوں اور خطرناک اندیشوں سے بچنے کیلئے فکری ومکتبی انحرافات سے مقابلہ کرنے کیلئے اقدام فرمائے دوسرے لوگوں کو بھی اس کیلئے شوق دلایا۔ خود بھی اس علمی وفکری مقابلہ کی صفِ اوّل میں قائم رہے۔ آپ اپنے دور شباب ہی سے اور اسی زمانہ سے جبکہ آپ اپنے پدرِ بزرگوار کے مکتب میں علم ومعرفت و کمال کا درس حاصل کر رہے تھے، مسلمانوں کی ہدایت ورہنمائی فرماتے رہتے تھے، اور اپنے علم وفضیلت پرور مکتبِ مقدّس میں خاندانِ نبوت سے عقیدت وارادت رکھنے والوں کی جماعتوں کی پرورش وتربیت فرما رہے تھے۔ آپ اپنے زمانے میں علم ودانش، فضیلت وشرف انسانی اور اسلامی مجاہدات میں اپنا مثل ونظیر نہیں رکھتے تھے۔ آپ کے دامن سے وابستہ عقیدت مند آپ کی درگاہ سے کسب فیض کیلئے آپ کے شمع وجود کے گرد پروانوں کی طرح گردش کرتے تھے اور آپ کے خرمنِ علم ودانش وشرف فضیلت سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہوتے تھے۔

اقوالِ زرین امام علی نقیؑ

(۱) خدا کی نعمتوں پر غور کرنا ایک اچھی عبادت ہے۔

---

(۱) اثبات الوصیت ودمعہ ساکبہ، ص ۱۲۱، چودہ ستارے، ص ۵۰۳

(۲) جب دو مسلمان آپس میں ملاقات کر کے مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ خشک پتوں کی طرح گرتے ہیں۔

(۳) ہمیشہ دوسروں کی کامیابی و عافیت کی دعا کرو تا کہ وہ چیزیں تم اپنے میں پاؤ۔

(۴) چھپ کر گناہ کرنے سے ڈرو کیونکہ اس وقت دیکھنے والا ہی فیصلہ کرنے والا ہے۔

(۵) کبھی اپنے برادر دینی سے بدلہ لینے کی کوشش نہ کرو اگر چہ اس نے بدی ہی کی ہو۔

(۶) جو شخص صرف اپنی عقل پر بھروسہ کرے اور مشورہ نہ کرے، اس سے لغزش ہو سکتی ہے۔

(۷) خود پسندی انسان کی بدبختی اور ہلاکت کا سبب ہو سکتی ہے۔

(۸) جس گھر میں کتّا ہوتا ہے، وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں۔

(۹) جو شخص خود پسند ہوتا ہے، زیادہ تر لوگ اس سے ناراض رہتے ہیں۔

(۱۰) جو شخص دوستی کی نظر ڈالے اس کی پوری طور پر اطاعت کرو۔

(۱۱) دنیا ایک ایسا بازار ہے جہاں ایک جماعت اس سے فائدہ اٹھاتی ہے، دوسری جماعت گھاٹا اٹھاتی ہے۔

(۱۲) بے ہودگی بے عقلوں کی فطرت اور نادانوں کی صفت ہوا کرتی ہے۔

(۱۳) اللہ سے ڈرو تا کہ دوسروں سے بھی امان میں رہو۔

(۱۴) نیک کام مرگ مفاجات سے بچاتے ہیں۔

(۱۵) بہترین صدقہ یہ ہے کہ جو دوست جدائی کا شکار ہو گئے ہیں، ان میں صلح کرا دو۔

(۱۶) عقلمندوں سے راہ نمائی حاصل کرو، ان کے مشورہ سے سرتابی نہ کرو، ورنہ پشیمان ہونا پڑے گا۔

(۱۷) میں تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ ہمیشہ راست گو رہنا، عہد کو وفا کرنا، امانت کو ادا کرنا اور یتیموں کی سرپرستی کرنا۔

(۱۸) دو روئی اور چغل خوری سے پرہیز کرو، اسی سے لوگوں کے دلوں میں کینہ پیدا ہوتا ہے اور تمہاری شخصیت گھٹتی جاتی ہے۔

(۱۹) مزاح، وقار و ہیبت کو کم کر دیتا ہے جب کہ سکوت، وقار میں اضافہ کا باعث ہے۔

(۲۰) جو چیزیں یہاں حلال ذریعہ سے حاصل کی گئیں اس کا بھی وہاں حساب ہوگا۔

آپ کے دورِ امامت میں خلفائے وقت کا کردار

امام علی نقیؑ کا دورِ امامت معتصم عباسی کے زمانہ سلطنت سے شروع ہوا۔ ۲۲۸ھ میں معتصم کا انتقال ہوا اور واثق باللہ کی حکومت شروع ہوئی۔ ۲۳۶ھ میں واثق دینا سے رخصت ہوا اور مشہور ظالم و سفاک، دشمنِ اہلبیتؑ متوکل تختِ حکومت پر بیٹھا۔ ۲۳۰ھ میں متوکل ہلاک ہوا اور منتصر باللہ خلیفہ تسلیم کیا گیا۔ جو صرف چھ مہینہ سلطنت کرنے کے بعد مر گیا اور مستعین باللہ کی سلطنت قائم ہوئی۔ ۲۵۳ھ میں مستعین کو حکومت سے دست بردار ہو کر جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑا اور معتز باللہ بادشاہ ہوا۔ یہی امام علی نقیؑ کے زمانے کا آخری بادشاہ تھا۔

''معتصم نے خواہ اپنی ملکی پریشانیوں کی وجہ سے جو اسے رومیوں کی جنگ اور بغداد کے دار السلطنت میں عباسیوں کے فساد وغیرہ کی وجہ سے درپیش تھیں، خواہ امام علی نقیؑ کی کمسنی کا خیال کرتے ہوئے، بہرحال حضرت سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ آپ سکون واطمینان کے ساتھ مدینہ منورہ میں اپنے فرائض پورے کرنے میں مصروف رہے۔ معتصم کے بعد واثق نے بھی آپ کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ مگر متوکل کا تختِ سلطنت پر بیٹھنا تھا کہ امام علی نقیؑ پر تکلیف ومصائب کا سیلاب امنڈ آیا یہ واثق کا بھائی اور معتصم کا بیٹا تھا اور آلِ رسولؐ کی دشمنی میں اپنے تمام آباؤ اجداد سے بڑھا ہوا تھا۔'' (۱)

امام محمد تقیؑ کی شہادت کے بعد جب سے آپ نے امامت کا عہدہ سنبھالا تھا، آپ کی شہرت تمام مملکت اسلامی میں پھیل چکی تھی اور تعلیمات اہلبیتؑ کے پروانے شمع ہدایت کے گرد جمع ہوتے رہتے تھے۔ اس وقت تک متوکل کی حکومت کے چار سال گزر گئے اور آپ کی امامت کے سولہ برس ہو گئے تھے اس عرصہ میں تبلیغ ہدایت کا کافی کام سرانجام دیا تھا کہ اس کے بعد حاکم نے عبداللہ بن حاکم نے امامؑ سے مخالفت کا آغاز کیا۔ پہلے تو خود آپ کو مختلف تکلیفیں پہنچائیں، پھر متوکل کو آپ کے متعلق اسی طرح کی باتیں لکھیں جیسی کہ آپ کے بزرگوں کے متعلق ان کے دشمنوں نے بادشاہِ وقت کو پہنچائی تھیں۔ مثلاً حضرت اسلحہ جمع کر رہے ہیں۔ آپ کے ماننے والے اتنی تعداد میں بڑھ گئے ہیں کہ آپ جب چاہیں حکومت کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ امامؑ کو حاکم مدینہ کے اس خط کی بروقت اطلاع ہو گئی۔ آپؑ نے اتمام حجت کے طور پر اسی کے ساتھ متوکل کے پاس

---

(۱) رہنمایان اسلام (سید علی نقی صاحب) ص/ ۱۸۱۔۱۸۲

اپنی جانب سے ایک خط تحریر فرمایا۔ جس میں حاکم مدینہ کی اپنے ساتھ ذاتی مخالفت کا تذکرہ اور اس کی غلط بیانیوں کا اظہار فرمایا۔ متوکل نے از راہ سیاست آپ کے خط کو اہمیت دیتے ہوئے حاکم مدینہ کو معزول کردیا۔ مگر ایک فوجی رسالے کو یحییٰ بن ہرثمہ کی قیادت میں بھیج کر حضرت سے بظاہر دوستانہ انداز میں باصرار یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ مدینہ سے دارالسلطنت سامرہ تشریف لاکر کچھ دن قیام فرمائیں، پھر واپس مدینہ تشریف لے جائیں۔

امام علی نقیؑ اس کی اس درخواست کی حقیقت سے خوب واقف تھے اور جانتے تھے کہ یہ نیاز مندنہ دعوتِ تشریف آوری حقیقت میں جلاوطنی کا حکم ہے۔ مگر انکار کا کوئی حاصل نہ تھا، جبکہ انکار کے بعد اسی طلبی کے انداز کا دوسری شکل اختیار کرلینا یقینی تھا اور اس کے بعد روانگی ناگزیر تھی۔ آپ کا مدینہ چھوڑتے وقت وہی حال تھا جو آپ سے پہلے حضرت امام حسینؑ، امام موسیٰ کاظمؑ، اور امام رضاؑ، اور امام محمد تقیؑ کا اپنے عزیزوں کو چھوڑتے وقت ہوا تھا جس سے احباب واصحاب میں ایک کہرام برپا تھا۔

امام کا مدینہ سے سامرہ کا سفر

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ متوکل نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں آپ کی خاطر سے عبداللہ ابنِ محمد کو معزول کرکے اس کی جگہ پر محمد بن فضل کو مقرر کررہا ہوں۔(۱)

علاّمہ اردبلی لکھتے ہیں کہ متوکل نے صرف یہی نہیں کیا کہ امام علی نقیؑ کو خط لکھا ہو کہ آپ سامرہ چلے آیئے بلکہ اس نے تین سو کا لشکر یحییٰ بن ہرثمہ کی قیادت میں مدینہ بھیج کر انہیں بلانا چاہا۔ یحییٰ بن ہرثمہ کا بیان ہے کہ میں حکم متوکل پاکر امامؑ کو لانے کے لئے بہ ارادہ مدینہ منوّرہ روانہ ہوگیا۔ میرے ہمراہ تین سو کا لشکر تھا اور اس میں ایک کاتب بھی تھا جو امامیہ مذہب رکھتا تھا۔ ہم لوگ اپنے راستہ پر جارہے تھے اور اس سعی میں تھے کہ کسی طرح جلد سے جلد مدینہ پہنچ کر امامؑ کو لے آئیں اور متوکل کے سامنے پیش کریں۔ ہمارے ساتھ جو ایک شیعہ کاتب تھا اس سے لشکر کے ایک افسر سے راستہ بھر مذہبی مناظرہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم لوگ اس عظیم وادی میں پہنچے جس کے اردگرد میلوں کوئی آبادی نہ تھی۔ وہ ایسی جگہ تھی جہاں سے انسان کا مشکل سے گزر ہوتا تھا۔ بالکل جنگل اور بے آب وگیاہ صحرا تھا۔ جب ہمارا لشکر وہاں پہنچا تو اس افسر نے جس کا نام ''شادی'' تھا

---

(۱) جلاء العیون، ص/۲۹۲

کہنے لگا: اے کاتب! تمہارے امام حضرت علیؑ کا یہ قول ہے کہ دنیا کی کوئی ایسی وادی نہ ہوگی جس میں قبر نہ ہو یا عنقریب قبر بن جائے۔ کاتب نے کہا: بے شک۔ ہمارے امامؑ غالب کل غالب کا یہی ارشاد ہے۔ اس نے کہا بتاؤ اس زمین پر کس کی قبر ہے یا کس کی قبر بن سکتی ہے۔ تمہارے امام یونہی کہہ دیا کرتے ہیں۔ ابن ہرثمہ کا کہنا ہے کہ میں چونکہ حشوی خیال کا تھا۔ لہٰذا جب یہ باتیں ہم نے سنیں تو ہم سب ہنس پڑے اور کاتب شرمندہ ہو گیا۔ غرض لشکر بڑھتا رہا اور اسی دن مدینہ پہنچ گیا۔ وارد مدینہ ہونے کے بعد میں نے متوکل کا خط امام علی نقیؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ امامؑ نے اسے ملاحظہ فرما کر لشکر پر نظر ڈالی اور سمجھ گئے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ابن ہرثمہ! چلنے کو تیار ہوں لیکن ایک دو روز کی مہلت ضروری ہے۔ میں نے عرض کی: ''حضور! خوشی سے۔'' جب حکم ہو۔ فرمائیں، میں حاضر ہو جاؤں اور روانگی ہو جائے۔ ابن ہرثمہ کا بیان ہے کہ امامؑ نے میرے سامنے ملازم سے کہا کہ درزی بلا دو اور اس سے کہو کہ مجھے سامرہ جانا ہے۔ لہٰذا راستے کے لئے گرم کپڑے اور گرم ٹوپیاں جلد سے جلد تیار کر دے۔ میں وہاں سے رخصت ہو کر اپنے قیام گاہ پہنچا اور راستے بھر یہ سوچتا رہا کہ امامیہ کیسے بیوقوف ہیں کہ ایک شخص کو امام مانتے ہیں جسے (معاذ اللہ) یہ تک تمیز نہیں ہے کہ یہ گرمی کا زمانہ ہے یا جاڑے کا۔ اتنی شدید گرمی میں جاڑے کے کپڑے سلوار ہے ہیں اور اسے ہمراہ لے جانا چاہتے ہیں۔ الغرض میں دوسرے دن ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ جاڑے کے بہت سے کپڑے سلے ہوئے رکھے ہیں اور آپ سامان سفر درست فرما رہے ہیں اور اپنے ملازمین سے کہتے جاتے ہیں دیکھو کلاہ بارانی اور برساتی وغیرہ رہنے نہ پائے۔ سب ساتھ میں باندھ دو۔ اس کے بعد مجھ سے کہا: اے یحییٰ بن ہرثمہ! جاؤ تم بھی اپنا سامان درست کرو تا کہ مناسب وقت میں روانگی ہو جائے۔ میں وہاں سے نہایت بددل واپس آیا۔ مختصر یہ کہ سامان سفر درست ہو گیا اور روانگی ہو گئی۔ میر الشکر امامؑ کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے جا رہا تھا کہ ناگاہ اسی وادی میں پہنچا، جس کے متعلق کاتب امامیہ اور شادی میں گفتگو ہوئی تھی کہ یہاں پر کس کی قبر ہے یا ہوگی۔ اس وادی میں پہنچنا تھا کہ قیامت آ گئی۔ بادل گرجنے لگے، بجلی چمکنے لگی اور دوپہر کے وقت اس قدر تاریکی چھائی کہ کوئی ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکتا تھا۔ یہاں تک کہ بارش شروع ہو گئی اور ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ عمر بھر نہ دیکھی تھی۔ امامؑ نے ملازمین کو حکم دیا کہ برساتی اور بارانی ٹوپیاں پہن لو اور ایک برساتی یحییٰ بن

ہرثمہ اور ایک کاتب کو دے دو۔ غرض کہ خوب بارش ہوئی۔ ہوا اتنی ٹھنڈی چلی کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ جب بارش تھمی، تو میں نے دیکھا کہ (۸۰) اسّی افراد میری فوج کے ہلاک ہوگئے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا کہ اے ہرثمہ! اپنے مردوں کو دفن کرواور یہ جان لو کہ ''خدائے تعالیٰ اسی طرح ہر بقعہ ارض کو قبروں سے پر کرتا ہے۔ اسی لئے میرے جد نامدار حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ زمین کا کوئی ٹکڑا ایسا نہ ہوگا جس میں قبر نہ بنی ہو۔ یہ سن کر میں اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور امامؑ کے پاس جا کر پابوس ہوا اور عرض کیا: ''مولا! میں آج آپ کے سامنے مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے کلمہ پڑھا اور یقین کرلیا کہ یہی حضرات خدا کی زمین پر خلیفہ ہیں۔ پھر وہاں سے روانہ ہوکر ''عسکر'' پہنچا اور تاحیات آپ کے جدِ نامدار کا کلمہ پڑھتا رہا۔(۱)

علاّمہ جامی اور علاّمہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ دوسو سے زائد افراد آپ کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے سامرہ پہنچے۔ وہاں آپ کے قیام کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ متوکل کا حکم تھا کہ انہیں فقیروں کے ٹھہرنے کی جگہ اتارا جائے۔ چنانچہ آپ کو ''خان الصعالیک'' میں اتارا گیا۔ وہ جگہ بدترین تھی وہاں شرفاء نہیں جایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک شخص صالح بن سعید نامی جو آپ کے ماننے والے تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے ''مولا! یہ لوگ آپ کی قدرومنزلت پر پردہ ڈالنے اور نورِ خدا کو چھپانے کی کس قدر کوشش کرتے ہیں۔ کجا حضور کی ذاتِ اقدس اور کجا یہ قیامگاہ۔ حضرت نے فرمایا: اے صالح! تم دل تنگ نہ ہو۔ میں اس کی عزّت افزائی کا خواہاں اور ان کے کرم گستری کا جویاں ہوں۔ خداوند عالم نے آلِ محمّدؐ کو جو درجہ دیا ہے اور جو مقام عطا فرمایا ہے اسے کوئی چھین نہیں سکتا۔ اے صالح بن سعید میں تمہیں خوش کرنے کے لئے بتانا چاہتا ہوں کہ تم مجھے اس مقام پر دیکھ کر پریشان نہ ہو۔ خداوند عالم نے یہاں بھی میرے لئے بہشت جیسا بندو بست فرمایا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے انگلی سے اشارہ کیا اور صالح کی نظر میں بہترین باغ بہترین قصور اور بہترین نہریں وغیرہ نظر آنے لگیں۔ صالح کا بیان ہے کہ یہ دیکھ کر مجھے قدرے تسلّی ہوگئی۔(۲)

متوکّل کا برتاؤ سامرہ پہنچنے پر

امام علی نقیؑ کو اس سرا میں تین دن تک ٹھہرایا گیا۔ پھر سامرہ پہنچنے پر حاکم متوکل نے امام کو اپنے حاجب

(۱) کشف الغمہ، صفحہ/۱۲۴ (۲) شواہد النبوت، ص/۲۰۸، نور الابصار، ص/۱۵۰

رزاقی کی حراست میں دے دیا کیونکہ متوکل کی نیت پہلے ہی سے خراب تھی جو اس کے عمل سے ظاہر ہورہا تھا۔ وہ اپنی خاندانی دشمنی کو ظاہر کرنے لگا تھا لیکن وہ پروردگار جس کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی، اس نے اسے کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ اس کی زندگی میں بہت سے ایسے آثار اور اثرات ظاہر کئے جس سے وہ بھی یہ جان لے کہ وہ جو کچھ کررہا تھا۔ خداوند اسے پسند نہیں کرتا۔

تاریخ میں ہے کہ متوکّل کے زمانہ میں بڑی آفتیں نازل ہوئیں، بہت سے علاقوں میں زلزلے آئے۔ زمینیں دھنس گئیں۔ آ لگیں۔ آسمان سے مثل ٹڈی کے کثرت سے ستارے ٹوٹے۔ دس دس رطل کے پتھر آسمان سے برسے۔ رمضان ۲۴۳ھ میں حلب میں ایک پرندہ کوّے سے بڑا آ کر بیٹھا اور یہ شور مچایا۔ ''یا ایھا الناس اتقوا اللہ اللہ اللہ'' چالیس دفعہ یہ آواز لگا کر اڑ گیا، دو دن تک ایسا ہی ہوا۔ (۱)

غرض آپ مدینہ سے سامرہ پہنچے تو وہاں بھی آپ کے پاس لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ لوگ دینی و دنیاوی امور میں آپ سے مدد چاہتے رہے اور آپ ان کی مشکلوں کو حل کرتے رہے۔ کیونکہ متوکل نے آپ کو رزاقی کی حراست میں دے دیا تھا۔ وہ آپ کی عبادت و اخلاق کو دیکھ کر آپ کی عظمت کا قائل ہو گیا تھا۔ چنانچہ رزاقی تکلیف دینے کے بجائے آرام و راحت کے سامان بہم پہونچانے لگا۔ مگر متوکل کو اس کا علم ہو گیا اس نے رزاقی کی قید سے نکال کر حضرت کو ایک دوسرے شخص سعید کی حراست میں دے دیا۔ یہ شخص سخت بے رحم اور امام پر سختی برتنے والا تھا۔ اس لئے تبادلے کی ضرورت نہیں پڑی۔ حضرت پورے بارہ برس اس کی حراست میں رہے۔ لیکن متوکلّ کی ہزار کوششیں بھی آپ کے ذکر فضائل کو جیل کی چہار دیواری میں قید نہ کر سکیں آپ کا تذکرہ صرف سامرہ نہیں بلکہ عراق کے تقریباً ہر گھر میں ہوتا تھا کہ امام کو بے خطا قید میں رکھا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے حکومت کے خلاف نفرت پھیلتی جا رہی تھی۔

علامہ طبرسی رقمطراز ہیں کہ حضرت امام علی نقیؑ کے مدینہ سے سامرہ تشریف لے جانے کے بعد ایک دن ابو ہاشم نے کہا: مولا میرا دل نہیں مانتا کہ میں ایک دن بھی آپ کی زیارت سے محروم رہوں، بلکہ جی چاہتا ہے کہ ہر روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کروں حضرت نے پوچھا اس کے لئے تمہیں کون سی رکاوٹ ہے

---

(۱) تاریخ اسلام، جلد ۱، ۶۵

انہوں نے عرض کی میرا قیام بغداد میں ہے اور میری سواری کمزور ہے۔ حضرت نے فرمایا: ''جاؤ' اب تمہاری سواری کا جانور طاقتور ہو جائے گا اور اس کی رفتار بہت تیز ہو جائے گی، ابو ہاشم کا بیان ہے کہ حضرت کے اس ارشاد کے بعد سے ایسا ہو گیا کہ میں روزانہ نماز صبح بغداد میں نماز ظہر سامرہ عسکر میں اور نماز مغرب بغداد میں پڑھنے لگا۔(۱)

آپ نظر بندی کی حالت میں بھی اپنے فرائضِ امامت، تبلیغِ دین اسلام برابر فرماتے رہے۔ خود بھی شب و روز عبادت گزاری میں مشغول رہا کرتے تھے کہ ایک شخص فتح بن خاقانؒ جو آلِ رسولؐ سے محبت رکھتا تھا، اس نے اپنی عقل و صلاحیت سے متوکّل کے وزیر کا عہدہ حاصل کرلیا، پھر اپنی باتوں سے متوکل کو سمجھایا تو اس نے امام علی نقیؑ کی نظر بندی کو ختم کر دیا مگر ایک شرط کے ساتھ کہ یہیں ایک زمین پر مکان بنوا کر رہیں، شہر کے باہر نہ جائیں اور سعید ملعون کو آپ کی نقل و حرکت اور مراسلات و تعلقات کی نگرانی پر معمور کر دیا۔ امام اپنے تبلیغی امر میں مصروف رہتے وہ امور سلطنت میں کوئی دخل کسی طرح کا نہیں دیتے تھے۔

آپؑ کے گھر کی تلاشی اور پھر دربار میں اشعار پڑھنے پر زور

آپ کے مخالفین کو آپ کی شہرت و نیک نامی پسند نہ تھی کہ امام عزّت و وقار کے ساتھ سکون و اطمینان کی زندگی بسر کریں۔ لہٰذا متوکّل سے چغل خوری کا کام انجام دینے لگے اور اس درجہ بھڑکایا کہ وہ آپ کی حیثیت سے قطع نظر کر کے آپ کی خانہ تلاشی پر آمادہ ہو گیا۔

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں: ''بعض لوگوں نے متوکّل سے چغلی کی کہ حضرت علی نقیؑ کے گھر میں ہتھیار اور خطوط وغیرہ ان کے شیعوں کے بھیجے ہوئے جمع ہیں۔ نیز متوکّل کو یہ بھی وہم دلایا گیا کہ حضرت علی نقیؑ اپنے لیے امر خلافت کے طالب ہیں۔ متوکل نے چند سپاہی مقرر کئے کہ رات کو انہیں گرفتار کر لائیں۔ سپاہیوں نے اچانک حضرت علی نقیؑ کے گھر میں پہنچ کر دیکھا کہ وہ بالوں کا کرتا پہنے اور صوف کی چادر اوڑھے تنہا اپنے حجرے میں ریگ اور سنگریزوں کے فرش پر رو بقبلہ بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں۔ سپاہیوں نے ان کو اسی حالت میں لے جا کر متوکل کے سامنے پیش کیا۔ متوکل اس وقت ہاتھ میں جام شراب

(۱) اعلام الوریٰ، ص ۲۰۸

لئے ہوئے مئے نوشی کر رہا تھا۔ حضرت علی نقیؑ کو دیکھ کر اس نے تعظیم کی اور ان کو اپنے پہلو میں بٹھالیا۔ سپاہیوں نے بیان کیا کہ ان کے گھر میں کوئی شئے از قسم اسلحہ ومکتوب وغیرہ نہیں ملی اور نہ کوئی ایسی بات پائی گئی جس سے ان پر شک والزام قائم ہو۔ یہ سن کر متوکل نے وہ جام شراب جو اس کے ہاتھوں میں تھا حضرت علی نقیؑ کی جانب بڑھایا۔ انھوں نے فرمایا کہ میرا گوشت وخون کبھی شراب سے آلودہ نہیں ہوا۔ مجھے اس سے معاف رکھ۔ متوکل نے کہا کہ اچھا اگر شراب نہ پیو تو کچھ اشعار پڑھو۔ حضرت امامؑ نے فرمایا کہ مجھے اشعار سے کم دلچسپی ہے۔ متوکل نہ مانا اور کہا کہ کچھ ضرور پڑھو۔

کوئی جذبات کی رو میں بہنے والا انسان ہوتا تو اس خفیف الحرکات بادشاہ کے اس حقارت انگیز یا تمسخر آمیز برتاؤ سے متاثر ہو کر شاید اپنے توازن دماغی کو کھو دیتا۔ مگر وہ کوہ حلم و وقار، امام کی ہستی تھی جو اپنے کردار کو فرائض کی مظالفت سے تکمیل تک پہنچانے کی ذمہ دار تھی۔ منہیّات کے دائرہ سے نکل کر جب فرمائش اشعار سنانے تک پہنچی تو امام نے موعظۂ وتبلیغ کے لئے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اپنے دل سے نکلی ہوئی پر صداقت آواز سے یہ اشعار پڑھنا شروع کر دیئے جنھوں نے محفل طرب میں مجلس وعظ کی شکل اختیار کر لی۔ (اشعار کا منظوم ترجمہ)

رہے پہاڑوں کی چوٹی پر پہرے بٹھلا کر — بہادروں کی حراست میں بچ سکے نہ مگر
بلند قلعوں کی عزّت جو پست ہو کے رہی — تو کنج قبر میں منزل بھی کیا بری پائی
صدا یہ ان کو دی ہاتف نے بعد دفن لحد — کہاں ہیں تخت و تاج اور وہ لباسِ جسد
کہاں وہ چہرے ہیں جو تھے ہمیشہ زیر نقاب — غبار جن پہ کبھی آنے دیتے تھے نہ احباب
زبان حال سے بولے جواب میں مدفن — وہ رخ زمین کے کیڑوں کا بن گئے مسکن
غذائیں کھائیں شرابیں جو پی تھیں حد سے سوا
نتیجہ اس کا ہے خود آج بن گئے وہ غذا

(دسویں امام، ص/۸)

اشعار کچھ ایسے حقیقی تاثرات کے ساتھ امام کی زبان سے ادا ہوئے تھے کہ متوکل کے عیش ونشاط کی بساط الٹ گئی، شراب کے پیالے ہاتھوں سے چھوٹ گئے اور تمام مجمع زار وقطار رونے لگا۔ یہاں تک کہ خود

متوکل ڈاڑھیں مار مار کر بے اختیار رو رہا تھا۔ جوں ہی ذرا رونا موقوف ہوا، اس نے امام کو رخصت کر دیا۔ آپ اپنے مکان پر تشریف لے گئے۔(۱)

امام علی نقیؑ کے آباؤ اجداد کے مقبروں کو مسمار کروایا

علامہ دمیری کا کہنا ہے کہ متوکل حضرت علیؑ سے بغض شدید رکھتا تھا اور ان کی منقصت کیا کرتا تھا۔ ''تاریخ ابوالفداء'' میں ہے کہ متوکل نے شاعر ابن سکیت کو اس جرم میں کہ اس نے متوکل کے اس سوال کے جواب میں کہ میرے بیٹے معتز اور موئید بہتر ہیں یا علیؑ کے بیٹے حسنؑ و حسینؑ۔ یہ کہا تھا کہ تیرے بیٹوں کو میں حسینؑ کے غلام قنبر کے برابر بھی نہں سمجھتا۔ متوکل نے ان کی زبان گدّی سے کھینچوالی تھی۔ متوکل کی زندگی کا ایک بدترین اور سیاہ کارنامہ آلِ رسولؐ کی قبروں کا مسمار کرنا ہے۔

متوکل گانے والی عورتوں کا شائق تھا۔ لہٰذا اس نے شراب پینے کے بعد ایک ایسی عورت کو طلب کیا جس سے وہ بہت زیادہ مانوس تھا۔ لوگوں نے کہا کہ دوسری عورتیں حاضر ہیں، ان سے کام نکالا جائے، وہ آجائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب وہ تھوڑی دیر کے بعد پہنچی تو بادشاہ نے پوچھا: کہاں گئی تھی؟، اس نے کہا میں حج کو گئی تھی۔ متوکل نے کہا ماہِ شعبان میں کون حج کرتا ہے؟ سچ بتا، اس نے جواب دیا: حضرت امام حسینؑ کی زیارت کے لیے چند عورتوں کے ہمراہ چلی گئی تھی۔ یہ سن کر متوکل بہت غضبناک ہوا اور اسے قید کرا دیا۔ اس کا تمام مال اسباب ضبط کر لیا اور لوگوں کو زیارت کربلا سے روک دیا۔ تین روز کے بعد منادی کرا دی کہ جو شخص حسینؑ کی زیارت کو جائے گا، قید کیا جائے گا۔ ہر طرف ایک ایک میل کے فاصلہ سے پہرے بٹھا دیئے کہ جو شخص زیارت کو جاتا ہوا پایا جائے، فوراً قید میں بھیج دیا جائے۔ پھر ایک نومسلم یہودی جس کا نام ''ویرج'' تھا کو حکم دیا کہ کربلا جا کر ''حسینؑ'' کی قبر کا نشان مٹا دے۔ اس جگہ کو جوتوا کر وہاں کھیت بنوا دے۔ ''ضریح'' کو کسی طرف پھنکوا دے۔ حکم پاتے ہی نومسلم یہودی جسے اسلام اور اسلام کے بانیوں کا صحیح تعارف بھی نہ تھا، تعمیل کے لئے روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر دوسو جریب زمین اس نے جتوا ڈالی۔ جب قبر منور امام حسینؑ کو جوتنے کے لئے آگے بڑھا تو مسلمانوں نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا، اور کہا کہ یہ فرزند رسولؐ ہیں اور شہید ہیں۔ قرآن مجید

---

(۱) رہنمایانِ اسلام، ص/ ۱۸۷۔۱۸۸

انہیں زندہ بتاتا ہے۔ ہم ہرگز ایسی ناجائز حرکت نہیں کریں گے۔ یہ سن کر ویرج نے یہودیوں سے مدد لی، مگر کامیاب نہ ہوا۔ اس کے بعد نہر کاٹ کر قبر منوّر کو زیرِآب کرنا چاہا۔ پانی نہر سے چل کر جب قبر کے قریب پہنچا تو اس پر رواں نہ ہوا۔ بلکہ اس کے اردگرد جاری ہوگیا قبر مبارک خشک ہی رہی۔ اس یہودی نے بڑی کوشش کی، لیکن کامیابی حاصل نہ کرسکا۔ وہ زمین جس کے گرد تک پانی گھوم گیا تھا اسے حائر کہتے ہیں''۔(۱)

متوکل کا کردار

متوکل بڑا ظالم، دائم الخمر اور عیاش بادشاہ تھا۔ اس کی چار ہزار کنیزیں تھیں۔ ان سب سے مجامعت کر چکا تھا۔ اس کے دربار میں ہزل اور مسخرہ پن بہت ہوتا تھا۔ جو شخص تمسخر میں بڑھا ہوتا تھا، وہ بزم میں مصاحبوں اور ندیموں کے ساتھ تکلیف دہ خوش طبعیاں کرتا تھا۔ کبھی مجلس میں شیر کو چھوڑ دیتا۔ کبھی کسی کی آستین میں سانپ چھوڑ دیتا تھا۔ جب وہ کاٹتا تو تریاق سے مداوا کرتا۔ کبھی مٹکوں میں بچھو بھروا کر انہیں مجلس میں توڑوا دیتا۔ وہ مجلس میں پھیل جاتے کسی کو حرکت کرنے کا یارا نہ ہوتا۔ اس نے ایک فرمان کی رو سے مذہب معتزلہ کو خلاف حکومت قرار دیا تھا۔ معتزلیوں کو سرکاری عہدوں سے معزول کردیا تھا۔ علیؑ اور اولادِ علیؑ سے دشمنی رکھتا تھا۔(۲)

ظالم متوکل کا قتل اسی کے بیٹے نے کیا

تواریخ میں ہے کہ متوکل کے ظلم و تعدی نے لوگوں کو اپنی اپنی زندگی سے بے زار کردیا تھا۔ اب اس کی حالت یہ ہوچکی تھی کہ برسرِ عام آلِ محمدؐ کو گالیاں دینے لگا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے بیٹے مستنصر کے سامنے حضرت فاطمہ زہراؑ کے لئے ناسزا الفاظ استعمال کئے، مستنصر نے علماء سے دریافت کیا کہ جو شخص ایسے الفاظ بنتِ رسولؐ کے لئے استعمال کرے اس کے لیے کیا حکم ہے۔ علماء نے کہا: وہ واجب القتل ہے۔ تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ مستنصر نے رات کے وقت بحالتِ خلوت بہت سے آدمیوں کی مدد سے ظالم متوکل کو قتل کردیا۔ یہ واقعہ ۴/شوال ۲۴۷ھ کا ہے۔(۳)

بعض معاصرین لکھتے ہیں کہ متوکل نے اپنے عہد سلطنت میں کئی لاکھ شیعہ قتل کرائے ہیں۔

---

(۱) چودہ ستارے، ص/ ۵۰۹ (۲) چودہ ستارے، ص/ ۵۰۷ (۳) تاریخ اسلام، جلد۱، ص/ ۶۶ ودمعہ ساکبہ، ص/ ۱۴۷

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ قتل متوکل سے تین چار یوم قبل اسی ظالم متوکل نے حکم دیا تھا کہ میری سواری کے ساتھ لوگ پیدل تفریح کے لیے چلیں۔ حکم میں امام علی نقیؑ خاص طور پر مامور تھے چنانچہ آپ بھی کئی میل پیدل چل کر واپس تشریف لائے۔ آپ کو اس سے اس درجہ تعب ہوا کہ آپ سخت علیل ہو گئے''۔(۱)

حضرت امام علی النّقی علیہ السلام کی شہادت

''آپ بتاریخ ۳رجب ۲۵۴ھ یوم دوشنبہ انتقال فرما گئے۔(۲)

''متوکل کے بعد اس کا بیٹا مستنصر پھر مستعین پھر ۲۵۲ھ میں معتز باللہ خلیفہ ہوا۔ معتز ابن متوکل نے اپنے باپ کی سنت کو نہیں چھوڑا اور حضرت کے ساتھ سختی کرتا رہا، یہاں تک کہ اسی نے آپ کو زہر دے دیا''۔(۳)

علّامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں۔ آپ نے انتقال سے قبل امام حسن عسکریؑ کو مواریث انبیاء وغیرہ سپرد فرمائے تھے۔ وفات کے بعد جب حسن عسکریؑ نے گریبان چاک کیا تو لوگ معترض ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سنّت انبیاء ہے۔ حضرت موسیٰ نے وفات حضرت ہارون پر اپنا گریبان پھاڑا تھا''(۴)

علامہ مجلسی فرماتے ہیں: آپ کی نماز جنازہ امام عسکریؑ نے پڑھائی اور آپ سامرہ ہی میں دفن کئے گئے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون** آپ کی وفات انتہائی کس مپرسی کی حالت میں ہوئی۔ انتقال کے وقت آپ کے پاس کوئی بھی نہ تھا۔(۵)

غرض کہ تیسری رجب ۲۵۴ھ کو سامرہ میں آپ کی شہادت ہوئی، اس وقت آپ کے پاس آپ کے فرزند امام حسن عسکریؑ موجود تھے آپ ہی نے اپنے والد بزرگوار کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کے فرائض انجام دیئے اور اسی مکان میں جہاں آپ کا قیام تھا، اس کے ایوان خاص میں آپ کو دفن کیا۔ وہیں اب آپ کا روضہ بنا ہوا ہے۔

امام علی النّقیؑ کی ازواج واولاد

کتاب اعلام الوریٰ اور کتاب الارشاد میں ہے کہ حضرت ابوالحسن امام علی النّقی علیہ السلام نے اپنی اولاد

(۱) جلاء العیون،ص ۲۹۲ (۲) دمعہ ساکبہ، جلد ۳، ص/ ۱۴۹ (۳) سمۃ المعتز، انوار الحسینیہ، جلد ۴، ص/ ۱۴۹

(۴) (دمعہ ساکبہ، ص ۱۴۸، جلاء العیون، ص/ ۲۹۴) (۵) الخرائج والجرائح، بحار الانوار، جلد ۹، ص ۱۲۹

میں اپنے فرزند ابو محمد امام حسن عسکریؑ کو چھوڑا، جو آپ کے بعد درجہ امامت پر فائز ہوئے، نیز، حسینؑ، محمد و جعفر کو چھوڑا، ایک دختر عائشہ نام کی چھوڑی۔

کتاب مناقب میں مرقوم ہے کہ امام علی النقیؑ کی اولاد یہ تھی: امام حسن عسکریؑ اور حسینؑ و محمد و جعفر کذّاب اور ایک دختر جن کا نام علیّہ تھا۔(۱)

''آپ کی کئی بیویاں تھیں، ان سے کئی اولادیں پیدا ہوئیں جن کے اسماء یہ ہیں:۔

(۱) امام حسن عسکریؑ (۲) حسین بن علی (۳) محمد بن علی

(۴) جعفر بن علی (۵) دختر موسومہ عائشہ بنت علی (۲)

حضرت امام علی النقیؑ کی اخلاقی فضیلت

آپ کی سیرت زندگی اور اخلاق و کمالات وہی تھے جو اس سلسلۂ عصمت کی ہر فرد کے اپنے اپنے دور میں امتیازی طور پر مشاہدہ میں آتے رہے تھے۔ آپ زندگی کے ہر دور میں اور ہر وقت ہر حال میں یاد الٰہی، عبادت، خلق خدا سے استغنا، ثابت قدم، صبر و استقلال، مصائب کے ہجوم میں ماتھے پر شکن نہ ہونا، دشمنوں کے ساتھ بھی حلم و مروّت سے کام لینا محتاجوں اور ضرورت مندوں کی امداد کرنا یہی اوصاف ہیں۔ کچھ مثالیں پیش کر رہی ہوں جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ آپ نے ایک شخص کے سفید داغ کو دور کیا

ابو الہاشم جعفری سے روایت ہے کہ سرّ من رائے کے ایک شخص کے جسم پر سفید داغ نمودار ہو گئے اس کی زندگی کا لطف جاتا رہا۔ ایک دن وہ ابو علی فہری کے پاس بیٹھا ہوا اپنا دکھ درد بیان کر رہا تھا۔ ابو علی فہری نے کہا تم اگر ابوالحسن علیؑ بن محمدؑ کی خدمت میں جاؤ اور ان سے دعا کے لئے التجا کرو، تو امید ہے کہ یہ تمہارا مرض دور ہو جائے۔

چنانچہ ایک دن جب امام علی نقیؑ متوکل کے گھر سے واپس تشریف لا رہے تھے، وہ شخص سرِ راہ بیٹھ گیا۔

(۱) مناقب آلِ ابی طالب، جلد ۴، ص/۴۰۲، بحار الانوار، جلد ۹، ص/ ۲۰۸

(۲) ارشاد مفید، ص/ ۵۰۲، وصواعق محرقہ، ص/ ۱۲۹، طبع مصر، چودہ ستارے، ص/ ۵۲۹

جب اس نے آپؑ کو آتے ہوئے دیکھا تو اٹھا اور چاہا کہ آپ کے پاس پہنچ جائے۔ آپ نے فرمایا: بیٹھے رہو۔ اللہ تمہیں صحتیاب کرے گا۔ یہی تین بار فرمایا۔ وہ شخص اپنی جگہ بیٹھا رہا پھر واپس آ کر فہری کو سارا واقعہ سنایا۔

اس نے کہا، یہ تو انھوں نے تمہاری التجا سے پہلے ہی دعا فرما دی۔ اب جاؤ انشاء اللہ تم صحتیاب ہو جاؤ گے۔ وہ شخص یہ گفتگو کر کے اپنے گھر واپس آیا اور سو گیا جب صبح کو بیدار ہوا، تو اس کے جسم پر برص کا کوئی نشان باقی نہ تھا۔(۱)

۲۔ آپ نے سفر حج کے خرچ کا انتظام کیا

داؤد بن قاسم جعفری کا بیان ہے کہ میں سرّ من رائے میں حضرت امام علی النقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حج کا ارادہ تھا، چاہا مولا سے بھی رخصت ہولوں۔ جب میں آپؑ سے رخصت ہونے لگا تو آپؑ بھی میرے ہمراہ چلے۔ جب آخر حاجز پر پہنچے تو آپؑ سواری سے اتر پڑے، میں بھی اتر گیا۔

آپ نے اپنے ہاتھ سے زمین پر ایک دائرہ نما خط کھینچا اور مجھ سے فرمایا:

چچا! اس دائرے میں سے جو کچھ آپ لے لیں وہی آپؑ کے سفرِ حج کے اخراجات میں کام آئے گا۔

میں نے جب اس دائرہ میں ہاتھ مارا تو سونے کا ایک ٹکڑا نکلا جس کا وزن دو سو مثقال تھا۔(۲)

۳۔ آپؑ نے یونس نقّاش کے خوف کو دور کیا

منصوری نے اپنے والد کے چچا سے روایت کی ہے اور انھوں نے یہ حدیث کافور سے لی ہے۔ امام علی نقیؑ جس موضع میں مقیم تھے، وہاں آپ کے پڑوس میں چند مختلف دست کار بھی آباد تھے اور وہ ایک قریہ اور گاؤں تھا۔ وہیں یونس نقّاش بھی تھا۔ وہ آپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔

ایک دن یونس کچھ خوف زدہ وہراساں آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اب میرے کوچ کا وقت آ گیا ہے۔ آپؑ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: اے یونس! وہ کیسے؟

اس نے کہا کہ موسیٰ بن بقا (ترکی سردار) نے میرے پاس ایک نگینہ نقش کرنے کے لیے بھیجا تھا، وہ اتفاق سے ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور کل ہی دینے کا وعدہ ہے۔ آپؑ تو جانتے ہیں کہ وہ موسیٰ بن بقا ہے، وہ

(۱) الخرائج والجرائح، بحارالانوار، جلد ۹، ص ۱۲۹۔ (۲) مناقب ابنِ شہر آشوب، بحار، جلد ۹، ص/ ۱۳۱

مجھے یا تو ایک ہزار کوڑے لگوائے گا، یا قتل کرنے کا حکم دے گا۔

آپؑ نے فرمایا: غم نہ کرو، اپنے گھر جاؤ، کل جو ہوگا بہتر ہی ہوگا۔ دوسرے دن جب صبح ہوئی تو پھر کانپتا ہوا آیا، اور بولا، مولا! موسیٰ کا آدمی وہ نگینہ لینے کے لیے آ گیا ہے، اب میں اسے کیا جواب دوں؟

آپؑ نے فرمایا: فکرمند نہ ہو، جاؤ انشاء اللہ بھلا ہی ہوگا۔

یونس نے کہا، مولا! میں اس سے کیا کہوں؟

آپؑ مسکرائے اور فرمایا، تم جا کر دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے، پھر جو ہوگا وہ بہتر ہوگا۔ یونس اپنے گھر گیا اور ہنستا ہوا واپس آیا، اور بولا: موسیٰ کے آدمی نے آ کر کہا کہ کنیزیں آپس میں جھگڑا کر رہی ہیں، کیا یہ ممکن ہے کہ اس نگینہ کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دو، تا کہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا، یاالٰہی تیرا شکر گذار ہوں کہ تو نے ہمیں اپنے شکر گذار بندوں میں قرار دیا۔ اے یونس یہ بتاؤ کہ تم نے اس سے کیا کہا؟

یونس نے کہا، میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ اچھا، پھر مجھے اس کے لئے مزید وقت درکار ہوگا۔ (۱)

۴۔ آپؑ نے فرمایا انسان کو اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے

ابوالہاشم جعفری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں شدید تنگدستی میں مبتلا ہوا۔ لہٰذا میں امام علی النقیؑ کے پاس گیا۔ آپ نے مجھے حاضری کی اجازت دی۔ جب میں جا کر بیٹھ گیا۔ تو آپ نے فرمایا: اے ابوالہاشم! (تمہیں اللہ نے اتنی نعمتیں دی ہیں) تم اللہ کی کن کن نعمتوں کا شکر ادا کرو گے۔ یہ سن کر میں آپؑ کی طرف متوجہ ہوا مگر سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا عرض کروں۔

پھر آپؑ ہی نے فرمایا، دیکھو! اللہ نے تمہیں ایمان کا رزق دیا، جس کی وجہ سے تمہارے جسم پر جہنّم کی آگ حرام ہوگی، اللہ نے تمہیں تندرستی کی روزی دی، جس سے تم اس قابل ہو کہ اسکی اطاعت کرو۔ تمہیں قناعت عطا کی جس سے تم سفلہ پن سے محفوظ رہے۔ اے ابوالہاشم! میں نے تم سے یہ پہلے ہی کہہ دیا، اسلئے کہ میں جانتا ہوں کہ تم اپنی تنگدستی کی شکایت کرنے کیلئے آئے ہو۔ جاؤ میں نے تمہیں سو دینار دیئے جانے کا

(۱) امالی شیخ مفیدؒ، بحار، جلد ۹، ص/۱۳۳

حکم دے دیا ہے انھیں لے لو۔(۱)

۵۔ آپؑ نے سرّمن رائ کے اجڑنے کی پیشینگوئی کی

منصور نے اپنے والد کے چچا سے روایت کی ہے۔ ان کا بیان ہے ایک دن امام علی النقیؑ نے فرمایا: اے ابوموسیٰ! مجھے سرّمن رائے میں جبریہ بھیجا گیا تھا۔ مگر اب یہاں سے نکالا جاؤں گا تو جبریہ ہی نکالا جاؤں گا۔

میں نے عرض کیا: آقا! یہ کیوں؟

آپؑ نے فرمایا کہ یہاں کی ہوا صاف ستھری، پانی شیریں ہے۔ یہاں پر انسان کم بیمار پڑتا ہے۔

پھر فرمایا: مگر یہ سرّمن رائے اجڑ جائے گا، اور ایسا اجڑے گا کہ یہاں مسافروں کے لیے چند سرائے اور چند دکانیں ہی باقی رہ جائیں گی۔ اس کے اجڑنے کی علامت یہ ہے کہ میری موت کے بعد میرے روضے میں عمارتیں تعمیر ہونے لگیں گی۔(۲)

۶۔ آپ کو اپنے کارندوں کے عمل کا علم ہوتا ہے

ابوعلی بن راشد کا بیان ہے کہ امامؑ تک پہنچانے کے لیے میرے پاس کچھ مال آیا، تو آپؑ کا آدمی پہنچا اور قبل اس کے کہ میں اپنے رجسٹر میں دیکھ کر وہ مال اس کے حوالے کروں، اس نے خود ایک رجسٹر پیش کر دیا۔ میں نے گھر میں ادھر ادھر بہت تلاش کیا، مگر وہ رجسٹر مجھے نہ مل سکا، تاکہ دونوں رجسٹروں سے مقابلہ کر کے تصدیق ہو جائے، تلاشِ بسیار کے بعد مجھے وہ رجسٹر نہ دستیاب ہوا۔ میں نے اس آدمی کو یونہی واپس کر دیا۔

جب آپؑ کا آدمی چلا گیا تو مجھے خیال آیا کہ ذرا سامان کے بنڈلوں میں تو دیکھوں اس میں دیکھا تو وہ رجسٹر مل گیا۔ اب میں نے دونوں کو سامنے رکھ کر مقابلہ کیا تو سرِمو فرق نہ پایا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ اس کا مطالبہ صحیح تھا۔ میں نے فہرست کے مطابق وہ مال آپؑ کو پہنچا دیا۔(۳)

۷۔ آپؑ نے ایک نوجوان کو نصیحت کی (اللہ کو یاد کرو)

کتاب الواحدہ میں حسن بن جمہور عمی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں ابوالحسن سعید بن سہل بصری

---

(۱) امالی شیخ صدوق، ص/۴۱۲ (۲) مناقب، جلد ۶، ص/۴۱۷ (۳) بصائر الدرجات، ص/۲۴۹

المعروف بہ ملاح کے ہمراہ سرّ من رائے میں تھا۔ وہ واقفی تھے اور ان کے ساتھ جعفر بن قاسم ہاشمی بھی تھے۔ اتفاقاً راستے میں حضرت امام علی النقیؑ نے ان کو دیکھ لیا۔

آپؑ نے ارشاد فرمایا: یہ غفلت کی نیند کب تک سوتے رہوگے۔ اب وقتِ بیداری آ گیا ہے، جاگ جاؤ۔

ملاح نے جعفر سے کہا، جو کچھ علیؑ بن محمدؑ نے مجھ سے کہا، وہ تم نے سنا؟ خدا کی قسم انھوں نے میرے دل میں بیداری کی روح پھونک دی۔

کچھ دن بعد خلیفہ کے کسی لڑکے کے ولیمے میں مجھے مدعو کیا گیا اور حضرت امام علی النقیؑ بھی مدعو تھے۔ ہم لوگ پہنچے تو آپؑ کو دیکھ کر تعظیماً سب خاموش ہو گئے مگر ایک نوجوان نے آپؑ کا احترام نہ کیا، بلکہ مسلسل محوِ گفتگو رہا اور ہنستا رہا۔

آپؑ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، تم یہ قہقہے لگا رہے ہو اور ذکر اللہ کو بھولے ہوئے ہو حالانکہ آج سے تین دن بعد تمہارا شمار اہل قبور میں ہوگا۔

ہم نے کہا، دیکھیں گے تین دن کے بعد کیا ہوتا ہے۔ یہ بھی آپؑ کی امامت کی ایک واضح روشن دلیل ہوگی۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد وہ نوجوان خاموش ہو گیا۔ ہم لوگوں نے ماحضر میں شرکت کی، کھانے سے فارغ ہو کر چلے آئے۔ پھر دوسرے ہی دن وہ نوجوان بیمار ہوا اور تیسرے ہی دن صبح کو مر گیا اور شام کو اہل قبور سے جا ملا۔ (۱)

۸۔ آپؑ نے کچھ مسئلہ اس طرح حل کر دیئے

(۱) محمد بن فرج سے روایت ہے کہ حضرت علی بن محمدؑ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب کبھی تم کو کوئی مسئلہ پوچھنا ہو، تو ایک کاغذ پر لکھو اور اس کو اپنے مصلّے کے نیچے رکھ دو کچھ دیر بعد اس کو اٹھاؤ اور دیکھو، تمہیں تمہارے سوال کا جواب مل جائے گا۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا اور اس پر مسئلے کا جواب لکھا ہوا پایا۔ (۲)

---

(۱) اعلام الوریٰ، ص ۲۴۶ (۲) الجزائج والجرائح

(۲) ابو یعقوب سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت امام علی النقیؑ کو احمد بن خصیب (متوکل کا سردارِ فوج) اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا، لیکن آپؑ آگے نہ بڑھے، تو ابنِ خصیب نے اصرار کیا۔

آپؑ نے فرمایا: نہیں تم مقدّم ہو۔

اس بات کو کہے ہوئے ابھی چار دن ہوئے تھے کہ اس کے پاؤں میں رسّی پڑ گئی اور وہ قتل ہو گیا۔ (۱)

(۳) اس سے قبل ابن خصیب نے امامؑ پر بڑا دباؤ ڈالا تھا کہ جس گھر میں آپؑ رہتے ہیں وہ مجھے دے دیں اور آپؑ وہاں سے کہیں اور منتقل ہو جائیں۔

آپؑ نے فرمایا: اچھا اس گھر کے ساتھ اللہ تجھے ایسا بٹھائے گا کہ اٹھ نہ سکے گا۔

چنانچہ ان ایام میں اللہ نے اس کی ایسی گرفت کی کہ وہ قتل ہو گیا۔ (۲)

۹۔ آپ کی دعائے قبولِ حاجت

منصدی نے اپنے باپ کے چچا سے روایت کی ہے کہ ایک دن میں امام علی النقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: مولا، اس شخص نے مجھے بالکل مجبور کر دیا ہے، روزی کے سارے ذریعہ منقطع کر دیئے ہیں اور یہ سب آپ کے دامن سے متمسک ہونے کی وجہ سے ہے۔ آپؑ نے فرمایا، فکر نہ کرو، انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

یہ تو دن کا واقعہ تھا، لیکن جب شب نمودار ہو کر پھیل گئی تو متوکل کے فرستادہ نے میرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا، اور اس کے پیچھے دوسرا فرستادہ بھی آ پہنچا۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ فتح بن خاقان دروازہ پر کھڑا ہے۔ اس نے کہا کہ رات کی تاریکی میں میں تمہارے گھر کبھی نہ آتا مگر اس شخص نے تاکید کی کہ ابھی جاؤ اور اسے بلا لاؤ۔ میں گیا تو دیکھا متوکل اپنے بستر پر دراز ہے۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا: اے ابو موسیٰ! ہمیں تمہارا خیال ہی نہ رہا، بالکل ہی ذہن سے محو ہو گئے یہ بتاؤ کہ ہمارے ذمّہ تمہارا کیا باقی ہے۔

میں نے کہا فلاں اجرت اور فلاں روزینہ فلاں چیز اور فلان چیز وغیرہ وغیرہ میں نے سب بیان کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ ابھی ابھی اس کو سب کچھ جو ہم پر واجب الادا ہے دیدیا جائے، بلکہ اصل اجرت وغیرہ

---

(۱) اعلام الوریٰ، ص/۳۴۳ (۲) مختار الخرائج والجرائح، ص/۲۳۸، ارشاد، ص/۳۱۱

سے دوگنا دیا جائے۔ میں نے فتح سے پوچھا: آخر کیا بات ہے اس قدر کرم گستری اور مہربانی کیوں ہورہی ہے؟ کیا حضرت امام علی النقیؑ نے آکر سفارش فرمائی ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ میں نے پوچھا: کیا ان کا کوئی خط آیا تھا۔؟

اس نے کہا: نہیں۔ اب جب میں وہاں سے چلا تو فتح میرے پیچھے پیچھے آیا اور بولا۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے ان سے دعا کی درخوست کی ہوگی جس کا نتیجہ تم نے دیکھ لیا۔ اب تم میرے لیے بھی ان سے دعا کیلئے کہہ دو۔

پھر میں خوشی خوشی امام علی النقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؑ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا: کیوں ابوموسیٰ اب تو خوش ہو؟ میں نے عرض کیا: آقا یہ آپؑ ہی کی برکت ہے۔ مگر لوگ کہتے ہیں کہ آپؑ نے اس سے میری سفارش فرمائی یا کوئی خط وغیرہ اس کے پاس بھیجا جس کی بناء پر وہ اس قدر مہربان ہوگیا۔

آپؑ نے فرمایا: اللہ خوب جانتا ہے کہ ہم اپنی تمام تر مہمّات میں بس اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جب بھی کسی چیز کا سوال کرتے ہیں تو وہ اسے قبول فرمالیتا ہے اور جب کسی مصیبت کو دور کرنے کے لیے عرض پرداز ہوتے ہیں تو وہ اس کو ٹال دیتا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ فتح نے مجھ سے اپنی سفارش کیلئے درخواست کی ہے کہ آپؑ دعا فرمادیں تاکہ مشکل حل ہوجائے۔ آپؑ نے فرمایا تم اسے نہیں جانتے، وہ بظاہر ہمارا دوستدار بنتا ہے مگر باطنی طور سے وہ ہم سے کنارہ کش رہتا ہے۔ دعا اس کیلئے کی جاتی ہے جو اللہ کی اطاعت میں مخلص ہو اور جناب رسول اللہؐ اور ہم اہل بیتؑ کے حق کا اعتراف کرتا ہو۔ دیکھو! میں نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی اور اللہ تعالیٰ نے وہ دعا قبول فرمالی۔(۱)

۱۰۔ آپؑ کی سخاوت

ایک مرتبہ ابوعمر بن عثمان بن سعید واحمد بن اسحاق اشعری اور علی بن جعفر ہمدانی، حضرت ابوالحسن علی النقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

احمد بن اسحاق نے عرض کیا: میں بے حد مقروض ہوگیا ہوں۔

آپؑ نے اپنے وکیل ابوعمرو بن عثمان سے فرمایا: تیس ہزار درہم ان کو دے دو۔ اور تیس درہم تم خود لے لو۔

واقعاً اس قسم کی سخاوت کرتے ہوئے اس زمانہ میں کسی کو نہیں دیکھا گیا۔(۲)

---

(۱) بحارالانوار، جلد ۹، ص/ ۱۴۹۔۱۵۰ (۲) مناقب، جلد ۴، ص/ ۴۰۷

۱۱۔آپ نے فرمایا سال میں چار روزے رکھے جائیں

اسحاق بن عبداللہ علوی عریضی سے روایت ہے کہ میرے والد اور چچا کے درمیان اس امر میں اختلاف تھا کہ سال میں وہ کون سے چار دن ہیں جن میں روزے رکھے جائیں۔ یہ دونوں اس اختلاف کو دور کرنے کے لیے امام علی النقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ اس وقت سرّ من رائے جانے سے پہلے مقامِ ''صریا'' میں مقیم تھے۔

آپؑ نے دیکھتے ہی فرمایا: تم دونوں یہ پوچھنے آئے ہو کہ سال کے اندر وہ کون سے چار دن ہیں جن میں روزے رکھے جاتے ہیں۔

دونوں نے عرض کیا: جی ہاں۔

آپؑ نے فرمایا، سنو! وہ چار دن یہ ہیں۔

(۱) ۱۷ربیع الاوّل: تاریخ ولادت جناب رسولِ مقبولؐ،

(۲) ۲۷رجب: روزِ بعثت سرورِ کائنات صلی اللہ وآلہٖ وسلم

(۳) ۲۵ذی القعدہ: جس میں زمین بچھائی گئی

(۴) ۱۸ذی الحجہ: یوم غدیرخم جس دن حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی ولایت کا اعلان کیا گیا۔(۱)

۱۲۔آپؑ کا احترام پرندوں کی نظر میں

ابو ہاشم جعفری کا بیان ہے کہ: متوکل کی ایک جالیدار نشست گاہ تھی جس میں دھوپ چھن چھن کر اندر آتی تھی۔ وہاں اس نے بہت سی چڑیاں پال رکھی تھیں جو ہر وقت چہچہاتی رہتی تھیں۔ سلامی کے دن جب وہ وہاں بیٹھتا تو ان کی چہچہاہٹ میں پتہ نہ چلتا کہ وہ کیا کہتا ہے اور لوگ اس سے کیا کہتے ہیں۔مگر جب حضرت امام علی النقیؑ تشریف لاتے تو چڑیاں بالکل خاموش ہو جاتی تھیں اور جب تک آپؑ وہاں موجود رہتے کسی چڑیا کی بھی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔آپؑ کے جانے کے بعد چڑیاں پھر بولنے لگتی تھیں۔

---

(۱)مناقب، جلد۴، ص/۴۱۷

راوی کا بیان ہے کہ اس کی دیواروں میں بہت سے کبوتر بھی پلے ہوئے تھے۔ جب یہ وہاں آ کر بیٹھتا تو وہ کبوتر چھوڑے جاتے اور اوپر اڑ کر ایک دوسرے سے لڑتے اور متوکل انہیں دیکھ کر ہنستا اور خوش ہوتا، مگر جب امام علی نقیؑ تشریف لاتے تو سارے کبوتر دیوار پر اپنی اپنی کابکوں میں چھپ کر بیٹھ جاتے جب تک آپؑ وہاں سے واپس نہ ہوتے وہ اسی میں بیٹھے رہتے۔ آپؑ کے جانے کے بعد پھر اڑ کر جنگ کرنے لگتے۔(۱)

۱۳۔آپ نے مالِ کثیر کا مفہوم قرآن کی روشنی میں فرمایا

ابوعبداللہ زیادی کا بیان ہے کہ جب متوکل کو زہر دیا گیا تو اس نے نذر کی کہ اگر اللہ نے مجھے صحت دے دے تو میں مالِ کثیر تصدّق کروں گا۔ جب وہ صحتیاب ہوا، تو فقہاء نے مالِ کثیر کے متعلّق اختلاف کیا۔ اس کے حاجب حسن نے کہا: یا امیر المومنین! اگر میں اس کا صحیح جواب لا دوں، تو آپ مجھے کیا انعام دیں گے۔

متوکل نے کہا: دس ہزار درہم، ورنہ سو، ۱۰۰ کوڑے لگواؤں گا۔

حسن نے کہا مجھے منظور ہے۔ اس کے بعد وہ حضرت امام علی نقیؑ کے پاس آیا اور آپؑ سے اس کے متعلق دریافت کیا۔

آپؑ نے فرمایا: وہ اسّی، ۸۰ درہم تصدّق کرے۔

حاجب نے آ کر متوکل کو بتایا۔ اس نے کہا: اس کی وجہ کیا ہے؟

وہ پھر امامؑ کے پاس آیا اور وجہ دریافت کی۔ آپؑ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے فرمایا ہے:

''لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ''(سورۂ براٗت، آیت ۲۵)

(اللہ نے کثیر مقامات پر تم لوگوں کی مدد کی) جب ان مقامات کو شمار کیا گیا تو وہ اسّی، ۸۰ مقامات ہوئے۔ حاجب نے جا کر متوکل کو بتایا۔ وہ خوش ہو گیا اور حاجب کو دس ہزار درہم عطا کیے۔(۲)

۱۴۔آپؑ نے ایک نصرانی کے جرم پر سزا دی

جعفر بن رزق اللہ کا بیان ہے کہ متوکل کے پاس ایک نصرانی لایا گیا جس نے ایک زنِ مسلمہ سے زنا کیا تھا۔ متوکل نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نصرانی نے کہا میں اسلام لے آیا۔

---

(۱) مختار الخرائج والجرائح، ص/۲۲۰ (۲) بحار الانوار، جلد ۹، ص ۱۷۴۔۱۷۵

یحییٰ بن اکثم نے فتویٰ دیا کہ ایمان گذشتہ گناہوں کو محو کر دیتا ہے (لہٰذا اب کوئی حد جاری نہیں کی جاسکتی۔ بعض فقہاء نے کہا، اس پر تینوں قسم کی حد یں ہونی چاہئے)۔

متوکل نے حضرت امام علی النقیؑ سے یہ مسئلہ لکھ کر دریافت کیا۔

آپؑ نے جواب تحریر فرمایا کہ اسے اتنا مارو کہ مر جائے۔

جب یہ جواب فقہاء نے سنا تو انہوں نے اعتراض کیا۔

متوکل نے آپؑ کے پاس لکھ کر اس کی وجہ اور تفصیل دریافت کی۔

آپؑ نے جواب میں یہ آیت تحریر فرمائی۔''فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِين''(سورۂ غافر، آیت ۸۴)

(پس جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم ایک خدا پر ایمان لے آئے حالانکہ اور جن کو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے، اب ہم ان سے انکار کرتے ہیں)

یہ جواب سن کر متوکل نے اس کو مارنے کا حکم دیا۔ اس کو اتنا مارا کہ مر گیا۔(۱)

۱۵۔ آپؑ نے ایک جھوٹی عورت کو سزا دلوائی

علماء کا بیان ہے کہ ایک دن متوکل کے دربار میں ایک عورت جوان اور خوبصورت آئی اور اس نے آ کر کہا کہ میں زینب بنتِ علی و فاطمہ ہوں۔ متوکل نے کہا کہ تو جوان ہے اور زینب کو پیدا ہوئے اور وفات پائے عرصہ دراز گذر گیا۔ اگر تجھے زینب تسلیم کر لیا جائے تو یہ کیسے مانا جائے کہ زینب اتنی عمر تک جوان رہ سکتی ہیں۔ اس نے کہا: مجھے رسولِ خدا نے یہ دعا دی تھی کہ میں ہر چالیس، ۴۰ و پچاس، ۵۰ سال کے بعد جوان ہو جاؤں۔

اسی لئے میں جوان ہوں۔ متوکل نے علماء دربار کو جمع کر کے ان کے سامنے اس معاملہ کو پیش کیا۔ سب نے کہا یہ جھوٹی ہے۔ زینب کے انتقال کو عرصہ ہو گیا ہے۔ متوکل نے کہا کوئی ایسی دلیل دو کہ میں اسے جھٹلا سکوں۔ سب نے اپنے عجز کا حوالہ دیا۔ فتح ابن خاقان وزیر متوکل نے حضرت امام علی نقیؑ کو زحمتِ تشریف آوری دی۔ جب آپ دربار میں پہنچے، متوکل نے صورت مسئلہ پیش کیا۔ امام نے فرمایا: جھوٹی ہے، متوکل نے

(۱) مناقب ابن شہر آشوب، جلد۴، ص/ ۴۰۶۔۴۰۵

کہا کوئی اسی دلیل دیجئے کہ میں اسے جھوٹی ثابت کر سکوں۔ آپ نے فرمایا میرے جدِ نامدار کا ارشاد ہے کہ ''حرم لحوم اولادی علی السباع'' (درندوں پر میری اولاد کا گوشت حرام ہے۔) اے بادشاہ! تو اس عورت کو درندوں میں ڈال دے، اگر سچّی ہوگی اور اس کا زینب ہونا درکنار اگر یہ ''سیّدہ'' بھی ہوگی تو جانور اسے نہ چھیڑیں گے۔ اگر سیادت سے بھی بے بہرہ اور خالی ہوگی تو درندے اسے پھاڑ کھائیں گے۔ ابھی یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ دربار میں اشارہ بازی ہونے لگی۔ دشمنوں نے مل جل کر متوکل سے کہا کہ اس کا امتحان امام علی النقیؑ ہی کے ذریعہ سے کیوں نہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ آیا درندے سیّدوں کو کھاتے ہیں یا نہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اگر انہیں جانوروں نے پھاڑ کھایا تو متوکل کا منشاء پورا ہو جائے گا اور اگر یہ بچ گئے تو متوکل کی وہ الجھن دور ہو جائے گی جو زینب کذابہ نے ڈال رکھی ہے۔ غرض کہ متوکل نے امامؑ سے کہا: ''اے ابن رضا'' کیا اچھا ہوتا کہ آپ خود برکتہ السباع میں جا کر اسے ثابت کر دیجئے کہ آلِ رسول کا گوشت درندوں پر حرام ہے۔ امامؑ تیار ہو گئے۔ متوکل نے اپنے بنائے ہوئے شیر خانہ میں آپ کو ڈلوا کر پھاٹک بند کروا دیا، اور خود مکان کے بالا خانہ پر چلا گیا تا کہ وہاں سے امام کے حالات کا مطالعہ کرے۔ علامہ ابن حجر مکّی لکھتے ہیں کہ جب درندوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو خاموش ہو گئے۔ جب آپ صحن میں پہنچ کر سیڑھی پر چڑھنے لگے تو درندے آپ کی طرف بڑھے (جن میں تین اور براویت سا کبہ چھ شیر بھی تھے) اور ٹھہر گئے اور آپ کو چھو کر آپ کے گرد پھرنے لگے، آپ نے اپنا مشفقانہ انداز میں سر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر درندے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے۔ متوکل چھت پر سے یہ سب دیکھتا رہا۔ تو اس کے وزیر نے کہا: یہ بات ٹھیک نہیں انہیں کٹہرے سے جلد نکال لیا جائے، ورنہ اگر یہ خبر عام ہوگئی تو غضب ہو جائے گا۔ متوکل نے آپ کو باہر آنے کو کہا۔ جب آپ سیڑھی کی طرف بڑھے تو وہ سارے شیر پھر آپ کے پاس آئے اور آپ کے کپڑوں کو مسّ کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا اب واپس جاؤ۔ وہ سب واپس ہو گئے۔ آپؑ اوپر آ گئے۔

متوکل نے اس عورت سے کہا: اس کٹہرے میں جا۔

اس نے کہا، نہیں نہیں، واقعاً میں نے غلط دعویٰ کیا تھا۔ میں تو فلاں شخص کی بیٹی ہوں۔

متوکل نے کہا اس کو پکڑ کر درندوں کے کٹہرے میں ڈال دو۔ جیسے ہی اسے ڈالا گیا۔ درندے اسے

چیر پھاڑ کر کھا گئے۔(۱)

امام علی نقیؑ کے معجزات

آپؑ اپنے آباؤاجداد کی طرح علمِ باطن اور علم غیب رکھتے تھے۔اس لئے آپ اپنے ماننے والوں کو ہونے والے واقعات سے باخبر فرمادیا کرتے تھے۔اس سلسلے میں آپ کے کرامات بے شمار ہیں جن میں سے کچھ معجزات میں پیش کر رہی ہوں جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔امام کا ایک ہندی شعبدہ باز کو جواب

ملا جامی رقمطراز ہیں کہ ایک دن متوکل کے پاس ایک مشہور ہندی شعبدہ باز آیا۔اس نے بہت سے کرتب دکھلائے ۔متوکل نے اس سے کہا کہ میرے دربار میں ایک نہایت شریف شخص عنقریب آنے والا ہے۔اگر تو اپنے کرتب سے اسے شرمندہ کردے تو میں تجھے ایک ہزار اشرفی انعام میں دوں گا۔

اس نے کہا اے بادشاہ جب وہ آجائے تو کھانے کا بندوبست کر اور مجھے ان کے پہلو میں بٹھادے۔ میں ایسا کروں گا کہ سخت شرمندہ ہوگا۔یہ سن کر متوکل خوش ہوگیا اور جب آپ تشریف لائے تو کھانا لایا گیا اور سب کھانے کے لیے بیٹھے۔امامؑ نے جونہی لقمہ اٹھایا اور تناول فرمانا چاہا۔اس نے جادو کے زور سے اسے اڑا دیا۔اسی طرح تین مرتبہ اس نے کیا۔آخر میں سارا مجمع ہنس پڑا۔امام علی نقیؑ یہ دیکھ کر اس قالین کی طرف متوجہ ہوئے جو دیوار میں لگا ہوا تھا اور اس پر شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی۔آپ نے شیر قالین کو حکم دیا کہ مجسم ہو کر اس کافر ازلی کو نگل لے۔شیر مجسّم ہوا اور اس نے بڑھ کر کافر ہندی کو مسلم نگل لیا۔اس واقعہ سے دربار میں ہلچل مچ گئی۔متوکل سرنگوں ہوگیا۔امامؑ سے درخواست کرنے لگا کہ اس شیر قالین کو جو پھر اپنی اصلی حالت پر آنے کا حکم دیجئے اور کہئے کہ اس کافر ہندی کو اگل دے۔آپ نے فرمایا ہرگز نہ ہوگا اور اٹھ کر چلے گئے۔ایک روایت کی بنا پر آپ نے جواب دیا کہ اگر موسیٰ کے اژدھے نے فرعون کے سانپوں کو نگل لینے کے بعد اگل دیا ہوتا تو یہ شیر بھی اگل دیتا۔چونکہ اس نے نہیں اگلا تھا،اس لئے یہ بھی نہیں اگلے گا۔(۲)

---

(۱) مختار الخرائج والجرائح۔صواعق محرقہ،ص۱۲۴۔ارجح المطالب،ص/۴۶۱۔دمعۃ الساکبہ،جلد۳،ص/۱۴۵۔جلاء العیون،ص۲۹۳

(۲) شواہد النبوۃ،ص/۲۰۹،دمعۃ الساکبہ ج/۳،ص/۱۴۵،چودہ ستارے،ص/۵۲۱۔۵۲۲

۲۔آپؑ کے عنایت کردہ سنگریزے سونے کے ہو گئے

ابوالہاشم جعفری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت ابوالحسن امام علی نقیؑ کے ساتھ سرّ من رائے باہر کسی کو خوش آمدید کہنے گیا۔ جب اسکے آنے میں تاخیر ہوئی تو میں نے آپؑ کے بیٹھنے کیلئے زمین پوش ڈال دیا۔آپؑ اس پر بیٹھ گئے۔ میں بھی آپؑ کے سامنے بیٹھ گیا اور باتیں کرنے لگا۔ دوران گفتگو میں نے آپؑ سے اپنی تنگدستی اور بدحالی کی شکایت کی۔آپؑ نے ہاتھ بڑھایا اور جن سنگریزوں کے قریب آپؑ تشریف فرما تھے، ان میں سے ایک مٹھی بھر کر مجھے عنایت فرمائے اور ارشاد فرمایا: لو! یہ تمہارے لئے کافی ہے۔مگر جو کچھ دیکھا ہے، اسے کسی سے بیان نہ کرنا۔

جب ہم وہاں سے واپس آگئے تو دیکھا کہ ان سنگریزوں میں چمک ہے، اور ان کا رنگ تبدیل ہوکر سرخ سونے کی طرح ہو گیا ہے۔ چنانچہ، میں نے ایک سنار کو بلایا اور کہا، ذرا ان کو پرکھ کر بتاؤ، یہ کیا ہے۔؟

اس نے کہا، یہ تو بہترین سونا ہے۔اس سے بہتر سونا تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ یہ تو سنگریزوں کی شکل میں ہے، یہ کہاں سے مل گیا؟ یہ تو حیرت کی بات ہے۔

میں نے کہا: یہ میرے پاس زمانہ قدیم کا تحفہ ہے۔(۱)

۳۔آپؑ کا احترام نہ کرنے پر ہوا نے احترام کیا

ایک مرتبہ آلِ محمد کے دشمنوں میں سے ایک شخص نے متوکل سے کہا: اے امیر المومنین! آپ علیؑ بن محمدؑ (امام علی نقیؑ) کے ساتھ جتنے احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں، اتنا کوئی پیش نہیں آتا۔آپ کے گھر کا ہر فرد ان کی خدمت میں لگا رہتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جب وہ آتے ہیں تو کوئی بڑھ کر ان کے لیے دروازہ کھولتا ہے، کوئی بڑھ کر دروازہ کا پردہ اٹھاتا ہے، اور یہ ایسا عمل ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو وہ یہی سمجھیں گے کہ اگر خلافت کے حقیقی مستحق یہ نہ ہوتے تو ہرگز ان کا احترام اتنا نہ کیا جاتا۔لہٰذا، متوکل کے خادموں نے یہ طے کرلیا کہ اب ان کے لیے دروازے کا پردہ کوئی نہیں اٹھائے گا، یہ کام وہ خود ہی کریں گے۔جس طرح دیگر افرادِ خانہ وغیرہ گھر میں داخل ہوتے ہیں، اسی طرح علی بن محمدؑ بھی داخل ہوں۔

---

(۱) مختار الخرائج والجرائح، ص/ ۲۳۸

ادھر متوکل کا حکم تھا کہ ہمیں ادنیٰ سے ادنیٰ واقعہ کی بھی خبر دی جائے۔

لہٰذا، سمیلہ واقعہ نگار نے لکھا کہ جب علیؑ بن محمدؑ تشریف لائے تو کسی خادم نے بڑھ کر دروازے کا پردہ نہیں اٹھایا، معاً ایک تیز جھونکا آیا جس نے آپؑ کا استقبال کیا اور پورا پردہ اٹھا دیا، آپ اندر داخل ہو گئے۔

جب متوکل کو بتایا گیا تو اس نے کہا کہ جب وہ باہر جانے لگے تو کیا ہوا؟

واقعہ نگار نے لکھا کہ آپؑ باہر نکلنے لگے تو، پہلی ہوا کے مخالف ایک ہوا کا جھونکا آیا اور اس نے پردہ اٹھا دیا، آپ باہر چلے گئے۔

متوکل نے کہا: ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہوا ان کے استقبال میں پردہ اٹھایا کرے۔ اس سے تو ان کی فضیلت لوگوں پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔ لہٰذا تم لوگ خود ہی پردہ اٹھا دیا کرو۔(۱)

۴۔ امامؑ نے ترکی سردار کے بچپن کا نام لیا

ابوالہاشم جعفری سے روایت ہے کہ میں مدینہ میں تھا، خلیفہ کا سردارِ لشکر ادھر سے اعراب اور بدّووَں کو تلاش کرتا ہوا گذر رہا تھا۔ امام علی النّقیؑ کو جب اس کے بارے میں معلوم ہوا، تو آپؑ نے فرمایا: میں بھی اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا ہم سب لوگ ایک مقام پر کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں وہ ترکی سردار مع اپنے لشکر کے وہاں سے گذرا۔ جب وہ قریب آیا تو امامؑ نے ترکی زبان میں کچھ ارشاد فرمایا۔ وہ سردار اپنی سواری سے اترا اور آپؑ کے مرکب کے سم کو بوسہ دینے لگا۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے اس ترک سردار کو حلف دے کر پوچھا: یہ بتاوَ کہ انھوں نے تم سے کیا کہا تھا؟

اس نے جواب دیا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی نبی ہیں۔

میں نے کہا: نہیں یہ نبی نہیں ہیں۔

اس نے پھر کہا: انہوں نے مجھے اس نام سے کیسے پکارا جس نام سے مجھے میرے ملک میں بچپن میں پکارا جاتا تھا۔ آج سے پہلے میرا یہ نام کسی اور کو معلوم نہ تھا۔(۲)

---

(۱) مناقب شہر آشوب، بحار الانوار جلد ۹ ص ۱۲۶۔۱۲۷ (۲) اعلام الوریٰ، ص/۶۴۳

۵۔ تحفے جواہرات ایک اونٹ کے ذریعہ منگائے

مشارق الانوار میں محمد بن داؤد اور محمد طلحی، دونوں سے روایت ہے کہ قم اوراس کے اطراف سے جو مالِ خمس، نذر، تحفے و جواہرات وغیرہ جمع ہوئے تھے، وہ ہم لوگوں نے ایک اونٹ پر بار کئے اور انھیں اپنے آقا امام علی النقیؑ کی خدمت میں پہنچانے کیلئے روانہ ہوئے۔ راستے میں آپؑ کا آدمی ملا۔ اس نے کہا: اسے لے کر واپس جاؤ۔ یہ وقت ان سب چیزوں کے وصول کرنے کا نہیں ہے۔ ہم لوگ مجبوراً واپس ہوئے اور ساری چیزیں احتیاط سے رکھ دیں۔ چند دنوں کے بعد آپؑ کا حکم آیا کہ میں نے تمہارے پاس ایک اونٹ بھیجا ہے۔ اس پر سارا سامان بار کر کے چھوڑ دو۔

راوی کا بیان ہے کہ ہم نے حکم امام کے بموجب تمام سامان اس اونٹ پر بار کیا اور اسے خدا کے سپرد کر کے وہاں سے ہنکا دیا۔ اس کے بعد جب ہم آپؑ کی زیارت کے لیے آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؑ نے فرمایا: دیکھو! تمہارا بھیجا ہوا تمام مال ہمارے پاس بحفاظت پہونچ گیا۔ ہم نے وہ مال دیکھا تو پہچان کر اعتراف کر لیا کہ یہی وہ مال تھا جو ہم نے آپؑ کے فرستادہ اونٹ پر بار کیا تھا۔(۱)

٦۔ امامؑ نے ایک اعلیٰ افسر کی موت کی خبر دی

احمد بن یحییٰ الاودی کا بیان ہے کہ میں ایک مسجدِ جامع میں نماز ظہر ادا کرنے گیا۔ جب نماز پڑھ چکا تو دیکھا کہ حرب بن حسن طحان اور ہمارے اصحاب کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے۔ میں ان کی طرف بڑھا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اسی مجمع میں ایک اجنبی شخص بھی تھا جسے ہم پہچانتے نہ تھے۔ اس نے کہا: اے قوم! ہمارے یہاں سرّ من رائے میں ایک مردِ علوی ہے جو مدینہ کا رہنے والا ہے وہ یا تو ساحر ہے یا کاہن ہے۔

ابنِ سماعہ نے کہا: یہ تم کس کا ذکر کرتے ہو؟

اس نے کہا: یہ علیؑ بن محمدؑ بن رضاؑ کا ذکر ہے۔ لوگوں نے پوچھا: تجھے کیسے معلوم ہوا کہ وہ ساحر یا کاہن ہیں؟ اس نے کہا: سنو! ایک مرتبہ ہم بیٹھے ہوئے مصروفِ گفتگو تھے کہ ادھر سے بادشاہ کی محل سرا کا ایک افسر گذرا۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت سے سردار اور نوکر چاکر تھے۔

(۱) بحارالانوار، جلد۹، ص/۱۴۴

جب علیؑ بن محمدؑ نے اس کو آتے ہوئے دیکھا تو اس کی طرف بڑھے، اس کو سلام کیا اور اس کا اکرام کیا۔ جب وہ چلا گیا، تو بولے: اس وقت تو اپنے جاہ وحشم کو دیکھ کر خوش ہے مگر کل ہی نماز سے پہلے دفن ہو جائے گا۔ یہ سن کر ہمیں بڑا تعجّب ہوا، ان کے پاس سے اٹھ کر ہم نے کہا: یہ تو علمِ غیب ہے۔ پھر ہم تین آدمیوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے، اگر اس کے مطابق نہ ہوا تو ہم ان ہی کو قتل کر کے ان سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔

الغرض، میں اپنے گھر پر تھا اور ابھی نمازِ صبح سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ شور وغل کی آواز سنی۔ دروازے پر گیا تو میں نے دیکھا کہ فوجیوں اور دوسرے لوگوں کا مجمع لگا ہوا ہے۔ وہ لوگ کہہ رہے ہیں: 'فلاں سردار گذشتہ شب کو شراب کے نشے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہا تھا کہ قدم لڑکھڑائے زمین پر گرا، گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا، میں نے کہا، **اشهد ان لا الٰه الا الله**۔ پھر گھر سے نکلا، تو دیکھا کہ واقعاً ابوالحسن کا کہنا سچ ہو گیا۔

وہ شخص مرا ہوا پڑا تھا۔ اسے دفن کر کے اپنے گھر واپس آیا۔ یہ واقعہ سن کر ہم لوگوں کو یقین ہو گیا کہ آپ امام ہیں۔(۱)

امام کو بارش کا علم تھا

علی بن یقطین بن موسیٰ کا بیان ہے کہ میں ایک مرد معتزلہ تھا۔ میرے پاس حضرت امام علی نقیؑ کے واقعات پہنچتے تھے اور میں ہمیشہ ان کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک مرتبہ مجھے خلیفہ سے ملنے کے لیے سرّ من رائے جانا پڑا۔ جب خلیفہ کے اجلاسِ عام کا دن آیا تو حکم ہوا سب لوگ میدان میں چلیں۔

دوسرے دن سب لوگ اپنی اپنی سواریوں پر چلے۔ گرمی کے باریک کپڑے پہنے ہوئے ہر ایک کے ہاتھ میں پنکھا تھا۔ حضرت ابوالحسنؑ نے جاڑے کا لباس پہن رکھا تھا۔ لبادہ اور برساتی تھی اور اپنے گھوڑے کی دم بھی باندھ رکھی تھی جسے دیکھ کر لوگ ہنس رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:۔

﴿إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيب﴾ (سورۂ ہود، آیت ۸۱)

---

(۱) رجال کشی، ص/۳۲

(بیشک ان کے طے شدہ وعدۂ (عذاب) کا وقت صبح (سویرے) ہے۔کیا صبح کا وقت قریب نہیں ہے۔)

جب سب لوگ صحرا میں پہونچے اور شہر کی حدود سے نکل گئے تو ایک طرف سے بادل اٹھا اور ہر طرف گھنگھور گھٹا چھا گئی موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔سواریوں کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنسے لگے۔گھوڑوں کی حرکت کی وجہ سے ان کے سوار کیچڑ میں لت پت ہوگئے تو سب لوگ برے حالوں واپس ہوئے۔مگر حضرت ابوالحسنؑ کو کوئی زحمت نہ اٹھانی پڑی۔

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کو اس راز سے قبل از وقت آگاہ فرما دیا تھا۔یقیناً آپ ہی اللہ کی طرف سے ہم سب پر حجّت ہیں۔پھر میں آپؑ کے فضل وشرف کا قائل ہوکر آپؑ کے دامن سے وابستہ ہوگیا۔(۱)

۶۔امامؑ کو اپنے جاننے والوں کا حال معلوم ہوتا ہے

خیران اسباطی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ مدینہ میں حضرت امام علی النقیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: واثق کیسا ہے؟

میں نے عرض کیا: ٹھیک ہے

آپؑ نے فرمایا: جعفر کا کیا حال ہے؟

میں نے عرض کیا: جب میں چلا تھا تو وہ قید خانے میں برے حال میں تھے۔

آپؑ نے دریافت فرمایا: اور ابن زیّات کس حال میں ہے؟

میں نے عرض کیا: وہ بھی اپنے کام دھام میں لگا ہوا ہے۔میں دس دن پہلے وہاں سے چلا تھا۔

آپؑ نے فرمایا: اچھا سنو! واثق مر گیا ہے اس کی جگہ متوکل جعفر بیٹھ گیا ہے اور ابن زیات کا قتل ہو چکا ہے۔میں نے عرض کیا: یہ سب کب ہوگیا؟

آپؑ نے فرمایا: تمہارے وہاں سے چلنے کے چھ روز بعد۔

پھر ان سب باتوں کی تصدیق ہوگئی جو آپؑ نے فرمائی تھیں۔یہی علم امامت ہے۔(۲)

---

(۱) بحارالانوار، جلد۹، ص/ ۱۴۶۔۱۴۷ (۲) ارشاد، ص/ ۲۰۹، مناقب، جلد۴، ص/ ۴۱۰، کافی، جلد۱، ص/ ۴۹۸

۷۔امام کا مردہ جلانا

عیون المعجزات میں ہاشم بن زید سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علیؑ بن محمدؑ کو دیکھا کہ آپؑ کے پاس گونگے لائے جاتے اور صحتیاب ہوکر واپس جاتے، آپؑ مٹی سے چڑیوں کی شکل کا مجسّمہ بنا کر اس میں پھونک مارتے وہ چڑیاں جاندار بن کر اڑ جاتی تھیں۔

میں نے کہا: آپ میں اور حضرت عیسیٰؑ میں تو کوئی فرق ہی نہیں۔

آپؑ نے فرمایا: فرق کیسے ہوگا، میں ان میں سے ہوں اور وہ ہم میں سے ہیں۔

راوی کا بیان ہے: ایک مرتبہ امام علی النقیؑ حج پر تشریف لے گئے۔ جب مدینہ واپس ہونے لگے تو دیکھا کہ ایک مردخراسانی اپنے مرے ہوئے گدھے کے پاس کھڑا رو رہا ہے کہ اب میں اپنا سامان کس پر بار کروں گا۔؟

آپؑ ادھر سے گزر رہے تھے تو کسی نے کہا کہ یہ مردِخراسانی آپ اہلبیت کے دوستداروں میں سے ہے۔

یہ سن کر آپؑ اس مردہ گدھے کے قریب گئے اور فرمایا: بنی اسرائیل کی گائے اللہ کے نزدیک مجھ سے زیادہ محترم تو نہ تھی۔ کہ اس کے بعض عضو سے میّت کو مس کیا گیا اور وہ شخص زندہ ہوگیا۔

پھر آپؑ نے اپنے داہنے پاؤں سے ٹھوکر ماری اور فرمایا: **قم باذن الله** (اللہ کی اجازت سے کھڑا ہو) ٹھوکر لگتے ہی اس مردہ گدھے میں حرکت پیدا ہوئی، وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر مردِخراسانی نے اس پر اپنا سامان بار کیا۔ جب آپؑ مدینہ تشریف لائے تو جس راستے سے گذرتے لوگ اپنی انگلیوں سے اشارہ کر کے کہتے۔ انھوں نے خراسانی گدھے کو زندہ کیا تھا۔(۱)

۸۔رعبِ امامت

محمد بن حسن بن اَلْتستر علوی سے روایت ہے کہ میں اپنے والد کے ساتھ دروازۂ متوکل پر تھا۔ آپؑ اس وقت تمام طالبیو، عباسیوں اور فوجیوں وغیرہ کے درمیان سب سے چھوٹے تھے اور یہ دستور تھا کہ جب

---

(۱) بحارالانوار، جلد۹، ص۱۵۳۔۱۵۴

حضرت علی النقیؑ تشریف لاتے تو سب اپنی اپنی سواریوں سے اتر کر پا پیادہ ہو جاتے تھے اور جب تک آپؑ اندر تشریف نہ لیجاتے سب پا پیادہ رہتے۔

ایک مرتبہ ان میں سے چند لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم لوگ اس کم سن بچّے کے لئے کیوں پا پیادہ ہوں، نہ اس میں ہم لوگوں سے زیادہ شرف ہے، نہ یہ ہم سے بڑا ہے، نہ ہم سے زیادہ اس کا سن ہے، نہ ہم سے زیادہ اس کا علم ہے۔ لہٰذا اب ہم لوگ اس کے لئے سواریوں سے نہ اتریں گے۔

ابو ہاشم نے کہا: مگر خدا کی قسم تم لوگ ان کو دیکھو گے تو ضرور بالضرور سواریوں سے اتر جاؤ گے۔

ابھی گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ آپؑ تشریف لائے اور آپؑ کو دیکھتے ہی تمام لوگ پا پیادہ ہو گئے۔

ابو ہاشم نے کہا: تم لوگ تو کہتے تھے کہ ہم سواریوں سے نہ اتریں گے؟

ان لوگوں نے جواب دیا: خدا کی قسم، ہم لوگ اپنے قابو سے باہر ہو گئے اور سواریوں سے اتر پڑے (۱)

۹۔ وہ امامت کا کیوں قائل ہوا؟

ابوالعباس احمد بن نضر اور ابوجعفر محمد بن علویہ وغیرہ کا بیان ہے کہ اصفہان میں ایک شخص تھا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ وہ شیعہ تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ سبب کیا ہے کہ اس زمانے کے لوگوں کو چھوڑ کر تم حضرت ابوالحسنؑ کی امامت کے قائل ہوئے؟

اس نے جواب دیا کہ میں نے کچھ ایسی بات دیکھی جس سے ان کی امامت کا قائل ہونا پڑا۔ پھر اس نے اپنا قصّہ اس طرح شروع کیا۔ اس نے کہا: سنو! میں ایک مردِ فقیر تھا۔ میرے پاس صرف زبان تھی اور جرأت تھی۔ اہل اصفہان مجھے اور چند دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک بار دربارِ متوکل میں فریاد کرنے کیلئے گئے۔

ایک دن ہم لوگ بابِ متوکل پر تھے کہ حکم آیا کہ علیؑ بن رضاؑ کو حاضر کیا جائے

میں نے اپنے قریب کسی سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے، جس کے حاضر کئے جانے کا حکم نکلا ہے۔

اس نے کہا: یہ ایک مردِ علوی ہے، رافضی اس کو اپنا امام کہتے ہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ متوکل نے اس کو قتل کرنے کے لئے بلایا ہے۔

---

(۱) مناقب، جلد ۴، ص ۴۰۷

میں نے اپنے جی میں کہا: اب میں بغیر اس شخص کو دیکھے ہوئے یہاں سے نہ جاؤں گا۔

اس کا بیان ہے کہ پھر میں نے دیکھا، وہ مردِ علوی گھوڑے پر سوار آیا۔ لوگ راستے پر دونوں طرف صفیں باندھے ہوئے کھڑے اس کو دیکھ رہے تھے۔ جب میری نظر اس پر پڑی، تو بے اختیار دل میں اس کی محبت آ گئی اور دل ہی دل میں اللہ سے دعا کرنے لگا کہ اللہ اس کو متوکل کے شر سے محفوظ رکھے۔ وہ اسی طرح دونوں صفوں کے درمیان گھوڑے پر سوار آگے بڑھتے گئے۔ ان کی نظر صرف اپنے گھوڑے کی ایال پر تھی، نہ داہنے جانب تھی نہ بائیں جانب اور میں مسلسل دعا میں مشغول تھا۔ جب وہ میرے قریب پہنچے تو میری طرف رخ کر کے فرمایا۔

''اللہ نے تیری دعاء قبول فرمالی تجھے طولِ عمر و کثرتِ مال و اولاد سے نوازا۔

یہ سن کر میں کانپ اٹھا اور وہیں گر پڑا۔ لوگوں نے پوچھا: کیا بات ہوگئی؟

میں نے کہا: کچھ نہیں، ویسے سب خیریت ہے۔ اس کے بعد ہم لوگ اصفہان واپس آئے۔ یہاں آ کر اللہ نے مجھ پر مال و دولت کے دروازے کھول دیے۔ آج یہ حال ہے کہ میرے گھر میں دس لاکھ کا مال ہے اور جو باہر ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ پھر اللہ نے مجھے دس اولادیں عطا کیں اور میری عمر اس وقت پچھتّر سال کی ہے اور میں اس شخص کی امامت کا قائل ہوں جو میرے دل کی بات کو جان گیا۔ اور اس کی دعا اللہ نے میرے حق میں قبول فرمائی۔(۱)

۱۰۔ قبرِ حسینؑ کے نشانات کو ختم کرنے کی کوشش

امالی شیخ طوسی اور جلاء العیون میں ہے کہ حضرت امام علی نقیؑ کو قید کرنے کے بعد پھر متوکل قبر امام حسینؑ کے انہدام کی طرف متوجہ ہوا اور چاہا کہ اسے نیست و نابود کر دے۔

متوکل نے اپنی فوج کے دستے کو زیارت کے روکنے اور نہر علقمہ کو کاٹ کے قبر پر سے گزارنے کو بھیجا۔ حکم دیا کہ جو شخص زیارت کے لئے آئے، اسے قتل کر دیا جائے۔ بعض علماء کے بیان کے مطابق یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ پہلے ہاتھ کاٹے جائیں، پھر بھی باز نہ آئے تو قتل کر دیا جائے۔ یہ ایک ایسا حکم تھا جس نے معتقدین کو بے

(۱) مختار الخرائج والجرائح، ص/۲۰۹

چھین کر دیا۔ حضرت زید مجنون جو دوستدارانِ آلِ محمدؑ میں سے تھے، جو خبر سن کر زیارت کے لئے مصر سے چل کر کوفہ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر حضرت بہلول دانا سے ملے جو اس وقت بمصلحت اپنے کو دیوانہ بنائے ہوئے تھے۔ دونوں میں تبادلہ خیالات ہوا، اور دونوں زیارت قبر منوّر کے لئے کربلا روانہ ہو گئے۔

انھوں نے آپس میں طے کیا تھا کہ ہاتھ کاٹے جائیں تو کٹوائیں گے۔ قتل ہونے کی ضرورت محسوس ہو، تو قتل ہو جائیں گے۔ لیکن زیارت ضرور کریں گے۔ جب یہ دونوں کربلا پہنچے، تو انھوں نے دیکھا کہ قبر کی طرف نہر کا پانی قبر پر سے گزرنے کی بے ادبی نہیں کرتا۔ پانی قبر تک پہنچ کر پھٹ جاتا ہے اور کترا کر اطراف و جوانب قبر کا بوسہ لیتا ہوا گزر جاتا ہے۔ یہ حال دیکھ کر جذبۂ محبت ابھر گیا۔ یہ ابھی اسی مقام پر تھے کہ وہ شخص ان کی طرف متوجہ ہوا جو انہدامِ قبر پر متعیّن تھا۔ اس نے پوچھا: تم کیوں آئے ہو۔ ان لوگون نے کہا: زیارت کے لئے۔ اس نے جواب دیا جو زیارت کو آئے، میں اسے قتل کرنے پر مقرر کیا گیا ہوں۔ ان حضرت نے کہا کہ ہم قتل ہی ہونے کی تمنّا میں آئے ہیں۔ یہ سن کر وہ ان کے پیروں پر گر پڑا، اور اپنے عمل سے تائب ہو کر متوکل کے پاس واپس گیا۔ متوکل نے اسے قتل کرا کے سولی پر چڑھوا دیا۔ پھر پیروں میں رسی باندھ کر بازاروں میں کھنچوایا۔ زید کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا، فوراً سامرہ پہنچے۔ اس کی لاش دفن کی اور اس پر قرآن مجید پڑھا۔

ابھی حضرت زید سامرہ ہی میں تھے کہ ایک دن بڑے دھوم دھام سے ایک جنازہ اٹھایا گیا۔ سیاہ علم ساتھ تھے۔ ارکان دولت اور عمائدین سلطنت ہمراہ تھے۔ چاروں طرف سے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ زید نے سمجھا کہ شاید متوکل کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے بعد کہ یہ ایک کنیز کا جنازہ ہے۔ آپؒ نے ایک سرد آہ کھینچی اور کہا: ”اللہ اللہ! فرزند رسولؐ امام حسینؑ کربلا میں تین دن کے بھوکے پیاسے شہید کر دیئے گئے۔ ان پر کوئی رونے والا نہیں تھا۔ بلکہ ان کی قبر کے نشان کو مٹانے کی بھی لوگ درپے ہیں۔ اس کے بعد اس قسم کے مضامین پر مشتمل چند اشعار لکھ کر حضرت زید مجنون نے متوکل کے پاس بھجوا دیا۔ اس نے انہیں مقید کر دیا۔ متوکل نے رات کو خواب دیکھا کہ ایک مردِ مومن آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ زید کو اسی وقت رہا کر دے۔ ورنہ میں تجھے ابھی ابھی ہلاک کر دوں گا۔ چنانچہ اس نے اسی وقت رہا کر دیا۔ (۱)

---

(۱) چودہ ستارہ، ص/ ۵۲۷۔۵۲۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(باب سیزدہم)

امام حسن عسکری -

- ولادت: ۱۰ربیع الثانی،۲۳۲ھ یوم جمعہ بمقام مدینہ منورہ
- شہادت: ۸ربیع الاوّل ۲۹۰ھ
- والد: حضرت امام علی نقی علیہ السلام
- والدہ: جناب حدیثہ خاتون
- ازواج: کچھ کنیزیں اور زوجہ جناب نرجس خاتون
- بیٹے: ایک بیٹا (امامِ قائم آلِ محمد صاحب الزّماں)

امام حسن عسکریؑ کے حالات

امام حسن عسکریؑ پیغمبر اسلامؐ کے گیارہویں جانشین اور انوارِ معصومین کی تیرھویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد امام علی نقیؑ تھے اور والدۂ ماجدہ جناب حدیثہ خاتون تھیں۔ ان کو سوسن، حریبہ، سلیل کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ آپ عفیفہ، کریمہ، نہایت سنجیدہ اور ورع وتقویٰ سے بھرپور تھیں'' (۱)

امام حسن عسکریؑ اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلمِ زمانہ اور افضلِ کائنات تھے۔ (۲)

آپؑ کی ولادت باسعادت

''آپ کی ولادت ۱۰/ربیع الثّانی ۲۳۲ھ یوم جمعہ بوقت صبح بطنِ جناب حدیثہ خاتون سے بمقام مدینہ منورہ ہوئی ہیں۔ (۳)

تواریخ میں مختلف علماء الگ الگ لکھتے ہیں جن میں زیادہ تر کی رائے تو اوپر لکھی تاریخ کے مطابق ہے اور کچھ تاریخوں جیسے عیون المعجزات میں ہے کہ ہمارے والوں کی روایت کے مطابق آپؑ کی والدہ گرامی کا اسم شریف سلیلؑ تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حدیث تھا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ ان کا نام سلیل تھا۔ یہ زنانِ عارفات وصالحات میں سے تھیں۔ روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؑ ۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔

امام حسن عسکریؑ ربیع الآخر ۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے، آپؑ کی والدۂ گرامی ام ولد تھیں جن کو حدیث کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ (۴)

نقش خاتم

امام حسن عسکریؑ کا نقشِ خاتم ''سبحان من له مقالید السّموات والارض'' تھا۔ (۵)

---

(۱) جلاء العیون، ص ۲۹۵ (۲) ارشاد مفید، ص/۵۰۲ (۳) شواہد النبوت، ص/۲۱۰۔ صواعق محرقہ، ص/۱۲۴۔ نور الابصار، ص ۱۱۰، جلاء العیون، ص/۲۹۵، ارشاد مفید، ص/۵۰۲۔ دمعۃ الساکبہ، جلد ۳، ص/۱۶۳، چودہ ستارہ، ص/۵۳۱ (۴) کافی جلد ۱، ص ۵۰۳ (۵) فصول المہمہ

مصباح کفعمی میں ہے کہ امام حسن عسکریؑ کا نقش خاتم: ''انا الله شهيد'' یا ''ان الله شهيد'' تھا۔(۱)

اسم گرامی، کنیت والقاب

آپ کی ولادت کے بعد امام علی نقیؑ نے آپ کو حضرت محمد مصطفیؐ کے رکھے ہوئے نام ''حسن'' سے موسوم کیا۔(۲)

''آپؑ کو الصامت، الہادی، الرّفیق، الزّکی اور النّقی کے القاب سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپؑ کی کنیت ابو محمد تھی۔ نیز آپؑ کے اور آپؑ کے پدرِ عالی قدر حضرت امام علی النّقی علیہ السلام اور آپؑ کے جدِ نامدار حضرت امام محمد تقی جوادؑ اپنے زمانے میں ابن الرّضا کے نام سے مشہور تھے۔

آپؑ کی والدہ گرامی امّ ولد تھی جن کا نام نامی حدیث ہے۔ آپ کے صرف ایک ہی فرزند امام قائمِ آلِ محمد علیہ السلام ہیں۔ (جو ابھی تک زندہ ہیں، ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں جب خدا کا حکم ہوگا ظاہر ہوں گے)(۳)

لقبِ عسکری کی توجیہ

آپؑ کا لقب عسکری، اس لئے زیادہ مشہور ہوا کہ آپؑ جس محلّہ میں بمقام ''سرمن رائے'' میں رہتے تھے اسے 'عسکر' کہا جاتا تھا۔ بظاہر اس کی وجہ یہ تھی کہ جب خلیفہ معتصم باللہ نے اس مقام پر لشکر جمع کیا تھا اور خود بھی قیام پذیر تھا، تو اسے ''عسکر'' کہنے لگے تھے۔ خلیفہ متوکل نے امام علی نقیؑ کو مدینہ سے بلوا کر یہیں مقیم رہنے پر مجبور کیا تھا۔ نیز یہ بھی تھا کہ ایک مرتبہ خلیفۂ وقت نے امام زمانہ کو اسی مقام پر نوّے ہزار لشکر کا معائنہ کرایا تھا اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کے درمیان سے اسے اپنے خدائی لشکر کا مشاہدہ کرا دیا تھا۔ انہیں وجوہ کی بناء پر اسمقام کا نام ''عسکر'' ہو گیا تھا، جہاں امام علی النّقیؑ اور حسن عسکریؑ مدتوں مقیم رہ کر عسکری مشہور ہو گئے۔(۴)

---

(۱) مصباحِ کفعمی، بحارالانوار، جلد۹، ص۲۲۳ (۲) ینابیع المودّۃ (۳) مناقب آل ابی طالب ج/۴، ص/۴۲۱

(۴) بحارالانوار، جلد۱۲، ص/۱۵۴۔ دفیات الاعیان، جلد۱، ص/ ۱۳۵۔ مجمع البحرین، ص/۳۲۲، دمعہ الساکبہ، جلد۳، ص/۱۶۳، تذکرۃ المعصومین، ص/۲۲۲۔ چودہ ستارے، ص۵۳۲

آپؑ کا حلیہ مبارک

آپؑ کا رنگ کھلتا ہوا گندمی تھا۔(۱)

وارثِ امامت کی گواہی

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی عمر جب چار ماہ کے قریب ہوئی تو آپؑ کے والد امام علی النّقیؑ نے اپنے بعد کے لئے منصب امامت کی وصیّت کی اور فرمایا کہ میرے بعد یہی میرے جانشین ہوں گے اور اس پر بہت سے لوگوں کو گواہ بھی کر دیا۔(۲)

آپؑ کے بچپن کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ نہ جانے کس طرح آپ اپنے گھر کے کنوئیں میں گر گئے، آپؑ کے گرنے سے عورتوں میں کہرام برپا ہو گیا۔ سب چیخنے چلانے لگیں۔ مگر حضرت امام علی النّقیؑ جو محو نماز تھے، مطلق متاثر نہ ہوئے اور اطمینان سے نماز کا اختتام کیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، حجّتِ خدا کو کوئی گزند نہ پہنچے گی۔ اسی دوران میں نے دیکھا کہ پانی بلند ہو رہا ہے اور امام حسن عسکری پانی میں کھیل رہے ہیں۔(۳)

کتابِ ''کافی باب الحجۃ'' میں ہے کہ ابو بکر فذفلّی کا بیان ہے کہ: دسویں امام نے مجھے تحریر فرمایا:۔

''پیغمبر خداؐ کے تمام نواسوں میں میرے فرزند حسنؑ امامت و پیشوائی کے لئے سب سے زیادہ شائستہ اور حقدار ہیں۔ وہ میرے سب سے بڑے فرزند اور میرے جانشین ہیں۔ پس سزاوار ہے کہ تم لوگ احکام و مسائل دین کو انہیں سے حاصل کرو اور مصائب و بلیات میں ابتلا کے وقت انہیں کی طرف رجوع کرو، اور انہیں سے کسب علم و دانش کرو، کیونکہ وہ اس کے اہل و سزاوار ہیں۔''

بشار بن احمد بن عبداللہ بن محمد اصفہانی سے نقل کرتے ہیں:۔

''ہم لوگ امام دہم کی رحلت کے دن تک آپؑ کے فرزند کو بعنوان امامت و رہبری نہیں پہچانتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے پدر بزرگوار کی رحلت کے بعد ہم پر یہ آشکار ہوا کہ آپ حجت خدا ہیں، جب آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے جنازہ پر نماز پڑھی۔ اس شناسائی کا سبب یہ تھا کہ امام ہادیؑ نے بارہا یہ فرمایا تھا کہ میرے بعد تمہارا امام وہ شخص ہوگا جو میرے جنازہ پر نماز پڑھے''۔(۴)

---

(۱) فصول المہمّہ، ص/۳ (۲) ارشاد مفید، ص/۵۰۲ (۳) ارشاد مفید، ص۵۰۲ و دمعۃ ساکبہ جلد۳، ص/۱۶۳

(۴) اہل بیت اطہار کی مختصر سوانح حیات، طبع ایران، ص/۲۴۲

وصیّت امام علی نقی علیہ السلام

آپؑ نے رحلت کے وقت نور وحکمتِ خدا، شمشیر اور رسولِ خداؐ کی امانتیں اپنے نورِ چشم امام حسن عسکریؑ کے سپرد کیں، اور آپؑ کو اپنا وصی وجانشین قرار دیا۔(۱)

امام حسن عسکریؑ نے اپنے پدر بزرگوار کے انتقال کے بعد بحکم خدا اور قبل کے اماموں کے نص کرنے اور آپؑ کے پدر بزرگوار کی وصیت وسفارش کے مطابق امامت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ آپ کی امامت کا زمانہ خلافتِ عباسی کی حد سے زیادہ سخت گیریوں کی وجہ سے تقیّہ اور کامل احتیاط کے ساتھ گذر رہا تھا۔ اس کے باوجود اکثر اوقات آپ کو قید خانہ میں بھیج دیا جاتا تھا۔ پھر بھی آپ اپنے فرائض کی تکمیل میں لگے رہتے تھے۔ یہ عمل آپؑ کا زندگی کے آخری لمحہ تک جاری رہا۔

عبادت، زہد وتقویٰ

امام حسن عسکری علیہ السلام اپنے جد بزرگوار کی طرح عبادت میں ساری ساری رات نمازیں پڑھتے اور دن کے وقت روزہ رکھتے تھے۔ آپ کی عمر کا زیادہ وقت قید خانوں میں گزرا۔ چنانچہ حکومت زندان کا ایک ذمہ دار ''صالح بن وصیف'' کہتا ہے کہ:۔

''جب بھی حکام کی طرف سے امام حسن عسکریؑ کے ساتھ سخت گیری وشدّت کا حکم مجھے ملتا ہے تو میں شدید طور پر تاثر سے دوچار ہوجاتا ہوں، کیونکہ باجود اس کے کہ میں برابر دو بے رحم وسنگ دل افراد کو حضرت کی نگرانی پر معین کرتا ہوں۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ یہ دونفر اس طرح حضرت کی روحانیت، اخلاق، اور زہد وعبادت کے زیر اثر آجاتے ہیں کہ دونوں اپنے آپ کو اپنے قیدی کی عبادت کے عاشقوں اور (حضرت کے) باطنی مراتب ومناقب کے شیفتہ اور دوستداروں میں سے جانتے ہیں۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ حضرت ہر شب شام سے صبح تک بیدار اور مصروف عبادت ومناجات رہتے ہیں۔ کسی سے بات نہیں کرتے۔ جس وقت ہماری طرف نظر اٹھا دیتے ہیں تو گویا ہم اپنی ساری طاقت وقوّت کھو بیٹھتے ہیں اور حضرت کی عظمت ومعنویت کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔(۲)

---

(۱) اہل بیت اطہارؑ کی مختصر سوانح حیات، طبع ایران، ص/۲۴۰ (۲) اہل بیتؑ اطہار کی مختصر سوانح حیات۔ طبع ایران، ص ۲۴۷

حضرت کی روحانی عظمت اور بلند منزلت اس قدر تھی کہ قید خانہ کو بھی ایک مکتب تربیت میں تبدیل فرمادیا کرتے تھے۔قید خانہ کے ذمہ دار اور مامورین نگہداشت ومراقبت کو اپنے اندیشہ وافکار و روحانیت کے زیر اثر کرلیا کرتے تھے۔

آپ رضائے الٰہی حاصل کرنے میں معمولی سا مضائقہ بھی گوارہ نہیں کرتے تھے اپنے پاس جمع شدہ مال جو خود انہیں کی محنت و کوشش اور کاوشوں کا ماحصل ہوتا تھا، کے خرچ کرنے میں تمام لوگوں سے آگے تھے، یوسف قیصر عباسی کہتا ہے کہ کثیر العیال اور مصارف کی فراوانی نے مجھے مجبور کیا کہ عباسی خلفاء کے دربار میں اور اس کے عیان و اشراف کو خطوط لکھوں وہاں آمد و رفت کا آغاز کروں (تا کہ میری مشکلوں کے حل کی کوئی صورت پیدا ہو۔) لیکن میری اس کوشش اور جد و جہد کا کوئی معمولی سا نتیجہ بھی نہیں نکلا، کیونکہ وہ سب ہی نشۂ جاہ و جلال میں مست اور دریائے شہوت و منصب و ریاست میں غرق تھے، لیکن ایک مرتبہ میرا گزر خانہ حضرت امام حسن عسکریؑ کی طرف سے ہوا تو بغیر اس کے کہ مجھ سے اور امامؑ سے اس سلسلہ میں کوئی گفتگو ہو، امامؑ نے بغیر کسی تاخیر کے ایک تھیلی عنایت فرمائی جس میں چار سو دینار تھے۔میں امام کی اس عطا کی برکت سے مشکلات زندگی سے نجات اور اپنے تمام قرضوں کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کر سکا۔''(۱)

امام حسن عسکریؑ کی علمی خدمات

بچپن کے گیارہ سال تقریباً اپنے والد بزرگوار کے ساتھ وطن میں رہے جس کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ یہ زمانہ اطمینان سے گذرا۔اس کے بعد امام علی نقیؑ کو سفر عراق درپیش ہو گیا۔تمام متعلقین کے ساتھ ساتھ امام حسن عسکریؑ اسی کمسنی کے عالم میں سفر کی زحمتوں کو اٹھا کر سامرہ پہنچے۔یہاں کبھی قید، کبھی نظر بندی اور کبھی کسی حد تک آزادی مختلف دور سے گزرنا پڑا مگر ہر حال میں آپؑ اپنے بزرگ مرتبہ باپ کے ساتھ ہی ساتھ رہے۔اس طرح باطنی اور ظاہری طور پر ہر حیثیت سے آپ کو اپنے والد بزرگوار کی تربیت و تعلیم سے پورا فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکا۔(۲)

آپؑ کے خاندان رسالت کا علم و دانش منبع وحی و منطق الہام سے نکلا ہوا ایک سرچشمہ ہوتا ہے جو کسی کتاب، کلاس اور کسی کسب و تحصیل کا محتاج نہیں ہوتا۔چونکہ یہ حضرت خانوادہ وحی و الہام میں پرورش و تربیت

(۱) اہل بیت اطہار کی مختصر سوانح حیات، طبع ایران، ص/۲۵۰، ۲۵۱ (۲)''رہنمایان اسلام''، علماء سید علی نقی صاحب، ص/۱۹۴

یافتہ اوراسی عظیم درسگاہ سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں،اس لئے ان آئمہ معصومین کی معلومات کا تجزیہ وتحلیل ہماری عقل وادراک کی قوّت وتوانائی کے حدود سے باہر ہے۔ہم چاہیں تو ان کے علم ودانش ومعرفت کے بیکراں سمندروں سے کچھ شناسائی پیدا کرسکتے ہیں۔مثلاً ان بزرگواروں کی مقدّس زندگی کا مطالعہ کرتے وقت ہم ان کی علمی فضیلت سے دوچار ہوتے ہیں،جیسے کسی مجلس میں علماء کی طرف سے کوئی فقہی وعلمی مسئلہ پیش ہوتا ہے اور سب کے سب اس حل وجواب سے عاجز رہتے ہیں لیکن امامؑ اس کا صحیح وقطعی جواب عنایت فرمادیتے ہیں،جوان کے علم امامت کی دلیل بن جاتا ہے۔

امام حسن عسکریؑ کی عمر بہت مختصر ہوئی یعنی صرف اٹھائیس برس۔باوجوداس کے کہ امام عالی مقام کا دورامامت تمام طرح طرح کے حوادث سے دوچار تھا پھر بھی حضرت نے اپنی مختصر سی مدّت حیات میں بہت سے بیش بہااور باقدروقیمت آثارچھوڑے جن کا تذکرہ علماء ومورخین کی ایک جماعت نے جگہ جگہ کیا ہے۔

آپؑ کے علمی کارناموں میں ایک اہم کارنامہ قرآن مجید کی تفسیر ہے۔جوتفسیر امام حسن عسکریؑ کے نام سے موسوم ومشہور ہے۔یہ تفسیر علوم قرآنی اور حکم نبوی سے مملو ہے۔(۱)

آپؑ نے اپنی قلمی صلاحیت کومحل افتخار میں اکثر ذکر فرمایا ہے کہ ہم وہ ہیں جنھیں خدانے صاحب قلم قرار دیا ہے۔علماء کا بیان ہے کہ جب آپ لکھتے لکھتے نماز کے لئے چلے جایا کرتے تھے تو آپؑ کا قلم برابر چلتا رہتا تھااور آپ کا مافی الضمیر بحکم خداوندی سطح قرطاس پر مرقوم ہوتا رہتا تھا۔(۲)

علّامہ شیخ مفید کا کہنا ہے کہ آپ علم فضل،زہدوتقویٰ،عقل وعصمت،شجاعت وکرم اعمال وعبادت میں افضل اہل زمانہ تھے۔(۳)

ثقۃ الاسلام علّامہ کلینیؒ کا بیان ہے کہ حضرت امام حسن عسکریؑ اپنے آباؤاجداد کی طرح زبانوں سے واقف تھے۔آپؑ ترکی رومی غرض کہ ہر زبان میں تکلّم کیا کرتے تھے۔خدانے آپ کو ہر زبان سے بہرہ ورفرمایا تھا۔اورآپ علم رجال،علم انساب،علم حوادث،میں کمال رکھتے تھے۔(۴)

---

(۱)دمعہ ساکبہ جلد۳،ص ۱۶۵ (۲)دمعہ ساکبہ،جلد۳،ص ۱۷۹۔بحارالانوار جلد۹ص ۲۵۲

(۳)ارشاد،ص/۵۰۲ (۴)دمعہ ساکبہ،جلد۳،ص/۱۷۷

آپؑ کے علمی فیوض کے دریا نے بڑے بڑے بلند پایہ علماء کو سیراب ہونے کا موقع دیا۔ اس زمانہ میں فلسفہ دہریت اور ایجاد کی تبلیغ کے مقابلہ میں آپؑ نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ایک مشہور فلسفی اسحق کندی کا واقعہ ہے کہ یہ شخص قرآن مجید کے آیات کے باہمی تناقض (یعنی کہ ایک آیت دوسری آیت سے اور ایک مضمون دوسرے مضمون سے ٹکراتا ہے) کے متعلق ایک کتاب لکھ رہا تھا۔ یہ خبر امام حسن عسکریؑ کو پہنچی۔ آپؑ موقع کے منتظر ہو گئے۔ اتفاق سے ایک روز ابواسحق کے کچھ شاگرد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں کوئی اتنا سمجھ دار آدمی نہیں ہے۔ جو اپنے استاد کندی کو اس فضول مشغلے سے روکے جو انھوں نے قرآن کے بارے میں شروع کر رکھا ہے۔ ان طلباء نے کہا: حضور! ہم تو ان کے شاگرد ہیں۔ ہم بھلا ان پر کیا اعتراض کر سکتے ہیں۔

حضرت نے کچھ آیتیں قرآن کی جن کے متعلق باہمی اختلاف کا توہم ہو رہا تھا پیش فرما کر ان سے کہا کہ تم اپنے استاد سے اتنا پوچھو کہ کیا ان الفاظ کے بس یہی معنی ہیں جن کے لحاظ سے وہ تناقض ثابت کر رہے ہیں۔ اگر کلام عرب کے شواہد سے دوسرے متعارف معنی نکل آئیں جن کی بناء پر الفاظ قرآن میں باہم کوئی اختلاف نہ رہے تو پھر انہیں کیا حق ہے کہ وہ خود اپنے ذہنی خود ساختہ معنی کو متکلم قرآنی کی طرف منسوب کر کے تناقض و اختلاف کی عمارت کھڑی کریں۔ اس ذیل میں آپ نے کچھ شواہد کلام عرب کے بھی ان طلاب کے ذہن نشین کرائے۔ ذہین طلاب نے وہ پوری بحث اور شواہد کے حوالے محفوظ کر لئے اور اپنے استاد کے پاس جا کر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد یہ سوالات پیش کر دئے۔ آدمی بہر حال وہ منصف مزاج تھا۔ اس نے طلاب کی زبان وہ سب کچھ سنا اور کہا کہ یہ باتیں تمہاری قابلیت سے بالاتر ہیں۔ سچ سچ بتانا کہ یہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوئیں؟ پہلے تو ان طالب علموں نے چھپانا چاہا اور کہا کہ یہ چیزیں خود ہمارے ذہن میں آئی ہیں۔ مگر جب اس نے سختی کے ساتھ انکار کیا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا تو انہوں نے بتایا کہ ہمیں ابو محمد حسن عسکریؑ نے یہ باتیں بتائی ہیں۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ سوا اس گھرانے کے اور کہیں سے یہ معلومات حاصل ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر اس نے آگ منگوائی اور جو کچھ لکھا تھا نذر آتش کر دیا۔ (۱)

---

(۱) رہنمایان اسلام، ص ۲۰۱

ایسے کتنے ہی علمی و دینی خدمات تھے جو خاموشی کے ساتھ آپ اپنا فرض سمجھ کر انجام دیتے رہتے تھے۔حکومت وقت جو محافظت اسلام کی دعویدار تھی اپنے عیش وطرب کے نشہ میں مدہوش تھی یا پھر چونکتی بھی تھی تو ایسے مخلص حامیٔ اسلام کی طرف سے اپنی سلطنت کے لئے خطرہ محسوس کر کے ان پر کچھ اور پابندیاں بڑھا دیئے جانے کا حکم نافذ کرتی تھی۔مگر اس کوہ گران کے صبر واستقلال میں فرق نہ آتا تھا۔

آپؑ نے شراب نوشی کے بارے میں فرمایا ہے:''میں خدا کو شاہد بناتا ہوں کہ میں نے اپنے پدر بزرگوار علیؑ بن محمدؑ سے سنا، انھوں نے اپنے پدر بزرگوار محمدؑ بن علیؑ سے، انہوں نے اپنے پدر عالی قدر علیؑ بن موسیٰؑ سے، انہوں نے اپنے پدر بزرگوار موسیٰؑ سے، انہوں نے اپنے پدر گرامی قدر جعفرؑ سے، انہوں نے اپنے پدر بزرگوار سے، انہوں نے اپنے پدر عالی قدر علیؑ سے، انہوں نے اپنے پدر حسینؑ سے، انہوں نے اپنے پدر بزرگوار علیؑ بن ابی طالبؑ سے، انہوں نے پیغمبر اسلامؐ سے اور آنحضرتؐ نے جبرئیل سے اور انہوں نے میکائیل سے نقل کیا کہ اسرافیل نے نقل کرتے ہوئے خدا کو گواہ قرار دیا ہے کہ لوح محفوظ پر اللہ کا یہ فرمان ثبت ہے کہ:

''شراب خوار بت کی تعریف کرنے والے کے مانند ہے''۔(۱)

اس کے علاوہ بعض حضرات نے آپ کے علمی افادات کو جمع کر کے کچھ کتابیں بھی تصنیف کیں ہیں جیسے:

(۱) ابوہاشم داؤد بن قاسم جعفری: یہ سن رسیدہ عالم تھے انھوں نے امام رضاؑ سے امام حسنؑ عسکری تک چار اماموں کی زیارت کی اور ان بزرگواروں سے فیوض بھی حاصل کئے، وہ امام علیہ السلام کی طرف سے نیابت کے درجہ پر فائز تھے۔

(۲) داؤد بن ابی زید نیشاپوری: یہ امام علی نقیؑ کے بعد امام حسن عسکریؑ کی صحبت سے شرفیاب ہوئے۔

(۳) ابوطاہر محمد بن علی بن بلال

(۴) ابو العباس عبداللہ بن جعفر حمیری قمی: بڑے بلند پایہ عالم بہت سی کتابوں کے مصنّف تھے، جن میں سے ''قرب الاسناد'' کتاب اس وقت تک موجود ہے اور کافی وغیرہ کے ماخذوں میں سے ہے۔

(۵) محمد بن احمد بن جعفر قمّی: یہ حضرت کے خاص نائبین میں سے تھے۔

---

(۱) اہل بیت اطہارؑ کی مختصر سوانح حیات، ص/۲۵۲

(۶) جعفر بن سہیل صیقل: یہ بھی نائب خاص ہونے کا شرف رکھتے تھے۔

(۷) محمد بن حسن صفار قمی: یہ بڑے مرتبہ کے عالم متعدد کتابوں کے مصنّف ہیں جن میں سے ''بصائر الدرجات'' مشہور کتاب ہے۔ انہوں نے امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں تحریری مسائل بھیج کر ان کے جوابات حاصل کئے۔

(۸) ابوجعفر برکی انہوں نے امام حسن عسکریؑ سے مسائل فقہیہ کے جوابات حاصل کر کے کتاب مرتب کی۔

(۹) ابراہیم بن ابی حفص ابواسحٰق کاتب: یہ حضرت کے اصحاب میں سے ایک کتاب کے مصنّف ہیں۔

(۱۰) ابراہیم بن مہز یار: یہ مصنف کتاب البشارات ہیں۔

(۱۱) احمد بن ابراہیم بن اسمٰعیل بن داؤد بن حمدان الکاتب الندیم: یہ علم لغت وادب کے مسلم استاد تھے اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ حضرت امام حسن عسکریؑ سے خاص خصوصیت رکھتے تھے۔

(۱۲) ابوعلی احمد بن اسحٰق الاشعری القمی: یہ بڑے پایہ کے مستند ومسلّم عالم تھے۔ ان کی تصانیف میں سے ''علل الصوم'' اور دیگر متعدد کتابیں تھیں۔

''امام حسن عسکریؑ کی ایک کتاب ۲۵۵ھ میں ملی جو آپؑ کے حالات پر مشتمل تھی۔ جس کے ترجمے کا نام ''رسالۂ منقبت'' ہے جو اکثر مسائل حلال وحرام پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی ابتدائی عبارت یہ ہے۔ **اخبرنی علی بن محمد بن علی بن موسیٰ** خیبری نے کتاب موسوم بہ ''مکاتبات الرجال عن العسکرینؑ'' میں احکامِ دین کے ایک حصّہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

یہ چند نام بطور مثال درج کئے گئے۔ اگر تمام ان افراد کا تذکرہ کیا جائے تو اس کے لئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے، خصوصیت کے ساتھ تفسیر قرآن میں ابوعلی حسن بن خالد بن محمد بن علی برقی نے آپ کے افادات سے ایک ضخیم کتاب لکھی جسے حقیقت میں خود حضرت ہی کی تصنیف سمجھنا چاہئے، یعنی حضرت بولتے جاتے تھے اور وہ لکھتے جاتے تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک سو بیس، ۱۲۰ اجزاء پر مشتمل تھی۔(۱)

علماء کا کہنا ہے کہ اوپر جن کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ علمی ذخیرہ اب موجود نہیں ہے۔ ان مختلف کتابوں

(۱) رہنمایانِ اسلام، ص/۲۰۲۔۲۰۳

میں تفسیر قرآن کے متعلق حضرت کے بعض ارشادات ملتے ہیں۔ ممکن ہے وہ اسی سے ماخوذ ہوں لیکن ایک کتاب جو ''تفسیر امام حسن عسکریؑ'' کے نام سے شایع شدہ موجود ہے، مگر وہ مذکورۂ بالا ذخیرہ علمی سے الگ ہے اس کا پتہ صرف چوتھی صدی ہجری سے چلتا ہے۔ مگر اس میں بھی علماء کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک طویل مکتوب اسحٰق بن اسمعیل اشعری کے نام اور کافی ذخیرۂ مختصر حکیمانہ مقولات اور مواعظ و تعلیمات کا کتاب تحف العقول میں محفوظ ہے جو اس وقت بھی اہل نظر کے لئے سرمۂ چشم بصیرت ہے۔

اقوال امام حسن عسکری علیہ السلام

امامؑ کے مشہور اقوال میں سے یہ ہے کہ:

(۱) بہشت میں جانے کے اسباب میں سے ایک نیک عملی ہے اور خاص کر اس امر میں وہی افراد مشمول و مستحق رحمت الٰہی ہو سکتے ہیں جو کمزور طبقہ کے لوگوں پر رحم دل ہوں، نیک عمل والے، بخشش کرنے والے ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کے مہربان ہوں۔(۱)

(۲) امام علم و دانش اور علم اندوزی و دانش آموزی کی تشویش کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

اگر دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب ایک لقمہ بن جائے اور اسے میں کسی ایماندار عالم و دانشمند کو دے دوں تو مجھے اس کا خوف ہوگا کہ میں نے اس کے حق کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہو، اور اس کے مقابل کسی فاسق نادان و جاہل کو دنیا کی تمام نعمتوں میں سے سوائے ایک گھونٹ پانی کے کچھ نہ دوں تو مجھے اس کا اندیشہ ہوگا کہ اس کے بارے میں میں نے اسراف سے کام لیا ہو۔''(۲)

(۳) پڑوسیوں سے خوش اخلاقی کا برتاؤ کرو۔

(۴) تمام برائیوں کی کنجی غصّہ ہے۔

(۵) عقلمند وہ شخص ہے جو الٰہی احکامات کے آگے سر جھکائے

(۶) اگر کوئی باعزّت ذلیل اور کوئی ثروت مند غریب ہو جائے تو اس پر رحم کرو۔

(۷) جو لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے اللہ اس کے گناہوں سے درگزر کرتا ہے۔

---

(۱) رہنمایانِ اسلام، ص۲۵۱ (احقاق الحق) جلد۱۲ (۲) رہنمایانِ اسلام، ص۲۵۱ (گناہانِ کبیرہ) ص/۱۵۳

(۸) کسی مسلمان کیلئے یہ روا نہیں کہ وہ اپنے برادر ایمانی سے تین دن سے زیادہ (غصہ کی وجہ سے) میل ملاپ نہ رکھے۔

(۹) جھوٹوں کی دوستی سے بچو۔

(۱۰) بدترین شخص وہ ہے جس سے کسی چیز کی امید نہیں اور اس کے شر سے امان نہیں۔

(۱۱) مومن اپنے برادر مومن کے باعثِ برکت اور کافر کے لئے اتمام حجّت ہوتا ہے۔

(۱۲) دو صفتیں ایسی بہتر ہیں کہ ان سے بالاتر کوئی خوبی نہیں۔ خدا پر ایمان اور اپنے بھائیوں کو فائدہ پہنچانا۔

(۱۳) کوئی مصیبت نہیں مگر یہ کہ اس کے اطراف میں خدا کی جانب سے کوئی نعمت ضرور ہوتی ہے۔

(۱۴) اس دن کی جانب متوجہ رہو جس کی ضمانت دی گئی ہے تاکہ تم فرائض سے غافل نہ رہو۔

(۱۵) اپنے مال سے اپنی آبرو کی حفاظت کرو یہ ایک اچھا کام ہے۔

(۱۶) کیا کہنا اس شخص کا جو اپنے نفس کی اصلاح کرے اور جائز ذرائع سے روزی حاصل کرے۔

(۱۷) خداوند عالم کے نزدیک شرافت بزرگی اعمال کے ذریعہ ہے زبانی نہیں۔

(۱۸) عبادت گذار وہ شخص ہے جو واجبات کو پورا کرے۔

(۱۹) (اس کا خیال رکھو) کہ جو تمہارے ہم نشین نیک لوگ ہوں اور تمہارے دوست پرہیزگار ہوں۔

(۲۰) خود پسند شخص اپنے ملامت کرنے والوں میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔

(۲۱) تمام برائیوں کی کلید جھوٹ ہے۔ جھوٹ کے ذریعہ انسان فقر میں مبتلا ہوتا ہے۔

(۲۲) ہوشیار وہ شخص ہے جس کا آج کل سے بہتر ہو، اور برائیوں کے دروازے اپنے اوپر بند کرلے۔

(۲۳) خداوند عالم نے بدزبانوں پر جنّت حرام کردی ہے۔ بدخلقی بدبختی کی علامت ہے۔

(۲۴) جب کسی کام کا ارادہ کرو، اس کے نتائج سوچ لو۔ اگر اچھا ہے تو اقدام کرو، ورنہ اجتناب کرو۔

(۲۵) صبر اور نیکی، بردباری اور خوش اخلاقی پیغمبروں کی سیرت ہے۔

آپؑ کے دورِ امامت میں خلفائے وقت کا کردار

امام حسن عسکریؑ کی مختصر المیعاد حیات مقدّسہ کے دور میں چھ عباسی خلفاء برسر اقتدار آئے، اور ان سب خلفاء کا دور داخلی انقلابات اور سیاسی صورتِ حال کے لحاظ سے روز بروز اور یکے بعد دیگرے زیادہ

بھیانک اور زیادہ تاریک ہوتا گیا جن کے نام اس طرح ہیں۔

(۱) متوکلؔ، (۲) معتزؔ (۳) مستعینؔ (۴) منتصرؔ (۵) مہتدیؔ (۶) معتمدؔ۔ اس آخری حاکم وقت کی حکومت (۲۳ سال عباسی خلافت میں سب سے طولانی تھی۔) مورخ اس شخص کے دور کے وحشیانہ قتل اور خونریزیوں کے واقعات سے حیرت وتعجب میں ہیں۔ چنانچہ مورخ مسعودیؔ نے ''مروج الذہب'' میں اس (معتمد) کے دورِ حکومت میں مقتولین کی تعداد کا تخمینہ پانچ لاکھ افراد سے زیادہ کا لگایا ہے۔

امام حسن عسکریؑ اپنے پدرِ بزرگوار کی رحلت اور خود امامت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد عمال حکومت کے شدید دباؤ اور سخت گیریوں کی وجہ سے تقریباً چھ سال تک خانہ نشین و گوشہ گیر رہے۔ اس دباؤ اور سخت گیری کا خاص سبب یہ تھا کہ اس زمانہ میں اہل بیت طاہرینؑ کے عقیدت مندوں کی کثرت وطاقت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ یہ لوگ حکومتِ وقت کے لئے خطرہ کا نشان بن گئے تھے اور حکومت کے وجود کو ہدف تہدید بنائے ہوئے تھے۔ دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ پیغمبر خدا محمد مصطفیؐ کی یہ حدیث تھی کہ ''میرے بعد بارہ جانشین ہوں گے اور ان میں سے آخری مہدی آخرالزمان اور قائم آلِ محمدؐ ہوگا۔ یہ حدیث برابر متواتر طریقہ سے عالم اسلام میں گردش کرتی رہی تھی۔

اسی خاص مذہبی سبب کی بناء پر ہمارے گیارہوں امامؑ دوسرے آئمہؑ سے کہیں زیادہ ذمہ دارانہ حکومت کے زیرِنگرانی رکھے گئے اور خلیفۂ وقت نے بزعم خود پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ جس طرح اور جس ترکیب سے ممکن ہو، شیعوں کے سلسلہ امامت وولایت کا خاتمہ کردے۔ اس طرح کہ ان کا کوئی جانشین دنیا میں موجود نہ ہو۔ امام حسن عسکریؑ کے لئے صرف نظر بندی پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ آپؑ کے لئے اپنے گھربار سے الگ قید تنہائی کو ضروری سمجھا گیا۔ لیکن قدرتی انتظام کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اس وقفے میں سیاسی انقلابات پیدا ہوتے گئے، حاکم وقت بدلتے گئے جس کے سبب ہر حاکم وقت کے بعد رہائی ملتی تھی پھر دوسرے حاکم کے آنے کے بعد پھر قیدِ تنہائی ہو جاتی تھی۔ اس طرح آپ کی مختصر زندگی کا بیشتر حصّہ قید بندہی میں گزرا۔

معتمد عباسی کا دورِ خلافت

امام حسن عسکریؑ کو سب سے زیادہ حاکم وقت معتمد عباسی نے پریشان کیا۔ اگرچہ وہ مثل دیگر ظالم

سلاطین کے آپؑ کے مرتبہ اور حقانیت سے خوب واقف تھا پھر بھی اس کی غاصب حکومت کے دستورات کی پیروی نہ کرنے کے نتیجہ میں آپ کئی بار زندان میں ڈالے گئے اور بدخصلتوں اور جلاّدوں کے مظالم کا نشانہ بنائے گئے۔

اس سلسلے کے خلفاء جن کی حکومت کے دستور کی نبیاد جنگ وجدل اور مرعوب وستم دیدہ لوگوں کی تاراجی ولوٹ مار پر مبنی تھی، صرف ایک بات پر متحد النظر تھے اور وہ صحیح واصلی اسلام کے محور سے اسلامی حکومت کو منحرف کرنا اور خاندان رسالت کے مقابلہ میں محاذ آرائی کرنا تھا، اموی حکمرانوں اور عباسی ظالم وستمگر خلفاء کے درمیان صرف اس ایک نکتہ میں اتفاق تھا کہ یہ چاہتے تھے کہ اپنے سیاسی مداخلت اور حکومتی امور کو مذہبی رنگ دیں، اور اسی بنا پر یہ لوگ پوری کوشش کرتے تھے کہ اپنی حکومت کے فائدے کے لئے مذہبی عوامل اور دینی امکانات سے مدد حاصل کریں۔ یہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ محض سیاسی حکمراں کی حیثیت سے پہچانے جائیں، بلکہ یہ اس امر کے مشتاق تھے کہ عین حکمرانی کی حالت میں ظاہری اعتبار سے دینی وجاہت اور مذہبی اعتبار کے بھی حامل سمجھے جائیں تاکہ اس وسیلہ سے عمومی افکار کے گہرے اور قلبی احترام سے بھی مستفید ہوں، اور اسی اصل خواہش کی بناء پر یہ لوگ اپنے خلاف واقعیت کاموں کے لئے اکثر مواقع پر فریب دینے والی دینی توجیہات سے کام لیتے اور مذہبی پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے تھے اور یہی سبب تھا کہ خاندان رسالت وعترت میں سے بعض افراد کو حکومتی مراکز سے نزدیک ہونے کی دعوت کیا کرتے تھے۔

امام حسن عسکریؑ سے متعمد عباسی وقت وقت پر صلاح ومشورہ کرتا تھا جب مجلس میں علماء کی طرف سے کوئی فقہی وعلمی مسئلہ درپیش ہوتا اور سب اس کے حل کرنے میں ناکامیاب ہوتے تو امامؑ کو ہی بلایا جاتا۔ چنانچہ ایک بار قحط کے پڑ جانے سے ملک میں مسلمان پریشان ہوگئے تھے، تو ایک عیسائی راہب کے دعوے کے ساتھ پانی برسنے کی وجہ سے مسلمانوں کے ایمان پلٹنے لگے۔ لوگ عیسائیت کی طرف دوڑنے لگے تو مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے متعمد نے امام حسن عسکریؑ کو قید خانہ سے باہر بلوایا اور آپؑ نے مسلمانوں کے شکوک کو دور کرکے انہیں اسلام کے جادہ پر قائم رکھا اس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ اب معتمد کو آپ کے پھر اسی قید خانے میں واپس کرنے میں خجالت دامن گیر ہوئی۔ اس لئے آپ کی قید کو آپ کے گھر میں نظر بندی کے ساتھ تبدیل کردیا مگر آزادی پھر بھی نصیب نہ ہوسکی۔

امام حسن عسکریؑ پر اتنی شدید پابندیاں عائد تھیں کہ علوم اہلبیتؑ کے طلبگاروں اور شریعت جعفری کے مسائل دریافت کرنے والوں کا آپ تک پہنچنا کسی صورت سے ممکن نہ تھا۔ اس لئے حضرت نے اپنے زمانہ میں یہ انتظام کیا کہ ایسے افراد جو امانت و دیانت نیز علمی وفقہی بصیرت کے اس درجہ پر تھے کہ امام کے محل اعتماد ہوسکیں، انہیں اپنی جانب سے آپ نے نائب مقرر کردیا تھا۔ یہ حضرات جہاں تک کہ خود اپنے واقفیت کے حدود میں دیکھتے تھے، اس حد تک مسائل خود ہی بتادیتے تھے۔ وہ اہم مسائل جو ان کی دسترس سے باہر ہوتے تھے، انہیں اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے اور کسی مناسب موقع پر امام کی خدمت میں رسائی حاصل کر کے ان کو حل کرالیتے تھے کیونکہ ایک شخص کا کبھی کبھی امام سے ملاقات کو آجانا حکومت کے لئے اتنا ناقابل برداشت نہیں ہوسکتا تھا جتنا کہ عوام کی جماعتوں کا مختلف اوقات میں حضرت تک پہنچنا ہوسکتا تھا اس طرح امامؑ اسلام کا تبلیغی عمل جاری رکھے ہوئے تھے۔

دوسرے حکومت الٰہیہ کے نمائندے خمس و ہدیہ کی رقم ہمیشہ ائمہ معصومین کی خدمت میں پہنچاتے تھے۔ وہ ان بزرگوار کی نگرانی میں پہنچنے لگا جو بحکم امامؑ دینی امور کے انصرام اور سادات کی تنظیم و پرورش میں صرف ہوتا رہا۔ اس رقم کو بڑی رازداری کے ساتھ حاصل کرتے تھے کہ کسی کی نظر میں نہ آنے پائیں۔ یہ ان کے امتحان کی بڑی سخت منزل تھی۔ ان کو ہر وقت سلطنتِ وقت کے جاسوسوں کی سراغ رسانی کا اندیشہ رہتا تھا۔ اسی لئے عثمان بن سعید اور ان کے بیٹے ابوجعفر محمد بن عثمان نے جو امام حسن عسکریؑ کے ممتاز نائب تھے اور عین دارالسلطنت بغداد میں مقیم تھے، اپنے پاس متعلقہ افراد کی آمدورفت کو حق بجانب قرار دینے کے لئے ایک بڑی دوکان روغنیات کی کھول لی تھی۔ اس طرح حکومتِ جور کے شدید شکنجۂ ظلم کے اندر بھی حکومت الٰہیہ کا آئینی نظام چل رہا تھا اور حکومت کی نظر میں بھی نہ تھا۔

آپؑ کی ازواج واولاد

حضرت امام حسن عسکریؑ کی کچھ کنیزیں تھیں اور زوجہ جناب نرجس خاتون تھیں جو امام قائم آلِ محمّد کی والدہ تھیں۔ آپ کے صرف یہی ایک فرزند ہیں جو پردۂ غائب میں پوشیدہ ہیں۔

حضرت امام علی النقی علیہ السلام نے اپنے فرزند امام حسن عسکری کی شادی جناب نرجس خاتون سے

کردی جو قیصر روم کی پوتی اور شمعون وصی عیسیٰ کی نسل سے تھیں۔(۱)

امام حسن عسکریؑ کی شہادت

آپؑ کی شہادت ۸/ربیع الاوّل ۲۶۰ھ میں ہوئی اور اپنے والد بزرگوار کی قبر مبارک کے پاس سامرہ میں مدفون ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر اٹھائیس، ۲۸ برس تھی آپؑ کے واحد فرزند ''حضرت قائم منتظر'' نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی شہادت کے سلسلے میں لوگوں کی مختلف رائے پائی جاتی ہے جس کا مختصراً ذکر مندرجہ ذیل ہے۔

جس وقت معتمد عباسی نے امام حسن عسکریؑ کی طرف لوگوں کی قلبی محبت وعقیدت اور میلان کا احساس کیا اور یقین کرلیا کہ ان کا بڑھتا ہوا روحانی اقتدار اور علمی مرجعیت کی جڑوں کو لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں سے اکھیڑا نہیں جا سکتا۔ اس لئے وہ حضرت کے وجود کو اپنی حکومت کے زوال کے لئے خطرہ کی گھنٹی تصوّر کرنے لگا، اور اس نے اپنی تمام کوشش آپ کے فیض وجود کے ختم کرنے کی فکر میں صرف کردی۔

آخر کار اس کی فکر کا نتیجہ اس مرحلہ پر طے ہوا کہ ان حضرت کو مسموم کرے اور لوگوں کو خاموش رکھنے اور شیعیان وعقیدت منداہلبیت کو مغالطہ میں مبتلا رکھنے کے لئے امام کو زہر دلوایا۔ پھر طبیبوں کو حضرت کا علاج کرنے کے لئے بھیجا، اور خود بھی کئی بار حضرت کی عیادت اور احوال پرسی کے لئے حاضر ہوا۔ لیکن زہر حضرت کے جسم اقدس میں اپنا کام کرتا رہا۔

جس وقت امام کی علالت و بیماری کی خبر عام ہوئی تو معتمد خلیفہ عباسی نے حکومت وقت کے وزیر عبیداللہ بن خاقان کو حکم دیا کہ خلیفہ کے خاص اور قریبی لوگوں میں سے پانچ افراد کو ساتھ لے کر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوں اور خاندان امامت کی خبروں اور اندرونی حالات وکیفیت کو تحت نظر اپنے کنڑول میں رکھیں۔ اس کے علاوہ کئی نفر اطباء اور معالجوں کو حکم دیا کہ امامؑ کے مزاج کی کیفیت کو مسلسل زیر نظر رکھیں اور ساتھ ہی خانہ امامؑ کے اندرونی حالات سے پوری طرح باخبر رہنے کی کوشش کریں، اس واقعہ کو ابھی دو روز بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ یہ خبر ملی کہ امامؑ کا مزاج ضعف ونقاہت کی طرف مائل ہے، طبیبوں کو تاکیدی حکم دیا گیا کہ خبردار امام کے گھر

(۱) جلاء العیون، ص/ ۲۹۸۔ چودہ ستارے، ص/ ۵۳۶

سے ہرگز نہ ہٹیں، اور شہر کے ''قاضی القضاۃ'' سے یہ خواہش کی گئی کہ قاضیوں میں سے دس افراد کو منتخب کرے اور ان سب کو لے کر امام کی خدمت میں جائے اور وہاں قیام کریں، چنانچہ وہ سب امام کی رحلت کے وقت تک خانہ امام میں موجود رہے۔ جس روز امام نے رحلت فرمائی تمام ''شہر سامرہ'' نالہ وشیون کا ایک خطہ بن گیا تھا، بازار بند ہو گئے تھے۔ کام کرنے والوں نے اپنے کاموں کو معطل کر دیا اور عام طور پر تمام طبقات کے لوگ امامؑ کے غم میں سوگوار تھے، گریہ وزاری ونالہ وفریاد کے ساتھ امام کے جنازۂ مطہرہ کی تشیع میں حاضر ہوئے۔

اس مستند بیان سے جس کو اکثر مورخین اور سیرت نویسوں نے قلمبند کیا ہے، پتہ چلتا ہے کہ معتمد کے ذریعہ ان نمائشی تدبیروں سے اپنے عمل کو چھپانا تھا۔

امام کے مخصوص خادم خبر دیتے ہیں

نمائندۂ خلیفہ کے ذریعہ امام کی نماز جنازہ میں پہنچنے کی بات جو اوپر لکھی گئی ہے وہ مورخین شیعوں کی ایک جماعت مثل جناب شیخ مفیدؒ اور دوسرے علماء کی روایت ہے جو وہ اپنی معتبر سندوں سے نقل کرتے ہیں:

''مروّج الذہب'' میں ہے کہ حضرت ابو محمّد امام حسن عسکریؑ نے عہد خلافت معتمد میں ۲۶۰ھ میں وفات پائی اور اس وقت آپؑ کی عمر ۲۹ سال تھی۔ فرقۂ قطعیہ یعنی جمہور شیعہ کے نزدیک آپ بارہویں امام حضرت امام مہدی منتظر کے والدِ گرامی ہیں۔

امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد ان لوگوں میں حضرت امام منتظر کے متعلق اختلاف ہوا اور یہ بیس فرقوں میں بکھر گئے۔ ان کے کچھ فرقوں کے خیالات میں حسب ذیل لکھ رہی ہوں۔

(۱) ایک فرقے نے امامؑ کی وفات سے انکار کیا اور کہا کہ وہ غائب ہیں اور وہی قائم منتظر ہیں۔

(۲) دوسرے فرقے نے آپ کی موت کو اقرار کیا، مگر ان کا خیال ہے کہ وہ از سرِ نو زندہ ہوں گے اور وہی امام منتظر ہیں۔

(۳) تیسرا فرقہ اس عقیدہ پر متفق ہے کہ حضرت امام حسن عسکریؑ پر آل محمدؐ کی امامت کا سلسلہ منقطع ہو گیا، اب امّت کے لئے مرجع اہلبیتؑ کی صرف روایات ہیں۔

(۴) چوتھے فرقے کا خیال ہے کہ حضرت امام علی النقیؑ کی مبینہ وصیّت کے مطابق آپؑ کے بعد عہدۂ

امامت آپؑ کے بھائی جعفر کا حق ہے۔

(۵) پانچواں فرقہ بھی جعفر ہی کی امامت کا قائل ہے مگر بر بنائے وصیّت حضرت امام حسن عسکریؑ ہے۔

(۶) چھٹا فرقہ کہتا ہے حضرت امام حسن عسکریؑ کے بعد آپؑ کے صاحبزادے علیؑ امام ہیں اور وہی مہدی منتظر ہیں۔ ان میں اور قطیعہ امامیہ کے درمیان لفظی اختلاف ہے یعنی یہ کہتے ہیں کہ ان کا نام علی ہے اور امامیہ کہتے ہیں کہ ان کا نام ''م ح م دؔ'' ہے۔

(۵) ساتواں فرقہ حضرت امام حسن عسکریؑ ہی کو امام نہیں تسلیم کرتا، وہ کہتا ہے کہ امام وہی ہوگا جس کے کوئی فرزند ہو، تا کہ اپنے باپ کی حیات تک وہ امام صامت رہے اور اس کے بعد امام ناطق، اور امام حسن عسکریؑ کے بظاہر کوئی اولاد ہی نہیں ہوئی، پھر وہ کیسے امام ہو سکتے ہیں؟ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ امام حسن عسکریؑ کے بھائی محمد بن علی النّقیؑ نے اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے غلام نفیس کو ہدایت کی کہ یہی خاندانی کتابیں، یہ خاندانی اسلحے جعفر بن علی کو دے دو۔ یہ بات ان کے اور ان کے والد امام علی النّقیؑ کے درمیان طے ہو چکی تھی۔ اس لیے جعفر بن علیؑ اپنے والد حضرت امام علی النّقیؑ کے بعد امام ہوئے۔

(۸) آٹھواں فرقہ وہ ہے جو ریب وشک میں مبتلا ہے، اس کو نہیں معلوم کہ حضرت امام حسن عسکریؑ کے انتقال کے بعد امامت ان کے صلب میں ہے یا ان کے بھائی جعفر بن علی اور ان کی اولاد کے حصّے میں ہے، اس لئے وہ حضرت امام حسن عسکریؑ پر توقف کرتے ہیں۔ آگے کے لئے کچھ نہیں کہتے۔ ان کے علاوہ اور بھی اسی طرح کے فرقے ہیں۔ ''ابو غانم'' سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام ابومحمّد حسن عسکریؑ کو فرماتے ہوئے سنا، آپؑ نے فرمایا کہ ۲۶۰ھ میں ہمارے شیعوں میں افتراق پیدا ہوگا۔(۱)

(ابوالادیان) بیان کرتے ہیں جو امام حسن عسکریؑ کے مخصوص خدمت گذار تھے کہ ''مجھے امام حسن عسکریؑ کی پر افتخار خدمت گذاری کا شرف حاصل تھا، آنحضرتؑ کے خطوط، پیغامات اور سفارشات کو میں حضرت کے دوستوں اور شیعوں کو شہروں اور دوسری آبادیوں میں پہنچایا کرتا تھا۔ جس بیماری میں حضرت نے

---

(۱) بحارالانوار، جلد/ ۹، ص/ ۳۳۸۔۳۳۹

دنیا سے رحلت فرمائی، میں حضرت کی خدمت میں مشرّف ہوا۔امام نے جوخطوط تحریر فرمائے تھے، مجھے عنایت فرمائے اور حکم دیا کہ ''انھیں میں'' مداین'' پہنچاؤں اور فرمایا کہ تمہاری اس مسافرت میں پندرہ روز صرف ہوں گے جس وقت تم سرمن رائے میں واپس آؤ گے، تو تم گریہ وزاری ونالہ وفریاد کی آوازوں سے دو چار ہوگے ۔ میں نے عرض کیا کہ اس وقت میری تکلیف کیا ہوگی اور خطوط کے جوابات کے بارے میں کیا ہوگا؟ فرمایا کہ جوشخص تم سے ان خطوط کے جوابات کا طالب ہو، وہی میرا وصی و جانشین ہے، میں نے عرض کیا کہ از راہ کرم کچھ اور وضاحت فرمائیں۔

فرمایا کہ جوشخص مجھ پر نماز پڑھے گا وہی میرا جانشین ہے، میں نے عرض کیا: کچھ اور وضاحت فرمائیں۔فرمایا کہ جوشخص ہمیانی کے اندر کے مال اوراس کی مقدار بتائے، وہی میرا جانشین ہے۔امام کے رعب وعظمت نے مجھے کچھ اور سوال کرنے کی اجازت نہیں دی۔

میں نے خطوں کو مدائن پہنچایا اوران کے جوابات حاصل کئے۔ پندرھواں دن تھا جب میں سامرا واپس پہنچا۔ جب میں شہر میں وارد ہوا تو دیکھا کہ شہر گریہ وزاری ونالہ وشیون سے معمور ہے۔میری نظر امامؑ کے بھائی جعفر پر پڑی جو گھر کے دروازہ پر کھڑے ہیں اور کچھ لوگ انہیں گھیرے ہوئے ہیں اور انہیں بھائی کی وفات پر تسلّی وتعزیت دے رہے ہیں اور بہ عنوان ''امامت'' انہیں تہنیت ومبارکباد دے رہے ہیں۔میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ شخص لوگوں کا امام وپیشوا ہے، تو امامت کا حشر معلوم ہے، کیونکہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے بارہا اس کو اعیان واشراف شہر کے محلوں میں مشغول تفریح وعیاشی کرتے دیکھا ہے۔میں آگے بڑھا اور اسے تسلّی دی اور پھر اس سے اور زیادہ نزدیک ہوگیا لیکن اس نے میرے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا، اسی لمحہ میں نے دیکھا کہ امام کے دوسرے خادم ''عقید'' گھر سے باہر آئے اور جعفر کی طرف رخ کرکے کہا کہ ''جنازہ تیار ہے۔آپ نماز پڑھ سکتے ہیں۔'' جعفر اوران کے گرد جو لوگ تھے سب جنازہ کے پاس آئے۔جعفر نماز پڑھنے کے لئے آگے بڑھے اور چاہتے تھے کہ تکبیر کہیں کہ اچانک ایک صاحبزادے گھر سے باہر آئے اور جعفر کی عبا کا دامن پکڑ کر کھینچا اور فرمایا: ''چچا! پیچھے ہٹ جایئے۔میں اپنے پدر بزرگوار کے جنازہ پر نماز پڑھنے کا زیادہ حقدار ہوں۔'' جعفر پیچھے ہٹ گئے اوران صاحبزادے نے نماز پڑھی۔اس کے بعد لوگ جنازہ کو امامؑ کے پدر

بزرگوار ''امام ہادیؑ'' کی قبر کے پاس لائے اوراس کے پہلو میں دفن کر دیا۔

اس کے بعد میری طرف رخ کر کے فرمایا۔ بصری! خطوں کے جوابات مجھے دو۔''

میں نے اپنے دل میں کہا، یہ دوسری علامت ہے۔اب صرف ایک ابہامی نکتہ باقی رہ گیا ہے اور وہ تیسری نشانی، حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ یہ بچہ کون تھا؟ جعفر نے کہا: ''میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا ہے اور نہ اسے پہچانتا ہوں۔'' میں اپنی مشکل حل ہونے کا منتظر تھا، وہ بھی اس طرح حل ہوگئی کہ سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے، ناگاہ شیعیان قم میں سے کچھ لوگ وارد ہوئے اور امام حسن عسکریؑ سے متعلق دریافت کیا، جب ان کو حضرت کی رحلت کی خبر دی گئی تو وہ لوگ بیحد متاثر اور غمگین ہوئے پھر پوچھا کہ اب ہماری ذمہ داری کیا ہے اور ہمیں کس کی طرف رجوع کرنا چاہئے؟ کچھ لوگوں نے جعفر کی طرف اشارہ کیا، ان لوگوں نے جعفر کو سلام کیا اور تسلی دی۔ پھر یہ ظاہر کیا کہ ہمارے پاس کچھ خطوط اور کچھ مال ہے، مہربانی فرما کر بتایئے کہ وہ خطوط کس کے ہیں؟ اور مال کی مقدار کیا ہے؟ جعفر کھڑے ہوگئے اور اپنے لباس کو حرکت دیتے اور یہ کہتے ہوئے مجلس سے باہر نکل گئے کہ: لوگ ہم سے غیب کا بھی مطالبہ کرتے ہیں۔ عقید کہتے ہیں کہ میں نے انہی حساس لمحات میں امام عصرؑ کی طرف سے ان لوگوں کو خطوط لکھنے والوں کے نام اور ہمیانی کے اندر جو رقم تھی اس کی مقدار بتائی گئی۔ امام نے مزید یہ اضافہ فرمایا کہ کل رقم ایک ہزار دینار اشرفی ہے جس میں سے دس دینار کھوٹے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ وہی ہمارے امام و پیشوا ہیں۔

امام حسن عسکریؑ کی شہادت کے سلسلے میں دو روایتیں پیش کی گئی ہیں۔ علماء کا کہنا ہے کہ امام عالی مقام کی رحلت اوّل صبح بعد نماز واقع ہوئی ہوگی اور امام کے فرزند معصوم کی نماز گذاری گھر کے اندر اور مخصوص دوستوں اور عقیدت مندوں کے ماحول اور امام معصوم کے ظہور کے منتظرین اور شیعوں کے مجمع میں عمل میں آئی ہوگی۔ اس کے بعد اس زمانہ کے معمول و دستور کے مطابق کہ وقت کی حکومتیں ایسے موقع پر عمل کی منزل میں دخیل ہوتی تھیں، مخصوص جگہ پر خلیفہ کے اعوان وعمال کے شرکت کے ساتھ نماز جنازہ عمل میں آئی ہوگی اور خلیفہ کی طرف سے معین آدمی ''عیسی بن متوکل عباسی'' نے امام کے جنازہ پر دوبارہ نماز پڑھی ہوگی۔ یہ بات ارشاد شیخ مفیدؒ اور بحارالانوار اور تاریخ وحدیث شیعہ کی دوسری کتابوں میں نیز مورخین اہلسنّت کی کتابوں میں

بیان ہوئی روایتوں سے ظاہر ہوتی ہے، خداوند متعال وقائع وحوادث کے بارے میں سب سے زیادہ آگاہ ودانا ہے۔

علامہ مجلسیؒ اور دوسرے علماء نقل کرتے ہیں کہ امام حسن عسکریؑ کی رحلت ۲۶۰ھ میں نماز صبح کے وقت واقع ہوئی، امام نے اس شب میں جس کی صبح کو رحلت فرمائی ہے، متعدد خطوط اہل مدینہ کو تحریر فرمائے اور اپنے خادم کے ذریعہ انہیں بھیجا، اس وقت امامؑ کی خدمت میں سوائے حسب ذیل چند نفر کے کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔

(۱)''صیقل'' نامی کنیز خاص (۲)''عقید'' نامی مخصوص خادم

(۳) وہ عالی مقام شخصیت جس کے وجود سے لوگ آگاہی و اطلاع نہیں رکھتے تھے (حضرت امام عصرؑ) امام کی کنیز کا بیان ہے کہ ہم نے امامؑ کی مخصوص دوا امامؑ کی خدمت میں پیش کیا تا کہ حضرت نوش فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے پانی لاؤ تا کہ وضو کروں۔ پانی لایا گیا اور امامؑ نے ایک رومال اپنے دامن پر پھیلایا اور وضو کیا، اور نماز صبح ادا فرمائی۔ پھر اپنی مخصوص دوا دست مبارک میں لی تا کہ نوش فرمائیں، لیکن شدت علالت وضعف ونقاہت کی وجہ سے دست مبارک میں لرزش ہو رہی تھی اور دوا کا پیالہ لب اقدس سے ٹکراتا تھا اور آپ کے اندر اسے سنبھالنے کی طاقت نہیں تھی میں نے پیالہ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا تا کہ دوا پینے میں حضرت کی مدد کروں کہ اچانک اسی لمحہ حضرت کی مقدس روح عالم قدس وملکوت کی جانب پرواز کر گئی۔(۱)

امام علی نقیؑ کے فرزند جعفر کا امامت کے عہدہ کیلئے بے فائدہ کوشش کرنا

امام حسن عسکریؑ نے اپنے بعد اپنے فرزند قائمؑ المنتظر کو حکومتِ حق کے لیے چھوڑا۔ امامِ قائمؑ المنتظر کی ولادت اور ان کے معاملات کو پوشیدہ رکھا گیا، اس لئے کہ زمانہ بہت سخت آ گیا تھا۔ بادشاہِ وقت کو آپؑ کی بڑی شدّت سے تلاش تھی۔ وہ آپؑ کے معاملے کو معلوم کرنے کی شدید جدو جہد کر رہا تھا۔ کیونکہ مذہبِ شیعہ میں آپؑ کے متعلق بہت سی روایات مشہور تھیں اور وہ لوگ آپؑ کے انتظار میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس لئے حضرت امام حسن عسکریؑ نے اپنی زندگی بھر ان کی ولادت کو پوشیدہ رکھا اور آپؑ کی وفات کے بعد بھی یہ امر عوام سے پوشیدہ ہی رہا۔

---

(۱) اہل بیت اطہارؑ کی مختصر سوانح حیات، طبع ایران، ص/ ۲۵۶، ۲۶۱ کشف الغمہ اردبلی، ص/۲۸۲۔۲۹۱، جلاء العیون ص/ ۵۷۹، بحارالانوار، جلد ۱۲، ص/ ۷۷، ارشاد شیخ مفید، ص/ ۳۲۰، تاریخ عسکرین، جلد۲، ص/ ۱۰۹، جلاء العیون مجلسی ص/ ۵۷۷، بحارالانوار مجلسی، چاپ آخوندی

پھر جعفر بن امام علی النقیؑ اپنے بھائی حضرت امام حسن عسکریؑ کے تمام ترکے پر قابض ہو گیا۔ ان کی ساری کنیزوں کو محبوس کرنے کی اور ان کے حلائل پر بندش لگانے کی سعی کی اور ان کے اصحاب پر جو ان کے فرزند جناب (امام عصرؑ) کے انتظار میں تھے اور ان کے وجود اور ان کی امامت کا قطعی یقین رکھتے تھے، طعن و تشنیع کئے، ان کے خلاف قوم کو بھڑکایا، انھیں ڈرایا، دھمکایا اور اس کی پاداش میں انھیں قید و بند، تہدید و تحقیر، استخفا و تذلیل، غرض ہر طرح کے مصائب برداشت کرنے پڑے، مگر وہ لوگ اپنے اس اعتقاد سے باز نہ آئے اور بادشاہِ وقت ان کو اس سے روکنے میں قطعی ناکام رہا۔

جعفر بن امام علی نقیؑ نے اپنے بھائی کے ظاہری ترکے پر قبضہ کرنے کے بعد بڑی کوشش کی کہ ان کی جگہ اب امام مجھے تسلیم کر لیا جائے، مگر اس کی امامت کسی نے قبول نہ کی۔ جب اس کی امامت کا کوئی معتقد نہ ہو سکا تو مجبوراً سلطانِ وقت کے پاس پہنچا اور اس سے درخواست کی کہ میرے بھائی کے بعد آپ مجھے ان کا عہدۂ امامت سپرد کر دیں۔

اس کام کے لئے اس نے بڑی بڑی رقمیں خرچ کیں۔ جن لوگوں کے لئے گمان ہوا کہ یہ سلطان کے مقرّبین میں سے ہیں، انہیں ہموار کرنے کی کوشش کی۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔

جعفر بن امام علی نقیؑ کے متعلق اس قسم کی بہت سی روایات ہیں جن کی تفصیل یہ کتاب برداشت نہ کر سکے گی، اس لئے چھوڑتی ہوں، امام علی نقیؑ کے بیٹے جعفر کیلئے ایسی روایتیں ملتی ہیں۔ انہی کی بنیاد پر انہیں جعفر کذاب کہا گیا، لیکن بعد میں ان کے رویہ میں تبدیلی بھی آئی جس سے انہیں جعفر تواب کہا جانے لگا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ ان کا امامت کا دعویٰ امام عصرؑ کی حفاظت کی غرض سے تھا تاکہ حکومت امامؑ کی تلاش کی زیادہ کوشش نہ کرے اور ساری آئی گئی ان پر آ جائے۔ اگر یہ بات ہے تو ان کا کردار واقعی قابل تعریف ہے، ان کی کردار کشی کی روایتیں یعنی اہلبیتؑ رسالت کے طاہر و مطہر گھرانے کے دشمنوں کی گڑھی ہو سکتی ہیں۔ ایک بات یہ بھی سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ امام کا بیٹا اور ایک امام کا بھائی اتنا بے راہ رو ہو سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔(۱)

---

(۱) ارشاد شیخ مفیدؒ ص/ ۳۲۵۔ بحار الانوار، جلد ۹، ص/ ۳۳۲

امام حسن عسکریؑ کی اخلاقی فضیلت

آپؑ انوارِ معصومین کی کڑی کی تیرہویں مخصوص فرد تھے جس کی ہر فرد انسانی کمالات کے جواہر سے مرصّع تھی۔ اسی طرح آپ بھی علم وحلم، عفو وکرم، سخاوت وایثار سب ہی اوصاف کے مالک تھے۔ عبادت کا یہ عالم تھا کہ اس زمانہ میں بھی جب آپ سخت قید میں تھے، دن بھر روزہ رکھتے تھے اور رات بھر نمازیں پڑھتے تھے۔ سوا ذکر الٰہی کے کسی سے کوئی کلام نہیں فرماتے تھے۔ اگرچہ آپ کو اپنے گھر پر آزادی سے رہنے کا موقع بہت کم ملا، جب تک رہے دور دراز سے لوگ آپ کے فیض وعطا کے تذکرے سن کر آتے تھے اور بامراد واپس جاتے تھے۔ پیش ہیں اخلاقی فضیلت کی کچھ مثالیں۔

ا۔ آپؑ دشمن کو بھی دوست بنا لیتے تھے

محمد بن اسماعیل علوی سے روایت ہے کہ علی بن اوتاش جو ایک شدید دشمنِ آلِ محمدؐ تھا اور آلِ ابوطالب پر تشدّد کیا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت ابومحمد امام حسن عسکریؑ اس کے پاس بیٹھے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ ابھی آپؑ ایک ہی دن بیٹھے تھے کہ اس کی گردن آپؑ کی عظمت وجلالتِ قدر کے سامنے جھک گئی، آپؑ کے سامنے اس کی نگاہ نہ اٹھتی تھی۔ جب آپ اس کے پاس سے اٹھے، تو وہ بہترین صاحب بصیرت بن چکا تھا اور آپ کی مدح سرائی کر رہا تھا۔(۱)

۲۔ آپؑ نے ایک مردِ ہمدانی کے آنے کا مقصد بتایا

ابوالقاسم علی بن راشد سے روایت ہے کہ ایک شخص علویوں میں سے طلب معاش کے لیے سرّ من رائے سے بلادِ جبل کی طرف چلا۔ راستے میں ایک مردِ ہمدانی سے ملاقات ہوگئی۔

اس نے پوچھا: کہاں سے آرہے ہو؟ مرد علوی نے کہا: سرّ من رائے سے آرہا ہوں۔

اس نے پوچھا: فلاں گلی کا دروازہ فلاں جگہ ہے، تم پہچانتے ہو؟ مرد علوی نے کہا: جی ہاں۔

اس نے کہا: تمہیں حضرت حسنؑ بن علی کا بھی کچھ حال معلوم ہے؟ مرد علوی نے کہا: جی نہیں۔

---

(۱) اعلام الوریٰ، ص ۳۵۹۔ الارشاد مفیدؒ، ص/ ۲۲۶

اس نے کہا: تم کہاں جارہے ہو؟ مردعلوی نے کہا: بلادِ جبل کا ارادہ ہے۔

''بلادِ جبل کیوں جارہے ہو؟'' مردعلوی نے کہا: روزی کمانے کے لئے۔

اس نے کہا: اچھا تو میں تم کو پچاس دینار دیتا ہوں یہ لو اور پلٹ چلو، مجھے حضرت تک پہنچا دو۔

مردعلوی نے کہا: بہتر ہے وہ اس ہمدانی کے ساتھ سرمن رائے پہنچا۔ اذن باریابی چاہی۔ اذن مل گیا۔ دونوں بیت الشرف میں داخل ہوئے۔ حضرت حسن عسکریؑ صحن خانہ میں تشریف فرما تھے۔

آپؑ نے فرمایا: تم فلاں ابن فلاں ہو؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں۔

آپؑ نے فرمایا: تمہارے والد نے تمہیں میرے لئے وصیّت کی تھی: تم اس وصیّت کو پورا کرنے کے لئے آئے ہو۔ تمہارے پاس چار ہزار دینار ہیں۔ وہ مجھے دو۔

اس نے عرض کیا: جی ہاں۔ یہ کہہ کر اس نے وہ رقم آپؑ کے سامنے رکھ دی۔

پھر آپؑ اس مردعلوی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم طلب معاش کے لئے بلادِ جبل جارہے تھے۔ اس ہمدانی نے تمہیں پچاس دینار دیئے، تم اس کے ساتھ واپس آئے۔ اب ہم تم کو پچاس دینار اور دیتے ہیں۔

یہ فرما کر آپؑ نے اس مردعلوی کو پچاس دینار عطا فرمائے۔(۱)

۳۔آپؑ نے اپنے آئمہ کی طرح میراث کے بارے میں بتایا

ابوہاشم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ فہفکی نے امامؑ سے دریافت کیا: کیا وجہ ہے کہ عورت غریب ومسکین کو ایک حصہ (میراث سے) ملتا ہے اور مرد کو دو حصّے؟

آپؑ نے فرمایا: اس لئے کہ عورت پر نہ جہاد فرض ہے، نہ اس کا نان ونفقہ اس کے ذمّے ہے۔ یہ ذمہ داریاں مردوں پر ہیں۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہی سوال تو ابوالعوجاء نے بھی امام جعفر صادقؑ سے کیا تھا اور آپؑ نے بھی اس کا یہی جواب دیا تھا۔

میرے ذہن میں یہ بات آتے ہی، آپؑ میری طرف متوجّہ ہوئے اور فرمایا: ہاں ٹھیک ہے، یہی سوال

---

(۱) کشف الغمّہ، جلد۳، ص/ ۳۰۷

ابوالعوجاء نے بھی کیا تھااور جب سوال کا مفہوم ایک ہوتو جواب بھی ایک ہی ہوگا۔ سنو جو بات ہمارے اوّل کی ہوتی ہے وہی ہمارے آخر کی بھی ہوتی ہے۔ ہمارے اوّل اور آخر علم اور دیگر امور میں برابر ہیں، مگر رسول خداؐ اور جناب امیرالمومنینؑ کو ہم پر بزرگی اور فضیلت حاصل ہے۔(۱)

۴۔آپؑ کا ایک زائر کے ساتھ سلوک

ابوالقاسم حبشی سے روایت ہے کہ میرا دستور تھا کہ ہر سال اوّل شعبان میں عسکر (سامرہ) میں مقامِ مقدس کی زیارت کو جایا کرتا اور نیمۂ شعبان میں زیارتِ قبرِ حسینؑ کیا کرتا تھا۔ ایک سال میں شعبان سے پہلے ہی عسکر پہونچ گیا۔ اور خیال تھا کہ اب حسبِ دستور شعبان میں یہاں کی زیارت کو نہ آسکوں گا۔ مگر جب شعبان آیا تو دل میں کہا کہ ہمیشہ شعبان میں وہاں کی زیارت کی ہے، اسے نہ چھوڑوں گا۔ یہ سوچ کر میں پھر عسکر (سامرہ) روانہ ہوا۔ اس سے پہلے جب عسکر پہنچتا تھا تو رقعہ یا خط سے لوگوں کو مطلع کر دیا کرتا تھا کہ میں آرہا ہوں۔ مگر اس مرتبہ ارادہ کیا کہ صرف زیارت کروں گا اور کسی سے میل ملاقات نہ کروں گا۔ اس لیے جس کے گھر قیام کیا، اس سے کہہ دیا کہ میرے آنے کی کسی کو اطلاع نہ دینا۔ جب میں نے شب کو اس کے یہاں قیام کیا تو گھر کا مالک مسکراتا ہوا دو دینار لے کر آیا۔ اس کو خود حیرت تھی، وہ کہہ رہا تھا کہ حضرت امام حسن عسکریؑ نے یہ دو دینار میرے پاس بھیجے ہیں اور کہلایا ہے کہ یہ حبشی کو دے دو اور کہو، جو اللہ کی اطاعت میں مشغول ہوتا ہے اس کی حاجت برآری اللہ کرتا ہے۔(۲)

۵۔آپؑ نے رات کو سونے کا طریقہ بتایا

محمد بن یحییٰ نے احمد بن اسحاق سے روایت کی ہے کہ ایک بار میں نے امام حسن عسکریؑ سے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان، ایک بات میرے دل میں کھٹک رہی ہے جس کی مجھے بڑی فکر ہے۔ میں نے چاہا کہ آپؑ کے پدر بزرگوار سے دریافت کروں، مگر موقع نہ مل سکا۔

آپؑ نے فرمایا: اے محمد! وہ کیا بات ہے؟

---

(۱) مختار الخرائج ص/ ۲۳۹ (۲) مختار الخرائج ص/ ۲۱۵

میں نے عرض کیا: مولا! آپؑ کے آبائے طاہرینؑ کی یہ روایت ہم تک پہنچی ہے کہ انبیاء کی نیند پشت کے بل (چت) ہوتی ہے، مومنین کی نیند دائیں کروٹ ہوتی ہے، منافقین بائیں کروٹ سوتے ہیں اور شیاطین منھ کے بل سوتے ہیں۔؟

آپؑ نے فرمایا: ہاں! ایسا ہی ہے۔

میں نے عرض کیا: مولا! میں بڑی کوشش کرتا ہوں کہ اپنے داہنے پہلو (کروٹ) پر سوؤں، مگر ممکن نہیں ہوتا، نیند ہی نہیں آتی۔

٦۔ آپؑ کے عمل سے صاعد نصرانی اسلام لایا

محمد بن ہارون سے روایت ہے کہ میرے والد نے مجھے ایک صاحب کے ساتھ ابوالقلا صاعد نصرانی کے پاس بھیجا تا کہ میں اس سے وہ روایت سن لوں جو وہ حضرت امام حسن عسکریؑ کے متعلق بیان کرتا ہے۔ ان صاحب نے مجھے اس تک پہنچا دیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک مردِ بزرگ ہے۔ میں نے اسے اپنے آنے کا مقصد بتایا۔

اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور کہا: ''میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ ہم اور ہمارے بھائی اہل بصرہ کی ایک جماعت کے ہمراہ اپنے یہاں کے عامل کے ظلم کی شکایت کرنے کے لئے سر من رائے گئے۔ اسی اثناء میں ایک دن اتّفاقاً دیکھا کہ حضرت امام حسن عسکریؑ اپنے بقلہ پر سوار چلے آرہے ہیں۔ آپؑ کے سر پر ململ کی ٹوپی اور دوش پر چادر تھی۔

میں نے اپنے دل میں کہا، بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ یہ غیب کی بات جانتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یہ اپنے آگے کی ٹوپی پیچھے کر لیں گے۔

میں نے دل میں کہا، یہ محض اتفاقیہ امر ہے۔ اچھا، یہ اپنے داہنے کاندھے پر پڑی ہوئی چادر کا سرا بائیں جانب اور بائیں جانب کے سرے کو دائیں جانب ڈال لیں، تب جانوں گا کہ انھیں علم غیب ہے۔

آپؑ نے یہ بھی کر دیا اور چلتے رہے۔ جب میرے قریب پہنچے تو فرمایا: اے صاعد! تم بکری کا گوشت کیوں نہیں کھاتے؟ مچھلی کیوں کھاتے ہو؟ وہ پانی کی مخلوق ہے، تم پانی کی مخلوق تو نہیں ہو۔

ہم لوگ اس زمانہ میں مچھلی کھایا کرتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ میرے والد کے الفاظ ہیں کہ میں نے وہی بیان کیا ہے جو میں نے دیکھا اور سنا۔ اس واقعہ کے بعد صاعد اسلام لایا اور معتمد کا وزیر بنا۔(۱)

۷۔ آپؑ نے وعدہ کے مطابق پہنچ کر لوگوں کے مسائل دور کیئے

جعفر بن شریف جرجانی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں حج پر گیا تو سرّ من رائے میں حضرت ابو محمدؑ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ میرے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں نے آپؑ تک پہنچانے کے لئے میرے ساتھ کچھ مال کر دیا تھا۔ میں نے چاہا کہ آپؑ سے دریافت کروں کہ یہ مال کس کے سپرد کر دیا جائے۔

لیکن آپؑ نے میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی فرما دیا: جو مال تمہارے پاس ہے وہ میرے خادم مبارک کے سپرد کر دو۔

راوی کا بیان ہے میں نے ایسا ہی کیا باہر نکلا اور بولا: مولا! آپؑ کے جرجان کے شیعوں نے آپؑ کو سلام کہا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: کیا حج سے فارغ ہونے کے بعد تم جرجان نہیں جاؤ گے۔

میں نے کہا: جی ہاں جاؤں گا۔

آپؑ نے فرمایا: اچھا سنو! تم آج سے ایک سو سترویں دن روزِ جمعہ ربیع الآخر کو قبل از دو پہر جرجان میں داخل ہو جاؤ گے، تو وہاں کے شیعوں کو بتا دینا کہ میں اسی دن ان کے پاس دو پہر کے بعد پہنچوں گا۔ اچھا جاؤ خدا حافظ! تم اور تمہارا سارا مال و اسباب سلامت رہے گا اور تم اپنے اہل و عیال تک بخیر و عافیت پہنچو گے۔ تمہارے فرزند شریف کے ہاں ایک بیٹا تولد ہوگا۔ اس کا نام صلّت بن شریف بن جعفر بن شریف رکھنا۔ اللہ اس سے اپنے دین کی تبلیغ کرائے گا۔ وہ ہمارے دوستوں میں سے ہوگا۔

میں نے عرض کیا: فرزند رسولؐ! ابراہیم بن اسماعیل جرجان آپؑ کا شیعہ ہے آپؑ کے دوستوں میں بہت مشہور ہے۔ وہ اپنے مال میں سے تقریباً ایک لاکھ درہم سالانہ نکالتا ہے اور آپؑ کے دوستوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔

---

(۱) کتاب النجوم، بحار الانوار، جلد ۹، ص ۲۶۰-۲۶۱

آپؑ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ابو اسحاق ابراہیم بن اسماعیل ہمارے شیعوں کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہے۔ اللہ اس کے گناہوں کو معاف فرمائے اور اس کو ایک فرزند عطا کرے جو حق کا قائل ہو۔ اس سے کہہ دینا کہ میں نے کہا ہے کہ جب لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام احمد رکھنا۔

اس کے بعد میں سر من رائے سے رخصت ہوا، فریضۂ حج ادا کیا اور صحیح وسلامت جیسا کہ آپؑ نے فرمایا تھا روز جمعہ ۳ ربیع الآخر قبل از دو پہر جرجان پہنچا۔ میرے دوست مجھے مبارک باد کہنے کے لئے آئے۔ میں نے ان سے کہا کہ امام حسن عسکریؑ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ آج سہ پہر میں یہاں تشریف لائیں گے۔ لہٰذا جو بھی مسائل پوچھنا ہوں اس کی تیاری کرلو۔

تمام حضرات ظہرین کی نمازیں پڑھ کر میرے گھر میں جمع ہو ہی رہے تھے کہ خدا کی قسم حضرت ابو محمد حسن عسکریؑ تشریف لائے۔ میرے مکان میں داخل ہوئے، جہاں سب لوگ جمع تھے۔

آپؑ نے آتے ہی ابتدأ سلام کیا۔ ہم سب لوگوں نے آپؑ کا استقبال کیا۔ آپؑ کے ہاتھوں کو بوسے دیئے۔

آپؑ نے فرمایا، کہ میں نے جعفر بن شریف سے وعدہ کیا تھا کہ آج دن کے آخری حصّہ میں آکر تم لوگوں سے ملوں گا۔ اس لئے میں نمازِ ظہرین سرّ من رائے میں پڑھ کر چلا ہوں اور اب پہنچا ہوں۔ تاکہ ایفائے عہد ہو جائے۔ اب اپنے اپنے مسائل اور ضروریات میرے سامنے بیان کرو۔

چنانچہ سب سے پہلے نصر بن جابر نے اپنی حاجت پیش کی اور عرض کیا فرزندِ رسولؐ! ایک ماہ کا عرصہ ہوا کہ میرے لڑکے کی آنکھیں بے نور ہوگئیں۔ آپؑ اللہ سے دعاء فرمائیں کہ اس کی آنکھوں کی بصارت لوٹ آئے۔

آپؑ نے فرمایا: اسے یہاں لے آؤ۔

وہ آیا تو آپؑ نے اس کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ پھیرا اور اس کی بصارت لوٹ آئی۔

اس کے بعد تمام لوگوں نے یکے بعد دیگرے اپنے اپنے مسائل وحوائج پیش کیے۔ آپؑ نے سب کی حاجت برآری کی، ان لوگوں کے لیے دعائے خیر فرمائی اور اسی دن واپس چلے گئے۔ (۱)

۸۔ آپؑ نے جاسوس کی نشاندہی کی

ابو ہاشم جعفری سے روایت ہے کہ ایک بار امام حسن عسکریؑ بھی ہمارے ساتھ قید ہوئے۔ اس قید خانے

(۱) مختار الخرائج، ص/۲۱۳

کا داروغہ صالح بن وصیف تھا۔ قید خانے میں ہمارے ساتھ ایک مردِ جمعی بھی تھا جس کا دعویٰ تھا کہ وہ علوی ہے۔

چنانچہ امامؑ قیدیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اگر تم لوگوں میں ایک شخص ایسا نہ ہوتا جو تم میں سے نہیں ہے تو میں بتا تا کہ تم لوگوں کو رہائی کب نصیب ہوگی۔

یہ کہہ کر آپؑ نے اس مرد جمعی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ مجمع سے نکلا۔

آپؑ نے پھر فرمایا: یہ شخص تم میں سے نہیں ہے۔ اس سے احتیاط برتو اور اس کے کپڑوں میں ایک تحریر بھی ہے جس مین اس نے سلطانِ وقت کو مطلع کرنے کے لیے تم لوگوں کی گفتگو کو رقم کر لیا ہے۔

یہ سن کر کچھ لوگ اٹھے، اور اس کے لباس کی تلاشی لی، تو اس میں وہ تحریر برآمد ہوئی جس میں اس نے تمام قیدیوں کی پوشیدہ کاروائی درج کی تھی، جس میں سلطان کو مطلع کیا گیا تھا کہ ہم لوگ قید خانے میں نقب لگا کر بھاگنے کی فکر میں ہیں۔(۱)

۹۔ آپؑ نے ٹڈیوں سے ہوشیار رہنے کو کہا

کتاب الدلائل میں ابو بکر سے روایت ہے کہ میرے ایک دوست نے میرے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ آؤ ہم اور تم دونوں مل کر مختلف اطراف و جوانب سے باغوں کے پھل خریدیں۔

میں نے حضرت ابو محمد امام حسن عسکریؑ کو خط لکھ کر آپؑ سے مشورہ چاہا۔

آپؑ نے فرمایا: اس تجارت میں تم بالکل شریک نہ ہو۔ کیا تمہاری نظر ٹڈیوں اور پھلوں کے سوکھ کر حشفہ بن جانے پر نہیں ہے؟

چنانچہ ایسا ہی ہوا کچھ تو ٹڈیوں نے آ کر تباہی مچا دی اور کچھ پھل جو باقی رہ گئے تھے وہ سوکھ کر حشفہ بن گئے۔ اللہ نے آپؑ کے مشورہ کی وجہ سے مجھے اس نقصان سے بچا لیا۔(۲)

۱۰۔ آپؑ کا علم ارحام

ابنِ فرات سے روایت ہے ان کا بیان ہے کہ میں سر من رائے کے محلّے عسکر میں ایک راستے پر بیٹھا

---

(۱) مختار الخرائج، ص/ ۲۳۹، ۲۳۸۔ مناقب، جلد ۴، ص/ ۴۳۰۔ اعلام الوریٰ، ص ۳۵۵۔ ۳۵۴ (۱) کشف الغمہ، جلد ۳، ص ۳۰۸

ہوا تھا مجھے اولاد کی بے حد تمنا تھی۔ اتّفاقاً ادھر سے حضرت ابومحمّد امام حسن عسکریؑ کی سواری گذری۔
میں نے آپؑ سے عرض کیا کہ فرزند رسول! آپؑ کے علم کے مطابق میری قسمت میں اولاد ہے یا نہیں؟
آپؑ نے سر ہلا کر فرمایا: ہاں
میں نے عرض کیا: پھر یہ فرما دیجئے کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی؟
آپؑ نے فرمایا: لڑکا نہیں۔ پھر میرے یہاں لڑکی پیدا ہوئی (۱)

۱۱۔ آپؑ نے حاجیوں کے سفر میں پانی کی کمی کو دور کیا

ابوعلی مطہر کا بیان ہے کہ قادسیہ سے آپؑ کو اطلاع دی گئی کہ حج پر جانے والے یہاں سے واپس آ رہے ہیں، انھیں ڈر ہے کہ آگے بڑھے تو پانی نایاب ہو جائے گا، پیاسے مر جائیں گے۔ آپؑ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا، واپس نہ آؤ حج کو چلے جاؤ انشاء اللہ اس طرح کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

لہٰذا جو لوگ ابھی واپس نہیں ہوئے تھے، وہ حج پر چلے گئے اور صحیح سلامت رہے۔ انہیں پیاس کی کوئی اذیّت نہیں ہوئی۔ (۲)

۱۲۔ آپؑ نے فرمایا گھوڑے کو شام سے پہلے ہی فروخت کر دو

علی بن زید بن علی بن الحسین بن زید بن علی سے روایت ہے کہ میرے پاس ایک گھوڑا تھا جس پر مجھے بہت ناز تھا اور اکثر مجلسوں اور صحبتوں میں میں اس کا تذکرہ کیا کرتا تھا۔
ایک دن میں اس پر سوار ہو کر حضرت ابومحمد کے گھر پہنچا۔
آپؑ نے پوچھا: وہ گھوڑا کہاں ہے؟
میں نے کہا وہ آپؑ کے دروازے پر کھڑا ہے۔
آپؑ نے فرمایا: اگر کوئی گاہک ملے، تو اس کو شام ہونے سے پہلے ہی فروخت کر دو۔ اس میں دیر نہ کرو۔
آپؑ ابھی یہیں تک کہنے پائے تھے کہ کوئی آ گیا اور بات کٹ گئی۔

---

(۱) مختار الخرائج، ص/۲۱۴۔ کشف الغمہ، جلد۳، ص/۳۰۶ (۲) کافی، جلد۱، ص/۵۰۸۔ ارشاد، ص/۳۲۲

راوی کا بیان ہے کہ میں اس فکر میں وہاں سے اٹھ کر چلا اور جا کر اپنے بھائی سے اس کا تذکرہ کیا۔
انھوں نے کہا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کیا رائے دوں۔
میں ابھی اسی پس وپیش میں تھا کہ شام ہوگئی۔ مغرب کی نماز سے فارغ ہوا تو سائیں دوڑا ہوا آیا، اور بولا آپ کا گھوڑا ابھی ابھی یک بیک مر گیا۔
اب میری سمجھ میں آیا کہ حضرت ابومحمدؑ نے اسی امر کی طرف اشارہ کیا تھا۔
دوسرے دن میں امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دل میں کہہ رہا تھا کہ کاش آپؑ اس گھوڑے کی جگہ کوئی دوسرا گھوڑا دے دیتے۔ مگر میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی آپؑ نے فرمایا: ہاں ہاں میں اس گھوڑے کی جگہ تمہیں دوسرا گھوڑا دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپؑ نے غلام سے فرمایا کہ میرا کمیت رنگ کا گھوڑا انہیں دیدو۔
پھر مجھ سے فرمایا، یہ تمہارے اس گھوڑے سے بہتر ہے، اس کی عمر بھی طویل ہے اور اس کی چال بھی اچھی ہے۔(۱)

۱۳۔ آپؑ نے مصیبت سے آگاہ کیا

دلائلِ حمیری میں علی بن محمد بن زیاد سے روایت کی ہے کہ میرے پاس امام حسن عسکریؑ کا خط آیا کہ تم پر ایک مصیبت آنے والی ہے، گھر ہی میں چھپے رہنا۔
اتفاق سے ایک مصیبت وارد ہوئی، میں پریشان ہوا اور امامؑ کی خدمت میں خط لکھ کر دریافت کیا جس مصیبت کے لئے آپؑ نے فرمایا تھا، کیا یہ وہی مصیبت ہے؟
آپؑ نے جواب دیا: نہیں، اس سے بھی سخت مصیبت۔
میں نے جب جستجو کی تو معلوم ہوا کہ یہ اعلان کیا گیا ہے کہ جو مجھے پکڑ لائے، اس کو ایک لاکھ درہم انعام ملے گا۔(۲)

۱۴۔ آپؑ نے غلاموں کی چوری کے بارے میں بتایا

ابوہاشم جعفری کا بیان ہے کہ جب حضرت امام علی النقیؑ نے رحلت فرمائی تو ان کے فرزند حضرت ابو

(۱) مختار الخرائج، ص/۲۱۴۔ اعلام الوریٰ، ص/۳۵۲، کافی، جلد ۱، ص/۵۱۰
(۲) کشف الغمہ، جلد ۳، ص ۲۹۴

محمد حسن عسکریؑ ان کی تجہیز وتکفین میں مشغول ہوگئے، آپؑ کی بے حد مشغولیت سے آپؑ کے غلاموں نے یہ فائدہ اٹھایا کہ آپؑ کے لباس ونقدیات وغیرہ سب اٹھا کر لے گئے۔

جب آپؑ اس سے فارغ ہوئے تو اپنی نشست گاہ میں آکر تشریف فرما ہوئے ان سب خادموں کو طلب کیا اور فرمایا: جو کچھ میں پوچھوں گا اگر تم لوگ سچ سچ بتادو گے تو میری سزا سے محفوظ رہو گے، اور اگر تم لوگ اپنے انکار پر ہی اصرار کرتے رہے تو میں تمہیں خود بتاؤں گا کہ تم میں سے کون شخص کیا چیز لے گیا ہے پھر اس وقت تم میں سے جو شخص جس سزا کا مستحق ٹھہرے گا، اس کو وہ سزا دوں گا۔

اس کے بعد فرمایا: اے فلاں! تو یہ چیزیں لے گیا ہے اور اے فلاں تو یہ یہ چیزیں لے گیا ہے۔

ان سب نے اقرار کیا، کہ، جی ہاں۔

آپؑ نے فرمایا، اسے واپس کرو۔

پھر آپؑ سب کو بتاتے گئے اور سب نے تمام چیزیں واپس کردیں۔(۱)

۱۵۔آپؑ نے اللہ کی جھوٹی قسم کھانے والے کو بتایا

اسماعیل بن محمد بن علی بن اسمائل بن علی بن عبداللہ عباسی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں امام حسن عسکریؑ کے انتظار میں سرِ راہ بیٹھ گیا۔ جب آپؑ ادھر سے گزرے تو میں نے ان سے اپنی پریشانی کا شکوہ کیا اور قسم کھائی کہ میرے پاس ایک درہم بھی نہیں ہے۔ سر دست میں بہت تنگدست ہوں۔ نہ کھانے کیلئے کچھ ہے، نہ دن کو، نہ رات کو۔

آپؑ نے فرمایا: تم اللہ کی جھوٹی قسم کھاتے ہو! تم نے دوسو دینار تو زمین میں دفن کررکھے ہیں، یہ میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ تمہیں کچھ دینا نہیں چاہتا۔

پھر آپؑ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ تیرے پاس جو کچھ ہو، وہ اسے دے دے۔

آپؑ کے غلام نے مجھے سو دینار دیئے۔

پھر آپؑ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: سنو جس وقت تمہیں اپنے دفن کئے ہوئے دیناروں کی

---

(۱) بحارالانوار، جلد/ ۹، ص/ ۲۸۷

شدید ضرورت پیش آئے گی، وہ تمہیں نہ ملیں گے، تم ان سے محروم رہو گے۔

اور ہوا بھی ایسا ہی۔ آپؑ نے واقعاً سچ ہی فرمایا تھا۔ وہ دینار جو آپؑ نے مجھے عطا فرمائے تھے انھیں خرچ کرتا رہا، مگر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مجھے ان کی شدید ضرورت پیش آ گئی۔ روزی کے تمام دروازے بند ہو گئے تھے۔ میں نے جب اپنے دفن شدہ دیناروں کو کھود کر نکالنا چاہا تو وہ وہاں سے غائب تھے۔ میں نے غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ میرے لڑکے کو معلوم تھا کہ میں نے دینار کہاں دفن کئے ہیں۔ وہ انہیں نکال کر لے گیا اور کہیں بھاگ گیا۔ میرا اس پر کوئی بس نہ چلا۔ (۱)

۱۶۔ آپؑ نے سیف بن لیث کی جائداد واپس دلوائی

عمر بن ابی مسلم کا بیان ہے کہ سرّ من رائے میں مصر سے ایک شخص جس کا نام سیف بن لیث تھا، مہتدی کے پاس فریاد لے کر آیا کہ شفیع خادم نے اس کی جائیداد غصب کر لی اور اس کو وہاں سے نکال دیا ہے۔ ہم لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ حضرت امام حسن عسکریؑ کو خط لکھ دے تا کہ وہ تیرے حق میں دعاء فرمائیں اور تیرا یہ کام آسان ہو جائے۔

اس شخص نے خط لکھا، تو آپؑ نے جواب دیا، پریشان نہ ہو اور سلطان کے پاس نہ جا۔ تیری جائیداد تجھ کو واپس مل جائے گی، بلکہ اس وکیل کے پاس جا جس کے قبضے میں اس وقت تیری جائیداد ہے اور اسے سب سے بڑے سلطان خدائے رب العلمین سے ڈرا۔

وہ شخص اس وکیل سے ملا۔

وکیل نے کہا تیرے جاتے ہی میرے پاس خط آیا کہ میں تیری جائیداد تجھے واپس کر دوں۔ قاضی ابن ابی شوارب کا یہ حکم تھا، اور اس پر گواہیاں تھیں۔

پھر اسے مہتدی کے پاس جانے کی ضرورت ہی نہ پیش آئی اور اس کو اس کی جائیداد واپس مل گئی۔ (۲)

۱۷۔ آپؑ نے بغیر طلب کے انگوٹھی بخش دی

ابو ہاشم کا بیان ہے کہ جب بھی میں حضرت امام علی النقیؑ یا حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوتا،

---

(۱) الارشاد، ص/۳۲۳ (۲) مناقب، جلد۴، ص/۴۳۲

مجھے ان میں کوئی نہ کوئی امامت کی نشانی ضرور ملتی۔

چنانچہ میں ایک مرتبہ امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں آپؑ سے انگوٹھی کیلئے چاندی وغیرہ مانگوں جس کو برکت کیلئے میں اپنے پاس رکھوں۔ میں آپؑ کے پاس بیٹھ گیا اور باتوں میں یاد نہ رہا کہ میں کس لئے آیا تھا۔ جب وہاں سے چلنے کا ارادہ کیا تو آپؑ نے میری طرف ایک انگوٹھی بڑھا دی اور فرمایا، لو تمہارا ارادہ چاندی مانگنے کا تھا، میں تمہیں بنی بنائی انگوٹھی دیتا ہوں۔ اس میں تمہیں نگینہ اور بنوائی کا بھی فائدہ ہو گیا۔ اللہ تمہیں مبارک کرے۔(۱)

۱۸۔آپؑ نے فرمایا قرآن مخلوقِ خدا ہے

ابو ہاشم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میرے جی میں آیا کہ میں امام حسن عسکریؑ سے دریافت کروں کہ آپؑ کا قرآن مجید کے متعلق کیا خیال ہے؟ وہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق (ابھی یہ بات میرے دل میں تھی کہ) آپؑ میری طرف متوجّہ ہوئے اور فرمایا۔ کیا حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادقؑ کی یہ روایت تم تک نہیں پہنچی جس میں آپؑ نے فرمایا کہ جب ''سورۂ قل ھواللہ احد'' نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے چار ہزار پر خلق فرمائے اور یہ سورہ ملائکہ کے جس گروہ کی طرف ہو کر گذرتا تھا تو سب نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ اس کے سامنے جھک جاتے اور کہتے کہ اس کی نسبت ربّ العزّت تبارک وتعالیٰ کی طرف ہے۔(۲)

۱۹۔آپؑ نے اس کی فکر کو دور کیا۔

علی بن زید بن علی بن الحسین بن زید سے روایت ہے کہ ایک دن میں امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابھی میں وہاں بیٹھا ہی تھا کہ مجھے یاد آیا کہ میرے رومال میں پچاس دینار تھے۔ وہ اب نہیں ہیں۔ مجھے اس کی بڑی فکر ہوئی، مگر میں نے آپؑ سے نہ اس کا ذکر کیا اور نہ اس کا اظہار ہونے دیا کہ مجھے اس کی فکر لاحق ہے۔ اس کے باوجود آپؑ نے فرمایا: وہ محفوظ ہے انشاءاللہ۔ جب میں گھر واپس آیا تو میرے بھائی نے وہ رقم مجھے دی۔(۳)

---

(۱) مناقب جلد۴، ص/۴۳۷ (۲) مختار الخرائج ص/۲۳۹ (۳) مختار الخرائج ص/۲۱۵۔ کشف الغمہ ج/۳ص/۳۰۵

۲۰۔آپؑ نے مانگنے سے پہلے ہی قلم دے دیا

احمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت ابومحمدؑ کی خدمت میں حاضر ہوااورعرض کیا کہ آپؑ میرے سامنے کچھ لکھیں تا کہ جب آپؑ کا خط پہنچے،تو میں پہچان لیا کروں کہ یہ آپؑ ہی کا خط ہے۔آپؑ نے فرمایا،ہاں ٹھیک ہے۔

پھرفرمایا،اے احمد!قلم کے موٹے اور باریک ہونے کی وجہ سے خط مختلف ہوجایا کرتا ہے لہٰذا اس میں شک نہ کیا کرو۔پھر آپؑ نے قلمدان منگوایا۔میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت آپؑ جس قلم سے لکھیں گے،میں وہ قلم آپؑ سے مانگ لوں گا۔

جب آپؑ لکھ چکے تو مجھ سے باتیں کرنے لگے اور قلم کوقلمدان کے رومال سے صاف کر کے میری طرف بڑھادیااورفرمایا:اے احمد!اسے لے لواوراپنے پاس رکھ لو۔میں نے اسے لے کر رکھ لیا۔(۱)

۲۱۔آپؑ نے خواب کے ذریعہ رقم واپس کروائی

ابن فرات سے روایت ہے کہ میرے چچازاد بھائی پر میرے دس ہزار درہم قرض تھے۔میں نے ابو محمدؑ کوعریضہ لکھا کہ دعاءفرمائیں کہ وہ دے دے۔

آپؑ نے جواب میں تحریرفرمایا:وہ تمہاری رقم تم کوواپس کردے گااور جمعہ کے بعد مرجائے گا۔

راوی کا بیان ہے میرے چچازاد بھائی نے مجھے میری رقم واپس کردی۔میں نے اس سے پوچھا، تمہاری نیت تو واپس کرنے کی نہ تھی۔پھر واپس کیسے کردی؟تم نے تو دینے سے انکار کردیا تھا۔

اس نے کہا:میں نے امام حسن عسکریؑ کوخواب میں دیکھا انھوں نے فرمایا۔دیکھ تیری موت قریب ہے،اپنے چچازاد بھائی کی رقم واپس کردے۔(۲)

۲۲۔آپؑ کوکنیز کی موت کا علم تھا

علی بن زید بن علی بن حسین بن زید بن علی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جب امام حسن عسکریؑ دار

---

(۱)مناقب،جلد۴،ص/۴۳۳ (۲)کشف الغمہ،ج/۳،ص/۳۱۱

العامّہ سے اپنے گھر تشریف لے جانے لگے تو میں آپؑ کے ساتھ ہولیا، اور آپؑ کے گھر تک پہنچا کر واپس ہونے لگا۔ آپؑ نے فرمایا: ذرا ٹھہرو!

آپؑ اندر داخل ہوئے، مجھے بھی گھر کے اندر بلالیا اور دوسو دینار عطا کئے۔

پھر فرمایا: تمہاری کنیز تو مرگئی، اب دوسری کنیز کے لیے قیمت لیتے جاؤ۔

حالانکہ جب میں اپنے گھر سے چلا تھا تو وہ بالکل صحیح سلامت تھی۔ غرض جب میں اپنے گھر پہنچا تو میرے غلام نے اطّلاع دی کہ آپؑ کی فلاں کنیز ابھی ابھی مرگئی۔ میں نے پوچھا: کیا بات ہوئی، کیسے مرگئی؟

اس نے کہا: وہ پانی پینے لگی، پانی گلے میں اٹکا اور اس کا دم نکل گیا۔(۱)

۲۳۔ آپؑ نے فرمایا اپنے کام سے کام رکھو

ابو ہاشم جعفری نے داؤد بن اسود سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ میرے مولا امام حسن عسکریؑ نے مجھے بلایا۔ ایک لمبی گول لکڑی دی جیسے دروازے کی چوکھٹ ہو۔

پھر فرمایا، اسے لے جاؤ۔ عمری کو دے آؤ۔

میں لے کر چلا، ابھی راستے ہی میں تھا کہ میرے سامنے ایک سقاء اپنے خچّر کے ساتھ آ گیا۔ خچّر مجھ پر چڑھا آ رہا تھا۔

سقے نے آواز دی کہ خچّر سے بچو ہٹو۔

میں نے وہی لکڑی جو میرے پاس تھی اٹھائی اور خچّر کو ماردی۔ وہ لکڑی پھٹ گئی۔ میں نے غور سے دیکھا تو اس لکڑی میں تحریریں تھیں۔ میں نے جلدی جلدی لکڑی کو اپنے دامن میں سمیٹا اور وہ سقاء پکار پکار کر مجھے اور میرے مالک کو گالیاں دیتا رہا۔

جب میں یہ سب سمیٹے ہوئے آپؑ کے گھر پہنچا تو عیسیٰ خادم مجھے دوسرے دروازے پر ملا، اور بولا: آقا کہتے ہیں تم نے خچّر کو کیوں مارا جس سے لکڑی ٹوٹ گئی۔

میں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ اس لکڑی میں کیا ہے۔

---

(۱) مناقب، جلد۴، ص/۴۳۱۔ مختار الخرائج، ص/۲۱۴

آپؑ نے فرمایاتم نے ایسا کام ہی کیوں کیا، جس سے تمہیں معذرت کرنی پڑی۔ دیکھو! اب ایسا نہ کرنا اور یاد رکھو! جب سنو کہ کوئی ہمیں گالی دے رہا ہے تو تم وہاں سے اپنا راستہ ہی بدل دو، اور جہاں تمہیں بھیجا گیا ہے، وہاں جاؤ۔ جو ہمیں گالی دے رہا ہو، اس سے دست و گریباں نہ ہو، اور اسے یہ نہ بتاؤ کہ تم کون ہو، اس لئے کہ ہم ایک بڑے شہر اور بڑی آبادی میں ہیں۔ اچھا اب جہاں جا رہے تھے جاؤ اور یہ جان لو کہ تمہاری خبریں اور تمہارے حالات سب ہمارے سامنے پیش ہوا کرتے ہیں۔(۱)

۲۴۔ آپؑ نے فرمایا واقفیوں سے ترکِ موالات کرو

احمد بن محمد بن مطہّر سے روایت ہے کہ اہل جبل میں سے ہمارے بعض اصحاب نے حضرت ابو محمد حسن عسکریؑ کی خدمت میں خط لکھ کر ایک ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا جو حضرت موسیٰ بن جعفر صادقؑ کی امامت پر آ کر توقّف کرتا تھا (یعنی ان کے بعد کے ائمہ کا قائل نہ تھا) کہ کیا اس سے تولّا رکھا جائے یا اس سے تبرّا کیا جائے؟

آپؑ نے جواب میں تحریر فرمایا۔ کیا تم اپنے چچا کے لئے رحمت کی دعا کرو گے؟ اللہ تمہارے چچا پر رحم نہ کرے گا، اس سے تبرّا کرو۔ میں ان (واقفیوں) سے بری ہوں، ان سے میل ملاپ نہ رکھو، ان کے بیماروں کی عیادت کو نہ جاؤ، ان کے جنازوں میں شریک نہ ہو اور اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کی نماز کبھی نہ پڑھو۔ خواہ ان میں سے کوئی ایسا جو ایسے امام سے انکار کرتا ہو جس کی امامت اللہ کی جانب سے ہے یا اماموں کی فہرست کسی ایسے امام کا اضافہ کرے جو من جانب اللہ امام نہ ہو۔ یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی اللہ سے انکار کرے یا اس کو تین میں سے ایک سمجھے، دونوں برابر ہے۔

یاد رہے کہ جس نے ہمارے آخر کی امامت سے انکار کیا، اس نے گویا پہلے کی امامت سے بھی انکار کر دیا، اور جس نے ہم آئمہ کے ساتھ کسی اور کا اضافہ کیا وہ گویا ہم سب کی امامت کا منکر ہے۔

وہ سائل نہیں جانتا تھا کہ اس کا چچا بھی واقفیوں میں سے تھا۔ آپؑ کے اس خط سے اس کو معلوم ہوا۔(۲)

---

(۱) مناقب، جلد۴، ص/ ۴۲۷۔ ۴۲۸ (۲) کشف الغمۃ، جلد۳، ص/ ۳۲۱

۲۵۔آپؑ نے فرمایا فقر سے گناہ معاف ہوتے ہیں

محمد بن حسن بن شمّون سے روایت ہے کہ امام حسن عسکریؑ نے میرے خط کے جواب میں یہ تحریر فرمایا، سنو! جب ہمارے دوستداروں کے گناہ بہت ہو جاتے ہیں تو پھر اللہ انہیں فقر و تنگدستی میں مبتلا کر دیتا ہے تا کہ وہ اپنی غلطی کو سمجھیں اور توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے اکثر گناہ معاف کر دیتا ہے اور جیسا کہ تمہارے دل نے خود کہہ دیا تھا کہ ہم لوگوں کے ساتھ رہ کر فقر، ہمارے دشمنوں کے ساتھ رہ کر دولتمندی سے کہیں بہتر ہے۔ ہم ان لوگوں کے لئے جائے پناہ ہیں جو ہم سے پناہ چاہے۔ہم ان لوگوں کے لئے نور ہیں جو دیکھنا چاہیں۔ ان لوگوں کے محافظ ہیں جو ہم سے حفاظت چاہے۔جس نے ہم سے محبت کی وہ ہمارے ساتھ مقام اعلیٰ میں ہو گا، جو ہم سے منحرف ہوا اس کا راستہ جہنّم کی طرف ہوگا۔(۱)

۲۶۔آپؑ نے فرمایا جائز نفع لینے میں حرج نہیں

ابو ہاشم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حجاج بن سفیان عبدی کو اپنے ساتھ حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں لے گیا۔اس نے آپؑ سے خرید و فروخت کے مسائل دریافت کئے اور کہا: جب میں لوگوں کے ہاتھ کوئی شے فروخت کرتا ہوں تو کبھی کبھی قیمت اتنی گھٹا دیتا ہوں کہ اصل قیمت کے برابر ہو جاتی ہے۔

آپؑ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، اگر ایک دینار کی چیز دو دینار میں بھی فروخت کی جائے تب بھی صحیح ہے میں نے اپنے دل میں کہا، پھر یہ تو سود خوروں کے مشابہ ہو گیا۔

میرے ذہن میں یہ بات آئی ہی تھی کہ آپؑ میری طرف متوجّہ ہوئے اور فرمایا، وہ حرام نفع اور ہے جو تمہارے ذہن میں ہے۔اگر نفع حد سے زیادہ ہو اور اسے گھٹا کر ایک دینار کی چیز دو دینار میں بھی دی جائے تو حرج نہیں۔(۲)

۲۷۔آپؑ نے فرمایا لوگوں کے تین طبقے ہوتے ہیں

قاسم ہروی سے روایت ہے کہ بنی اسباط کے ایک شخص کے پاس امام حسن عسکریؑ کا ایک خط آیا۔اس

---

(۱) رجال کشی، ص/ ۴۴۸۔کشف الغمۃ ،جلد ۳، ص/ ۲۹۹، مناقب جلد ۴، ص/ ۴۳۵ (۲) مختار الخرائج، ص/ ۲۳۹

شخص کا بیان ہے کہ میں نے امامؑ کو لکھا تھا کہ آپؑ کے شیعوں اور موالیوں میں بڑا اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ آپؑ اپنی امامت کی کوئی واضح دلیل، کوئی معجزہ ظاہر فرما دیں۔

آپؑ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بھی صاحبانِ عقل کو خطاب کرتا ہے اور سنو! کائنات میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو حضرت خاتم النبیینؐ سیّد المرسلینؐ سے بڑھ کر دلائل و معجزات پیش کرے، مگر اس کے باوجود لوگوں نے ان کو بھی ساحر، کاہن اور کاذب کہا، تاہم ان ہی میں سے اللہ نے جس کو ہدایت دینی چاہی اس نے ہدایت بھی پائی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ دلائل و معجزات سے اکثر لوگوں کی تسکین ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں تو صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب ہمیں حکم دیتا ہے کہ بولو۔ تب ہم لوگ بولتے ہیں جب حکم دیتا ہے کہ خاموش رہو تو خاموش رہتے ہیں۔

اور اگر اللہ حق کو ظاہر نہ کرنا چاہتا تو اتنے سارے انبیاء کو بشیر و نذیر بنا کر نہ بھیجتا۔ چنانچہ یہ لوگ خواہ بحالت ضعف ہوں، خواہ بحالت قوت، ہر حال میں حق پیش کرتے رہے، تاکہ امر الٰہی کی تکمیل اور حکم خداوندی کا نفاذ ہو جائے۔

لوگ اس دنیا میں مختلف طبقوں کے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو ہمیشہ نجات کے راستے پر نگاہ رکھتا ہے، حق سے متمسّک اور اس کی جڑ سے نکلی ہوئی شاخ سے متعلق رہتا ہے اس میں نہ کبھی شک کرتا ہے اور نہ ریب، بس اسی کو اپنا ملجاء و ماویٰ سمجھتا ہے۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جس نے حق کو بھی اس کے اہل سے نہیں لیا۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دریا میں اس کشتی پر سوار ہو جس کا کوئی ناخدا (کشتی چلانے والا) نہ ہو۔ دریا متحرک ہو تو وہ بھی متحرک ہو جاتا ہے اور دریا ساکن ہو جائے تو وہ بھی ساکن۔

تیسرا طبقہ وہ ہے جس پر شیطان کا تسلّط ہے۔ ان کا کام اہلِ حق کی بات کی رد اور مخالفت کرنا ہے، اپنے دلی بغض و حسد کی بناء پر باطل کے ذریعے سے لوگوں کو حق سے ہٹانا چاہتا ہے، مگر چھوڑو! یہ نہ دیکھو کہ کون دائیں جانب گیا اور کون بائیں جانب، اس لئے کہ جب چرواہا اپنی منتشر بھیڑوں کو جمع کرنا چاہتا ہے تو بہت آسانی سے یکجا کر لیتا ہے۔

تم نے اپنے خط میں ہمارے شیعوں اور موالیوں کے اندر اختلاف کا تذکرہ کیا ہے، تو جب وصیّت اور اولادِ اکبر ہونا ہی معیارِ امامت ٹھہرا تو پھر اب ریب و شک کی کیا گنجائش ہے۔ جو فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرنے بیٹھے گا، وہ خود بہتر فیصلہ کرے گا۔ جو تم سے ہدایت کا طالب ہو اس کی بہترین ہدایت کرو۔ نمائش اور طلب ریاست سے دور رہو، یہ دونوں چیزیں باعثِ ہلاکت ہیں۔

تم نے یہ بھی لکھا ہے کہ تم فارس جانا چاہتے ہو، جاؤ، اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ مصر جاؤ گے، انشاء اللہ امن وسکون پاؤ گے۔ میرے موالی اور شیعوں میں سے جس پر تمہیں وثوق ہو، اس کو میرا اسلام پہنچا دینا۔ انہیں خوفِ خدا اور ادائے امانت کا حکم دینا اور انھیں بتا دینا کہ ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کرنا درحقیقت ہم سے جنگ کے مترادف ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ جب میں نے آپؑ کے خط میں یہ پڑھا کہ ''**فدخل مصر انشاء الله آمنا**'' تو میں سمجھ نہ سکا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔

الغرض میں بغداد گیا، ارادہ تھا کہ وہاں سے فارس چلا جاؤں گا مگر اس کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی اور مجھے مصر جانا پڑا۔(۱)

امام حسن عسکریؑ کے معجزات

ائمہ معصوم اور لوگوں کے دینی وروحانی رہبروں کے نمایاں وعظیم امتیازات میں سے ایک ان کا کمال ادراک وعقل وشعور ہے، کیونکہ یہ حضرات لوگوں کی دینی سرپرستی ورہبری اور سعادت ونیک بختی کے عہدۂ جلیلہ پر پروردگار عالم کی جانب سے تمام دینوی رموز واسرار سے واقف تھے اور تاریخی شواہد اس حقیقت و برتری کا بولتا ہوا ثبوت ہیں۔ اس سلسلے میں کچھ معجزات میں پیش کررہی ہوں جو حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ امام کا پتھّر پر مہر لگانا

ثقۃ الاسلام علاّمہ کلینی اور امام اہلسنّت علاّمہ جامی رقمطراز ہیں کہ ایک دن حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں ایک خوبصورت سا یمنی آیا اور اس نے ایک پتھّر کا ٹکڑا پیش کر کے خواہش کی کہ آپؑ اس پر اپنی

(۱) کشف الغمہ، جلد۳، ص۲۹۳، مختار الخرائج، ص۲۹۱

امامت کی تصدیق میں مہر کردیں۔ حضرت نے مہر نکالی اور اس پر لگا دی۔ آپؑ کا اسمِ گرامی اسی طرح کندہ ہو گیا جس طرح موم پر لگانے سے کندہ ہوتا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ آنے والا مجمع ابن الصلت بن عقبہ بن سمعان ابن غانم ابن ام غانم تھا۔ یہ وہی سنگِ پارہ لایا تھا جس پر اس کے خاندان کی ایک عورت ام غانم نے تمام ائمہ طاہرین سے مہر لگوا رکھی تھی، اس کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی امامت کا دعویٰ کرتا تھا۔ تو وہ اس کو لے کر اس کے پاس چلی جاتی تھی۔ اگر اس مدّعی نے پتھر پر مہر لگا دی، تو اس نے سمجھ لیا کہ یہ امام زمانہ ہیں اور اگر وہ اس عمل سے عاجز رہا تو وہ اسے نظر انداز کر دیتی تھی۔ چونکہ اس نے اسی سنگ پارہ پر کوئی اماموں کی مہریں لگوائیں تھیں، اس لئے اس کا لقب (صاحبۃ الحصاۃ) ہو گیا تھا (۱)

۲۔ معتمد عباسی کے حکم پر آپؑ کو درندوں میں ڈالا گیا

امام حسن عسکریؑ کی نظر بندی سے مطمئن نہ ہو کر اور سختی کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ ایک ظالم خدمت گار جس کا نام ''نخریر'' تھا کو بلا کر کہا کہ انھیں اپنی نگرانی میں لے لے اور جس درجہ ستا سکے انہیں پریشان کر، نخریر نے حکم پاتے ہی تشدّد شروع کیا۔ امام کو دن کی روشنی اور پانی کی فراوانی تک سے محروم کر دیا۔ آپ کو دن اور رات کا پتہ سورج کی روشنی سے نہ چلتا تھا، صرف تاریکی ہی رہتی تھی۔ چنانچہ اس نے اجازت حاصل کر کے امام حسن عسکریؑ کو درندوں میں ڈال دیا۔ شیر اور دیگر درندوں کی نظر جب آپؑ پر پڑی تو انھوں نے حجّتِ خدا کو پہچان لیا اور انھیں پھاڑ کھانے کے بجائے ان کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ امام علیہ السلام نے ان کے درمیان مصلّٰی بچھا کر نماز پڑھنا شروع کر دیا۔ دشمنوں نے ایک بلند مقام سے یہ حال دیکھا اور سخت شرمندہ ہو کر امام کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ (۲)

۳۔ امامؑ کے روضے کی کرامت

آپؑ کے معجزات میں سے یہ بھی ہے کہ سرمن رائے میں خلفائے بنی عباس کی قبروں پر چمگادڑوں اور چڑیوں کی بیحد و بیشمار بیٹیں ہوتی ہیں جنھیں روزانہ صاف کیا جاتا ہے اور دوسرے دن پھر چڑیوں کی بیٹوں

(۱) اصولِ کافی ودمعہ ساکبہ، ص/۱۶۴۔ شواہد النبوت، ص/۲۱۱، اعلام الوریٰ، ص/۲۱۴، چودہ ستارے، ص/۵۳۹

(۲) کشف الغمہ، ص/۱۲۷، ارشاد، ص/۵۱۴، اعلام الوریٰ، ص/۲۱۸

سے قبریں مملو ہو جاتی ہیں، مگر حضرت امام علی النقیؑ اور حسن عسکریؑ کے روضے کے قبّے یا ان کے آبائے کرام کے روضوں کے قبّوں پر چڑیوں کی ایک بیٹ بھی نظر نہ آتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان جانوروں اور چڑیوں کو بھی ان حضرات کی عظمت و جلالت کا علم از روئے الہام ہے۔(۱)

۴۔امامؑ کے لئے قید خانہ بھی پابندی نہ کر سکا

ابو نجف مصری سے روایت ہے اور وہ اس حدیث کو اپنے رجال کے ذریعے سے ابو یعقوب اسحاق ابن ابان تک پہنچاتے ہیں۔ ابو یعقوب کا بیان ہے کہ حضرت امام حسن عسکریؑ جس وقت قید خانے میں مقید تھے، آپؑ اپنے اصحاب اور اپنے شیعوں کے پاس آدمی بھیج دیا کرتے تھے کہ فلاں رات کو عشاء کے وقت فلاں بن فلاں کے گھر فلاں مقام پر آجانا، تم ہمیں وہاں موجود پاؤ گے۔

حالانکہ قید خانے کے پہرے دار آنِ واحد کے لیے بھی قید خانے کے دروازے سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ نہ دن میں اور نہ رات میں۔

چنانچہ ہر پانچویں روز تمام پہرے دار معزول کر کے دوسرے پہرے دار متعیّن کئے جاتے اور انہیں سخت تاکید کی جاتی کہ قید خانہ کے دروازے سے ہرگز جدا نہ ہونا۔

دوسری طرف آپؑ کے اصحاب معیّنہ مقام پر پہنچ جاتے اور آپؑ وہاں پر حسب وعدہ تشریف لے جاتے۔ سب لوگ اپنی اپنی حاجتیں آپؑ کے سامنے پیش کرتے اور آپؑ ہر ایک کی حیثیت اور منزلت کے مطابق ان کی حاجت روائی فرماتے۔ پھر وہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے اور آپؑ قید خانے میں آجاتے۔(۲)

۵۔امامؑ نے فرمایا یہ بغیر روشنائی کی تحریر فلاں کی ہے

محمد بن عباس کا بیان ہے کہ ہم لوگ امام حسن عسکریؑ کے علاماتِ امامت کے متعلق گفتگو کر رہے تھے، تو ایک ناصبی (دشمنِ اہلبیت) نے کہا: میں بغیر روشنائی کے ایک خط لکھتا ہوں اگر انھوں نے جواب دیدیا تو سمجھوں گا کہ واقعاً وہ امام ہیں۔

(۱) عیون اخبار، بحار الانوار، جلد ۹، ص/ ۲۷۵ (۱) مختار الخرائج، ص/ ۲۱۵۔۲۱۶

چنانچہ اس نے ایک خط بغیر روشنائی کی استعمال کیے ہوئے لکھا اور تمام خطوط کے ساتھ اسے بھی رکھ دیا۔ امام نے ہمارے مسائل کے جواب دیئے اور اس کے پرچے پر اس کا اور اس کے والدین کا نام لکھ دیا۔ یہ دیکھ کر اسے غش آ گیا۔ جب غش سے افاقہ ہوا تو آپؑ کے حقیقی امام ہونے کا معتقد ہو گیا۔(۱)

۶۔امامؑ کی ٹوپی دلیل امامت بن گئی

کتاب الدلائل میں علی بن محمد بن حسن سے روایت ہے ان کا بیان ہے کہ ہمارے اصحاب کی ایک جماعت اہواز سے سرمن رائے آئی میں بھی ان اصحاب کے ساتھ تھا اور خلیفۂ وقت صاحبِ بصرہ کی طرف جا رہا تھا۔ ہم لوگ اسلئے نکلے کہ امام حسن عسکریؑ کی زیارت کرلیں۔ مگر دیکھا کہ آپؑ بھی اس کے ساتھ جا رہے ہیں۔ اسلئے آپؑ کی واپسی کے انتظار میں دو باغوں کے درمیان بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں آپؑ واپس ہوئے اور ہمارے مقابل پہنچ کر قریب ہی کھڑے ہو گئے، اپنا ہاتھ بڑھایا۔ سر سے ٹوپی اتاری اور دوسرا ہاتھ اپنے سر پر پھیرا اور ہم میں سے ایک شخص کے سامنے تبسم فرمانے لگے۔ اس شخص نے فوراً کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ واقعاً حجت خدا اور اس کے منتخب بندے ہیں۔

ہم لوگوں نے کہا کہ تجھے یہ ہدایت کیسے ہو گئی؟

اس نے کہا کہ مجھے امام حسن عسکریؑ کی امامت پر شک تھا لہٰذا میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر آپؑ واپسی میں اپنے سر سے ٹوپی اتارلیں گے تو میں آپؑ کی امامت کا قائل ہو جاؤں گا۔(۲)

۷۔امامؑ نے فرمایا تین دن میں گرفتارِ عذاب ہوگا

راوی کا بیان ہے کہ ایک دن میں ابوحمید عبیداللہ بن عبداللہ بن طاہر کے پاس گیا۔ ان کے سامنے امام حسن عسکریؑ کا ایک رقعہ رکھا ہوا تھا جس میں تحریر تھا کہ میں نے اس ظالم و سرکش (یعنی مستعین) کے لیے اللہ سے بدعا کی ہے یہ تین دن بعد عذاب میں گرفتار ہو جائے گا۔

چنانچہ تیسرے ہی دن وہ خلافت سے معزول ہو گیا اور انجام جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ اسے واسط لے جا کر قتل کر دیا گیا۔(۳)

---

(۱) مناقب، جلد۴، ص۴۲۴ (۲) کشف الغمہ، جلد۳، ص۳۰۵۔ مختار الخرائج، ص/ ۲۱۵ (۳) مہج الدعوات، بحار، جلد۹، ص۲۹۶

۸۔مہتدی کی مدتِ عمر ختم ہو چکی ہے

صمیری نے یہ روایت ابو ہاشم سے کی ہے۔ان کا بیان ہے کہ میں مہتدی کی قید میں امام ابو محمدؑ کے ساتھ تھا۔

آپؑ نے مجھ سے فرمایا۔اے ابو ہاشم! یہ ظالم وسرکش آج شب اللہ تعالیٰ سے مذاق کرنا چاہتا تھا، اس لئیا اللہ نے اس کی مدّت عمر ختم کر دی ہے۔میرے کوئی اولا دنہیں،مگر اللہ اپنے لطف و کرم سے ایک لڑکا عنایت فرمائے گا۔غرض جب صبح ہوئی تو ترکوں نے مہتدی پر حملہ کر دیا اور عامۃ المسلمین چونکہ جانتے تھے کہ مہتدی اعتزالی اور قدر کا معتقد ہے، اس لئے سب لوگوں نے ترکوں کا ساتھ دیا اور مہتدی کو قتل کر کے، اس کی جگہ معتمد کو مسندِ خلافت پر بٹھایا اور اس کی بیعت کی۔مہتدی نے ابو محمد امام حسن عسکریؑ کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا تھا،مگر اللہ نے خود اس کو مبتلائے بلا و مصیبت کر دیا۔بالآخر قتل ہوا اور واصلِ جہنم ہو گیا۔(۱)

۹۔امامؑ نے اہل بیتؑ سے دشمنی رکھنے والے خودسر کو سزادی

محمد بن حسن بن وزیر نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ وہ حضرت ابو محمد حسن عسکریؑ کی سرّ من رائے میں اکثر نماشیہ برادری کیا کرتا تھا۔ایک دن وہ آپؑ کے پاس پہنچا تو آپؑ کو گھر میں موجود پایا۔آپؑ کی سواری خلیفہ کے گھر جانے کیلئے تیار تھی۔آپؑ کا چہرہ غصّے سے سرخ ہو رہا تھا۔آپؑ کے پہلو میں عامّہ میں سے ایک ایسا شخص تھا کہ جب آپؑ کہیں جانے کے لئے سوار ہوتے تو بددعائیں دیتا اور ایسی ایسی باتیں کرتا جن سے آپؑ کو نفرت ہوتی اور آپؑ ان کو ناپسند کرتے۔

اس دن تو وہ شخص پیچھے ہی پڑا رہا۔یہاں تک کہ آپؑ ایسی جگہ پہونچے جہاں سے راستہ دو طرف جاتا ہے۔ایک راستہ سواریوں کی کثرت کی وجہ سے اس شخص کو تنگ نظر آیا تو وہ دوسرے راستے پر چل دیا تا کہ اس طرح آگے بڑھ کر پھر آپؑ سے جا ملے۔

جب وہ اس راستے پر چلا گیا تو آپؑ نے اپنے خادم سے فرمایا: جاؤ اس شخص کو کفن پہنا آؤ۔

خادم اس شخص کے پیچھے چلا اور ادھر آپؑ بازار تک پہنچ گئے اور ادھر وہ شخص گلی کے دروازے سے نکلا تا کہ آپؑ سے آکر مل جائے کہ ایک جگہ ایک خچر بندھا ہوا تھا اس نے اس کو ایسی لات ماری کہ وہیں مر گیا۔

(۱) مہج الدعوات،ص/۳۴۳

خادم وہیں ٹھہر گیا اور آپؑ کے حکم کے بموجب اس کو کفن دیا اور ہم لوگ آپ کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔(۱)

۱۰۔امامؑ نے عروہ بن یحییٰ کے لئے بد دعا کی

علی بن سلیمان بن رشید عطار بغدادی سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن عسکریؑ نے عروہ بن یحییٰ پر لعنت کی تھی۔اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؑ کا ایک خزانہ (توشہ خانہ) تھا، وہ عروہ بن یحییٰ کے سپرد کیا گیا۔اس نے اس خزانے میں سے بہت سی چیزیں اپنے لئے نکال لیں اور بقیّہ میں آپؑ کو گزند پہنچانے کے لئے آگ لگادی۔آپؑ نے اس پر لعنت کی اور اس کے لئے بد دعا بھی فرمائی، اس بد دعا کو ابھی ایک دن اور ایک رات بھی نہیں گذرے تھے کہ اللہ نے اس کو واصلِ جہنم کیا۔

آپؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی رات اس کے لئے اللہ سے بد دعاء کی کہ ابھی سپیدۂ سحری بھی نمودار نہیں ہوئی تھی اور نہ ابھی امیر کے خزانے میں لگی ہوئی آگ بجھی تھی کہ اللہ نے عروہ بن یحییٰ کو قتل کرادیا۔ اللہ اس پر لعنت کرے۔(۲)

۱۱۔امامؑ نے فرمایا حزب اللہ میں کس کا شمار ہوگا

ابو ہاشم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے دل میں کہا، پروردگار! تو مجھے اپنے گروہ اور اپنے جتھے میں قرار دے۔

آپؑ میری طرف متوجّہ ہوئے اور فرمایا: ہاں اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اس کے رسول کی رسالت کی تصدیق کرتے ہو، اس کے اولیاء کی معرفت رکھتے ہو، ان کا اتّباع کرتے ہو تو تمہیں بشارت ہو کہ تم اللہ کے گروہ اور اس کے جتّھے میں شامل ہو۔(۳)

۱۲۔امامؑ نے حکمِ تقیّہ پر زور دیا

محمّد بن عبدالعزیز بلخی کا بیان ہے کہ میں ایک دن صبح کو اٹھا اور جا کر شارع غنم پر بیٹھ گیا۔اتنے میں حضرت ابو محمد حسن عسکریؑ دربارِ عام میں جانے کے لیے اپنے گھر سے آتے ہوئے نظر آئے۔میں نے دل میں کہا کہ اگر میں باآواز بلند پکار پکار کر یہ کہوں کہ لوگو! یہ حجّتِ خدا ہیں، انھیں پہچانو۔تو کیا یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے؟

(۱) مناقب، جلد۴، ص۴۳۰ (۲) رجال کشی، ص/۴۸۰ (۳) کشف الغمہ، جلد۳، ص/۲۹۹

مگر جب آپؑ میرے قریب آئے تو آپؑ نے اپنے کلمہ کی انگلی اپنے لبوں پر رکھی اور اشارہ کیا کہ خاموش رہو۔ پھر میں نے شب کے وقت آپؑ کو خواب میں دیکھا کہ آپؑ فرما رہے ہیں کہ اس وقت دو ہی صورتیں تھیں، یا اپنے اعتقاد کو چھپائے رکھنا یا قتل ہو جانا۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اپنی جان بچاؤ۔(۱)

۱۳۔امامؑ کو اپنے یاد کرنے والوں کی خبر ہوتی ہے

ابو جعفر محمد بن عیسی بن احمد زرجی کا بیان ہے کہ میں نے سرمن رائے میں شارع سوق پر واقع ایک مسجد زبید کے اندر ایک نوجوان کو دیکھا، مجھے بتایا گیا کہ یہ ہاشمی نوجوان موسیٰ کی اولاد میں سے ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، جب سلام پڑھ کر نماز سے فارغ ہوا تو اس نوجوان نے مجھ سے پوچھا: آپ قمّی ہیں یا رازی؟

میں نے کہا: میں قمّی ہوں اور کوفہ میں حضرت امیر المومنینؑ کی مسجد کا مجاور ہوں۔

اس نے پھر دریافت کیا کہ کیا آپؑ موسیٰ بن عیسیٰ کے گھر کو جانتے ہیں جو کوفہ ہی میں ہے؟

میں نے کہا: ہاں! میں جانتا ہوں، اس نے کہا: میں ان ہی کی اولاد میں سے ہوں۔

اس نوجوان نے بیان کیا کہ میرے والد کے دو بھائی اور بھی تھے۔ بڑا بھائی دولتمند تھا اور چھوٹے کے پاس کچھ نہ تھا۔ ایک دن چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے پاس گیا اور اس کے چھ سو دینار چرا لیے۔ بڑے بھائی نے دل میں کہا کہ میں حضرت حسن بن علیؑ بن محمد بن رضاؑ کے پاس جاؤں گا۔ وہ بڑے شیریں زبان ہیں۔ ان سے عرض کروں گا کہ چھوٹے بھائی کو سمجھائیں، شاید وہ میرا مال واپس کردے۔

یہ ابتدائی شب کا واقعہ تھا۔ مگر جب صبح ہوئی تو میں نے ارادہ بدل دیا اور دل میں کہا کہ نہیں ان کے پاس نہیں، بلکہ بادشاہ کے مصاحب اسباس ترکی کے پاس جا کر چھوٹے بھائی کی شکایت کروں گا۔

یہ سوچ کر میں سباس ترکی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ شطرنج کھیلنے میں مصروف ہے۔ میں وہاں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں امام حسن عسکریؑ کا آدمی میرے پاس پہنچا اور بولا۔

چلیے! آپ کو میرے مولا نے یاد فرمایا ہے۔

---

(۱) کشف الغمہ، جلد۳، ص۳۰۲، مختار الخرائج ص/۲۱۵

میں وہاں سے اٹھ کر اس آدمی کے ہمراہ چل دیا۔ جب آپؑ کی خدمت میں پہنچا، تو آپؑ نے فرمایا: کیوں، اوّل شب میں تو تمہیں میری ضرورت تھی، مگر صبح ہوتے ہوتے تم نے ارادہ بدل دیا۔ اچھا جاؤ، وہ تھیلی جو تمہاری چوری ہوگئی تھی، واپس ہوگئی ہے۔ دیکھنا اپنے بھائی پر ہرگز شک نہ کرنا، بلکہ اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، اسے کچھ دے دینا اور اگر تم نہ دے سکو تو میرے پاس بھیج دینا، میں اسے دے دوں گا۔

وہ کہتا ہے کہ یہ سن کر جب میں وہاں سے چلا، تو راستہ ہی میں میرا غلام مجھے ملا، اس نے بتایا کہ دیناروں کی تھیلی مل گئی۔(۱)

۱۴۔فرش پر انبیاء کے قدموں کے نشانات ہیں

علی بن عاصم اعمی کوفی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے فرمایا:

اے ابن عاصم! دیکھو، تمہارے پاؤں کے نیچے جو فرش ہے اس پر بہت سے انبیاءؑ ومرسلین اور آئمہؑ راشدین بیٹھ چکے ہیں۔

میں نے عرض کیا: مولا! پھر میں اس مکرّم فرش پر تاحیات جوتا پہن کر نہ آؤں گا۔

آپؑ نے فرمایا۔ اے علی! یہ جوتا جو تمہارے پاؤں میں ہے نجس اور ملعون ہے۔ یہ ہماری دلالت کا اقرار نہیں کرتا۔

میں نے اپنے دل میں کہا: کاش میں اس فرش کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا۔

آپؑ نے فرمایا: اچھا میرے قریب آؤ۔

میں قریب پہنچا تو آپؑ نے اپنا دستِ مبارک میری آنکھوں پر پھیر دیا، میں ایک دم بینا ہوگیا۔

آپؑ نے فرمایا: کیا تم اس بساط پر قدموں کے نشانات اور نقوش دیکھتے ہو؟

دیکھو! یہ حضرت آدمؑ کے قدموں کے نشانات ہیں۔ وہ یہاں بیٹھتے تھے۔ یہ ہابیل کا نشانِ قدم ہے۔ یہ شیثؑ کا نشانِ قدم ہے۔ یہ نوحؑ کا نشانِ قدم ہے۔ یہ قیدارؑ کا نشانِ قدم ہے۔ یہ مہلائیل کے قدم کا نشان ہے۔

---

(۱) کمال الدین، جلد۲، ص/۱۹۴۔۱۹۵

یہ یارہؑ کا نشانِ قدم ہے۔ یہ خنوخؑ کا نشانِ قدم ہے۔ یہ متوشلخؑ کا نشانِ قدم ہے۔ یہ سامؑ کا نشانِ قدم ہے۔ یہ ارفخشد کے قدم کا نشان ہے۔ یہ ہودؑ کے قدم کا نشان ہے۔ یہ صالحؑ کے قدم کا نشان ہے۔ یہ لقمانؑ کا نشانِ قدم ہے۔ یہ ابراہیمؑ کا نشانِ قدم ہے۔ یہ لوطؑ کا نشانِ قدم ہے۔ یہ اسماعیلؑ کا نشانِ قدم ہے۔ اسی طرح اور نبیوں کے نام جیسے الیاسؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، شعیبؑ، موسیٰؑ، یوشعؑ، طالوتؑ، داوٴدؑ، سلیمانؑ، خضرؑ، دانیالؑ، الیسعؑ، ذوالقرنینؑ، شابورؑ بن اردشیر، لوئیؑ، کلابؑ، قصیؑ، عدنانؑ، عبد منافؑ، عبدالمطلبؑ، عبداللہؑ کے قدموں کے نشان ہے۔ یہ میرے جد رسول اللہؐ کے قدموں کے نشان ہیں، یہ امیرالمومنینؑ کا نشانِ قدم ہے۔ یہ آپؑ کے بعد کے اوصیاء کے نشاناتِ قدوم ہیں مہدیؑ منتظر تک۔ اس لیے کہ یہ حضرات اس پر چلے اور بیٹھے ہیں۔

پھر فرمایا: ان نشانات کو دیکھا، یہ دین خدا کے آثار و نشانات ہیں ان میں شک کرنے والا اللہ کی ذات میں شک کرنے والا ہے، ان سے انکار کرنے والا، اللہ تعالیٰ کی ذات سے انکار کرنے والا ہے۔(۱)

۱۵۔ امامؑ نے فرمایا ہمارے خواب و بیداری میں فرق نہیں

فضل بن حارث سے روایت ہے کہ امام علی نقیؑ کے سرمن رائے سے نکلتے وقت میں وہاں موجود تھا۔ میں نے دیکھا کہ امام حسن عسکریؑ پاپیادہ چل رہے ہیں، کپڑے پھٹے ہوئے ہیں گہرا گندمی رنگ ہے آپؑ کی جلالتِ شان کو دیکھتے ہوئے مجھے بڑا تعجب ہوا مجھے ڈر تھا کہ کہیں آپؑ تھک نہ جائیں۔

جب رات ہوئی تو میں نے آپؑ کو خواب میں دیکھا کہ آپؑ فرمارہے ہیں۔ میرا وہ رنگ جس پر تمہیں تعجب ہوا یہ (کسی بندے کے اختیار میں نہیں ہے) اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جس بندے کے لیے جو رنگ چاہتا ہے اختیار کرتا ہے اور یہ لوگوں کے لیے سبق آموز ہے، کسی بندے کے رنگ پر اس کی مذمّت نہیں کی جاسکتی۔ ہم آئمّہ عام لوگوں کی طرح نہیں ہوتے کہ جیسے وہ تھکتے ہیں ہم بھی تھک جائیں۔ ہم اللہ سے ثباتِ قدم اور توفیقِ تفکّر کی دعاء کرتے ہیں۔ یاد رکھو! ہم آئمّہ خواب میں بھی ویسے ہی کلام کرتے ہیں، جیسے بیداری میں (۲)

---

(۱) مناقب، ص/۴۳۹، اعلام الوریٰ، ص/۳۵۴، الارشاد، ص/۳۲۶

(۲) رجال کشی، ص/۴۸۰، کشف الغمہ، جلد۳، ص۳۰۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(باب چہاردہم)

﴿قائم آلِ محمد - ﴾

امام مہدی صاحب الزّمان -

❁ ولادت: ۱۵/شعبان المعظم ۲۵۵ھ یوم جمعہ بوقت فجر

❁ غیبتِ صغریٰ: ولادت سے یا ۹/ربیع الاوّل ۲۶۰ھ سے

❁ غیبت کبریٰ: ۱۵/شعبان ۳۲۹ھ سے ظہور قائمؑ تک

❁ والد ماجد: امام حسن عسکری علیہ السلام

❁ والدۂ ماجدہ: نرجس خاتون

امام مہدی علیہ السلام

امام زمانہ حضرت مہدیؑ رسول خداؐ کے بارہویں جانشین اور ہمارے بارھویں امام ہیں اور انوارِ معصومین کی چودھویں کڑی ہیں۔ آپؑ کے والد ماجد امام حسن عسکریؑ اور والدۂ ماجدہ جناب نرجس خاتون تھیں۔

آپؑ کی ولادت باسعادت

مورّخین کا بیان ہے کہ آپؑ کی ولادت باسعادت ۱۵؍شعبان المعظم ۲۵۵ھ یوم جمعہ بوقت طلوع فجر واقع ہوئی ہے۔(۱)

یہ مہینہ وہ مہینہ ہے جو حسینی نغمہ ساز ولادت کو آفتاب حق وحقیقت حضرت مہدیؑ موعود کی نورانی شعاعوں کے طلوع مسعود سے جوڑ دیتا ہے۔ اس مہینہ کی پندرھویں تاریخ عالم بشریت کے مصلح، عدل عمومی کے پھیلانے والے اور اسلام کی توحید و یکتا پرستی کی حکومت کو وسعت دینے والے، عدالتِ جہانی کے جاری کرنے والے، انسانوں کے حقوق کو ثابت کرنے والے مستکبرین پر مستضعفین کی حکومت اور اسراف کاروں اور گھمنڈ کرنے والوں پر محرومین کی انتہائی کامیابی کا مژدہ سنانے والے کی ولادت باسعادت کی بشارت دینے والی تاریخ ہے۔ آپؑ شبِ برات کے اختتام پر بوقت صبح صادق عالمِ ظہور و شہود میں تشریف لائے ہیں۔

امام حسن عسکریؑ کی پھوپھی جناب حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ:

ایک روز میں امام حسن عسکریؑ کے پاس گئی تو آپؑ نے فرمایا کہ اے پھوپھی آپ آج ہمارے ہی گھر میں رہیے، کیونکہ خداوند عالم مجھے آج رات ایک وارث عطا فرمائے گا۔ میں نے کہا کہ یہ فرزند کس کے بطن سے ہوگا۔ آپؑ نے فرمایا کہ بطنِ نرجس سے متولّد ہوگا۔ جناب حکیمہ نے کہا: بیٹے! میں تو نرجس میں کچھ بھی حمل کے آثار نہیں پاتی۔ امام نے فرمایا کہ اے پھوپھی نرجس کی مثال مادرِ موسیٰ جیسی ہے۔ جس طرح حضرت

---

(۱) وفیات الاعیان، روضۃ الاحباب، تاریخ کامل، طبری، کشف الغمہ، جلاء العیون، اصول کافی، نورالابصار، ارشاد، جامع عباسی، اعلام الوریٰ، انوارالحسینیہ، چودہ ستارے، ص۵۵۵

موسیٰ کا حمل ولادت کے وقت سے پہلے ظاہر نہیں ہوا۔ اسی طرح اس میرے فرزند کا حمل بھی بروقت ظاہر ہوگا۔ غرض کہ میں امام کے فرمانے سے اس شب وہیں رہی جب آدھی رات گزر گئی تو میں اٹھی اور نمازِ تہجد میں مشغول ہوگئی اور نرجس بھی اٹھ کر نمازِ تہجد پڑھنے لگی۔ اس کے بعد میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ صبح قریب ہے اور امام حسن عسکریؑ نے جو کہا تھا وہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا، اس خیال کے دل میں آتے ہی امامؑ نے اپنے حجرہ سے آواز دی: اے پھوپھی! جلدی نہ کیجئے حجّت خدا کے ظہور کا وقت بالکل قریب ہے۔ یہ سن کر میں نرجس کے حجرے کی طرف پلٹی، نرجس مجھے راستے ہی میں ملیں، مگر ان کی حالت اس وقت متغیّر تھی، وہ لرزہ براندام تھیں اور ان کا سارا جسم کانپ رہا تھا، میں نے یہ دیکھ کر ان کو سینہ سے لپٹا لیا، اور ''سورۂ قل ھواللہ، انا انزلناہ وآیۃ الکرسی'' پڑھ کر ان پر دم کیا بطن مادر سے بچّے کی آواز آنے لگی، یعنی میں جو کچھ پڑھتی تھی، وہ بچہ بھی بطنِ مادر میں وہی کچھ پڑھتا تھا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ تمام حجرہ روشن ومنوّر ہوگیا۔ اب جو میں دیکھتی ہوں تو ایک نومولود مسعود زمین پر سجدہ میں پڑا ہوا ہے میں نے بچّہ کو اٹھالیا۔ امام حسن عسکریؑ نے اپنے حجرہ سے آواز دی: اے پھوپھی! میرے فرزند کو میرے پاس لائیے۔ میں لے گئی، آپؑ نے اسے اپنی گود میں بٹھالیا'' اور اپنی زبان بچّے کے منھ میں دے دی اور کہا: اے فرزند! خدا کے حکم سے کچھ بات کرو، بچّے نے اس آیت ''**بسم اللہ الرحمن الرحیم و نریدان منسن علی اللذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم الوارثین** '' کی تلاوت کی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں، ان لوگوں پر جو زمین پر کمزور کر دیئے گئے ہیں اور ان کو امام بنائیں اور انہیں کو روئے زمین کا وارث قرار دیں۔

اس کے بعد کچھ سبز طائروں نے آکر ہمیں گھیر لیا، امام حسن عسکریؑ نے ان میں سے ایک طائر کو بلایا اور بچے کو دیتے ہوئے کہا: **خدہ فاحفظہ الخ** ''اس کو لے جا کر اس کی حفاظت کرو۔ یہاں تک کہ خدا اس کے بارے میں کوئی حکم دے۔ کیونکہ خدا اپنے حکم کو پورا کر کے رہے گا۔ میں نے امام حسن عسکریؑ سے پوچھا: یہ طائر کون تھا اور دوسرے طائر کون تھے؟ آپؑ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے، اور وہ دوسرے فرشتگان رحمت تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اے پھوپھی اس فرزند کو اس کی ماں کے پاس لے آؤ تا کہ اس کی آنکھیں خنک ہوں اور محزون ومغموم نہ ہوں اور یہ جان لے کہ خدا کا وعدہ حق ہے۔'' **واحشرھم لا یعلمون** ''لیکن اکثر لوگ

اسے نہیں جانتے۔اس کے بعد اس مولود مسعود کو اس کی ماں کے پاس پہنچا دیا گیا۔(۱)

دوسری روایت میں ہے کہ (کتاب اکمال الدین سے لے کر روایت بحار الانوار جلد ۱۱) میں لکھا گیا ہے کہ جناب حکیمہ کہتی ہیں نرجس کے جسم سے ایسا نور ساطع تھا کہ میری آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ پھر ناگاہ دیکھا وہ نومولود اپنے گھٹنوں، ہاتھوں اور پیشانی کو زمین پر ٹکائے ہوئے سجدۂ خالق میں ہے اور اس کی دونوں انگشت شہادت آسمان کی طرف بلند ہیں اور زبان سے یہ کلمے جاری کر رہا ہے۔

''اَشۡهَدُ اَنۡ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ وَاَنَّ جَدِّیۡ ''رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَاَنَّ اَبِیۡ اَمِيۡرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاللّٰهُمَّ اَنۡجِزۡلِیۡ وَعۡدِیۡ وَاتۡمِمۡ لِیۡ اَمۡرِیۡ وَثَبِّتۡ وَطَاتِیۡ وَ آمۡلَا الۡاَرۡضَ بِیۡ عَدۡلاً وَّقِسۡطاً۔''

(میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے جو یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ میرے جد رسول اللہؐ ہیں اور یہ کہ میرے پدر بزرگوار امیر المومنینؑ ہیں اور پھر ایک ایک امامؑ کا نام لیتے ہوئے خود اپنے نام کو زبان معجز نما پر جاری فرمایا اور فرمایا: اے اللہ! تو مجھ سے اپنے کئے ہوئے وعدے کو پورا کرنا میرے امر کو پورا کرنا اور مجھے ثابت قدم رکھنا اور میرے ذریعہ سے زمین کو عدل وقسط سے بھر دینا۔'')

پس اتنے میں ابو محمد حسن عسکریؑ نے آواز دی کہ پھوپھی جان! اس بچّے کو لے کر میرے پاس آئیں۔ میں اس کو لے کر آپ کے پاس گئی۔ بچّہ میرے ہاتھوں پر تھا، جونہی وہ اپنے پدر بزرگوار کے پاس پہنچا، فوراً اس نے اپنے پدر بزرگوار کو سلام کیا، آپؑ نے اس کو اپنی آغوش میں لیا۔ پھر چالیس روز تک مسلسل ہر روز ایک طائر آتا، انہیں لے کر فضائے آسمانی میں پرواز کر جاتا اور دوسرے بہت سے طائر اس کے عقب میں پرواز کرتے۔ اس وقت میں نے امام ابو محمدؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''اے فرزند! میں نے تمہیں اس ذات کے سپرد کیا جس کو اُمِّ موسیٰ نے اپنے بیٹے کو سپرد کیا تھا''۔ جب طائر بچّے کو لے کر پرواز کر گیا تو نرجس رونے لگیں۔

حضرت امام ابو محمدؑ نے فرمایا: چپ ہو جاؤ۔ اس لئے کہ اس بچّے پر تمہارے سوا کسی اور کا دودھ حرام ہے۔ یہ تم کو جلد ہی واپس ملے گا جس طرح موسیٰؑ اپنی ماں کو واپس ملے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) شواہد النبوت، ص/۲۱۲، طبع لکھنؤ، چودہ ستارے، ص/۵۵۵، ۵۵۶

﴿فَرَدَدْ نَاهُ اِلیٰ اُمِّہٖ لَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَاوَلَا تَحْزَنَ﴾
(سورۃ القصص، آیت ۹۳)
(پس ہم نے اس کو اس کی ماں کی طرف واپس کردیا تاکہ اس کی (ماں کی)
آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اس مادرِ موسیٰ کو دکھ نہ پہنچے''۔)

جناب حکیمہ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا: یہ طائر کیسے تھے؟

آپؑ نے فرمایا: یہ روح القدس تھے جو آئمہؑ کے لئے مقرر ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں، ان کی حفاظت کرتے ہیں اور علم کے ساتھ ان کی تربیت کرتے ہیں۔

جناب حکیمہؑ کا بیان ہے جب چالیس روز گذر گئے تو بچّہ واپس ہوا۔ میرے بھتیجے نے مجھے بلا بھیجا۔ میں پہنچی تو دیکھا کہ ایک بچّہ آپؑ کے سامنے اپنے پیروں سے چل پھر رہا ہے۔ میں نے کہا: میرے آقا! یہ بچّہ تو دو برس کا معلوم ہوتا ہے۔

یہ سن کر آپؑ مسکرادئے اور فرمایا: جب انبیاءؑ واوصیاءؑ کی اولاد میں کوئی امام تولّد ہوتا ہے تو اس کی نشو ونما دوسرے لوگوں کی اولاد سے مختلف ہوتی ہے۔ ہمارے بچّوں میں سے جو بچّہ امام ہوتا ہے، جب وہ ایک ماہ کا ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ ایک سال کا ہے۔ وہ بطنِ مادر میں کلام کرتا ہے، قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے، اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور ایّام شیر خوارگی ہی میں ہر صبح وشام اس پر ملائکہ نازل ہوا کرتے ہیں۔

جناب حکیمہ کا بیان ہے کہ اسی طرح اس بچّے کی نشو ونما ہوتی رہی، یہاں تک کہ حضرت ابومحمدؑ کی رحلت سے قبل تھوڑے ہی دنوں میں وہ بچّہ مکمّل مرد نظر آنے لگا، ایسا کہ پہچاننا مشکل ہوگیا۔ چنانچہ ایک دن میں نے حضرت ابومحمدؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہے جس کے سامنے آپ مجھے بیٹھنے کے لئے فرمارہے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: یہ نرجسؑ کا فرزند ہے، یہی میرے بعد میرا خلیفہ وجانشین ہوگا اور میں عنقریب دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں، لہٰذا اس کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا۔(۱)

''آپؑ اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلمِ زمانہ اور افضلِ کائنات ہیں۔ آپؑ بچپن ہی میں علم وحکمت سے بھرپور تھے۔(۲)

(۱) اکمال الدّین، بحارالانوار، جلد ۱۱، ص ۳۹۔۴۰
(۲) صواعق محرقہ، ص ۱۲۴

''آپؑ کو پانچ سال کی عمر میں ویسی ہی حکمت دے دی گئی تھی ،جیسی حضرت یحیٰ کو ملی تھی ۔آپ بطن مادر میں اسی طرح امام قرار دیئے گئے تھے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی قرار پائے تھے ۔(۱)

آپؑ کے متعلق حضرت رسولِ کریمؐ نے بے شمار پیشینگوئیاں فرمائی ہیں اوراس کی وضاحت کی ہے کہ آپؑ حضورؐ کی عترت اور فاطمۃ الزہراؑ کی اولاد سے ہوں گے ۔(۲)

آپؐ نے اس کی بھی وضاحت فرمائی ہے کہ مہدی کا اصل نام میرے نام کی طرح ''محمد'' اور کنّیت میری کنیت کی طرح ''ابوالقاسم'' ہوگی ،وہ جب ظہور کریں گے ،تو ساری دنیا کو عدل وانصاف سے اسی طرح پر کردیں گے ،جس طرح وہ اس وقت ظلم وجور سے بھری ہوگی ۔''(۳)

عقیقہ نقش خاتم

ابن متوکّل نے حمیری سے ،انہوں نے محمد بن ابراہیم کوفی سے ،روایت بیان کی ہے کہ امام ابومحمدؑ نے ایک شخص کے پاس ایک ذبح کی ہوئی بکری بھیجی اور فرمایا کہ یہ میرے فرزند محمد کے عقیقے کی ہے ،(۴)

احمد بن علی نے محمد بن علی سے انھوں نے حنظلہ بن زکریا سے انھوں نے وثوق کے ساتھ روایت بیان کی ہے محمد بن علی بن بلال سے انھوں نے بھی جناب حکیمہ سے اسی کے مثل روایت نقل کی ہے کہ میں نے اپنے مولا (امام عصرؑ) کی حس وحرکت محسوس کی ،معاً حضرت ابومحمدؑ نے فرمایا کہ اے پھوپھی جان ! میرے فرزند کو میرے پاس لے آئے ۔

جب میں نے ان کے (جھولے) کا پردہ ہٹا کر دیکھا ،وہ اپنے اعضائے سجدہ زمین پر رکھے ہوئے محوِ سجدہ ہیں اوران کے داہنے بازو پر یہ تحریر دیکھی ۔''جآء الحقُّ وزَھَقَ البَاطِلُ''(سورۂ بنی اسرائیل ،آیت ۸۱)

(حق آ گیا اور باطل مٹ گیا ۔)

اسم گرامی ،کنّیت والقاب

ابن خشّاب کا بیان ہے کہ مجھ سے ابوالقاسم بن ہارون بن موسیٰ علوی نے ،انہوں نے اپنے والد سے ،

---

(۱) کشف الغمہ ،ص ۱۳۰

(۲) جامع صغیر سیوطی ،ص/۱۶۰ طبع مصر ومسند احمد ابن حنبل ،جلد ۱،ص/۸۴

(۳) جامع صغیر ،ص/۱۰۴ ومستدرک امام حاکم ،ص ۴۲۲، ۴۱۵

(۴) بحارالانوار ،جلد ۱۱ ،ص/ ۴۱ ۔۴۷

انھوں نے اپنے جد سے روایت بیان کی ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا کہ خلفِ صالح میری اولاد میں سے ہوں گے، وہی مہدی ہیں ان کا نام ''م، ح، م، دٗ'' اور کنیت ابوالقاسم، ہے۔ آخر زمانہ میں ظہور کریں گے، ان کی والدہ کا نام صیقل ہوگا۔ ابوبکر دارع نے کہا ہے کہ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کی والدہ کا نام حکیمہ ہے، تیسری روایت میں ہے کہ ان کی والدہ کا نام نرجس ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی والدہ کا نام سوسن ہے(۱)

''آپ کے القاب مہدی، حجۃ اللہ، خلف الصالح، صاحب العصر، صاحب الامر، والزمان القائم، الباقی اور المنتظر ہیں''(۲)

ہمارے آئمہ معصومینؑ میں حضرت علی بن ابی طالبؑ کے بعد سب سے زیادہ القاب ہمارے ''امام عصرؑ'' کے ہیں جن میں زیادہ مشہور ذیل کے خطابات ہیں:۔

مہدی

''مہدی'' لفظ کے معنی ''ہدایت پائے ہوئے'' کے ہیں اسی لحاظ سے کہ ''اصل ہادی'' (راستہ بتانے والی) ذات خالق ہے جس کے لحاظ سے خود پیغمبرؐ سے خطاب کر کے قرآن کریم میں یہ آیت آئی ہے ''**انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ مھدی من یشاء**'' (تمہارے بس کی بات نہیں ہے کہ جس کو چاہو تم ہدایت کر دو بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے) اور اسی اعتبار سے سورۂ ''الحمد'' میں بارگاہ الٰہی میں دعا کی گئی ہے ''**اھدنا الصراط المستقیم**'' ''ہم کو سیدھے راستہ پر لگا دے''۔ اس فقرہ کو خود پیغمبر اور آئمہ معصومین بھی اپنی زبان پر جاری کرتے تھے، اس لئے خداوند عالم کی ہدایت کے لحاظ سے ان رہنمایان دین کو ''مہدی'' کہنا صحیح تھا۔ جو صفت کے لحاظ سے سب ہی بزرگوار تھے اور خطاب کے لحاظ سے حضرت ''امام منتظر'' کے ساتھ محفوظ ہو گیا۔

القائم

یہ لقب ان احادیث سے ماخوذ ہے جس میں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ دنیا ختم نہیں ہوسکتی، جب تک ہماری اولاد میں سے ایک شخص قائم (کھڑا) نہ ہو جو دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے۔

(۱) کشف الغمہ، بحار الانوار، جلد ۱۱، ص/۵۴

(۲) تذکرہ خواص الامتہ، ص/۲۰۴، روضۃ الشہداء، ص/۴۳۹، کشف الغمہ، ص/۱۳۱، صواعق محرقہ، ص/۱۲۴، مطالب السؤل، ص/۲۹۴

صاحب الزّماں

یہ لقب اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ آپؑ ہمارے زمانے کے رہنمائے حقیقی ہیں۔

حجت خدا

ہر نبی اور امام اپنے دور میں خالق کی حجّت ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے ہدایت کی ذمہ داری جو اللہ پر ہے وہ پوری ہوتی ہے اور بندوں کے پاس اپنی کوتاہیوں کے جواز کی کوئی سند نہیں رہتی۔ چونکہ ہمارے زمانے میں رہنمائی خلق کی ذمہ داری حضرت کے ذریعہ سے پوری ہوئی ہے اس لئے قیام قیامت تک ''حجّت خدا'' آپؑ ہیں۔

منتظرؑ

چونکہ امام ''مہدیؑ'' کے ظہور کی بشارتیں برابر رہنمایان دین دیتے رہے ہیں یہاں تک کہ صرف مسلمانوں میں نہیں بلکہ دوسرے مذہب میں بھی چاہے نام کوئی دوسرا ہو، مگر ایک آنے والے کا آخر زمانہ میں انتظار ہے۔ آپؑ کی ولادت سے قبل پیدائش کا انتظار رہا اور اب غیبت کے بعد دنیا کو ظہور کا انتظار ہے۔ اس لئے آپ خود حضرت، حکم الٰہی کے منتظر ہوتے ہوئے تمام خلق کے لئے منتظر یعنی مرکز انتظار ہیں۔(۱)

آپؑ کا حلیہ مبارک

کتاب اکمال الدین میں شیخ صدوق تحریر فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امام مہدیؑ شکل وشباہت خلق وخلق شمائل وخصائل، اقوال وافعال میں میرے مشابہ ہوں گے۔

آپؑ کے حلیہ کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ آپؑ کا رنگ گندم گون، قد درمیانہ ہے، آپؑ کی پیشانی کھلی ہوئی اور آپ کے ابرو گھنے اور باہم پیوستہ ہیں۔ آپؑ کی ناک باریک اور بلند ہے، آپؑ کی آنکھیں بڑی اور آپؑ کا چہرہ نہایت نورانی ہے۔ آپؑ کے داہنے رخسار پر ایک تل ہے ''کانہ کوکب دری'' (جو ستارے کی مانند چمکتا ہے) آپؑ کے دانت چمکدار اور اکھلے ہوئے ہیں۔ آپؑ کی زلفیں کندھوں پر پڑی رہتی ہیں۔ آپؑ کا سینہ چوڑا اور آپؑ کے کندھے کھلے ہوئے

---

(۱) رہنمایانِ اسلام (سیّد علماء علی نقی صاحب)، ص/ ۲۰۶، ۲۰۷

ہوئے ہیں آپؑ کی پشت پر مہر امامت ثبت ہے جس طرح پشتِ رسالت مآبؐ پر مہر نبوّت ثبت تھی۔(۱)

وارثِ امامت کی گواہی

علاّمہ اردبیلی لکھتے ہیں کہ احمد بن اسحاق اور سعد الاشقری ایک دن حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔انہوں نے خیال کیا کہ آج امام علیہ السلام سے یہ دریافت کریں گے کہ آپؑ کے بعد حجّت اللہ فی الارض کون ہوگا، جب سامنا ہوا تو امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ اے احمد! تم جو دل میں لے کر آئے ہو، میں اس کا جواب تمہیں دیئے دیتا ہوں۔یہ فرما کر آپؑ اپنے مقام سے اٹھے اور اندر جا کر یوں واپس آئے کہ آپؑ کے کندھے پر ایک نہایت خوبصورت بچّہ تھا، جس کی عمر تین سال کی تھی۔آپ نے فرمایا کہ اے احمد! میرے بعد حجّتِ خدا یہ ہوگا۔اس کا نام محمد اور اس کی کنیت ابوالقاسم ہے۔یہ خضرؑ کی طرح زندہ رہے گا اور ذوالقرنینؑ کی طرح ساری دنیا پر حکومت کرے گا۔احمد بن اسحاق نے کہا: مولا! کوئی ایسی علامت بتا دیجئے جس سے دل کو اطمینان کامل ہو جائے۔آپؑ نے امام مہدی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، بیٹا، اس کو تم جواب دو۔ امام مہدی علیہ السلام نے کمسنی کے باوجود بزبانِ فصیح فرمایا: ''انا حجّة الله و انا بقية الله ''(میں ہی خدا کی حجت اور حکم خدا سے باقی رہنے والا ہوں) ایک وہ دن آئے گا جس میں دشمنانِ خدا سے بدلہ لوں گا، یہ سن کر احمد خوش و مسرور اور مطمئن ہو گئے۔(۲)

انوارِ معصومین کی پیشینگوئیاں

امام مہدیؑ کے دنیا میں آنے سے پہلے پیشینگوئی متواتر طریقہ سے پیغمبر اسلام اور آئمہ معصومین کی زبان پر آتی رہی تھی جن میں سے ہر معصوم کی طرف ایک خبر اس موقع پر درج کی جاتی ہے۔

۱۔حضرت خاتم النّبین محمّد مصطفیٰؐ

حضرت کی زبان مبارک سے احادیث اس کثرت سے اس موضوع پر وارد ہوئی ہیں کہ صحاح و مسانید ان سے معمور ہیں۔متعدد علمائے اہل سنت نے ان کو مستقل تصانیف میں جمع کیا ہے، جیسے حافظ محمد بن

---

(۱)اعلام الوریٰ،ص/ ۲٦۵۔وغایۃ المقصود،جلد ا،ص/٦۴،ونور الابصار،ص ۱۵۲،چودہ ستارے،ص/ ۵۵۹،۵٦۰ (۲) کشف الغمہ،ص/ ۱۳۸

یوسف کنجی شافعی نے ''البیان فی اخبار صاحب الزمان'' میں حافظ ابونعیم اصفہانی نے ذکر ''نعت المہدی'' اس کے علاوہ ابو داؤد سجستانی نے اپنے سنن میں جس کا صحاح ستہ میں شمار ہوتا ہے، کتاب ''المہدی'' کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اسی طرح ترمذی نے ''صحیح'' میں اور ابن ماجہ قزوینی نے اپنی کتاب ''سنن'' میں حاکم نے '' مستدرک'' میں بھی ان احادیث کو نقل کیا ہے۔

صرف ایک حدیث یہاں درج کی جاتی ہے جسے محمد بن ابراہیم حموی شافعی نے اپنی کتاب ''فرائدالسمطین'' میں درج کیا ہے وہ یہ ہے ابن عباس نے روایت کی کہ رسول خداؐ نے فرمایا ''**انا سید النبیین و علیؑ سیدالوصیین و اما اوصیائی بعدی اثنا عشر اولھم علی و آخرھم المھدی**'' (میں انبیاء کا سردار ہوں اور علیؑ اوصیاء کے سردار ہیں، میرے اوصیاء (قائم مقام) میرے بعد بارہ ہونگے جن میں اوّل علیؑ ہیں اور آخری ''مہدی'' ہوں گے۔)

۲۔حضرت سیدۃ النساء فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

کافی کلینی میں انصاری کی روایت ہے کہ حضرت فاطمہؑ زہرا کے پاس ایک لوح تھی جس میں تمام اوصیاء آئمہ کے نام درج تھے۔ جناب سیّدہ نے اس لوح سے بارہ اماموں کے ناموں کی خبر دی، جن میں سے تین محمد تھے اور چار علیؑ۔ ان کی آخری فرد آپ کی اولاد میں سے وہ ذات ہے جو قائمؑ ہوگی۔

۳۔حضرت امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالبؑ

جناب شیخ صدوقؒ محمد بن علی بن بابویہ قمی نے ''اکمال الدّین'' میں امام رضاؑ کی حدیث آپؑ کے آبائے طاہرین کے ذریعہ سے نقل کی ہے کہ جناب امیرؑ نے اپنے فرزند امام حسینؑ کو مخاطب کر کے فرمایا: '' تیری نسل میں سے نواں وہ ہے جو حق کے ساتھ قائم، دین کا ظاہر کرنے والا اور عدل و انصاف کا پھیلانے والا ہوگا۔''

۴۔امام حسن مجتبیٰؑ

''صدوق، کمال الدّین'' نے امام حسن کی ایک روایت نقل کی ہے: میرے بھائی حسینؑ کی نسل سے نواں جب پیدا ہوگا تو خداوند عالم اس کی عمر کو غیبت کی حالت میں طولانی کرے گا، پھر جب وقت آئے گا تو

اسے اپنی قدرت کاملہ سے ظاہر فرمائے گا۔

۵۔سیّدالشہدا ءامام حسینؑ

میری نسل میں سے نواں وہ امام ہے جو حق کے ساتھ قائم ہوگا جس کے ذریعہ سے اللہ زمین کو موت کے بعد زندگی عطا کرے گا اور جس کے ذریعہ سے دین حق کو تمام مذاہب پر غلبہ حاصل ہوگا، اس کی ایک طولانی غیبت ہوگی، جس میں بہت سے گمراہ ہو جائیں گے اور کچھ ثابت قدم رہیں گے۔ جنہیں ایذائیں برداشت کرنا پڑیں گی اور ان سے لوگ کہیں گے کہ اگر سچّے ہو، تو بتاؤ یہ وعدہ پورا کب ہوگا جو اس غیبت کے زمانہ میں اس اذیت اور انکار پر صبر کریں گے، انہیں رسولؐ کے ہمراہ رکاب جہاد کرنے کا ثواب حاصل ہوگا۔

۶۔امام زین العابدینؑ

ہم میں سے قائم وہ ہوگا جس کی ولادت لوگوں سے پوشیدہ رہے گی، یہاں تک کہ عام لوگ کہیں گے کہ وہ پیدا ہی نہیں ہوا۔

۷۔امام محمد باقرؑ

کافی کلینی میں امام محمد باقرؑ کی ایک روایت درج ہے: ''حسینؑ کے بعد نو (۹) امام معین ہیں جن میں سے نواں امام قائم ہوگا۔''

۸۔امام جعفر صادقؑ

علل الشرائع شیخ صدوق میں روایت ہے فرمایا: حضرتؑ نے کہ ''میرے فرزند موسیٰؑ کی نسل سے پانچواں قائم آلِ محمدؐ ہوگا۔''

۹۔امام موسیٰ کاظمؑ

''اکمال الدین صدوق'' نے نقل کیا ہے: کسی نے امام موسیٰ کاظمؑ سے کہا کہ کیا آپؑ قائم بحق ہیں۔ حضرت نے فرمایا حق کے ساتھ قائم و برقرار تو میں بھی ہوں مگر اصل میں قائم وہ ہوگا جو زمین کو دشمنانِ خدا سے پاک کردے گا اور اسے عدل وانصاف سے مملو کردے گا۔ وہ میری اولاد میں سے پانچواں شخص ہوگا اور اس کی

ایک طولانی غیبت ہوگی جس میں بہت سے گمراہ ہو جائیں گے اور کچھ ثابت قدم رہیں گے۔

۱۰۔امام رضاؑ

دعبلؔ نے آپؑ کے سامنے اپنا مشہور قصیدہ پڑھا اور اس میں دو شعروں تک پہنچے۔

زمانہ میں ظہور قائمؑ آلِ عبا ہوگا مدد سے جو خدا کے نام و برکت کی کھڑا ہوگا
جہاں میں امتیاز حق و باطل آ کے کر دے گا وہ دے گا مومن و قاتل کو ہر کردار کا بدلا

یہ سنتے ہی امام رضاؑ نے گریہ فرمایا اور پھر سر اٹھا کر کہا: اے دعبلؔ! یہ شعر تمہاری زبان پر روح اقدس نے جاری کرائے ہیں۔ تمہیں معلوم بھی ہے کہ یہ امام کون ہے اور کب کھڑا ہوگا۔ دعبلؔ نے کہا یہ تفصیلات مجھے معلوم نہیں مگر میں یہ سنتا رہا ہوں کہ آپؑ میں ایک امام ایسا ہوگا جو زمین کو فساد سے پاک اور عدل و انصاف سے مملو کر دے گا۔ حضرت نے فرمایا: اے دعبلؔ! میرے بعد امام میرا فرزند محمدؑ ہوگا اور اس کے بعد اس کا فرزند علیؑ اور علیؑ کے بعد اس کا بیٹا حسنؑ اور حسنؑ کے بعد اس کا بیٹا ''قائمؑ'' ہوگا جس کی غیبت کے دور میں اس کا انتظار رہے گا اور ظہور کے موقع پر دنیا اس کے سامنے سر تسلیم خم کرے گی۔

۱۱۔امام محمد تقیؑ

''قائم ہم میں سے وہی مہدیؑ ہوگا جو میری نسل میں تیسرا ہوگا۔''

۱۲۔امام علی النّقیؑ

''میرا جانشین تو بعد میرے میرا فرزند حسنؑ ہے مگر اس کے جانشین کے دور میں تمہارا کیا عالم ہوگا؟''
سننے والوں نے پوچھا کہ کیوں؟ اس کا کیا مطلب؟ کہا: اس لئے کہ تمہیں اسے دیکھنے کا موقع نہ ملے گا، اس کے نام تک لینے کی اجازت نہ ہوگی۔ غرض کہا گیا: پھر ان کا نام کس طرح لیا جائے گا۔ فرمایا بس یوں کہنا کہ ''الحجّة من آلِ محمد''

۱۳۔امام حسن عسکریؑ

حضرت سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپؑ کے آبائے طاہرینؑ نے یہ فرمایا ہے کہ زمین حجت خدا سے

قیامت تک کبھی خالی نہیں ہوسکتی؟ اور جو مر جائے اور اپنے امام زمانہ کی اسے معرفت حاصل نہ ہوئی ہو، وہ جاہلیت کی موت دنیا سے گیا؟ آپ نے فرمایا کہ ''بیشک یہ اسی طرح حق ہے، جس طرح روز روشن حق ہوتا ہے'' عرض کیا گیا کہ پھر حضور کے بعد حجت اور امام کون ہوگا فرمایا: ''میرا فرزند جو پیغمبر خداؐ کا ہم نام ہے، میرے بعد امام و حجت ہوگا جو شخص بغیر اس کی معرفت حاصل کیے ہوئے دنیا سے اٹھا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ بیشک اس کی غیبت کا دورا اتنا طولانی ہوگا جس میں جاہل لوگ حیران اور سرگرداں پھریں گے اور باطل پرست ہلاکت ابدی میں گرفتار ہوں گے اور وقت مقرر کر کے پیشین گوئیاں کرنے والے غلط گو ہوں گے۔''

وصیت امام حسن عسکری علیہ السلام

امام حسن عسکریؑ نے ۲۵۹ھ میں اپنی والدہ کو حج کے لئے بھیج دیا تھا، اور فرمادیا تھا کہ ۲۶۰ھ میں میری شہادت ہو جائے گی۔ اسی سن میں آپ نے حضرت امام مہدیؑ کو جملہ تبرکات دے دیئے تھے اور اسم اعظم وغیرہ تعلیم کر دیا تھا۔ انہی تبرکات میں حضرت علیؑ کا جمع کیا ہوا وہ قرآن بھی تھا جو ترتیب نزولی پر سرورِ کائنات کی زندگی میں مرتّب کیا گیا تھا اور جسے حضرت علیؑ نے اپنے عہدِ خلافت میں بھی اس لیے رائج نہ کیا تھا کہ اسلام میں دو قرآن رواج پا جائیں گے اور اسلام میں تفرقہ پڑ جائے گا۔(۱)

علماء حضرات کا کہنا ہے کہ اسی سن میں حضرت نرجس خاتون کا انتقال ہوا ہے اور اسی سن میں حضرت مہدی صاحب الزماں نے غیبت اختیار فرمائی ہے۔

علاّمہ ابن طاؤس کا ارشاد ہے کہ ۸ ربیع الاوّل کو امام حسن عسکری کی وفات واقع ہوئی اور ۹ ربیع الاوّل سے حضرت حجّت کی امامت کا آغاز ہوا ہم ۹ ربیع الاوّل کو جو خوشی مناتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔(۲)

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ ۹ ربیع الاول کو عمر بن سعد بدست مختار آلِ محمد قتل ہوا۔ جو عبیداللہ ابن زیاد کا سپہ سالار تھا جس کے قتل کے بعد آلِ محمد نے پورے طور پر خوشی منائی۔(۳)

حضرت امام مہدیؑ کی والدہ نرجس خاتون کے حالات

دختر شاہ روم نرجس خاتون کا عقد امام حسن عسکریؑ کے ساتھ کس طرح ہوا، اس کا ذکر علماء کرام نے

(۱) (بحارالانوار)، کتاب دمعۃ الساکبہ، ص/۱۹۲۔ جلاالعیون، ص/۲۹۸، چودہ ستارے، ص/۵۶۲ (۲) کتاب اقبال (۳) زادالمعاد، ص ۵۸۵

اس طرح کیا ہے کہ راویوں کی ایک جماعت نے ابوالمفضّل شیبانی سے انھوں نے محمد بن بحر بن شیبانی سے روایت کی ہے کہ بشر بن سلیمان بردہ فروش جو حضرت ابوایّوب انصاریؓ کی اولاد میں سے تھا اور حضرت ابوالحسن اور حضرت ابومحمدؑ کے دوستداروں میں سے تھا، سرّمن رائے میں ان دونوں حضرات کا پڑوسی بھی تھا، نے بیان کیا کہ ایک دن میرے پاس کافور خادم آیا اور کہا کہ مولا علی نقیؑ نے تم کو بلایا ہے تو میں گیا اور آپؑ کے سامنے بیٹھ گیا۔

آپؑ نے فرمایا: اے بشر! تم انصار کی اولاد میں سے ہو اور تم لوگوں کو موالات اور دوستی سلف سے خلف تک وراثتاً منتقل ہوتی جارہی ہے تم ہم اہل بیتؑ کے معتمد اور قابلِ بھروسہ ہو، تو آج میں تمہیں مزید ایک فضیلت و شرف سے نوازنا چاہتا ہوں کہ جس کے سبب سے تم ہمارے شیعوں میں دوستی و موالات کے اعتبار سے سب سے بڑھ جاؤ گے، یہ رازداری کی بات ہے۔ میں تمہیں ایک کنیز خریدنے کے لئے روانہ کررہا ہوں۔

پھر آپؑ نے رومی زبان اور رومی رسم الخط میں ایک خط لکھا، اس پر اپنی مہر لگائی پھر ایک زرد رنگ کی تھیلی نکالی جس میں دوسوبیس دینار تھے اور فرمایا: یہ خط اور یہ تھیلی لو اور فلاں دن قبل از دوپہر فرات کے پل پر پہنچ جاؤ، جب تم پہنچو گے تو ایک جانب چند کشتیاں اسیروں کی نظر آئیں گی، ان میں چند کنزیں بھی ہوں گی، وہاں بنی عباس کے عمائدین کے وکلاء اور کچھ عرب کے نوجوان بحیثیتِ خریدار تم کو ملیں گے۔ تم عمرو بن یزید بردہ فروش کے سامنے ذرا دور رہ کر دن بھر کے لئے کھڑے ہو جانا۔ اسی اثناء میں وہ خریداروں کو دکھانے کے لئے ایک کنیز کو لائے گا جو ان صفات کی ہوگی اور گف بنے ہوئے حریر کے دو کپڑے پہنے ہوئے ہوگی اور خریداروں کے سامنے جانے اور ان کے ہاتھ لگانے اور چھونے سے انکار کرتی ہوگی، ایک باریک پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی اپنی رومی زبان میں فریاد کررہی ہوگی۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ کیا کہتی ہوگی۔ وہ یہ کہتی ہوگی کہ ''ہائے میری پردہ دری'' اور بعض خریدار کہیں گے کہ ہم اس کے تین سو دینار دیں گے کیونکہ یہ بہت زیادہ پاک دامن معلوم ہوتی ہے۔

اسی لئے ہمیں مرغوب ہے۔ لیکن وہ کنیز کہے گی کہ اگر تو سلیمانؑ بن داؤد یا ان کے مثل کوئی اور بادشاہ بھی بن کر آجائے تو مجھے تو، اس وقت بھی پسند نہ ہوگا۔ اپنے دیناروں کو تو، اپنے پاس رکھ۔ بردہ فروش یہ کہے گا

کہ میں کب تک تجھے فروخت نہ کروں گا، بالآخر تجھے فروخت کرنا ہی پڑے گا۔لیکن کنیز کہے گی کہ تجھے جلدی کیوں ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ میں اپنے لئے ایسا خریدار منتخب کرلوں جس کی وفاداری اور امانتداری پر میرا دل مطمئن ہو۔

اس وقت تم اپنی جگہ سے اٹھنا۔عمرو بن یزید بردہ فروش کے پاس جانا اور اس سے کہنا کہ میرے پاس رومی زبان میں ایک مردِ شریف کا ایک خط ہے جس میں اس نے اپنے کرم و وفا و شرافت اور سخاوت کو بیان کیا ہے،تم یہ خط اس کنیز کو دے دو تا کہ وہ اس صاحبِ خط کے اخلاق و عادات کے متعلق غور کرے۔ اگر وہ اس کے ساتھ فروخت ہونے پر راضی ہوئی تو میں اس مردِ شریف کا وکیل ہوں، اسے خریدلوں گا۔

بشر بن سلیمان کا بیان ہے کہ اس کنیز کے متعلق حضرت ابوالحسنؑ نے جو کچھ حکم دیا تھا، میں نے اس کی پوری پوری تعمیل کی۔ اس کنیز نے آپؑ کے خط کو دیکھا تو زار و قطار رونے لگی اور عمرو بن یزید سے کہا: تم اس کے ہاتھ مجھے فروخت کردو میں حلف سے کہتی ہوں کہ اگر تم نے مجھے اس صاحبِ خط کے ہاتھ فروخت کرنے سے انکار کیا تو میں جان دے دوں گی۔

پھر میں اس کی قیمت کے لئے مول تول کرنے لگا، یہاں تک کہ قیمت وہی طے پا گئی جو میرے مولا نے میرے حوالے کی تھی۔ میں نے اس کی قیمت ادا کی اور وہ خوش و مسرور کنیز میرے حوالے کر دی گئی۔ میں اسے لے کر بغداد میں اس حجرے کی طرف چل دیا جہاں میں مقیم تھا۔مگر اس کنیز کو چین نہ تھا۔ وہ بار بار اس خط کو اپنی جیب سے نکالتی، اسے چومتی، آنکھوں سے لگاتی رخساروں پر رکھتی اور سینے سے لگاتی تھی۔ میں نے حیرت سے کہا: تو، اس خط والے سے واقف بھی نہیں اور پھر اس کے خط کو اس والہانہ طریقے پر بوسہ دے رہی ہے؟

کنیز نے جواب دیا: اے اولادِ انبیاء کی معرفت نہ رکھنے والے! ذرا غور سے سن میں قیصر روم کے فرزند یشوعا کی بیٹی ہوں، میرا نام ملیکہ ہے میری ماں شمعون، وصیِ حضرت عیسیٰؑ کے حواری کی اولاد میں سے ہے۔ میں تجھے اپنا حیرت انگیز قصّہ سناتی ہوں۔ جب میں تیرہ سال کی تھی تو میرے دادا قیصر روم نے اپنے بھائی کی اولاد میں ایک لڑکے کو میرے لئے منتخب کیا اور شادی کے انتظامات شروع کئے اور اس کے لئے انھوں نے نسلِ حواریّین و قسیسین و رہبان میں سے تین سو آدمی، ذی وجوہ و باوجاہت اشخاص میں سے سات سو، اور

امیرانِ لشکر، فوجوں کے سرداروں، نقیبوں اور قبائل کے سرداروں میں سے چار ہزار اشخاص کو اپنے قصر میں مدعو کیا اور ایک قیمتی تخت جس میں انواع واقسام کے جواہرات جڑے ہوئے تھے، محل سے منگا کر ایک بلند مچان پر سجایا، جس میں چالیس سیڑھیاں تھیں۔ جب ان کے بھائی کا لڑکا اس مچان پر چڑھا تو ہر طرف صلیبیں لٹکی ہوئی تھیں اساقف حضرات قطار سے کھڑے تھے۔ انجیل کے بہت سے نسخے کھلے ہوئے تھے کہ اچانک صلیبیں ٹوٹ کر زمین پر آگئیں، مچان کے پائے ٹوٹ گئے اور تخت پر بیٹھنے والا (شہزادہ جس سے میری شادی ہونے والی تھی) تخت سے گر کر بیہوش ہوگیا۔ اب کیا تھا؟ اساقف (پوپ پادری وغیرہ) کے چہرے زرد ہوگئے، جسم لرزنے لگے، ان کے سردار نے میرے جد سے کہا: اے بادشاہ! آپ مجھے اس منحوس تقریب سے باز رکھیں، یہ دینِ مسیح اور آسمانی مذہب کے زوال کی نشانی ہے۔

میرے جد نے بھی اس سے فالِ بد لیا اور اساقف سے کہا: اچھا اس مچان کے پایوں کو دوبارہ کھڑا کرو اور پھر اسی طرح صلیبیں لٹکا دو اور اس بدکار و منحوس دولھا کے بھائی کو بلا لو تا کہ میں اس سے اپنی بیٹی کی شادی کردوں۔ ممکن ہے نحوست دور ہو جائے۔

مگر جب اس کو دولھا بنا کر تخت پر بٹھایا گیا، تو اس کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلے کا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر مجمع منتشر ہوگیا۔ میرے جد قیصر روم وہاں سے غمگین وملول اٹھ کر اپنے زنانخانے میں چلے گئے اور دروازوں پر پردے ڈال دیئے گئے۔

میں نے اسی شب ایک خواب دیکھا کہ حضرت مسیحؑ و شمعونؑ اور ان کے کچھ حواری میرے جد کے قصر میں جمع ہوئے اور آسمان جیسا بلند ایک نوری منبر وہاں پر نصب کیا گیا جہاں میرے جد نے میری شادی کیلئے تخت نصب کیا تھا۔ اتنے میں حضرت محمدؐ اور ان کے داماد اور ان کی اولاد میں سے چند حضرات تشریف لائے۔

حضرت مسیحؑ نے پیش قدمی کی اور ان کا استقبال کیا اور دونوں گلے ملے۔ حضرت محمد صلی اللہؐ نے ارشاد فرمایا: اے روح اللہ! میں آپ کے وصی شمعونؑ کی لڑکی ملیکہ کا پیغام اپنے اس لڑکے سے لے کر آیا ہوں، یہ فرمایا کر آنحضرتؐ نے حضرت ابومحمد امام حسن عسکریؑ کی جانب اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا، جو اس خط کے لکھنے والے کے فرزند ہیں، حضرت مسیحؑ نے شمعون کی طرف دیکھا اور فرمایا: لو تمہیں ایک شرف حاصل ہوا، تم

اپنے خاندان کو آلِ محمدؐ کے خاندان سے نسبت دے لو۔

''شمعونؑ نے عرض کیا، مجھے منظور ہے''

یہ سن کر حضرت محمدؐ اس نوری منبر پر تشریف لے گئے اور انھوں نے میرا نکاح اپنے فرزند سے پڑھ دیا اور حضرت مسیحؑ و اولادِ محمدؐ اور حواریینؑ اس نکاح کے گواہ بن گئے۔

جب میں اس خواب سے بیدار ہوئی تو ڈری کہ اگر میں یہ خواب اپنے باپ اور جد سے بیان کرتی ہوں تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ لہٰذا اس کو چھپائے رہی۔ مگر ابومحمدؑ کی محبت میرے دل و جان میں اس قدر رچ بس گئی کہ میں نے کھانا پینا بھی ترک کر دیا۔ نتیجے میں ضعف و ناتوانی اتنی بڑھ گئی کہ میں شدید بیمار پڑ گئی۔ مدائن کے آس پاس کوئی ایسا طبیب نہ تھا کہ جسے میرے جد نے بلا کر علاج نہ کروایا ہو۔

غرض چودہ دن کے بعد میں نے پھر خواب دیکھا، گویا سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ زہراؑ میرے پاس تشریف لائی ہیں اور ان کے ساتھ حضرت مریمؑ بنتِ عمران اور جلو میں ایک ہزار حوران بہشتی ہیں۔ حضرت مریمؑ نے مجھ سے فرمایا: یہ تمہارے شوہر ابومحمد کی مادرِ گرامی سیدۃ النساء ہیں۔

یہ سن کر میں ان سے لپٹ گئی اور زار و قطار رونے لگی اور شکایت کی کہ حضرت ابومحمد سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔ آپؑ نے فرمایا: میرا فرزند ابومحمد تمہاری ملاقات کو اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک تم دینِ نصاریٰ پر قائم ہو۔ اور یہ میری بہن مریمؑ بنتِ عمرانؑ ہیں۔ انہوں نے بھی تمہارے دین سے برآت کر لی ہے۔ لہٰذا اگر تم اللہ اور حضرتِ مسیحؑ و حضرت مریمؑ کی خوشنودی چاہتی ہو اور یہ چاہتی ہو کہ ابومحمدؑ تم سے ملیں تو کہو کہ ''**اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان ابی محمداً رّسول اللہ** '' (میں گواہی دیتی ہوں کہ نہیں ہے کوئی خدا سوائے اللہ کے اور میرے پدر محمد اللہ کے رسولؐ ہیں۔) جب میں نے یہ کلمہ پڑھا تو انہوں نے مجھے گلے لگا لیا۔ میرا جی خوش ہو گیا۔

آپؑ نے فرمایا: اب توقع رکھو، تمہیں ابومحمد کی زیارت ہوگی اور میں انہیں بھیجوں گی۔

اس کے بعد میں نے خواب میں ابومحمد کو دیکھا تو ان سے کہا آپؑ نے مجھ کو اپنی محبت میں مبتلا کیا ہے اور آپ مجھ سے ملتے بھی نہیں۔

آپؑ نے فرمایا: تم سے نہ ملنے کا سبب یہ تھا کہ تم مشرکہ تھیں، اب اسلام قبول کیا ہے۔ لہٰذا تم سے ہر شب خواب میں ملتا رہوں گا، یہاں تک کہ اللہ ہمیں اور تمہیں ظاہر میں بھی ملا دے گا۔ پھر آج تک خواب میں ان کی ملاقات مجھ سے نہیں چھوٹی۔

بشر نے دریافت کیا، مگر تم قیدیوں میں کیسے آ گئیں؟

انھوں نے جواب دیا: ایک شب خواب میں حضرت ابومحمدؑ نے مجھے بتایا کہ تمہارے جد فلاں فلاں دن مسلمانوں سے جنگ کے لئے ایک لشکر روانہ کریں گے۔ پھر اس لشکر کے عقب میں خود بھی روانہ ہو جائیں گے۔ تم چند کنیزوں کے ساتھ بھیس بدل کر فلاں راستے سے ان کے ہمراہ ہو جانا۔

چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا مسلمانوں کے نگراں دستے نے مجھے دیکھ لیا۔ پھر جو کچھ ہوا وہ تمہارے مشاہدے میں ہے۔

بشر کا بیان ہے کہ میں نے کہا: تعجب ہے، تم رومی عورت ہو، مگر تمہاری زبان عربی ہے؟

اس نے کہا: ہاں، میرے جد کی بے حد تمنا تھی کہ میں دیگر زبانیں بھی سیکھوں، اس لیے انھوں نے اپنی ایک ترجمان عورت کو مقرر کیا جو صبح و شام آتی اور مجھے عربی بولنا سکھاتی۔ اس طرح میری عربی زبان رواں اور مستحکم ہوگئی۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد امامؑ نے کافور کو حکم دیا کہ جاؤ میری بہن حکیمہ کو بلا لاؤ۔

جب وہ آئیں تو فرمایا: اے میری بہن! دیکھئے یہ وہی ہے؟

انھوں نے بڑھ کر بڑی دیر تک اس کو گلے لگائے رکھا اور بہت خوش ہوئیں۔ اس کے بعد آپؑ نے بہن سے فرمایا: بنتِ رسولؐ! اس کو اپنے گھر لے جائیے اور فرائض و سنن (نماز وغیرہ) سکھایئے۔ یہی ابومحمد کی زوجہ اور امام قائم کی ماں ہے۔(۱)

امام عصر صاحب الزماں محمد مہدیؑ کی علمی فضیلت

ہمارے بارہویں امام عصر صاحب الزمان کو اپنے والد کی آغوش شفقت و تربیت کا بہت کم موقع فراہم

(۱) غیبت طوسیؒ، بہارالانوار، جلد ۱۱، ص/ ۲۹۔۳۴

ہوسکا یعنی ۱۵ر شعبان ۲۵۵ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور ربیع الاوّل ۲۶۰ھ میں آپ کے والد بزرگوار حضرت امام حسن عسکریؑ کی وفات ہوگئی اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی عمر اس وقت صرف ساڑھے چار برس کی تھی اور اسی کمسنی میں آپ کے سر پر خالق کی طرف سے امامت کا تاج رکھ دیا گیا۔

ہمارے آئمہ اہلبیت کو قدرت کی طرف سے علم لدنّی کی فضیلت حاصل ہوتی ہے ان کو ظاہری حیثیت سے تعلیم و تربیت کا موقع اگر حاصل نہیں ہو پاتا پھر بھی وہ اپنے علم و کمالات کے جوہر سے آراستہ ہو کر امامت کے درجہ پر فائز کر دیئے جاتے ہیں۔ اس کی نظیر حضرت ''امام منتظرؑ'' سے پہلے آپؑ کے جد بزرگوار احضرت علی النقیؑ جن کی عمر اپنے والد امام محمد تقیؑ کی وفات کے وقت چھ برس اور چند مہینہ سے زیادہ نہ تھی اور اس کے پہلے امام محمد تقیؑ جن کی عمر اپنے والد امام رضاؑ کے انتقال کے وقت آٹھ برس سے زیادہ نہ تھی ظاہر ہے کہ یہ مدّت عام انسان کے لحاظ سے بظاہر اسباب نشو و نما اور تعلیم و تربیت کے لئے ناکافی ہے مگر جب خالق کی مخصوص کو ان حضرات کے بارے میں تسلیم کرلیا تو عمر کا کوئی سوال باقی نہیں رہ جاتا۔ اس لئے آپؑ علم امامت میں پوری طرح عالم تھے۔

امامؑ عصر صاحب الزّماں محمد مہدی اللہ تعالیٰ کی نظر میں

حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ ساتویں دن پھر میں آئی اور سلام کر کے بیٹھ گئی کہ امام حسن عسکریؑ نے فرمایا: جایئے پھوپھی میرے فرزند کو لے آیئے۔

میں گئی اور ایک زرد پارچے میں لپیٹ کر انھیں لے کر آئی تو آپؑ نے پھر ان کے ساتھ وہی کیا جو پہلے دن کیا تھا، یعنی اپنی زبان ان کے دہن میں دے کر فرمایا: اے فرزند کچھ کلام کرو۔

آپؑ نے پھر وہی کلماتِ شہادت دہرائے اور حضرت محمد و امیر المومنینؑ و دیگر تمام آئمّہ طاہرینؑ پر نام بہ نام درود بھیجتے رہے اور قرآن کی تلاوت کرتے رہے۔ یہ سن کر امام حسن عسکریؑ نے فرمایا: اے فرزند! اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور رسولوں پر جو کچھ نازل فرمایا ہے اس کی بھی تلاوت کرو۔ (اپنے پدرِ بزرگوار کی فرمائش پر امام عصرؑ نے) حضرت آدمؑ کے صحیفوں سے جو سریانی زبان میں تھے تلاوت شروع کی، پھر کتابِ ادریسؑ، کتابِ نوحؑ، کتاب ہودؑ، کتابِ صالحؑ، اور صحفِ ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی تورات و داؤد کی زبور اور عیسیٰؑ کی انجیل اور

میرے جدّ کے فرقان کی تلاوت کی پھر اپنے زمانے تک کہ تمام انبیاء ومرسلینؑ کے قصّے سنائے۔

چالیسویں دن میں پھر حضرت ابومحمدؑ سے بیت الشّرف گئی تو دیکھا کہ میرے سید وسردار حضرت صاحب الزماںؑ گھر میں پیروں سے چل پھر رہے ہیں۔ میں نے ان سے زیادہ خوبصورت کوئی چہرہ نہیں دیکھا تھا اور نہ ان سے فصیح کوئی بولنے والا پایا۔

حضرت ابومحمدؑ نے مجھ سے فرمایا: اس مولود پر اللہ کا خاص کرم ہے۔

میں نے عرض کیا: یا سیّدی! آپؑ نے سچ فرمایا ابھی تو صرف چالیس (۴۰) دن کے ہیں اوران کا جو حال ہے وہ بھی میں بہ چشم خود دیکھ رہی ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: پھوپھی جان! کیا آپ کے علم میں نہیں ہے کہ ہم گروہِ اوصیاء ایک دن میں اتنے بڑے ہو جاتے ہیں جتنے دوسرے بچے ایک ہفتے میں اور ہم ایک ہفتے میں اتنا بڑھتے ہیں جتنا دوسرے بچے ایک سال میں۔

پھر میں نے اٹھ کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور گھر واپس آ گئی۔ جب پھر ایک دن گئی تو اپنے شہزادے کو گھر میں نہ دیکھا۔ تو میں نے دریافت کیا یا سیدی میرے آقا مولا کہاں ہیں گھر میں تو نظر نہیں آ رہے ہیں آپ نے فرمایا پھوپھی جان! میں نے انہیں اس ذات کے سپرد کر دیا جس ذات کو مادرِ موسیٰؑ نے موسیٰؑ کو سپرد کر دیا تھا۔ پھر فرمایا جب میرے رب نے مجھے اس امت کا مہدی عطا فرمایا تو دو فرشتے بھیجے جو انہیں اٹھا کر شامیانہ عرش تک لے گئے اور وہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے میرے بندے! مرحباء تو میرے دین کی نصرت کرے گا، میرے امر کو ظاہر کرے گا، میرے بندوں کی ہدایت کرے گا، میں نے قسم کھائی ہے کہ تیرے ذریعے سے لوگوں کا مواخذہ کروں گا، تیرے ہی ذریعے سے لوگوں کو عطا کروں گا، تیرے ذریعے سے لوگوں کو بخشوں گا اور تیرے ہی ذریعے سے لوگوں پر عذاب نازل کروں گا۔ اے فرشتو! اب انہیں واپس لے جاؤ اور انھیں ان کے پدر کے سپرد کر دو اور نرمی کے ساتھ واپس لے جاؤ اور ان کے پدر کو یہ پیغام بھی پہنچا دینا کہ یہ بچّہ میری ضمانت اور میری حفاظت ونگرانی میں اس وقت تک رہے گا، جب تک حق ثابت نہ ہو جائے اور باطل مٹ نہ جائے اور

دین میرے لئے تا ابد نہ ہو جائے۔

امام مہدیؑ نبوّت کے آئینہ میں

علاّمہ طبرسیؒ بحوالہ حضرت معصومینؑ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام مہدیؑ میں بہت سے انبیاء کے حالات و کیفیات نظر آتے ہیں اور جن واقعات سے مختلف انبیاء کو دو چار ہونا پڑا، وہ تمام واقعات آپؑ کی ذات ستودہ صفات میں دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کیلئے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یونسؑ، حضرت محمد مصطفیٰؐ کو لے لیجئے اور ان کے حالات پر غور کیجئے۔ آپؑ کو حضرت نوحؑ کی طویل زندگی نصیب ہوئی، حضرت ابراہیمؑ کی طرح آپؑ کی ولادت بھی پوشیدہ رکھی گئی اور انہیں کے ماننے والوں کی طرح آپؑ کے ماننے والوں کو آپؑ کی غیبت کے بعد ستایا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی طرح آپؑ کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا۔ حضرت ایوبؑ کی طرح تمام امتحانات کے بعد آپؑ کو کشائش نصیب ہوگی۔ حضرت یوسفؑ کی طرح عوام اور خواص سے آپؑ کی غیبت ہوگئی۔ حضرت یونسؑ کی طرح غیبت کے بعد آپؑ کا ظہور ہوگا یعنی جس طرح وہ اپنی قوم سے غائب ہو کر بڑھاپے کے باوجود نوجوان تھے۔ اسی طرح آپ کا جب ظہور ہوگا تو آپؑ چالیس سالہ جوان ہوں گے اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کی طرح آپؑ صاحب السیف ہوں گے۔(۱)

امام حسن عسکریؑ نے کچھ شیعوںؑ کو امام مہدیؑ کی زیارت کرائی

یعقوب بن منقوش و محمد بن عثمان عمری و ابی ہاشم جعفری اور موسیٰ بن جعفر بن وہب بغدادی کا بیان ہے کہ ہم امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کی: مولا! آپؑ کے بعد امامت کس کے سپرد ہوگی اور کون حجّت خدا قرار پائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میرا فرزند محمد میرے بعد حجت اللہ فی الارض ہوگا۔ ہم نے عرض کی مولا ہمیں ان کی زیارت کرا دیجئے۔ آپؑ نے فرمایا وہ پردہ جو سامنے آویختہ ہے اسے اٹھاؤ۔ ہم نے پردہ اٹھایا، تو اس میں سے ایک نہایت خوبصورت بچّہ جس کی عمر پانچ سال سے کم تھی برآمد ہوا۔ وہ آ کر امام حسن عسکریؑ کی آغوش میں بیٹھ گیا۔ امامؑ نے فرمایا: یہی میرا فرزند میرے بعد حجّت اللہ ہوگا۔ محمد بن عثمان کا کہنا

---

(۱) اعلام الوریٰ، ص/۲۶۴، طبع بمبئی ۱۳۱۲ھ

ہے کہ ہم اس وقت چالیس افراد تھے اور ہم سب نے ان کی زیارت کی۔ امام حسن عسکریؑ نے اپنے فرزند امام مہدیؑ کو حکم دیا کہ وہ اندر واپس چلے جائیں اور ہم سے فرمایا کہ اب تم آج کے بعد پھر اسے نہ دیکھ سکو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر غیبت شروع ہوگئی۔(۱)

امام حسن عسکریؑ کی شہادت اور خلفاء وقت کا کردار

علاّمہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ جب آپ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو سارے شہر سامرہ میں ہلچل مچ گئی۔ فریاد و فغاں کی آوازیں بلند ہوگئیں، سارے شہر میں ہڑتال کر دی گئی، یعنی ساری دکانیں بند ہوگئیں۔ لوگوں نے اپنے کاروبار چھوڑ دئے۔ تمام بنی ہاشم، حکامِ دولت، منشی، قاضی، ارکان عدالت، اعیان حکومت اور عامہ خلائق حضرت کے جنازے کے لئے دوڑ پڑے، حالت یہ تھی کہ شہر سامرہ قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ تجہیز اور نماز سے فراغت کے بعد آپؑ کو اسی مکان میں دفن کر دیا گیا۔ جس میں حضرت امام علی نقیؑ مدفون تھے۔(۲)

علاّمہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد نمازِ جنازہ امام مہدیؑ نے پڑھائی۔(۳)

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ نماز کے بعد آپؑ کو بہت سے لوگوں نے دیکھا اور آپؑ کے ہاتھوں کا بوسہ دیا۔(۴)

اس دور کا خلیفۂ وقت خلیفہ معتمد بن متوکل عباسی تھا جو اپنے آباؤ اجداد کی طرح ظالم و جابر شخص تھا اور اہل بیت محمدؐ کا جانی دشمن تھا۔ پیغمبر خدا کی حدیث اس کے کانوں میں پڑ چکی تھی کہ میرے بعد بارہ ہوں گے جن میں آخری ''مہدیؑ'' ہوں گے، اس لئے اس نے امام حسن عسکریؑ کی شہادت کے بعد تکفین و تدفین سے پہلے آپؑ کے گھر میں کافی لوگوں کو بھیج دیا تھا تا کہ امام مہدیؑ کو گرفتار کر سکیں مگر اس میں وہ کامیاب نہ ہو سکا، تو اس نے امام حسن عسکریؑ کی تمام کنیزوں کو گرفتار کرا لیا اور حکم دیا کہ اس امر کی تحقیق کی جائے کہ آیا کوئی ان میں حاملہ تو نہیں ہے۔ اگر کوئی حاملہ ہو تو اس کا حمل ضائع کر دیا جائے۔ بالکل اسی طرح جیسے فرعون مصر نے یہ پیشینگوئی سن لی تھی کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والا ایک بچّہ میرے ملک کی تباہی کا باعث ہوگا تو اس نے اس کی کوششیں صرف کر دیں کہ وہ بچّہ کسی طرح پیدا ہی نہ ہونے پائے اور پیدا ہو تو زندہ نہ رہنے پائے۔ اسی

---

(۱) کشف الغمہ، ص۱۳۹، وشواہد النبوت، ص۲۱۳ (۲) نور الابصار، ص۱۵۲، تاریخ کامل، صواعق محرقہ، وفصول مہمہ جلاء العیون، ص۲۹۶

(۳) دمعہ ساکبہ، جلد۳، ص/۱۹۲، جلاء العیون، ص/ ۲۹۶ (۴) اعلام الوریٰ، ص/۲۴۲

طرح متواتر حدیث کی بناء پر عباسی سلطنت کے فرمانروا کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ حسن عسکریؑ کے یہاں اس مولود کی پیدائش ہوگی جس کے ذریعہ باطل حکومتیں تباہ ہو جائیں گی، تو اس کی طرف سے انتہائی شدّت کے ساتھ انتظامات کئے گئے کہ ایک ایسے مولود کی پیدائش کے امکان باقی نہ رہے، اسی لئے امام حسن عسکریؑ کو مسلسل قید و بند میں رکھا گیا مگر قدرت الٰہی کے سامنے کوئی بڑی سے بڑی مادی طاقت بھی کامیاب نہ ہوسکی اور امام عصرؑ کی ولادت خدا کے حکم سے ہوئی۔

امام مہدیؑ کی غیبت وظہور کا ذکر قرآن مجید میں

امام مہدیؑ کی غیبت اور آپؑ کے موجود ہونے اور آپؑ کے طویل عمر نیز آپؑ کے ظہور وشہود اور ظہور کے بعد سارے دین کو ایک کر دینے کے متعلق ''۹۴'' آیتیں قرآنِ مجید میں موجود ہیں، جن میں سے اکثر کو دونوں فریق نے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح بے شمار خصوصی احادیث بھی ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو غایۃ المقصو دوغایۃ المرام علامہ ہاشم بحرانی ینابیع المودۃ، میں اس مقام پر صرف دو تین آیتیں لکھتا ہوں۔

ا۔ آپ کی غیبت کے متعلق

﴿الٓمٓ ذَلِکَ الْکِتَابُ لارَیْبَ فِیهِ هُدًی لِلْمُتَّقِینَ الَّذِینَ یُؤْمِنُونَ بِالْغَیْب ﴾ ہے حضرت محمد مصطفیؐ فرماتے ہیں کہ ایمان بالغیب سے امام مہدی کی غیبت مراد ہے۔ نیک بخت ہیں وہ لوگ جو ان کی غیبت پر صبر کریں گے اور مبارک باد کے قابل ہیں۔ وہ سمجھدار لوگ جو غیبت میں بھی ان کی محبت پر قائم رہیں گے۔(۱)

آپؑ کے ظہور اور غلبہ کے متعلق ﴿لیظھرہٗ علی الدین کلّہ ﴾ (۳) جب امام مہدی بحکم خدا ظہور فرمائیں گے تو تمام دینوں پر غلبہ حاصل کرلیں گے۔ یعنی دنیا میں سوا، ایک دن اسلام کے کوئی اور دین نہ ہوگا۔(۲)

امام مہدیؑ کا ذکر کتب آسمانی میں

حضرت داؤد کی زبور کی آیت (۴) مرموز ۹۷ میں ہے کہ آخری زمانہ میں جو انصاف کا مجسمہ انسان

---

(۱) ینابیع المودۃ، ص/۳۷۰، طبع بمبئی، چودہ ستارے، ص/۵۶۷ (۲) نورالابصار، ص/۱۵۳، طبع مصر

آئے گا، اس کے سر پر ابر سایہ فگن ہوگا۔ کتاب صفیائے پیغمبر کے فصل ۳ آیت ۹ میں ہے آخری زمانے میں تمام دینا موحّد ہوجائے گی۔ کتاب زبور مرموز ۱۲۰ میں ہے، جو آخرالزماں آئے گا اس پر آفتاب اثر انداز نہ ہوگا۔ صحیفۂ شیعہ پیغمبر کے فصل (۱۱) میں ہے کہ جب نورِ خدا ظہور کرے گا تو عدل وانصاف کا ڈنکا بجے گا۔ شیر اور بکری ایک جگہ رہیں گے۔ چیتا اور بزغالہ ایک ساتھ چریں گے۔ شیر اور گوسالہ ایک ساتھ رہیں گے، گوسالہ اور مارغ ایک ساتھ ہوں گے۔ شیر اور گائے میں دوستی ہوگی۔ طفلِ شیرخوار سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالے گا اور وہ کاٹے گا نہیں۔ پھر اسی صفحہ کے فصل ۲۸ میں ہے کہ یہ نورِ خدا جب ظاہر ہوگا، تو تلوار کے ذریعہ سے تمام دشمنوں سے بدلہ لے گا۔ صحیفہ تنجاس حروف الف میں ہے کہ ظہور کے بعد ساری دنیا کے بت مٹا دیئے جائیں گے، ظالم اور منافق ختم کردئے جائیں گے۔ یہ ظہور کرنے والا کنیز خدا (نرجس) کا بیٹا ہوگا۔ توریت کے سفرِ انبیاء میں ہے کہ مہدی ظہور کریں گے۔ عیسیٰ آسمان سے اتریں گے، دجال کو قتل کریں گے۔ انجیل میں ہے کہ مہدیؑ اور عیسیٰؑ دجال اور شیطان کو قتل کریں گے۔ اسی طرح مکمل واقعہ جس میں شہادت امام حسینؑ اور ظہور مہدیؑ کا اشارہ ہے۔ انجیل کتاب دانیال باب ۱۲ فصل ۹ آیت ۲۴ رویائے (۱) میں موجود ہے۔ (۲)

امام مہدی کی غیبت کے ذریعہ احکامِ خداوندی محفوظ ہوئے

خداوند عالم نے اپنے احکام کی بقا کے لئے دنیا میں ہدایت خلق کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور کثیر تعداد میں ان کے اوصیاء بھیجے۔ پیغمبروں میں سے ایک لاکھ تیئیس ہزار نوسو ننانوے انبیاء کے بعد چونکہ حضور رسولِ کریمؐ تشریف لائے تھے جو کہ ہمارے آخری نبی تھے۔ لہٰذا ان کے جملہ صفات وکمالات ومعجزات آپؐ میں جمع کردیئے گئے تھے اور آپؐ کو خدا نے تمام انبیاء کے صفات کا جلوہ بردار بنایا بلکہ خود اپنی ذات کا مظہر قرار دیا تھا اور چونکہ آپؐ کو بھی اس دنیائے فانی سے ظاہری طور پر جانا تھا، اس لئے آپؐ نے اپنی زندگی ہی میں حضرت علیؑ کو ہر قسم کے کمالات سے بھرپور کردیا تھا۔ یعنی حضرت علیؑ اپنے ذاتی کمالات کے علاوہ نبوی کمالات سے بھی ممتاز ہوگئے تھے۔

سرورِ کائنات کے بعد کائناتِ عالم میں صرف ایک علیؑ کی ہستی تھی جو کمالات انبیاء کی حامل تھی۔ آپ

(۱) نورالابصار، ص/۱۵۳، طبع مصر (۲) کتاب الوسائل، ص ۱۲۹۔ طبع بمبئی، چودہ ستارے، ص ۵۶۸

ؑ کے بعد سے یہ کمالات اوصیاء میں منتقل ہوتے ہوئے امام مہدی تک پہنچے۔ بادشاہِ وقت امام مہدیؑ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ اگر وہ قتل ہوجاتے، تو دنیا سے انبیاء واوصیاء کا نام ونشان مٹ جاتا اور سب کی یادگار بیک ضرب شمشیر ختم ہوجاتی۔ چونکہ انہیں انبیاء کے ذریعہ سے خداوندِ عالم متعارف ہوا تھا۔لہٰذا اس کا بھی ذکر ختم ہوجاتا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ ایسی ہستی کو محفوظ رکھا جائے جو جملہ انبیاء اور اوصیاء کی یادگار اور ان تمام کے کمالات کی مظہر ہو۔ خداوند عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے ''وجعلها کلمة باقیة فی عقبه'' (ابراہیم کی نسل میں کلمۂ باقیہ قرار دے دیا ہے۔) نسلِ ابراہیم دوفرزندوں سے چلی ہے ایک اسحاق اور دوسرے اسماعیل اسحاق کی نسل سے خداوند عالم جنابِ عیسیٰ کو زندہ وباقی قرار دے کر آسمان پر محفوظ کر چکا تھا۔

اب یہ مقتضائے انصاف ضرورت تھی کہ نسلِ اسمٰعیلؑ سے بھی کسی ایک کو باقی رکھے اور وہ بھی زمین پر کیونکہ آسمان پر ایک باقی موجود تھا، لہٰذا امام مہدی کو جو نسلِ اسمٰعیل سے ہیں زمین پر زندہ اور باقی رکھا اور انہیں بھی اسی طرح دشمنوں کے شر سے محفوظ کردیا۔ جس طرح حضرت عیسیٰؑ کو محفوظ کیا تھا۔ یہ مسلمات اسلامی سے ہے کہ زمین حجتِ خدا اور امام زمانہ سے خالی نہیں رہ سکتی۔(۱)

چونکہ حجّت خدا اس وقت امام مہدی کے سوا کوئی نہ تھا۔ انہیں دشمن قتل کردینے پر تلے ہوئے تھے اس لئے انھیں محفوظ ومستور کردیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ حجت خدا کی وجہ سے بارش ہوتی ہے، انہیں کے ذریعہ سے روزی تقسیم کی جاتی ہے۔ یہ مسلم حقیقت ہے کہ حضرت مہدیؑ جملہ انبیاء کے مظہر تھے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ انہیں کی طرح ان کی غیبت بھی ہوتی۔ یعنی جس طرح بادشاہِ وقت کے مظالم کی وجہ سے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، اور حضرت محمد مصطفیٰؐ اپنے عہد حیات میں مناسب مدت تک غائب رہ چکے تھے۔ اسی طرح یہ بھی غائب رہتے۔ قیامت کا آنا مسلم ہے اور واقعہ قیامت میں امام مہدی کا ذکر بتاتا ہے کہ آپ کی غیبت مصلحت خداوندی کی بنا پر ہوئی ہے۔ وقت معین، خداوند عالم آلِ محمدؐ پر جو مظالم کئے گئے ہیں، ان کا بدلہ امام مہدی کے ذریعہ سے بنی امیہ اور بنی عباس کے ماننے والے ظالم وجابر لوگوں کو سزا دے کرلے گا۔

---

(۱) اصولِ کافی، ص/۱۰۳۔ طبع نولکشور، چودہ ستارہ، ص/ ۵۶۸

غیبت امام مہدی علیہ السلام

امام منتظر کی امامت کا زمانہ اب تک دو غیبتوں میں تقسیم رہا ہے: ایک زمانہ ''غیبت صغریٰ'' اور غیبت کبریٰ غیبت صغریٰ کی مدّت ۷۵ یا ۷۳ سال تھی۔ کچھ علماء کا لکھنا ہے کہ غیبت صغریٰ کا دور ۲۶۰ھ سے شروع ہوا جب آپؑ کے والد ماجد کی وفات ہوئی تھی اور یہ غیبت ۳۲۹ھ تک رہی، یعنی ۶۹ سال تک۔ اس کے بعد غیبت کبریٰ شروع ہوگئی۔

غیبت صغریٰ

اس دورِ غیبت میں امام مہدیؑ نے کچھ اشخاص کو جو بھروسہ مند تھے، انہیں اپنی جانب سے اپنا نائب مقرر کیا تھا، جو شیعوں کے مسائل امام تک پہنچایا کرتے تھے اور ان کے جوابات حاصل کر کے ان تک پہنچاتے تھے۔ ان نائبین کے پاس امام کی تحریریں بھی موجود تھیں۔ یہ نائبین شیعوں سے خمس و زکوٰۃ جمع کر کے انھیں مصارف خاصہ میں صرف کرتے تھے، جو قابل اعتماد اشخاص ہوتے ان تک خود امام کی تحریرات کو بھی پہنچاتے تھے۔ باقی حضرات کے مسائل حضرتؑ سے دریافت کر کے جواب دیتے۔ ایک وقت میں ایک ہی نائب رہتا تھا۔

امام مہدیؑ سے مل کر مسائل حل کرنے والے اشخاص علم و تقویٰ اور راز داری میں اپنے زمانے کے سب سے ممتاز اشخاص تھے اس لئے ان کو امامؑ کی جانب سے اس خدمت کا اہل سمجھا جاتا تھا یہ چار بزرگوار ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) **ابو عمرو عثمان بن سعید بن عمرو عمری اسدی:** انہیں سب سے پہلے نائب خاص ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ پہلے امام علی نقیؑ کے بھی سفیر رہے تھے۔ پھر امام حسن عسکریؑ کے زمانے میں بھی اس خدمت پر مامور رہے اور پھر حضرت ''امام منتظر'' کی جانب سے بھی سب سے پہلے اسی عہدہ پر یہی قائم ہوئے۔ چند سال اس خدمت کو انجام دے کر بغداد میں انتقال کیا۔ وہیں مسجد میں دفن کئے گئے۔ آپ کی وفات کے بعد بحکم امامؑ آپ کے فرزند کو یہ منزلت حاصل ہوئی۔

(۲) **حضرت محمد بن عثمان بن سعید عمری:** آپ کی کنیت ابو جعفر تھی۔ آپ نے اپنی وفات سے ۲/ماہ قبل اپنی قبر کھدوا دی تھی۔ آپ کا کہنا تھا کہ میں یہ اس لئے کر رہا ہوں کہ مجھے امامؑ نے بتا دیا ہے اور میں اپنی

تاریخ وفات سے واقف ہوں۔امام حسن عسکریؑ نے ان کے منصب سفارت پر برقرار ہونے کی خبر دی۔ پھران کے والد نے اپنی وفات کے وقت بحکم امام ان کی نیابت کا اعلان کیا۔ جمادی الاوّل ۳۰۵ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

(۳) **ابوالقاسم حسین بن روح بن ابی بحر نوبختی**: علم وحکمت کلام ونجوم میں خاص امتیاز رکھتے ہوئے مشہور خاندان نوبختی کی یادگار اور خود بڑے جلیل المرتبت پرہیزگار عالم تھے۔آپ خفیہ طور پر جملہ ممالک اسلامیہ کا دورہ کیا کرتے تھے۔آپ دونوں فرقوں کے نزدیک معتمد،ثقہ،صالح اور امین قرار دیئے گئے تھے۔آپ کی وفات شعبان ۳۲۶ھ میں ہوئی اور محلّہ نوبخت کوفہ میں مدفون ہوئے ہیں۔

(۴) **ابوالحسن علی بن محمد سمریؒ**: یہ آخری نائب تھے۔حسین بن روح کے بعد بحکم امام مہدیؑ ان کے قائم مقام ہوئے اور صرف نو،۹ برس اس فریضہ کو انجام دینے کے بعد ۱۵/شعبان ۳۲۹ھ میں بغداد میں انتقال کیا وقت آخر جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد نائب کون ہوگا تو انہوں نے کہہ دیا کہ اب اللہ کی مشیت ایک دوسری صورت کا ارادہ رکھتی ہے جس کی آخری مدت اسی کو معلوم ہے۔

اب اس کے بعد کوئی نائب خاص باقی نہ رہا۔اسی ۳۲۹ھ کے اندوہناک سال میں کافی کے مصنّف ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینیؒ اور شیخ صدوقؒ کے والد بزرگوار علی بن بابویہ قمی نے بھی انتقال فرمایا تھا اور ان حوادث کے ساتھ غیر معمولی طور پر یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ آسمان پر ستارے اس کثرت سے ٹوٹ رہے ہیں کہ ایک محشر معلوم ہوتا ہے۔اس لئے اس سال کا نام رکھ دیا گیا ''عام تناثر النجوم'' یعنی تاروں کے انتشار کا بدسال اس کے بعد اندھیرا چھا گیا۔سخت اندھیرا اس لئے کہ کوئی ایسا شخص سامنے نہ رہا جو امام کی خدمت میں پہنچنے کا وسیلہ ہو۔(۱)

غیبت صغریٰ میں امام مہدیؑ کو دیکھنے والوں کے نام

امام مہدیؑ کو دیکھنے والوں میں چار وکلائے خصوصی اور سات وکلائے عمومی کے علاوہ جن لوگوں نے حضرت عصرؑ کو دیکھا ہے ان اسماء میں بعض نام حسب ذیل ہیں۔بغداد کے رہنے والوں میں....(۱) ابوالقاسم

(۱) رہنمایانِ اسلام،ص/۲۱۷۔۲۱۸

بن رئیس (۲) ابوعبداللہ بن فروخ (۳) مسرور الطباخ (۴۔۵) احمد ومحمد پسران حسن (۶) اسحاق کاتب از نوبخت (۷) صاحب الغراء (۸) صاحب الصرۃ المختومہ۔ (۹) ابوالقاسم بن ابی جلیس (۱۰) ابوعبداللہ الکندی (۱۱) ابوعبداللہ الجنیدی (۱۲) ہارون العزاز (۱۳) النیلی (ہمدان کے باشندوں میں سے) (۱۴) محمد بن کشمر و (۱۵) جعفر بن ہمدان (دینور کے رہنے والوں میں سے) (۱۶) حسن بن ہروان (۱۷) احمد بن ہروان (از اصفہان) (۱۸) ابن اسحاق (۲۳) محمد بن اسحاق (۲۴) حسن بن یعقوب (از رئے) (۲۵) قسم بن موسیٰ (۲۶) فرزند قسم بن موسیٰ (۲۷) ابن محمد بن ہارون (۲۸) صاحب الحصاۃ (۲۹) علی بن محمد (۳۰) محمد بن یعقوب کلینی (۳۱) ابوجعفر الرقاء (از قزوین) (۳۲) مرواس (۳۳) علی بن احمد (از فارس) (۳۴) المجروح (از شہزور) (۳۵) ابن الجمال (از قدس) (۳۶) مجروح (از مرد) (۳۷) صاحب الالف دینار (۳۴) صاحب المآل والرقۃ البیضاء (۳۹) ابو ثابت (از نیشاپور) (۴۰) محمد بن شعیب بن صالح (از یمن) (۴۱) فضل بن یزید (۴۲) حسن بن فضل (۴۳) جعفری (۴۴) ابن الاعجمی (۴۵) شمشاطی (از مصر) (۴۶) صاحب المولودین (۴۷) صاحب المآل (۴۸) ابورجاء (از نصیبین) (۴۹) ابومحمد ابن الوجنا (از اہواز) (۵۰) الحصینی۔ (۱)

غیبت کبریٰ

۳۲۹ھ کے بعد سے جو زمانہ شروع ہوا اسے ''غیبت کبریٰ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس لئے اب کوئی نائبِ خاص باقی نہیں رہا تھا۔ اس لئے ''امام عصر'' نے یہ ہدایت فرمادی تھی کہ ''اس صورت میں دیکھنا جو لوگ ہمارے احادیث پر مطلع ہوں اور ہمارے حلال وحرام یعنی مسائل سے واقف ہوں ان کی طرف رجوع کرنا۔ یہ ہماری جانب سے تمہارے اوپر حجت ہیں۔''

اس حدیث کی بناء پر علمائے شیعہ اور مجتہدین کو ''نائب امام'' کہا جاتا ہے مگر یہ نہایت باعتبار صفات عمومی حیثیت سے ہے خصوصی طور پر باعتبار نام زدگی نہیں ہے یہی خاص فرق ہے ان میں اور ان نائبین میں جو ''غیبت صغریٰ'' کے زمانہ میں اس منصب پر فائز تھے۔ اس زمانۂ غیبت میں بھی یقیناً امام علیہ السلام ہدایت خلق

(۱) غایۃ المقصود، جلد۱، ص/۱۲۱۔ چودہ ستارے، ص ۵۷۶۔۵۷۷

اور حفاظت حق کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور ہماری کسی نہ کسی صورت سے رہنمائی فرماتے ہیں، خواہ وہ ہمارے سامنے نہ ہوں اور ہمیں محسوس و معلوم نہ ہو یہ پردہ اس وقت تک رہے گا۔ جب تک مصلحت الٰہی متقاضی ہو ایک وقت ایسا آئے گا (خواہ وہ جلد ہمیں کتنی ہی دور پر معلوم ہوتا ہو) کہ یہ پردہ ہٹے گا اور امامؑ ظاہر ہوں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے معمور فرمائیں گے اسی طرح جیسے وہ اس سے پہلے ظلم و جور سے مملو ہو چکی ہوگی "**اللھم عجل فرجه و سهّل مخرجه**"(۱)

اقوال امام مہدی صاحب الزمان عصرؑ

(۱) میرا وجود غیبت میں بھی لوگوں کے لئے ایسا ہی مفید ہے جیسے بادلوں کی اوٹ سے سورج۔

(۲) ظہور میں جلدی کے لئے دعائیں مانگو کیونکہ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

(۳) مسائل میں ہمارے راویوں (علماء مجتہدین) کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ میری طرف سے تم پر حجّت ہیں۔

(۴) نماز شیطان کو رسوا کر دیتی ہے۔ نماز پڑھو شیطان کو رسوا کرو۔

(۵) اگر ہمارے چاہنے والے اپنے عہد و پیمان کی وفا کرتے تو ہماری ملاقات میں تاخیر نہ ہوتی اور ہماری زیارت انھیں جلد نصیب ہوتی۔

(۶) میرے عزیزوں میں سے جو مخالفت کرتے ہیں، ان کی مثال ابنِ نوحؑ اور برادران یوسفؑ کی ہے۔

(۷) ہم تمہارے مال صرف (بطور خمس قبول کرتے ہیں) تاکہ تم پاک ہو جاؤ اور عذاب سے نجات حاصل کرسکو۔

(۸) نماز میں اور سوروں کی طرح....................سورۂ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ کی تلاوت بھی کرتے رہنا چاہئے۔

(۹) ہمارا علم تمہارے سارے حالات پر محیط ہے اور تمہاری کوئی چیز ہم سے پوشیدہ نہیں۔

(۱۰) ہم تمہاری خبر گیری سے غافل نہیں اور نہ تمہاری یاد کو اپنے دل سے نکال سکتے ہیں۔

(۱۱) ہر وہ کام کرو جو تمہیں ہم سے نزدیک کر دے اور ہر اس عمل سے پرہیز کرو جو ہمارے لئے بار خاطر اور ناراضگی کا سبب ہو۔

(۱۲) جو لوگ ہمارے اموال کو مشتبہ اور مخلوط کئے ہوئے ہیں جو کوئی بھی اس میں سے ذرہ برابر بلا استحقاق

---

(۱) رہنمایان اسلام، ص/ ۲۱۹

کھائے گا گویا اس نے آگ سے اپنا شکم پر کیا۔

(۱۳) ہم تمہارے اموال (خمس وغیرہ) کو صرف اس لئے قبول کرتے ہیں کہ تم پاک ہو جاؤ کیونکہ جو کچھ خداوند عالم نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے۔

(۱۴) تم میں سے جو کوئی تقویٰ الٰہی اختیار کرے گا اور مستحق تک اس کے حقوق پہنچائے گا، وہ آنے والے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

(۱۵) جو چیز تمہارے لئے مفید نہ ہو اس کے لئے سوالات مت کرو۔

(۱۶) میں زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دوں گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر گئی ہے۔

(۱۷) میں اہل زمین کے لئے اس طرح باعثِ امان ہوں، جس طرح ستارے اہل آسمان کے لئے۔

غیبت کبریٰ میں امام مہدیؑ کے رہنے کا مقام

امام مہدیؑ چونکہ اسی طرح زندہ اور باقی ہیں جس طرح حضرت عیسیٰؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت خضر، حضرت الیاس، نیز دجال بطال یاجوج ماجوج حضرت عیسیٰؑ چوتھے آسمان پر (قرآن مجید) حضرت ادریسؑ جنت میں (قرآن مجید) حضرت خضر اور الیاس، مجمع البحرین یعنی دریائے فارس و روم کے درمیان پانی کے قصر میں۔(۱)

دجال بطال طبرستان کے جزیرہ مغرب میں۔(۲)

ابلیس لعین، استعمار ارضی کے وقت والے پائے تخت ملتان میں۔(۳)

امام مہدیؑ کے لئے کہا جاتا ہے کہ زمانہ غیبت میں امام مہدیؑ (جزیرۂ خضرہ اور بحر ابیض) میں اپنی اولاد اپنے اصحاب سمیت قیام فرما ہیں اور وہیں سے بااعجاز تمام کام کیا کرتے اور ہر جگہ پہنچا کرتے ہیں، یہ جزیرہ خضراء سرزمین ولایت بربر میں درمیان دریائے اندلس واقع ہے یہ جزیرہ معمور و آباد ہے، اس دریا کے ساحل میں ایک موضع بھی ہے جو بشکل جزیرہ ہے اسے اندلس والے (جزیرۂ رفضہ) کہتے ہیں، کیونکہ اس میں ساری آبادی شیعوں کی ہے۔ اس تمام آبادی کی خوراک وغیرہ جزیرہ خضراء سے براہ بحر ابیض سال میں دو

---

(۱) عجائب القص علامہ عبدالواحد، ص/۱۷۶ (۲) کتاب غایۃ المقصود، جلد۲، ص/۴۷ (۳) کتاب ارشاد الطائبین، علامہ اخوند ویزہ، ص ۲۴۳

بارارسال کی جاتی ہے۔(۱)

''یہ وہ دریا ہے جس کے جانبِ مشرق چین، جانبِ غربی یمن، جانبِ شمالی ہند، جانبِ جنوبی دریائے محیط واقع ہے۔اس بحرابیض واخضر کا طول ۲ ہزار فرسخ اورعرض پانچ سوفرسخ ہے۔اس میں بہت سے جزیرے آباد ہیں جن میں ایک سراندیب بھی ہے اس کتاب کے ص ۲۹۵ میں ہے کہ ''صاحب الزّمان'' حضرت امام مہدیؑ کا لقب ہے۔(۲)

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ آپؑ جس مکان میں رہتے ہیں اسے ''بیت الحمد'' کہتے ہیں۔(۳)

امام مہدی کا اسلام کی تبلیغ میں نمایاں مقام ہے

علماء کرام نے احادیث سے ثابت کیا ہے کہ امام علیہ السلام جو کہ مظہرالعجائب حضرت علیؑ کے پوتے ہیں، ہر مقام پر پہنچتے اور ہر جگہ اپنے ماننے والوں کے کام آتے ہیں۔ بوقت ضرورت لوگوں سے ملتے ہیں لوگ انھیں دیکھتے ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ انھیں پہچان نہ سکیں۔(۴)

زمانہ غیبت میں امام مہدی کی اخلاقی فضیلت

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت چونکہ خداوند عالم کی طرف سے بطور لطفِ خاص عمل میں آئی ہے۔آپ دین اسلام کی تبلیغ کے لئے ہی تشریف لائے ہیں، اس لئے آپؑ اپنے عمل کو جاری رکھتے ہوئے شیعوں کی مدد کرتے اور مومنوں کے خطوط کے جوابات دیتے۔ان کی بوقت ضرورت رہبری کرتے اور گمراہ مسلمانوں کو راہِ راست دکھانے کا فریضہ ادا کرتے رہتے ہیں جو آپؑ قیامت تک کرتے رہیں گے۔

آپؑ نے حق امام کے دینار کی وصولی کی

محمد بن ہارون ہمدانی سے روایت ہے۔ان کا بیان ہے کہ مجھ پر پانچ سو دینار حق امامؑ کے واجب الادا تھے لیکن میرا ہاتھ تنگ ہوگیا۔میں نے سوچا کہ میرے پاس چند دکانیں ہیں، جو میں نے پانچ سوتیس دینار میں

---

(۱) تاریخ جہاں آرا، ریاض العلماء، کشف القناع، ریاض المومنین، چودہ ستارے، ص/ ۵۷۸

(۲) غیاث اللغات، ص/۲۷ (۳) اعلام الوریٰ، ص/۲۶۳ (۴) غایۃ المقصود

خریدی تھیں، ان کو پانچ سو دینار کے عوض میں ناحیہ مقدسہ کو دے دوں (تا کہ حق امام ادا ہو جائے۔) خدا کی قسم یہ بات ابھی میری زبان پر نہ آئی تھی کہ امام صاحب الزمانؑ کا خط محمد بن جعفر کے نام آیا کہ میرے پانچ سو دینار کے عوض محمد بن ہارون سے دکانیں خرید لو۔(۱)

(۲) آپؑ نے فرمایا تم نے ایک ہزار میں سے دو سو بھیجے

محمد بن یوسف شاشی سے مروی ہے کہ جب میں عراق سے واپس ہوا تو مقام مرو میں ہمارے پاس ایک شخص تھا جس کو محمد بن حصین کا تب کہا جاتا تھا۔ اس نے غریم (قرض خواہ حضرت صاحب الزمانؑ) کے لئے کچھ رقم جمع کی تھی۔

راوی کا بیان ہے کہ اس نے صاحب الامرؑ کے متعلق دریافت کیا۔ تو میں نے جو آثار ونشانیاں دیکھی تھیں، بتائیں۔ اس نے کہا: اچھا میرے پاس صاحب الزمانؑ کی رقم جمع ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے۔؟

میں نے کہا: اسے حاجز کے پاس بھیج دو۔ وہ بولا: حاجز کے اوپر بھی کوئی ہے؟ میں نے کہا: ہاں، ایک بزرگ ہیں وہ بولا: اچھا، اگر اللہ نے مجھ سے اس کے متعلق باز پرس کی، تو میں تمہارا نام لے کر کہوں گا کہ انہوں نے کہا تھا۔ میں نے کہا: ہاں، کہہ دینا۔

اس کے بعد میں اس کے پاس سے روانہ ہو گیا۔ جب کئی برس کے بعد اس سے ملاقات ہوئی، تو اس نے بتایا کہ میں عراق گیا تھا۔ میرے پاس وہ رقم موجود تھی۔ میں نے عابد ین لیلی فارسی اور احمد بن علی کلثومی کے ہاتھ دو سو دینار کی رقم روانہ کی اور اس کے ساتھ حضرت صاحب الزمانؑ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا۔ جس میں التجا کی کہ آپؑ میرے لیے دعا فرمائیں۔

تو جواب آیا کہ: تم نے جو رقم ارسال کی تھی وہ وصول ہو گئی۔

اور یہ بھی لکھا کہ تمہارے پاس ہمارے ایک ہزار دینار تھے۔ اس کے بعد لکھا کہ اگر کچھ کرنے کا ارادہ ہو تو ابوالحسن اسدی سے مقام رے میں ملو۔

میں نے پوچھا کیا واقعاً جیسا آنجنابؑ نے تحریر فرمایا تھا ویسا ہی تھا۔

---

(۱) الخرائج والجرائح، بحار، جلد ۱۱، ص ۳۹۷

کہا: ہاں، واقعاً میں نے دوسو دینار بھیجے تھے اس لیے کہ میں مشکوک تھا اور باقی رقم میرے پاس تھی۔ اللہ نے وہ شک دور کر دیا۔ اور اس کے دو تین ہی دن بعد حاجز مر گیا۔ تو میں نے جا کر اس کو اطلاع دی۔ وہ بہت غمگین ہوا۔ میں نے کہا غم کی بات نہیں، آنجناب تو پہلے ہی اپنے خط میں بتا چکے تھے کہ وہ رقم ایک ہزار دینار ہے۔ دوسرے یہ کہ اب آئندہ اسدی سے معاملہ کرنا۔ اس لئے کہ انہیں حاجز کی موت کا علم تھا۔(۱)

(۳) آپؑ نے فرمایا تمہارے پاس تیس دینار ہیں

محمد بن حسین سے روایت ہے کہ تمیمی نے استر آباد کے ایک شخص کے حوالے سے بتایا کہ میں عسکر (سر من رائے) گیا میرے پاس تیس عدد شامی دینار ایک پارچے میں بندھے ہوئے تھے۔ میں اسے لے کر درِ دولت پر حاضر ہوا اور وہاں بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک کنیز یا ایک غلام اندر سے برآمد ہوا اور بولا: لاؤ، تمہارے پاس کیا ہے؟

میں نے کہا: میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ یہ جواب سن کر وہ اندر چلا گیا، پھر واپس آیا اور کہنے لگا، آپؑ کے پاس تیس دینار اور ایک انگوٹھی ایک پارچہ میں بندھے ہوئے ہیں۔

چنانچہ میں نے وہ رقم آپؑ کے پاس بھیج دی۔(۲)

(۴) آپؑ نے مسرور طباخ کی مدد کی

مسرور طباخ سے روایت ہے کہ میں نے حسن بن راشد کو اپنی تنگدستی کا حال لکھا اور اس کے پاس گیا، مگر وہ گھر پر نہ تھا۔ لہٰذا واپس آیا اور ابو جعفر کے شہر میں داخل ہوا۔ جب رحبہ میں پہونچا تو ایک شخص میرے پاس آیا، اس کا چہرہ تو مجھے نظر نہ آیا، مگر اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور ایک سفید رنگ کی تھیلی مجھے تھما دی۔ جس پر تحریر تھا: ''اس میں بارہ دینار مسرور طباخ کے لئے ہیں''۔(۳)

(۵) آپؑ نے فرمایا اس میں بیس درہم تمہارے ہیں

محمد بن شاذان سے روایت ہے کہ میرے پاس پانچ سو درہم جمع ہو گئے تھے جن میں بیس (۲۰) درہم کم تھے۔ تو میں نے اپنی طرف سے بیس (۲۰) درہم ڈال کر پورے پانچ سو کر دیئے تھے اور انہیں محمد بن احمد

(۱۔۲) الخرائج والجرائح، بحار، جلد ۱۱، ص/ ۳۹۸ (۳) الخرائج والجرائح

کے پاس بھیج دیا، یہ نہیں لکھا کہ ان میں سے میری رقم کتنی ہے۔ تو حضرت صاحب الزّماںؑ کے پاس سے جواب آیا کہ ان پانچ سو درہموں میں سے بیس (۲۰) درہم تمہارے تھے۔(۱)

(۶) آپؑ نے فرمایا قافلے کو جانے دو تم ٹھہر جاؤ

علی بن محمد نے ابوعبداللہ صالح سے روایت کی ہے کہ میں ایک سال بغداد گیا، پھر وہاں سے نکلنے کی اجازت چاہی تو اجازت نہیں ملی۔ نہروان کی طرف قافلہ چلے جانے کے بعد بائیس (۲۲) دن تک میں بغداد ہی میں مقیم رہا، اس کے بعد چہارشنبہ کو جانے کی اجازت ملی۔ مجھ سے کہا گیا کہ چہارشنبہ ہے مگر چلے جاؤ۔

چنانچہ میں بغداد سے روانہ ہوا۔ امید نہ تھی کہ قافلے سے ملحق ہوسکوں گا، مگر نہروان پہنچا تو دیکھا کہ وہ قافلہ ابھی وہیں ہے اور میرے پہنچنے کے بعد بھی ٹھہرا رہا۔ تا اینکہ میرے اونٹ نے چارہ کھالیا۔ پھر انہیں کے ساتھ میں نے بھی کوچ کیا۔ پھر آنجناب نے مجھے سلامتی کی دعا دی تھی۔ اس لئے مجھے بحمداللہ کہ سفر میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔(۲)

(۷) آپؑ نے فرمایا کہ اللہ نے تجھے صحت دی

محمد بن یوسف شاشی کا بیان ہے کہ مجھے ناسور ہوگیا تھا۔ میں نے بہت سے اطبّاء کو دکھایا اور کافی پیسہ خرچ کیا، مگر دوا نے کوئی کام نہ کیا تو میں نے ایک عریضہ لکھا اور اس میں دعاء کی التجاء کی۔

جواب آیا کہ اللہ نے تجھے صحت دی اور تجھے دنیا وآخرت میں ہمارے ساتھ قرار دیا اس کے بعد روزِ جمعہ آنے سے قبل ہی زخم کی جگہ ہتھیلی کے مانند ہوگئی۔ میرے احباب میں جو اطبّاء تھے میں نے انھیں بلا کر دکھایا تو انھوں نے کہا کہ اس ناسور کی کوئی دوا ہی نہ تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم تم پر ہوا ہے۔(۳)

(۸) آپؑ نے فرمایا اپنی رقم کا مطالبہ کر مل جائے گی

علی بن محمد بن صالح سے روایت کی ہے کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا تو ان کے پاس لوگوں کے ذمہ غریم یعنی صاحب العصرؑ کی رقوم کی کچھ ہنڈیاں تھیں۔ میں نے بذریعے عریضہ امام زمانہؑ کو اس امر کی اطلاع دی۔

---

(۱) بحار، جلد۱۱، ص/ ۳۹۹ (۲) کافی، ارشاد، بحار، جلد۱۱، ص۴۰۲ (۳) کافی، الخرائج والجرائح

آپؑ نے تحریر فرمایا کہ ان لوگوں سے رقوم کا تقاضہ کرو۔

میں نے حکم کی تعمیل کی تو سب نے رقم ادا کردی، صرف ایک شخص رہ گیا اس پر ہنڈی کے چار سو دینار واجب الادا تھے۔ میں نے اس سے رقم کا مطالبہ کیا تو اس کے بیٹے نے میرا مذاق اڑایا اور مجھے ذلیل کیا۔ میں نے اس کی شکایت اس کے باپ سے کی، تو اس نے بھی مجھے خفیف کیا۔ بس یہ سنتے ہی میں نے ایک ہاتھ سے اس کی داڑھی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے ٹانگ پکڑی اور گھسیٹتا ہوا گھر کے صحن میں لے آیا، پھر لاتوں سے اس کی خوب مرمت کی۔ یہ دیکھ کر اس کے لڑکے نے باہر نکل کر شور مچایا کہ لوگو! جلدی مدد کیلئے دوڑو میرے والد کو ایک قمی رافضی نے مار ڈالا۔ اس دوران میں تو سواری پر آکر بیٹھ گیا اور جو لوگ جمع ہو گئے تھے ان سے کہنے لگا: اے بغداد والو! شاباش ہے تم لوگوں کو کہ ایک مظلوم کے مقابلے میں تم لوگ ایک ظالم کی دستگیری پر جمع ہوئے۔ میں دراصل ہمدان کا ایک سنّی مسلمان باشندہ ہوں۔ مگر یہ مجھ پر رافضیت کا الزام لگا کر میری رقم ہضم کرنا چاہتا ہے۔

یہ سن کر لوگ اس کے خلاف ہوگئے اور چاہتے تھے کہ اس کی دکان میں گھس جائیں، مگر میں نے انہیں منع کیا۔ تو انھوں نے میری مطلوبہ رقم کا فوری اور سختی سے مطالبہ کیا تو اس نے میری ساری رقم ادا کردی۔ (۱)

(۹) آپؑ نے اولادنرینہ کی دعا دی

شیخ ابوجعفر طبری نے اپنی کتاب میں ابوالفضل شیبانی و کلینی کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ قاسم بن علاء کا بیان ہے کہ میں نے حضرت صاحب الزمانؑ کی خدمت میں تین عریضے تحریر کیے اور ان میں اپنی حاجتیں بیان کیں۔ یہ بھی لکھا کہ کبیر السن ہوگیا ہوں، مگر کوئی اولاد نہیں رکھتا''۔ آپؑ نے تمام حاجتوں کے متعلق جواب دیا، مگر اولاد کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر میں نے چوتھی مرتبہ عریضہ لکھا اور اس میں درخواست کی کہ آپؑ دعاء فرمائیں اللہ مجھے فرزند عطا فرمائے۔

آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:۔

''اللّٰهم ارزقه ولدً ذمحراً تقرّ به عينهُ واجعل هٰذا الحمل الذى لهٗ ولدا ذكراً''

(۱) کافی، ارشاد، بحار، جلد ۱۱، ص/ ۴۰۴۔۴۰۳

(یااللہ! تو اس شخص کو اولادِ نرینہ کرامت فرما جس سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ حمل جو قرار پایا ہے۔ اس کو فرزند کا حمل قرار دے)

قاسم بن علاء کا بیان ہے کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ میری کنیز حاملہ ہے۔ جب میں نے اس سے دریافت کیا تو اس نے اقرار حمل کیا۔ اس کے بعد اس کنیز سے فرزند کی ولادت ہوئی۔(۱)

(۱۰) آپؑ نے حج کی اجازت کفن کے ساتھ دی

حسین بن روح سے روایت ہے کہ احمد بن اسحاق نے حضرت صاحب الزمانؑ کو عریضہ بھیجا۔ اس میں حج پر جانے کی اجازت چاہی۔ آپؑ نے اجازت دی اور ساتھ کے لئے ایک کپڑا بھی بھیج دیا۔

احمد بن اسحاق نے کہا، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؑ نے مجھے موت کی خبر دی ہے۔ چنانچہ جب وہ حج کر کے واپس ہوا تو مقامِ حلوان میں اس کا انتقال ہو گیا۔(۲)

(۱۱) آپؑ نے نیم غنودگی کے عالم میں دعا کی تعلیم دی

احمد بن محمد علیوی عریضّی نے محمد بن علی علوی حسینی سے روایت ہے، جب وہ مصر میں رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انھیں حاکم مصر کی طرف سے جان کا سخت خطرہ لاحق ہوا، کیونکہ کسی نے احمد بن طولون سے میری شکایت کر دی تھی۔ چنانچہ میں حج کے ارادے سے مصر سے چلا اور حج کے فریضہ سے فارغ ہو کر عراق چلا گیا، وہاں روضۂ امام حسینؑ کی زیارت کا قصد کیا، تا کہ جس سے خوفزدہ ہوں اس کے ظلم سے بچنے کے لئے آنجنابؑ کی قبر مبارک سے لپٹ کر فریاد کروں، پناہ چاہوں اور مدد کا طالب ہوں۔ چنانچہ حائر (کربلا) میں میرا قیام پندرہ دن رہا اور شب و روز تضرّع و زاری سے دعائیں مانگتا رہا۔ ایک دن میں نیم غنودگی کے عالم میں تھا کہ مجھے حضرت امام قائم صاحب الزمانؑ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ امام حسینؑ تم سے فرماتے ہیں کہ اے فرزند! کیا تم فلاں شخص سے خوفزدہ ہو؟

میں نے عرض کیا، جی ہاں، وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے اس لیے اپنے آقا کی بارگاہ میں پناہ لینے کی غرض سے آیا ہوں۔

---

(۱) بحار، جلد ۱۱، ص/ ۴۱۰ (۲) رجال کشی

آپؑ نے فرمایا: پھر تم نے اپنے اور اپنے آبائے کرام کے رب کی بارگاہ میں وہ دعائیں کیوں نہ پڑھیں جو انبیائے ماسلف اپنی مشکلات کے وقت پڑھا کرتے تھے اور ان کی مشکلات دور ہو جایا کرتی تھیں۔

میں نے عرض کیا پھر میں کون سی دعاء پڑھوں؟

آپؑ نے فرمایا: سنو! جب شبِ جمعہ آئے تو غسل کرو اور نمازِ شب پڑھو، جب سجدۂ شکر سے فارغ ہو تو دوزانو بیٹھ کر یہ دعاء پڑھو۔ پھر آپؑ نے مجھے وہ دعا تعلیم فرمائی۔

راوی کا بیان ہے کہ پھر آپؑ اسی وقت جب میں نیم خوابی کے عالم میں ہوتا تشریف لاتے اور اس دعاء کی تعلیم فرماتے، یہاں تک کہ پانچ دن مسلسل تشریف لائے اور بار بار یہی فرماتے رہے اور اس دعا کی تعلیم دیتے رہے۔ جب وہ دعاء مجھے زبانی یاد ہو گئی تو پھر آپؑ کے تشریف لانے کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

پھر میں نے آپؑ کے ارشاد کے مطابق شب جمعہ میں غسل کیا، لباس تبدیل کر کے خوشبو لگائی، نمازِ شب پڑھی، سجدہ شکر ادا کیا، پھر دوزانو ہو کر بیٹھ گیا اور وہ دعا پڑھی، پھر جب ہفتے کی شب آئی تو آپؑ تشریف لائے اور فرمایا: اے محمد! تیری دعاء قبول ہوئی اور جونہی تو اس دعاء سے فارغ ہوا تھا تیرا دشمن قتل کر دیا گیا۔ وہی دشمن جس نے تیری شکایت کی تھی۔

جب صبح ہوئی تو میں روضے پر گیا۔ مولا وآقا سے رخصت ہوا اور مصر کا رخ کیا۔ جب اردن پہنچا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا جو مصر میں میرا پڑوسی تھا اور مرد مومن بھی تھا، اس نے بتایا کہ تیرے دشمن کو احمد بن طولون نے گرفتار کرایا، پھر اسے پس گردن سے ذبح کرا دیا۔

اہل خاندان اور اپنے شیعہ بھائیوں نے بتایا یہ اس وقت ہوا تھا جب میں وہاں پر دعا سے فارغ ہوا تھا۔(۱)

(۱۲) آپؑ نے فرمایا تمہارا یہ فرزند زندہ رہے گا

قاسم بن علاء کا بیان ہے کہ میرے کئی بیٹے پیدا ہوئے اور ہر ایک کی اطّلاع میں آپؑ کو بذریعۂ عریضہ دیتا رہا، اور ان کے لیے دعا کا طالب رہا، مگر آپؑ نے ان فرزندوں کے لیے کچھ تحریر نہ فرمایا۔ البتہ جب

(۱) مہج الدعوات، بحار، جلد ۱۱، ص ۴۱۵۔۴۱۶

میرا فرزند حسن پیدا ہوا تو میں نے عریضہ آپؑ کی خدمت میں لکھا اور دعاء کا طالب ہوا۔ تو آپؑ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ الحمد اللہ یہ تمہارا فرزند زندہ رہے گا۔(۱)

(۱۳) آپؑ نے فرمایا یہ خادم نشہ کرتا ہے اسے واپس کرو

حسن بن خفیف نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ آپؑ (امام زمانہؑ) نے کچھ خدّام مدینۂ رسولؐ بھیجے اور خفیف کو خط تحریر فرمایا کہ تم ان خادموں کے ساتھ مدینہ جاؤ۔

خفیف ان کے ساتھ گئے۔ جب کوفہ پہنچے، تو ان میں سے ایک خادم نے کوئی نشہ آور چیز استعمال کی اور ابھی کوفہ سے نکلے بھی نہ تھے کہ عسکر (سر من رائے) سے خط آیا کہ اس خادم کو واپس کردو جس نے نشہ آور شئے استعمال کی ہے۔ پھر اس کو خدمت سے برخاست کردیا۔(۲)

(۱۴) آپؑ نے فرمایا سات سو دینار میرے بھیج دو

احمد بن حسن کے غلام بدر نے اپنے مالک احمد بن حسن سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ میں خطّۂ جبل میں پہنچا، میں امامت (آئمہ طاہرینؑ) کا قائل نہ تھا، مگر محبت ان سب سے کرتا تھا۔ اسی اثناء میں یزید بن عبدالملک مرگیا اور اس نے مجھ سے وصیت کی تھی کہ میرا گھوڑا، تلوار اور کمر کا پٹکا میرے مولا کو دے دینا۔ مگر میں ازکوتکین سے خوف لاحق ہوا کہ وہ میری بے عزّتی کرے گا، اس لئے میں نے گھوڑے، تلوار اور پٹکے کی مجموعی قیمت کا اندازہ سات سو دینار لگایا اور کسی کو نہیں بتایا۔ دریں اثناء عراق سے (امام زمانہؑ) کا ایک خط میرے پاس آیا جس میں تحریر تھا۔

''گھوڑے تلوار اور پٹکے کی قیمت سات سو دینار جو میرے تمہارے پاس امانت کے طور پر رکھے ہیں بھیج دو۔(۳)

(۱۵) آپؑ نے فرمایا تم کو فی الحال کفن کی ضرورت نہیں

انھیں اسناد سے علی بن محمد نے ابو عقیل عیسیٰ بن بصر سے روایت کی ہے ان کا بیان ہے کہ علی بن زیاد

---

(۱) کافی، بحار، جلد ۱۱، ص/۴۱۹ (۲) بحار، جلد ۱۱، ۴۱۹ (۳) غیبۃ طوسی، ارشاد، بحار الانوار، جلد ۱۱، ص ۴۲۱

صمیری نے (حضرت صاحب عصرؑ) کوخط لکھااوراس میں اپنے لئے کفن کی درخواست کی۔

''جوابِ امامؑ آیا کہ کفن کی ضرورت تو تمہیں اسّی برس کی عمر میں درپیش ہوگئی۔''

چنانچہ ان کا انتقال اسّی برس کی عمر میں ہوااور آپؑ نے ان کی موت سے قبل ان کا کفن بھیج دیا۔(۱)

(۱۶) آپؑ کی ملاقات ابن ابی سورۃ سے ہوئی

لوگوں کی ایک جماعت نے ابی غالب احمد بن محمد زاری سے انہوں نے ابوالحسن محمد بن علی بن الرّقام دونوں نے بیان کیا کہ ابوسورۃ جو کہ مشائخِ زیدیہ میں سے تھے، نے بیان کیا کہ میں حضرت امام حسینؑ کے روضے پر پہنچااورارادہ کیا کہ یوم عرفہ کے اعمال وہیں بجالاؤں گا۔

چنانچہ جب عشاء کا وقت آیا تو نماز پڑھی، پھر کھڑا ہوااور سورۂ حمد پڑھنی شروع کی، ناگاہ ایک نہایت خوبصورت جوان ظاہر ہوا جو جبّہ پہنے ہوئے تھا، اس نے بھی سورۂ حمد کی تلاوت شروع کی۔ اب یہ یاد نہیں کہ ہم دونوں میں سے پہلے کسی نے تلاوت ختم کی۔ جب دن نکل آیا تو ہم روضہ کے دروازے سے نکل کر فرات کے کنارے جا پہنچے۔ اس نوجوان نے مجھ سے کہا: تمہیں تو کوفہ جانا ہے۔

چنانچہ میں فرات والے راستے سے چل دیا، لیکن اس نوجوان نے خشکی والا راستہ اختیار کیا۔

ابوسورۃ کا بیان ہے کہ مجھے اس جوان کی جدائی کا دکھ ہوا لہٰذا میں نے اپنا راستہ چھوڑ دیا اور اس کے پیچھے چل دیا۔

اس نے کہا: اچھا آؤ۔

اب ہم دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے اور مسناۃ کے قلعے کی دیوار کے پاس پہنچے تو ہم تھوڑی دیر آرام کی غرض سے لیٹ گئے۔ ذرا نیند آئی تھی کہ بیدار ہوگئے تو دیکھا کہ ہم جبلِ خندق پر آپہنچے۔

انھوں نے کہا: تم تنگدست معلوم ہوتے ہواور عیال دار بھی ہو۔ اچھا تم کوفہ میں ابوطاہر زراری کے پاس جانا۔ دقّ الباب کرنا۔ وہ گھر سے نکلے گا تو اس کے ہاتھ قربانی کے ذبیحے سے خوں آلود ہوں گے۔ اس سے کہنا کہ اس شکل وشمائل کے ایک نوجوان نے کہا ہے کہ تمہارے پاس بیس دینار کی ایک تھیلی اس کے کسی دوست نے بھیجی، وہ مجھے دے دو۔

---

(۱) غیبۃ طوسی، ارشاد، بحارالانوار، جلد ۱۱، ص/۴۲۲

ابوسورۃ کا بیان ہے کہ مین ان کے کہنے کے مطابق ابو طاہر زراری کے پاس گیا اور وہی کہا جو اس نوجوان نے کہا تھا۔ الحمدللہ، تم نے بھی ان کی زیارت کا شرف حاصل کرلیا۔

پھر وہ اندر گیا اور دیناروں کی تھیلی لاکر میرے حوالے کردی اور میں واپس آ گیا۔(۱)

(۱۷) آپؑ کی دعا سے گونگا لڑکا گویا ہو گیا

ابوعبداللہ بن سورۃ کا بیان ہے کہ سرور نامی شخص جو عابد و مجتہد تھا۔ ان کا نسب میں بھول رہا ہوں جن سے اہواز میں میری ملاقات بھی ہوچکی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں اپنے بچپنے میں قوت گویائی نہ رکھتا تھا۔ جب میری عمر چودہ سال ہوئی اور بولنے سے قاصر رہا تو میرے والد اور چچا مجھے شیخ حسین بن روح کے پاس لے گئے اور عرض کرنے لگے کہ آپؑ امام زمانہؑ سے گذارش کریں کہ آنجنابؑ اس بچّے کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیں تاکہ یہ بولنے لگے۔

شیخ ابوالقاسم حسین بن روح نے بتایا کہ تم کو حکم دیا گیا ہے کہ حائر (کربلا) جاؤ۔

سرور کا بیان ہے کہ یہ حکم پاتے ہی میرے والد اور چچا کربلا پہنچے، غسل کیا اور زیارت کی، پھر میرے والد اور چچا نے مجھے پکارا: ''اے سرور''! میں نے کہا لبّیک۔ انھوں نے کہا: تم تو بولنے لگے۔

میں نے عرض کیا: جی ہاں

عبداللہ بن سورۃ کا بیان ہے کہ یہ شخص یعنی ''سرور'' بلند آواز سے نہیں بولتا تھا۔(۲)

(۱۸) آپؑ نے فرمایا اس میں چارسو درہم تمہارے چچازاد بھائی کے ہیں

ابی نے سعید سے، انہوں نے اسحاق بن یعقوب سے روایت بیان کی ہے کہ میں نے شیخ عمری کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں اہل سواد میں سے ایک شخص کے ساتھ تھا۔ اس کے پاس مالِ غریم (حق امامِ زمانہؑ) تھا۔ اس نے وہ مال بھیجا تو اسے واپس کردیا گیا اور کہا گیا۔

''اس میں سے اپنے چچازاد بھائی کا حق چارسو درہم نکال لو''

یہ سن کر وہ شخص حیرت زدہ ہو گیا، کیونکہ اس کے پاس اس کے چچازاد بھائی کی جائیداد تھی، اس نے

(۱) بحارالانوار، ج/۱/ص/۴۳۰ (۲) غیبۃ طوسی

اس کا کچھ حق دے دیا تھا اور کچھ رکھ لیا تھا۔ اب جو اس نے حساب کیا تو واقعاً جیسا کہ امام زمانہؑ نے فرمایا تھا۔ اس کے چچازاد بھائی کے چار سو درہم بھی اس میں شامل تھے۔ پھر اس شخص نے چار سو درہم نکال کر بھیجے تو قبول فرمائے۔(۱)

(۱۹) آپؑ نے فرمایا جو قیمت ملی ہے وہی دو

ابی نے سعد سے، انہوں نے علی بن محمد رازی سے، انھوں نے اپنے اصحاب کی ایک جماعت سے روایت کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت امام زمانہؑ نے ابوعبداللہ بن جنید کے پاس مقام واسط میں ایک غلام بھیجا کہ اس کو فروخت کر دو۔ اس نے اسے فروخت کر کے قیمت وصول کر لی۔ اب جو ان دیناروں کو وزن کیا، تو اٹھارہ قیراط اور ایک کم ہوا۔ لہٰذا اس نے اٹھارہ قیراط اور ایک دانہ اپنے پاس سے پورا کر کے قیمت آنجناب کی خدمت میں روانہ کر دی۔

چنانچہ آپؑ نے ایک دینار جس کا وزن اٹھارہ قیراط اور ایک دانہ تھا، واپس کر دیا اور کہلایا کہ جو قیمت ملی ہے، وہی دو، اپنی طرف سے وزن پورا نہ کرو۔(۲)

(۲۰) آپؑ نے فرمایا یہ رقم چوری سے بچ گئی

سعد نے ابوحامد مراغی سے، ابوحامد نے محمد بن شاذان بن نعیم سے روایت بیان کی ہے کہ اہل بلخ میں سے ایک شخص نے کچھ رقم ارسال کی اور ایک عریضہ بھی، جس میں قلم سے کوئی تحریر نہ تھی۔ بس اپنی انگلی سے کاغذ وغیرہ پر کچھ لکھ دیا، اور قاصد سے کہا: یہ رقم لے جا جو شخص اس رقم کا قصہ بیان کر دے اور اس عریضے کا جواب دے دے اس کو یہ رقم دے دینا۔

قاصد وہ رقم اور عریضہ لے کر عسکر (سر من رائے) پہنچا، اور جعفر سے ملا، اور کہا کہ اس رقم کا قصّہ بتایئے؟

جعفر نے کہا: یہ بتاؤ کہ تم بداء کے قائل ہو؟

قاصد نے کہا: جی ہاں

---

(۱) اکمال الدین، ارشاد (۲) اکمال الدین

جعفر نے کہا: سنو! اب تمہیں بھیجنے والے کو بداء واقع ہوا ہے اور اس نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے اور تمہیں حکم دیا ہے کہ تم یہ مال مجھے دے دو۔

قاصد نے کہا: نہیں، اس جواب سے میں مطمئن نہیں ہوا۔

قاصد یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا، اور ہمارے اصحاب کے پاس ادھر ادھر چکّر لگانے لگا، اسی دوران اس کے پاس ایک تحریر آئی جس میں لکھا تھا کہ:

''یہ رقم بس بچ ہی گئی، اس لئے کہ یہ صندوق کے اوپر رکھی ہوئی تھی۔ چور آئے گھر میں داخل ہوئے اور جو کچھ صندوق کے اندر تھا سب لے گئے لیکن یہ رقم ان کے خیال میں بھی نہ تھی اس لئے بچ گئی۔'' اور اس کے لئے دعا بھی کی۔ قاصد نے رقم کا قصّہ سنا تو سمجھ گیا کہ آپؑ ہی امام زمانہؑ ہیں اور رقم دے دی۔(۱)

امام مہدی صاحب العصرؑ کے معجزات

آپؑ والد ماجد امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد دنیا والوں کی نظر سے غائب ہوگئے ہیں مگر آج بھی اور تا قیامت آپ خداوند عالم کے حکم سے تبلیغ اسلام کا کام انجام دیتے رہیں گے اور ان کی بوقتِ ضرورت رہبری کرنے اور مسلمانوں میں مومنین کے خطوط کے جوابات دینے اور انہیں راہِ راست دکھانے کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے۔ یہ خدمات غیبت صغریٰ میں اور اس کے بعد غیبت کبریٰ میں بھی جاری رہے گی۔ آپؑ ائمہؑ طاہرین کی چودھویں کڑی ہیں اور انھیں کی طرح علم لدنی سے معمور ہیں۔ پیش ہیں آپؑ کے کچھ معجزات جو حسب ذیل ہیں:۔

(۱) امامؑ کا حجر اسود نصب کرنا

علامہ اردبیلی لکھتے ہیں کہ زمانہ نیابت میں محمد بن قولویہ با ارادۂ حج بغداد گئے۔ وہ مکہ معظّمہ پہنچ کر حج کرنے کا فیصلہ کئے ہوئے تھے۔ لیکن وہ بغداد پہنچ کر سخت علیل ہوگئے۔ اسی دوران میں آپ نے سنا کہ قرامطہ نے حجر اسود کو نکال لیا ہے۔ وہ اسے کچھ درست کر کے ایام حج میں پھر نصب کریں گے۔ کتابوں میں چونکہ پڑھ

---

(۱) کشف الغمہ، ص/۱۳۳، چودہ ستارے، ص/۵۷۳

چکے تھے کہ حجر اسود صرف امام زمانہ ہی نصب کر سکتا ہے جیسا کہ پہلے آنحضرتؐ نے نصب کیا تھا، پھر زمانۂ حجاج میں امام زین العابدین نے نصب کیا تھا۔ اسی بناء پر انھوں نے اپنے ایک کرم فرما ''ابن ہشام'' کے ذریعہ سے ایک خط ارسال کیا اور اسے کہہ دیا کہ جو حجرِ اسود نصب کرے، اسے یہ خط دے دینا۔ نصب حجر کی لوگ سعی کر رہے تھے۔ لیکن وہ اپنی جگہ پر قرار نہیں لیتا تھا کہ اتنے میں ایک خوبصورت نوجوان ایک طرف سے سامنے آیا اور اس نے اسے نصب کر دیا اور وہ اپنی جگہ پر مستقر ہو گیا۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہوا تو ابن ہشام ان کے پیچھے ہو لئے۔ راستے میں انہوں نے پلٹ کر کہا اے ابنِ ہشام، تو جعفر بن محمد کا خط مجھے دے دے۔ دیکھ اس میں اس نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ وہ کب تک زندہ رہے گا۔ اس سے کہہ دینا کہ وہ ابھی تیس (۳۰) سال اور زندہ رہے گا یہ کہہ کر وہ نظروں سے غائب ہو گئے۔ ابن ہشام نے سارا واقعہ بغداد پہنچ کر جعفر بن قولویہ سے بیان کر دیا غرض کہ وہ تیس (۳۰) سال کے بعد وفات پا گئے۔(۱)

(۲) امامؑ نے ایک مردِ صالح کو اس کے باپ کا نام بتایا

غلال بن احمد ابوالرّ جاء مصری (جو مرد صالح تھا) سے روایت ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابو محمد امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد تحقیق کے لیے کہ (حجت خدا اور امام کون ہے) اپنے دل میں کہا، اگر کوئی بات ہوئی تو وہ تین سال بعد ظاہر ہوگی۔ مگر میں نے ایک آواز سنی کہ اے نصر بن عبدربہ! اہل مصر سے کہنا کہ کیا تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر ان پر ایمان لائے تھے؟

ابوالرّ جاء کا بیان ہے کہ اس سے پہلے مجھے خود نہیں معلوم تھا کہ میرے باپ کا نام عبدربہ ہے۔ کیونکہ میں مدائن میں پیدا ہوا تھا، وہاں سے مجھے ابو عبداللہ نوفلی اٹھا کر مصر لایا، وہیں میری نشو نما ہوئی۔(۲)

(۳) امامؑ نے ایک عورت کے سوال سے پہلے جواب دیا

احمد بن ابی روح کا بیان ہے کہ اہل دینور میں سے ایک عورت نے مجھے بلایا، جب میں پہنچا تو اس نے کہا: اے ابنِ ابی روح! تم ہمارے شہر میں دینداری اور زہد و تقویٰ میں مؤثق ترین آدمی ہو۔ لہٰذا میں ایک امانت

---

(۱) کشف الغمہ، ص/۱۳۳، چودہ ستارے، ص/۵۷۳ (۲) بحارالانوار، جلد ۱۱، ص ۴۰۰

تمہارے سپرد کرتی ہوں۔امید ہے کہ تم اس سے عہدہ برآ ہو گے۔ میں نے کہا: انشاء اللہ ایسا ہی کروں گا۔

اس عورت نے کہا: یہ چند درہم ہیں جو اس تھیلی میں سر بمہر ہیں۔اسے کھول کر نہ دیکھنا جب تک اس شخص تک نہ پہنچا دو جو یہ بتا دے کہ اس تھیلی میں کیا ہے اور یہ میرا ایک گوشوارہ ہے جو دس دینار کے برابر ہے۔ اس میں (جواہرات) کے تین دانے ہیں، وہ بھی دس دینار کے برابر ہیں۔ نیز مجھے حضرت صاحب الزمانؑ سے ایک بات دریافت کرنی ہے، مگر چاہتی ہوں کہ میرے سوال سے پہلے وہ مجھے جواب بتا دیں۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے کہا: آپ ان سے کیا پوچھنا چاہتی ہیں؟

اس عورت نے کہا: میری شادی میں میری ماں نے کسی سے دس دینار قرض لئے تھے، یہ پتہ نہیں کہ انہوں نے کس سے قرض لیا تھا، تا کہ میں اس کو ادا کر دوں۔ جو بھی تم کو یہ بات بتا دے، اس کو یہ مال دے دینا۔

میں نے اپنے دل میں کہا، چلو یہ بھی میرے اور جعفر بن علی کے درمیان آزمائش ہے۔ الغرض میں نے وہ سب مال اپنے ساتھ لیا اور بغداد پہنچا۔ وہاں حاجز بن یزید وشّاء کے پاس گیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔

انہوں نے پوچھا: تمہیں کوئی کام ہے؟

میں نے کہا جی ہاں، یہ مال ہے جو مجھے دیا گیا ہے، مگر شرط پر کہ جب تک آپ یہ نہ بتا دیں کہ اس میں کتنا مال ہے، اور کس نے دیا ہے؟ اس وقت تک آپ کے حوالے نہ کروں گا آپ اگر ابھی بتا دیں تو میں آپ کو ابھی دیدوں گا۔

حاجز نے کہا: اے احمد بن روح! اس کام کے لئے تم سرّ من رائے جاؤ۔

میں نے کہا: لا الہ الا اللہ یہ تو اس سے بھی بالاتر بات ہے۔ جو میں سوچ رہا تھا۔

الغرض میں وہاں سے سرّ من رائے گیا۔ دل میں سوچا کہ پہلے جعفر کے پاس جاؤں، پھر سوچا نہیں پہلے امام حسن عسکریؑ کے اہل بیت کو آزماؤں۔ اگر وہ آزمائش میں پورے اترے تو خیر، ورنہ پھر جعفر کے پاس جاؤں گا۔ اس ارادے سے میں امام حسن عسکریؑ کے گھر گیا تو اندر سے ایک خادم نکلا، اور بولا: کیا تم احمد بن روح ہو؟

میں نے کہا،..... ہاں ....وہ بولا: اچھا، یہ خط لو اور اسے پڑھ لو۔ میں نے پڑھا تو اس میں تحریر تھا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم"

اے احمد بن روح!

عاتکہ بنتِ ویرانی نے تمہیں ایک تھیلی سپرد کی ہے، تمہارے خیال میں اس کے اندر ایک ہزار درہم ہیں، مگر تمہارا اندازہ غلط ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ تمہیں ایک امانت دی گئی تھی جس کو تم نے کھول کر نہیں دیکھا۔ اس لئے تمہیں کیا معلوم کہ اس میں کتنی رقم ہے۔ سنو! اس میں ایک ہزار درہم اور پچاس دینار ہیں۔ علاوہ ازیں تمہارے پاس ایک گوشوارہ (کان کا بندا) ہے۔ اس عورت کا خیال کہ یہ دس دینار کی قیمت کا ہے، یہ صحیح ہے کہ اس میں جو نگینے جڑے ہوئے ہیں ان کے ساتھ یہ گوشوارہ اسی قیمت کا ہے اور اس میں موتیوں کی قیمت دس دینار سے بھی زیادہ ہے۔ تم یہ گوشوارہ میری فلاں خادمہ کو دے دو۔ یہ میں نے اس کو عطا کر دیا ہے۔ پھر یہاں سے بغداد واپس جاؤ اور یہ ساری رقم حاجز کے حوالے کر دینا اور اس سے اپنا سفر خرچ جو وہ دے، لے لینا اور وہ دس دینار جس کے متعلق اس عورت کا خیال ہے کہ اس کی ماں نے اس کی شادی کے موقع پر کسی سے قرض لئے تھے اور وہ نہیں جانتی کہ کس سے قرض لئے تھے، تو ایسا نہیں ہے بلکہ اس کو علم ہے کہ کس سے قرض لئے تھے۔ جس سے قرض لئے تھے اس کا نام کلثوم بنتِ احمد ہے جو ناصبیہ ہے۔ یعنی کہ وہ دشمنِ اہل بیت ہے اور عاتکہ چاہتی ہے کہ اسے نہ دے بلکہ وہ دینار اپنی نادار بہنوں میں تقسیم کرنا چاہتی ہے۔

اور اے ابنِ روح! اب تم جعفر کے پاس اس کی آزمائش کے لئے نہ جانا بلکہ سیدھے اپنے گھر واپس جاؤ کیونکہ تمہارے چچا کا انتقال ہو گیا ہے اور میراث میں اللہ نے اس کا مال تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے۔

یہ خط پڑھ کر میں بغداد واپس آیا، وہ تھیلی حاجز کو دی۔ اس نے تھیلی کی رقم کا شمار کیا تو ایک ہزار درہم اور پچاس دینار تھے۔ مجھے اس نے تیس دینار دئے اور کہا کہ مجھے حکم ملا ہے کہ اتنی ہی رقم تم کو تمہارے اخراجات کیلئے دے دوں۔

الغرض میں وہاں سے اپنی جائے قیام پر واپس آیا تو ایک شخص نے مجھے خبر دی کہ تمہارے چچا کا انتقال ہو گیا ہے۔ تمہارے گھر والے تمہیں واپس بلا رہے ہیں۔ میں گھر واپس پہنچا تو دیکھا کہ واقعاً چچا کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کے ترکے سے مجھ کو تین ہزار دینار اور ایک لاکھ درہم ملے۔ (۱)

---

(۱) الخرائج والجرائح، بحار الانوار، جلد ۱۱، ص/ ۴۰۱۔۴۰۲

(۴) امامؑ نے جنید کے علاوہ اجرائے وظیفہ کا حکم دیا

حسن بن محمد اشعری کا بیان ہے کہ امام حسن عسکریؑ کے انتقال کے بعد حضرت صاحب الزّمانؑ کی طرف سے تحریر آئی اس میں ابوالحسن اور ان کے ساتھیوں کے لیے پھر سے اجرائے وظائف کا حکم تھا، لیکن جنید کے لئے کچھ نہ تھا یہ دیکھ کر مجھے دکھ ہوا۔ دریں اثناء جنید کے انتقال کی خبر آ گئی۔ ''تب میں سمجھا کہ جنید کا نام کیوں نہ تحریر فرمایا۔''(۱)

(۵) امامؑ کو علم تھا کہ ان تھیلوں میں کس نے کتنی رقم بھیجی ہے

شیخ ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے اپنے استاد سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ میں اردبیل سے پلٹ کر دینور آیا، ارادہ تھا کہ فریضۂ حج ادا کرنے جاؤں گا۔ یہ واقعہ امام حسن عسکری کے انتقال کو ایک یا دو سال بعد کا ہے اس وقت لوگ سخت پریشان تھے۔ مجھے دیکھ کر اہل دینور بہت خوش ہوئے اور شیعہ حضرات جمع ہو کر میرے پاس آئے اور بولے کہ ہمارے پاس حضرت صاحب الامرؑ کے لئے سولہ ہزار دینار کی رقم جمع ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ رقم آپ کی ہمراہی میں لے چلیں اور آپ کی نظر میں جو اس کا حقدار ہو، اسے یہ رقم دے دیں۔

میں نے کہا: یہ دورِ حیرت و ابتلاء ہے۔ ابھی میں اس دروازے کو نہیں پہچان سکا ہوں۔ اس امر میں تحقیق ضروری ہے۔

انھوں نے کہا: ہم لوگ چونکہ آپ کی بزرگی اور ثقہ ہونے سے واقف ہیں اس لئے ہم نے آپ ہی کو اس کام کے لئے منتخب کرلیا ہے۔ ہمیں آپ پر اطمینان ہے کہ کسی حجّت و دلیل کے بغیر یہ رقم کسی کو نہ دیں گے۔

راوی کا بیان ہے کہ پھر وہ تمام رقم ہر شخص کی الگ الگ تھیلیوں میں کر کے مجھے دی گئی۔ میں یہ ساری رقم لے کر قرامیس پہنچا، تو معلوم ہوا احمد بن حسن بن حسن وہاں مقیم ہیں۔ میں ان کی خدمت میں پہنچا، وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ایک ہزار دینار کی تھیلی اور مختلف رنگ کے کپڑوں کا ایک بنڈل مجھے دیا اور کہا کہ یہ اپنے ساتھ لے جائیے مگر جب تک دلیل امامت نہ دیکھ لیں کسی کو نہ دیں۔

---

(۱) ارشاد، بحارالانوار، جلد۱۱، ص/۴۰۵

جب بغداد پہنچا، تو میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ تحقیق کروں کہ لوگ کس کو نائب بتاتے ہیں؟ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہاں ایک شخص باقطانی کے نام سے مشہور ہے۔ وہ نیابت کا دعویدار ہے اور دوسرا شخص اسحاق احمر ہے اور تیسرے ابوجعفر عمری ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ پہلے میں باقطانی کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ ایک عمر رسیدہ پر ہیبت شخص ہے۔ بظاہر بڑی شان وشوکت ہے۔ اس کے پاس عربی گھوڑا ہے، خدمت گار ہیں اور بہت سے لوگوں کا مجمع بھی لگا ہوا ہے۔ میں نے اس کے قریب جا کر سلام کیا، اس نے خوش آمدید کہا، قریب بٹھایا اور میں دیر تک اس کے پاس بیٹھا رہا۔ جب سب لوگ چلے گئے تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم کس کے پیرو ہو؟

میں نے کہا: میں دینور کا رہنے والا ہوں، میرے پاس کچھ مال صاحب امر کا ہے، چاہتا ہو کہ اسے کسی کے سپرد کر دوں۔

اس نے کہا: کہاں ہے وہ مال مجھے دے دو۔

میں نے کہا: مگر مجھے نیابت کی دلیل چاہئے۔ اس نے کہا اچھا تو پھر کل آنا۔ دوسرے دن گیا، مگر وہ کوئی دلیل نہ پیش کر سکا۔ تیسرے دن بھی دلیل پیش کرنے سے معذور رہا۔ اس کے بعد میں اسحاق احمر کے پاس گیا۔ دیکھا وہ ایک جوان عمر کا شخص ہے اور بہت نفاست پسند ہے۔ اس کا مکان باقطانی کے مکان سے بھی بلند ہے۔ اس کا گھوڑا، لباس اور طرز رہائش کے اس سے بھی بہتر ہے۔ اس کے پاس خدمت گار اس سے بھی بہت زیادہ ہیں۔

میں نے جا کر اس کو سلام کیا، اس نے بھی مجھے خوش آمدید کہا اور اپنے قریب ہی بٹھا لیا۔ جب لوگ کم ہوئے تو اس نے میرے آنے کا سبب دریافت کیا۔ میں نے اس سے بھی وہی کہا جو باقطانی سے کہا تھا اور اس کے پاس بھی تین دن تک جاتا رہا۔ مگر اس کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں پائی۔

پھر میں ابوجعفر کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ ایک عمر رسیدہ اور بہت متواضع شخص ہیں، ایک چھوٹا سا گھر ہے جس میں وہ ایک نمدے پر بیٹھے ہیں۔ نہ ان کے پاس گھوڑا ہے نہ غلام۔ علاوہ ازیں نہ شان وشوکت ہے، نہ لوگوں کا جم غفیر۔ انہوں نے جواب سلام دیا۔ اپنے قریب بلایا اور میرا حال دریافت کیا۔

میں نے بتایا کہ میں ایک کوہستانی علاقے سے آیا ہوں اور میرے پاس کچھ رقم ہے۔

انھوں نے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو کہ یہ مال ان کی خدمت میں پہنچ جائے جنہیں تم چاہتے ہو، تو پھر سرّ من رائے چلے جاؤ وہاں ابن رضا کا گھر دریافت کر لینا اور فلاں بن فلاں وکیل کے بارے میں معلوم کر لینا۔ (اس وقت ابن رضا کا گھر آباد تھا) تمہارا مقصد وہیں پورا ہوگا۔

راوی کا بیان ہے کہ میں وہاں سے سیدھا سرّ من رائے گیا، وہاں ابن رضا کے مکان پر پہنچا اور اس وکیل کو دریافت کیا۔ دربان نے کہا وہ گھر کے اندر کسی کام میں مصروف ہیں، آپ کچھ دیر انتظار کریں۔ بس وہ باہر آنے ہی والے ہیں۔ میں وہیں بیٹھ گیا۔ تقریباً ایک ساعت کے بعد وہ گھر سے باہر آئے، تو میں نے اٹھ کر انہیں سلام کیا۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر لے گئے۔ وہاں میرا حال دریافت کیا۔ میں نے وہی سب کچھ عرض کیا جو اس سے پہلے لوگوں سے کر چکا تھا۔

انہوں نے کہا: اچھا کھانا کھا کر آرام کرو، تم تھکے ہوئے ہوگے۔ اس وقت سے نمازِ اولیٰ تک کا وقت ہے۔ پھر جو تم چاہتے ہو تمہارے سامنے پیش کر دوں گا۔

یہ سن کر میں نے کھانا کھایا اور سو گیا۔ جب نماز کا وقت آیا تو اٹھ کر ضروریات سے فارغ ہو کر نماز پڑھی۔ پھر وکیل کے گھر گیا اور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ ایک چوتھائی رات گزر گئی تو وکیل آیا اس کے پاس ایک تحریر تھی جو اس نے میرے حوالے کر دی۔ اس میں لکھا تھا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم"

اے احمد دینوری! تمہارے پاس فلاں فلاں رنگ کی تھیلیوں میں دینار ہیں جو فلان فلاں شخص کے اتنے اتنے دینار اتنی تھیلیوں میں ہیں ان میں سے ایک تھیلی فلاں بن فلاں زرّاع کی ہے جس میں تیرہ دینار ہیں"۔

(میرے دل میں شک پیدا ہوا کہ کیا میرے امام مجھ سے بھی زیادہ اس رقم کے بارے میں جانتے ہیں؟ لہٰذا میں مسلسل ہر تھیلی پر اس کے بھیجنے والے کا نام پڑھ پڑھ کر ملاتا رہا، یہاں تک کہ آخری تھیلی تک پہنچ گیا۔) اس کے بعد آپؑ نے تحریر فرمایا تھا کہ یہ تھیلی صوّاف کے بھائی احمد بن حسن مادرائی کے پاس سے قرمیسیس سے آئی ہے اس میں ایک ہزار دینار ہیں اس کے ساتھ ایک اس قسم کے کپڑوں کی گٹھری (بنڈل) ہے جو فلاں فلاں

رنگ کے ہیں۔ (یہاں تک کہ آخری کپڑے کی تفصیل تحریر فرمائی) یہ تحریر پڑھ کر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے بڑا کرم فرمایا کہ میرے دل سے شک دور ہوگیا۔

اس کے بعد یہ تحریر فرمایا: اے ابوجعفر عمری جس کو کہیں تم اس کو یہ سارا سامان حوالے کردو۔''

راوی کا بیان ہے۔ اس کے بعد میں ابوجعفر عمری کے پاس بغداد واپس آیا اور اس آمدورفت میں تین دن صرف ہوگئے۔ جب ابوجعفر عمری نے مجھے دیکھا تو فرمایا: کیا ابھی تک تم نہیں گئے؟

میں نے عرض کیا: جناب میں سرّمن رائے سے ہی آرہا ہوں۔

ابھی میں باتیں کرہی رہا تھا کہ ابوجعفر عمری کے پاس حضرت صاحب الامرؑ کا ایک رقعہ آیا۔ اس میں بھی وہ ساری تفصیل مرقوم تھی جو میرے رقعہ میں تھی اور اس میں یہ حکم بھی تھا کہ یہ ساری رقم، اور کپڑے وغیرہ ابوجعفر محمد بن احمد ابنِ جعفر قطان قمّی کے سپرد کردو۔

یہ تجدیدی حکم پا کر ابوجعفر عمری نے اپنا لباس تبدیل کیا اور مجھ سے کہا، جو کچھ تمہارے پاس ہے، وہ سب اٹھالو اور محمد بن احمد بن جعفر قطان قمّی کے مکان پر چلو۔

میں نے ساری رقم اور کپڑوں کا بنڈل اٹھایا اور ان کے ہمراہ محمد بن احمد جعفر قطان کے گھر گیا اور یہ سب ان کے حوالے کر کے حج کے لئے روانہ ہوگیا۔

جب حج سے فارغ ہو کر دینور پہنچا تو لوگ میرے پاس جمع ہوگئے۔ میں نے وہ رقعہ نکالا جو حضرت صاحب العصرؑ کی طرف سے مجھے ملا تھا اور سب کو پڑھ کر سنایا جب اس میں تھیلی کے ساتھ زرّاع کا نام آیا، تو وہ بیہوش ہوگئے۔ میں نے انہیں ہوش میں لانے کی سعی کی، جس وقت انہیں غش سے افاقہ ہوا تو بولے ''الحمدللہ'' کہ اس نے ہمیں ہدایت دی اور اب ہمیں یقین ہوگیا کہ زمین کبھی حجّت خدا سے خالی نہیں رہ سکتی اور خدا کی قسم، یہ تھیلی جو اس زرّاع نے دی تھی، اس کے بارے میں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔(۱)

(۶) امامؑ نے گھوڑے اور تلوار کی قیمت کا حکم دیا

راوی مذکور کا بیان ہے کہ اذکوتکین نے جب یزید بن عبداللہ سے شہرزور کے مقام پر جنگ کی اور اس

(۱) بحارالانوار، جلد ۱۱، ص ۴۰۵، ۴۰۸

کی مملکت اور خزانے پر قابض ہوگیا تو ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یزید بن عبداللہ نے فلاں گھوڑے اور فلاں تلوار کو حضرت صاحب العصرؑ کی بارگاہ میں نذر کر دیا ہے۔ اول تو میں ان کے خزانے اذکوتکین کے پاس منتقل کرتا رہا، اور گھوڑے اور تلوار کو بچاتا رہا، جب کوئی چیز منتقل ہونے کو باقی نہ رہی سوائے ان دونوں چیزوں کے، اور میں چاہتا تھا کہ یہ چیزیں حضرت صاحب العصرؑ کے لیے بچالوں، مگر جب اذکوتکین کی طرف سے سخت مطالبہ ہونے لگا اور ان کا بچانا ممکن نہ رہا تو میں نے اس گھوڑے اور تلوار کی قیمت اپنے دل میں ایک ہزار دینار لگائی اور ایک ہزار دینار گن کر خازن کے حوالے کیے اور کہا، ان دیناروں کو کسی محفوظ اور پوشیدہ جگہ رکھ دو۔ انہیں کسی حال میں نہ نکالنا، خواہ کتنی ہی شدید ضرورت پڑ جائے۔

پھر میں نے وہ گھوڑا اور تلوار اذکوتکین کے سپرد کر دی۔

راوی کا بیان ہے کہ ایک دن میں اپنی نشست گاہ میں بیٹھا ہوا مختلف امور کے درو بست میں مصروف تھا کہ ابوالحسن اسدی میرے پاس آئے۔ وہ وقتاً فوقتاً آیا کرتے اور میں ان کی ضروریات پوری کر دیا کرتا تھا۔ اس مرتبہ آئے تو بہت دیر تک بیٹھے رہے جس سے میں بوجھ محسوس کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا: مجھ سے کوئی ضرورت ہے؟

انہوں نے کہا: جی ہاں، میں آپ سے تنہائی میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے خازن سے کہا: خزائن خانے میں ہمیں کچھ پوشیدہ گفتگو کرنی ہے، اور پھر میں ان کو اپنے ساتھ خزانے کے کمرے میں لے گیا۔ تو انھوں نے حضرت صاحب الزمانؑ کا ایک چھوٹا سا رقعہ نکال کر میرے حوالے کیا جس میں لکھا ہوا تھا ــــــــــــــ ''اے احمد بن حسن! وہ ایک ہزار دینار جو گھوڑے اور تلوار کی قیمت تمہارے پاس ہے، ابوالحسن اسدی کو دے دو۔''

راوی کا بیان ہے کہ یہ دیکھ کر میں شکر کے سجدے میں گر پڑا: کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا کرم فرمایا اور اب مجھے یقین آ گیا کہ وہ حضرت ہی حجّت خدا ہیں، اس لئے کہ اس امر سے سوائے میرے کوئی دوسرا واقف نہ تھا کہ یہ گھوڑے اور تلوار کی قیمت ہے۔ چنانچہ میں نے اس خوشی میں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم فرمایا، ابوالحسن اسدی کو ایک ہزار دینار کے ساتھ تین ہزار دینار اور دے دئے۔(۱)

---

(۱) بحارالانوار، جلد۱۱، ص/ ۴۰۹۔۴۱۰

(۷) حسن بن نضر کیلئے امامؑ کا حکم

علی بن محمد نے سعد بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ حسن بن نضر و ابوصدام وغیرہ نے امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد آپس میں بیٹھ کر گفتگو کی کہ آپ کے وکلاء کے پاس جو رقم ہے وہ کس کی خدمت میں پیش کی جائے۔ بالآخر طے یہ ہوا کہ تفحّص و تجسس کرلیا جائے۔ اسی اثناء میں حسن بن نضر، ابوصدام کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے حج کا ارادہ کرلیا ہے۔ ابوصدام نے کہا: اس سال کو چھوڑ دو۔

حسن نے جواب دیا: میں نے خواب میں دیکھا ہے، جانا ضروری ہے۔

اس کے بعد انہوں نے احمد بن ابویعلی بن حمّاد سے وصیّت کی اور اس وصیّت میں کچھ رقم ناحیۂ مقدسہ (بارگاہ امام زمانہؑ) کے لئے مقرر کردی اور کہا کہ ان کے ظہور کے بعد تم اپنے ہاتھ سے یہ رقم ان کے حوالے کردینا۔

حسن بن نضر کا بیان ہے کہ جب میں حج کے ارادے سے نکل کر بغداد پہنچا تو ایک مکان کرائے پر لے کر وہاں قیام کیا تو امام حسن عسکریؑ کے کچھ وکلاء میرے پاس آئے اور بہت سے کپڑے اور دینار میرے حوالے کئے۔ میں نے ان سے کہا: یہ کیا؟ انہوں نے کہا: یہ وہی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔

پھر یکے بعد دیگرے لوگ آکر گھر میں جمع ہوگئے۔ اس کے بعد احمد بن اسحاق بھی آئے اور ان کے پاس جو کچھ تھا وہ سب لے آئے۔

مجھے بڑا تعجب ہو رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ میں متفکّر ہوا کہ دریں اثناء ایک شخص (امام زمانہؑ) کا رقعہ لے کر لے کر میرے پاس آیا۔ اس میں تحریر تھا کہ ''جو کچھ تمہارے پاس ہے، وہ سب لے کر آؤ''۔

میں نے سب کچھ اپنے ساتھ لیا اور روانہ ہوگیا۔ راستے میں ستر رہزنوں کا جتھہ ملا مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے محفوظ رکھا اور میں صحیح سلامت (سرّ من رائے) پہنچ گیا۔ وہاں پر قیام کیا تو پھر ایک رقعہ آیا، حکم ملا کہ ''سب سامان لے کر میرے گھر آؤ''۔ میں نے دو مزدوروں کے ٹوکروں میں سامان رکھا اور آپؑ کے بیت الشرف کی ڈیوڑھی پر جا پہنچا۔ تو دیکھا کہ وہاں ایک حبشی خادم کھڑا ہے۔ اس نے پوچھا: کیا آپ حسن بن نضر ہیں؟

میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: اندر آجائے۔

میں نے اندر جا کر مزدوروں کے ٹوکروں سے سامان نکال کر رکھ دیا۔ میں نے دیکھا کہ مکان کے ایک گوشے میں چند روٹیاں رکھی ہوئی ہیں۔ میں نے ان میں سے دو دو روٹیاں دونوں مزدوروں کو دے کر رخصت کر دیا۔ پھر دیکھا کہ ایک کمرہ کے دروازہ پر پردہ پڑا ہوا ہے اور کسی نے اندر سے آواز دی: اے حسن بن نضر! اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں یہاں آنے کا موقع فراہم کیا۔ اب شک نہ کرنا۔ شیطان چاہتا ہے کہ تم شک میں مبتلا رہو۔ اچھا! اب اس میں سے وہ دو کپڑے نکال کر لے جاؤ۔ ان کی تمہیں ضرورت پیش آئے گی۔

میں نے وہ دو کپڑے نکالے اور لے کر باہر آ گیا۔

سعد (راوی) کا بیان ہے۔ جب حسن بن نضر گھر واپس آئے تو ماہِ رمضان میں ان کا انتقال ہو گیا اور وہ دونوں کپڑے کفن میں کام آئے۔(۱)

(۸) امامؑ نے ابو غالب زراری کے دل میں کہی کی بات کی دعا کی

راویوں کی ایک جماعت نے ابو عبداللہ حمد بن محمد بن عباس سے اور انھوں نے ابو غالب زراری سے روایت کی ہے ان کا بیان ہے کہ: ایک مرتبہ میں کوفہ سے چلا، میرے ہمراہ میرا امالک ایمانی برادر بھی تھا جس کا نام ذہن سے محو ہو گیا ہے، میرے ساتھی نے مجھ سے کہا: کیا تم ابو جعفر شلمغانی کی ملاقات کو چلو گے۔ وہ آج کل اس گروہ (شیعہ) کے لئے رابطہ ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں ان سے درخواست کروں کہ وہ امام زمانہؑ کی خدمت میں میرے لئے دعا کی گذارش کر دیں؟

میں نے کہا: ہاں! چلو۔ ہم ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ ان کی مجلس میں ہمارے ساتھیوں میں سے بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم دونوں نے ابو جعفر شلمغانی کو سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

وہ میرے ساتھی کی طرف متوجہ ہوئے اور میرے بارے میں دریافت کیا: یہ جوان کون ہے؟

اس نے عرض کیا: یہ آلِ زرارہ میں سے ایک فرد ہیں۔

پھر وہ میری طرف متوجہ ہو کر پوچھنے لگے: زرارہ کے خاندان میں کس کی اولاد ہو؟

میں نے عرض کیا جناب، میں زرارہ کے بھائی بکیر بن اعین کی اولاد میں سے ہوں۔

---

(۱) کافی، بحارالانوار، جلد ۱۱، ص/ ۴۱۷ـ۴۱۸

انھوں نے فرمایا: ہاں، وہ مذہبی معاملات میں ایک جلیل القدر خاندان ہے۔

اس کے بعد میرے ساتھی نے ان سے عرض کیا: جناب! میں چاہتا ہوں آپ میرے ایک کام کے لئے ایک عریضہ میں دعا کی درخواست لکھ بھیجیں۔ انھوں نے فرمایا: اچھا۔

راوی کا بیان ہے کہ جب میں نے یہ سنا تو میرا بھی دل چاہا کہ میں بھی دعا کے لئے عریضہ لکھوں اور میرے دل میں تھا کہ اپنے فرزند ابوالعباس کی والدہ (اپنی زوجہ) کے لئے، جو مجھ سے بہت خفا تھی لیکن میرے دل میں اس کے لئے گنجائش تھی، دعاء کی درخواست کراؤں۔ اس بات کو میں نے کبھی کسی پر ظاہر نہیں کیا تھا۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ میں اپنی اس بات کو عریضے میں بھی بیان نہ کروں گا۔

چنانچہ میں نے عرض کیا: میری حاجت میرے دل میں ہے۔ اس لئے دعا کی درخواست ہے۔

انھوں نے ایک کاغذ اٹھایا۔ اس پر لکھا کہ ''زراری اپنی اس مشکل کے حل کی دعا چاہتا ہے، جو اس کے دل میں ہے۔'' کچھ دنوں کے بعد میرے ساتھی نے کہا کہ چل کر اپنی حاجتوں کے متعلق دریافت کریں۔ چنانچہ ہم دونوں ان کے پاس گئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ انھوں نے ہمیں دیکھ کر کاغذ نکالا۔ پہلے وہ میرے ساتھی کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے سوال کا جواب پڑھ کر سنایا۔ پھر میری طرف رخ کیا اور یہ جواب پڑھا:

''اور رہا زراری کا مسئلہ سو وہ تو شوہر و زوجہ کا قصّہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے مابین صلح کرادی ہے۔''

یہ جواب سن کر میرے دل پر بڑا اثر ہوا۔ ہم لوگ وہاں سے اٹھ کر واپس ہوئے۔

میرے ساتھی نے کہا: اب تم کو یقین آیا؟ میں نے کہا یقین ہی نہیں، بلکہ بہت تعجب ہوا۔ کہ یہ ایک راز تھا جس کو میرے اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا مگر انھوں نے اسے بتایا اور اس کا حل بھی بتایا۔ (صلح)

پھر قدرت کا کرنا۔ جب میں کوفہ واپس آیا اور اپنے مکان میں داخل ہوا اس وقت میری زوجہ مجھ سے ناراض ہو کر اپنے میکے چلی گئی تھی، اس نے میری آمد کو سنا، تو وہ خود میرے پاس آئی، مجھے منانے کی کوشش کرتی رہی، پھر مجھ سے معذرت چاہی، تو میں اس سے راضی ہو گیا اور میرا اور اس کا ملاپ ہو گیا۔ پھر مرتے دم تک اس نے میری مخالفت ہی نہیں کی۔ (۱)

---

(۱) بحارالانوار، جلد ۱۱، ص ۴۳۳۔۴۳۵

(۹) امامؑ کے وکیل کی آزمائش ایک عورت نے کی

نیز حسین بن علی بن محمد المعروف بہ ابوعلی بغدادی سے یہ بھی روایت ہے کہ اسی سال میں نے مدینۃ السّلام میں ایک عورت کو دیکھا کہ وہ حضرت صاحب الزماںؑ کے وکیل کے بارے میں دریافت کررہی تھی کہ وہ کون ہیں؟

کسی قمی نے اسے بتایا کہ شیخ ابوالقاسم حسین بن روح آپؑ کے وکیل ہیں۔

چنانچہ وہ حسین بن روحؒ کے پاس جا پہنچی۔ اس وقت میں بھی ان کے پاس موجود تھا۔ عورت نے دریافت کیا: اے بزرگوار! بتائے میرے پاس کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا: جو کچھ بھی تیرے پاس ہے، وہ لے جا کر دریائے دجلہ میں پھینک آ۔ پھر میں بتاؤں گا کہ تیرے پاس کیا تھا۔ چنانچہ وہ عورت گئی اور جو کچھ اس کے پاس تھا وہ دریائے دجلہ میں پھینک دیا اور واپس آ گئی۔

آپ نے اپنی کنیز کو آواز دے کر بلایا اور فرمانے لگے: ''وہ ڈبّہ اٹھا کر لے آؤ۔'' وہ لے کر آئی۔

پھر آپ نے اس عورت سے فرمایا: یہی ڈبّہ تیرے پاس تھا جسے تو دریائے دجلہ میں پھینک کر آئی ہے؟

اچھا اب تو بتائے گی کہ اس میں کیا ہے؟ یا میں بتادوں؟ اس عورت نے کہا: آپ ہی بتائے۔

شیخ ابوالقاسم حسین بن روح نے فرمایا: سن، اس ڈبّے میں ایک جوڑا سونے کے کنگن ہیں، ایک بالا ہے جس میں جواہرات ہیں، اور دو چھوٹی چھوٹی بالیاں ہیں، ان میں بھی جواہرات ہیں، دو انگوٹھیاں ہیں جن میں سے ایک میں فیروزہ اور دوسری میں عقیق ہے۔

یہ فرما کر آپ نے اس کو کھولا اور میری طرف بڑھایا، اس عورت نے دیکھ کر اسے پہچانا اور کہا: واقعاً یہ وہی ڈبّہ ہے جسے میں ابھی دریا میں پھینک کر آئی ہوں۔

اس معجزہ کو دیکھ کر مجھے غش آ گیا اور وہ عورت بھی بیہوش ہوگئی۔ حسین بن علی نے یہ واقعہ بیان کر کے مجھ سے کہا: میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اس واقعے کے بیان کرنے میں نہ کچھ اضافہ کیا، نہ کمی۔ (۱)

---

(۱) بحار الانوار، جلد ۱۵، ص/ ۴۶۱۔۴۶۲

(۱۰) امامؑ نے اپنے تمام وکلاء کو رقم وصول نہ کرنے کا حکم دیا

حسین بن حسن علوی کا بیان ہے کہ بادشاہ کے ندیموں میں سے ایک شخص روز حسنی اور دوسرا اس کا ساتھی دونوں مکّار اور فریبی تھے۔ ایک مرتبہ اس شخص نے کہا کہ فلاں جگہ پر رقم آتی ہے اور ان کے بہت سے وکلاء رقم وصول کرتے ہیں، چنانچہ اس نے ان تمام وکلاء کے نام بھی بتا دیئے جو اطراف و جوانب میں تھے۔ اس کی اطّلاع عبیداللہ بن سلیمان وزیر کو ہوئی۔ تو اس نے ان تمام وکلاء کو قید کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن بادشاہِ وقت نے کہا کہ اس شخص کو طلب کیا جائے جس نے یہ خبر دی ہے۔ کیونکہ یہ بات اتنی اہم ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

عبیداللہ بن سلیمان نے کہا: ہم تمام وکلاء کو گرفتار کر لیتے ہیں۔

بادشاہ نے کہا: نہیں، بلکہ پہلے ہم کچھ لوگوں کو رقم دے کر ان وکلاء کے پاس جاسوسی کے لئے روانہ کرتے ہیں، اور ان جاسوسوں کو وکلاء پہچانتے بھی نہ ہوں۔ پس جو وکیل ان سے رقم وصول کر لے اسے گرفتار کر لیا جائے۔ چناچہ ایک جاسوس محمد بن احمد کے پاس جا پہنچا اور تخلیہ چاہا اور پھر کہا کہ میرے پاس کچھ رقم ہے جس کو میں امامؑ کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں۔

محمد بن احمد نے کہا: تم کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تو اس سلسلے میں کسی بات سے واقف نہیں ہوں۔

وہ شخص مسلسل ان کی خوشامد کرتا رہا اور محمد بن احمد پیہم لاعلمی کا اظہار کرتے رہے۔ اسی طرح تمام جاسوسوں نے ہر وکیل کے پاس رقم لے جا کر دینے کی بھرپور کوشش کی، مگر تمام وکلاء نے ان سے رقم وصول کرنے سے انکار کر دیا۔ معاملے سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ (اس طرح یہ خطرہ ٹل گیا) امام عصر صاحب الزمانؑ نے جاسوسوں کے عمل سے پہلے ہی اپنے تمام وکلاء کو رقم وصول نہ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔(۱)

ظہور امامؑ سے پہلے دنیا کے حالات

امام مہدیؑ کے ظہور سے پہلے بے شمار علامات ظاہر ہوں گے جن کا ذکر حدیثوں کی روشنی میں مختصراً کر رہی ہوں۔

(۱) بحارالانوار، جلد ۱۱، ص/ ۴۱۹، ۴۲۰۔ کافی

(۱) دنیا میں کفر اس قدر پھیل جائے گا کہ عورتیں مردوں کے مشابہ ہوں گی مرد عورتوں جیسے ہوں گے۔

(۲) لوگ خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرنے لگیں گے، قتل و غارت معمولی چیز سمجھا جائے گا۔

(۳) رشوت عام ہوگی، سود کا زور ہوگا، جھوٹ بولنا حلال سمجھا جائے گا۔

(۴) شہوتِ نفسانی کی پیروی کی جائے گی، زنا عام ہوگا، دین کو دنیا کے بدلے بیچا جائے گا۔

(۵) عزیز داری کی پرواہ نہ ہوگی، بردباری کو کمزوری و بزدلی پر محمول کیا جائے گا۔ احمقوں کو عامل بنایا جائے گا۔

(۶) بادشاہ و امراء فاسق و فاجر ہوں گے، ظلم فخر کے طور پر کیا جائے گا، وزیر جھوٹے ہوں گے۔

(۷) امانت دار خائن ہوں گے، فریبی کی گواہی قبول کی جائے گی، شراب نوشی عام ہوگی۔

(۸) قاریانِ قرآن فاسق ہوں گے، طلاق بہت زیادہ ہوگی، ظلم و جور عام ہوگا

(۹) مالِ خدا و رسولؐ کو مالِ غنیمت سمجھا جائے گا، نمازیں جان بوجھ کر قضا کی جانے لگیں گی، صدقہ و خیرات سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے گا۔

(۱۰) شریروں کی زبان کے خوف سے نیک بندے خاموش رہیں گے، شام سے سفیانی کا خروج ہوگا۔

(۱۱) یمن سے یمانی برآمد ہوگا، مکّہ اور مدینہ کے درمیان بمقام "لد" زمین دھنس جائے گی، رکن اور مقام کے درمیان آلِ محمدؐ کی ایک معزّز فرد قتل ہوگی، بنی عباس میں شدید اختلافات ہوں گے۔

(۱۲) ۱۵ رشعبان کو سورج گرہن ا اور اسی ماہ کے آخر میں چاند گرہن ہوگا۔ زوال کے وقت آفتاب تا وقت عصر قائم رہے گا، مغرب سے آفتاب نکلے گا۔

(۱۳) نفسِ ذکیہ اور ستّر صالحین کا قتل ہوگا، مسجد کوفہ کی دیوار خراب و برباد کردی جائے گی۔

(۱۴) خراسان کی جانب سے سیاہ جھنڈے برآمد ہوں گے، مصر میں ایک مغربی کا ظہور ہوگا، ترک جزیرہ میں ہوں گے، روم رملہ میں پہنچ جائیں گے۔

(۱۵) مشرق میں ایک ستارہ نکلے گا جس کی روشنی مغرب تک پھیلے گی، ایک سرخی ظاہر ہوگی جو آسمان اور سورج پر غالب آجائے گی، مشرق سے ایک زبردست آگ بھڑکے گی جو ۳ یا ۷ روز باقی رہے گی۔ وہ آگ مغرب تک پھیل کر تمام عالم کو تہس نہس کردے گی۔

(۱۶) عرب مختلف بلاد پر قابو پالیں گے اور عجم کے بادشاہ کو مغلوب کر دیں گے۔

(۱۷) مصری اپنے بادشاہ و حاکم کو قتل کر دیں گے، شام تباہ و برباد ہو جائے گا، قیس و عرب کے جھنڈے مصر پر لہرائیں گے، خراسان پر بنی کدہ کا پرچم لہرائے گا۔

(۱۸) فرات کا پانی اس درجہ چڑھ جائے گا کہ کوفہ کی گلی کوچوں میں پانی ہوگا، بنی عباس کا ایک عظیم شخص بمقام حلولا دخانقیں نذرِ آتش کیا جائے گا، بغداد میں کرخ جیسا پل بنایا جائے گا۔

(۱۹) سیاہ آندھی کا آنا، زلزلوں کا آنا، اکثر مقام پر زمین کا دھنس جانا، ناگہانی موت کا زیادہ آنا دیکھا جائے گا۔

(۲۰) چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی کثرت جو کھیتی کو کھا جائے گی، غلّہ کم اگے گا۔

(۲۱) باہمی کشت و خون کی کثرت، اپنے سرداروں کو قتل کرنا، بارشوں کا پے در پے ہونا۔

(۲۲) بعض گروہ کا سور اور بندر کی صورت میں مسخ ہونا، برائی کا حکم اپنی اولاد کو دیا جائے گا اور اچھائی سے روکا جائے گا، خوفِ خدا دل سے نکل جائے گا۔

(۲۳) قرآن کا صرف نشان رہ جائے گا، مسجدیں آباد مگر ہدایت سے خالی ہوں گی، فقہا فتنہ پرور ہوں گے۔

(۲۴) گناہ کھلم کھلا کیا جائے گا، بدعہدی عام ہوگی، عورتوں کو تجارت میں شریک کیا جائے گا، ذلیل ترین شخص قوم کا سردار ہوگا، گانے والیوں کا زور ہوگا۔

(۲۵) ہمسایہ ہمسایہ کو اذیت دے گا، نیکی کا حکم کرنے والا ذلیل رہے گا، بیت اللہ معطل کر دیا جائے گا۔

(۲۶) عورتوں کی انجمنیں قائم ہوں گی، عورتوں کی دلالی کرنے والے معزز سمجھے جائیں گے حرام کو حلال کیا جائے گا، مرد اپنی زوجہ کی حرام کمائی کھائے گا۔ عورت مرد کے کسی رشتہ کا لحاظ نہ رکھا جائے گا۔

(۲۷) بادشاہ یعنی برسرِ اقتدار طبقہ مومن کو کافر کے لیے ذلیل کرے گا۔ خدا سے نہ ڈرنے والے مسجدوں پر قابض ہوں گے۔

(۲۸) سفیانی، خراسانی، یمانی کا خروج ایک ہی دن، ایک ہی مہینہ، ایک ہی سال میں ہوگا، حکومت شام، حمص، فلسطین، اردن، قنسرین پر غالب آجائے گی۔

(۲۹) طوفان کا زور ہوگا، وادی یابس سے ''ابن آکلۃ الاکباد'' خروج کرے گا۔

(۳۰) مومنین کا امتحان خوف، جوع، النقص اموال، نقص النفس، نقص ثمرات سے ہوگا، شام کو ''قریہ'' ''جابیہ'' زمین میں دھنس جائے گا، قتل نفسِ زکیہ کے ۱۵ دن بعد امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔(۱)

امام صاحب الزمانؑ جب ظہور فرمائیں گے

علامہ کنجی شافعی اور علی بن محمد صاحب کفایۃ الاثر کا بحوالہ ابو ہریرہ بیان ہے کہ سرور کائناتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام مہدی قریۂ (کرعہ) جو مدینہ سے بطرف مکہ تیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے، سے نکل کر مکہ معظّمہ سے ظہور کریں گے، وہ میری زرہ پہنے ہوں گے۔ میری تلوار لگائے ہوں گے اور میرا عمامہ باندھے ہوں گے۔ ان کے سر پر ابر کا سایہ ہوگا اور ملک آواز دیتا ہوگا کہ یہی امام مہدیؑ ہیں ان کی اتباع کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل آواز دیں گے اور ''ہوا'' اس کو ساری کائنات میں پہنچادے گی اور لوگ آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوجائیں گے۔(۲)

''معصوم کا فرمانا ہے کہ امام مہدیؑ کے ظہور کے متعلق کسی کا کوئی وقت معین کرنا فی الحقیقت اپنے آپؑ کو علم غیب میں خدا کا شریک قرار دینا ہے۔ وہ مکّہ میں بغیر اطلاع ظہور کریں گے، ان کے سر پر زرد رنگ کا عمامہ ہوگا۔ بدن پر رسالت مآب صلعم کی چادر اور پاؤں میں انہیں کی نعلین مبارک ہوگی۔ وہ اپنے سامنے چند بھیڑیں رکھیں گے، کوئی انھیں پہچان نہ سکے گا اور اسی حالت میں یکہ وتنہا بغیر کسی رفیق کے کعبۃ اللہ میں آجائیں گے۔ جس وقت عالم سیاہی شب کی چادر اوڑھ لے گا اور لوگ سوجائیں گے اس وقت ملائکہ صف بہ صف ان پر اتریں گے اور حضرت جبرئیل ومیکائیل انہیں نوید الٰہی سنائیں گے۔ کہ ان کا حکم تمام دنیا پر جاری وساری ہے۔ یہ بشارت پاتے ہی امامؑ شکر خدا بجالائیں گے اور رکن حجر اسود اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان کھڑے ہوکر باآواز بلند ندا دیں گے کہ اے وہ گروہ جو میرے مخصوصوں اور بزرگوں سے ہو اور وہ لوگو! جن کو حق تعالیٰ نے روئے زمین پر میرے ظاہر ہونے سے پہلے میری مدد کے لیے جمع کیا ہے۔ ''آجاؤ'' یہ ندا حضرت کے ان لوگوں تک خواہ وہ مشروق میں ہیں یا مغرب میں پہنچ جائے گی اور وہ لوگ یہ آواز سن کر چشم زدن میں حضرت کے پاس جمع ہوجائیں گے۔ یہ لوگ ۳۱۳ ہوں گے اور نقیب امام کہلائیں گے۔ اسی وقت

(۱) اعلام الوریٰ، طبرسی، ص/۲۶۲، طبع بمبئی ۱۳۱۲ھ چودہ ستارے، ص/۵۸۴۔۵۸۹ (۲) غایۃ المقصود، ص/۱۶۵

ایک نور زمین سے آسمان تک بلند ہوگا جو صفحہ دنیا میں ہر مومن کے گھر میں داخل ہوگا جس سے ان کی طبیعتیں مسرور ہو جائیں گی۔مگر مومنین کو معلوم نہ ہوگا کہ امامؑ کا ظہور ہوا ہے۔صبح امامؑ مع ان ۳۱۳ اشخاص کے جو رات کو ان کے پاس جمع ہو گئے تھے کعبہ میں کھڑے ہوں گے اور دیوار سے تکیہ لگا کر اپنا ہاتھ کھولیں گے جو موسیٰ کے ید بیضا کی مانند ہوگا اور کہیں گے کہ جو کوئی اس ہاتھ پر بیعت کرے گا۔وہ ایسا ہے گویا اس نے ''یداللہ'' پر بیعت کی۔سب سے پہلے جبرئیل شرفِ بیعت سے مشرف ہوں گے۔ان کے بعد ملائکہ بیعت کریں گے۔پھر مقدم الذکر نقباءِ (۳۱۳) بیعت سے مشرف ہوں گے۔اس ہلچل اور اژدہام میں مکہ میں تہلکہ مچ جائے گا اور لوگ حیرت زدہ ہو کر ہر سمت سے استفسار کریں گے کہ یہ کون شخص ہے، یہ تمام واقعات طلوع آفتاب سے پہلے سر انجام ہو جائیں گے، پھر جب سورج چڑھے گا، تو قرص آفتاب کے سامنے ایک منادی کرنے والا ظاہر ہوگا اور با آواز بلند کہے گا جس کو تمام ساکنانِ زمین و آسمان سنیں گے کہ ''اے گروہ خلائق یہ مہدی آلِ محمدؑ ہیں۔ان کی بیعت کرو۔ پھر ملائکہ اور (۳۱۳) آدمی تصدیق کریں گے اور دنیا کے ہر گوشہ سے جوق در جوق آپؑ کی زیارت کے لیے لوگ روانہ ہو جائیں گے اور عالم پر حجّت قائم ہو جائے گی۔اس کے بعد دس ہزار افراد بیعت کریں گے اور کوئی یہودی اور نصرانی باقی نہ چھوڑا جائے گا۔صرف اللہ کا نام ہوگا اور امام مہدیؑ کا کام ہوگا۔جو مخالفت کرے گا اس پر آسمان سے آگ برسے گی اور اسے جلا کر خاکستر کر دے گی۔''(۱)

---

(۱) نور الابصار، امام شبلنجی، شافعی، ص ۱۵۵، اعلام الوریٰ، ص/۲۶۴، چودہ ستارے، ص/ ۵۹۱۔۵۹۲

فہرست کتابیات

ابن خلدون

اتمام النعمۃ، کمال الدین

احتجاج طبرسی

ارجح المطالب

ارشاد المفید فارسی

استیعاب جلد/۲

اسد الغابہ جلد/۲-۳

اسد الغابہ جلد/۳ بحوالہ ترمذی

اشارۃ الاحزان صواعق محرقہ

اصابہ جلد/۲

اصول کافی لکھنؤ

اعلام الوریٰ

الاخبار الطّوال

الاختصار

الارشاد المفید مطبوعہ ایران

الامامت والسیاست جلد/۱

البصائر حصہ/۴

الخرائج والجرائح

الخصال جلد/۲

الخضرمی

الذریعہ جلد/۷

الشیعہ وفنون اسلام، علامہ سید محسن

القصص

الکافی

المحاسن، مطبوعہ ایران

المرتضیٰ

المناقب جلد/۳

الوزراء والکتاب

امالی ابن شیخ طوسی، مطبوعہ ایران

امالی صدوق

انسان العیون، طبع مصر جلد/۳

انوار القلوب

اوائل سیوطی کامل السفینۃ، حدیقہ کلیم سنائی

اوکلی تاریخ اسلام ربیع الابرار

ایک قطرہ خون، عصمت چغتائی

بحارالانوار ملا محمد باقر مجلسی جلد/ ۶، ۱۰، ۱۱، ۱، ۲

بصائر الدرجات جز/ ۷، باب/ ۲۱-۱۵

تاریخ ابن خلدون طبع لاہور

تاریخ ابوالفدا جلد/ ۱

تاریخ اسلام، علامہ عباسی جلد/ ۳

تاریخ اسلام، مسٹر امیر علی جلد/ ۱

تاریخ اعثم کوفی اردو طبع دہلی

تاریخ الخلفاء

تاریخ القرآن طبع جدہ

تاریخ ائمہ، فتح الباری

تاریخ بغداد جلد/ ۱

تاریخ خمیس جلد/ ۲

تاریخ طبری جلد/ ۲

تاریخ طبری جلد/ ۴

تاریخ کامل جلد/ ۲-۳

تاریخ یعقوب جلد/ ۲

تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی

ترجمہ نہج البلاغہ، رئیس احمد جعفری جلد/ ۱

ترجمہ نہج البلاغہ، مفتی جعفر حسین جلد/ ۲

ترمذی، طبع مصر جلد/ ۱

تفسیر امام حسن عسکریؑ

تفسیر ثعلبی فتح البیان صدیق حسن جلد/ ۱

تفسیر علی ابن ابراہیم قمی

تنبیہ الخواطر

تہذیب طبع دہلی

ثواب الاعمال، مطبوعہ بغداد

جزائری

چودہ ستارے، مولانا سید نجم الحسن

حاشیہ صواعق محرقہ

لہوف

حبیب السیر جلد/ ۱

درمنثور جلد/ ۲-۷

دعوت الراوندی

دلائل الامامۃ مطبوعہ نجف اشرف

دمعۃ الساکبۃ

دیوان حسان

ذکر العباس طبع لاہور

رمز الخرائج و رمز البصائر جلد/ ۷

روضۃ الاحباب شرح شفا قاضی عیاض جلد/ ۱

روضۃ الشہداء طبع ممبئی

روضۃ الصفا جلد/ ۲

روضۃ الکافی جلد/۸
روضۃ المناظر برحاشیہ کامل
ریاض القدس جلد/۲
ریاض النضرۃ
زندگانی محمدؐ
سیدہ کی عظمت، مولانا کوثر نیازی
سیرت حلبیہ
سیرت حلبیہ جلد/۱
سیرۃ ابن ہشام جلد/۱
سیرۃ الحسن ابصار العین
سیرۃ النبیؐ جلد/۱
شرح فقہ اکبر
شواہد النبوۃ رکن/۶
شہید انسانیت آیۃ اللہ سید علی نقی نقوی
صحیح بخاری کتاب المغازی
طبری جلد/۱
طبقات ابن سعد جلد/۱
عجائب القصص، علامہ عبدالواحد
علل الشرائع
عیون اخبار الرضا جلد/۲
عیون المعجزات مرتضیٰ
فتح الباری جلد/۲
فتح الباری شرح بخاری جلد/۴
فرج المہموم فی معرفۃ الحلال والحرام
من علم نجوم، مطبوعہ نجف اشرف
فضائل الصحابہ
قرب الاسناد
کافیہ حاشیہ
کامل مبرد جلد/۲
کتاب العدد
کتاب الملل والنحل شہرستانی طبع مصر
کتاب مستطاب ''روضۃ الواعظین''
کتاب منتہی الآمال، شیخ عباس قمی
کشف الغمہ جلد/۲
کمال الدین وتمام النعمۃ
کنز العمال جلد/۱،۳،۶،۷
مجمع آل
مجمع البیان جلد/۱
محفل انبیاء، محمد جمیل احمد
مدارج النبوۃ رکن/۴، باب/۳
مدارج النبوۃ جلد/۲

مراۃ الجنان	جلد/۱	مروج الذہب
مطالب السئو ل		معالم العلماء، علامہ رشید الدین
معانی الاخبار		معرفۃ اخبار الرجال